مذاہب الاسلام

جس میں اسلام کے تمام فرقوں کے حالات انہیں کے مذاہب کی کتابوں سے اور اُن کے عقائد اور بانیانِ مذاہب کے حالات بھی نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھے گئے ہیں

مؤلفہ
مولانا محمد نجم الغنی خاں صاحب خلف مولانا عبد الغنی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ رامپوری
مصنفِ خزائن الادویہ ۔ کتاب الفقہ ۔ شرح عقائد نسفی اردو ۔ بحر الفصاحت و تاریخ اودھ و تاریخ رہیلہ و تذکرۃ السلوک و معیار الافکار وغیرہ وغیرہ

بعد اضافۂ کثیر و نظرِ ثانی مصنّفِ علّام

تیسری مرتبہ سنہ ۱۹۱۳ء میں

کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی محمد الدین صاحب پرنٹر کے

فہرست مضامین مذاہب الاسلام مرتب بحساب حروف تہجی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد الٰہی

کہوں حمد شاہنشہ دو جہاں
کیے جلوہ گر جس نے شمس و قمر
گہر آب تر سے ہویدا کیے
کیا وجد میں جوش زن آب کو
دل آیا جو فرط کرم کی طرف
دیا موج کو ذوق ہست و عدم
دکھائی بہار نسیم چمن
خموشی کی لذت لب گل کو دی
زبانوں کو قدرت سے گویا کیا
عطا اُس نے ہم کو یہ توفیق کی
جو اسلام میں فرقے پیدا ہوئے
زبان بشر میں یہ قدرت کہاں
مناسب ہے عرض تمنا کروں

خداوند اقلیم کون و مکاں
زمیں پر نمایاں کیے بحر و بر
دل سنگ سے لعل پیدا کیے
پھرایا محبت میں گرداب کو
بھرا موتیوں سے دہان صدف
روانہ کیا سیل کو بے قدم
کھلائے گل و لالہ و یاسمن
تمنائے فریاد بلبل کو دی
بیان مطالب پہ شیدا کیا
کہ ہم نے مذاہب کی تحقیق کی
وہ سب جستجو کر کے اک جا لکھے
کریں شکر پروردگار جہاں
مناجات میں دل کو گویا کروں

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

الہی میں بندہ خطاوار ہوں — جو کچھ توں سزا مجھے سزاوار ہوں
نظر کر نہ زشتی کردار پر — سیہ کاریوں سے مری درگذر
وہ دل دے جو شیدا کسی کا نہ ہو — ترا ہو کے اصلا کسی کا نہ ہو
ترا ذکر دن رات کرتا رہے — تجھی پر شب و روز مرتا رہے
شراب محبت سے پر جوش ہو — تری یاد میں خود فراموش ہو
جدھر چشم بینا اٹھائے نظر — ترے حسن کا جلوہ آئے نظر
تجھے سمجھے دن رات حاجت روا — تجھی سے کہے جو کہے مدعا
تجھے جانے ہر دم سمیع و بصیر — تجھی سے کرے عرض مافی الضمیر
سوا تیرے سمجھے وہ دنیا کو ہیچ — زمین و فلک پست و اعلے کو ہیچ
جو ہے بادۂ عشق سے تیرے مست — نہ بھولے کبھی عہد روز الست
پس مرگ بھی یاد کرتا رہے — نہ ہو ہوش پر ہوش تیرا رہے
ہر اک سے جدا سب سے بیگانہ ہو — تری شمع وحدت کا پروانہ ہو
زمانے کے جھگڑے بھلائے رہے — تری روز و شب لو لگائے رہے
خوشی ہو کہ ہو کاہش درد و غم — ترا شکر کرتا رہے دم بدم
گوارا رہے تنگدستی مجھے — مبارک مری فاقہ مستی مجھے
مگر اے خداوند عرش برین — نہ دکھلا امیروں کی چین جبین
نہوں لغو باتوں سے کان آشنا — نہ کہنا پڑے جا و بے جا بجا
قناعت دے نان جویں پہ مجھے — پھرا پھر روزی نہ در در مجھے
تلاش تنعم میں حیران نہ کر — مجھے کاسہ لیس امیران نہ کر
میں بندہ ترا ہوں تو پروردگار — تجھے فکر میری مجھے تجھ سے کار
دم غیر ہر دم بھروں کس لئے — کسی کی خوشامد کروں کس لئے

رہِ دین میں دے استقامت مجھے — تزلزل نہو تا قیامت مجھے

نعت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

محمدؐ کہ الفت سے جسپر مدام — خدا بھیجتا ہے درود وسلام
کوئی ان سے رتبہ میں بڑھکر نہیں — خدائی میں ایسا پیمبر نہیں
اگر دیکھ لے شکل خیر الانام — بشر پر دوزخ کی آتش حرام
لگائے جو خاک قدم بے بصر — ازل سے ابد تک سب آئے نظر
زبان نبی تھی زبان خدا — بیان آپ کا ہے بیان خدا
وہ دلچسپ تبلیغ احکام کی — کہ دنیا نظر آئی اسلام کی
بظاہر تھے امی شہ خاص عام — زبان پر تھا علم لدنی تمام
نقوش و ورق کی ضرورت نہ تھی — کوئی چیز خط وکتابت نہ تھی
بیان کی وہ توحید حق بیدلیل — ہوئے سن کے کفار مشرک ذلیل
ہوئے بدعت کفر کے گل چراغ — نظر آئے گلہائے دین باغ باغ
یہی چاہئے ہم کو کہنا مدام — علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام

التماس مولف

مسلمانوں کے واسطے اس بات کی بڑی ضرورت ہے۔ کہ اُن کو اپنے ہاں کے تمام نہیں۔ تو اکثر مذاہب سے واقفیت ہو۔ کیونکہ اپنے اور غیر مذہب میں امتیاز حاصل ہوسکے اس فن کی جامع اور مفصل کتاب اردو اور فارسی میں تو آجتک لکھی ہی نہیں گئی یا لکھی گئی ہے۔ تو ہم تک نہیں پہنچی عربی میں بھی جہانتک تلاش کی گئی۔ تو فرقہائے اسلام کے حال میں یک جای

بیان نہیں ملا۔ مجھ کو علم کلام سے بہت دلچسپی ہے۔ اس فن میں میں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ جب عقائد نسفی کی شرح زبان اردو میں لکھنے لگا۔ تو اس کے ساتھ ہی ساتھ مذاہب کی تحقیق بھی کرتا رہا۔ یہانتک کہ بڑی جستجو کے بعد ایک اچھا خاصا ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ جس کو مرتب کر کے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر لیا۔ اور اس کا نام **مذاہب الاسلام** رکھا اس فن میں ایسی کافی ووافی کتاب کا تیار ہو جانا محض تائید ایزدی ہے ورنہ میں کہاں اور اس گلشن ہمیشہ بہار کا سرانجام کہاں۔ اگر شائقین تلاش کرینگے۔ تو میں امید کرتا ہوں۔ کہ وہ اس جامعیت کے ساتھ مذاہب اسلام کے بیان میں کسی زبان میں کوئی کتاب نہیں پائینگے۔ یہ میرا بیان اپنی تعلی کے لئے نہیں بلکہ واقعات کا اظہار مقصود ہے۔ معاش کی صعوبت افلاس کی نکبت۔ آمدنی کی قلت خرچ کی کثرت۔ اہل دولت کی ناقدردانی ونخوت۔ اور ناحق کوشوں کی عداوت اس کام پر ہمت نہیں بندھنے دیتی مگر محض اپنے شوق سے بزرگان قدر شناس کی تحسین کی امید پر اس سخت کام کو پورا کرتا رہا۔ سختی ونرمی۔ سردی وگرمی گذرتی رہیں اور گذر جائینگی۔ ایک دن میں نہ ہونگا۔ میری یادگار رہ جائیگی۔ اور کبھی نہ کبھی اسی کی بدولت ان بزرگوں کی جنہوں نے تصنیف وتالیف سے ملک وملت کی مدد کی ہے۔ معنوی ہم نشینی نصیب ہو جائیگی۔ مذاہب کے بیان میں اس قدر بصیرت حاصل ہونا۔ جو کہ محققین سابقین اور مدققین متاخرین کی تحقیقات کے مطابق ہے۔ اور ایک بہت بڑے کتب خانہ کی چھان بین کرنے کے بعد حاصل ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ وقت مساعدت کرے۔ اور حصول کمال کا شوق بھی ہو۔ علوم اسلامیہ کی طرف سے اس بے اعتنائی کے زمانہ میں غنیمت ہے۔ اس کتاب کی تیاری کے واسطے جن کتابوں کو پڑھا۔ اور ان سے حالات کا اقتباس کیا۔ انکی فہرست کے پیش کرنے سے اپنا بالغ نظر جتانا مقصود

نہیں۔ بلکہ یہ اظہار مطلوب ہے۔ کہ یہ کتاب کس مادے اور صورت سے تیار ہوئی ہے۔ میں نے احتیاطاً ہر اہم اور نادر واقعہ کا حوالہ حتی الوسع بقید نام وجلد کتاب اس کتاب کے ہر صفحے پر لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس طرح میں نے اپنا وہ فرض ادا کر دیا ہے۔ جو بحیثیت ناقل میرے ذمے تھا میرا مقصود اس تحریر سے صرف مذاہب اسلامیہ کے حالات لکھنا ہے کسی مسئلہ عقائد کا فیصل اور طے کرنا یا ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دینا یا کسی مذہب کو حق اور کسی کو باطل ثابت کرنا۔ یا کسی کی خوبی اور کسی کی برائی اپنی جانب سے پیدا کرنا مقصود نہیں۔ جیسا کہ میری بے رو و رعایت تحریر سے ثابت ہوگا۔

صحاح ستہ۔ معارف ابن قتیبہ۔ شرح عقائد عضدی مولفہ ملا جلال الدین دوانی۔ مقاصد حسنہ۔ دین خالص مولفہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم حجج الکرامہ شرح الشرح عقائد ملا۔ فتح الباری۔ عروۃ الوثقیٰ مولفہ شیخ علاء الدولہ سمنانی تمہید فی اصول الدین مولفہ شیخ ابو المعین نسفی۔ خیبۃ الاکوان۔ شذورات الذہب۔ شرح مواقف۔ اشعۃ اللمعات۔ معرب۔ تعریفات مولفہ سید شریف ہدایہ فی اصول الدین مولفہ محمد بن ابوبکر رازی۔ تاج المکلل۔ فواتح سبعہ۔ عقود الجمان۔ تیسیر الوصول الی جامع الاصول۔ شرح حاوی۔ شرح مختصر شرح فرائض مولفہ سید شریف۔ نہایۃ الارب فی معرفۃ قبائل العرب۔ احیاء العلوم شرح رسالہ مبارزیہ مولفہ ملا نظام الدین۔ اوتولوجیا۔ محمد بن عمر حسین رازی حسن العقیدہ مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ فتح البیان۔ مشارق الانوار فی فوز اہل الاعتبار۔ بحر المذاہب۔ درمختار۔ بہجۃ العلوم فی شرح عقیدۃ الاصول۔ سیرۃ النعمان۔ صراط المستقیم۔ شرح سفر السعادت۔ اقتصار جیود الاحرار ترجمہ مشکوۃ از مولانا عبد الحق دہلوی۔ مرآت جہاں نما۔ جوہرہ لامیہ۔ جوہر کبیر تحفۃ الاحلا۔ معتمد مولفہ تورپشتی۔ فلاح۔ سلسلۃ الذہب۔ شرح مسلم الثبوت مولفہ

بحر العلوم۔ ہدایۂ مشہور۔ کیمیائے سعادت۔ بحر الرائق۔ فتاویٰ مولوی عبد الحی صاحب۔ سواد اعظم۔ کتاب الہند مولفہ ابو ریحان بیرونی۔ نہایۃ العقول مولفہ امام رازی۔ تذکرۃ الفقہا۔ شرح مقاصد۔ ازالۃ الخفا۔ توضیح المذاہب۔ مواہب لدنیہ۔ تمہید ابو شکور سالمی۔ بدیع المعانی فی شرح عقیدۃ الشیبانی۔ معتقد المنتقد۔ مرات الجنان۔ شروح وحواشی عقیدۃ السنوسیہ معروف بام البراہین۔ ونبذۃ التوحید۔ اربعین امام رازی۔ شرح عمدہ نسفی مولفہ علامہ نکساری۔ عمدۃ البرکات مولفہ علامہ نسفی۔ کتاب الاوائل مولفہ ابو ہلال عسکری۔ کشف الغمہ عن افتراق الامہ۔ شمس بازغہ۔ صدرا۔ شرح اشارات مولفہ محقق طوسی۔ شفا مولفہ شیخ الرئیس۔ ملل ونحل شہرستانی۔ ترجمۂ فارسی ملل ونحل از مصطفےٰ ابن خالق داد۔ عمدہ اہل التوفیق والتسدید۔ تفسیر کبیر۔ کشاف اصطلاحات الفنون تاریخ ابو الفدا۔ نزہۃ الالبا۔ کشف الغمہ عن جمیع الامہ۔ محاضرات الابرار۔ اشرف الوسائل الی فہم الشمائل۔ تاریخ اعثم کوفی۔ نبراس مولفہ میر باقر داماد نہج البلاغت۔ قرۃ العینین۔ تاریخ کامل ابن اثیر۔ غنیۃ الطالبین۔ ترجمہ فارسی غنیۃ الطالبین۔ طور۔ شرح مختصر۔ منتہی المقال۔ توضیح المقال۔ شیم العوارض۔ منتہی الارب۔ تنزیہ الانبیاء والائمہ۔ ازالۃ الغین۔ تہذیب۔ مصائب النواصب۔ کتاب شافی۔ مسالک۔ شرح شرائع۔ مجمع البحرین۔ استغاثہ۔ معارف۔ شرح صحائف۔ شرح عقیدہ الوسطے۔ لواقح الانوار۔ نخبۃ الدہر۔ آثار البلاد۔ تقریبات الشافیہ۔ طریدۃ العجائب۔ طبقات الفقہا۔ تکمیل الایمان۔ طبقات شافعیہ۔ طبقات الحفاظ ذہبی۔ طبقات الحنفیہ۔ نفحات الانس۔ اسعاف الراغبین۔ بستان المحدثین۔ جلدین۔ نامہ دانشوران۔ رحلہ ابن بطوطہ۔ رحلہ ابن جبیر۔ کشف الظنون۔ آثار الادہار۔ شرح المقال۔ میزان ذہبی۔ صلح الاخوان۔ حدائق الحنفیہ۔ [illegible] ابراہیم شاہی۔ تذکرہ خواص الامہ مولفہ ابن جوزی۔ الخطط والآثار مقریزی۔ مجمع الاحباب۔ مصطفےٰ۔ شرح موطا۔ مفتاح النجا۔ نزل الابرار۔ مکتوبات شاہ ولی اللہ صاحب۔ مختصر التحف۔ الملل

رسالہ خلافیات ماتریدیہ و اشاعرہ ۔ جمہرۃ المفصل ۔ کتاب مناقب امام شافعی
میزان شعرانی ۔ مؤید الافاضل ۔ تذکرۃ المذاہب ۔ ریاض النضرہ ۔ کتاب الحرش
صواعق محرقہ ۔ کتاب کشی ۔ خلاصہ ۔ تاریخ مرجان مالکم ۔ تحفہ اثنا عشریہ ۔ انوار العنبش
صحاح اللغۃ ۔ قاموس ۔ طبقات دول اسلامیہ مولفہ ذہبی ۔ رسالہ امام احمد حنبل در
رد جہمیہ ۔ رسالہ عربی موسے علیہ السلام کے ساتھ کلام الہی واقع ہونے کے ذکر میں
رسالہ تیمیہ کلام الہی کی تحقیق میں ۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ۔ روضۃ الصفا ۔ تاج اللغات
تاریخ علامہ ابن خلدون ۔ نزہۃ المجالس ۔ تاریخ الخلفا ۔ وفیات الاعیان ۔ ارشاد مولفہ
ابو المعالی ۔ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان ۔ وزرا الاصدا ۔ فہ ۔ جامع الفنون
بیان المعرب فی اخبار المغرب ۔ تاریخ یمن مولفہ نجم الدین عمارہ یمنی ۔ فوائد المجموعہ
فی احادیث الموضوعہ ۔ لطائف اخبار الدول ۔ روضتین ۔ ابجد العلوم ۔ جامع التواریخ
قلائد الجواہر فی احوال الجواہر ۔ منتخب التواریخ ۔ تذکرہ نجوم السماء ۔ مجالس المومنین ۔
تذکرہ ریاض الشعرا ۔ تذکرہ نشتر عشق ۔ تذکرۃ الاولیا ۔ فتاوے خانیہ ۔ کتاب الترغیب
والترہیب ۔ مصباح الہدایت ۔ تاریخ الخمیس ۔ تاریخ طبری ۔ تفسیر کشاف ۔ مختصر منہاج السنۃ
مروج الذہب ۔ کشکول بہائی ۔ شرح تجرید ۔ اتحاف المرید ۔ شرح عقاید نسفی مولفہ علامہ
تفتازانی ۔ خرائج الجرائح ۔ مجموعہ واجدیہ ۔ کافی کلینی ۔ شرح کافی از ملا صادق ۔ ناسخ
التواریخ ۔ طبقات مناوی ۔ فصول اہم ۔ نور الابصار ۔ اعتقادیہ ۔ ارشادیہ ۔ شرح عقائد
عوارف لدنیہ ۔ مفتاح التواریخ ۔ وقایع دلپذیر ۔ طلسم ہند ۔ عقد الفرید ۔ تفسیر مجمع البیان
متفرق اخبارات ۔ تقویۃ الایمان ۔ مرآت آفتاب نما ۔ روضۃ الصفائے ناصری ۔
موانیہ اہل البیت ۔ نجوم الذاہرہ ۔ تاریخ فرشتہ ۔ شرح فقہ اکبر مولفہ ملا علی قاری ۔ شرح
فقہ اکبر موسوم بہ ضوء الاکثر مولفہ نصحی ۔ شرح فقہ اکبر مولفہ مولوی عصمت اللہ ۔ حاشیہ
میر حاشیہ قدیمہ از ملا نظام الدین ۔ فتوحات مکیہ ۔ فتاوی عزیزی ۔ شامی ۔ طحطاوی
جامع الاصول ۔ فتح القدیر ۔ عنایہ ۔ شرح مسلم الثبوت مولفہ مولوی ولی اللہ ۔ رسالہ
عقاید مولفہ سلیمان بن عبد الوہاب ۔ شرح طوالع الانوار مولفہ عبید اللہ بن محمد فرغانی

مطالع الانظار شرح طوالع الانوار مولفہ شمس الدین بن محمود اصفہانی لسان العرب ارشاد المسلمین۔ سبحۃ المرجان۔ الہامیہ۔ تفہیمات۔ رسالہ جبر و اختیار مولفہ ملا باسو جاسی۔ مراصد الاطلاع۔ نسیم الریاض۔ شرح شفائے قاضی عیاض۔ رسائل ملا علی قاری در بارہ مہدیت ان میں سے ایک رسالہ عبدالمالک کے اُس رسالے کے رد میں ہے۔ جو اس نے سید محمد جونپوری کی مہدیت کے اثبات میں لکھا ہے۔ اور ایک فتوے ہے موسوم بہ تنبیہ الغافلین سید محمد کی مہدیت کے رد میں۔ ایثار الحق علی الخلق۔ کتاب العقل والنقل مولفہ ابن تیمیہ۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ۔ برہان قاطع۔ دبستان المذاہب۔ نظم الفراید۔ تفسیر عزیزی پارۂ الم۔ تاویل الاحادیث۔ سیر المتاخرین۔ فتوحات اسلامیہ۔ کتاب التوحید مولفہ محمد بن عبدالوہاب۔ حظیرۃ القدس نزہتہ الناظرین فی مسجد الاولین والآخرین۔ تاریخ گلزار شاہی۔ کشکول محمد علی شیرازی۔ جلاء العینین۔ تفسیر سید احمد خاں صاحب۔ مجلدات تہذیب الاخلاق۔ گجرات اینڈ گجراتی مولفہ بہرام جی۔ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا۔ رسالہ شیخ ابو جعفر طوسی در بیان عقائد اثنا عشریہ۔ تاریخ وصاف۔ تاریخ نگارستان۔ روضۃ الاحباب۔ تاریخ الفی۔ کتاب بحار الانوار مولفہ علامہ مجلسی۔ تمدن عرب۔ ترجمہ تاریخ فرخ آباد مولفہ ارون صاحب۔ جلد سوم تاریخ ہندوستان مولفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب۔ نفح الطیب عن غصن الاندلس الرطیب۔ بہجۃ العالم۔ نفائس الفنون فی عرائس العیون۔ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا۔ اخبار الاعیان۔ اعتماد۔ ترجمان وہابیہ حطہ فی احوال الصحاح الستۃ کتاب میسر۔ رسالہ جواب ڈاکٹر ہنٹر مولفہ سید احمد خاں۔ جام جم مطبوعہ طہران وصایائے خواجہ نظام الملک۔ حبیب السیر۔ تعریفات شیخ ابو نصر مکی۔ حقائق الانوار فی دقائق الاسرار مولفہ امام رازی۔ لب الالباب فی تحریر الانساب مولفہ جلال الدین سیوطی۔ اتحاف ذوی الالباب بشوارد لب الالباب۔ جمہرۃ النسب مولفہ حافظ ابو محمد علی بن احمد۔ اکبر نامہ مولفہ ابوالفضل۔ حیات افغانی۔ جام جہاں نما مولفہ مولوی قدرت اللہ۔ الطہطاوی۔ مرتبہ انگریزی ترجمہ کی کتاب فقہ مالکی مصنفہ ابو محمد عبداللہ

بن ابی زیاد۔ قنیہ وافی۔ شرح کتاب الازہار۔ شرح فقہ اکبر از علامہ الیاس بن ابراہیم
کتاب مناقب امام اعظم مولفہ بزازی۔ شرح فقہ اکبر مولفہ ابو المنتہی۔ سائیکلوپیڈیا
آف انڈیا۔ مرات احمدی۔ راس مالا کا ترجمہ گجراتی۔ مجالس سیفیہ۔ صحیفۃ الصلوٰۃ
ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا جرنل جلد ۳۔ الیٹ کی تاریخ ہندوستان کی دوسری
جلد۔ مرآت سکندری اور مرآت سکندری کا ترجمہ انگریزی۔ صحیفہ زرین۔ تاریخ گزیدہ
مرآت عالم۔ عیون التواریخ۔ رسالہ عقیدہ محمد مرزوقی مالکی۔ ہدیہ مہدویہ۔ مؤلفہ
ابو رجا محمد شہید شکریہ در حق صاحب ہدیہ مہدویہ۔ تحقیقات الکبریٰ المعروف بہ
مجالس میاں مصطفیٰ گجراتی مہدوی۔ اخگر سوزان۔ انتخاب تواریخ الاغیار۔ ختم
الہدیٰ۔ سبل السویٰ۔ تذکرہ شمع انجمن۔ تصنیفات مرزا غلام احمد صاحب قادیانی
المسیح المثبون ترجمہ اردو جلاء العیون۔ توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس۔ رسالہ
ترتیب الوضوء والصلوٰۃ۔ برہان الفرقان علی صلوٰۃ القرآن۔ صلوٰۃ القرآن
بآیات الفرقان۔ رسائل اشاعۃ القرآن۔ رسالہ مناظرہ مابین مولوی عبد اللہ
چکڑالوی اہل قرآن و مولوی ابراہیم سیالکوٹی اہل حدیث۔ رسالہ الزکوٰۃ
والصدقات کما فی آیات بینات از مولوی عبد اللہ چکڑالوی۔ روضۃ العلماء
تاریخ مالوہ۔ جہانگیر۔ سفرنامہ حکیم ناصر خسرو۔ جنات الفردوس مولفہ مرزا محمد
الیواقیت والجواہر۔ تحفہ احمدیہ۔ اعمال الصالحین۔ تحفۃ العوام۔ تحذیر المومنین
باتشکل الغنی بجمعونہ۔ توراۃ و انجیل۔ عقائد الاسلام

محمد نجم الغنی ابن مولوی محمد عبد الغنی خان ابن مولوی عبد الرحمن
خان ابن مولانا حاجی محمد سعید صاحب رام پوری ماہ جمادی الاخر
۱۳۲۷ھ ہجری مطابق جون سنہ ۱۹۰۹ء

پہلا حصہ فرقہائے اہل سنت اور معتزلہ اور شیعہ اور خوارج اور مرجیہ اور نجاریہ اور جبریہ اور قدریہ اور مشبہ کے بیان میں

حدیث افتراق امت کی تحقیق

اہل علم تحصیل علم کے اعتبار سے چار قسم پر ہیں (۱) صوفیہ یہ علم انکشافی کو نبی کی متابعت سے حاصل کرتے ہیں (۲) اشراقین یہ علم اشراقی کو نبی کی متابعت کے بغیر حاصل کرتے ہیں (۳) مشائین یہ عقل کے ساتھ استدلال کرتے ہیں۔ (۴) متکلمین یہ کتاب و سنت اور اجماع کے ساتھ استدلال کرتے ہیں اور یہ ۷۳ فرقے ہیں جنکا ذکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کیا ہے

افترقت الیہود علی احدی وسبعین او اثنتین وسبعین فرقۃ وافترقت النصاری علی احدی وسبعین او اثنتین وسبعین فرقۃ وتفترق امتی علی ثلث وسبعین

یعنی یہود اکہتر یا بہتر اور نصاریٰ بھی اکہتر یا بہتر فرقے ہو گئے۔ میری امت تہتر فرقے ہو جائے گی۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ اور ابن ماجہ کی ایک روایت عوف بن مالک سے یوں ہے کہ یہود اکہتر فرقے ہو گئے جن میں سے ایک جنت میں اور ستر دوزخ میں ہیں۔ اور نصاریٰ بہتر فرقے ہو گئے کہ اکہتر آگ میں اور ایک جنت میں۔ قسم ہے اس خدا کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں ہمارے ذات محمد کی ہے۔ تحقیق میری امت تہتر فرقے ہو جائیگی جن میں سے ایک فرقہ جنتی ہے اور بہتر دوزخی اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص کا لفظ مرفوع یہ ہے قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منہم من اتی امہ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذلک وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وستفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلہم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی رواہ الترمذی وقال غریب یعنی میری امت کے لوگوں پر وہی آئیگا جو بنی اسرائیل پر آیا مطابق ہونگے ان کے یہانتک کہ اگر کسی نے ان میں سے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ صحبت کی ہو۔ تو میری امت میں بھی کوئی شخص پیدا ہو جائیگا کہ وہ ایسا کام کریگا۔ اور بنی اسرائیل بہتر فرقے ہو گئے میری امت تہتر فرقے ہو جائیگی سب آگ میں جائینگے مگر ایک ملت والے صحابہ نے پوچھا وہ کون ہیں اے رسول خدا۔ فرمایا وہ طریقہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ احمد اور ابو داؤد کا لفظ معاویہ سے یوں ہے۔ قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان من کان قبلکم من اہل الکتاب افترقوا علی ثنتین وسبعین ملۃ وان ہذہ الامۃ ستفترق علی ثلث وسبعین فرقۃ ثنتان وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وہی الجماعۃ یعنی ہم میں آنحضرت خطبہ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ خبردار ہو کہ جو تم سے پہلے اہل کتاب تھے۔ وہ بہتر فرقے ہو گئے۔ اور قریب ہے کہ یہ امت تہتر فرقے ہو جائیگی بہتر نار میں جائینگے اور ایک جنت میں وہ جماعت ہے لفظ جماعت کا اطلاق اہل سنت پر اسی حدیث سے ثابت ہوا ہے۔ اور ابن عدی نے ابو ہریرہ سے صرف اسی قدر روایت کیا ہے یہود اکہتر فرقے بن گئے اور نصاریٰ بہتر میری امت تہتر فرقے ہو جائیگی۔ بیہقی نے افتراق امت کی حدیث کو صحیح حسن کہا ہے اور حاکم اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیحین میں اسی مضمون کی حدیث ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ اور بقول مولف مقاصد حسنہ انس اور جابر اور ابو امامہ اور ابن مسعود اور حضرت عمر اور حضرت علی اور عویمر ابو الدردا اور واثلہ اور عبداللہ بن عمرو

بن عاص، و معاویہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس مضمون کی روایتیں آئی ہیں۔ اور
ابو ہریرہ بھی اسکے راوی ہیں۔ اور ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور ابن عدی
اور حاکم اور ابن حبان وغیرہ محققین حدیث نے اسکو اپنی اپنی کتب میں روایت
کیا ہے۔ اور جامع الاصول اور تیسیر الوصول اور مقاصد حسنہ اور جمع الجوامع اور
کتاب بیہقی وغیرہ میں ان روایات کو ان کتب صحاح حدیث وغیرہ سے نقل کیا ہے
تو اسکی صحت میں کلام نہیں۔ مجھے شبلی صاحب نعمانی سے تعجب ہے۔ کہ انہوں نے
سیرۃ النعمان کے صفحہ ۲۳۱ میں محض اپنی رائے سے اس حدیث کو کیوں موضوع
قرار دیدیا۔ کوئی بھی دلیل اسکی موضوعیت کی مولوی صاحب نے نہیں بیان کی
اس حدیث کے طریق بہت ہیں۔ اور اکثر حدیث نے اس کو صحیح مانا ہے۔ اور ترمذی
نے جو اس طریق کی روایت کو غریب کہا ہے۔ سو اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ کسی زمانہ
میں اسکی روایت ایک ہی راوی سے ہوئی ہے۔ اور غریب احادیث صحیح کے
اقسام سے ہے۔ اور صحیح حدیث قابل حجت ہے پھر حسن لذاتہ پھر حسن لغیرہٖ۔ اور تمام
طریقوں میں تفرق تہتر فرقوں میں آیا ہے نہ بہتر میں۔ مگر جو سیوطی نے ایک حدیث
ابن ماجہ کی جو انس سے مروی ہے۔ اس مضمون کی بھی نقل کی ہے۔ کہ بنی اسرائیل
کے اکہتر فرقے ہوگئے۔ اور میری امت بہتر فرقے ہو جائیگی۔ سب دوزخ میں جائینگے
مگر ایک فرقہ اور یہ جماعت ہے۔ مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت
میں کہتے ہیں۔ کہ اس روایت کا اعتبار ان بہت سی روایات کے مقابل نہیں ہو سکتا
بلکہ سیوطی نے بھی ابن ماجہ کی حدیث عوف بن مالک سے امت محمدیہ کے ۷۳
فرقے ہو جانے کے باب میں نقل کی ہے۔ سو یہی صحیح روایت ہے۔ اور یہی وجہ ہے
کہ صاحب سفر السعادت نے فرمایا ہے۔ کہ در باب افتراق امت بہفتاد و دو فرقہ
چیزے ثابت نہ شدہ۔ مطلب یہ ہے کہ تفرق امت ۷۳ فرقوں پر ثابت ہوا ہے نہ

* دیکھو جلد دوم دین خالص ۱۲

۴۳ ۔ اور اگر یہ ثابت کیا جائے ۔ کہ مصنف سفر السعادت کی مراد یہ ہے کہ افتراق امت کے باب میں مطلقاً کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی ۔ اور جو کچھ اس معاملہ میں آیا ہے ۔ وہ سب موضوع ہے ۔ تو یہ قول انکا کیسے معتبر ہو سکتا ہے جبکہ اتنے بہت ائمہ حدیث افتراق امت کی روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں ۔ اور بہت سے طریقوں سے مروی ہے ۔ شاید مولوی شبلی صاحب نے اس حدیث کے موضوع ہونے کے قول کو یہیں سے اُڑایا ہے ۔ مگر صاحب سفر السعادت تو یہ کہتے ہیں ۔ کہ امت محمدی کا بہتر فرقے ہو جانا کسی حدیث سے ثابت نہیں ۔ مولوی صاحب نے ایک بڑھا کر ۷۳ اپنی رائے سے کہا ہے ۔

یہود و نصاریٰ کے فرقے

یہود کے اشہر و اظہر فرقے عنانیہ ۔ عیسویہ ۔ یوذعانیہ تھے ۔ انہیں میں سے موشکانیہ و سامریہ ہیں ۔ یہ فرقے بڑے ہیں ۔ ان میں سے اکثر فرقے نکلے جنمیں سے بعض بت پرست ہیں ۔ اور بعض آفتاب و ماہتاب و نجوم پرست اور بعض اوثان پرست صنم کہتے ہیں ۔ بت کو وثن کہتے ہیں ۔ اسخمان کو اس لفظ میں سارے معبود باطلہ داخل ہیں ۔ جیسے بت شجر وغیرہ ۔ سالونیکا میں ایک او نچیب فرقہ یہودیوں کا رہتا ہے ۔ جسے ما کم بولتے ہیں ۔ اسکا اعتقاد جھوٹے مسیح سیبت لیوی پر ہے جسکی نسبت بیان کیا ہے ۔ کہ وہ پھر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آئیگا ۔ مگر تعداد اسکے ان لوگوں میں اور بہت سے مختلف عقاید ہیں ۔ جسکے لحاظ سے یہ تین فرقوں میں منقسم ہوئے ہیں ۔ وہ دل سے یہودی ہیں ۔ گر یہودیوں کے بڑے گروہ اور مسلمانوں کے ساتھ آباد رہنے سے ذلیل ہو رہے ہیں ۔ اور وہ اپنے آپس ہی میں بیاہ شادی کرتے ہیں ۔ اور قصبے میں ایک خاص مقام پر یکجا آباد ہیں ۔ یا یہ کہ ان کا ایک محلہ ہی علیحدہ ہے ۔ اس فرقے کے کچھ لوگ روسی عملداری میں رہتے ہیں ۔ سالونیکا میں عموماً وہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں ۔ مگر ہیں وہ یہودی ہی ۔ اور بڑے فرقے نصاریٰ کے

سے تین ہیں۔ ملکانیہ۔ نسطوریہ اور یعقوبیہ باقی فرقے انہیں میں سے نکلے ہیں شہرستانی نے ان سب فرقوں کا ذکر ملل و نحل میں کیا ہے۔ ان احوال کی حکایت سے ہمکو کچھ غرض نہیں ہے مگر اس ضمن میں اتنا کہنا مناسب ہے۔ کہ یورپ کے عیسائیوں میں تین مذہب خاص کر سب سے بڑے تصور کئے جاتے ہیں۔ ایک رومن کیتھولک یعنی رومی کلیسا جنکے نزدیک دین کا سب سے بڑا امام اور حضرت عیسیٰ کے خاص الخاص حواری پطرس کا خلیفہ پوپ تصور کیا جاتا ہے جو اٹلی کے قدیم شہر روم (اور اوجہول) میں رہتا ہے۔ تعداد کے لحاظ سے عیسائیوں میں رومی کلیسا کے لوگ زیادہ ہیں۔ مگر اس مذہب والوں کی سلطنتوں میں پہلے سے کمی اور ضعف آگیا ہے۔ صرف ایک سلطنت فرانس کی ان میں بہت زبردست باقی ہے دوسرا مذہب گریک چرچ یعنی یونانی کلیسا ہے۔ اس فرقے کے سب عیسائی بادشاہ روس کو مسیح کا خلیفہ اور اپنا پیشوا اور امام سمجھتے ہیں۔ اور اسکے کل احکام دینی و دنیوی کو واجب التعمیل جانتے ہیں۔ اور جو عیسائی ان احکام کی تعمیل سے اعراض و انکار کرے۔ اُسے اپنی جماعت سے خارج اور بے دین تصور کرتے ہیں تیسرا بڑا مذہب پروٹسٹنٹ ہے۔ اس فرقے والوں کا زور آجکل زیادہ ہے اور چھوٹی بڑی کئی سلطنتیں رکھتے ہیں۔ انگلستان و جرمن دو سلطنتیں ان میں بہت زبردست ہیں۔ اس مذہب میں بہت سے فرقے شاخ در شاخ ہیں۔ مثل لوتھرن۔ کیلوینسٹ۔ ریفارمڈ چرچ۔ پریسبائٹرین چرچ آف انگلینڈ وغیرہ وغیرہ پیدا ہوگئے ہیں

گلاسکو واقع سکاٹ لینڈ میں کارلایل کے زمانے سے عیسائیوں کا ایک فرقہ یونیٹیرین (موحدین) نامی پیدا ہوگیا ہے۔ جو مسلمانوں کی طرح خدائے وحدہ لاشریک پر اعتقاد رکھتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کو صرف اسکا پیغمبر مانتا ہے یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتے ہیں۔ مگر اسلام سے انکو نفرت بدستور چلی جاتی ہے جسکی یہ ہے۔ کہ اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کا ذریعہ ان کے پاس صرف عیسائی مصنف

کی کتابیں ہیں۔

فرقۂ ناجی و ناری

احادیث، افتراق امت میں اشکال ہے۔ دو طرح پر ایک یہ کہ انمیں اکثر اشخاص امت محمدی پر ہلاک و ناری ہونیکا حکم کیا ہے۔ حالانکہ حدیثوں میں آیا ہے۔ کہ یہ امت مرحوم ہے۔ اور جنت میں سب سے زیادہ یہی امت ہوگی۔ یہاں تک کہ وہاں دو ثلث اس امت کے لوگ ہونگے۔ اور ایک ثلث میں باقی امتیں۔ اسکا جواب بعض لوگوں نے یہ دیا ہے۔ کہ مراد اس جگہ امت سے امت دعوت ہے۔ نہ امت اجابت اور مراد امت اجابت سے وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ جلال الدین دوانی شرح عقائد عضدیہ میں کہتے ہیں کہ ظاہراً مراد امت اجابت ہے۔ نہ امت دعوت اس لئے کہ اکثر جب حدیث میں اس طور پر بیان ہوا ہے۔ تو اس کلام سے مراد اہل قبلہ ہیں۔ انتہی واقعی حدیث مذکور کو امت دعوت قرار دینا درست نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث خاص آنحضرت کی اپنی امت کی تفرقی کے بیان میں وارد ہوئی ہے چنانچہ اس میں لفظ امتی ہے۔ امت حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا شمار اس میں داخل کر کے نہیں فرمایا ہے ان کے واسطے اور حدیث ہے انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم ان بنی اسرائیل تفرقت بعد موسیٰ علی احدی وسبعین فرقۃ وبعد عیسیٰ علی اثنین وسبعین فرقۃ وستفترق امتی من بعدی ثلثۃ وسبعون فرقۃ اگر سب فرقے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مع اصناف کفار شمار کرینگے۔ تو

لہ شرح الشرح عقاید جلالی کی یہ عبارت ہے وستفرق امتی ای امۃ الاجابۃ للدعوۃ وھم الذین آمنوا بہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وھو الظاھر فان الاکثر ما ورد فی الحدیث علی ھذا الاسلوب لے بلفظ امتی ارید بہ اھل قبلۃ فکذا ھھنا ۱۲ منہ

ہونیوالے تہتر فرقے کیونکر ہونگے۔ پس اگرچہ کفار بھی امت دعوت ہیں لیکن یہاں مراد امت سے امت اجابت ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اسی وجہ سے انکو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے۔ دوسرا اشکال بابت تعیین فرقہ ناجیہ کے ہے ہر فرقے کو یہ گمان ہے میں ناجی ہوں اور بغیر میرا ناری ہے۔ اس پر کسی نے اپنی اپنی دلیلیں لکھی ہیں۔ جو کہ بہی کے جانے سے بھی زیادہ کمزور ہیں فرقہ ناجیہ وہی فرقہ ہے۔ جو مصداق اس لفظ کا ہے۔ ما انا علیہ واصحابی۔ یہ لفظ اسی شخص پر صادق آتا ہے جس کے عقیدے وعمل میں کوئی بدعت ظاہر ومخفی نہیں ہے بلکہ سارے عقائد واعمال اسکے مطابق سنت مطہرہ وسیرۃ صحابہ کے ہیں۔ کسی نے یوں بھی کہا ہے۔ کہ فرقہ ناجیہ ہر فرقے کے صلحا ہیں کسی نے کہا اہل سنت رسالت ہیں لیکن اصل بات یہ ہے۔ کہ کوئی فرقہ خاص نہیں ناجی وہی گروہ ہے جو کہ خاص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب کی راہ پر چلتا ہے۔ اور کسی طرح کی بدعت وہوا میں مبتلا نہیں جس طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے شرائع اسلام کو حضرت سے دریافت کر کے یہ عرض کیا تھا۔

والذی نفسی بیدہ لا ازید علی ھذا شیئا ولا انقص منہ

یعنی قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جان میری اسکے ہاتھ میں ہے جو آپنے فرما دیا ہے۔ میں اسپر نہ کچھ زیادہ کرونگا اور نہ اس سے کچھ کم کرونگا۔ اسپر حضرت نے اسکو جنتی فرمایا تھا۔ یعنی ناجی نام سے سو جو کوئی دعوے نجات کا کریے اور اسکے عقائد واعمال خلاف طریقہ حضرت اور سیرت صحابہ کے ہوں۔ تو وہ دعوے اسکا باطل ہے۔ اسلام کے تہتر فرقوں میں سے وہ کون فرقہ ہے جو اپنے آپکو ناجی اور اپنے مخالف کو ناری نہیں جانتا ہے۔ ایک امامیہ مذہب شاعر کہتا ہے مصرعہ ناجی بجز فرقہ اثنا عشری نیست۔ لیکن تصدیق اس دعوے کی یا تکذیب اسکی اسی طرح پر ممکن ہے کہ جسکا عقیدہ وعمل ما انا علیہ واصحابی کے موافق ہو اور کسی طرح کا خلاف بدعت سیئہ کی طرف سے اسکے عقیدہ وعمل میں نہ آیا ہے

نوٹ: حج الکرامہ میں تعیین فرقہ ناجیہ کے باب میں اچھی بحث کی ہے ۱۲

گو بعض تقصیرات فروعیہ اُس سے صادر ہو جائیں وہ ناجی ہے اور جسکا عقیدہ و عمل
اسکے مخالف ہو وہ ناری ہے۔ کیونکہ عہد حضرت و صحابہ میں کسی عمل و عقیدے میں کوئی
بدعت نہ تھی۔ اگرچہ بعض افراد سے طاعت میں قصور و فتور و ارتکاب فجور ہو جاتا تھا
ابن حزم نے زیادت الا واحدۃ کو موضوع کہا ہے لیکن یہ دعوے ان کا صحت کو نہیں
پہنچا۔ نہایت یہ ہے کہ زیادت شاذ ہو نہ موضوع۔ بعض علما فرماتے ہیں۔ کہ مراد ناری
ہونے سے اگر خلود نار ہے۔ تو یہ بات مخالف نص احادیث صحیحہ قطعیہ کے ہے کیونکہ کوئی
فرقہ اسلام کا مخلد فی النار نہ رہیگا۔ اور اگر مراد ناری ہونے سے یہ ہے کہ چند مدت
نار میں رہیگا پھر نجات پائیگا۔ تو یہ بات مسلم ہے لیکن اس تقدیر پر یہ بات لازم آتی ہے
کہ کوئی شخص فرقہ ناجیہ میں سے نار میں نہ جائے حالانکہ احادیث صحیحہ دلیل ہیں اس
بات پر کہ فساق مومنین چندے نار میں جائینگے۔ سو یہ شبہ قدیمہ ہے۔ اہل علم نے اسکے
چار پانچ جواب لکھے ہیں۔ جو کہ شرح و حواشی عقائد ملا جلال میں مذکور ہیں۔ انمیں سے
زیادہ ارجح و اقوے اُس جواب کو کہا ہے جو ملا جلال دوانی نے دیا ہے شق ثانی
کو اختیار کرکے یعنی مراد دخول من حیث الاعتقاد ہے۔ اور فرقہ ناجیہ کا دخول من
حیث الاعتقاد نہ ہوگا مگو بسبب بعض تقصیرات عمل کے آگ میں جائیں۔ دوسرا جواب
امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ جسکو محدثین نے بھی پسند کیا ہے۔ وہ یہ کہ مراد فرقہ
ناجیہ سے وہ لوگ ہیں۔ جو کہ مطلقاً نار میں نہ جائینگے نہ من حیث الاعتقاد اور نہ من
حیث العمل بلکہ بے وصول عذاب داخل ہونگے۔ تم انکی معصیت خواہ عفو ہو جائے
یا شدائد موت و قبر و اہوال قبر میں مجرا ہو جائے یا شفاعت حضرت سے وہ سارے
ذنوب محو ہو جائیں۔ غزالی کا یہ کہنا کہ فرقہ ناجیہ وہی ہے جو بے حساب و کتاب و بے
شفاعت بہشت میں جائیگا۔ کما حقہ نہیں تھا اسلئے کہ اس صورت میں دائرہ نجات کا
بہت تنگ ہوا جاتا تھا۔ لہذا محققین متاخرین نے جواب مذکور کو اصلاح فرماکر بقدر
مسطور کی ہے۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ کلہا فی النار کے معنی کل واحد من افراد کل فرقہ
فی النار ہے۔ یعنی ہر ایک آدمی ہر ایک فرقے کی افراد سے آگ میں جائیگا لیکن اس

عبارت سے مراد ایجاب کلی ہے پھر الا واحدۃ کے ساتھ استثنا کرنے سے یہ ایجاب
کلی رفع ہوا اور رفع ایجاب کلی ایک جزئی کے ساتھ بھی صادق ہو سکتا ہے چنانچہ
یہ بات ظاہر ہے پس اس صورت میں معنی الا واحدۃ کے یہ ہونگے۔ کہ ہر ہر فرد
اس فرقے کی دوزخ میں داخل نہ ہوگی۔ گو بعض بسبب تقصیر اعمال کے داخل دوزخ
ہوں۔ اس صورت میں اشکال دفع ہو گیا اور فرقوں غیر ناجیہ اور فرقہ ناجیہ میں
وجہ امتیاز اسی قدر ہوئی۔ کہ غیر ناجی فرقے سارے داخل دوزخ ہونگے اور یہ فرقہ
سارا دوزخ میں نہ جائیگا لیکن فرقۂ ناجی کا امتیاز اور فرقوں سے اعمال کے ساتھ نہیں
ہوسکتا اسلئے کہ اعمال سب میں مشترک ہیں پس امتیاز کا باعث صرف عقائد کی درستی
اور صحت ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ اس جواب کا مرجع بھی جواب اول کی طرف ہوتا ہے
اور سب سے بہتر ایک اور جواب ہے جو موافق ہے استعمال قدیم عرب کے اور حدیث میں
اسکے استعمال کی شہادت موجود ہے خلاصہ اسکا یہ ہے۔ کہ کلھا فی النار سے مراد بطلان ہے
چنانچہ جب کہتے ہیں۔ فلاں چیز فی النار ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے۔ کہ باطل ہے
چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے الہذا فی النار یعنی زبان درازی باطل ہے۔ اور سورۂ
نسا میں ہے الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا
جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں اسکے سوا نہیں کہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے
ہیں۔ نار سے مراد یہاں باطل و حرام چیز ہے۔ اسلئے کہ یتیم کا مال حقیقت میں آگ نہیں
اور مجاز پر اس واسطے حمل نہیں کرتے۔ کہ یہ جو کہا ہے کہ پیٹوں میں کھاتے ہیں یہ قول
سراسر انکار کر رہا ہے کہ یہاں مجاز مراد نہیں پس حدیث مذکور میں کلھم فی النار
سے یہ مراد ہوگی۔ کہ تمام فرقے باطل پر ہیں گو ایک عقیدہ اور ایک عمل کی وجہ سے ہوں
یا دو کی۔ اور فرقۂ ناجی کے نہ عقیدے میں بطلان ہے نہ عمل میں مگر یہ چاہیے کہ فرقۂ ناجی
کی تخصیص اس بات کے ساتھ کر دیجائے کہ نہ اُنکے عمل میں بدعت ہے نہ عقیدے میں
اور یہی منشاء جواب دوم کا بھی ہے یا بطلان کو صرف اعتقادیات کے ساتھ مخصوص
کر دیا جائے۔ یعنی یہ کہا جائے۔ کہ اُن کے اعتقاد میں کسی طرح کا فتور نہیں پس اس صورت

میں یہ جواب پہلے جواب کی طرف رجوع کریگا۔ اسی واسطے کہاہے کہ اقوے وارجح
وہی جواب اول ہے۔ اور شیخ علاء الدولہ سمنانی نے عروہ میں کہاہے کہ اسلام کے
تمام فرقے اہل نجات ہیں۔ اور حدیث میں مراد ناجیہ سے ناجیۂ بے شفاعت ہے انتہی
مراد سارے فرقہائے اسلام کے اہل نجات ہونے سے یہ ہے۔ کہ بقدر سزائے معاصی
کے دوزخ میں رہکر بالآخر اُس سے نجات پائینگے۔ اور بہشت میں داخل کئے جائینگے
اور ناجیہ سے ناجیۂ بے شفاعت مراد لینے میں وہی قباحت ہے۔ جو امام غزالی کے
جواب میں بیان ہوئی۔ پس بہتر جواب وہی ہے۔ جو محققین متاخرین نے امام
غزالی کے جواب میں اصلاح کرکے بیان کیاہے

علم فقہ اور طبقات فقہا

علم فقہ اکثر صحابہ کا شعار تھا۔ جیسے خلفائے اربعہ اور باقی عشرۂ مبشرہ
اور ابن مسعود اور معاذ اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور ابو درداء اور بی بی
عائشہ اور ابن عمر بن خطاب اور ابن عباس اور ابن عمرو ابن عاص اور ابن الزبیر
اور ابو موسیٰ اور ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ اور جابر بن عبداللہ وغیرہ رضی اللہ عنہم
اور تھوڑے سے مقاموں میں فقہ انکے سوا دوسرے صحابہ سے بھی منقول ہواہے
جیسے ابوذر اور عمار اور حذیفہ اور سلمان اور عبادہ بن صامت اور ابو مسعود اور فضالہ
اور واثلہ اور خالد اور معاویہ اور عمرو بن عاص اور ام سلمہ اور اسما بنت ابوبکر اور
حسن اور حسین رضی اللہ عنہم اور ان میں سے جنکے فتوے شہرت کو پہنچ گئے۔ وہ نو
ہیں۔ حضرت عمر حضرت علی ابن مسعود اور ابی بن کعب اور زید اور ابو موسیٰ اور
ام المومنین عائشہ اور ابن عمر بن خطاب اور ابن عمرو بن عاص اور ان میں سے بھی
زیادہ مشہور یہ تین شخص ہوئے۔ عبداللہ بن مسعود زید بن ثابت عبداللہ بن عباس
اہل مدینہ کا فقہ میں زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر پر اعتماد تھا اور اہل مکہ کا ابن
عباس کی رائے پر اور اہل کوفہ کا حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کی رائے پر

اور اہل مصر ابو موسیٰ اشعری اور عمران بن حصین کی رائے پر تھے۔ اور شام میں معاذ اور ابو درداؓ وغیرہ تھے۔ بعد اسکے ریاست علم فقہ تابعین کو پہنچی چنانچہ صحابہ کے بعد مدینے میں سعید بن مسیب اور عروہ بن زبیر اور قاسم بن محمدؒ اور خارجہ بن زید اور سلیمان یسار اور عبید اللہ بن عتبہ اور ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث تھے۔ اور مدینے کے جو سات فقہا مشہور ہیں۔ وہ یہی ہیں۔ اور اسی طبقے میں سے مدینے میں یہ لوگ بھی تھے۔ سالم بن عبد اللہ اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن اور ابان بن عثمان اور قبیصہ بن ذویب وغیرہ اور جنہوں نے انکی متابعت کی اُنکا بھی اسی طبقے میں شمار ہے۔ جیسے عمر بن عبد العزیز اور علی بن حسین اور یحییٰ بن سعید اور ابو الزناد اور زہری اور ربیعہ وغیرہ پھر فقہ تبع تابعین کی طرف منتقل ہوا۔ جیسے ابو ذیب اور ماجشون اور امام مالک بن انس اور ان کے اصحاب اور مکے میں عبید بن عمیر اور عطا بن ابی رباح اور مجاہد اور عکرمہ اور سعد بن جبیر اور ابن ابی ملیکہ اور عمر بن دینار وغیرہ تھے۔ پھر فقہ ابن ابی نجیح اور ابن جریج اور سفیان بن عُیینہ اور مسلم بن خالد اور سعید بن سالم وغیرہ کو پہنچا۔ پھر امام ابو عبد اللہ شافعی اور اُنکے اصحاب کی طرف منتقل ہوا۔ اور کوفے میں ابن مسعود کے اصحاب علقمہ اور عبیدہ اور مسروق اور اسود اور عبد الرحمن ابنائے یزید اور عمر بن شرحبیل اور شریح قاضی وغیرہ فقہ کے استاد تھے۔ اور انکے بعد عامر شعبی اور ابراہیم نخعی۔ انکے بعد حکم بن عُیینہ اور حماد بن ابی سلیمان اور منصور بن معتمر وغیرہ تھے۔ اور بعد انکے ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلے اور حسن بن ابی صالح اور شریک بن عبد اللہ اور امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری اور ان دونوں کے اصحاب تھے۔ اور بصرے میں حسن اور ابن سیرین اور مطرف بن عبد اللہ اور جابر بن زید اور ابو قلابہ پھر قتادہ اور ایوب اور یونس اور سلیمان تیمی اور ابن عون اور عثمان بتی پھر حماد بن زید اور حماد بن سلمہ جو حمادین یا حمادان کہلاتے ہیں اور یحییٰ بن سعید اور ابن مہدی تھے اور شام میں ادریس خولانی اور شہر بن حوشب اور ابن ابی زکریا اور رجا بن حیات اور عبادہ

بن منبہ اور مکحول وغیرہ تھے۔ اور یمن میں طاؤس اور وہب بن منبہ وغیرہ تھے
اور مصر میں یزید بن ابی حبیب اور عمر بن حارث اور لیث بن سعد وغیرہ تھے
پھر اصحاب امام مالک اور امام شافعی اور ان کے اصحاب اور خراسان میں
ضحاک بن مزاحم اور ابراہیم صائغ اور عبداللہ بن مبارک اور اسحاق بن راہویہ
اور بغداد میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اصحاب اور امام احمد بن حنبل
پھر ابو ثور اور ابو عبید قاسم بن سلام پھر داؤد اور محمد بن جریر وغیرہ۔ ان فقہا
میں سے ہر طبقے میں اگرچہ ہر ایک فقیہ فقہ میں نامور تھا۔ مگر پھر بھی باعتبار شہرت
کے ان میں بڑا تفاوت ہے[۱]۔

مسائل فروعی اجتہادی میں صحابہ کے اختلافات

نبی علیہ السلام کی وفات تک مسلمان ایک ہی عقیدے اور طریقے پر تھے۔ مگر جو
لوگ ظاہر میں مسلمان باطن میں منافق تھے وہ زمانہ حیات آنحضرت میں بھی
مکر و فریب کرتے تھے۔ اور وہ نفاق انکا ہر وقت اُن کے اعتراض کرنے سے
حرکات و سکنات رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوتا تھا رہے وہ
اختلافات جو حال مرض اور بعد وفات حضرت کے صحابہ میں واقع ہوئے
وہ اجتہادی تھے۔ غرض اُن اختلافات سے معاملات دین اور اسلام کا قائم کرنا
تھا۔ اور کچھ پہلا تنازع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں ہوا۔ وہ
حضرت کا کاغذ اور دوات و قلم مانگنا۔ اور حضرت عمر کا غلبہ درد کے خیال سے
یہ کہنا کہ ہم کو اللہ کی کتاب کفایت کرتی ہے نہ دینا ہے دوسرا اختلاف در حال
مرض نبوی میں یہ ہوا۔ کہ آں حضرت نے لشکر اسامہ کی تیاری کے واسطے حکم دیا
اسپر کچھ صحابہ نے یہ کہا کہ ہم پر بجا آوری اس حکم کی واجب ہے اور کچھ نے کہا کہ
حضرت کا مرض بڑھ گیا ہے۔ ہمارا جی حضرت کے چھوڑنے کو اس حال میں نہیں چاہتا

---

[۱] دیکھو مختصر کتاب التوسل ۱۲

ہے تیسرا اختلاف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت میں ہوا حضرت عمر نے کہا کہ
جو کوئی یہ کہے گا۔ کہ آنحضرت علیہ السلام مرگئے ہیں۔ میں اسکو اس تلوار سے قتل
کرونگا۔ وہ تو آسمان پر مثل عیسٰی بن مریم کے چڑھائے گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر
نے کہا کہ وہ بیشک مرگئے ہیں۔ اور یہ آیت پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من
قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابهم یعنی محمد خدا کے رسول
ہیں اگر وہ مرجائیں یا مارے جائیں۔ تو اے لوگو تم اگلی راہ پر پھر جاؤ گے
یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مرنے سے کیا دین چھوڑ کر پھر کفر اختیار کرو گے اُس
وقت صحابہ نے حضرت ابوبکر کے قول کی طرف رجوع کیا۔ اور حضرت عمر نے بھی
تسلیم کیا۔ چوتھا اختلاف آنحضرتؐ کے دفن کے مقام میں ہوا۔ مہاجرین اہل
مکہ نے چاہا۔ کہ ہم نعش مبارک کو لیجائیں۔ انصار اہل مدینہ نے چاہا کہ مدینہ میں دفن
ہوں کچھ صحابہ نے ارادہ کیا کہ بیت المقدس کو لیجائیں۔ اسلئے کہ وہ جگہ دفن
انبیا کی ہے۔ اور آپکی معراج اسی جگہ سے آسمان کی طرف ہوئی تھی۔ پھر سب نے
اتفاق کرکے مدینے میں دفن کیا! اسلئے کہ حضرت نے فرمایا تھا۔ کہ انبیاء اسی جگہ دفن
ہوتے ہیں۔ جہاں مرتے ہیں پانچواں اختلاف مسئلہ خلافت میں مہاجرین و انصار
کے درمیان ہوا۔ کہ انصار کہتے تھے۔ ایک امام ہمارا ہوگا۔ اور ایک مہاجرین کا
ہوگا۔ اور اپنی طرف سے سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانے اور اسکے ہاتھ بیعت کو آمادہ ہوگئے
مگر جب ان سے کہا گیا کہ پیغمبر خدا کا حکم ہے۔ کہ امام قریش میں سے چاہیئے تو آخر کار
حضرت ابوبکر کی خلافت پر سب نے اتفاق کرلیا اور فساد مٹ گیا۔ چھٹا اختلاف
معاملہ فدک میں ہوا تھا۔ کہ حضرت کا وارث کون ہے فاطمہ علیہا السلام نے کبھی دعوے
وراثت کا کیا اور کبھی ملکیت کا۔ یہانتک کہ پہلا دعوے بدلیل مشہور رہے نحن معاشر
الانبیاء لا نورث ما ترکناه صدقة دہم گروہ انبیا ہیں نہیں چھوڑتے ہم میراث

ۡ شہاب الدین احمد ابن حجر کتاب اشرف الوسائل الی فہم الشمائل کے باب ذکر میراث میں کہتے ہیں لا نورث بسکون الواو
وفتح الراء یعنے فتح الواو وکسر الراء لا نترک مالا میراثا مطلب یہ ہے کہ لفظ لا نورث میں واو ساکن اور رائے مہملہ مفتوح ہے
اور بعض کہتے ہیں۔ کہ واؤ مفتوح ہے اور راء مکسور ہے ۱۲ منہ

جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے، دفع ہو گیا اور دوسرا دعوے اس لئے خارج
ہوا کہ گواہ بی بی صاحبہ کی طرف سے پورے نہ گذرے۔ ساتواں خلاف وہ ہے
کہ عرب کے بعض قبیلوں نے اور وہ غطفان اور بنی تمیم وغیرہ تھے۔ زکوٰۃ نہ دی۔ تو
صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن سے لڑنے کا ارادہ کیا۔ کچھ صحابہ نے جنمیں حضرت عمر
بھی تھے۔ یہ سمجھا کہ اقرار شہادتین سے دنیا کی عقوبت منع ہو جاتی ہے۔ اور کہا کہ ہم
انسے اس طرح جنگ نہ کرینگے جیسی کفار سے کرتے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ
نے کہا کہ اُن کا قتال اس وقت ممتنع ہے جبکہ حقوق اسلام ادا کریں۔ اور جو بات
صدیق نے سمجھی تھی۔ وہی بات صراحۃً حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی تھی اور
بہت سے صحابہ نے سمجھی تھی۔ قرآن پاک بھی اسی پہ دلیل ہے فان تابوا
واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین
یعنی اخوت دین کی ثابت نہیں ہوتی۔ مگر ادائے فرائض سے کیونکہ توبہ شرک سے
بغیر توحید کے حاصل نہیں۔ اور توحید بغیر عمل صالح کے تمام نہیں ہوتی۔ حضرت
ابوبکر انسے قتال کے واسطے نکلے۔ تو آخر سارے صحابہ نے اُن کا ساتھ دیا۔ آٹھواں
خلاف اس میں ہوا کہ حضرت ابوبکر نے اپنی وفات کے قریب حضرت عمر کی خلافت
کیلئے نص کی بعض صحابہ نے کہا کہ تم نے ہم پر ایک سخت مزاج والے آدمی کو حاکم کیا
ہے۔ جب حضرت ابوبکر نے یہ کہا لو سألنی ربی یوم القیامۃ لقلت استعملت علیہم خیرہم
یعنی اگر اللہ تعالے مجھ سے قیامت کو اس بات کا سوال کریگا۔ تو میں یہ جواب دونگا
کہ میں نے ایک سب سے عمدہ آدمی کو اُنپر حاکم کیا تھا تب خلاف مرتفع ہو گیا اور
سب نے تسلیم کیا۔ نواں خلاف خلیفۂ سوم کے انتخاب کے وقت ہوا تھا۔ پہلے
رایوں میں اختلاف ہوا۔ پھر سب نے حضرت عثمان کی بیعت پر اتفاق کیا۔ دسواں
خلاف یہ ہوا کہ جب حضرت عثمان کے رشتہ داروں نے رعایا پر جبر کرنا شروع کیا
تو لوگ حضرت عثمان سے ناراض ہو گئے۔ سب نے اُنکا ساتھ چھوڑ دیا۔ اُنکی کچھ مدد نہ
کی یہانتک کہ وہ مظلومانہ اپنے گھر میں مارے گئے گیارہواں خلاف وہ ہے۔ جو

حضرت علی کے زمانہ میں واقع ہوا۔ بعد اسکے کہ آنپر اتفاق کرکے بیعت کرلی تھی اس زمانے میں پہلا اخلاف جنگ کرنا طلحہ و زبیر و بی بی عائشہ وغیرہ کا ہے۔ اسکو جنگ جمل کہتے ہیں۔ دوسرا اخلاف جناب امیر اور معاویہ میں تھا جنگ صفین کی وجہ سے تیسرا اخلاف خوارج کا مخالفت کرنا اور تحکیم یعنی پنچایت کا ہونا تھا۔ چوتھا اخلاف عمرو بن عاص کا تحکیم میں ابوموسے اشعری کے ساتھ فریب کرنا تھا۔ پانچواں خلاف وہ ہے۔ جو خوارج کے ساتھ مقام نہروان میں وقوع میں آیا۔

اسی طرح صحابہ کے زمانے میں اختلاف کثیر میراث جد و اخوت و کلالت[1] و دیت انگشتان و دیت دندان و حدود بعض جرائم میں جنمیں کوئی نص وارد نہیں ہوئی تھی واقع ہوئے۔ تاج الدین اسماعیل قونوی شارح ہادی کا بیان ہے کہ پہلا اخلاف جو معاملات فروعی میں صحابہ میں واقع ہوا وہ ایک فرایض کے مسئلے میں ہوا ہے چونکہ اس میں رائیں بہت مختلف ہوئیں۔ اسلئے اُس کا نام مسئلہ خرق ہے ایک شخص مرا اور ایک بہن ایک ماں ایک دادا اسکے وارث رہے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمشیرہ کو نصف ترکہ دینا چاہئے۔ اور ماں کو تہائی اور باقی جو بچے وہ دادا کا ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کل مال کے تین حصے کرکے ہر ایک کو ایک ایک حصہ دینا چاہئے۔ اور زید بن ثابت نے کہا کہ ماں کا تہائی ہے اور باقی میں سے دادا کو دو تہائی اور ہمشیرہ کا تہائی۔ قاضی عضد نے شرح مختصر میں لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مسئلہ عول میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن مسعود کے مخالف تھے اور شرح فرایض میں میر سید شریف نے کہا ہے۔ کہ جس نے اول مسئلہ عول کا حکم کیا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور شرح مختصر میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک حاملہ عورت کو حضرت عمر نے طلب کیا اسکا حمل ساقط ہوگیا۔ حضرت عثمان اور عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عمر سے کہا "انما انت مؤدب لا نرے علیک شیئاً"۔

---

[1] کلالت بالفتح ماندہ شدن و بے پدر و بے مادر و بے فرزند شدن کسے کہ بمیرد و پدر و پسر نگذارد ۱۲ منتخب اللغات

یعنی بیشک تم صاحب ادب ہو۔ تم ہیں ہم کوئی نقصان نہیں پہنچتے۔ اور حضرت علی نے کہا انکان عثمان قد اجتہد فقد اخطا وان لم یجتہد فقد غشک یعنی اگر حضرت عثمان نے اجتہاد کیا تو خطا کی۔ اور اگر اجتہاد نہیں کیا۔ تو تمہیں دہوکا دیا۔ اور روز بروز مسائل فرعی و اعمال میں خلاف کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔ مگر اصول و عقائد دین میں کوئی اختلاف اُس وقت تک نہ تھا۔

اختلاف مذاہب کی بنا

جب مسائل اعتقادیہ میں کوئی سوال کسی مسلمان کو پیش آتا۔ تو حضرت سرور عالم سے اور اُن کے وصال کے بعد اُنکے اصحاب سے حل کرلیتا۔ جب یہ قرن گذر گئے۔ تو عقائد میں بہت سی باتیں پیدا ہونے لگیں۔ معبد جہنی اور غیلان دمشقی اور یونس اسواری نے قدر کا مسئلہ نکالا۔ اور تمام افعال تقدیر الٰہی کی طرف منسوب کرنے سے انکار کرنے لگے۔ اور پھر وقتاً فوقتاً اہل اسلام میں اصول عقائد میں اختلاف پیدا ہوتا رہا۔ اور خلفائے عباسیہ کے وقت سے فلاسفہ اور حکمائے یونان کے اقوال بھی دین اسلام کی باتوں میں مل گئے۔ اور وجہ اسکی یہ ہوئی کہ عبداللہ مامون بن ہارون الرشید خلیفہ ہفتم عباسیہ بغداد کو علوم قدیمہ کے ساتھ بہت فریفتگی تھی۔ ملک روم میں کچھ لوگ بھیج کر کتب فلاسفہ کا ترجمہ زبان عربی میں کرایا۔ کچھ اوپر سنہ دوسو ہجری میں وہ علوم زبان عربی میں ترجمہ ہوکر اسکے پاس آئے۔ تب سے فلاسفہ کے اقوال لوگوں میں پھیل گئے۔ تصور صحیح کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ رد شبہات دہریہ ابتدائے زمانہ اسلام میں ہمارے نبی اور صحابہ اور تابعین کے اقوال سے بھی ہوتا تھا۔ اور آخر وہ اصطلاحات علم حکمت کی جو بمقابلے دہریوں کے معارضے اور جوابات میں بولنے ضرور تھے۔ اُن کے اقوال مقدسہ میں بھی وارد ہونے لگے۔ اور اُن الفاظ کا زبان زد ہونا بمجبوری تھا مگر کرنا ہی پڑا۔ اور پھر بعد اُن حضرات کے علمائے اسلام کو ضرورت زیادہ ہوئی

کہ انہوں نے فلسفہ حکمائے قدیم کے ابطال کی غرض سے سیکھا۔ اور اسی فلسفے کے
اصول کو رد کر کے شبہات دہری وغیرہ کو باطل کیا۔ اور وہ سارے مباحث جمع
ہو کر ایک علم ہو گیا۔ اور اس نے **علم کلام** نام پایا۔ اگرچہ بعض لوگوں کو توغل زیادہ
بھی ہوا کہ اتنا انکو مجاز نہ تھا۔ اور غلطی استاد ومعلم کی تھی۔ خواہ آزادی وخودسری
متعلم کی۔ مگر تکمیل علم کلام کی اچھی ہو گئی اور شبہات دہری یادر ہوا انہیں کے
مجاہدات سے ہو گئے۔ اگر وہ لوگ ایسا نہ کرتے۔ تو دہریت کے پھیلنے میں جیسے
آج کل بوجہ عدم توجہ علمائے اسلام کے زور وشور پہ ہے کچھ باقی رہتا کبھی نہ رہتا
اور ہرگز نہ رہتا اور علم کلام ایک ایسا علم ہے جسکی وجہ سے عقائد دینیہ کو دلائل کے
ساتھ ثابت کرنے اور نیز شبہات رفع کرنے کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس
علم کے موضوع کے بارے میں متقدین ومتاخرین نے اختلاف کیا ہے۔ متقدمین یہ
کہتے ہیں۔ کہ علم کلام کا موضوع اللہ پاک کی ذات وصفات ہیں۔ ان میں سے بعض کی
یہ رائے ہے کہ موضوع اسکا موجود من حیث ہو موجود ہے۔ اور متاخرین کہتے ہیں
کہ علم کلام کا موضوع معلوم ہے۔ اس حیثیت سے کہ اُسکے ساتھ عقائد دینیہ کا ثابت
کرنا مقصود ہو اور تعلق عام ہے اس سے قریب ہو یا بعید اور دین سے مراد محمدؐ
صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے۔ ابتدا رونق علم کلام کی خلفائے عباسیہ جیسے ہارون ماموں
معتصم۔ واثق اور متوکل کے ہاتھوں سے ہوئی۔ اور اسکی انتہا صاحب بن عباد اور
دیالمہ کی ایک جماعت پر ہوئی۔

غرضکہ اہل علم صحابہ کے آثار پر چلتے تھے کہ حسن بصری نے ریاست علم میں
شہرت حاصل کی اور اُن کے شاگرد واصل نے ایک مسئلہ خاص میں سرعام استاد
کے ساتھ مخالفت کی۔ حسن نے اُس سے فرمایا اِعْتَزَلَ عَنَّا اس لئے واصل نے
اپنے علٰحدگی اختیار کی۔ اور مستقلاً اپنے لئے ایک مجلس قایم کی۔ اور ایک بڑا جتھا
اس کے متبعوں کا ہو گیا۔ اور وہ معتزلہ کہلانے لگے۔ اور چونکہ معتزلہ خدائے تعالےٰ

۱۔ دیکھو کشف الظنون ۱۲

کی صفات کا انکار کرتے تھے اسلئے سلف[1] انکو معطلہ کہنے لگے۔ اور معتزلہ نے سلف کا لقب صفاتیہ رکھدیا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالےٰ کے لئے صفات ازلی ثابت کرتے اتھ جیسے علم۔ ارادہ۔ قدرت۔ حیات۔ سمع۔ بصر۔ کلام۔ جلال۔ اکرام۔ جود۔ انعام عزت۔ عظمت۔ اور صفات ذات اور صفات فعل میں فرق نہیں کرتے تھے۔ دونوں کو مساوی سمجھتے تھے۔ اسی طرح صفات خبریہ ثابت کرتے تھے۔ اور وہ یہ ہیں ہاتھ پاؤں منہ وغیرہ ان میں تاویل بالکل نہیں کرتے تھے چونکہ یہ صفات اخبار میں وارد ہوئے ہیں اسلئے انہیں صفات خبریہ بولتے تھے۔ پھر بعض سلف اثبات صفات الہی میں تشبیہ کی حد میں داخل ہوگئے۔ یعنی محدثات کی صفات کے ساتھ ان صفات کو مشابہ جاننے لگے۔ بعض نے صرف اُن صفات پر اختصار کیا جن پر افعال دلالت کرتے ہیں۔ اور بعض سلف صفات خبریہ میں مقتضائے لفظ کے مطابق تاویل کرنے لگے۔ اور بعض نے تاویل کرنے سے توقف کیا۔ اور کہنے لگے کہ ہماری عقل کہتی ہے کہ اللہ کسی شے کے مشابہ نہیں وہ بے مثل ہے۔ اور جو اس قسم کے الفاظ قرآن وحدیث میں آئے ہیں۔ اُن کے مفہوم ہم کو معلوم نہیں۔ جو اُنسے مراد ہے وہ اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اور نہ ہم کو یہ حکم ہے۔ کہ ان الفاظ کے معانی اور حقیقت سمجھنے کی کوشش کریں۔ بلکہ ہم کو تو اس بات پر اعتقاد رکھنے کا حکم ہے کہ اللہ بے مثل ہے مگر متاخرین کہنے لگے کہ ان الفاظ کا ظاہر پہ جاری کرنا اور اُنکی تفسیر کرنا چاہیے۔ جیسا کہ کتاب و سنت میں وارد ہیں۔ اور تاویل سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور نہ ظاہر پر توقف کرنا چاہیے پس یہ متاخرین تشبیہ خالص میں داخل

---

[1] مراد سلف سے اصطلاح شرع میں اولاد بالذات عصر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ پھر ثانیاً و بالعرض زمانہ تابعین کا پھر عہد تبع تابعین کا اور نہایہ میں ہے۔ کہ سلف اور خلف کے درمیان فرق یہ ہے۔ کہ سلف اور خلف کے درمیان فرق یہ ہے کہ سلف صالحین سے مراد تابعین کا صدر اول ہے اور خلف بفتح لام وہ لوگ ہیں جو تابعین کے بعد نیک لوگ گذرے ہیں۔ اور صدر الشریعۃ نے کہا ہے کہ سلف سے مراد صحابہ اور علمائے مجتہدین ماضیین ہیں ۱۲ منہ

ہو گئے جو یہود کا طریق ہے۔ اور یہ اعتقاد سلف کے خلاف تھا۔ مگر بعض شیعہ نے بہت غلو اور تقصیر سے کام لیا۔ غلو اُن کا یہ تھا۔ کہ اپنے ائمہ کو اللہ کے ساتھ تشبیہ دینے لگے۔ اور تقصیر یہ کہ اللہ کو بعض مخلوقات کے ساتھ تشبیہ دی۔ مگر جب معتزلہ اور متکلمین کے مقالات زیادہ شہرت پکڑ گئے۔ تو بعض شیعہ غلو اور تقصیر کو چھوڑ کر معتزلہ سے مل گئے اور ان سلف میں سے جو تاویل۔ تشبیہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے یہ ہیں۔ مالک بن انس۔ احمد بن حنبل۔ سفیان اور داؤد اصفہانی یہانتک کہ عبداللہ بن سعید بن کلاّب اور ابو العباس قلانسی اور حارث بن اسد ابو عبد اللہ محاسبی کا دور شروع ہوا۔ اگرچہ یہ بھی سلف کے طریق پر تھے۔ مگر علم کلام سے مزاولت کرنے لگے۔ اور عقائد سلف کی تائید دلائل کلامیہ اور براہین اصولیہ سے کی۔ اور اب علم کلام ترقی کرنے لگا اور زبانی کلام سے نوبت تحریر کو پہنچ گئی اور عقلوں نے تصرف اس میں بڑھانے لگے۔ بعض نے کتابیں بنائیں۔ اور بعض درس و تدریس میں مشغول رہے پھر ایک جماعت معتزلہ متوسط کی ظاہر ہوئی۔ جیسے ضرار بن عمرو حفص فرد اور حسین بخار اور ان کے متاخرین نے جیسے ابو علی جبائی اور اس کا بیٹا ابو ہاشم اور قاضی عبد الجبار اور ابوالحسین بصری اپنے اصحاب کے طریقوں کا خلاصہ کیا۔ اور چند مسائل میں ان سے منفرد ہو گئے اور اپنے شیوخ کا خلاف کیا۔ اور مذہب اعتزال کی تائید میں بہت سی تصنیفیں بطریق جدید کر ڈالیں۔ ایک خلایق اُنکی رائے کی تابع ہو گئی۔ آخر ائمہ اہل سنت نے اُنکے مذہب سے انکار کیا۔ اور علم کلام کی مذمت بیان کی۔ اور جو شخص اُنکے مذہب کو پسند کرتا اُسکو چھوڑ دیتے۔ ربیع نے امام یافعی سے روایت کی ہے۔ کہ اگر کوئی اپنی کتابوں کے دینے کی کسی کے لئے وصیت کرے۔ تو اس وصیت میں کتب کلام داخل نہ ہونگی۔ اسلئے کہ کلام کوئی علم نہیں۔ اور امام یافعی نے کہا ہے کہ اہل بدع و اہوا کی شہادت ناجائز ہے۔ اور مراد اس سے علمائے کلام ہیں۔ اور امام احمد نے علمائے کلام کو زنادقہ کہا ہے۔ اور زندیق اسے کہتے ہیں۔ جو روز آخرت اور وحدانیت

خالق پر ایمان نہ لایا ہو۔ لیکن معتزلہ کے مذہب کو قوت اور انکے متبعوں کی کثرت ہوتی رہی۔ یہانتک کہ ابو علی محمد بن عبدالوہاب جبائی معتزلی اور اسکے تلمیذ رشید شیخ ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری کے درمیان ایک بار اس مسئلے میں کہ جو چیز بندے کے حق میں اچھی ہے۔ وہ اللہ پر واجب ہے۔ مناظرہ و مباحثہ ہوگیا اور جب اُس مباحثے میں جبائی لاجواب ہوگیا۔ تو اشعری و جبائی میں علٰحدگی ہوگئی۔ اور اشعری نے اپنے لئے ایک علٰحدہ مجلس مقرر کی۔ مسند تعلیم و تعلم پر بیٹھ گئے۔ اور بہت لوگ انکی اتباع کرنے لگے۔ اور اب صفاتیہ اشعریہ کہلانے لگے اشعری مذہب اعتزال کو چھوڑ کر ان دو بزرگوں کے طریق پر چلے (۱) ابو محمد عبداللہ بن سعید المعروف بہ ابن کُلّاب جنکے متبع کلّابیہ کہلاتے ہیں۔ (۲) حارث محاسبی۔ اشعری نے ان ہی کے قوانین پر مسائل صفات و قدر میں کلام لیا اور مذہب سلف کی تائید قاعدۂ کلابیہ پر کی۔ اور اشعری نے فاعل مختار کا قائل ہوکر ان باتوں کا رد کیا کہ ہر چیز میں حسن و قبح عقل کی طرف سے ہے حکم شرع کو اس میں دخل نہیں۔ اور جو چیز بندے کے لئے بہتر ہے وہ اللہ پر واجب ہے۔ اور یہ بات ثابت کی۔ کہ ورود شرع سے قبل اشیاء کا حسن و قبح عقل نہیں واجب کرسکتی مطلب یہ ہے کہ افعال کی ذات کو حسن و قبح واجب نہیں ہے۔ ورنہ شرع میں نسخ جائز نہ ہوتا۔ اسلئے کہ جو چیز بالذات یا ذاتی ہوتی ہے اس میں اختلاف اور تخلف پیدا نہیں ہوتا۔ پس شرع نے جسکو اچھا کہا وہ اچھا ہوا اور جسکو برا کہا وہ برا ہوا۔ اور علوم گو عقل سے حاصل ہوتے ہیں لیکن وجوب انکا عقل سے نہیں ہے اور بنوات جائزات عقلیہ اور واجبات سمعیہ سے ہیں۔ غرض مذہب اشعری کی حقیقت طریقۂ وسط پر چلنا ہے درمیان نفی صفات الٰہی کے جو مذہب اعتزال ہے اور درمیان اثبات صفات کے جو مذہب اہل تجسیم ہے۔ جب اشعری نے اس بات پر مناظرہ کیا اور اپنے مذہب کی حجت بیان کی۔ تو ایک جماعت انکی طرف مائل ہوگئی اور انکی رائے پر اعتقاد کیا گیا۔ اشاعرہ اور معتزلین روز بروز سلسلہ خصومت بڑھتا رہا

معتزلہ نے اپنی تقویت اور طرف ثانی کی تضعیف کے لئے براہین حکمیہ کو عقائد میں داخل کرنا شروع کیا۔ اور اپنے مدعا پر اُن سے استدلال کرنے لگے۔ اسلئے معتزلہ کے مطالب کلامیہ دلائل حکمیہ و براہین فلسفیہ سے خلط ملط ہوگئے۔ اور رفتہ رفتہ یہانتک فلاسفہ کی اتباع اور حکمت کے مسائل کا مذاق اُن میں بڑھا کہ عقل کو نقل پر ترجیح دینے لگے۔ اشاعرہ معتزلہ کی وجہ سے براہین فلسفیہ کو رد کرنے اور انکی مذمت بیان کرنے لگے۔ قاضی ابوبکر باقلانی اور ابن فورک اور ابو اسحاق اسفرائنی اور ابو اسحاق شیرازی اور غزالی اور عبدالکریم شہرستانی اور فخر رازی وغیرہ اس مذہب کے مددگار ہوئے اور مخالفین کے ساتھ مناظرے اور مجادلے سے پیش آئے اور اپنی مصنفات میں بہت سی دلیلیں بیان کیں۔ یہانتک کہ اشعری کا مذہب [illegible] سے عراق میں پھیل گیا۔ اور شام کی طرف منتقل ہوا سلطان صلاح الدین جب مصر کے بادشاہ ہوئے۔ تو انہوں نے سارے لوگوں کو التزام عقائد اشاعرہ پر آمادہ کیا۔ اور اس عقیدے کا اوقاف دیار مصر میں ہونا شرط کیا۔ جیسے مدرسہ ناصریہ و قمحیہ و خانقاہ سعید السعداء واقع قاہرہ چنانچہ یہی چال عقیدۂ اشعری کی سارے ملک مصر اور ملک شام اور ملک حجاز اور ملک یمن اور زمین مغرب میں چلی گئی۔ ملک مغرب یعنی افریقہ میں اشعری کی رائے کو ابو عبداللہ محمد بن تومرت شاگرد غزالی نے داخل کیا۔ اور ایک عقیدہ بنا دیا جسکو عامہ نے یاد کرلیا یہانتک کہ اُسکے قائممقاموں کی تلوار کے زور سے یہ اعتقاد اُن سب شہروں میں ایسا ہوا کہ جو کوئی خلاف کرتا اسکی گردن ماری جاتی۔ یہانتک کہ سوا اسکے اور سب مذاہب مٹ گئے کوئی مذہب خلاف اشعری کے باقی نرہا۔ مگر حنابلہ کا مذہب اپنی اُسی چال ڈھال سابق پر باقی رہا یہ تاویل صفات کے معتقد نہیں۔

فرقوں کی تقسیم

یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ میری امت میں ۷۳ فرقے ہوجائیں گے

ایک معجزہ ہے۔ اسلئے کہ جو کچھ فرمایا تھا۔ وہ بے کم و کاست ظہور میں آیا۔ ابن حزم نے ملل و نحل میں کہا ہے۔ کہ اہل اسلام کے پانچ فرقے ہیں ایک **اہل سنت** دوسرے **معتزلہ** اور انہیں میں قدریہ داخل ہیں تیسرے **مرجیہ** اور انہیں میں جہمیہ و کرامیہ کا شمار رہے چوتھے **شیعہ** پانچویں **خوارج** انہیں میں ازارقہ و اباضیہ ہیں۔ پھر ہر ایک فرقہ ان میں سے کئی فریق ہو گیا۔ بڑا افتراق اہل سنت کا فتوے میں ہوا۔ اور تھوڑا سا اعتقادات میں فتوے میں چار مذہب ہو گئے **حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی** اعتقاد میں تین گروہ ہو گئے۔ **اشعری۔ ماتریدی۔ حنبلی** رہے چار فرقے سوائے اہل سنت کے سو اُن میں سے کسی کا خلاف اہل سنت کے ساتھ بعید ہے اور کسی کا قریب **مرجیہ** کے فرقوں میں اہل سنت سے قریب وہ ہیں جنکا قول ہے۔ کہ ایمان کہتے ہیں۔ دل اور زبان دونوں سے تصدیق و اقرار کرنے کو۔ رہے سارے اعمال سو فقط فرایض شرایع اسلام ہیں۔ ایمان میں داخل نہیں۔ اور ان میں اہل سنت سے بعید دو فرقے ہیں۔ ایک اصحاب جہم بن صفوان جنکا قول یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ اگرچہ مومن کفر و تثلیث کا کلمہ زبان سے کہے اور بت پرستی کرے اور یہ بطور تقیہ کے بھی نہو تب بھی ایمان نہیں جا سکتا۔ جب تک تصدیق بالقلب باقی رہے۔ دوسرے اصحاب محمد بن کرام جنکا یہ قول ہے کہ ایمان فقط زبان سے اقرار کرنے یعنی کلمۂ شہادت کے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص دل سے کفر کا معتقد ہو۔ تو اس کا ایمان باطل نہیں ہو سکتا۔ جب تک زبانی اقرار باقی ہے۔ اسی طرح اور باقی فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ خبیئۃ الاکوان میں لکھا ہے۔ کہ **معتزلہ** میں اہل سنت سے قریب وہ ہیں۔ جو کہ اصحاب حسین نجار و بشر بن غیاث مریسی ہیں۔ اور بعید ان کے اصحاب ابوہذیل علاف ہیں۔ اور مذاہب **شیعہ** میں اہل سنت سے قریب اصحاب حسن بن صالح ہیں۔ جنکا فرقہ صالحیہ کہلاتا ہے۔ اور شیعہ زیدیہ میں شمار پاتا ہے۔ اور ان میں سے بعید فرقہ امامیہ ہے۔ رہے غلاۃ انکے وہ سرے سے

دیکھو فتح الباری شرح صحیح بخاری ۱۲

مسلمان ہی نہیں بلکہ اہل ردت و شرک ہیں اور قریب فرقہ خوارج میں اصحاب عبداللہ بن یزید اباضی ہیں۔ اور بعید انکے ازارقہ ہیں۔ جیسے بطحیہ اور وہ جو منکر کسی شے کے قرآن میں سے ہیں اور اجماع کے مخالف ہیں۔ جیسے عجاردہ وغیرہ سودہ اجماع امت کفار ہیں۔ انتہی۔ واضح رہے کہ ہم نے فرقوں کے بیان میں شرح مواقف وغیرہ کی طرز اختیار کی ہے۔ اسی واسطے ہم نے جہمیہ کو جبریہ میں اور کرامیہ کو قدریہ میں اور مریسیہ کو مرجیہ میں ذکر کیا ہے وعلی ہذا القیاس۔ صاحب اشعۃ اللمعات کا قول ہے۔ کہ افتراق امت کا ۷۳ فرقوں پر حدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح کہ معتزلہ کے ۲۰ فرقے ہیں۔ اور شیعہ ۲۲ اور خوارج ۲۰ اور مرجیہ ۵ اور نجاریہ ۳۔ اور ایک ایک فرقہ جبریہ اور مشبہ اور اہل سنت وجماعت کا۔ اور غنیۃ الطالبین میں مذکور ہے۔ کہ ۷۳ فرقوں کی اصل یہ دس فرقے ہیں۔ اہل سنت۔ خوارج۔ شیعہ۔ معتزلہ۔ مرجیہ۔ مشبہ۔ جہمیہ۔ ضراریہ۔ نجاریہ۔ کلابیہ۔ اہل سنت کا ایک فرقہ ہے خوارج کے ۱۵ فرقے ہیں۔ شیعہ کے ۳۲ معتزلہ کے ۶۔ مرجیہ کے ۱۲ جہمیہ ضراریہ۔ نجاریہ اور کلابیہ کا ایک ایک فرقہ ہے۔ مشبہ کے ۳ فرقے ہیں۔ کل ۷۳ فرقے ہو گئے اور بعض نے ان ۷۳ فرقوں کے اصول سوائے اہل سنت وجماعت کے ۶ فرقے قرار دئیے ہیں جنکے یہ نام ہیں۔ جہمیہ۔ قدریہ۔ شیعہ۔ حروریہ۔ مرجیہ۔ جبریہ اور پھر ہر ایک کے بارہ بارہ فرقے لکھے ہیں۔ اس حساب سے ۷۲ فرقے ہو گئے۔ اور صاحب شرح وقایہ نے بھی کتاب الشہادۃ میں سب فرقوں کے اصول چھ ہی فرقے قرار دئیے ہیں۔ اور یہ نام لکھے ہیں۔ جبریہ۔ قدریہ۔ شیعہ۔ خوارج۔ معطلہ اور مشبہ۔ اور شیخ ابو الحسن اشعری نے اصول دس فرقے قرار دئیے ہیں شیعہ۔ خوارج۔ معتزلہ۔ مرجیہ۔ جہمیہ۔ ضراریہ۔ کلابیہ۔ جسمیہ۔ بکریہ۔ مجسمہ۔ اور امام فخر الاسلام نے بزدوی الکلام اپنی چھ قسمیں ان ناموں کے ساتھ مقرر کی ہیں۔ شیعہ۔ نجاریہ۔ قدریہ۔ جبریہ۔ مرجیہ۔ مجسمہ۔ اور محمود الغزالی نے اپنے رسالہ میں اور ابن سراج نے تذکرۃ المذاہب میں اور محمد صالح بن محمد شریف خیرآبادی نے موئد الفاضلین میں تمام فرقوں کے اصول یہی چھ فرقے ذکر کئے ہیں۔ مگر انہوں نے بجائے مجسمہ کے جہمیہ ذکر کیا ہے۔ اور مولف بحر المذاہب نے بھی انکے مطابق بیان کیا ہے۔ اور پھر ہر ایک

کے بارہ بارہ فرقے بیان کئے ہیں۔ مگر یہ قلمی نسخے ایسے لکھے ہوئے ہیں کہ اکثر نام ایک نسخے کے دوسرے سے مطابق نہیں۔ بلکہ صحیح بھی نہیں پڑھے جاتے۔ اور چونکہ نہ انکی وجہ تسمیہ لکھی ہے نہ کچھ تفصیل ذکر کی ہے اسلئے اور مشتبہ ہوگئے ہیں۔ اور یہ خرابی اُن کاتبوں کی وجہ سے زیادہ پڑ گئی ہے۔ جو محض فارسی خوان ہوتے ہیں تفصیل ان فرقوں کی اس طرح ہے۔

شیعہ

علویہ۔ ابدیہ۔ شیعیہ[1]۔ اسحاقیہ۔ زیدیہ۔ عباسیہ۔ امامیہ۔ ناؤسیہ۔ تفنا سخیہ۔ لاعنیہ[2]۔ راجعیہ[3]۔ متراضیہ[4]۔

خوارج

ازرقیہ۔ اباضیہ۔ ثعالبیہ۔ خازمیہ[5]۔ خلفیہ[6]۔ کرزیہ[7]۔ کنزیہ۔ معتزلہ۔ میمونیہ۔ محکمیہ۔ اخنسیہ[8]۔ شمراخیہ

---

[1] تذکرے میں یوں ہی ہے اور خبیۃ الاکوان میں شاعیہ ہے۔ ۱۲

[2] تذکرۃ المذاہب میں یوں ہی ہے خبیۃ الاکوان اور بحر المذاہب میں لاغیہ ہے ۱۲

[3] تذکرۃ المذاہب میں یوں ہی ہے خبیۃ الاکوان میں رجعیہ ہے ۱۲

[4] تذکرے کا یہی نسخہ ہے۔ اور بحر میں میراصیہ ہے۔ اور خبیۃ الاکوان میں متربصیہ کہ ماخوذ ہے تربص سے ۱۲

[5] تذکرۃ المذاہب میں یوں ہی ہے۔ اور بحر میں خامیہ ہے۔ اور موید میں خارمیہ ہے۔ اور صحیح حازمیہ ہے ۱۲

[6] تذکرۃ المذاہب میں یوں ہی ہے۔ اور موید میں خلعیہ ہے ۱۲

[7] تذکرہ میں یوں ہی ہے۔ اور نفیہ میں کوزیہ ہے ۱۲

[8] تذکرے میں یوں ہی ہے۔ اور موید میں اخبیہ ہے۔ اور بحر میں اخنسیہ ہے ۱۲۔

جبریہ

مضطریہ۔ افعالیہ۔ معیۃ[1]۔ مفروغیہ۔ نجاریہ۔ متمنیہ۔ کسلیۃ[2]۔ سابقیہ۔ حبیبیہ۔ خوفیۃ[3]۔ فکریہ۔ حسبیۃ[4]

قدریہ

احملیۃ[5]۔ ثنویہ۔ کیسانیہ۔ شیطانیہ۔ شریکیہ۔ وہمیہ۔ ابدیۃ[6]۔ ناکثیۃ[7]۔ بتریۃ[8]۔ قاسطیہ۔ نظامیۃ[9]۔ منزلیۃ[10]

جہمیہ

معطلہ[11]۔ مترابصیۃ[12]۔ مترافیۃ[13]۔ واردیہ۔ حرقیہ۔ مخلوقیہ۔ غیریۃ[14]۔ فانیہ۔ زنادقیۃ[15]۔ لفظیہ۔ قبریہ۔ واقفیۃ[16]

---

[1] تذکرے میں یوں ہی ہے۔ اور مؤید میں مفضیہ ہے ۱۲

[2] تذکرے میں یوں ہی ہے۔ اور بحر میں کسبیہ ہے اور مؤید میں کسمیہ ہے ۱۲

[3] تذکرے میں یوں ہی ہے اور مؤید میں صوفیہ ہے ۱۲

[4] تذکرے میں یوں ہی ہے اور مؤید میں حسنیہ ہے۔ اور بحر میں جسمیہ ہے ۱۲

[5] تذکرے میں یوں ہی ہے۔ اور مؤید میں احمدیہ ہے ۱۲

[6] تذکرے میں یوں ہی ہے اور بحر میں وہیریہ ہے ۱۲

[7] تذکرے میں یوں ہی ہے اور مؤید میں حاکثیہ ہے ۱۲

[8] تذکرے میں یوں ہی ہے اور مؤید میں میرنیہ ہے ۱۲

[9] تذکرے میں یوں ہی ہے۔ اور مؤید میں بطائیہ ہے ۱۲

[10] تذکرے میں یوں ہی ہے اور مؤید میں میرویہ ہے ۱۲

[11] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے اور مؤید میں معطلیہ ہے ۱۲

[12] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے اور مؤید و بحر میں میرابصیہ ہے ۱۲

[13] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے۔ اور بحر میں متراقبہ ہے ۱۲

[14] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے اور مؤید میں غزیبہ ہے ۱۲

[15] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے اور مؤید میں نادقیہ ہے ۱۲

[16] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے۔ اور مؤید میں واقیہ ہے ۱۲

مرجیہ

تارکیہ۔ مشافیہ[1]۔ ساجبیہ[2]۔ شاکیہ۔ تہمیہ[3]۔ عاملیہ[4]۔ منقوصیہ۔ مستشبہیہ[5]۔ اشریہ[6]۔ بدعیہ
شبیہ[7]۔ حشویہ۔ موئد الافاضل اور تذکرۃ المذاہب وغیرہ میں لکھا ہے۔ کہ انکے
علاوہ سات فرقے اور ہیں۔ دہریہ۔ صائیہ[8]۔ اباحیہ۔ باطنیہ۔ براہیہ[9]۔ اشعریہ[10]۔ کرامیہ

صاحب مواقف نے کہا ہے۔ کہ فرقہائے اسلام کے اصول یہ آٹھ فرقے ہیں
معتزلہ۔ شیعہ۔ خوارج۔ مرجیہ۔ نجاریہ۔ جبریہ۔ مشبہ۔ اہل سنت وجماعت۔ اور تفصیل انکی
یوں ہے معتزلہ کے بیس فرقے ہیں۔ واصلیہ۔ عمریہ۔ ہذیلیہ۔ نظامیہ۔ اسواریہ۔
اسکافیہ۔ جعفریہ۔ بشریہ۔ مزداریہ۔ ہشامیہ۔ حابطیہ۔ حدثیہ۔ صالحیہ۔ معمریہ۔ ثمامیہ۔
خیاطیہ۔ جاحظیہ۔ کعبیہ۔ جبائیہ۔ ہشمیہ۔ اور شیعہ بائیس فرقے ہیں جن میں سے بیا[ن]ضطا[ئ]یہ
غلاط کہلاتے ہیں۔ سبائیہ۔ کاملیہ۔ مغیریہ۔ بنانیہ۔ جناحیہ۔ منصوریہ۔ خطابیہ۔ غرابیہ
ذمیہ۔ حکمیہ۔ سالمیہ۔ زراریہ۔ نعمانیہ۔ یونسیہ۔ رزامیہ۔ مفوضیہ۔ نصیریہ۔ اسماعلیہ جو
قرامطہ اور باطنیہ بھی کہلاتے ہیں۔ باقی چار فرقے یہ ہیں جارودیہ۔ سلیمانیہ۔ بتریہ

---

[1] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے اور بحر میں شنانیہ ہے اور موئد میں شنانیہ ہے ۱۲
[2] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے۔ اور بحر و موئد میں ناجیہ ہے ۱۲
[3] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے۔ اور بحر میں بیہسیہ اور موئد میں تسبیہ ہے ۱۲
[4] تذکرے میں علمیہ اور عملیہ دو طور سے لکھا ہے ۱۲
[5] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے اور بحر میں مستشبیہ اور موئد میں منشیہ ہے ۱۲
[6] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے۔ اور موئد میں اثیریہ ہے ۱۲
[7] تذکرے میں یوں ہی لکھا ہے اور موئد میں سبیہیہ ہے ۱۲
[8] موئد میں یوں ہی لکھا ہے اور تذکرے میں نہابلیہ ہے ۱۲
[9] موئد میں یوں ہی لکھا ہے۔ اور تذکرے میں براہنیہ ہے ۱۲
[10] موئد میں یوں ہی لکھا ہے اور تذکرے میں اسفریہ ہے ۱۲ منہ

یہ تینوں زیدیہ ہیں۔ اور امامیہ جنہیں اثنا عشری بھی کہتے ہیں۔ اور خوارج ہیں نو تے ہیں۔ محکمہ۔ بیہسیہ۔ ازارقہ۔ نجدات۔ اصفریہ۔ اباضیہ۔ میمونیہ۔ جعفریہ۔ شعیبیہ۔ حازمیہ۔ خلفیہ۔ اطرافیہ۔ معلومیہ۔ مجہولیہ۔ صلتیہ۔ ثعالبہ۔ یہ دسوں عجاردہ کہلاتے ہیں۔ اخنسیہ۔ معبدیہ۔ شیبانیہ۔ مکرمیہ۔ یہ چاروں فرقے ثعالبہ کی شاخ ہیں اور مرجیہ کے پانچ فرقے ہیں۔ یونسیہ۔ عبیدیہ۔ غسانیہ۔ ثوبانیہ۔ ثومنیہ۔ اور نجاریہ کے تین فرقے ہیں۔ برغوثیہ۔ زعفرانیہ۔ مستدرکہ اور ایک ایک فرقہ جبریہ اور مشبہ اور اہل سنت جماعت ہے۔ جہمیہ جبریہ ہیں اور کرامیہ وحشویہ مشبہ ہیں۔ اور ان فرقوں میں بعض قدریہ بھی ہیں۔ یہ تہتر فرقے جو مشہور ہیں۔ ان میں بھی کئی فرقے مثل شاخوں کے ظاہر ہوئے ہیں۔ جو شخص جس فرقے کا کام کریگا۔ اس میں شمار پائیگا۔ اور ان شاخوں کی وجہ سے شمار فرقوں کا تہتر سے بڑھ گیا ہے۔ میر سید شریف تعریفات میں لکھا ہے اہل اہوا سے مراد وہ اہل قبلہ ہیں جنکا عقیدہ اہل سنت کا سا نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اہل ہوئے ایک فرقہ معین نہیں بلکہ جو مخالف سنت کے ہے تاویل فاسد کے ساتھ وہ اہل ہوے ہے مُغرب میں ہے۔ کہ اہل ہوئے وہ لوگ ہیں جو طریقہ اہل سنت وجماعت سے کجروی میں اور اہل قبلہ ہوں یعنی اپنے آپکو مسلمان کہتے ہوں۔ صاحب تعریفات کہتے ہیں۔ کہ اہل ہوے جبریہ اور قدریہ اور شیعہ اور خوارج اور معطلہ اور مشبہ ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں اس صورت میں تہتر فرقے ہوگئے۔ مگر یہ قول سید صاحب کا تحقیقی نہیں اسلئے کہ اسی قدر فرقوں میں اہل اسلام کے فرقوں کا حصر نہیں ہے تہتر سے بہت زیادہ تعداد ہوگئی ہے اور آنحضرت نے جو تہتر کا عدد فرمایا ہے۔ وہ غالباً انحصار کے لئے نہیں بلکہ اظہار کثرت مقصود ہے۔

اب غور کرو کہ عام مصنفین نے انحصار بڑے بڑے گروہ اسلام کا نو فرقوں میں کیا ہے (۱) اہل سنت وجماعت (۲) معتزلہ (۳) شیعہ (۴) خوارج (۵) مرجیہ (۶) نجاریہ (۷) جبریہ (۸) قدریہ (۹) مشبہ۔

فرقۂ اہل سنت وجماعت

ان میں بھی اختلاف پیدا ہو کر کئی فرقے اور مذہب ہو گئے ہیں۔ چوتھی صدی سے پہلے کسی مذہب معین کی قید نہ تھی۔ یہانتک کہ بغداد کو لشکر چنگیز خانی نے پامال کر دیا اور سلطنت اعلائے اسلام کی برباد ہو گئی تو لوگوں کی رائے مذاہب اربعہ پر قرار پائی۔ اس لئے کہ یہ مذاہب اور مذاہب کی بہ نسبت کسی قدر مدون ہو چکے تھے۔ مگر ابھی تک کوئی تقلید کو واجب نہیں جانتا تھا۔ بلکہ عوام کے لئے تقلید کو مستحسن خیال کرتے تھے۔ علما کے حق میں تقلید مکروہ جانتے تھے بعد اسکے علم کی کمی ہوتے ہوتے اور جہل پھیلتے پھیلتے تقلید کی ضرورت نے ترقی کی۔ اور علماے مذاہب اربعہ تمام عالم میں پھیل گئے۔ اور ان مذاہب کی تقلید مقرر ہو گئی۔ اور بعض اہل تحقیق جو تقلید کے محتاج نہ تھے۔ وہ خاص اس ضرورت سے تقلید میں پڑ گئے کہ عامۂ خلق اُن سے منحرف نہو جائے۔ اور برا نہ جاننے لگے اور پھر بھی بعض ایک مذہب پر چلنا نہ اپنے لئے پسند کرتے تھے۔ اور نہ اپنے فتووں کو اور لوگوں کے پابند ہونے کی خواہش رکھتے تھے۔ اہل سنت عموماً ان مذاہب اربعہ اور دوسرے اصحاب مذاہب متبوعہ جیسے مذہب سفیان ثوری اور داؤد ظاہری کو بھی شامل ہے۔ اہل سنت کا انحصار انہیں چار گروہ میں نہیں ہے۔ ان میں سے سفیان ثوری کا مذہب انکے ساتھ ہی چھپ گیا ہے۔ تاج المکلل میں لکھا ہے کہ فرج بن برقوق چرکسی نے جسکا لقب ناصر ہے۔ اور سنہ ۸۱۱ ہجری میں پیدا ہوا تھا چاروں مصلے بیت الحرام میں قایم کئے ہیں۔ اور مجتہدان مذاہب اربعہ میں سے

ایک امام ابوحنیفہ نعمان

بن ثابت ہیں۔ یہ سنہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے نعمان نام تھا۔ ابوحنیفہ کنیت امام اعظم لقب مگر یہ کنیت حقیقی نہیں ہے۔ امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا۔ یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی ابو الملۃ الحنیفہ قران میں خدا نے مسلمانوں

سے خطاب کرکے کہا ہے۔ وَاتَّبِعُوْا مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا
یعنی تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے جو مستقیم تھا۔ امام نے اس نسبت سے اپنی کنیت
ابو حنیفہ اختیار کی۔ اور دو بار[1] انکو عہدہ قضا اختیار کرنے کی تکلیف دیگئی جو کہ
شرایط موجود نہ تھیں۔ اسلئے انہوں نے قبول نہ کیا۔ اول بار کوفے میں یزید
بن عمر بن ہبیرہ نے جو مروان حمار کی طرف سے کوفے کا گورنر تھا۔ انکو اس عہدے
کے اختیار کرنے کے لیئے کہا۔ اور انکار کرنے پر انکے سو کوڑے اس طرح لگوائے
کہ دس کوڑے روز دس دن تک لگوائے گئے۔ جب امام موصوف کو کمال ایذا
پہنچنے لگی۔ تو فقہا نے انکو مشورہ دیا کہ دفع الوقتی کے لئے آپ کوئی کام قبول کر لیجئے
امام موصوف نے مجبور ہو کر یہ خدمت چاہی کہ گھاس کے جتنے بوجھ اسکی سرکار
میں آتے اسکا حساب درست کرتے۔ یزید نے اس خدمت کے قبول کر لینے کے
بعد انہیں چھوڑ دیا[2]۔ اور دوسری بار بغداد میں منصور دوانقی خلیفہ بغداد نے
ان کیلئے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام نے انکار کیا۔ تو تیس کوڑے لگوائے اور بعض
کہتے ہیں۔ کہ سو کوڑے لگوائے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ دس کوڑے روز لگوائے جاتے
تھے[3]۔ اور قید کر دیا۔ ۱۴۶ھ ہجری میں قید ہوئے تھے۔ اور شہر پناہ بغداد کی
تیاری کے لئے جتنی اینٹیں آتیں اُن کا حساب درست کرنے کا کام اُن سے کرایا
گیا۔ آخر قید خانے میں زہر دئیے گئے۔ اور ماہ رجب ۱۵۰ھ[4] ہجری میں انہوں
نے وفات پائی۔ قبل از دفن چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی۔ پہلی مرتبہ کم و بیش ۵۰
ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ دفن کے بعد بیس دن تک لوگ جنازے کی نماز پڑھتے

---

[1] دیکھو فواتح سبعہ۔ [2] دیکھو جلد اول تفسیر کبیر۔ [3] دیکھو تاریخ الخمیس [4]
تاریخ مرآت عالم۔

[5] طبقات الحفاظ میں ذہبی نے کہا ہے۔ مات سنۃ خمسین وماۃ وقیل ۱۵۱ سنۃ وقیل ۱۵۳ سنۃ
اور عقود الجمان میں لکھا ہے اتفقوا علی انہ رضی اللہ عنہ مات سنۃ ماۃ وخمسین وحکی ان مات خمسین سنۃ

رہے۔ بغداد میں مقبرۂ خیزران کے باب الطاق میں دفن ہوئے۔ امام شافعیؒ جب بغداد میں آتے تھے اور صبح کی نماز امام کی قبر کے پاس پڑھتے تھے۔ تو ادب کے لحاظ سے قنوت چھوڑ دیتے تھے۔ اور بسم اللہ کو بہت آہستہ کہتے تھے ثابت مہرگان کے دن حضرت علی کی خدمت میں فالودہ لیکے گئے تھے۔ انہوں نے ثابت کے حق میں دعا کی تھی۔ دعا کی برکت سے اُن میں اور اُنکی اولاد میں علم پیدا ہوا ثابت کے باپ کا نام زوطا[۱] ہے اور زوطا در اصل کابل کا یا بابل کا یا انبار کا رہنے والا تھا۔ غلامی کا طوق اُسکی گردن میں پڑ گیا تھا۔ اور قبیلۂ بنی تیم اللہ[۲] بن شعبہ کی ایک عورت نے خرید کیا تھا۔ پھر زوطا آزاد بھی ہو گیا تھا اس لئے امام کا خاندان بنی تیم اللہ کا آزاد غلام کہلاتا ہے ثابت زوطا کی حالت اسلام میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر خطیب مورخ بغداد نے اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ ہم کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ اور بعضوں نے امام ابوحنیفہ کا نسب یوں بیان کیا ہے۔ کہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان۔ اور ابومطیع نے انکو نسل عرب سے شمار کیا ہے۔ اور سلسلۂ نسب یوں بتایا ہے نعمان بن ثابت بن زوطا بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد انصاری اور حافظ ابو اسحاق نے شجرۂ نسب کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز بن بہرام امام صاحب کی طرف ایک وصیت اور ایک عقائد کا مختصر رسالہ منسوب ہے اسکی روایت ابومطیع حکم بن عبداللہ بلخی نے امام سے کی ہے —

---

[۱] عقود الجمان میں لکھا ہے زوطا بضم الزاء وسکون الواو وفتح الطاء فالف تانیث مقصورۃ کما ذکرہ الامام النووی فیکون علے وزن موسیٰ اور طبقات تمیمیہ میں فتح زا کے ساتھ ہے اور تاریخ ابوالفدا میں لکھا ہے کہ اس نام میں طائے بے نقطہ ہے ۱۲ منہ

[۲] نہایت الارب فی معرفۃ قبائل العرب میں لکھا ہے۔ کہ بنو تیم اللہ ایک بطن ہے۔ بکر بن وائل سے اور وہ عدنانیہ میں سے ہے اور تیم اللہ کا سلسلۂ نسب یوں ہے تیم اللہ بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط

ضوء الاکثر میں مرقوم ہے۔ کہ امام صاحب نے فقہ اکبر کو حالت حیات میں اور وصیت کو وقت وفات کے تصنیف کیا تھا انتہی۔ مگر تحقیق یہ ہے۔ کہ فقہ اکبر کو امام نے خود تصنیف نہیں کیا ہے۔ بلکہ ابو مطیع نے اپنی مرویات کو جمع کیا ہے اسکو امام کی تصنیف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ابو مطیع نے مرویات امام اعظم کو اس میں جمع کیا ہے۔ اور ایک مسند بھی اُنکی طرف منسوب ہے جو قاضی القضاۃ ابو المؤید محمد بن محمود بن محمد خوارزمی کی تالیف ہے کہ ۶۶۴ھ ہجری میں اسکو رواج دیا تھا۔ اور امام اعظم کی مسانید کو کہ علمائے سابق نے مرتب کی تھیں اس مسند میں جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ خود خطبے میں اس بات کی تصریح کی ہے۔ اُن مسانید سابق میں سے دو مسند جو بہت مشہور تھیں۔ ابتک متداول ہیں۔ ایک مسند یعقوب بن حارثی کی دوسری مسند حسین بن محمد بن خسرو کی۔ کہتے ہیں کہ امام صاحب کی تین کتابیں تصنیف ہیں۔ باقی زبانی منقول ہیں۔ ایک کتاب العالم والمتعلم دوسری کتاب الرسالہ کہ ابو عثمان بستی کو بھیجی تھی۔ تیسری فقہ اکبر کہ آپکے شاگرد ابو مطیع نے روایت کی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کتاب مقصود صرف میں بھی لکھی تھی

دار قطنی نے امام ابو حنیفہ پر نہایت ناانصافی سے جرح کی ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ حدیث میں نہایت ضعیف تھے۔ اور یہ نہایت شناعت ہے۔ جو ایسے امام متقی عابد و زاہد کی طرف منسوب کیگئی ہے۔ یہ لوگ اُنکا ضعیف الحدیث ہونا کسی دلیل سے ثابت نہ کر سکے۔

کبھی یہ کہدیتے ہیں کہ اُنکو فقہ میں نہایت اشتغال تھا اسلئے حدیث میں ضعیف رہے مگر یہ کتنی کمزور دلیل ہے۔ اسلئے کہ جو شخص اعلےٰ درجہ کا فقیہ ہوگا۔ وہ اخذ حدیث میں بھی دوسروں سے کامل ہوگا۔ عبداللہ بن مبارک جو امام کے مشہور شاگرد ہیں۔ وہ بیروت میں فن حدیث کے امام اوزاعی سے ملے تو اوزاعی نے پہلی ہی ملاقات میں اُنسے پوچھا کہ کوفے میں ابو حنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور گھر چلے آئے۔

وہ تین دن کے بعد پھر گئے۔ تو کچھ اجزا ساتھ لیتے گئے اوزاعی نے انکے ہاتھ سے وہ اجزا لے لئے۔ سرنامہ پر لکھا تھا قال نعمان بن ثابت۔ اوزاعی دیرتک غور سے دیکھا کئے۔ پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عراق میں ایک شخص ہیں جنکی صحبت میں میں رہا ہوں فرمایا بڑے پایے کا آدمی ہے عبداللہ نے عرض کیا وہی ابوحنیفہ ہیں جنکو آپ مبتدع بتاتے تھے۔ اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا حج کی تقریب سے اوزاعی مکے کو گئے۔ تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی۔ انہی مسائل کا ذکر آیا۔ اتفاق سے عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے۔ ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ اور انکے چلے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ اس شخص کے کمال نے اسکو لوگوں کا محسود بنایا ہے بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی جس کا میں افسوس کرتا ہوں۔

حافظ عبداللہ کا یہ کلام ایسا ہے۔ جسے آب زر سے لکھنا چاہئے۔ دنیا کا یہ دستور چلا آتا ہے۔ کہ لوگ اکابر کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اور قسم قسم کے معائب انکی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زبان سے انبیا بھی محفوظ نہ ہے چونکہ امام اپنے زمانے میں آپ اپنی نظیر تھے لوگوں نے آپکے معائب میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی بلکہ اس زمانے تک جو چل رہا ہے یہ سلسلہ جاری ہے۔ مگر جس قدر لوگوں نے امام کے مطاعن میں جد وجہد کی انکی سعی مشکور نہ ہوئی۔ ہر زمانے میں عیب جویوں کی مدح کرنے والوں کو غلبہ ہوتا رہا۔ یہانتک کہ امام کا مذہب ملک ملک اس قدر شایع ہوا کہ کسی دوسرے کا مذہب اسکے ہم پایہ نہیں ہوسکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی۔ دو ایک روایتیں مستثنے ہیں۔ تو اس الزام میں اور ائمہ بھی انکے شریک ہیں۔ امام شافعی جنکو بڑے بڑے محدثین نے حدیث و روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے انکی سند سے صحیحین میں ایک بھی روایت نہیں۔

کبھی یوں کہدیتے ہیں۔ کہ وہ آئمہ حدیث سے نہیں ملنے پائے تھے جو کچھ

انہوں نے حاصل کیا ہے۔ حماد سے حاصل کیا ہے جو شاگرد ہیں ابراہیم نخعی کے
اور ابراہیم نخعی نے علقمہ سے اور انہوں نے عبد اللہ بن مسعود صحابی سے حاصل
کیا ہے۔ اور یہ قول بھی باطل ہے اسلئے کہ انہوں نے بہت سے ائمہ سے روایت کی
ہے جیسے امام محمد باقر اور اعمش وغیرہ حالانکہ حماد کا وہ پایہ ہے۔ کہ صرف اُن سے
حاصل کرنا دوسروں سے روایت کرنے سے بے پروا کرتا ہے۔ ابوحفص کبیر نے دعوے
کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کیں لیکن انصاف
یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ دعوے محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا
البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہے
اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں انکے
شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں آخر میں لکھدیا ہے وخلق کثیر۔ بعض نے کہا
ہے کہ انہوں نے بارہ سو ائمہ سے روایت کی ہے۔ حافظ ابوالمحاسن شافعی نے
تین سو انیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں لیکن چونکہ انکی فہرست زیادہ تر
فقہائے حنفیہ سے ماخوذ ہے ممکن ہے کہ محدثین کو کلیتہً اس سے اتفاق نہ ہو بحر العلوم
نے شرح مسلم الثبوت میں یوں جواب دیا ہے۔ کہ زیادہ استادوں سے اُن کا حاصل
نہ کرنا اُن کے ورع وتقوے اور کمال علم پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ زیادہ استاد ہوتے
تو زیادہ حقوق ثابت ہو جاتے۔ امام نے بہت سے حقوق کے ایفا کی قدرت
اپنے میں نہ پاکر زیادہ استاد نہ بنائے۔ یہ جواب نہایت نامناسب اور لغو ہے۔

فقہائے حنفیہ امام کی روایت بہت سے صحابہ سے بھی ثابت کرتے ہیں اگرچہ
اہل حدیث کے طریقے میں وہ ثابت نہیں ہے مگر محققین کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ
امام نے چار صحابیوں کو پایا ہے۔ اور اس قول سے اکثر اہل حدیث نے بھی اتفاق
کیا ہے ایک ان میں سے انس بن مالک ہیں بصرے میں دوسرے عبد اللہ
بن ابی اوفیٰ بن علقمہ ہیں۔ کوفے میں تیسرے سہیل بن سعد ساعدی ہیں مدینے
میں اور چوتھے ابوالطفیل عامر بن واصلہ مکے میں ہیں۔ ابن حجر نے کہا ہے۔ کہ

امام نے ابن ابی اوفی سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ اور تاریخ بغداد میں خطیب نے
بیان کیا ہے کہ امام نے انس بن مالک کو دیکھا ہے۔ اور ابن حجر نے کہا ہے کہ امام کا
انس کو دیکھنا صحیح ہے۔ جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے کہ امام نے انس کو دیکھا ہے۔ اور وہ
گیارہ یا تیرہ برس کے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ امام فرماتے ہیں کہ میں نے
انس کو کئی بار دیکھا ہے۔ اور وہ سرخ خضاب کرتے تھے۔ اور کئی طریقوں سے
آیا ہے کہ امام نے اُن سے تین حدیثیں روایت کیں اور بعض لوگوں نے جو نفی کی
ہے تو وہ اثبات کی معارض نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے اثبات ایسے محل میں
باتفاق علما نفی پر مقدم ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفی کے وقت میں امام چھ یا سات
برس کے تھے اور جمہور کا مسلک یہ ہے۔ کہ جب لڑکے میں تمیز کی قوت آجائے
سماع صحیح ہے گو پنج سالہ کیوں نہو۔ ابن حجر اپنی مختصر میں کہتے ہیں۔ کہ پانچ برس کا
سن سماع حدیث میں معتبر ہے لہذا اسماعیل بخاری نے محمود بن ربیع کی روایت
پانچ برس کے سن کی قبول کی ہے اور سہل بن ساعدی کے عہد میں امام آٹھ یا گیارہ
برس کے تھے۔ اور امام نے پہلا حج سنہ چھیانوے ہجری میں سولہ برس کی عمر میں
کیا ہے۔ ابو طفیل عامر بن واصلہ جنکا انتقال سنہ ۱۰۲ ہجری کو ہوا اُس وقت تک
میں موجود تھے۔ پس امام کا ابو طفیل سے کہ جہان میں ایک صحابی اس وقت باقی
تھے نہ ملنا مستبعد ہے۔

اور کبھی یوں کہتے ہیں۔ کہ وہ رائے اور قیاس سے بہ نسبت حدیث کے
زیادہ کام رکھتے تھے۔ اور حدیث کو چھوڑ کر رائے پر چلتے تھے۔ یہانتک کہ ابوبکر بن
ابی شیبہ نے اپنی کتاب میں ایک باب امام پر رد کے لئے باندہا ہے اور سرخی اُس کی
باب الرد علی ابی حنیفۃ مقرر کی ہے۔ اور یہ نہایت بے انصافی کی بات ہے کیونکہ
امام نے کبھی قیاس کے مقابلے میں کسی حدیث کو ترک نہیں کیا عقود الجمان کے
سولہویں باب میں لکھا ہے۔ کہ ایکبار امام باقر نے امام ابوحنیفہ سے فرمایا کہ تم
قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو۔ انہوں نے نہایت

ادب سے کہا عیاذاً باللہ حدیث کی کون مخالفت کرسکتا ہے فرمائیے کہ مرد ضعیف ہے یا عورت۔ امام باقرؒ نے فرمایا کہ عورت۔ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا۔ امام باقرؒ نے فرمایا کہ مرد کا۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا اگر میں قیاس لگاتا تو فتوے دیتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہئے پھر ابوحنیفہؒ نے پوچھا کہ نماز افضل ہے یا روزہ امام باقرؒ نے فرمایا کہ نماز ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اس اعتبار سے حائضہ پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہئے نہ روزے کی۔ حالانکہ میں روزے ہی کی قضا کا فتوے دیتا ہوں۔ امام باقرؒ اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھکر اُن سے معانقہ اور مصافحہ کرکے عذر کیا۔ اور کہا کہ مخالفین عناد سے تمہیں متہم کرتے ہیں

امام جعفرؒ نے بہ سند متصل روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ ہم اخذ کرتے ہیں۔ اول کتاب اللہ سے پھر سنت رسول سے پھر قضایائے صحابہ سے اور ہم اسپر عمل کرتے ہیں جسپر صحابہ کا اتفاق ہوتا ہے۔ اور جس میں صحابہ کا اختلاف ہوتا ہے اسکو اور مسئلے پر قیاس کرتے ہیں۔

اور بیہقی نے مدخل میں بہ سند صحیح امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے عن ابی عبداللہ بن مبارك قال سمعت ابا حنيفة يقول اذا جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم فعلى الراس والعين واذا جاء عن اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم نختار من قولهم واذا جاء من التابعين زاحمنا هم

یعنی جس وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول آئے تو وہ سر اور آنکھوں پر ہے اور جس وقت صحابہ سے آئے۔ تو اس میں سے ہم اختیار کرتے ہیں۔ یعنی خاص صحابہ کے اقوال میں سے جس کا قول صواب معلوم ہوتا ہے اسکو اختیار کرتے اور جس وقت تابعین سے آیا ہووے تو ہم اسکی مزاحمت کرتے ہیں۔ یعنی اسمیں کلام کرتے ہیں۔ اور قیاس کو دخل دیتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ تابعین کے قول میں کس طرح مزاحمت نکرتے کیونکہ وہ خود بھی تابعین میں سے ہیں۔ علامہ کفوی

فرماتے ہیں کہ اگرچہ بعض محدثین امام کے تابعی ہونے کو نہیں مانتے لیکن اُنکے تابعی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ خوارزمی نے مسند ابوحنیفہ میں لکھا ہے۔ کہ امام کا اصحاب سے روایت کرنا علمانکے نزدیک متفق ہے۔ مگر اعداد اصحاب میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ سات مرد اور ایک عورت اور بعض نے کم وبیش ذکر کئے ہیں۔ منکرین کہتے ہیں کہ اُنکے زمانے میں چار اصحاب ضرور تھے لیکن ملاقات اور روایات ثابت نہیں۔ مگر یہ اُن کا محض تعصب اور عناد ہے۔ اکثر محدثین کا یہ قول ہے۔ کہ تابعی وہ شخص ہے جس نے صحابہ کو دیکھا ہے۔ اگرچہ صحبت نہو۔ روضۃ العلما میں مذکور ہے۔ کہ امام نے فرمایا ہے اتر کوا قولی بخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ترک کرو میرا قول بمقابلہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور فرمایا اذا صح الحدیث فہو مذہبی یعنی جب حدیث صحیح ہو جائے۔ تو وہی میرا مذہب ہے۔ صراط مستقیم میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب متفق ہیں کہ حدیث گو اسناد اسکی ضعیف ہو۔ مگر قیاس واجتہاد سے اولے ومقدم ہے میزان شعرانی میں ہے۔ وما طعن احد فی قول من اقوالہم الا لجہلہ بہا من حیث دلیلہ وامامن حیث دقۃ مدارکہ علیہ لاسیما الامام الاعظم ابوحنیفۃ الذی اجمع السلف والخلف علی ورعہ وعبادتہ ودقۃ مدارکہ واستنباطہ وحاشاہ من قول فی دین اللہ بالرای الذی یعنی کسی شخص نے کسی مجتہد کے قول میں طعن نہیں کیا۔ مگر بوجہ اپنی جہالت کے کہ یا تو اُسکے قول کی دلیل اسکی سمجھ میں نہ آئی یا اسکی باریکی سے اسکا ذہن قاصر رہا۔ خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کسی قول پر جو کسی نے اعتراض کیا ہے اُس کا یہی سبب ہے۔ جنکے علم وورع اور عبادت اور دقت نظر اور استنباطات پر سلف وخلف کا اجماع ہے۔ اور سب اس بات کو مانتے ہیں۔ کہ امام موصوف دین خدا میں رائے کے ساتھ ایسی بات کہنے سے بچے ہیں جسکا ثبوت کتاب سے نہوتا ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ امام نے احادیث صحیحہ کی صریح مخالفت کی ہے۔ چونکہ یہ بات نہایت وسیع ہے۔ اس لئے چند قواعد اجمالی ذکر کئے

جاتے ہیں متقدمین میں سے سفیان ثوری کو اور انکے بعد حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ
کوفی و شیخ بخاری کو یہ گمان ہوا اسکی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے امام کے قواعد
و اصول پر غور و خوض نہ کیا اگر غور کرتے تو ظن غالب ہے کہ انکو اس قسم کی بدگمانی
نہوتی۔ امام کے بعض قواعد سے یہ ہے کہ خبر واحد ایسے وقت قبول نہیں کیجاتی
کہ جب وہ مخالف اصول مجمع علیہا کے ہو۔ پھر اس وقت قیاس خبر واحد پر
مقدم ہوگا۔ خبر واحد کے قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حدیث پر مطلع نہ ہے
یا اُن کے نزدیک اُس حدیث کی صحت نہ پائی گئی ہو۔ یا اس حدیث کی روایت
بعض غیر فقیہ سے پائی گئی۔ یا راوی نے اپنی روایت کے خلاف کام کیا جس سے
اس حدیث کا نسخ وغیرہ ظاہر ہوتا ہے یا عموم بلویٰ پایا گیا یعنی وہ ایسا امر ہو
جسکے علم کی ہر شخص کو احتیاج ہو مگر اس امر میں صرف ایک شخص نے روایت کی
پھر اس قسم کی روایت قابل قدح ہوگئی۔ یا وہ حدیث حد یا کفارے میں وارد
ہوئی جو شبہ سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ اور احتمال خطائے راوی منفرد کا شبہ ہے
یا قیاس جلی کے مخالف ہے یا اُس قیاس کے جسکو دوسری حدیث سے قوت
پہنچی ہو۔ یا بعض سلف نے اس میں طعن کیا ہو۔ یا صحابہ نے آپس میں ایک
مسئلے میں اختلاف کیا جس میں خبر واحد وارد ہے اور کسی نے اُس سے احتجاج
نہ کیا پس احتجاج سے اعراض کرنا۔ یہ دلیل نسخ یا عدم اعتماد کی ہے۔ یا وہ حدیث
ظاہر عموم قرآن کے مخالف ہو۔ اسلئے کہ امام اعظم عموم قرآن کی تخصیص یا تنسیخ خبر
واحد سے جائز نہیں سمجھتے۔ اسلئے کہ خبر واحد ظنی ہے اور وہ یقینی اور تقدیم دو
دلیلوں میں سے اُس دلیل کی واجب ہے جو اقویٰ ہے یا وہ سنت مشہورہ کے
مخالف ہو اسلئے کہ خبر مشہور خبر احاد سے قوی ہوتی ہے یا وہ زائد علی القرآن ہو
اس سے معلوم ہوگیا کہ امام خبر احاد کو بدون حجت کے ترک نہیں کرتے بلکہ ایسی
دلیل سے ترک کرتے ہیں جو اُنکے نزدیک قوی اور واضح ہوتی ہے۔

تمام حنفیہ کا اسپر اجماع ہے۔ کہ مذہب حنفی میں ضعیف حدیث رائے

اولے ہے۔ اسی وجہ سے احادیث مرسل پر عمل کرتے ہیں اور قیاس کو پیچھے چھوڑتے
ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ حدیث پر عمل نہیں ہو سکتا جب تک رائے کا
استعمال نہ کیا جائے اسلئے کہ رائے سے اُسکے معنی کا ادراک کیا جاتا ہے جو
مدار احکام ہیں بعض محدثین اس اصول کے ترک سے بہت بڑی غلطی
میں پڑ گئے اور اُنہوں نے یہ کہا کہ اگر ایک بکری کا دودھ ایک لڑکا اور ایک
لڑکی پئیں۔ تو اُن دونوں میں حرمت رضاعت ہو جاتی ہے۔ ان رائے
محض قابل عمل نہیں۔

امام نے اول فقہ کو مرتب کیا اور سب سے پہلے کتاب فرائض و کتاب
شروط مرتب کی۔

درمختار میں امام ابوحنیفہ کے جہاں اور اوصاف لکھے ہیں۔ انمیں
یہ بھی لکھا ہے۔ یحکم بمذہبہ عیسے علیہ السلام یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے
موافق عیسے علیہ السلام حکم کرینگے۔ اور حلبی محشی نے اسکا مطلب یوں بیان
کیا ہے کہ حضرت مسیح اجتہاد کرینگے۔ اور اُن کا اجتہاد امام ابوحنیفہ کے اجتہاد
کے موافق پڑیگا۔ لیکن شافعیہ توافق اجتہاد امام شافعی کے مدعی ہونگے
سید احمد طحطاوی حنفی نے بعد نقل کلام حلبی کے کہا ہے۔ کہ جماعت حنفیہ
کو ایسے الفاظ موہمہ بولنا ہرگز لایق نہیں ہے۔ ایسی باتوں سے منقبت ثابت
نہیں ہوتی۔ بلکہ قایل کی مذمت ثابت ہوتی ہے حضرت عیسے علیہ السلام معصوم
مطلق ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ مجتہد ہیں۔ اور مجتہد کبھی خطا کرتا ہے۔ اور کبھی
صواب کو پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے صاحبین نے اکثر میں دو ثلث
احکام سے اُن کا خلاف کیا ہے۔ پس جو شخص معصوم ہے۔ کبھی خطا نہیں کرتا
اس شخص کی تقلید کیونکر کرے جسکی صفت مخطی و مصیب ہے۔ امام صاحب
کی فضیلت ایسی بے اصل چیزوں کے ساتھ ثابت کرنا جن سے تنقیص
انبیا علیہم السلام کی لازم آئے کیا ضرور ہے۔ جبکہ اُنکے فضائل واقعیہ بیشمار موجود

ہیں جنہیں علماے محققین نے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اگر امام ابو حنیفہ ایسے افترا کو سنتے تو قائل کی نسبت کیا فتوے دیتے۔

دوسرے امام مالک ابو عبد اللہ

بن انس بن مالک بن ابو عامر اصبحی ہیں کہ سنہ ۹۳ ہجری میں مدینے کے اندر پیدا ہوئے ابو عامر صحابی تھے۔ اور یہ انس بن مالک غیر ہیں۔ اُن انس بن مالک سے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ شیخ فریدالدین عطار نے تذکرۃ الاولیا میں اُنکا ذکر نہیں کیا ہے۔ باوجودیکہ اور تینوں ائمہ کا حال بیان کیا ہے۔ مدینے میں انکا مکان وہ تھا جو مکان ابن مسعود کا تھا۔ اور مسجد نبوی میں اس مقام پر بیٹھا کرتے تھے جہاں حضرت عمر بیٹھتے تھے احیاء العلوم میں انکے زہد و سلوک کی بہت سی حکائتیں لکھی ہیں۔ امام مالک نے ابتدائے عمر میں علم نہایت تنگدستی کی حالت میں سیکھا تھا۔ اپنے مکان کی چھت اُکھیڑتے اور اسکی لکڑیاں فروخت کرکے کتابیں خریدتے۔ بعد اسکے اُنکی جانب دولت نے ایسا رخ کیا کہ نہایت امارت اور خدم و حشم کے ساتھ رہنے لگے۔ تیسویں برس کی عمر میں مسند افادہ پر قدم رکھا۔ اور مجلس میں انکی اعلےٰ درجہ کا ہیبت و وقار ہوتا تھا۔ سفیان اور بشر حافی انکی مجلس میں حاضر ہوتے اور انکی شاگردی کو فخر جانتے تھے۔ امام مالک سے کسی نے سوال کیا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس زندیق کو مار ڈالو کہ اسکے کلام سے بہت سے فتنے پیدا ہونگے۔ اور جہم بن صفوان نے اُن سے دریافت کیا کہ استوے علے العرش کے کیا معنی ہیں۔ انہوں نے بہت غور کے بعد جواب دیا۔ الاستواء غیر مجہول والکیف غیر معقول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ اور فرمایا کہ اس شخص کو ہماری مجلس سے نکالدو کہ یہ بدعتی ہے۔ امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ پیغمبر کے بعد افضل امت کون ہے۔ کہا حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر جب حضرت علی اور حضرت عثمان کے

بارے میں استفسار کیا۔ تو جواب دیا کہ پیشوایان دین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ملا کہ انمیں سے ایک کو دوسرے پر تفضیل دیتا ہو اور وہ کہتے تھے کہ میں نبی کے جگر پارے یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی ابراہیم پر کسی کو تفضیل نہیں دیتا۔ اور امام موصوف دشمنان صحابہ کا کفر اس آیت سے ثابت کرتے تھے۔ لیغیظ بہم الکفار جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے آنحضرتؐ کے یاروں کو روزافزوں ترقی اس لئے دی ہے کہ بسبب اُنکے کافروں کو غصے میں لاوے۔ اور ان کے مذہب میں ایمان اخلاص قلبی اور اقرار زبانی اور عمل اعضاء کا نام ہے۔ اور ایمان بوجہ اعمال کے کم و بیش ہوتا ہے۔ اگر اعمال ناقص ہیں تو ایمان بھی ناقص ہے اور اگر اعمال زیادہ ہیں تو ایمان بھی زیادہ ہے اور ایمان بغیر اعمال کے کامل نہیں ہوسکتا چنانچہ کتاب فقہ مالکی مصنفہ ابو محمد عبداللہ بن ابی زید قیروانی میں اس مضمون کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔ وان الایمان قول باللسان واخلاص بالقلب وعمل بالجوارح یزید بزیادۃ الاعمال وینقص بنقصہا فیکون فیہا النقص وبہا الزیادۃ ولایکمل قول الایمان الا بالعمل

انہوں نے حدیث میں کتاب جمع کر کے موطا نام رکھا ہے۔ انہوں نے موطا میں اول دس ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ انتخاب کرتے رہے اور موجودہ حالت تک نوبت پہنچی۔ اور جب تک زندہ رہے۔ موطا کا مسودہ ہی رہا۔ اسی لئے اُسکے نسخے مختلف طرح کے ہیں کہ ہر ایک نسخے کی ترتیب ایک علیحدہ طور پر ہے بستان المحدثین میں سولہ نسخوں کا حال بیان کیا ہے۔ سوائے موطا کے کوئی کتاب اس وقت ایسی موجود نہیں جو تبع تابعین کی تالیف ہے اہل حدیث کہتے ہیں کہ جب حدیث اُنکی روایت سے ثابت ہو تو نہایت صحیح ہے۔ جب ہارون الرشید حج کو گیا۔ تو امام مالک سے موطا کو سنا۔ اور تین ہزار دینار رشید نے اُنکو دئے۔ اور یہ استدعا کی کہ آپ میرے ہمراہ چلئے میرا

لہ دیکھو مصفیٰ شرح موطا ۱۲

یہ ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کتاب پر جمع کروں جیسا کہ حضرت عثمان نے
مسلمانوں کو قرآن پر جمع کیا تھا امام مالک نے جواب دیا کہ یہ بات مناسب نہیں
اسلئے کہ حضرت سرور عالم کی وفات کے بعد اُنکے اصحاب جابجا ملکوں میں
پھیل گئے تھے اسلئے ہر شہر والوں کے پاس علم ہے۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ اور امام مالک نے مدینے
کو نہ چھوڑا۔ اور وہیں سنہ ۱۷۹ ہجری میں انتقال کیا منصور نے انکو حکم دیا تھا
کہ آپ طلاق مکرہ کے باب میں حدیث نہ بیان کیا کیجئے پھر منصور نے دہوکہ
دہی کی راہ سے ایک آدمی کو اُن کے پاس بھیجا کہ یہ مسئلہ دریافت کرے
انہوں نے برملا لوگوں کے سامنے بیان کیا کہ جبر دباؤ ڈالکر طلاق دلوائی
جائے۔ تو یہ طلاق حقیقت میں واقع نہیں ہوتی۔ منصور نے انکو ذلت سے
قید کردیا ایسی بیدردی سے مشکیں باندھیں۔ کہ ہاتھ بازو سے اوکھڑ گیا پھر
اونٹ پر سوار کراکر کہا گیا کہ اس مسئلے کی صحت کا اقرار کریں جسکو وہ دل سے
غلط جانتے تھے لیکن امام صاحب نے اونٹ پر کھڑے ہوکر کہا کہ جو مجھے جانتا
ہے وہ جانتا ہے جو نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ مالک انس کا بیٹا ہوں اور صاف
کہتا ہوں کہ طلاق المکرہ لیس بشیئ۔ اسپر ستر کوڑے مارے گئے اور قید رکھے گئے
ہارون رشید نے درخواست کی۔ کہ آنکر اُسکے فرزند مامون وامین کو موطا
روایت کریں۔ آپنے فرمایا العلم یؤتے ولا یاتی۔ ہارون الرشید اس جواب سے
خوش ہوا۔ ابن حزم نے لکھا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور مالک کے مذہب نے عالم میں بوجہ
ریاست وسلطنت کے رواج وامتیاز پایا ہے۔ شرف الدولہ معز بن بادیس
بن منصور بن یوسف سنہ ۴۰۶ میں والی افریقہ ہوا۔ تو اس نے افریقہ میں مذہب
مالکی کا رواج دیا۔ اور تمام آدمیوں کو مالکی بنادیا۔ ورنہ اس سے پہلے وہ حنفی
مذہب رکھتے تھے۔

لہ دیکھو تیسیر الوصول ۱۲

تیسرے امام شافعی ابو عبد اللہ محمدؒ

بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف ہیں۔ سائب جنگ بدر میں مسلمان ہوئے تھے شافعی باپ کی طرف سے مطلبی ہیں اور ماں کی طرف سے ہاشمی۔ جرجانی فقیہ حنفی نے کہا ہے کہ مالکیہ اُنکے نسب کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ اُنکو ابو لہب کے غلام کی اولاد قرار دیتے ہیں۔ یہ جرجانی کا تعصب ہے۔ اور یہ بہتان اُنہوں نے اس وجہ سے باندھا ہے کہ لوگ امام حنیفہ کو غلام کی اولاد بتاتے ہیں[۱]۔ امام شافعی سنہ ۱۵۰ہجری میں مقام منیٰ یا عسقلان یا یمن میں پیدا ہوئے تھے اور وہ دو برس کے تھے کہ اُنکو مکے کو لے گئے۔ وہیں نشو ونما پائی۔ پندرہ برس کی عمر میں اُنکو اُنکے استاد مسلم بن خالد زنجی نے افتا اور تدریس کی اجازت دیدی تھی پھر مدینے کو گئے۔ اور امام مالک کی شاگردی اختیار کی۔ اور جب تک وہ زندہ رہے اُنہیں کے دامن فیض میں تربیت پاتے رہے امام شافعی علم کلام کی مذمت بیان کیا کرتے تھے۔ ادب انساب اور ایام عرب کے بڑے ماہر تھے۔ اصول فقہ میں تصنیف کی اولیت اُنکو حاصل ہے شافعی سنہ ۱۹۵ھ میں بغداد گئے تھے اور وہاں ایک مہینے کے قریب رہکر مصر کو چلے گئے اور وہیں ۵۴ برس کی عمر میں رجب سنہ ۲۰۴ھ میں فوت ہوکر قرافہ[۲] میں مدفون ہوئے۔ اُنکو لوگوں نے ابلیس سے بدتر کہا۔ رفض کی طرف نسبت کرکے قید کیا۔ اور اُنکے مرنے کی دعائیں کیں۔ علمائے عراق و مصر نے ایسی تہمتیں لگائیں کہ یمن سے بغداد تک بے حرمتی و بے عزتی سے قید کرکے بھیجے گئے۔ ہزاروں آدمی ملامت کرتے اور گالیاں دیتے جاتے تھے۔ بیہقی

---

[۱] دیکھو کتاب مناقب شافعی مولفہ ابو عبد اللہ محمد بن عمر رازی ۱۲ منہ

[۲] الخطط و الآثار میں لکھا ہے کہ قرافہ مصر میں دو مقام کا نام ہے ایک قرافہ کبیرہ جو جامع المالکیہ [illegible] دوسرا قرافہ صغیرہ جہاں قبر شافعی ہے

نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں کہا ہے کہ
امام شافعی جب ہارون الرشید کے دربار میں گرفتار ہو کر آئے۔ تو قاضی ابو یوسف
اور امام محمد نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ
اگر جلد تدارک نہیں کیا جائیگا۔ تو یہ شخص سلطنت کو صدمہ پہنچائیگا۔ افسوس
بیہقی کو با ایں ہمہ محدثیت یہ بھی خیال نہ آیا کہ قاضی ابو یوسف اس زمانے
سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے
اس روایت کی تکذیب کی۔ حافظ ابن حجر نے جن سے بڑھکر اُن کے بعد محدث
نہیں ہوا۔ امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس کتاب کا نام
توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ہے۔ اور ۱۳۰۱ھ میں مصر میں چھاپی گئی
ہے۔ وہ اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہیں فہی مکذوبۃ وغالب ما فیہا
موضوع وبعضہا ملفق من روایات ملفقۃ واوضح ما فیہا من الکذب
قولہ فیہا ان ابا یوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشید علی قتل الشافعی
یعنی یہ روایت اور اس کا اکثر حصہ موضوع ہے اور بعض حصے دوسری مختلط
روایتوں سے ماخوذ ہیں۔ اور جو صریح جھوٹ اس میں ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ابو
یوسف اور محمد بن الحسن نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی

انکی تصنیف سے اصول دین میں چودہ کتابیں اور فروع دین میں سو
کتابوں سے زیادہ تصنیف کی ہیں۔ امام احمد سے نقل ہے کہ میں ناسخ ومنسوخ
حدیث میں سے اور خاص وعام اور مجمل ومفصل نہ جانتا تھا۔ جب تک امام
شافعی کی صحبت میں نہ بیٹھا تھا۔ ایک مسند بھی امام شافعی کی طرف منسوب ہے
جسکی حقیقت یہ ہے۔ کہ جن احادیث کو امام شافعی اپنے شاگردوں سے بیان کیا
کرتے تھے۔ ان میں سے جس قدر حدیثیں ربیع بن سلیمان شاگرد رشید امام
امام شافعی سے ابو العباس محمد بن یعقوب اصم نے سنی تھیں۔ انکو ابو جعفر
محمد بن مطر نیشاپوری نے کتاب ام و مبسوط سے چھانٹ کر علیحدہ جمع کر لیا ہے

چونکہ یہ کام ابو العباس اصم کی فرمائش سے وقوع میں آیا ہے اسلئے وہی امام شافعی کی طرف منسوب کیگئی ہے بعض کہتے ہیں کہ خود ابو العباس نے ان احادیث کو انتخاب کیا تھا۔ اور محمد بن مطر صرف کاتب تھا۔ مگر یہ کتاب نہ مسندوں کے طور پر ہے نہ ابواب کی ترتیب اس میں ہے مسند محدثین کی اصطلاح میں اُس کتاب کو کہتے ہیں جسکی احادیث کو صحابہ پر ترتیب دیں مثلاً روایات ابوبکر کو علیحدہ اور روایات حضرت عمر کو جدا لکھیں۔

چوتھے امام احمد بن محمد بن حنبل

شیبانی مروزی بغدادی ہیں جو بغداد میں ۱۶۴ھ ہجری میں مہدی محمد بن ابو جعفر منصور کے عہد میں پیدا ہوئے۔ انکا نسب ربیعہ بن سعد بن عدنان سے ملتا ہے۔ امام شافعی سے فقہ اور اصول فقہ سیکھا تھا مگر تاسف کرتے تھے کہ میں امام مالک کے ساتھ جمع نہ ہوا اسلئے کہ امام مالک اس سال فوت ہوگئے۔ جب انہوں نے علم حدیث کو شروع کیا۔ نہایت کریم الخلق مؤدب اور متواضع تھے۔ پانچ بار حج کیا۔ قتیبہ بن سعید کہتے تھے۔ کہ ثوری کے ساتھ ورع مر گیا شافعی کے ساتھ سنن مر گئے۔ احمد مرینگے تو بدعت ظاہر ہو جائیگی ایک بار اسحاق بن ابراہیم حاکم بغداد نے اُن سے دریافت کیا۔ کہ سمیع و بصیر کے کیا معنی ہیں۔ جواب دیا۔ اللہ ایسا ہے جیسا اُس نے اپنے نفس کی تعریف کی ہے اسحاق نے کہا اسکا کیا مطلب ہے احمد نے کہا کہ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا کہ جو اُس نے اپنا وصف کیا ہے ویسا ہی ہے۔ اور اُن الفاظ کے باب میں جنکے ظاہری معانی سے اللہ تعالے کی جسمیت سمجھی جاتی ہے سلف کے ساتھ موافق تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالے کسی چیز کے مشابہ نہیں اور بعض جگہ تاویل بھی کرتے تھے۔ امام احمد کے بیٹے کہتے تھے کہ میں نے اپنے چچا سے سنا ہے کہ ایکبار مناظرے میں میرے سامنے یہ حجت پیش کیگئی کہ

لہ دیکھو ابو الفدا ۱۲

حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں سورۂ بقرا اور سورۂ تبارک آئینگی میں نے جواب دیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی قدرت آئیگی[1]۔ امام احمد[2] کا یہ مذہب ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ جب اُن سے کہا گیا کہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے۔ تو بولے کہ اللہ یکتا ہے کوئی اسکے مشابہ نہیں۔ جب انہوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ تو معتزلہ کے زور اور رسوخ کی وجہ سے مع محمد بن نوح پابزنجیر طرطوس کو روانہ کیئے گئے۔ ماہ رمضان سنہ ۲۲۰ ہجری میں کہ خلیفہ معتصم عباسی کا عہد تھا۔ ۲۹ کوڑے لگوائے گئے۔ اور قید کیئے گئے۔ تاکہ اپنے اس قول سے پھر جائیں۔ مگر یہ اپنے قول سے نہ پھرے۔ اور قرآن کو مخلوق نہ کہا ۲۸ ماہ قید میں رہے۔ بھاری بھاری زنجیریں اُن کے پاؤں میں ڈالی گئیں۔ ذلت کرنے کو مجلسوں میں بلائے جاتے۔ اور لوگ اُنکے طمانچے مارتے اور منہ پر تھوکتے۔ اور ہر شام کو جیل خانے سے نکالکر کوڑے مارے جاتے تھے اور مشکیں بھی باندہی گئی تھیں۔ متوکل انکی بہت تعظیم کرتا تھا۔ ایک روز متوکل سے ایک شخص نے بیان کیا کہ احمد حنبل آپ کے باپ دادا کو زندیق کہتے ہیں۔ اور انکو برائی سے یاد کرتے ہیں۔ متوکل نے جواب دیا کہ مامون نے ایسی باتیں بنا دی تھیں کہ لوگوں کو اُسپر اعتراض کرنے کی گنجایش ہوئی اور ابو اسحاق معتصم محمد بن ہارون الرشید جنگجو تھا۔ اسکو کلام سے بہرہ نہ تھا اور میرے بھائی واثق باللہ ہارون بن معتصم کے حق میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ اس کے لئے مستحق ہے۔ اور حکم دیا کہ اس شخص کے دو سو کوڑے لگائے جائیں

---

[1] دیکھو جوہر المحصل فی مناقب امام حنبل [2] مجمع الاحباب مولفہ محمد بن حسن بن عبد اللہ میں کو

قال المیمون ابن اصبع کنت ببغداد فسمعت ضجۃ فقلت ما ھذا قالوا احمد بن حنبل یمتحن قد دخلت علیہ فراہیتہ یضرب فلما ضرب سوطا قال الحمد للہ فلما ضرب الثانی قال لا حول ولا قوۃ الا باللہ فلما الثالث قال کلام اللہ تعالی منزل غیر مخلوق فلما ضرب الرابع قال قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا فضرب تسعۃ وعشرون سوطا ... یا ابن عطا

تذکرۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ امام احمد کے ہزار کوڑے لگوائے گئے تھے اور اسوقت میں وہ بہت ضعیف ہو ... لیکن

جس افسر کو اس حکم کی تعمیل کے لئے متعین کیا تھا۔ اس نے بجائے دو سو کے پانسو کوڑے لگوائے متوکل نے اس زیادتی کا سبب دریافت کیا۔ تو اس افسر نے عرض کیا کہ دو سو تو حضور کے حکم کی تعمیل کے لئے لگائے ہیں۔ اور دو سو خدا کی رضامندی کے لئے اور سو اس وجہ سے لگائے کہ اس نے امام احمدؒ جیسے نیک آدمی پر افترا کیا ہے۔

امام احمدؒ کی بہت سی تصنیفیں ہیں۔ ان میں سے ایک تفسیر ہے۔ کہ نہایت بسط سے لکھی ہے اور کتاب الزہد اور کتاب الناسخ والمنسوخ اور کتاب المناسک الکبیر اور کتاب المناسک الصغیر اور کتاب حدیث شعبہ اور کتاب فضائل صحابہ میں اور کتاب فضائل حضرت ابوبکر میں اور کتاب فضائل حسنین میں اور کتاب تاریخ میں اور کتاب الاشربہ مگر یہ کتابیں متوسط درجے پر ہیں دوسرے محدثین کی کتابیں ان بیانات میں ان کتب سے کم نہیں بلکہ تفوق رکھتی ہیں۔ ایک بہت ضخیم مسند بھی انکی تالیف سے ہے کہ جسکو بطور بیاض کے اپنی حیات میں جمع کیا تھا اور ترتیب و تہذیب نہیں کرنے پائے تھے۔ ۷۷ برس کی عمر میں ۲۴۱ھ میں بغداد میں عہد خلافت متوکل میں انتقال کر گئے انکے بعد اُنکے بیٹے عبداللہ نے پھر ابوبکر قطیعی نے جس نے اس کتاب کو عبداللہ سے روایت کیا تھا کچھ اس مسند میں زیادہ کیا۔ اور حسن بن علی نے اس کتاب کو اجزا پر تقسیم کیا۔ یہ حسن وہ ہے جس نے قطیعی سے اس مسند کو روایت کیا ہے امام کے بیٹے نے اگرچہ اس کتاب کی ترتیب و تہذیب کی ہے مگر خطائیں بھی بہت سی کی ہیں کہ مدنیوں کو شامیوں میں اور شامیوں کو مدنیوں میں درج کیا ہے۔ اس مسند میں کل چالیس ہزار اور بقولے تیس ہزار حدیثیں ہیں۔ اور امام احمدؒ نے اسکو ساڑھے سات لاکھ احادیث سے انتخاب کیا ہے۔ اور اس میں اٹھارہ مسند ہیں۔ اور ایک سو بہتر اجزا پر منقسم ہے۔ اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ ہی کے سبب سے صحیح از سقیم اور مجروح و معلول کو پہچانا گیا امام

ابو حنیفہ کا مذہب امام احمدؒ کے بالکل موافق ہے کہیں تھوڑا سا فرق ہے اور
امام شافعی کا مذہب زیادہ تر امام احمدؒ کے مذہب کے مخالف ہے۔ ایک سو پچیس
مسئلے اصول مسائل میں سے ایسے ہیں۔ کہ اُنمیں امام احمدؒ امام ابو حنیفہ کے
ساتھ موافق ہیں اور شافعی کے ساتھ مخالف۔ نواب صدیق حسن خاں نے
تقصار وغیرہ میں نقل کیا ہے کہ علم حدیث میں کسی کو وہ حق حاصل نہیں
جو امام احمد حنبل کو ہے۔ اور اُنکے مذہب میں جتنے ائمہ حدیث گذرے ہیں
وہ اور کسی مذہب میں کم گذرے ہیں۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم اُنکے مذہب پر تھے
خصوصاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بھی اُنکے مذہب میں تھے۔ مگر ابن تیمیہ
کئی باتوں میں ان سے مخالف بھی ہیں۔

ابن تیمیہ

نامۂ دانشوران میں لکھا ہے کہ شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ اللہ کے لئے
جہت اور جانب ثابت کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ نفی جہت سے نفی صانع لازم
آتی ہے۔ مگر مولانا شاہ ولی اللہ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ
کی نسبت جو کئی باتیں مشہور ہیں مثلاً (۱) استوے علی العرش کے معنی فوق العرش
کہتے تھے سو اس مسئلے میں جو مذہب اُنکا ہے وہی ابو الحسن اشعری کا ہے
اشعری اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں صفات الٰہی کے مسئلے میں
اور اللہ کے فوق العرش ہونے کے بارے میں امام احمدؒ کے مذہب پر ہوں
اور اس میں شک نہیں کہ اللہ کو عرش کے ساتھ جو خصوصیت ہے وہ اور
مخلوق کے ساتھ نہیں پس اس خصوصیت کو استوے کے ساتھ تعبیر کیا
ہے (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جانا ممنوع قرار دیتے تھے۔ یہ
بھی تحقیق کے خلاف ہے۔ انہوں نے مطلقاً زیارت کو منع نہیں کیا ہے
بلکہ خاص زیارت کے ارادے سے سفر اختیار کرنے کو منع کیا ہے اور یہ حدیث
نبوی کے مطابق ہے (۳) غوث و قطب و خضر کے وجود سے انکار کیا ہے

اور صوفیہ کے ساتھ اس باب میں متفق نہیں۔ مگر یہ باتیں کتاب وسنت سے
کب ثابت ہیں۔ (۴) محمد ابن حسن عسکری کو امام محجوب نہیں مانتے جو شیعہ
کے نزدیک امام دوازدہم ہیں۔ یہی عقیدہ اہل سنت کا بھی ہے۔ (۵) جناب
امیر کے ساتھ بے ادبی کی ہے۔ مگر یہ انپر افترا ہے۔ اصل یہ ہے کہ شیعہ نے
جس طریق سے خلفائے ثلثہ پر طعن کئے ہیں۔ ابن تیمیہ نے اسی قسم کی باتیں
جناب امیر میں ثابت کی ہیں جنکا شیعہ کو بھی اعتراف ہے تاکہ معلوم ہو جائے
کہ یہ باتیں منقصت کا موجب نہیں۔ اور جن باتوں سے شیعہ نے جناب امیر
کی تفضیل ثابت کی ہے۔ ابن تیمیہ نے خلفائے ثلثہ کی تفضیل کے لئے وہ باتیں
بتائی ہیں۔ مگر شاہ صاحب کو ابن تیمیہ کے واقعی عقیدے کی خبر نہ تھی۔ جو انکو
اللہ تعالےٰ کے لئے جہت اور جانب کے ثبوت کا ہے ورنہ اس باب میں
ایسی تاویل نکرتے جو بدائے امام احمد حنبل اور اشعری کی ہے۔ یہ امر مخفی نہیں
ابن بطوطہ نے اپنے رحلہ میں مقام دمشق کے حال میں لکھا ہے کہ میں ابن
تیمیہ کے وعظ میں جمعہ کے دن حاضر ہوا تھا۔ وہ مسجد جامع میں ممبر پر بیٹھے
وعظ کہتے تھے۔ اس وقت انہوں نے یہ کہا کہ اللہ آسمان دنیا پر اس طرح
اُترتا ہے جس طرح میں اُترتا ہوں اور ممبر کے ایک درجے سے دوسرے درجے
پر اُتر آئے۔ اور ابن تیمیہ کا طلاق کے باب میں یہ مذہب ہے کہ جب عورت
کو ایک کلمے سے تین دیجائیں تو ایک ہی طلاق لازم آتی ہے انہیں باتوں
کی وجہ سے قید کر دئے گئے۔ جہاں ۲۰ ذیقعدہ ۷۲۸ھ ہجری کو انتقال
کیا۔ ابن تیمیہ کے پیرو دمشق اور اضلاع دمشق اور تھوڑے سے مصر میں
ابتک موجود ہیں۔ عرب میں مروجہ مذاہب یہ ہیں۔ نجد میں وہابی یمن کے
ایک حصے میں اسماعیلی و زیدی۔ مسقط میں اباضی محمرہ میں شیعی باقی
تمام علاقے میں سنی شافعی۔

اشاعرہ - ماتریدیہ حنابلہ

اہل سنت کا اطلاق مذہب حنفی - مالکی - شافعی اور حنبلی پر باعتبار فروع کے ہے اور باعتبار اصول کے یہ لفظ تین گروہ کو شامل ہے یعنی اہل سنت کے اعتقاد میں تین فرقے ہیں اشعری - ماتریدی اور حنبلی

اشاعرہ شیخ ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری کے متبع ہیں جو ۲۶۰ھ یا ۲۷۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ اور وہ ابو موسیٰ اشعری کی جو حضرت سرور عالم کے صحابی تھے اولاد میں سے ہیں۔ اور اشعر ملک یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ شیخ موصوف ابو علی جبائی کے شاگرد تھے۔ اور مذہب اعتزال میں نہایت متعصب تھے اور چالیس برس تک معتزلی رہے۔ یہانتک کہ معتزلہ کے مقتدا مانے گئے پھر شیخ موصوف اپنے استاد سے پھر گئے جیسا کہ ہم قبل اس سے بیان کر چکے ہیں اور اعتزال کو چھوڑ دیا۔ اور بغداد میں داخل ہوئے اور ذکریا ساجی وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ لکھا ہے کہ جب اعتزال سے بیزار ہوئے تو اول اپنے گھر میں ۱۵ دن تک بیٹھے رہے۔ اور لوگوں سے نہیں ملے۔ بعد اسکے جامع مسجد میں گئے۔ اور منبر پر چڑھکر کہا۔ اے مسلمانو اس عرصے میں کہ میں تم سے مخفی رہا غور کرتا رہا۔ مگر کوئی دلیل ایسی نہیں پائی کہ جس کی وجہ سے میں ایک شئے کو دوسری شئے پر ترجیح دے سکتا۔ یہانتک کہ خدائے پاک نے مجھے ایسے اعتقادات کی جانب ہدایت کی جنہیں میں نے اپنی کتب میں لکھا ہے۔ اور میں نے اپنے اگلے اعتقادات کو چھوڑ دیا۔ اور وہ کتابیں جو اہل سنت کے مذہب پر لکھی تھیں مسلمانوں کو دیدیں[1]۔ طبقات شافعیہ میں خطیب بغدادی سے نقل کیا ہے۔ کہ ابو الحسن اشعری متکلم نے بہت سی کتابیں معتزلہ - جہمیہ - خوارج اور تمام اقسام اہل بدعت کے رد میں لکھی ہیں

[1] دیکھو طبقات الفقہا مؤلفہ تاج الدین عبدالوہاب سبکی ۱۲

ابن صلاح نے اپنے طبقات میں ابن حزم سے نقل کیا ہے۔ کہ ابو الحسن کی تصنیفات سے ۵۵ کتابیں ہیں اور وہ بصری ہیں۔ مگر بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اور وہیں ۳۲۴ یا ۳۲۰ یا ۳۳۰ ہجری میں انتقال ہوا ہے۔ ابو اسحاق اسفرائنی نے حکایت کی ہے کہ شیخ ابو الحسن ابو اسحاق مروزی سے فقہ سیکھتے تھے اور ابو اسحاق اُن سے علم کلام سیکھتے تھے۔ اور ابو بکر بن فورک نے طبقات متکلمین میں لکھا ہے کہ اشعری فقہ میں شافعی مذہب پر تھے۔ اور یہ جو بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ مالکی تھے۔ یہ وہم ہے وہ شافعی ہی تھے۔ معتزلہ اشعریہ کو اشریہ بھی کہتے ہیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ ابوذر عبد الرحمن بن احمد نے اول مذہب اشاعرہ کو حرم میں داخل کیا اور وہاں رواج دیا۔

ماتریدیہ۔ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی کی طرف منسوب ہیں۔ جو تین واسطے سے امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور فقہ میں حنفی المذہب تھے۔ انکے زمانے میں ریاست مذہب امام ابو حنیفہ کی انپر منتہی ہوئی۔ ابو منصور کنیت تھی۔ فقہ ابو بکر احمد جوزجانی تلمیذ ابو سلیمان جوزجانی سے حاصل کیا۔ طبقات[1] الحنفیہ میں لکھا ہے۔ کہ انہوں نے اس بات کو مسلمانوں پر مقرر کردیا تھا کہ جو لوگ طالب علمی کے لئے نکلیں انکی حاجات کو پورا کریں۔ یہانتک کہ اگر انکی حاجات کو پورا کرنے میں کمی کریں تو اُس کا پورا کرنا اُنپر قرض سمجھا جائے جیسا کہ زکوٰۃ نہ دیجائے تو وہ قرض رہتی ہے۔ اور یہ بات خاص اُن کے مختارات میں سے تھی۔ کتاب التوحید کتاب المقالات۔ کتاب بیان فساد راشے المعتزلہ۔ کتاب رد امامت بعض روافض کتاب رد قرامطہ۔ کتاب الرد علے ادلۃ الکعبی۔ کتاب رد اصول خمسہ محمد باہلی وغیرہ انکی تصنیفات مشہور ہیں۔ علاوہ انکے کتاب تاویلات القرآن ایسی تصنیف کی ہے

---

[1] یہ خلاصہ ہے طبقات کفوی کا مولف کے ہاتھ کا نسخہ میری نظر سے گذرا ہے یہ نسخہ مسودہ معلوم ہوتا ہے۔ نہایت دقت سے پڑھا جاتا ہے مولف اسکا عبد اللہ آفندی کا ایک شاگرد ہے ۱۲ منہ

اپنا نظیر نہیں رکھتی بلکہ اس فن میں جو تصنیفات پہلے ہو چکی ہیں۔ کوئی اسکی برابری نہیں کرسکتی۔ ماترید سمرقند میں ایک محلے کا نام ہے جس میں آپ رہا کرتے تھے بعض کہتے ہیں کہ سمرقند کے شہروں میں سے ماترید بھی ایک شہر کا نام ہے ۳۳۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ سمرقند میں دفن کئے گئے۔ اور دین پناہ تاریخ وفات ہے۔

حنابلہ۔ امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی کے متبعوں کا نام ہے اشعریہ اور ماتریدیہ اور حنابلہ میں اس بات میں اختلاف ہے کہ تکوین بھی اللہ تعالے کی صفات کمالیہ میں سے ہے یا نہیں اور اشیا میں حسن و قبح عقلی ہے یا شرعی اور ذات ایمان میں اقرار زبانی کو دخل ہے یا نہیں اور جب بندے سے ایمان پایا جائے تو اُسکو یہ کہنا جایز ہے یا نہیں کہ میں ایمان والا ہوں اگر اللہ نے چاہا اور اللہ تعالے کا کلام لفظی جو مرکب ہے۔ حروف اور آواز سے اور اصطلاح علمائے اصول اور عرف شریعت میں اسی کو قرآن کہا کرتے ہیں اور اس سے وہ معانی و مضامین جو خدا کی ذات پاک کے ساتھ قایم ہیں اور کلام نفسی کہلاتے ہیں سمجھے جاتے ہیں حادث ہے یا قدیم وغیرہ وغیرہ باقی میں اتفاق ہے۔ سو مسئلہ اختلافیہ میں مالکی اور شافعی لوگ امام ابوالحسن اشعری کے تابع ہیں اس وجہ سے انکو اشعریہ کہتے ہیں اور حنفی لوگ امام ابومنصور ماتریدی کے قول کے تابع ہیں اس سبب سے انکو ماتریدیہ کہتے ہیں۔ اور امام احمد حنبل کے مقلد لوگ حنبلی کہلاتے ہیں۔ اس طریقے کے کچھ لوگ شام عراق بغداد اور نجد کے نواحی میں ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے۔ کہ یہ اُن صفات الٰہی کی تاویل کے معتقد نہیں۔ جنکے معانی جسمیت پر دلالت کرتے ہیں اور جو لوگ خاص متبع ہیں وہ اپنے آپکو ہرگز حنبلی نہیں کہتے کہلاتے اور انکا لقب محدث اور خطاب اہل سنت ہے۔ ابوالفدا نے لکھا ہے کہ ۳۲۳ھ میں حنابلہ نے بغداد میں لوگوں پر بہت سختی کی سرداروں اور رعایا پر خاک

ڈالتے اور شراب دیکھتے تو گرا دیتے۔ گانے والوں کو مارتے اور انکے ساز وسامان کو توڑ ڈالتے اور لوگونپر خرید و فروخت اور چلنے پھرنے میں اعتراض کرتے کوتوال نے یہ حال دیکھکر اُن کو منع کیا اور حکم دیا کہ تم میں سے کوئی امام بنکر نماز نہ پڑھائے جب تک بسم اللہ الرحمن الرحیم پکار کر نہ کہے لیکن انہوں نے تعمیل نہ کی۔ پھر راضی باللہ خلیفہ نے حنابلہ کو ایک فرمان اعتقاد تشبیہ سے ممانعت اور زجر کے لئے لکھا اُس میں بیان کیا کہ تم یہ اعتقاد کرتے ہو کہ تمہارے بھدے بھدے چہرے رب العالمین کی صورت پر ہیں اور تمہاری ہیئت خدا تعالے کی ہیئت پر ہے اور تم کہتے ہو کہ اسکے بال گھونگروالے ہیں اور اُسکے آسمان پر چڑھنے اور دنیا پر اُترنے کے تم قائل ہو میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم ان باتوں کو نہ چھوڑو گے۔ تو تم کو قتل کرونگا اور تمہارے گھروں اور محلوں کو برباد کردونگا۔ اور ۴۷۳ھ میں حنبلیوں اور شافعیوں کے درمیان بغداد میں بڑا فتنہ برپا ہوا۔

اصحاب حدیث و اہل رائے

شہرستانی نے ملل ونحل میں کہا ہے کہ اصحاب حدیث اہل حجاز ہیں۔ اور وہ لوگ ہیں یاران مالک بن انس۔ یاران محمد بن ادریس شافعی۔ یاران سفیان ثوری۔ یاران احمد بن حنبل۔ یاران داؤد بن علی اصفہانی۔ انکو اہل حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ انکا سارا اہتمام حدیث حاصل کرنے اور نقل کرنے کی جانب تھا اور تمام احکام کی بنیاد نصوص پر رکھتے تھے۔ جب تک اثر و خبر مل سکتی تھی قیاس جلی و خفی کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے اور اصحاب رائے اہل عراق ہیں۔ اور وہ امام ابوحنیفہ کے یار ہیں۔ محدث ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سرخی سے ایک باب باندھا ہے۔ اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہیں۔ ابن ابی لیلے۔ ابوحنیفہ۔ ربیعۃ الرائے۔ زفر

اوزاعی۔ سفیان ثوری۔ مالک بن انس ابو یوسف قاضی۔ محمد بن حسن۔ ابن
ابی قتیبہ نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کم ازکم
تیسری صدی تک مذکورۂ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے۔ اور
اس لقب کے ساتھ اول اول جنکو امتیاز حاصل ہے وہ ربیعۃ الرائے ہیں جو
امام مالک کے استاد اور شیخ الحدیث تھے۔ رائے کا لفظ ان کے نام کا جز بن گیا
ہے اور تاریخ و اسماء الرجال کی کتابوں میں ہمیشہ ان کا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا
ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کے درس و تدریس میں مشغول تھے اُن
میں دو فرقے قایم ہوگئے۔ ایک وہ جنکا کام صرف حدیثوں اور روائیتوں کا جمع کرنا تھا
وہ حدیث سے صرف من حیث الروایت بحث کرتے تھے۔ یہانتک کہ انکو ناسخ و منسوخ
سے بھی سروکار نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل
کے لحاظ سے دیکھتا تھا۔ اور اگر کوئی نص صحیح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام
لیتا تھا۔ اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں فریق میں کسی قدر مشترک تھیں لیکن
وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا۔ پہلا فرقہ اہل الروایت
اور اہل حدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا
تھا۔ امام مالک سفیان ثوری اور اوزاعی اس لئے اہل الرائے کہلائے۔ کہ وہ
محدث ہونے کے ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے لیکن چونکہ ان لوگوں
میں بھی معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا اسلئے
اضافی طور پر کبھی اس فرقے میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو محدث
کہتے۔ مثلاً امام مالک کی بہ نسبت امام ابو حنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب
زیادہ موزوں تھا۔ اور چونکہ وہ عام محدثین کے برخلاف روایت میں درایت
سے بھی کام لیتے تھے۔ اس لئے انکی نسبت اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی
امام احمدؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ تم امام ابو حنیفہؒ پر کیوں اعتراض کرتے ہو۔
انہوں نے جواب دیا رائے کی وجہ سے پھر کہا گیا امام مالکؒ صاحب رائے نہیں

فرمایا ہاں مگر ابو حنیفہ اس باب میں ان سے زیادہ ہیں پھر کہا گیا تم مالک کی نسبت بہ قدر اُنکے حصے کے کیوں نہیں کلام کرتے احمد چپ ہو رہے

عقائد ماتریدیہ کی تفصیل

اسباب علم

جو علم یعنی یقین دلیل میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتا ہے اُسے کسبی و استدلالی و نظری کہتے ہیں اور جو بغیر تامل کے حاصل ہو جائے وہ ضروری بدیہی ہے اور اسباب علم بلحاظ جریان عادت الہی ظاہر میں تین ہیں اول حواس خمسۂ ظاہرہ یہ کہ سمع بصر شم ذوق اور لمس ہیں سمع کانوں سے سننے کی طاقت کا نام ہے اور بصر آنکھ سے دیکھنے کی قوت کو کہتے ہیں اور شم ناک سے سونگھنے کی قوت ہے اور ذوق زبان سے چکھنے کی قوت ہے اور لمس بدن سے چھوکے دریافت کرنے کی قوت ہے گو کبھی بعض موقعوں پر کسی واقعہ کے سبب سے حس غلطی کرتی ہے جیسا کہ بھینگا ایک کو دو دیکھتا ہے اور صفراوی شیریں کو تلخ جانتا ہے مگر یہ نادر ہے والنادر کالمعدوم پس غالباً عدم موانع کی صورت میں حس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اسلیئے حس کو مفید علم یقینی وقطعی جانتے ہیں اور چونکہ حواس باطنیہ کے وجود کے دلائل علمائے اصول اسلامیہ کے نزدیک کامل نہیں اسلیئے اُن کے ذکر سے اعراض کیا گیا۔ دوم عقل گو عقل بھی کبھی بسبب مزاحمت وہم وخیال کے یا بسبب نہ لحاظ کرنے شرایط برہان کے خطا کرتی ہے لیکن چونکہ اکثر موانع نہونے کی صورت میں یقین حاصل ہوتا ہے اس لئے عقل بھی مفید علم یقینی وقطعی ہے۔ سوم خبر ہے کہ حق تعالے نے واسطے حاصل ہونے سامع کے مافی الضمیر متکلم پر اُسکو وضع کیا ہے لیکن احتمال کذب متکلم کبھی قصداً اور کبھی خطاءً بسبب قصور فہم اور حافظے وغیرہ کے البتہ مانع حصول علم یقینی ہوتا ہے اس لیئے خبر مطلق اسباب علم یقینی سے نہیں بلکہ ظنیات سے ہے۔ البتہ جس خبر میں

میں احتمال کذب باقی نہو اس سے یقین حاصل ہوتا ہے۔ اور خبر صادق دو قسم پر ہے (۱) خبر متواتر جو ایسی جماعت سے حاصل ہوئی ہو کہ عقل کے نزدیک انکا اتفاق کذب پر بالبداہت ممتنع ہو۔ اور اس جماعت نے اسی طور سے جماعت اول سے یقین حاصل کیا ہو وہکذا یہاں تک کہ وہ خبر کسی ایک حس پر منتہی (۲) خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ استدلال کے بعد تصدیق ہوتی ہے پس جبکہ نبوت اور عصمت دلیل سے ثابت ہوئی۔ احتمال کذب کا عمداً اور خطاءً دور ہوا اور خبر احاد میں ظنیت راوی کی وجہ سے ہے نہ خبر رسول ہونے کی جہت سے اور خبر مشہور سے بسبب احتمال کذب کے علم الیقین حاصل نہیں ہوتا۔

اسباب علم میں سے اعلے و اقوے خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اُس میں کسی طرح خطا کا احتمال بسبب عفت و عصمت جناب اقدس کے نہیں ہے واجب سے ممکن تک اور ازل سے ابد تک اس سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اُسکے بعد حس ہے کہ خطا کا احتمال اگرچہ اس میں نہیں ہے لیکن اشیائے محسوسہ خصوصاً اُنکے ظاہر پر مقصور ہے بعد اسکے رتبہ خبر متواتر کا ہے کہ اسکی بنا اور منتہا بھی حس پر ہے ولیس الخبر کالمعائنة پھر عقل ہے اسلئے کہ بایوں کا اختلاف عقلا میں بہت ہوتا ہے۔

الہام اولیا چونکہ مختص بہ خواص ہے اور متکلمین اسباب علم عام سے بحث کرتے ہیں اور نہ اسکے ساتھ کوئی ایسی علامت موجود ہوتی ہے جس سے یہے معلوم ہو سکے کہ یہ من عند اللہ ہے اور حجت ہونے کے قابل اور مطابق واقع ہے۔ اور نیز الہام میں مزاحمت وہم و خیال اور کدورات نفسانی و شیطانی مانع حصول علم یقینی ہے گو اُس شخص کو جسکو الہام ہوا ہے اُسپر پورا اعتماد ہو جائے مگر بغیر قرائن خارجیہ کے نفس الہام ظنیت کے رتبے سے نہیں نکلتا۔ اسلئے اسباب علم میں سے نہیں شمار کیا جاتا۔

عالم کا ثبوت وحدوث

عقل بالبداہت حکم کرتی ہے کہ عالم کی چیزوں کی حقیقت ثابت ہے۔ اور علم
اس مسئلے کا یقینی ہے۔ فقط وہم وخیال نہیں یعنی پانی پانی ہے اور آگ آگ ہے۔
نہ یہ کہ اگر پانی کو مثل آگ کے سمجھتے تو آگ ہو جائے اور آگ کو مثل پانی کے سمجھتے ہیں
تو پانی ہو جائے جیسا کہ عقیدہ سوفسطائیوں کا ہے اور عالم یعنی جو کچھ سوائے
ذات وصفات خدا کے ہے حادث ہے عدم سے وجود میں آیا ہے قدیم نہیں
کیونکہ اس میں دو تفریقیں ہیں اعیان و اعراض۔ اعیان اُن ممکنات کو کہتے
ہیں جو اپنی ہستی میں دوسری چیز کی ہستی کے تابع نہوں۔ انکی دو قسمیں ہیں۔
(۱) غیر مرکب جیسے جوہر اور جوہر فرد اور جزو لایتجزے بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اسکی
تقسیم نہیں ہوسکتی (۲) مرکب اجزائے لایتجزے سے جسے جسم کہتے ہیں۔ اس میں
طول وعرض وعمق تینوں امتداد ہوتے ہیں جن میں تقسیم ہوسکتا ہے اعراض
اُن ممکنات کو کہتے ہیں جو اپنی ہستی وقیام میں اجسام کے محتاج ہوں۔ جیسے
رنگ کپڑے کے اور مزہ سیب کے اور بو پھول کے اور سردی پانی کی اور گرمی
آگ کی اور افعال اختیاری حیوان کے بغیر موجود نہیں ہوسکتے اور تمام اعراض
حادث ہیں۔ بعض کا حادث ہونا مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً نور کے بعد
ظلمت پیدا ہو جاتی ہے یا سفیدی جاکر سیاہی آجاتی ہے۔ یا کسی بدن میں
سردی آنے سے گرمی دور ہو جاتی ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو چیز قدیم
ہوتی ہے وہ کبھی فنا نہیں ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ اعراض قدیم نہیں ہیں
اور یہی مدعا ہے اور اعیان بھی سب حادث ہیں کیونکہ عین یا تو جسم ہے یا
جوہر فرد پس ہر جسم وجوہر کو حرکت وسکون عارض ہے۔ کس لئے کہ انکے واسطے
مکان یا حیز یعنی ٹھیرنے کی جگہ تو ضرور ہے پس اگر اس آن سے پہلے بھی اس
حیز یا مکان میں تھے تو ساکن ہیں ورنہ متحرک اور حرکت وسکون بسبب عرض ہونے

کے حادث ہیں۔ پس یہ جسم یا جوہر کہ جنکو یہ حرکت اور سکون عارض ہے۔ حادث ہیں۔ ورنہ لازم آئیگا کہ حوادثات ازل میں پائے جائیں اور قدیم کہلائیں اور یہ محال ہے پس جب اعیان اور کل اعراض کا حادث ہونا ثابت ہوا تو کل عالم کا حادث ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ کل عالم انہیں دو میں منحصر ہے۔

خالق عالم

عالم کا عدم سے وجود میں لانے والا اللہ تعالےٰ ہے جو موجود ہے۔ کیونکہ اس نے عالم کو پیدا کیا اور وجود عطا کیا۔ پس جو ایسا ہوگا وہ موجود ہوگا۔ واجب الوجود ہے یعنی خود بخود ہے۔ اس نے سب کو بنایا ہے اُسکو کسی نے نہیں بنایا نہ ہونا اُس کا ممتنع ہے۔ کیونکہ اگر ممکن الوجود ہو تو صانع کی طرف محتاج ہوگا اور احتیاج عالم کے پیدا کرنے والے کے لئے منافی ہے۔ یکتا ہے اس لئے کہ اگر آسمان و زمین میں بہت سے معبود ہوتے تو انتظام بگڑ جاتا کیونکہ اگر دو ہوتے تو دونوں قدرت والے ہوتے یا ایک عاجز ہوتا تو جو عاجز ہوتا وہ خدائی کے لایق نہ ہوتا اور دونوں قدرت والے نہیں ہو سکتے کیونکہ آپس میں مخالفت کسی کے مارنے اور زندہ کرنے میں مثلاً ممکن ہے۔ پس دونوں میں سے ایک کو ضرور عاجز ہونا پڑتا اگرچہ بالفعل آپس میں اتفاق ہو۔ قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ کیونکہ واجب الوجود ہے۔ پس محال ہے کہ قدیم نہو علیم ہے کہ ہر جزی و کلی کو ازل سے ابد تک جانتا ہے۔ کیونکہ افعال اسکے استوار و مستحکم ہیں پس فاعل ایسے افعال کا عالم ہے اور ہر جزو کل پر ممکنات سے ازل ہی سے قدرت رکھتا ہے کیونکہ تمام مقدورات کو اُسکی ذات مقدس کی طرف برابر نسبت ہے پس بعض کے ساتھ اسکی قدرت کا متعلق ہونا اور بعض کے ساتھ نہونا ترجیح بلا مرجح ہے اور یہ محال ہے زندہ ہے اُسکے لئے علم و قدرت اور ارادہ

ثابت ہے اور یہ بدون حیات کے ممکن نہیں اور یہاں مراد حیات سے بقاء وجود ایسی حالت کے ساتھ ہے کہ اشیا کو ادراک کرسکے اور ان پر قدرت حاصل ہو۔ نہ وہ معنی مراد ہیں جو حیات سے عرف میں سمجھے جاتے ہیں یعنی قوت حس و قوت تغذیہ اور وہ قوت جو اعتدال نوعی کے تابع ہوتی ہے۔ اور اسکے طفیل تمام قوائے حیوانی حاصل ہوتے ہیں مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے فعل اور ترک فعل اُسکے اختیار میں ہے۔ کیونکہ عالم پہلے نہ تھا پھر دوسرے زمانے میں اسکو ایجاد کیا۔ پس زمانہ سابق میں عالم کو ایجاد نہ کرنا۔ اور زمانہ لاحق میں ایجاد کرنا دلیل اس امر پر ہے کہ حق تعالے مختار ہے بے زبان کے گویا ہے کانوں کے شنوا ہے آنکھوں کے بینا ہے کیونکہ گونگا اور بہرا اور اندھا اور ناقص لایق خدائی کے نہیں اور سننے اور دیکھنے کی صفات اُسکے لئے علیحدہ ثابت ہیں۔ مسموعات اور مبصرات کے جاننے کا نام سمع و بصر نہیں

کلام الہی

اللہ کا کلام حروف اور آواز سے مبرا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حادث ہیں اور حق تعالے قدیم ہے۔ اور یہ بات محال ہے کہ ذات قدیم محل حوادث ہو۔ بلکہ کلام الہی ایک معنی ہے جو اسکی ذات کے ساتھ قایم ہے اسے کلام نفسی[۱] کہتے ہیں۔ اور جو کلام اس کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے وہ کلام لفظی ہے۔ اور کلام لفظی حروف اور اصوات سے مرکب ہوتا ہے۔ اور کلام نفسی غیر مخلوق ہے کہ یہ صفت ازل سے ابد تک اُسکو حاصل ہے۔ اسکے سبب سے جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے سو یہ کلام الہی اس سبب سے ہے۔ کہ اسکی صفت ہے اور اسکے ساتھ قایم ہے اور یہ الفاظ اور عبارات قرآن کی جو کلام لفظی ہے

---

[۱] کلام نفسی کے معنی بیان کرنے میں علمائے حنفیہ کی عبارتیں مختلف ہیں۔ پس کبھی اُس سے معنی انہیں الفاظ و عبارات کے مراد رکھتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ وہ ایک صفت ہے بسیط قدیم اللہ تعالے کی ذات کے ساتھ

انکو کلام الٰہی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سوا خدا کے کسی اور کی تالیف و تصنیف نہیں ہے بلکہ انکو خاص اللہ تعالے نے اپنے کلام نفسی کے سمجھنے کے لئے نہایت فصیح و بلیغ زبان عربی میں کہ جس کا مثل بنانا طاقت بشری سے باہر ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے اور قرآن کا اطلاق کلام نفسی اور کلام لفظی دونوں پر ہوتا ہے اور غیر مخلوق قرآن نفسی ہے نہ لفظی۔ اور خدا تعالے کے کلام میں تین مضمون ہیں۔ امر و نہی و خبر۔ اور اللہ کے کلام میں کذب محال ہے۔ کیونکہ کذب صفت نقصانی ہے۔ اور اللہ پر نقصان ثابت ہونا محال ہے۔ دوسرے خدا کے کلام کا کذب ضرور ہے کہ قدیم ہوگا۔ اسلئے کہ ذات واجب کے ساتھ حوادث کا قایم ہونا محال ہے۔ اور اس سے یہہ لازم آتا ہے کہ خدا صدق کے ساتھ کبھی موصوف نہو سکے۔ کیونکہ کذب اسکی صفت ہونے کی وجہ سے قدیم مان لیا گیا ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ جو کوئی کسی چیز کو اصلی حالت کے ساتھ جانتا ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اسکو اسی طرح بیان نہ کرے۔ تیسرے تمام انبیا نے خبر دی ہے۔ کہ اللہ کی ذات کذب سے بری ہے۔

صفات ثبوتی

صفات ثبوتی وہ ہیں جو خدائے تعالے کی ذات پاک میں پائی جاتی ہیں جنکی تفصیل یہہ ہے کہ حق تعالے صاحب ارادہ ہے۔ اور ارادہ حادث نہیں ہے قدیم ہے اور ارادۂ الٰہی متعلق ہوتا ہے ہر موجود سے خواہ وہ عین ہو یا عرض خیر ہو یا شر کفر ہو یا اسلام طاعت ہو یا معصیت۔ ارادہ اور امر الٰہی در متغائر چیزیں ہیں اور ہر ایک دوسرے سے منفک ہے۔ چنانچہ اللہ تعالے کبھی ارادہ کرتا ہے اور حکم نہیں کرتا اور کبھی ارادہ کرتا ہے اور حکم بھی کرتا ہے اور کبھی نہ ارادہ کرتا ہے نہ حکم کرتا ہے۔ پس حکم خدائے تعالے مستلزم ارادے

کو نہیں اور نہ نہی مستلزم عدم ارادہ کو ہے بلکہ حکم کیا ہے کافۂ انام کو واسطے اسلام
اور طاعت کے اور نہی فرمائی ہے کفر و معصیت سے اور ارادہ کرتا ہے اسلام
مومن کا اور کفر کافر کا اور بغیر ارادۂ الٰہی کے کوئی چیز موجود نہیں ہو سکتی
اسلئے کہ قدرت ایجاد کی بہ نسبت ہر ممکن کے برابر ہے۔ اختلاف اوقات سے
مختلف نہیں ہوتی ارادہ وہ ہے کہ تخصیص کرتا ہے موجودات کی ایک وقت
معین اور کیفیت معین او کیفیت معین وغیرہ کے ساتھ اور جس چیز کا کہ حق
تعالے ارادہ کرتا ہے بیشک واقع ہوتی ہے۔ تخلف مراد الٰہی سے محال ہے
کہ مستلزم عجز کو ہے۔ اور جس چیز کے عدم وقوع کو اللہ تعالے جانتا ہے تعلق ارادے
کا اُسکے ساتھ محال ہے۔ ورنہ عجز یا جہل لازم ہو۔ اور جایز ہے کہ حکم کرے
واسطے اظہار عصیان یا کسی دوسری حکمت کے واسطے پس اگر خدا چاہے۔ کہ
کسی شخص کو ہدایت فرمائے تو کسی کی قدرت نہیں کہ اُسکو گمراہ کر سکے ورنہ
کوئی دوسرا خدا پر غالب آئیگا۔ اور اگر چاہے کہ کسی کو گمراہ کرے۔ تو
کسی کی مجال نہیں کہ اُسکو ہدایت کرے۔ اور سب کمال کی صفتیں اُسکی ذات
میں موجود ہیں۔ اور نقصان و زوال کی چیزوں سے اُسکی ذات پاک منزہ ہے
اور صفات اسکی قدیم و باقی ہیں جیسے کہ اُسکی ذات قدیم ہے اور باقی[1] ہے
اور کوئی چیز حادث اُسکی ذات میں قایم نہیں ہوتی۔ کیونکہ قدیم محل حوادث
نہیں ہوتا۔ اور یہ سب صفات اس میں یوں نہیں ہیں۔ جیسے انسان اور
حیوان میں پائی جاتی ہیں کیونکہ انکی صفات اعضاء جوارح و حواس و روح
دل سے متعلق ہیں۔ اور اللہ تعالے ان چیزوں سے بری ہے۔ اور بایں ہمہ
سب صفات کامل طور پر اس میں موجود ہیں۔ اور ان صفات کے قدم سے
ان کے متعلقات کا قدم لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ صفت قدیم
ہو اور اس کا تعلق حادث اور ان صفات کے تعلقات میں تغیر آنے سے صفات

---

[1] لفظ باقی کی تفسیر رسالہ عقیدۂ محمد مرزوق مالکی میں لا آخر لہ کے ساتھ کی ہے ۱۲ منہ

میں تغیر نہیں آتا۔ اور اسکی صورت یہ ہے کہ مثلاً علم معلوم سے متعلق ہوگا۔ تو اس صفت کے تعلق میں تغیر آئیگا کیونکہ معلوم کے وجود سے پہلے کسی سے متعلق نہ تھا اسی طرح صفت خالقیت کا تعلق بھی مخلوقات کے تغیر سے متغیر ہوگا۔ یہ سب صفات قایم ہیں ذات الہی کے ساتھ اور قدیم ہیں مگر نہ عین ذات الہی ہیں اور نہ اُسکے مغایر یعنی منفصل ہیں۔ اس صورت میں قدم غیر اور تعدد قدما کی قباحت نکل گئی۔ اور ایک صفت خدا کی دوسری صفت کی نہ عین ہے اور نہ غیر ہے اور صفات خدائے تعالے کی متماثل ومتجانس ومتضاد نہیں ہیں اسلئے کہ یہ سب محدثات کی نشانیاں ہیں اور اللہ تعالے کی صفات محدث نہیں ہیں اور حق تعالے کی صفات دو قسم پر ہیں۔ ایک قسم صفات ذات۔ دوسری قسم صفات فعل صفات ذات صفات حقیقی اور کمالی ہیں۔ اُسکی ذات مقدس سے انکا انفکاک محال ہے اور صفات کمال آٹھ ہیں۔ حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ سمع۔ بصر۔ کلام تکوین اور صفات فعل صفات ذات کے آثار ہیں فی الحقیقت ان کے ساتھ متصف ہونا کمال نہیں بلکہ ان پر قابو رکھنا کمال ہے مثلاً پیدا کرنا حقیقت میں کمال نہیں بلکہ اُسپر قدرت حاصل ہونا۔ کہ جس زمانے میں اسکی ضرورت ہو وقوع میں آسکے یہ کمال ہے پس یہ ممکن نہیں کہ حق تعالے ایک زمانے میں تو پیدا کرسکتا ہو۔ اور دوسرے زمانے میں پیدا نہ کرسکتا ہو۔ یہی حال قوت اور مشیت اور فعل اور ترزیق وغیرہ صفات فعل کا ہے۔ اور اللہ تعالے کی صفتوں میں ترتیب نہیں ہے کہ ایک سے دوسری پہلے پیدا ہوئی ہو۔ جیسے بندوں میں پہلے زندگی آئی پیچھے علم پھر قدرت آئی کیونکہ اس میں حدوث لازم آتا ہے۔

صفات سلبی

صفات سلبی وہ ہیں جن سے خدائے تعالے کی ذات پاک اور منزہ ہے

چنانچہ پروردگار عالم نہ جسم ہے یعنی طول وعرض وعمق نہیں رکھتا۔ اور نہ جوہر (یعنی جزو لایتجزے) ہے جس سے جسم بنتا ہے[1] اور نہ عرض ہے کہ قائم بالغیر ہو جیسے رنگ و بو اور نہ صورت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو ممکن اور محتاج صانع کی طرف ہوگا۔ اور یہ محال ہے۔ اور نہ مرکب ہے یعنی اسکی ذات کے واسطے نہ اجزائے ترکیبی ہیں کہ کئی چیزوں سے ملکر بنی ہو نہ اجزائے تحلیلی کہ اُس کی ذات نصف و ربع وغیرہ ہو سکے۔ کیونکہ اگر مرکب ہو تو محتاج ہوگا۔ اجزاء کی طرف اور محتاج ممکن ہوتا ہے۔ نہ رنگین ہے[2]۔ نہ اُس میں کوئی مزہ ہے۔ نہ کسی

---

[1] ملا نظام الدین نے شرح رسالہ مبارزیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے جسم اسلئے نہیں ہے۔ کہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے۔ اجزائے حقیقیہ سے کہ وہ اجزائے لایتجزے ہیں۔ جیسا کہ جمہور متکلمین کا مذہب ہے اور مشائین کے نزدیک ہیولے اور صورت ہیں۔ اور اصحاب اتصال کے نزدیک جو ہیولے کے منکر ہیں جسم اجزائے تحلیلیہ مقداریہ سے مرکب ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر مرکب محتاج ہوتا ہے طرف اجزا کے ۱۲ منہ

[2] محمد بن عمر حسین رازی نے کتاب اثولوجیا میں لکھا ہے واعلم انہ لما ثبت انہ تعالیٰ منزہ عن الجسمیۃ والحصول فی الحیز یمتنع ان یکون اللون القائم بہ لونا ساریا فی ذات منبسطۃ علی سطحہ ففی ذالک اللون ماھیۃ بخلاف ما شاھدناہ فی الاجسام فحینئذ لا یکون تلک الصفۃ لونا بل صفۃ اخری مخالفۃ لما یعقل من اسم اللون و ذالک یفید نفی الالوان علی وجہ الذی عقلناہ ۃ
یعنی جبکہ ثابت ہو چکا کہ اللہ پاک ہے جسمیت سے اور اس سے کہ کسی چیز میں حاصل ہو۔ تو یہ بات ممنوع ہے کہ اسکی ذات کے ساتھ قایم ہونے والا رنگ اس قسم کا ہو جو ایسی ذات میں ساری ہوتا ہے۔ جو جسم کے سطح پر بچھی ہوئی ہوتی ہے۔ پس اس رنگ میں ایسی ماہیت ہے۔ جو مخالف ہے اُس چیز کے جسے ہم جسموں میں دیکھا کرتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں اس صفت پر رنگ کا اطلاق درست نہیں آسکتا۔ بلکہ یہ ایک علحدہ چیز ہے۔ اور مخالف ہے جو رنگ کے نام سے سمجھی جاتی ہے۔ اور اس سے رنگ کا نہونا ذات الہی میں ثابت ہو گیا۔ ۱۲ منہ

قسم کی بو ہے کیونکہ یہ اجسام کی صفات ہیں اور جو ذات جسمیت سے منزہ ہے
اُس کے لئے ان کا ثابت کرنا محال[1] ہے۔ اور نہ وہ محدود ہے کہ اسکو گن سکیں
کہ کے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک ہے۔ اور ایک عدد میں داخل نہیں۔ اور نہ
محدود ہے کہ حد و نہایت رکھتا ہو۔ اس لئے کہ حد اور نہایت اس چیز کی ہوتی
ہے جس کا حصر اور انتہا ہو سکے جیسے نقطہ خط کی حد ہے اور خط سطح کی اور
سطح جسم کی۔ پس اللہ تعالیٰ کی کوئی شکل نہیں اور نہ کسی طرف ہے یعنی نہ اوپر ہے
نیچے نہ آگے ہے نہ پیچھے نہ داہنے ہے نہ بائیں اور نہ کسی مکان[2] میں ہے
کیونکہ اگر کسی مکان میں ہو۔ تو ضرور محتاج ہوگا۔ اور ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالے
نہ جسم ہے اور نہ عرض پس مکان میں نہ ہوگا اور نہ کسی زمانہ میں ہے۔ یعنی
زمانہ شامل اور محیط اس کا نہیں کیونکہ جب زمانہ نہ تھا تب بھی وہ موجود تھا
اور اب کہ زمانہ ہے۔ اب بھی وہ موجود ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا لاکھ برس
کا یا ہزار برس کا ہوا۔ اور ذات و صفات میں کوئی اس کا مثل و مانند نہیں
نہ کوئی اُس کا شریک ہے۔ وجوب وجود اور استحقاق عبادت اور پیدائش و
تدبیر میں اور نہ کوئی اُس کا مخالف ہے ہم جنس یا غیر جنس سے اور نہ کوئی
اسکے کاموں میں معین و مددگار ہے اور جائز نہیں ہے کہ حق تعالے حلول

---

[1] انوار جیاسے محمد بن عمر حسین رازی میں ہے واما سائر الکیفیات مثل الالوان و
والروائح فالقول باثباتہا للہ تعالی یستبعدہ العقل لان ہذہ صفات الاجسام
فکان اثباتہا للذات المنزھۃ عن الجسمیۃ محال ۱۲ منہ

[2] رسالہ عقیدہ محمد مرزوقی مالکی میں لکھا ہے۔ یہ مت کہو کہ اللہ کا مکان سوا اللہ کے
کوئی نہیں جانتا اس لئے کہ اسکے لئے مکان نہیں۔ پس نہ دنیا میں داخل ہے نہ اس
سے خارج ہے۔ اور نہ یہ کہنا چاہئے کہ وہ باعتبار اپنی ذات کے خارج ہے۔ اور علم کی
رو سے داخل ہے۔ کیونکہ خروج و دخول اجسام کی صفات سے ہے اور نہ یہ اعتقاد رکھو
کہ وہ انوار میں سے ایک نور ہے ۱۲ منہ

کرے اپنے غیر میں کیونکہ غیر میں در آنا صفات جسم سے ہے۔ اور نہ اپنے غیر کے
ساتھ متحد ہو سکتا ہے اتحاد کے معنی یہ ہیں کہ دو شے ایک ہو جائیں۔ بغیر
زیادتی اور کمی کے اور یہ محال ہے اور اللہ تعالے متصف بالمحال نہیں ہوتا
نہ کیفیات نفسانی جیسے بھوک رنج و راحت وغیرہ کے ساتھ متصف ہے۔ اور
نہ لذات عقلی کے ساتھ اس کا متصف ہونا جائز ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو لازم
آتا ہے۔ کہ نافرانی کفار سے چاہئے کہ متالم بھی ہو۔ اور بدءٌ اللہ تعالے پر جائز نہیں
اس لئے کہ محال ہے کہ ظاہر ہووے اللہ پر وہ چیز کہ پہلے سے اس پر ظاہر نہ
تھی۔ جس طرح کہ آدمی میں تبدیل رائے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالے
کا جہل ثابت ہوتا ہے۔

جبر و قدر وغیرہ

خالق و مکوّن جمیع موجودات یعنی جواہر و اعراض اور ان کے افعال و حرکات
و سکنات کا حق تعالے ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی اور کسی چیز کو پیدا کرے یا کسی چیز کے
پیدا کرنے میں کوئی اور حق تعالے کا شریک ہو یا اُس نے کسی چیز کا پیدا کرنا
اپنی مخلوقات میں سے کسی کے تفویض کیا ہو۔ پس سب خیر و شر اور حسن و قبح
اُسکے قضا و قدر[1] سے ہے۔ انسان کو چاہئے کہ کوشش کرے منافع کے حصول

[1] ضوء الاکثر شرح فقہ اکبر مولفہ نصحی میں مذکور ہے کہ مقتضے کا متغیر ہونا اس بات کا موجب
نہیں کہ قضائے الٰہی میں بھی تغیر پیدا ہوا اسلئے کہ انسان چار قسم کے ہیں (۱) جنکی ابتدا و انتہا
دونوں کے سعید ہونے پر قضائے الٰہی جاری ہوئی جیسے حضرت علی و امام حسن و امام حسین (۲)
جنکی ابتدا و انتہا دونوں کے شقی ہونے پر قضائے الٰہی جاری ہوئی جیسے ابوجہل (۳) جنکے ابتدا
میں سعید اور انتہا میں شقی ہونے پر قضائے الٰہی جاری ہوئی جیسے شیطان و بلعم (۴) جنکے ابتدا
میں شقی اور انتہا میں سعید ہونے پر قضائے الٰہی جاری ہوئی جیسے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و ساحران

اور مضار کے دفع کرنے میں بقدر امکان کے پھر باوجود اسکے لایق ہے یہ کہ یقین کرے اس بات کا کہ اسکی طرف وہی پہنچتا ہے جو کچھ اللہ نے مقدر کیا ہے اور بندوں کے کاموں کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ اس لئے کہ خالق سب چیزوں کا وہی ہے اور افعال و اعمال بھی بندوں کے سب چیزوں میں داخل ہیں بندے اپنے افعال کے کاسب ہیں خالق نہیں اور نہ شریک خلق ہیں کسب کے یہ معنی ہیں کہ جب بندہ کسی کام کا ارادہ مصمم کرتا ہے تو خدائے تعالےٰ اُس میں فعل پیدا کر دیتا ہے۔ کسب کی وجہ سے کاسب کو استقلال حاصل نہیں ہوتا اور خلق کی وجہ سے خالق مستقل ہوتا ہے۔ پس کفر و ایمان اور طاعت و عصیان اور نیکی و بدی بندوں کی اللہ کے ارادے اور مشیت اور حکم و تقدیر سے صادر ہوتی ہے۔ لیکن خدائے تعالےٰ کفر و معصیت سے راضی نہیں اور نیکی سے راضی ہے خواہش کرنی اور پیدا کرنا اور ہے اور راضی ہونا اور۔ رضا یہ ہے کہ حکم دے کہ کرو اور اکثر ہوتا ہے۔ کہ حکم دیتا ہے اور نہیں چاہتا ہے کہ واقع ہو بسبب کسی حکمت کے کہ اسکو سوائے حق تعالےٰ کے دوسرا نہیں جانتا۔ مگر باوجود اس بات کے کہ سب ارادہ و تقدیر الٰہی سے ہے۔ بندوں کو بھی اعمال میں اختیار دیا گیا ہے۔ کہ بندے اپنے کام اپنے ارادے و اختیار سے کرتے ہیں نہ جبر و اضطرار سے کہ اُسی کے سبب ثواب پاتے ہیں۔ اور اسی پر عذاب ہوتا ہے۔ بندے کے افعال اختیاریہ اللہ تعالےٰ کے مقدور ہیں اختراع کی وجہ سے اور بندے کے مقدور ہیں تعلق کے سبب سے کہ اسکو اکتساب کہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی قدرت مؤثر ہے اور بندے کی قدرت کاسبہ اور غیر مؤثر پس افعال اختیاریہ جب بندے کی اپنی قدرت کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو کسب کہتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالےٰ کی ذات پاک سے نسبت کئے جاتے ہیں تو خلق کہتے ہیں۔ پس بندے کے مکسوب اور اللہ تعالےٰ کے مخلوق ہونگے اللہ تعالےٰ بندے کے افعال اختیاریہ کو اسکے ارادے کے موافق پیدا کرتا ہے

اگر وہ نیک کام کرنیکا قصد کرتا ہے۔ تو فعل خیر کی قدرت و استطاعت اُس میں موجود کر دیتا ہے۔ اور اگر برے کام کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسکے کرنے کی قدرت اُس میں پیدا کر دیتا ہے۔ بندہ آپ ہی فعل خیر کی قدرت کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس لئے ذم اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ غرضکہ بندہ کاسب ہے اور کسی قدر اختیار رکھتا ہے۔ اسی کا معتقد ہونا چاہئے کہ خلق خدا سے ہے اور عمل بندے سے فرق اتنا ہے کہ عمل نیک پر اللہ کی رضا ہے اور بدکام اللہ کی رضا اور خوشنودی کے خلاف ہے۔ اسکی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک شخص اپنے غلام سے کہے کہ تو بازار کو جا اور فلاں چیز لے آ۔ تجھے اختیار ہے کہ زبردستی چھین لایا دام دیکر خرید لا۔ اگر دام دیکر لائیگا۔ تو ہم خوش ہونگے اور جو زبردستی چھین لائیگا تو ہم ناخوش ہونگے۔ اس صورت میں اگر اس نے خلاف مرضی اپنے مالک کے کام کیا تو قطعاً سزا پانے کا سزاوار ہے۔ اسی طرح حق تعالے نے بندوں کو ایک طرح کا اختیار دیا ہے کہ وہ اس اختیار سے اچھے اور برے دونوں طرح کے کام کا قصد کر سکتے ہیں اور یہ بھی کہدیا ہے کہ اچھے کاموں سے ہم راضی ہیں اور بدکام ہماری نارضامندی کا باعث ہیں اب بندہ جیسا کام کریگا ویسا اسکا بدلہ پائیگا۔ اور یہ عین عدل و انصاف ہے حقیقت کار امر متوسط ہے درمیان جبر و قدر کے دلیل اس مدعا کی شریعت ہے۔ مگر جو معتقدات میں بحث کرتے ہیں۔ اور انکو دلائل عقلی سے ثابت کرتے ہیں جب تک کوئی بات معقول نہ ٹھہرے تصدیق نہیں کرتے وہ اس امر متوسط کے ادراک میں حیران ہیں

اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں اور اللہ کے کاموں میں کوئی غرض نہیں اور اشیا کا حسن و قبح

اللہ پر کوئی شے واجب نہیں ہے نہ لطف و قہر نہ ثواب و عذاب ہر چیز کا

دینا اور روزی پہنچانا اس کا احسان ہے ہمارا استحقاق اُسپر کچھ نہیں ہے۔
اگر وہ عوض نہ دے اور روزی نہ پہنچاسے تو اُسپر قباحت لازم نہیں کیونکہ
ہمارا ہی مخلوقات اسکی مملوک ہے۔ اور مملوک کا مالک پر کیا استحقاق ہوتا ہے
کہ اُسکے حق میں بہتری اور لطف و مہربانی اور رعایت مصلحت مالک پر واجب
ہو ورنہ کسی کافر مفلس کو پیدا نہ کرتا کیونکہ اُسکو دنیا و آخرت میں خسارہ ہے
دوسرے اُس کا کسی بندے پر احسان و امتنان ثابت نہ ہوتا کیونکہ اگر اُس نے
کسی کو دین و دنیا کی نعمتیں دیں تو اس چیز کو کیا جو اُسپر واجب تھی تیسرے
ابوجہل لعین اور نبی علیہ السلام پر اللہ کا احسان برابر ہوتا تو کچھ زیادہ شکر
گذاری حضرت پر واجب نہ ہوتی۔ اُس نے دونوں کے لئے جو بہتر تھا وہ کیا
اپنے واجب سے فارغ الذمہ ہوا۔ اور اللہ کے کاموں میں کچھ غرض نہیں کیونکہ
غرض والا محتاج ہوتا ہے اور باوجود اسکے اسکا ہر ایک کام لاکھوں حکمتوں
سے بھرا ہے کہ کوئی اسکو دریافت نہیں کر سکتا۔ اور اُسکے فوائد و منافع خاص
و عام کے لئے ہیں نہ اُسکی ذات مقدس کے واسطے کیونکہ اسکو کسی چیز کی
احتیاج نہیں اور ہر چیز میں برائی بھلائی عقل کی طرف سے ہے جیسے کہ
صانع عالم اور اسکی توحید اور صفات کمالی کی معرفت عقلی ہے شرع پر موقوف
نہیں ورنہ دور لازم آئیگا۔ باوجودیکہ انپر شرع موقوف ہے۔ اسی طرح اشیا میں
بھلائی برائی شرعی نہیں۔ اس طرح کہ شرع نے جسکو اچھا کہا وہ اچھا اور جسکو
برا کہا وہ برا ہے۔ اگر عکس کرتی تو عکس ہوتا۔ مگر حسن و قبح اس بات کو نہیں
چاہتا کہ اس میں حکم الٰہی بھی بندے کے لئے صادر ہو۔ ہاں وہ لائق اور مستحق
اس بات کے ہوتا ہے کہ اس میں حکم الٰہی نازل ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ حکیم مطلق
ہے ترجیح بلا مرجح جائز نہیں رکھتا کہ اچھی چیز کو برا اور بری کو اچھا قرار دے
بلکہ جو واقعی اچھی ہوتی ہے اُسکی نسبت حکم وجوب کا دیتا ہے۔ اور جو بری ہوتی
ہے اُسے حرام کرتا ہے سو اصل حاکم اللہ ہے اور شرع کھولنے والی ہے۔ پس

جب تک اللہ تعالے نے رسولوں کو بھیج کر اور اپنا کلام نازل کرکے حکم نہ دے
تب تک کوئی حکم حسن وقبیح اور امر و نہی کا نہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ فترت
کے لوگ ترک احکام الٰہی کی سزا میں معذب نہونگے۔ اور اسی وجہ سے
پہنچنا دعوت کا تعلق و تکلیف میں شرط ہے یعنی آدمی تعمیل احکام کے ساتھ
بعد پہنچنے دعوت کے مکلف ہوگا۔ پس کافر کو جب تک دعوت نہ پہنچے
اس وقت تک نہ وہ ایمان کے ساتھ مکلف ہے۔ اور نہ بسبب کفر کے
آخرت میں مواخذہ دار ہے۔ فترت ایسے زمانے کو کہتے ہیں جو دو انبیا
کے درمیان ہو۔ اور آثار و احکام شریعت نبی سابق کے مضمحل ہوگئے ہوں۔
اور اہل فترت وہ لوگ ہیں جو قبل از نسخ دین عیسوی کے متمسک تھے اور
رسول منتظر کے مومن و مصدق تھے اور سلمان فارسی سے مروی ہے۔ کہ
فترت حضرت عیسے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو برس ہیں
اخرجہ البخاری۔

استطاعت

استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور استطاعت کے دو معنی ہیں۔
ایک قدرت حقیقی کو کہتے ہیں جو فعل کے موجود کردینے کے لئے کافی ہوتی ہے
دوسرے اسباب و آلات اور اعضا کی صحت و سلامتی کا نام ہے اور تکلیف
ساتھ مکلف نہیں اور مریض کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے ساتھ مکلف نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کے اعضا
صحیح وسالم نہیں اسلئے استطاعت انہیں مفقود ہے اور امام ابوحنیفہ نے جو فقہ اکبر میں کہا ہے کہ
ان میں مفقود ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو فقہ اکبر میں کہا ہے کہ
کسی پر اللہ تعالے نے کفر و ایمان کا جبر نہیں کیا ہے اسکا مطلب بھی یہی ہے
کہ انسان کے واسطے تکلیف کا مدار استطاعت کے معنی دوم پر ہے نہ معنی
اول پر۔ پس جن لوگوں نے یہ کہا کہ وہ مرجیہ یا جہمیہ تھے یہ انپر سراسر بہتان ہے

اور جو چیز انسان کی قدرت سے باہر ہو۔ اللہ اسکے ساتھ تکلیف اسے نہیں دیتا

مقتول کی اجل، رزق حرام

مقتول اپنی اجل سے وقت پر مرتا ہے۔ اللہ جتنی عمر اپنی تقدیر ازلی کے ذریعے اس کے لئے مقرر کر دیتا ہے۔ اور جو وقت اُسکی موت کا علم الٰہی میں ہے اسی وقت پر اسکو موت آتی ہے۔ اسکی موت اللہ تعالے کا فعل ہے اس لئے اس میں کسی طرح تغیر تقدیم و تاخیر کے ساتھ قاتل کی وجہ سے پیدا نہیں ہو سکتا اور قاتل پر قصاص عائد ہونا اور اُس کو عذاب الٰہی پہنچنا یہ امر شرعی ہے۔ شرع نے رفع تنازع اور انسداد فساد اور انتظام کے لئے یہ سزائیں مقرر کر رکھی ہیں۔ بندہ اگرچہ فعل قتل کا خالق نہیں۔ مگر کاسب تو ضرور ہے۔ جب وہ ایسے نامشروع فعل کے کسب کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالے موافق عادت کے اُس کے فعل کے بعد مقتول کی موت پیدا کر دیتا ہے۔ اور موت مردے کے ساتھ قایم ہے۔ اور اللہ تعالے کی مخلوق ہے۔ بندے کو اُسکے پیدا کرنے میں دخل نہیں ہے۔ اور موت کا وقت ایک ہے متعدد نہیں۔ جو موت علم الٰہی میں ہر شخص کے مرنے کے واسطے معین ہے۔ جس طور سے مقرر اور مقدر کی گئی ہے۔ اسی وقت پر آتی ہے تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔ اگر اس میں کچھ بھی تغیر و تبدل ہو۔ تو علم الٰہی میں نقصان پایا جائے۔

اور حرام بھی رزق ہوتا ہے۔ اور ہر ایک جاندار اپنی روزی پوری کرتا ہے حلال ہو یا حرام کوئی شخص غیر آدمی کی روزی جو اللہ نے اس شخص کے لئے ازل میں اپنے علم اور قسمت ازلی کے ذریعہ سے مقدر کر رکھی ہے نہیں کھا سکتا کیونکہ تقدیر الٰہی کے خلاف ہونا ممتنع ہے۔

دیدار الٰہی

رویتؔ حق تعالےٰ کی امکانی ہے لیکن دخول جنت سے اول واقع
نہ ہوگی دخول جنت کے بعد مسلمان البتہ حق تعالےٰ کی رویت سے مشرف ہونگے
اور رویت کے دو طریق ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی طرح انکشاف ہو جاتے کہ عقل کے
ذریعہ سے اتنا یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس گویا کہ یہی نظر کے ساتھ دیکھنا ہے
مگر یہ بات ہے کہ ایسا دیکھنا بغیر برابری اور مقابلے اور جہت اور رنگ اور شکل
کے ہوتا ہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کسی قسم کی صورت پکڑ کر مسلمانوں
کو اپنا دیدار دکھائے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں صورتوں کا دیکھنا آیا ہے
اس صورت میں اللہ تعالےٰ کو اپنی آنکھ سے رنگ اور شکل اور مواجہ کے
ساتھ دیکھینگے۔ جیسا کہ خواب میں رویت واقع ہوتی ہے۔ مگر جنت میں رویت
الٰہی ایسی بالمشافہ ہوگی کہ دنیا میں خواب کے اندر کبھی ایسی نہیں ہوئی
یہی دو طریق معلوم ہیں۔ اور ان پر ہمارا یقین ہے۔ اور اگر اللہ اور رسول کا
رویت سے کچھ اور مطلب ہے۔ تو ہمارا ایمان اسپر بھی ہے اگرچہ ہم واقف

---

[۱] شرح عقیدۃ الوسطے میں عبداللہ نے لکھا ہے کہ اہل حق کے نزدیک رویت عبارت ہے ادراک خاص
سے جو موجودات سے متعلق ہوتا ہے ایک خاص تعلق کے طور پر کہ اللہ اسکو ہمارے واسطے
ایسے محل میں پیدا کر دیتا ہے۔ پس یہ رویت مقابلہ اور جہت وغیرہ کو نہیں چاہتی جسکے ساتھ رویت
قایم ہو سکے آنکھ سے شعاع نکلنے کی بھی ضرورت نہیں جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ رویت عبارت ہے
اس سے کہ آنکھ سے شعاع نکلے اور یہ انکے نزدیک جسم روشن ہے کہ وہ آنکھ سے نکلکر جسم مرئی سے مل جاتا
ہے اور اسکا ملنا جسم مرئی سے ضروری ہے۔ جب مرئی نہایت قریب ہو تب بھی نہیں دکھ
سکتی۔ جس طرح نہایت بعید ہونے کی وجہ سے نہیں دکھ سکتی ہے۔ اور اسی طرح جب پردہ
غلیظ مرئی پر ڈھک جاتا ہے تب بھی نہیں دکھ سکتی اسلئے کہ اسوقت شعاع نفوذ نہیں کر سکتی ۱۲ منہ

نہیں کہ وہ خاص کیا بات ہے۔ اور حق یہ ہے کہ رویت کے لئے جو شرایط مثلاً
کیف وجہت ومکان وصورت ومقابلہ وقرب وبعد مسافت وغیرہ قرار دی
ہیں۔ یہ شرایط عادی ہیں۔ تمام اقسام حواس میں حواس کے لئے بوجہ چند باتیں
بطور عادت کے مقرر ہوگئی ہیں وہم نے انکو شرایط ولوازم مان لیا ہے۔ اور یہ
جان لیا ہے کہ حواس کا کام بغیر انکے نہیں چل سکتا۔ درحقیقت بجز وجود رائے
ومرئی کے کوئی اور شرط نہیں ہے اگر یہ شرطیں رویت کے لئے لازمی ٹھیریں
تو چاہئے کہ رویت الٰہی سے نسبت ممکنات کے بھی انکار کریں۔ کیونکہ حق تعالےٰ
جہات سے منزہ ہے اور اتصال شعاع کا اور مسافت متوسط کا درمیان
رائے ومرئی کے متصور نہیں۔ یہ شرایط تو اجسام رنگین اور اعراض اجسام
کے لئے ہیں نہ اُس ذات کے لئے جو مادے سے بالکل مجرد ہو اور قرآن میں جو
آیا ہے لا تدرکہ الابصار یعنی اُسکو نہیں پاسکتیں آنکھیں۔ اس سے رویت کی نفی لازم
نہیں آتی۔ کیونکہ ادراک کہتے ہیں شئے کی حقیقت کے جان لینے کو اور آیت میں
اُسکی نفی کیگئی ہے۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ کسی شئے کی رویت حاصل ہو۔ اور اُسکی
حقیقت پر اطلاع نہو سکے جیسا کہ چاند کو دیکھتے ہیں اور اُسکی حقیقت کا
ادراک نہیں کرتے یا ادراک اسے کہتے ہیں کہ مرئی کو اسکی تمام حدوں سمیت
پورا پورا دیکھ لینا یعنی اس کا احاطہ کرلینا اور عدم احاطہ سے عدم رویت لازم
نہیں آتی جیسا کہ علم کو احاطہ نہ کرلینے سے علم کا عدم لازم نہیں آتا۔ جایز ہے۔ کہ
رویت ہو مگر احاطے کے ساتھ نہو جسکی آیت میں نفی کیگئی ہے۔ اور موسےٰ علیہ السلام
کو جو سوال رویت کے جواب میں خدا نے کہا لن ترانی یعنی تو مجھکو ہرگز نہ دیکھیگا
یہ انکار اس غرض سے ہے کہ عادت الٰہی یوں جاری نہیں ہوئی ہے۔ نہ
اس وجہ سے کہ رویت ناممکن الوقوع ہے۔ اور غرض اس خطاب سے یہ
ہے کہ دنیا میں اللہ تعالےٰ کے دیدار کی طاقت ان آلات حسیہ سے کہ فانیہ

[1] دیکھو حسن العقیدہ، مولفہ حضرت شاہ ولی اللہ ۱۲

ہیں نہ لاسکیگا۔ نہ یہ کہ آخرت میں بھی نہ دیکھ سکیگا بلکہ قصد سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نسبت رویت الٰہی کے ہمارے لئے حجت ہے جواز رویت کی اسلئے انبیا علیہم السلام سے حق جاننے والا زیادہ کون ہے اگر رویت محال ہوتی توسوال حضرت موسیٰ کا مشعر غفلت تھا بمقتضی سے اور ایسی غفلت انبیا علیہم السلام سے محال ہے اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام رویت الٰہی کو محال جانکر سوال کرتے تو سفاہت لازم آتی۔ اور سفاہت سے انبیا منزہ ہیں اور اللہ تعالےٰ نے جو پہاڑ کے ٹھیرے رہنے پر اپنے دیدار کو معلق کیا۔ تو معلوم ہوا کہ دیدار الٰہی جایز ہے۔ اسلئے کہ ٹھیرا رہنا پہاڑ کا جایز ہے اور معلق اوپر جایز کے جایز ہے۔

فرشتے

اللہ تعالےٰ کے فرشتے ہیں۔ رات دن اللہ کی بندگی میں مصروف رہتے ہیں کبھی فرمان الٰہی کے بجالانے میں سستی وکاہلی نہیں کرتے۔ صاحب پر و بازو ہیں حقیقت اُن کے پر و بازو کی خدا ہی جانتا ہے۔ سب گناہان صغیرہ وکبیرہ سے بری ہیں۔ کوئی اُن میں مرد وعورت نہیں۔ چار فرشتے اُن میں سے اعلےٰ درجہ کے ہیں۔ ایک جبرئیل علیہ السلام جو پیغمبروں پر وحی لاتے ہیں دوسرے میکائیل علیہ السلام جو مخلوقات کو روزی پہنچاتے ہیں تیسرے اسرافیل علیہ السلام جو قیامت میں صور پھونکینگے۔ چوتھے عزرائیل علیہ السلام ہیں۔ جو روح کو قبض کرتے ہیں۔

کتب آسمانی

اللہ تعالےٰ کی کتابیں ہیں۔ جو اپنے پیغمبروں پر اُتاریں اور شمار انکا کسی

لہ محمد مرزوقی مالکی کے رسالہ عقیدہ میں ہے کہ پیغمبر نے اللہ کو شب اسرا میں دیکھا اور اس سے کلام کیا اور اسکی

دلیل قطعی سے ثابت نہیں مشہور چار کتابیں ہیں جو پیغمبروں پر نازل ہوئیں وہ یہ ہیں۔ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر۔ قرآن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ ان میں سے قرآن شریف پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور جتنی کتابیں اسکے سوا نازل ہوئیں وہ سب منسوخ العمل ہیں یعنی اور کتابوں میں جو احکام قرآن شریف کے احکام کے مخالف اور متناقض ہیں انپر عمل کرنا درست نہیں اور نسخ میں بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ احکام مصلحتوں کے تابع ہوتے ہیں۔ اور یہ موافق اوقات کے بدلتے رہتے ہیں۔ اس وقت جو کتابیں اس نام کی اہل کتاب کے پاس ہیں وہ اصلی نہیں۔ اہل کتاب اپنی کتب سماویہ کے مجموعے کو بائبل کہتے ہیں جو لفظ یونانی بمعنی کتاب ہے۔ پھر اسکے دو حصے ہیں (۱) عہد عتیق یعنی پرانی کتابیں جس میں توریت و زبور وغیرہ ۳۹ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ کبھی ان تمام صحیفوں کے مجموعے کو مجازاً توریت کہتے ہیں۔ انکو یہود اور عیسائی سب مانتے ہیں لیکن عیسائیوں نے اس مجموعے میں نو کتابیں اور داخل کی ہیں جنکے تسلیم و عدم تسلیم میں متقدمین و متاخرین میں بڑا اختلاف ہے۔ یہود ان نو کتابوں کو مخترعے سمجھتے ہیں (۲) عہد جدید اس مجموعے میں یہ کتابیں ہیں۔ اول انجیل متی جس میں حضرت عیسیٰ کے بعد متی حواری نے مسیح کی پیدایش سے لیکر موت تک کے حالات کو تاریخ کے طور پر عبرانی زبان میں جمع کیا ہے۔ دوم انجیل مرقس اس میں بھی مرقس نے ابتدا سے لیکر اخیر تک حضرت مسیح کی سرگذشت سنی سنائی زبان رومہ میں بیان کی ہے۔ سوم انجیل لوقا یہ بھی حضرت مسیح کی تاریخ ہے جسکو لوقا نے زبان رومہ میں تالیف کیا ہے۔ چہارم انجیل یوحنا اس میں یوحنا حواری نے حضرت مسیح کا حال ابتدا سے انتہا تک رومہ میں لکھا ہے۔ ان چاروں تاریخوں کو کہ جنکے زمانہ تالیف میں بڑا اختلاف ہے

عیسائی اناجیل اربعہ کہتے ہیں۔ اور یہ توراۃ و اناجیل اربعہ اصل توراۃ و انجیل منزل علی موسیٰ و عیسیٰ جنکا ذکر قرآن شریف میں اکثر جگہ آیا ہے نہیں ہیں۔ وہ گم ہوگئی ہیں۔ بلکہ حسب اقرار علمائے اہل کتاب تاریخ اور روزنامچے ہیں۔ کہ جن میں بہت عرصے بعد انبیا اور حضرت مسیح کے احوال کو ابتدا سے انتہا تک معتبر اور غیر معتبر رواۃ سے بلا سند متصل مجہول لوگوں نے نقل کیا ہے اصل کتابیں عبرانی و سریانی زبان میں ہیں جو ملک یہودیہ کی قدیم زبان تھی ان کے ترجمے یونانی اور لاطن اور عربی وغیرہ میں ہوگئے ہیں۔ اور بعد مدید میں اناجیل کے ساتھ عیسائیوں نے اور بھی بہت سے رسالے اور خطوط حواریوں اور غیر حواریوں کے ملاکر اپنی کتب مقدسہ میں شمار کیا ہے۔ اور سب کو واجب التسلیم قرار دیا ہے۔

معادؑ

ہونا کراماً کاتبین کا جو دو فرشتے ہیں دونوں شانوں پر نیک و بدکام کے تحریر کرنے کے لئے حق ہے اور مسلط ہونا ملک الموت کا وقت قبض ارواح کے حق ہے۔ اور عذاب قبر کا کافروں اور بدکاروں کے واسطے اور تنعیم عابدوں اور مطیعوں کے لئے حق ہے اور منکر و نکیر کا سوال حق ہے۔ وہ دو فرشتے ہیں مہیب صورت نیلی پیلی آنکھوں والے قبر میں مردے کے پاس آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں۔ کہ پروردگار تیرا کون ہے۔ اور دین تیرا کیا ہے اگر جواب موافق سوال کے دیا تو نازو نعمت میں ہے اور مثل عروس خوابگاہ میں استراحت کرے۔ اور قبر اسکی ایک چمن چمنہائے جنت سے متصور ہو۔ اگر

ؑ ملا نظام الدین صاحب نے شرح تجرید کے حاشیۂ قدیمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے معاد شرع کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں کہ موت کے بعد روح کا جسد سے اسی طرح متعلق ہونا جیسے حیات میں تھی اور اسکے احوال ایسے ہیں کہ عقل ان کے سمجھنے سے قاصر ہے ۱۲ منہ

عہدۂ جواب سے برات نہوئی تو محنت و عذاب دیکھے اور قبر اسکے حق میں
ایک غار غاروں دوزخ سے ہو قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا و آخرت میں
واسطہ ہے۔ اور اُسے عالم مثال[1] کہتے ہیں۔ اور یہ عالم کہیں آسمان و زمین پر
کسی خاص جگہ نہیں۔ بلکہ اس عالم حس کا دوسرا پہلو وہ ہے۔ قبر سے مراد یہاں
مدفن نہیں تاکہ یہ کیفیت شامل ان لوگونکی نسبت بھی ہو جو دریا میں غرق ہو
گئے ہیں یا آگ میں جل کر مر گئے ہیں۔ یا کسی جانور نے انکو کھا لیا ہے اور عذاب
روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ مطلع ہونا اسکی کیفیت پر ضرور نہیں اور
بعد مرنے کے قبروں سے مردوں کا زندہ ہو کر اُٹھنا حق ہے عاقل و مجنون و
صبی و جن و شیاطین و طیور و حشرات کل اٹھینگے۔ ظاہر ہے کہ جس نے اول عدم
صرف اور نابود محض سے پیدا کیا اور کتم عدم سے وجود میں لایا وہ بار دگر
بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ سباع و بہائم وغیرہ سے بابلکہ قصاص ہوگا اور
نابود کئے جاینگے اور جن و انس و شیاطین ہمیشہ دوزخ یا بہشت میں رہینگے
اور عملوں کا تولا جانا حق ہے۔ تاکہ مقدار نیکی و بدی کی بندوں کو معلوم ہو
اور خدا ایسے علیم تو جانتا ہی ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ اعمال کا وزن نہیں ہوگا
بلکہ اعمال ناموں کا وزن ہوگا یعنی جن کاغذوں میں بندوں کے اعمال لکھے
ہونگے وہ وزن ہو کر انکی کمیت معلوم کی جائیگی۔ کیونکہ اعمال اعراض ہیں اور
ہلکا بھاری ہونا جواہر کی شان ہے۔ مومن کو لازم ہے کہ ایمان تو ترازو کے ہونے

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ بعض آیات اور بہت سی احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری کے سوا ایک اور عالم یعنی عالم مثال ہے۔ کہ جس میں اعمال و اقوال وغیرہ اشیا اپنے مناسب ایک صورت خاص میں متشکل ہوتے ہیں۔ اور اُس عالم میں پیشتر اشیا موجود ہو چکی ہیں۔ تب اس عالم عنصری میں اسی کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزیں اس عالم میں یہاں سے نقل کر جاتی ہیں ۱۲ منہ

اور اعمال کے تلنے پر لاتے ہیں۔ مگر دریافت حقیقت اور ادراک کیفیت کی جانب متوجہ نہ ہو کہ کہاں قایم ہوگی اور اعمال کیونکر وزن کئے جاوینگے۔ تو اُن میں اوراق کی کمی بیشی اور لمبے چوڑے اور ہلکے بھاری اور خط کے خفی و جلی ہونے اور سیاہی کی جسمیت اور عبارت کے طول و قصر کی کیا کیفیت ہے اور نامہ اعمال مسلمانوں کے داہنے ہاتھ میں سامنے سے اور کافروں کو پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ملنا حق ہے اور حساب لینا بندوں سے ایک ایک ذرہ نیکی و بدی کا حق ہے اور گواہی اعضا کی حق ہے اور حوض کوثر حق ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے قیامت کے دن ہوگا۔ اور اسکا پانی دودھ سے سفید تر اور اسکی بو مشک سے خوشتر ہوگی۔ اور اس میں تاروں سے زیادہ اور روشن تر کوزے ہیں جو کوئی اسکا پانی ایک دفعہ پیئے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اور پل صراط حق ہے کہ حق تعالیٰ روز قیامت کو ایک پل دوزخ کی پشت پر بال سے باریک تر اور تلوار کی باڑھ سے تیز تر رکھیگا اور اوس پر سے سبکو گذرنا ہوگا بعض ہوا کی صورت بعض آب رواں کی مانند بعض تیز گھوڑے کی چال سے بعض پیادہ چلنے والے کی رفتار سے بعض چیونٹی کی روش سے اُس پل کو طے کرینگے۔ اور یہ سب تفاوت بقدر کمی بیشی اعمال حسنہ کے ہر شخص کے گذرنے میں ہوگا جتنے نیک اعمال زیادہ ہیں۔ اتنا ہی طے کرنا پل کا آسان ہے۔ بعض یہ بھی نجانینگے کہ پل تھا یا نہ تھا۔ اور بعض مجروح ہونگے اور بعض کٹ کر دوزخ میں گر پڑینگے۔

شفاعت جنت دوزخ

شفاعت پیغمبروں اور علما و صلحا کی گناہگاروں کے واسطے حق ہے مگر بعد اذن حق تعالیٰ کے اور جہاں شفاعت کا منع آیا ہے وہاں وہی شفاعت مراد ہے۔ جو رب العالمین کے اذن اور رضا کے بغیر ہو اور جنت و دوزخ حق

ہیں۔ اور دونوں پیدا ہو چکی ہیں۔ اب بھی موجود ہیں۔ آدم و حوا کا قصہ دلیل قاطع ہے۔ اسپر فنا نہو نگی ہمیشہ رہینگی۔ البتہ بقدر آن واحد کے اس قول کے صادق آنے کے لئے کل شئے ہالک الا وجہہ صور فنا کے وقت فنا ہو جائینگی اور تعین مکان بہشت و دوزخ کی از روئے نص ثابت نہیں ہے۔ اور چونکہ آدمیوں کے نزدیک آسمان و زمین سے کوئی چیز بڑی نہیں۔ اس لئے تمثیل کے طور پر کہا عرضہا السموات والارض یعنی عرضہا کعرض السموات والارض یعنی چوڑائی بہشت کی مثل چوڑائی آسمان و زمین کے ہے۔ اور اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو عرض بہشت کا ہے وہی بعینہ آسمان و زمین کا ہے کیونکہ اس صورت میں تداخل اجسام لازم آتا ہے اور وہ ممتنع ہے۔ اور جہاں شارع نے سونا چاندی یا موتی وغیرہ کی چیزیں جنت کے لئے بیان فرمائی ہیں۔ سو وہ ان معدنیات کی قسم سے نہیں ہیں اور سمجھانا منظور تھا۔ اس عالم کے لوگوں کو پس جنت میں جو چیزیں یہاں کے سونے یا چاندی یا موتی کے مشابہ کسی وصف میں تھیں انکے سمجھانے کے واسطے انکو سونے چاندی یا موتی سے تعبیر کیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ سونا چاندی وغیرہ معدنیات یا عناصر کی چیزیں ابد الآباد تک قیام پذیر نہیں ہو سکتیں۔ بہشتی طرح طرح کی نعمتوں سے خوش و خرم رہینگے۔ اور دوزخی انواع انواع عذاب سے معذب ہوا کرینگے

شرائط قیامت

قیامت کی سب شرطیں اور آخرت کے احوال جنکی مخبر صادق نے خبر دی ہے حق ہیں۔ جیسے آفتاب کا مغرب سے نکلنا کہ توبہ کے دروازے بند ہو جانے کا دن ہے اور دجال اور دابۃ الارض کا ظہور کرنا اور یاجوج ماجوج کا خروج کرنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے اترنا اور تین خسف کا واقع ہونا ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک

جزیرہ مغرب میں اور آسمانوں کا پھٹ جانا اور کاغذ کی طرح لپٹ جانا۔ اور تاروں کا گر پڑنا اور اسرافیل کا صور پھونکنا ایکبار واسطے فنا کے اور دوبارہ واسطے زندہ ہونے کے اور باقی نرہنا سوائے واحد قہار کے یہ سب باتیں واقع ہونے والی ہیں۔

ایمان

ایمان حق تعالے پر فرض ہے۔ اور ادراک فرضیت کے لئے عقل کافی ہے اور شرع اسکی مؤید و موفق ہے۔ اور ایمان تصدیق قلبی اور انقیاد و اقرار زبانی کو کہتے ہیں۔ تصدیق بغیر انقیاد و اقرار کے مفید نہیں یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جو کچھ کہ وہ خدا کے پاس سے لائے ہیں اسکو دل سے سچ جاننا اور مان لینا اور انکی پیغمبری کو دل سے قبول کرنا اور زبان سے اسکا اقرار کرنا اور اسکی گواہی دینا ایمان کہلاتا ہے۔ اور اعمال ماہیت ایمان کا جزو نہیں بلکہ منجملہ کمالات ایمان سے ہیں۔ اسی واسطے ان کا تارک دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ اور نیز اعمال میں کیفاً اور کماً دونوں طرح کمی بیشی پیدا ہوتی ہے جیسے فرض کو ادا کرنا حضور دل اور اطمینان اور تمام اداب کی رعایت کے ساتھ افضل ہے کیفیت میں نفل سے بلکہ اس فرض سے بھی بدرجہا افضل ہے جو ناقص طور پر ادا ہو اور فرض ادا کرنا افضل ہے۔ تعداد کی رو سے ایک فرض کے ادا کرنے سے اسی طرح تمام فرض اور اسکے ساتھ ساری سنتیں اور نفل ادا کرنا صرف فرض سے ہر طرح بہتر ہے اور ایمان میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی اسلئے کہ اگر تصدیق نہیں ہے تو مومن نہیں ہے اور تصدیق عبارت ہے علم الیقین سے اس میں گنجایش گھٹنے بڑھنے کی نہیں۔ نہ یہ کہ جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے وہ زیادہ مومن ہے۔ جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے۔ کیونکہ

ؔ دیکھو فتح البیان و کتاب مشارق الانوار فی فوز اہل الاعتبار باب فصل اول مطبوعہ قاہرہ صفحہ ۱۰۱

جب اعمال جزو ایمان نہیں تو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ایک معمولی سی سمجھ کا آدمی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے اور اعمال اعضا کے کام ہیں اسلئے نہ اُن دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہو سکتی ہے۔ نہ ان میں سے ایک دوسرے کا جزو ہو سکتا ہے۔ اور متعلق ایمان میں کچھ تفاوت نہیں یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں۔ ایمان کے لئے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ وہ سب کے لئے یکساں ہیں صحابہ اور تمام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں ایک ہی چیز یعنی توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور ایمان و اسلام ایک چیز ہے۔ دونوں میں تغائر نہیں اور اسلام و ایمان کے ایک ہونے سے یہ مراد ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا دونوں میں تلازم ہے جب ایک کسی پر صادق آئیگا۔ تو دوسرا بھی بالضرور صادق آئیگا یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کی نسبت کہا جائے وہ مومن ہے اور مسلمان نہو۔ یا یہ کہا جائے کہ وہ مسلمان ہے اور حقیقت میں وہ مومن نہو۔ اور ایمان درمیان بیم و امید کے ہے۔ اور وقت سکرات موت کے جب آخرت کے احوال نظر آتے ہوں اسوقت ایمان کا لانا مقبول نہیں۔ کیونکہ ایمان بالغیب چاہئے۔ اور یہ ایمان بالغیب نہیں اور یہ کہنا نہ چاہیئے کہ میں مومن ہوں اگر اللہ نے چاہا کیونکہ اس کہنے سے ایمان میں شک پایا جاتا ہے۔ اور شک یقین میں روا نہیں۔ اگرچہ یہ کلمہ تبرک اور تادب کے واسطے اور جہاں کام خدائے تعالیٰ کی طرف حوالے کرنا ہوتا ہے۔ وہاں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مگر ایمان کے ساتھ تبرکاً بھی اسکا استعمال درست نہیں اسلئے کہ موہم شک ہے

ایمان پانچ قسم پر ہے (۱) ایمان مطبوع وہ ایمان ملائکہ کا ہے۔ (۲) ایمان معصوم وہ انبیا کا ایمان ہے (۳) ایمان مقبول وہ مومنوں کا ایمان ہے

لہ دیکھو بہجۃ العلوم فی شرح عقیدۃ الاصول ۱۲

(۴) ایمان موقوف وہ بدعتیوں کا ایمان ہے (۵) ایمان مردود وہ منافقوں کا ایمان ہے۔ اور گناہ کبیرہ[1] کرنا بندۂ مومن کو اصل ایمان سے نہیں نکالتا ہے یعنی گناہ کبیرہ مومن کو کافر نہیں بناتا بلکہ فاسق اور عاصی بناتا ہے اسلئے کہ تصدیق باقی ہے۔ اور گناہ کبیرہ کرنے والے مومن ہمیشہ دوزخ میں نرہینگے اگرچہ بے توبہ مرے ہوں۔ اور جب تک خدائے تعالے چاہیگا بقدر مکافات ان گناہوں کے اُن کو دوزخ میں رکھکر پاک وصاف کرکے پھر انکو بہشت میں داخل کریگا۔ اپنے فضل وکرم سے یا جناب شفیع المذنبین کی شفاعت سے۔ اور مرتکب کبیرہ کی بخشش مشیت الہی پر ہے چاہے کرے یا نہ کرے اور عذاب کرے اور چاہے وہ کبیرہ کو بے توبہ بطریق خرق عادت کے بخشدے۔ اور صغیرہ پر عذاب کرے۔ مگر حق تعالے کفر وشرک کو نہیں بخشتا ہے۔ اور یہ بات شرعاً وعقلاً دونوں طرح ثابت ہے۔ اور اللہ تعالے اپنے وعدے کے بموجب مومن مطیع کو ایمان [illegible] یقیناً ثواب دیگا۔ اور وعدے سے قطع نظر ثواب دینا مطیع کو یا عذاب کرنا عاصی کا حق تعالے پر واجب نہیں ہے۔ اگر کسی نے ایک کبیرہ سے توبہ کی اور دوسرے کبیرہ پر اصرار کیا تو توبہ اسکی مقبول ہے۔ اور جس نے جمیع کبائر سے توبہ کی اُسکو صغائر سے بھی توبہ کرنا ضرور ہے۔ ورنہ احتمال عذاب باقی ہے اور عفو کرنا حق تعالے کا لوگوں کے حقوق کو بطور خرق عادت کے جائز ہے

---

[1] حاشیہ جوہرۂ لامیہ وغیرہ میں ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جنپر قرآن یا حدیث میں صاف وعدہ دوزخ کا یا اللہ کے غصے کا دیا یا حد مقرر فرمائی ہے یا اُسکے فاعل کو شرع میں فاسق کہا گیا ہے یا کسیپر لعنت کیگئی ہے جیسے اللہ نے سارق پر لعنت کی ہے۔ اور صغیرہ وہ ہے جس سے منع فرمایا اور کچھ زیادہ نہیں کہا اور کبیرہ کا اطلاق اگرچہ کفر پر بھی آتا ہے مگر صغیرہ کے مقابل میں جو کبیرہ ہے اس سے کفر مراد نہیں ہوتا بلکہ کفر اکبر الکبائر ہے اور جوہر کبیر میں شیخ ابراہیم لقانی نے امام غزالی کی فتیا سے نقل کیا ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ میں فرق نہ تسلیم کرنا صحت سے خالی ہے ۱۲ منہ

نبوت

واسطہ ہونا انبیا کا درمیان ممکنات اور واجب الوجود کے ضرور تھا کیونکہ ہدایت واجب الوجود کی نسبت ممکنات کے باہم متناسب نہیں۔ بالواسطہ ہونا چاہیئے اور وجود واسطہ دونوں کا برزخ ہو وہ انبیا علیہم السلام ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اصلاح معاش و معاد کے لئے از راہ تفضل جنس بشر سے انبیا و رسل کو واسطے پیغمبری کے بھیجا کہ آدمیوں کو معرفت الہی سے کہ عقل اسکے معلوم کرنے سے عاجز ہے آگاہ و مطلع کریں۔ اور احکام الہی سے بہ نسبت واجب و مندوب اور حرام و مکروہ و مباح کے خبردار کریں۔ اور سب پیغمبروں کی معجزوں سے تائید کی اور معجزے دلیل ہیں اُنکی نبوت کے حق ہونے پر اور معجزہ امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ اس سے اظہار صدق دعوے نبوت مقصود ہے کیونکہ مخالف کہ جو خدا سے ایک طرح کا ایسا امر بنا سکنے کی قدرت بلکہ وہ عاجز ہوتا ہے اور وہ طریقہ ہدایت کا از طرف خدا تعالیٰ عزوجل ہمیشہ ایسا ہی جاری رہا کہ ہر پیغمبر اور نبی اللہ کے زمانہ میں جس علم اور عمل کی بیچ قوم کو خیال اتنا ہوتی تھی ویسی ہی معجزہ اس نبی کو خدا سے عطا ہوا جیسے حضرت موسی کو ابطال سحر کا معجزہ ہوا۔ حضرت عیسے کو شفائے امراض لا علاج مثل برص حقیقی اور کور مادر زاد کا۔ اور ہمارے نبی کو فصاحت و بلاغت اور بواسطہ خبر متواتر نسبت معجزات کے ہمارے حق میں اور بواسطہ حس صحابہ کرام کے حق میں عقل حکم کرتی ہے کہ حضرت محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بیشک رسول خدا ہیں۔ جو خدا کی طرف سے پیغام امر و نہی اور وعدہ و وعید کا لائے ہیں اور سب سے بڑا معجزہ آپ کا قرآن ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کیا تھا۔ قرآن کی عبارت اتنے اعلیٰ درجے کی فصیح و بلیغ ہے کہ کوئی شخص فصحائے عرب سے باوجود حد باندھنے اور دشمنوں کی کثرت کے بھی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل نہیں بنا سکا حالانکہ وہ لوگ فصاحت و بلاغت میں آنحضرتؐ سے کسی طرح کم نہ تھے کیونکہ جہاں کے آپ رہنے والے تھے وہیں کے وہ بھی بلکہ مجتمع ہو کر بھی اسکی مثل نہ

بناسکے۔ باوجودیکہ ذکر عار دلاکر کیا جاتا تھا فأتوا بسورة من مثله ان کنتم صادقین یعنی قرآن کے کسی ٹکڑے کی مانند تم بھی بنا لاؤ۔ اگر تم سچے ہو مقابلہ حروف سے مقابلہ سیوف اُن کے نزدیک آسان تھا۔ اور عدد انبیا و رسل کا دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے پس ایمان لانے میں رسل اور انبیا پر عدد کا لحاظ نہ کرنا چاہئے کہ کفر بہ نسبت بعض پیغمبروں کے اور اقرار نبوت بہ نسبت بعض کے کہ پیغمبر نہیں ہیں عائد نہو پس عدد سے درگذر کرکے انبیا میں سے وہ جنکا ذکر قرآن میں وارد ہوا یا متواتر حدیث سے ثابت ہوا بہ صراحت اُنکی نبوت پہ اقرار کرنا چاہئے۔ اور جنکا ذکر متواترات میں نہیں ہے۔ انکی نبوت سے نہ اقرار کرنا چاہئے نہ انکار۔ اول انبیا میں آدم علیہ السلام ہیں۔ اور آخر سب کے حضرت سرور عالم فخر بنی آدم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آنحضرت خاتم پیغمبراں ہیں۔ بعد حضرت کے کوئی پیغمبر نہ آیا اور نہ آئے شریک اُنکا نبوت میں اُنکے زمانے میں کوئی نہ تھا اور حضرت عیسی علیہ السلام کہ نازل ہونگے وہ بعنوان رسالت نازل نہونگے۔ بلکہ دین محمدی کے تابع ہونگے اور اب وہ اپنے جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر موجود ہیں جب اُنکو یہود نے قتل کرنا چاہا۔ تو خدا نے اُنکے مشابہ ایک اور آدمی کو کر دیا۔ اور اُنکو آسمان پر اُٹھا لیا چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ وقولهم انا قتلنا المسيح ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم یعنی یہود کا قول ہے کہ ہم نے حضرت عیسے علیہ السلام کو پیغمبر اللہ کا تھا مار ڈالا۔ اور حال یہ ہے کہ نہ اُسکو مارا ہے نہ سولی پر چڑھایا ہے لیکن وہی صورت بنگئی اُنکے آگے اور بعض کہتے ہیں کہ شبہ لہم سے یہ مراد نہیں کہ کسی اور شخص کی صورت حضرت عیسیٰ کی سی صورت ہوگئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ شبہ ڈالا گیا اُن کے لئے وہ شبہ یہ تھا۔ کہ جب حضرت عیسے آسمان پر چڑھا لئے گئے تو سرداران یہود نے دانستہ ایک غیر آدمی کو عوام کی دہوکا دہی کی غرض سے سولی دیدی۔ اور آنحضرت نے فرمایا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ قیامت کے قریب زمین پر اترینگے اور دجال کو قتل کرینگے۔ اسکے بعد خدا اُنکو موت دیگا۔

عصمت انبیا و تفضیل انبیا

عصمتؔ شرط نبوت ہے اور مطاع ہونا انکا لوازم نبوت سے ہے اور ظاہر ہے کہ
بشر میں سے جو شخص ان صفات متصف ہوگا اس شخص سے جس میں صفات
نہوں افضل ہوگا لہذا انبیا و رسل افضل خلایق ہیں اور خدا کے نزدیک
محبوب ترین خلایق ہیں۔ اور سوائے نبی کے کوئی کسی وقت میں ادنے درجۂ پیغمبر کو
نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ انبیا آپس میں فاضل اور مفضول ہیں یعنی بعضوں کا مرتبہ
بعضوں سے زیادہ ہے مگر یہ تحقیق نہیں کہ کون پیغمبر ان پیغمبروں میں بڑے
رتبے والا ہے اور کون مرتبے میں کم ہے البتہ ہمارے پیغمبر سب انبیا علیہم السلام سے
افضل ہیں نبوت انکی ثابت ہوئی ہے اور خود انہوں نے اپنی فضیلت کی خبر
دی ہے اور بر خلاف اور انبیا و مرسلین کے وہ سب خلق کی طرف بھیجے گئے ہیں
انکی دعوت تمام ممالک کے بنی آدم اور جنون کو عام ہے۔ مگر بعثت اولی عرب کے جن و
انس کی طرف ہے۔ اور ان کے ذریعہ سے دوسرے ملکوں تک رسالت پہنچی اسلئے آپکی
کتاب عربی زبان میں مذاق اہل عرب کے موافق نازل ہوئی۔ تاکہ ان کے ذریعہ سے
اس کلام پاک کے دقایق اور معانی اور احکام سلسلہ بسلسلہ اور ممالک میں پہنچ جائیں اگر

له تحفۃ الاضلاء فی عصمۃ الانبیا میں آیا ہے کہ عصمت کے معنی میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک معصیت
پر قدرت نہونے کے معنی ہیں اور جمہور کا مختار یہ ہے کہ ارتکاب معصیت سے قطعی طور پر روکنے والے کے پیدا کرنے کو
عصمت کہتے ہیں اس طرح کہ معصوم معصیت کے ترک کرنے اور واجب کے بجا لانے میں مضطر نہو اور کبھی عصمت کہا ہے
بچنے اور باطن کی بری عادتوں کے چھوڑ دینے کو بھی کہتے ہیں۔ اور کبھی صغائر اور کبائر اور باطن کی بد
خصلتوں سے بچنے کو کہتے ہیں اور کبھی ایسے کہتے ہیں کہ گناہ عمداً صادر نہو اور نہ خطاءً نہ سہواً اور نہ اجتہادی
کے اجتہاد میں خطا واقع ہو اور حفظ گناہ و خطا صادر نہونیکو کہتے ہیں مگر صدور گناہ و خطا کے استحالہ پر کوئی دلیل عقلی
دلالت نہیں کرتی عصمت انبیا کی صفت ہے اور حفظ اولیا کی لیکن اولیا میں سے ایک امام مہدی ایسے ہیں کہ وہ معصوم ہیں
کیونکہ رسول ص نے انکے معصوم ہونیکی خبر دی ہے رسول اور انکی عصمت میں فرق اس قدر ہو کہ رسول کی عصمت پر دلیل عقلی

ہر قوم کے لغت کی رعایت رکھی جاتی۔ تو اختلاف اور تحریف اور کمی بیشی اس حد
تک اس کتاب میں ہو جاتی ہے کہ اصل مطلب کا سمجھنا دشوار ہو جاتا۔ اور جنپر
ایسی کتاب نازل ہوتی۔ وہ بھی ہر قوم کے لغات و معانی بلکہ مخارج حروف و لہجہ
نہیں جانتے تھے پس کلام مجہول اللفظ والمعنی کو کس طرح اُن قوموں تک پہنچا سکتے
اور وحی میں رویت فرشتے کی شرط نہیں ہے اور وحی نبی کا خاصہ ہے۔ اور سب
پیغمبر خدا کا حکم پہنچانے میں سچے ہیں اور جو امر و نہی کرتے ہیں خدا کی طرف سے
کرتے ہیں نہ اپنے دل سے اور سب پیغمبری پانے سے آگے بھی اور پیغمبری
پانے کے پیچھے بھی اصلی اور طبعی کفر اور گمراہی سے پاک اور محفوظ ہیں۔ اور کبائر
بھی انبیا سے بعد نبوت عمداً صادر نہیں ہوتے اور سہواً گناہ کبیرہ سے بھی
معصوم مطلق ہیں کیونکہ ہم لوگ اُنکی اقتدا کے ساتھ مامور ہیں جو کہ ان سے قول و
فعل صادر ہو پس اُن سے کیونکر وہ چیز واقع ہوگی۔ جو ناشائستہ ہو اور ہم اُن کی
اقتدا کے ساتھ حکم کئے جائیں! اور جو صغیرہ ایسے ہیں کہ اُن سے نفرت پیدا ہوتی
ہے اور رذیل پن پایا جاتا ہے۔ وہ انبیا سے نہ عمداً سرزد ہوتے ہیں اور نہ سہواً ہر طرح
معصوم ہیں البتہ جو صغیرہ ایسے نہیں ہیں وہ انبیا سے سہواً ممکن الوقوع ہیں
مگر اپنی خطا پر جمے نہیں رہتے انکو غیب سے تنبیہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے
کہ سہو و نسیان اُن اقوال میں جو خبر دینے اور احکام الٰہی اور شرائع کے پہنچانے
سے تعلق رکھتے ہیں جائز نہیں کیونکہ واقع کے خلاف خبر دینا کذب ہے۔ اور کذب سے
انبیا کی عصمت واجب ہے۔ اسلئے کہ کذب کی وجہ سے انکی خبروں سے وثوق اُٹھ
جائیگا۔ مگر جس بات کا کہ حق تعالٰے نسخ چاہتا ہے اُسکو فراموش کرا دیتا ہے۔ اور جائز
ہے کہ انبیا کسی کار مباح کا قصد کریں اور وہ اتفاقی طور پر معصیت ہو جائے اور انبیا کی اس لغزش کو زلت[1] کہتے ہیں

[1] تحفۃ الاخلاء فی عصمۃ الانبیاء میں مذکور ہے زلت حرف اول کے فتحہ سے شرع میں اسے کہتے ہیں کہ
مکلف سے کسی مشروع کام کرنیکے ضمن میں غیر مشروع کام سرزد ہو جائے توضیح کے رکن ثانی میں جو معنی زلت کے بیان کئے
وہ اسکے مؤید ہیں اور وہ معنی یہ ہیں کہ صغائر کو بلا قصد و ارادہ کرنے کو زلت کہتے ہیں ۱۲ منہ

کہتے ہیں اور جن جن انبیا سے زلات سرزد ہوئی ہیں سب معاف کر دی گئی ہیں اور نیز انبیا منزہ ہیں اصل فطرت میں اخلاق رذیلہ سے مثل عجب اور حسد اور حقد اور جبن اور بکر وغیرہ کے اسلئے کہ رذائل اخلاق معاصی قلب ہیں جمع معاصی جنا سے بدتر ہیں اصل فطرت انبیا علیہم السلام کی ایسی مادۂ فاضلہ اور جوہر علیا سے واقع ہے کہ صدور ایسے معاصی کا جنپر عام مکلفین کی نسبت وعید وارد ہے ناممکن ہے اور عطا ہونا ایسے مادۂ فاضلہ اور جوہر علیا کا امر وہبی ہے۔ اصل فطرت میں نہ کسبی[1] ورنہ کوئی تو نوع بشر سے بحالت اکتساب ترقی کرتے ہوئے مدارج کمال میں اُنکے رتبہ کو پہنچتا۔

معراج

معراج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں مع روح اور جسد مقدس کے مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک اور وہاں سے آسمان تک پھر جہاں تک کہ خدا تعالےٰ نے چاہا حق ہے مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ یعنی بیت المقدس تک جانا قرآن سے ثابت ہے۔ انکار اسکا کفر ہے اور اطباق سمٰوات سے گذرنے میں احادیث صحیحہ صریحہ مشہورہ وارد ہیں۔ انکار اسکا گمراہی و فسق ہے اور آگے اس سے جانا اور عجائبات طرح طرح کے مشاہدہ کرنا احادیث احاد سے ثابت ہے۔ انکار اسکا موجب محرومی ثواب اور درجات اخروی ہے اور معراج آسمانوں کے اوپر مخصوص ہے۔ واسطے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ اور پہنچانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں کے اوپر اُنکے حکم تو فی میں تھا۔

اہل بیت تفضیل صحابہ

اہل بیت سے مقصود حضرتؐ کی اولاد اور بیبیاں ہیں اور امام حسن و حسین بھی اہل بیت میں سے ہیں۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی کو معاشرت و ملازمت رہی ہے اسلئے وہ بھی اُن میں سے ہیں۔ اور حضرت

[1] فلاسفہ نبوت کو کسبی کہتے ہیں تورپشتی نے معتمد میں کہا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبوت کسب سے حاصل ہو سکتی ہے کفر ہے ۱۲

کے اصحاب سب امت سے بہتر اور افضل ہیں اور خلفائے اربعہ سب اصحاب سے افضل ہیں اور انکی افضلیت بہ ترتیب خلافت ہے یعنی پہلے حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان ذی النورین پھر حضرت علی مرتضے رضی اللہ عنہم اجمعین افضل ہیں[1] اور فضیلت کے یہاں معنی عند اللہ زیادتی ثواب کے لئے جاتے ہیں اور کسی دوسری وجہ کی تفضیل مثلاً کثرت علم و شرف نسب و شجاعت و مروت وغیرہ جنکو عرف میں فضیلت سمجھتے ہیں یہاں مقصود نہیں ہیں جسکو کثرت ثواب کی وجہ سے تفضیل حاصل ہو اسکے لئے یہ بات منقصت کا موجب نہیں ہے کہ غیر شخص اس سے کسی دوسری قسم کی صفت عرفی میں زیادہ ہو مثلاً کوئی صحابی کثرت روایت میں حضرت ابوبکر سے زیادہ ہو تو اس فضل جزئی سے ان کے فضل کلی میں نقصان نہیں آتا کیونکہ من جمیع الوجوہ ایک صحابی کی تفضیل دوسرے صحابی پر محال ہے اسلئے کہ تفضیل حضرت علی کی جہاد سیفی اور سنانی اور فن قضا اور ہاشمیت خصوصاً زوجیت بتول میں صدیق اکبر پر قطعی ہے۔ پس مراد تفضیل سے یہی ہے کہ جسکو نبی کے ساتھ زیادہ مشابہت تھی ریاست امت کے معاملے اور دین کی محافظت اور فتنہ و فساد کے مٹانے اور احکام شریعت کے جاری کرنے اور ملکوں میں اسلام پھیلانے اور حدود و تعزیرات قایم کرنے میں کہ یہ باتیں ثواب کی ہیں وہ افضل ہے۔ اور خلفائے اربعہ کے بعد باقی عشرہ مبشرہ یعنی طلحہ و زبیر و عبد الرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و ابو عبیدہ بن جراح صحابہ میں افضل ہیں۔ بعد عشرہ مبشرہ کے ان صحابہ کو

[1] ریاض النضرہ فی فضائل العشرہ میں لکھا ہے کہ کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ حضرت علی حضرت عثمان کے بعد افضل ہیں۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ حضرت علی افضل ہیں یا حضرت عثمان اور بعض سلف کو اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت ابوبکر افضل ہیں یا حضرت علی اسکو ابو عمر بن عبد البر نے اپنی کتاب صحابہ میں لکھا ہے اور اسی سے تمسک کیا جاتا ہے اس بات پر کہ فاضل کے موجود ہوتے مفضول کی خلافت و امامت منعقد ہو جاتی ہے ۱۲ منہ

فضیلت حاصل ہے جو جنگ بدر میں شریک ہوئے اور بعد انکے اُن صحابہ کو فضیلت
ہے جو جنگ احد میں شریک ہوئے اور بعد اہل احد کے اہل بیعت رضوان کو فضیلت
ہے۔ اور عشرہ مبشرہ اور بی بی فاطمہ اور خدیجہ اور عائشہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم
جنتی ہیں۔ اور اسلام میں اُنکا مرتبہ اعلیٰ ہے اور بی بی فاطمہ سردار ہیں بہشت کی
عورتوں کی۔ اور حسن وحسین سردار ہیں جوانان اہل بہشت کے اور ابوطالب بحالت
کفر پر مرا ہے۔ اور جناب رسالت مآب کے اہل بیت گناہوں کے صدور سے محفوظ
تھے معصوم نہ تھے عصمت انبیا سے خصوصیت رکھتی ہے۔ اور ان بزرگوں کا حال
دوسرے مجتہدین کا سا ہے کہ اپنے اجتہادات میں مصیب بھی ہوتے ہیں اور مخطی
بھی اور جس طرح انبیا سے زلات سرزد ہوئے ہیں۔ ان سے بھی سرزد ہوئے ہیں
اور وہ یہ ہے کہ ایسے امور اُن سے بھول چوک کر واقع ہو جاتے ہیں جو اُنکے مراتب
کے خلاف ہیں۔ نظیر اسکی یہ ہے کہ جب حضرت صدیق نے حضرت فاطمہ زہرا کی
مرضی کے موافق باغ فدک کو تقسیم نہ کیا۔ تو وہ اُن سے ناخوش ہو گئیں۔ اور حضرت
ابوبکر سے ترک کلام کر دیا اور برابر ترک کلام کیے رہیں یہانتک کہ اُنکی وفات ہو گئی
یہ بی بی صاحبہ کی طرف سے زلت واقع ہوئی جسمیں کسی قسم کا گناہ نہیں ہے[1]

خلافت

خلافت[2] مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس[3] برس تک رہی بعد اُسکے بادشاہت

---

[1] دیکھو شرح مسلم الثبوت مصنفہ بحر العلوم ہو گا [2] محققین اہل سنت نے خلافت عامہ کو سلطنت فرمانروائی کے معنوں
میں لیا ہے اور خلافت خاصہ [illegible] الاسلام ہو [illegible] ائمہ اثنا عشری ہیں [illegible] حضرت علی
نہیں [illegible] امامت بھی [illegible] معنی میں استعمال ہوتا ہے اور چونکہ ایسی امامت اور خلافت کے لئے ملک میں تصرف
[illegible] اور استحقاق [illegible] حضرت امام حسن [illegible] باقی [illegible]
چونکہ تمام علوم دینی اور ہدایت باطنی وارشاد وطریقت میں [illegible] امام کو [illegible] امامت [illegible]
صادق آتی ہے کیونکہ امامت بھی خلافت کے لئے ملک میں تصرف [illegible] امامت کے معنی بادشاہت اور ریاست کے لیتے ہیں اسلئے کہ
بادشاہ اگرچہ نیک سیرت نہو لیکن دین کے بعض کام اس سے [illegible] اور تقسیم [illegible] اقامت جمعہ وعیدین میں

اور سرداری ہو گئی۔ حضرت ابوبکر کی مدت خلافت دو برس اور چار مہینے اور حضرت
عمر کی دس برس اور چھ مہینے اور حضرت عثمان کی بارہ برس چند روز کم اور حضرت
علی کی چار برس اور نو مہینے ہے اس حساب سے خلافت چاروں خلفا کی ۲۹
برس اور سات مہینے میں تمام ہوتی ہے اور پانچ مہینے جو باقی ہے۔ اُن میں حضرت
امام حسن خلیفہ رہے۔ پس یہ بھی خلفا میں سے ہوئے اور یہ خلافت راشدہ ہے
کہ نبوت کے طور پر ہے اور رسول علیہ السلام کی نیابت ہے۔ جب خلافت راشدہ کا
زمانہ گذر چکا۔ اور حکومت و امارت کا دور شروع ہو گیا تو حضرت امام حسن نے
معاویہ سے جو بر سر نزاع تھے صلح کر لی اور خلافت سے کنارہ کش ہو گئے پس
یہ صلح امام حسن کی مقبول تھی اور معاویہ اسلام کے پہلے بادشاہ تھے اور امام
حسین کا خروج خلافت راشدہ کے دعوے کے ساتھ نہ تھا۔ بلکہ وہ رعایا کو یزید
کے پنجۂ ظلم سے بچانے کے لئے گئے تھے تاکہ اُسکا تسلط جمنے نہ پائے کیونکہ ابھی تک
اسکا پورا پورا تسلط نہیں ہونے پایا تھا۔ اور اہل مکہ و مدینہ و کوفہ نے بھی اُس سے
برضا و رغبت بیعت نہ کی تھی اور حدیث میں جو آیا ہے کہ بادشاہ ظالم سے
تعرض نکرنا چاہیے یہ اُس صورت میں ہے کہ اُسکی سلطنت بلا مزاحمت و منازعت
جم چکی ہو۔ اور خلفاے راشدین کے بعد سلاطین اسلام پر لفظ خلفا کا استعمال
مجازاً ہے۔ اور خلفاے اربعہ کی خلافت کا ثبوت نہایت بدیہی ہے بشرطیکہ مفہوم
خلیفہ کا اور اُسکی شرطیں ذہن میں تصور کریں اور چاروں خلیفہ کی سوانح عمری
اور احوال تاریخی پر نظر ڈالیں تو عقل بالبداہت حکم کرتی ہے کہ اُن میں خلافت
کی شرطیں ثابت ہیں اگر خلافت کے ثبوت کا خفا ان میں کچھ ہے۔ تو وہ دوسرے
معانی کی وجہ سے ہے جو مفہوم خلافت میں مان لئے گئے ہیں جیسے شیعہ عصمت
اور وحی باطنی امام میں ہونا شرط کرتے ہیں۔ ورنہ یہ مسلمان بھی تھے عاقل بھی
تھے بالغ بھی تھے آزاد بھی تھے۔ مرد بھی تھے اعضا بھی اُنکے درست تھے قریش
بھی تھے۔ مجتہد بھی تھے اور انہوں نے کافروں سے جہاد بھی کئے بلاد روم و عجم

انہوں نے تسخیر کیا ہے۔ اور خلافت کے لئے اسی قدر کافی ہے اور جس قدر مخالفین نے اُنپر افترا کیا ہے اور عیب لگائے ہیں اُسکا مرجع امر مختلف فیہ ہے جسے سوائے اُنکے اور مسلمان صحیح نہیں جانتے ہیں۔

صحابہ پر طعن نکرنا چاہیئے

اگرچہ بڑے بڑے صحابہ عمداً گناہوں کے صدور سے محفوظ تھے مگر یہ نہ تھا۔ کہ تمام صحابہ میں سے کوئی بھی قابل طعن نہو اسلیئے کہ بعض صحابہ سے شراب خوری ثابت ہوئی ہے اور جناب سرور کائنات نے اُنپر حد جاری کی ہے اور مسطح بن اثاثہ اور حسان بن ثابت سے بی بی عائشہ پر تہمت زنا ثابت ہوا اور اُنپر حد جاری کیگئی۔ اور ماعز اسلمی نے زنا کیا اور سنگسار کیئے گئے مگر اتنا ضرور ہے کہ بوجہ صحبت خیر البشر اُنکی خطائیں قابل گرفت نہیں دیکھو اللہ پاک نے حضرت آدم کے حق میں کہا ہے وعصے آدم ربہ فغوے یعنی آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہوگیا۔ اور حضرت یونس کی شان میں کہا وھو الملیم یعنی وہ ملامت میں پڑا ہوا تھا۔ باوجود اسکے حضرت آدم کو گناہگار اور گمراہ کہنا کفر ہے اور حضرت یونس کے حق میں لفظ ملیم استعمال کرنا ناجائز اس وجہ سے امتیوں کو مناسب ہے کہ صحابہ کے حق میں کلمہ خیر کے سوا کچھ نہ کہیں اگر کچھ برخلاف خیر و خوبی کے منقول ہے اُس سے چشم پوشی کریں کیونکہ صحابہ و محبین رسول کے برا کہنے میں اگر دلائل قطعی کی مخالفت ہے تو کفر ہے۔ جیسے بی بی عائشہ پر زنا کی تہمت کرنا اسلیئے کہ خدائے تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں اس عیب سے اُنکی بریت بیان کردی ہے اور اگر ادلہ قطعی کا خلاف نہو۔ تو یہ گناہ کبیرہ ہے پس کسی صحابی پر لعنت نہ کرنا چاہیئے۔ نہایت کار کسی صحابی کا خلیفہ برحق سے بغاوت اور اُسپر خروج ہوگا۔ تو یہ ارتکاب کبیرہ ہے۔ اور مرتکب کبیرہ قابل لعن نہیں۔ قرابت داران رسول نے اپنے دشمنوں کی خیر کب کی جو اوروں کو کرنا چاہیئے اور نفرت جو اُنکو مخالفین سے تھی۔ یہ بوجہ

نزاع اور جنگ وجدل کے پیدا ہوگئی تھی مگر ایمان و اسلام میں اُنکے کسی طرح کا کلام نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لعنت کے فضول کام سے اپنے بندوں کو معاف رکھا ہے اسلیئے کہ اگر کوئی عمر بھر ابلیس پر لعنت نہ کرے تو اُس سے قیامت کو سوال نہوگا کہ تو نے لعنت کیوں نہیں کی۔ اور لعنت کرنے کی صورت میں تو سوال کا اندیشہ ہے اور کسی کا قتل یا بحیر مستی گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں۔ توبہ سے کفر بھی مغفور ہے تو گناہ کبیرہ بدرجۂ اولے معاف ہوسکتا ہے۔ دیکھو وحشی نے حمزہ عم رسول علیہ السلام کو قتل کیا۔ اور جب وہ مسلمان ہوگیا تو وہ مستحق لعنت نرہا گناہ معاف ہوگیا پس گنہگار مسلمان کو برا کہنے سے زبان کو روکنا چاہئے کیا عجب کہ اللہ نے اُسے توفیق توبہ دی اور حسن خاتمہ نصیب کیا ہو۔

تکفیر اہل قبلہ

اہل قبلہ کو جو مسلمانوں کے قبلے کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ اور قرآن و حدیث کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور شہادتین کی تصدیق و اقرار کرتے ہیں کافر کہنا نہ چاہیئے جب تک کہ کوئی قول و فعل کفر کا اُنسے صریحاً نہ پایا جائے۔ جیسے معاد کا یا خدائے تعالے کے وجود کا یا نبی کا یا اور ضروریات دین کا انکار کرنا۔ اور کفر کا التزام کفر ہے۔ اسکا لزوم کفر نہیں۔ اگر مدلول نص کو مدلول نص اعتقاد کرکے بے تاویل انکار کرے اور۔ کہے کہ ہرچند نص وارد ہے مگر میں اس بات کو قبول نہیں کرتا۔ یہ کفر کا التزام ہے اور اگر نص کو تاویل کرکے اگرچہ وہ تاویل حقیقت میں صحیح نہو مدلول ظاہر کو نہ مانے تو یہ لزوم کفر ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب کسی حکم منصوص کا جو بنص قطعی ثابت ہے تاویل باطل کے ساتھ انکار کرتے ہیں۔ تو کفر لازم نہیں آتا سو یہی حال شیعہ کا ہے کہ وہ دین محمدی کو حق جانکر ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اس اجماع سے جو خلفائے ثلثہ کی خلافت پر ہوا ہے اجماع سمجھکر انکار نہیں کیا ہے

له دیکھو کیمیائے سعادت میں لعن یزید کی بحث ۱۲

بلکہ ایک شبہ اُنکے دل میں پیدا ہوگیا ہے جس سے اجماع کے منکر ہیں۔ اور وہ شبہ یہ ہے کہ علی مرتضیٰ نے بسبب تقیہ کے خلفائے ثلثہ سے بیعت کی تھی اور حقیقت میں اُن کے خلیفہ برحق ہونے کے معتقد نہ تھے پس در اصل اجماع منعقد نہیں ہوا تھا اگرچہ یہ شبہ باطل ہے مگر اُنکے عندیہ میں تو صحیح ہے۔ اسلئے تکفیر سے روکتا ہے پس اس طرح کی باتیں بدعت ہیں۔ کہ تاویل سے صادر ہوئی ہیں۔ اور یہاں سے عدم تکفیر خوارج کا بھی بیشتر ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا ہے۔ یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ یعنی دین سے ایسے نکل جاوینگے جیسے تیر شکار میں سے۔ اس سے مقصود نکل جانا امام برحق کی اطاعت سے ہے۔ اور حقیقت میں اسلام سے نکل جانا مراد نہیں اور عموماً صحابہ اور خصوصاً شیخین کو برا کہنا کفر نہیں فسق ہے۔ اسلئے کہ مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور صحابہ اور دوسرے مسلمان اس حکم میں برابر ہیں۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان خلفائے راشدین میں سے کسی کو قتل کر ڈالے تو بھی وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ برا کہنا قتل سے کمتر ہے۔ ہاں معاصی کا حلال جاننا کفر ہے۔ جس طرح ترک صلوۃ کفر نہیں بلکہ ترک کو حلال جاننا کفر ہے۔ تکفیر[1] شیعہ ہمارے ائمہ متقدمین کی رائے نہیں۔ یہ افواہ متاخرین میں پھیل گئی ہے امر منقح اور قول مفتی بہ مرجح یہ ہے کہ جو شیعہ منکر ضروریات دین ہوں وہ کافر ہیں[2] شرکت اُنکے ساتھ مثل شرکت اسلام کے جائز نہیں۔ اور جو ایسے نہوں۔ گو صحابہ کو برا کہتے ہوں وہ فاسق ہیں کافر نہیں۔ اور یہ جو امام ابوحنیفہ و امام شافعی سے مروی ہے کہ شیعہ کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ سو یہ بات اُنکے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ اہل سنت کو انکی اقتدا سے روکا ہے۔ کیونکہ انکی بدعت نے زور پکڑا۔ تو اُنکے ایمان میں شبہ پیدا ہوا پس اہل سنت کو حکم دیا کہ اُنکے پیچھے نماز خراب ہوگی[3]

---

[1] دیکھو بحر الرائق ۱۲ منہ [2] دیکھو فتاوی مولوی عبدالحی مرحوم جلد اول صفحہ ۱۴۵ و ۲۴۳ وغیرہ ۱۲ منہ [3] دیکھو فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ۱۲ منہ

کرامات اولیا

کرامات اولیاء اللہ کی حق ہے اور کرامت ایسے فعل خارق عادت کو کہتے ہیں جو نہ دعوے نبوت کے ساتھ مقرون ہو اور نہ کفار کے مقابلہ میں واقع ہو اور جس شخص سے کرامت صادر ہو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات صفات کا عارف ہو بقدر طاقت بشری اور نشانی اسکی یہ ہے کہ زہد اور تقویٰ اختیار کرے اور یاد حق میں ہمیشہ مشغول رہے خلاف طریقہ سنت نبوی کے کوئی کام نہ کرے اعتماد اسکا خدا پر ہو ماسوائے اللہ سے بالکل قطع تعلق کرتا ہو اور عشق و محبت نبی کے اسکے ظاہر و باطن میں سرایت کیا ہو ۔ مجملاً ولی کیواسطے طاعت پر مواظبت شرط ہے۔ اسی مواظبت کو عرف میں **استقامت** کہتے ہیں پس اگر دین پر مستقیم نہ ہوگا۔ اور اس سے کوئی خرق عادت صادر ہو تو وہ کرامت نہیں بلکہ استدراج اور مکر اللہ ہے۔ اور حق تعالیٰ جب چاہتا ہے ولی سے کوئی بات کرامت کی کروا دیتا ہے ہر وقت اس سے کرامت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور یہی معنی ہیں خرق عادت کے اگر ہر وقت اس سے کرامت ہوا کرتی۔ تو عادت ہو جاتی۔ خرق عادت نام نہ رہتا۔ اور خرق عادت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جیسے کسی پوشیدہ بات کا ظاہر کرنا۔ اور ظاہر کا پوشیدہ کر دینا اور دعا کا قبول ہو جانا اور مسافت بعیدہ کا تھوڑے سے عرصے میں طے کر لینا۔ اور غائب چیزوں پر مطلع ہونا اور انکی خبر بیان کرنا۔ اور ایک وقت میں مختلف مقاموں میں ظاہر ہوتا۔ اور حیوانات و نباتات و جمادات کا کلام سننا اور کھانے پینے کی چیزوں کا حاجت کے وقت بلا سبب بہم پہنچانا یا پہنچنا اور ہوا میں اڑنا اور ایسی طاقت کا ظاہر کرنا جو قوت بشری سے باہر ہو۔ اور کرامات اولیا انکے نبی کے واسطے معجزہ شمار کی جاتی ہیں۔ کیونکہ پیرو لوگوں سے ایسے امور کا ظاہر ہونا اس نبی کی صداقت کے لئے دلیل بین ہے۔

ولی نبی کے رتبے کو نہیں پہنچتا

کوئی ولی نبی کے مرتبے کو اللہ تعالیٰ سے قرب اور اسکے نزدیک فضل و کرامت

میں نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ولی کے لئے پیغمبر پر ایمان لانا فرض ہے۔ اور ولی اموں الخاتمہ نہیں اور پیغمبر خوف خاتمہ سے بری ہے اور معصوم ہے۔ اور ولی کا نفس بالذات معصوم نہیں۔ البتہ محافظت کرنے سے بُرے کاموں سے بچتا رہتا ہے۔ اور پیغمبر کے پاس وحی آتی ہے، فرشتوں کا مشاہدہ کرتا ہے، اور لوگوں کے پاس پیغام پہنچانے کے لئے مامور ہے۔ بخلاف ولی کے بلکہ اسپر تو دلیل کی بھی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اولیا کو یہ مرتبہ ولایت اللہ کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ اور انبیا کی طاعت بھی عین اللہ کی اطاعت ہے۔ چنانچہ قرآن میں خود اللہ فرماتا ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ[1]

تکالیف شرعی عاقل و بالغ سے ساقط نہیں ہوتیں

کوئی آدمی اس مرتبے کو نہیں پہنچتا کہ احکام دینی اور تکالیف شرعی اُس سے ساقط ہو جائیں بشرطیکہ عاقل و بالغ ہو خواہ کوئی نبی یا ولی ہو یا مومن صالح ہو یا کوئی اور ہو کسی سے بے عذر شرعی احکام شرعی معاف نہیں جس طرح اور سب پر فرض واجب ہیں۔ اسی طرح ولی نبی پر بھی کیونکہ جس قدر خطابات تکلیف شرعی میں وارد ہیں سب عام ہیں کسی کی اُس میں خصوصیت نہیں۔

نصوص شرعی ظاہر پر محمول ہیں

آیات قرآن اور احادیث کا ظاہر پر محمول ہونا ضرور ہے۔ کیونکہ سب ظاہر قرآن و حدیث کے ساتھ مکلف ہیں۔ مگر جس کا کہ ظاہر سے پھیرنا بتواتر ثابت ہوا ہو۔ اسکی تاویل چاہیئے اسکے سوا جائز نہیں شیعہ باطنیہ کہتے ہیں کہ کتاب و سنت میں وضو اور تیمم اور نماز روزہ اور زکوۃ اور حج اور بہشت اور دوزخ اور قیامت وغیرہ کی نسبت جو کچھ وارد ہوا ہے وہ ظاہر پر محمول نہیں ہے اسکے اور ہی معنی ہیں۔ اور جو معنی لغت سے

---

[1] دیکھو سواد اعظم میں بحث افضلیت انبیا بر اولیا ۱۲ منہ

مفہوم ہوتے ہیں وہ شارع کی مراد نہیں۔ مثلاً حج سے مراد امام کے پاس پہنچنا ہے اور روزے سے مذہب کا مخفی رکھنا اور نماز سے مراد امام کی فرماں برداری وغیرہ وغیرہ مصباح الہدایت میں لکھا ہے کہ صوفیہ کے ساتھ جھوٹی مشابہت رکھنے والی ایک جماعت ہے جو **باطنیہ و مباحیہ** کہلاتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ احکام شرعی کی پابندی عوام کے لئے ہے۔ جو اشیا کی ظاہری باتوں کے سوا کچھ نہیں سمجھتے۔ باریکیوں اور حقایق و دقایق سے نابلد ہیں۔ خواص اور اہل طریقت کی سمجھ عالی ہے۔ ان کے لئے رسوم ظاہری کی قید ضرور نہیں۔ اسی لئے انہوں نے کہا ہے۔ کہ قرآن و احادیث کے معانی یہ نہیں ہیں جو الفاظ کی ظاہر دلالت سے سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ قرآن کو اللہ اور اللہ کے رسول اور اولیار اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مثلاً اقیموا الصلوۃ کے یہ معنی نہیں کہ نماز پڑھو۔ بلکہ نماز مناجات ہے اللہ تعالےٰ سے حضور قلبی کے ساتھ اور یہ قیام وقعود محض بیکار ہے اور روزے کی اصل یہ ہے کہ نفس کو اُسکی خواہشوں کو پورا کرنے سے روکے اور زکوۃ کی اصل یہ ہے کہ مال کی محبت یکقلم دل سے نکالڈالے اور حج کی اصل سیر ہے اللہ تعالےٰ کی طرف اور مناسک کی اصل سیر ہے اللہ میں اور اسمیں خیال جمانا وغیرہ وغیرہ یہ سب ملحدانہ باتیں اصل شرع کی ہادم ہیں۔ بلکہ انسے ورا اصل نبیؐ کی تکذیب ہوتی ہے اور مدار شرع کا احکام ظاہری اور تکالیف خارجی پر ہے۔ اگر باطنی طریقوں اور تلقین کا اعتبار کیا جائے۔ تو یہ سب باتیں بیکار ہوتی جاتی ہیں۔ سب کا دار و مدار شیون قلبی پر آکر ٹھیرتا ہے اور اس سے شریعت کا باطل کرنا ہے دوسرے جب قرآن کے معانی اللہ اور رسول اور اولیار اللہ اور علمائے فرقہ باطنیہ کے سوا اور کوئی نہیں سمجھتا۔ تو پھر تمام خلق کے لئے قرآن کا بھیجنا لغو اور بیکار ٹھیرتا ہے حالانکہ قرآن کے نزول سے مقصود ہدایت ہے۔ ہاں جو حقایق اور دقایق قرآن محققین ارباب سلوک سمجھتے ہیں حق ہیں۔ لیکن وہ ظاہری معنی کا انکار نہیں کرتے بلکہ انکو مانکر پھر اور دقایق نکالتے ہیں کہ ظاہری مرادات سے منطبق ہوتے ہیں اور انکو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں رکھا ہے کیونکہ قرآن کے لئے ظہر اور بطن احادیث صحاح سے ثابت ہے

تناسخ

مرے کو دنیا میں قیامت سے پہلے رجوع نہیں ہے اور تناسخ ارواح کا یعنی یہ اعتقاد

ہے تناسخ کیلئے یہ ضرور ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے خالق ہونے سے انکار کرے اور نجات کو ابدی نہ سمجھے اور خدا تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے کہ وہ گناہ نہیں بخشتا اور کسیکی توبہ قبول نہیں کرتا اور کسی پر رحم نہیں کرتا ابوریحان بیرونی نے کتاب الہند کے صفحہ ۲۴ میں ایک طویل بحث تناسخ کے باب میں لکھی ہے اس کتاب میں لکھا ہے اس کتاب میں کہا ہے کہ جس طرح شہادت کلمۂ اخلاص کے ساتھ مسلمان کا ایمان ہے اور تثلیث نصرانیت کی علامت ہے اور سنیچر کے دن سوا عبادت کے کچھ کام نہ کرنا یہودیت کی نشانی ہے اسی طرح تناسخ کا اعتقاد ہندو مذہب کی علامت ہے جو اسکا معتقد نہو وہ اسمیں سے خارج ہے اور اسکا شمار ہندوؤں میں نہیں ہے ہندو کہتے ہیں کہ نفس جبتک عاقل نہو اُسکو مطلوب کا احاطہ پورے طور پر دفعۃً بلا استمداد زمانے کے نہیں ہو سکتا اور محتاج ہوتا ہے جزئیات کی تتبع اور ممکنات کی تلاش کیطرف اور یہ چیز اگرچہ متناہی ہیں مگر انکی تعداد متناہی بھی بہت بڑی ہے اور تعداد کثیر حاصل کرنے کیلئے مدت درکار ہے اسی لئے نفس کو علم نہیں حاصل ہوتا جبتک بہت سے اشخاص اور انواع کو مشاہدہ نکرے اور جو کچھ ان اشخاص و انواع کے اقوال و افعال ہیں اُنکو نہ دیکھ لے یہانتک کہ نفس کو انہیں سے ہر چیز کے مشاہدے سے ایک تجربہ پیدا ہوتا ہے اور معرفت بڑھتی ہے لیکن اسوجہ سے کہ قوے مختلف ہیں تو افعال بھی مختلف ہیں اور عالم ہمیشہ تدبیر میں مصروف ہے اور سوا اسکے نہیں کہ وہ مذموم ہے اور ایک غرض تک جو اس سے متعلق ہے مستحسن ہے پس باقی ارواح ان جسموں پر انے بدنوں میں پھرتی رہتی ہیں اور جیسے اُن ارواح نے برے بھلے کام کئے ہوتے ہیں انکے موافق انکو اچھے برے بدن ملتے ہیں تاکہ جو اچھے بدن میں آئیں انکو نیک کام کیطرف رغبت ہو جائے اور کار خیر بہت سا انکے لئے آمادہ ہو جائے اور جو برے بدن میں آئیں وہ موقع پر کوشش کریں پس یہی انکے لئے ثواب و عقاب ہے اور یہی ثواب و عقاب ان کیلئے کار خیر کرنے اور شر سے بچنے کا نمونہ ہوتا ہے اور یہ پھرنا ارذل سے افضل کیطرف ہوتا ہے نہ بالعکس اسلئے کہ روح ارذل اور اعلےٰ دونوں میں ہونیکا احتمال رکھتی ہے اور اس روح کے اندر ارذل اور اعلےٰ میں سے ایک کے مختص ہونیکا اقتضا نہیں ہے اور یہ اقتضا احوال کے اختلاف کی وجہ سے نہیں ہے اور افعال میں اختلاف مزاجوں کے تباین سے ہے اور ازدواج یعنی اختلاطات کی کمیت و کیفیت کی مقداروں کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے پس اسی کا نام تناسخ ہے اور یہ تناسخ اس وقت تک ثابت ہوتا ہے کہ نفس اور مادہ دونوں اپنے کمال غرض کو پہنچ جاتے ہیں

اور اس اعتقاد میں یونانی بھی ہندوؤں کے موافق ہیں اس بحث کا تتمہ یہ ہے ابوریحان کہتے ہیں کہ صوفیہ کے نزدیک ...

کہ انسان جیسا عمل کرتا ہے اُسکو جزا و سزا اسی دنیا میں اس طرح دیجاتی ہے کہ روح
ایک جسم عنصری سے متعلق ہوتی ہے اور پھر اسکے رفع ہونے اس تعلق کے دوسرے جسم
عنصری سے جو پہلے مغائر ہوتا ہے متعلق ہوتی ہے باطل ہے کیونکہ (۱) مجرم کو سزا
دیتے ہیں تو اُسکو اول جرم کی اطلاع دینا ضرور ہے کہ فلان جرم فلان وقت میں
تو نے کیا تھا اُسکے عوض میں یہ سزا دیجاتی ہے۔ لیکن کوئی انسان اس بات کا علم
نہیں رکھتا ہے کہ مجھ کو جو تکلیف لاحق ہے فلان جرم کی وجہ سے ہے جو اس جسم کے
حاصل کرنے سے پیشتر کسی اور جسم سے تعلق رکھنے کی حالت میں سرزد ہوا تھا
پھر ایسی بے خبر سزا سے کیا فائدہ ہے (۲) اگر تناسخ سے تبدیل ابدان ہو کر انسان
اپنے اعمال کی سزا پاتا ہے تو بتلائے شروع ہستی میں انسان نے کونسا عمل کیا جسکی
وجہ سے جسم انسانی حاصل ہوا اور گائے گھوڑے اونٹ اور ہاتھی نے کونسا عمل کیا
جس سے ابتدا میں یہ جسم ملا پس ہر ایک نوع حیوانات جدا جدا مخلوق ہے۔ اور
دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا ہے (۳) اللہ تعالے مجرمین کی زبانی کہتا ہے
یٰلیتنا نرد ولا نکذب بآیت ربنا کاش ہم پھیرے جائیں اور نہ جھٹلائیں
نشانیاں اپنے رب کی ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا
اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو پھیر بھیج کہ ہم اچھے کام کریں۔ پس اگر تناسخ
ارواح میں واقع ہوتا تو اللہ تعالے اُن کے جواب میں فرماتا کہ تم آرزو پھر جانے کی کرتے ہو
تم کو کئی دفعہ دنیا میں لوٹا دیا ہے مگر ایسا نہیں فرمایا۔

مردوں کیلئے دعا و صدقہ

زندوں کی دعا مردوں کیواسطے اور صدقہ دینے میں مردوں کی طرف سے مردوں کو
نفع ہے اور خدائے تعالے اپنے فضل و کرم سے دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور حاجتوں کو
پورا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالے نے ہر چیز کے لئے سبب پیدا کیا ہے بعض اسباب ظاہر
ہیں بعض چھپے ہیں اسباب کی تاثیر کا ایک اندازہ ہے جب اللہ چاہے اُسکی تاثیر

اندازے سے کم زیادہ کر دے جب چاہے ویسی ہی رکھے آدمی کبھی کنکری سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اندازے کو تقدیر کہتے ہیں یہ دو تقدیریں ہیں۔ ایک بدلتی اور ایک نہیں بدلتی جو تقدیر بدلتی ہے اسکو معلق کہتے ہیں اور جو نہیں بدلتی اسکو مبرم بولتے ہیں۔ یعنی اللہ نے دعا کرنے اور صدقہ دینے کو تقدیر کے رد کرنیکا سبب بنایا ہے۔ بلکہ یہ بھی مقدر کیا ہے کہ جب بندہ دعا کریگا اور صدقہ دیگا۔ تو نفع پہنچیگا بلا اُسکی دفع ہوگی اور تمام اسباب عالم باوجود قضا و قدر الٰہی کے یہی حکم رکھتے ہیں۔ جیسے کہ ادویہ طبیہ شفا کے لئے اور بندوں کے اعمال بہشت دوزخ میں داخل ہونے کے لئے۔ تقدیر معلق کے تغیر سے اللہ کے علم میں تغیر ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ نسبت خلق کے تغیر ہوتا ہے

امامت

امامت ریاست عامہ ہے۔ اہل اسلام اور ذمیوں وغیرہ کے دین و دنیا کے کاموں کی حفاظت کے لئے بطور نیابت کے رسول علیہ السلام کی طرف سے یعنی علم دین کا جاری کرنا اور ارکان اسلام کا قایم رکھنا اور نیک کاموں کے لئے حکم فرمانا اور بُرے کاموں سے منع کرنا اور کافروں پر جہاد کرنا اور قاضی مقرر کرنا۔ اور شرعی سزائیں جاری رکھنا وغیرہ وغیرہ جس طرح نبی علیہ السلام کی ذات فایض البرکات سے انجام پاتے ہیں۔ اسی طرح یہ شخص بھی جو منصب امامت کے ساتھ نامزد ہوا ہے انجام دیگا پس اگر کوئی بادشاہ نہو اور اُسکا حکم نہ مانا جائے وہ ہرگز امام نہوگا ہم کتنا ہی اُسے افضل فرض کریں اور جانیں کہ یہ فاطمی ہے اور معصوم بھی ہے اور طاعت بھی اُسکی واجب ہے اور اگر کوئی کافر بزور شمشیر ملک پر قبضہ حاصل کرے اور شریعت کے احکام کو مٹا دے اور تمام رعایا سے خراج و باج لیتا ہے اور دین اسلام کے کام میں مصروف ہو۔ وہ امام نہ کہلائیگا۔ اور جو امام مصلے پر بیٹھنے والا تسبیح ہاتھ میں رکھنے والا ہمیشہ کتب علمیہ کا مطالعہ کرنے والا طلبا کو پڑھانے والا مشکل علموں میں کتابیں تصنیف کرنیوالا دقایق کا حل کرنیوالا اور خونریزی اور کفار کا مال چھیننے سے بچنے والا ہو اور اُسکے عہد میں بعض آدمی بعض

پر ظلم کریں اور قوی ضعیف کو ستائیں۔ اور شریفوں کو مفسدوں کے ہاتھ سے آبرو بچانی مشکل ہو۔ تو ایسے امام کی احتیاج مسلمانوں کو نہیں کیونکہ جو کچھ امامت و سلطنت کے لئے ضروری ہے۔ وہ اُس سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور امامت کے ثبوت کے تین طریقے ہیں نص۔ اختیار۔ دعوت۔ پچھلے دونوں طریقے ایسے ہیں کہ انکی نسبت مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ امامیہ ان کے ابطال پر متفق ہیں۔ اور سنت وجماعت اور معتزلہ اور خوارج اور زیدیہ کہتے ہیں کہ دعوت امامت کا طریقہ ہے جمہور کی یہ رائے ہے کہ امامت کا سارا بحث حقیقۃً مسائل فقہیہ میں سے ہے اسلئے کہ امام کا مقرر کرنا دلیل سمعی سے واجب ہے۔ پس یہ حکم مکلف سے متعلق ہے جو فقہ کا موضوع ہے مگر گروہ ناجی اور فرقہائے ہالکہ کا اختلاف کھولدینے کی غرض سے علم کلام میں لے آتے ہیں لیکن اس باب میں حق وہ ہے۔ جو صاحب مسامرہ شرح مسائرہ ابن ہمام نے اختیار کیا ہے کہ امامت کے سارے مباحث ایسے نہیں ہیں جو صرف فعل مکلف سے متعلق ہوں اسواسطے کہ ان میں سے بعض اعتقادی بھی ہیں مثلاً اس بات کا اعتقاد کرنا کہ امام اول حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر اور خلفا کی تفضیل علی الترتیب بھی اسی قبیل سے ہے پس اس مسئلے کے عقائد سے ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ مگر باوجود اسکے جمہور اسکو ظنی جانتے ہیں قطعیت پر کوئی دلیل کافی قایم نہیں۔ القصہ بلحاظ دلائل نقلی اہل سنت کا قول ہے کہ مسلمانوں کو قیامت تک واجب بالکفایہ ہے۔ امام یعنی سلطان کا مقرر کرنا۔ اسلئے کہ مکلفین کے کام جیسے حدود کا قایم کرنا اور جہاد کرنا اور احکام شرع کے موافق فتوے دینا۔ اور علوم دین کو پھیلانا اور ارکان اسلام کا قایم رکھنا اور کفار کو علمداری اسلام سے بھگانا۔ اور امر معروف اور نہی منکر کرنا۔ اور دشمنوں پر چڑھائی کے لئے لشکر درست کرنا مال غنیمت اور خمس تقسیم کرنا۔ اور جن بچوں کا ولی کوئی نہیں ہے انکی ولایت کرنا وغیرہ باتیں سلطان سے وابستہ ہوتی ہیں۔ پس اسکا مقرر کرنا بھی مکلفین کی رائے پر واجب ہے اسلئے

لہ دیکھو نہایۃ العقول ۱۲

کہ مقدمہ واجب اُسی پر واجب ہوتا ہے۔ جسکے ذمے واجب ہے نہ دوسرے پر پس وجود
امام جانب خدا سے بحکم خدا واجب نہیں بلکہ جانب خدا سے اسکا تقرر بہت سے مفاسد
کا موجب ہے۔ اسلئے کہ مخلوق کی رائیں اور خواہشات نفسانی مختلف ہوتی ہیں پس
ایک شخص کو یا کئی اشخاص کو تمام عالم کے انتظام کے لئے تمام زمانوں میں مقرر کرنا
بڑی بڑی خرابیاں پیدا کریگا طرح طرح کے جھگڑے اور فساد کھڑے ہونگے۔ امامت
کمزور ہو جائیگی۔ دشمن غلبہ کرینگے۔ اور امام کو اپنی جان کے خوف سے تقیہ کرنا اور مخفی
ہونا پڑیگا۔ بلکہ جان و مال معرض ہلاکت میں آجائینگے۔ اور اسی وجہ سے مخلوق کے سامنے
کبھی اپنی بیان کو ظاہر نہ کرسکیگا۔ ان قبائح پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا
تقرر خدا کے ذمے جاننا۔ اور اُسے الطاف الٰہی سے شمار کرنا باطل ہے۔ اگر امام کا مقرر
کرنا لطف الٰہی ہوتا۔ جیسے کہ نبی کا ہونا لطف ہے۔ تو اس شرط سے ہوتا کہ امام کو
تائید غیبی ہوتی۔ اور مخالفین پر غلبہ حاصل ہوتا۔ اور اظہار حق کے لئے کوئی برہان
اُسکے ساتھ ہوتی۔ اور جبکہ کوئی ایسی بات امام کے ساتھ نہیں ہے۔ تو پھر لطف الٰہی کیسا
ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوا۔ کہ امام کا مقرر کرنا مکلفین پر واجب ہے تاکہ حاجت کے وقت
اپنی مصلحت کے موافق کسی کو اپنا رئیس بنائیں۔ اور امام کے لئے نو[1] شرطیں ہیں
(۱) مسلمان ہو (۲) مرد ہو کیونکہ اکثر مہمات امارت بدوں عقل کامل اور شجاعت وفہم
کے دشوار ہیں اور یہ عورات میں معدوم ہیں (۳) غلام نہو (۴) عقل (۵) بالغ ہو

[1] نہایت العقول فی درایۃ الاصول میں امام رازی نے لکھا ہے کہ امام میں ان نو صفات کا ہونا چاہئے
(۱) مجتہد ہو اصول و فروع دین میں (۲) ذی رائے و صیانت ہو (۳) شجاع ہو (۴) صاحب عدالت ظاہر
میں ہو اور یہ چار (۴) صفات موقوف ہیں ان چار صفات پر (۱) مرد ہو (۲) آزاد ہو (۳) بالغ ہو (۴)
عاقل ہو۔ یہ آٹھوں صفات بالاتفاق معتبر ہیں۔ اور نویں صفت یہ ہے کہ قریشی ہو۔ اور
یہ اہل سنت کے نزدیک معتبر ہے اور معتزلہ میں سے ابو علی جبائی۔ اور ابو ہاشم کا بھی
یہی مذہب ہے۔ اور جاحظ نے کہا ہے کہ قریشی ہونا جملہ معتزلہ کے نزدیک مشروط نہیں اور
یہی رائے خوارج کی ہے۔ ۱۲ منہ

کیونکہ بغیر اسکے اپنے نفس پر بھی ولایت نہیں ہو سکتی پھر ولایت عامہ کیونکر ہو سکتی ہے (۵) عادل ہو۔ کیونکہ فاسق کی گواہی کے قابل نہیں اور امارت عامہ کی اہلیت سے بالاتر ہے۔ اور عدالت صفت قلبی اور ملکۂ نفسانی ایسا ہے جسکی وجہ سے آدمی متقی پرہیزگار بامروت ہو جاتا ہے۔ اور اُس سے التزام کے ساتھ تقوے اور مروت کے کام صادر ہوتے ہیں۔ اور گناہ کبیرہ کرنے سے فوراً عدالت جاتی رہتی ہے۔ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا بھی قادح عدالت ہے۔ اور مروت سے یہ مراد ہے کہ اخلاق اور عادات اپنے زمانے کے امثال اور اقران کے یا اُنسے اچھے اختیار کرے۔ یا اُس شہر کے آدمیوں کے سے اختیار کرے جہاں رہتا ہے۔ پس جو کام اسکے امثال و اقران پر باعث مضحکہ ہوں سب خلاف مروت اور قادح عدالت ہیں۔ (۷) قوم کا قریش ہو (۸) ناقص الاعضا[^1] یعنی گونگا بہرا اور اندھا نہو اسلیئے کہ امام پر واجب ہے حکم دینا اس طرح کہ اُسکے مطالب میں شبہ نہ پڑے اور مدعی اور مدعا علیہ اور مقر اور مقر لہ اور شاہد و مشہود کی شناخت اور اُن کا کلام سننا اُسکے واسطے ضروری ہے۔ اور واجب ہے اسپر مقرر کرنا اپنی طرف سے نائبوں اور قاضیوں کا شہروں میں اور لشکروں کو جہاد میں حکم دینا۔ اور یہ سب باتیں سلامتی اعضا کے بدوں ممکن نہیں (۹) مجتہد[^2] ہو۔ اور مجتہد ہونے سے صرف اس قدر مراد ہے کہ جن چیزوں کی احتیاج ہے انکا عالم ہو۔ کیونکہ ضروری چیزوں کا جاننا امام کے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ تمام کاروبار اور

---

[^1]: تذکرۃ الفقہا میں کتاب السیر کے اندر امام کے صفات یوں مذکور ہیں۔ وانما یصلح الا ماماً بالغ عاقل ذکر حر مسلم عدل مجتہد تقی یبنی وضع الحقوق فی مواضعہا سائس مستقل بتدبیر الامور الدینیۃ الکثیرۃ الاصابۃ شجاع مقدام بحیث یجوز اسلامۃ سلیم السمع والبصر والنطق الیدین والرجلین بتقدمہ لو محاباۃ لانہ لا یجوز امامان لا افضل منہ فی جمیع الاعمال انتہیٰ منہ۔ اور شرح مقاصد میں امام کے لئے حسب ذیل شرایط لکھی ہیں مکلف ہو مسلمان ہو صاحب عدالت ہو۔ آزاد ہو۔ مرد ہو۔ مجتہد ہو۔ شجاع ہو۔ صاحب رائے کفایت ہو۔ کان آنکھ زبان درست ہو۔ قریشی ہو۔

[^2]: دیکھو ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا مقصد اول مسئلہ شروط خلافت ۱۲ منہ

احکام کے اجرا کا مدار سلطان پر ہے اور جبکہ اُسکو اتنا علم نہ ہوگا جس قدر سے حق و باطل میں تمیز کر سکے تو لامحالہ تمام معاملات کو خبط کر دیگا۔ خاصکر جبکہ خود احکام شرعی کو جاری کریگا۔ اور بنفس خود اُن کاموں کو انجام نہ دیتا ہو تب بھی اس قدر واقفیت ضروری ہے کہ علما میں سے کوئی عالم متقی پرہیزگار صاحب عدالت احکام شرعی کے جاری کرانے کے لیے مقرر کرے اگر خود اتنا تمیز نہ رکھتا ہو تو کسی اچھے عالم سے ایسے عالم کے حال کو دریافت کر لے۔ فتاوے ابراہیم شاہی میں مذکور ہے کہ بعض کے نزدیک امام کا مطاع ہونا شرط ہے۔ اور اکثر کا مذہب یہ ہے کہ شرط نہیں اسلئے کہ امام کی اطاعت سب پر فرض ہے جو کوئی اسکی اطاعت نہ کریگا وہ گناہگار ہے۔ رعایا کی نافرمانی ریاست کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔ پھر اگر غلبہ حاصل نہو تو یہ نافرمانی رعایا کے تمرد میں شمار ہوگی لیکن عدالت و قرشیت مشروط ہیں حالت اختیاری میں پس دیدہ و دانستہ فاسق کو یا غیر قرشی کو اگر امام کریں تو البتہ گناہگار ہوں امامت اُسکی منعقد ہو جائیگی۔ اور پھر اُس پر خروج جائز نہوگا۔ اگر تسلط کر کے فاسق یا غیر قرشی بادشاہ بن جائیگا۔ تو وہ خود گناہگار ہوگا۔ لوگوں پر اطاعت اُسکی فرض ہوگی۔ اور خروج اُسپر حرام ہوگا۔ اور شرط ہونا اسلام کا ساقط نہیں ہوتا ہے اسلئے کہ لفظ اولا منکم غیر مسلم کو شامل نہیں اور شرط ہونا ذکورت اور حریت اور سلامتی اعضاء اور اجتہاد کا مثل عدالت کے ہے پس اگر عورت یا غلام یا ناقص الاعضا یا غیر مجتہد مسلط ہو جاوے تو اطاعت اُسکی واجب ہوگی۔ پس ظاہر ہوا کہ اسلام کے سوا امامت میں کوئی اور بات جیسا بنی ہاشم یا اولاد علی ہونا یا افضل زمانہ ہونا یا معصوم ہونا شرط نہیں۔ جو قیدیں شیعہ نے لگائی ہیں اور امام فسق و فجور سے معزول نہیں ہوتا بلکہ مستحق عزل ہو جاتا ہے۔ پس اس سبب سے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس امام کو برطرف کریں ہاں اُسکو حتی المقدور اس گناہ سے باز رکھیں اور اسکے نیک بخت ہونیکی دعا کریں کیونکہ برطرف کرنے میں فتنہ عظیم کا ڈر ہے

متفرقات

آنحضرت کی امت سب امتوں سے بہتر ہے اور اُنکی شریعت سب شریعتوں کی

جامع ہے اور ان کا دین سب دینوں کا ناسخ ہے اور نسخ احکام آنحضرت کے بعد شرعاً جایز نہیں۔ اور نیک کام کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا واجب ہے اور شرط اُسکی یہ ہے کہ فساد پیدا ہونے کا خوف نہو۔ اور قبول کر لینے کی توقع ہو اور انبیا افضل ہیں تمام ملائکہ سے اور اولیا و زہاد کو فضیلت ہے عوام ملائکہ پر سوائے اُن ملائکہ کے جو رسول ہیں اسلئے حق تعالےٰ نے جنت انسان کے لئے پیدا کی ہے۔ اور پیدا کرنا حق تعالےٰ کا ذریت حضرت آدم کو پشت آدم علیہ السلام سے اور توحید پر اُن سے میثاق لینا حق ہے۔ اور میثاق لینا پیغمبروں سے واسطے تبلیغ کے اور نیز واسطے تصدیق بعض کے بعض سے حق ہے۔ اور لوح و قلم اور جو کچھ اُس میں مسطور ہے حق ہے اور مجتہد[1] کبھی خطا بھی کرتا ہے اور اُس خطا میں معذور ہے اور حق و صواب پر بھی ہوتا ہے اور اعتقاد کرنا چاہئے۔ مسح موزہ کا حضر و سفر میں مسافر کو تین شبانہ روز اور حلال[2] جاننا گناہ کا صغیرہ ہو یا کبیرہ اور اُسکا سبک جاننا کفر ہے۔ اور شریعت کے ساتھ تمسخر کرنا اور اُسکی اہانت کرنا کفر ہے اور کفر کے کلمے سے ہزل کرنا کفر ہے اگرچہ اسپر اعتقاد نہو۔ کیونکہ ہزل موجب سبک جاننے کا ہے۔ اور جب گناہ کا سبک جاننا کفر ٹھیرا۔ تو

[1] عقد الجید میں شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اجتہاد کی تعریف علمائے حدیث مثلاً بغوی و رافعی علامہ نووی وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن حدیث مذاہب سلف لغت قیاس ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں۔ جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں جس قدر علم لغت درکار ہے سلف کے جو اقوال ہیں قیاس کے جو طریق ہیں قریب کل کے جانتا ہو اگر ان میں سے کسی میں کمی ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اُسکو تقلید کرنی چاہئے ۱۲ منہ

[2] متصوفہ مبطلہ میں سے ایک فرقہ کا نام اباحیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو قدرت گناہ سے بچنے کی۔ اور مامورات بجا لانے کی نہیں۔ اور نہ کوئی دنیا میں کسی چیز کا مالک ہے سب آدمی سب کے مال اور ازواج میں باہم شریک ہیں کذا فی تو ضیح المذاہب

سبک جاننا کفر کا بطریق اولےٰ کفر ہے اور خدا کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے - اور
خدا کے عذاب سے بے خوف ہونا کفر ہے اور نبیذ جیسے ہندی میں بوزہ کہتے ہیں بشرطیکہ
لہو و لعب کے لئے استعمال کی جائے حرام نہیں اور نبیذ یہ ہے کہ خرمے یا کھجور کو تنہا یا
مویز کے ساتھ یا جو شہد گیہوں جوار باجرہ وغیرہ غلے کو پانی میں تر کر کے رکھ دیتے ہیں
یہانتک کہ اسمیں تھوڑی سی تیزی آجائے اور اگر اتنا رہنے دیں کہ جوش کھا کر مسکر و
کیف ہوجائے تو حرام ہے یعنی بدلیل قطعی و یقینی اسکا ترک فرض ہے

مذاہب ثلثہ کے بعض اختلافی عقائد میں تطبیق

اب خیال کرو کہ اعتقاد میں خلاف پیدا ہوجانے کی وجہ سے ابتدا میں اشعریہ
ماتریدیہ و حنبلیہ میں باہم کسی قدر تباین و تنافر تھا - ہر ایک دوسرے کے عقیدے میں
قدح کرتا تھا لیکن انجام کو وہ اختلاف راجع طرف توفیق و تطبیق کے ہوگیا [۲]
فتاوےٰ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب میں مذکور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے علمائے اہل سنت
و جماعت کو دو چیزیں عطا کی ہیں ایک ذہن رسا کہ بسبب اسکے بات کی کنہ کو پہنچ
جاتے ہیں اور الفاظ پر نہیں اٹکتے دوسرے انصاف اور قلت حسد کہ اسکی وجہ سے
ہر ایک کے کلام کو بھلائی پر حمل کرتے ہیں اور حتی المقدور تضلیل و تکفیر کسی کی نہیں کرتے
مثلاً (۱) ماتریدیہ صفت تکوین کے قائل ہیں - اور اسے صفت حقیقی قدیم جانتے ہیں

---

[۱] جزو اول مواہب لدنیہ میں غزوہ حدیبیہ کے ذیل مذکور ہے قال ابو حنیفۃ لفقیہ الزبیب
والتمر اذا طبخ ادنیٰ طبخ ثم اشتد حل شربہ ما دون السکر منہ [۲] بدیع المعانی
فی شرح عقیدۃ الشیبانی یدرک کل منہم الی الحق وان کان قد حصل الخلاف بین الشیخ
ابی الحسن الاشعری شیخ اہل السنۃ من الشافعیۃ وبین الامام ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ
فی مسائل لا توجب من اصول الدین لکنہا یسیرۃ ولا تقتضی تکفیر ولا تبدیعا بل کل منہما
علی صراط مستقیم قال الشیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ ہذہ المسائل المختلف فیہا فیما بینہما
یعنی اہل سنت کے تمام مذاہب حق پر ہیں اگرچہ ہے بعض مسائل میں میان ابوالحسن اشعری و امام ابوحنیفہ کسی قدر اختلاف مگر
وہ اتنا زیادہ نہیں کہ تکفیر و تبدیع کسی کی ہوسکے بلکہ سب راہ راست پر ہیں ان مسائل اختلافی کو شیخ تاج الدین سبکی نے

اور اشعریہ صفت تکوین کو اعتباری کہتے ہیں صفت حقیقی نہیں مانتے اور خیال کرتے ہیں کہ تعلقات قدرت وارادہ سے یہ صفت حادث ہوتی ہے جس طرح تمام صفات کے تعلقات حادث ہیں۔ اُسی طرح یہ بھی حادث ہے۔ پس علمائے اشعریہ علمائے ماتریدیہ کے کلام کو جو صفت تکوین کے قدم کے قائل ہیں اُس صفت کے مبدء پر حمل کرتے ہیں یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ جن صفات سے تکوین حادث ہوتی ہے اور وہ قدرت وارادہ ہے وہ قدیم ہیں اور اس وجہ سے تکفیر وتضلیل نہیں کرتے (۲) اسی طرح اشاعرہ اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ کلام الٰہی غیر مخلوق ہے۔ اور مراد اس سے کلام نفسی ہے نہ الفاظ اسلئے کہ الفاظ جو کیفیات اصوات غیر قارہ ہیں اُنکا حدوث بدیہی ہے۔ اور بدیہی بات کا انکار مناسب نہیں۔ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ الفاظ اگرچہ کیفیات اصوات غیر قارہ ہیں لیکن عدیم القار ہونا وجود تلفظی میں ہے اور یہاں یعنی الفاظ کا وجود دوسرا ہے کہ وہ سامعین کی قوت متخیلہ میں ہے اور یہ وجود بطریق تجدد الامثال کے لبا قرار رکھتا ہے مثلاً شیخ سعدی کی گلستان کو باعتبار اسی وجود کے کہہ سکتے ہیں کہ مدت ۶۴۰ برس سے موجود ہے یعنی اُنہیں الفاظ کے ساتھ کہ منت مر خدائے را عزوجل الخ ہیں۔ پہلے سعدی کے متخیلہ میں وجود حاصل کیا پھر دوسرے سامعین کے متخیلہ میں وجود پایا۔ اسی طرح ہمارے وقت تک اسکو وجود حاصل ہوتا رہا پس کلام لفظی الٰہی کا علم الٰہی میں کلام نفسی قدیم نام ہے پھر حنابلہ کہتے ہیں کہ کسی طرح بدیہی کا انکار لازم نہیں آتا۔ بلکہ اس عموم نص کو کہ کلام الٰہی غیر مخلوق ہے ظاہر سے پھیرنا اور کلام نفسی پر محمول کرنا فہم وفراست سے بعید ہے۔ مگر اشعریہ اور ماتریدیہ نے جان لیا کہ حنابلہ کا کلام سرسری طور پر ہے۔ اسلئے اُنکی تکفیر وتضلیل نہ کی (۳) اشعریہ کہتے ہیں کہ افعال میں حسن وقبح باعتبار اس معنی کے نہیں ہے کہ افعال کی ذات کو حسن وقبح واجب ہے ورنہ شرع میں نسخ جائز نہ ہوتا اس لئے کہ جو چیز بالذات یا ذاتی ہوتی ہے اُس میں اختلاف اور تخلف نہیں پیدا ہوتا اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ افعال کے ورود شرع سے پیشتر کوئی حکم وجوب یا حرمت کا نہیں بلکہ شرع نے وجوب وحرمت کو افعال میں بیان کیا ہے مگر نفس فعل میں

ایک چیز ہوتی ہے کہ وہ وجوب کو چاہتی ہے۔ جیسے نماز کہ اُس میں معبود کی مناجات ہے
اور فعل ہی میں ایک ایسی چیز ہوتی ہے۔ جو اُس فعل کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔
جیسے زنا کہ اُسکی وجہ سے انساب میں خلط واقع ہوتا ہے۔ اور یہ بات زنا کی حرمت کو
چاہتی ہے اور شارع حکیم ہے اُسکا کوئی حکم مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں۔ کوئی
حکم اُسکا فضول اور عبث نہیں جس چیز میں اُس نے جو بات دیکھی اسی کے مطابق
اُس نے حکم دیا۔ جو چیز حرمت کو چاہتی تھی اُس فعل کو اس نے حرام کیا۔ اور جو قابل
وجوب تھی۔ اُسے واجب کیا۔ ہاں بعض افعال کا حسن و قبح ہماری فکر ناقص میں نہیں
آسکتا۔ اور ہماری ناقص قوتوں سے مدرک نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے اشاعرہ نے حسن و قبح
ذاتی کا انکار کیا تاکہ عوام ناقص قوتوں پر بھروسا کر کے جادۂ ایمان سے بھٹک نہ
جائیں۔ پس اشعریہ تکفیر و تضلیل نہیں کرتے (۴) اسی طرح اشاعرہ صفات حق تعالے
کو ذات حق تعالے پر زائد مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قدمائے مستقلہ یعنی ذوات متعددہ
کا ثابت کرنا کفر ہے۔ اور ایک ذات کی قدامت ثابت کر کے اس ذات قدیمہ کی صفات
کو بالتبع قدیم ماننا کفر نہیں۔ پس وہ ذات تو بالاستقلال قدیم ہوئی۔ اور اُسکی صفات
بالتبع قدیم ٹھیرے اور علمائے ماتریدیہ نے قدمائے متعدد اور توصیفات متعددہ سے
احتراز کر کے کہا کہ صفات الٰہی ذات الٰہی کی نہ عین ہیں نہ غیر اسلیئے کہ اگر عین کہتے ہیں
تو صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ جو مذہب فلاسفہ اور امامیہ اور معتزلہ کا ہے۔ اور اگر زائد
مانتے ہیں۔ تو مخالفین کی طرف سے طعن و تشنیع کی بوچھار متعدد قدما کے ثابت کرنے
پر ہوتی ہے اسلیئے عینیت اور غیریت دونوں کی نفی کی اور اشاعرہ نے سمجھا کہ غیریت مستقلہ
کی نفی مراد ہے جیسا کہ مسلک ہمارا ہے۔ اور اُن صفات کا انکار کرنا پڑتا نہیں اور یہی
وجہ ہے عینیت کی نفی کی ہے حالانکہ عینیت کی نفی وہی حقیقت کی نفی ہے۔ اور کسی
چیز سے اُسکی حقیقت کو نفی کرنا سراسر سفسطہ ہے (۵) اسی طرح علمائے ماتریدی کہتے
ہیں کہ نیک کبھی بد ہو جاتا ہے اور بد کبھی نیک بن جاتا ہے۔ اور علمائے اشعریہ کی
رائے یہ ہے کہ نیک وہ ہے جو ازل سے ہمیشہ ہی نیک ہو گیا۔ اور بد وہ ہے۔ جو

ماں کے پیٹ ہی میں بد ہو گیا یعنی نیکی اور بدی یہ دونوں انسان کے نصیب میں پیدائش سے پہلے ہی مقرر ہو جاتی ہیں۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کے اغراض پر غور کرکے تکفیر و تضلیل سے زبان کو روکا اسلئے کہ ایک فرقے نے انجام پر نظر کی۔ اور دوسرے نے وسط کا بھی لحاظ کیا۔ اور تبدیل سعادت و شقاوت کے قائل ہوئے۔ غرضکہ ماتریدیہ اور اشاعرہ میں خلاف لفظی ہے نہ معنوی ہر ایک کی منشا جدا ہے (۶) یہی حال ہے انکے اختلاف کا ایمان میں کہ جمہور محدثین شافعیہ و مالکیہ و حنابلہ ایمان تصدیق اور اقرار اور عمل تینوں کو قرار دیتے ہیں۔ اور عمل کو ایمان کا کامل کرنے والا سمجھتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک ایمان فقط تصدیق کا نام ہے اور اقرار تصدیق کا ظاہر کرنیوالا ہے۔ اسی وجہ سے وہ فرقے اپنے ایمان پر بھروسا نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں انا مومن انشاء اللہ اور حنفیہ کو اپنے ایمان پر جزم ہے اسی لئے کہتے ہیں انا مومن حقا اس لئے کہ کمال ایمان میں کہ مراد عمل سے ہے شبہ ہے کہ ہے یا نہیں اور نفس ایمان میں کہ صرف تصدیق ہے کسی طرح شبہ نہیں (۷) اسی طرح امام احمد حنبل اور اُن کے ساتھ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ ایمان مخلوق نہیں بلکہ علمائے بخارا نے تو کہا ہے کہ جو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ اسلئے کہ اس سے کلام الٰہی کا مخلوق ہونا لازم آتا ہے اور محاسبی اور ابن کُلّاب اور عبد العزیز اور امام ابو حنیفہ اور علمائے سمرقند یعنی ماتریدیہ کہتے ہیں کہ وہ مخلوق ہے کیونکہ ایمان دل کی تصدیق اور زبان کا اقرار ہے۔ اور یہ بندوں کے فعل ہیں۔ اور بندے کے سارے افعال مخلوق ہیں تو ایمان بھی مخلوق ہوا۔ اشعری نے حنابلہ کے قول کی یوں توجیہ کی ہے کہ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ ایمان غیر مخلوق ہے۔ تو مراد اُنکی وہ ایمان ہے۔ جو اللہ تعالٰے کی صفات میں سے ہے کیونکہ مومن اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اور اللہ کا ایمان یہ ہے۔ جو اُس نے اپنے کلام قدیم کے ساتھ ازل میں اپنی واحدانیت کی تصدیق کی تھی۔ اور اُسکی خبر دی تھی چنانچہ اللہ کا یہ قول اسی مطلب پر دلالت کرتا ہے انّنی انا اللہ لا الہ الا انا میں ہی ہوں اللہ کوئی معبود نہیں سوا میرے اور یہاں یہ نہیں کہ سکتے کہ اللہ کی تصدیق

حادث ہے اسلئے کہ اللہ مخلوق نہیں جسکے ساتھ حادث قائم ہوسکے اور جو کہتے ہیں کہ ایمان مخلوق ہے انکی مراد بندوں کا ایمان ہے ابن ابی الشریف کہتے ہیں کہ اس میں خلاف کرنا فضول ہے اس لئے کہ جس ایمان کے ساتھ تکلیف دیگئی بندہ کا فعل ہے اور اُسکے مخلوق ہونے میں کلام نہیں اور جس ایمان پر اسم الٰہی دلالت کرتا ہے اُسکے قدیم ہونے میں اہل سنت کو شبہ نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالی کی صفات میں سے ہے جو قدیم ہیں۔[1] ایک عالم نے ماتریدیہ و اشاعرہ کے خلافیات میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں چالیس فریدون کے اندر چالیس ایسے مسئلے ذکر کئے ہیں جنمیں ان دونوں مذہب کے علما میں خلاف ہے چونکہ اس محل کے یہ مناسب ہے اسلئے میں بھی بطور انتخاب کے تین مسائل کو دکھاتا ہوں

مسائل اختلافی	علمائے ماتریدیہ کی رائے	علمائے اشعریہ کی رائے
وجود اور ذات باری میں عینیت ہے یا غیریت	ذات باری اپنے وجود کی عین ہے اور عینیت سے مراد یہ ہے کہ وجود قائم بذاتہ ہے یعنی کسی غیر سے منتزع نہیں ہے	وجود مقتضائے ذات ہے یعنی ذات باری تعالے وجود کی مقتضی ہے اس صورت میں غیریت ہوئی۔
وجوب عدمی ہے یا نہیں۔	وجوب ذات الٰہی پر زائد نہیں ہے اور نہ عدمی ہے اور نہ اعتباری	اعتباری ہے تو عدمی ہوا
وجود زائد ہے ذات پر یا نہیں	وجود واجب الوجود کی ذات پر زائد نہیں	زائد ہے
کیا بقا وجود مستمر ہے یا زائد ہے	وجود مستمر ہے۔ ذات پر زائد نہیں۔	صفت وجودی ہے ذات پر زائد ہے تو مستمر نہ ٹھیرا
صفت تکوین کی تفسیر	صفات الٰہی کی صفت ازلی ہے اسکے ازلی ہونے کے مرادف متعلق ہوتی ہے یعنی اس سے آثار [illegible]	ایک صفت مؤثرہ ہے جب قدرت حادثے سے متعلق ہوتی ہے تو ان میں اثر کرتی ہے

[1] دیکھو معتقد المنتقد ۱۲

مسئلہ خلافی	علمائے ماتریدیہ کی رائے	علمائے اشعریہ کی رائے
کیا صفت ارادہ میں محبت و رضا ہے یا نہیں	صفت ارادہ میں محبت نہیں اور ارادہ مستلزم رضا نہیں	محبت ارادے کے معنی میں ہے اور اسی طرح رضا یعنی تینوں ایک چیز ہیں
صفت سمع و بصر	صفت سمع اس چیز سے متعلق ہوتی ہے جو مسموع ہو سکے اور بصر بھی اسی سے متعلق ہوتی ہے جسکا دیکھنا صحیح ہو اور ان دونوں کا تعلق موجودات سے ہوتا ہے۔	ہر موجود سے یہ دونوں صفتیں متعلق ہوتی ہیں یعنی اللہ تعالے ازل میں اپنی ذات اور تمام صفات وجودیہ کو سنتا اور دیکھتا تھا اسی طرح ہمیشہ اپنی ساری صفات وجودیہ کو اور تمام کائنات کو دیکھتا اور سنتا رہیگا خواہ وہ اصوات کے قبیل سے ہوں یا غیر اصوات کے۔
صفت کلام	قرآن اللہ کا کلام ہے اللہ سے شروع ہوا ہے۔ بغیر کیفیت کے یعنی نہ آواز ہے نہ حروف	اللہ کا کلام واحد ہے۔ اور کیفیت وحدت میں اختلاف کیا ہے۔ کچھ اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ وحدت شخصی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وحدت نوعی ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ نوع واحد میں متحقق ہوتا ہے اور وہ
کلام نفسی سننے کے قابل ہے یا نہیں	نہیں سنا جا سکتا	مسموع ہو جاتا ہے۔ موسی علیہ السلام نے کلام نفسی ہی سنا تھا[1]

[1] محمد مرزوقی حسنی مصری ازہری مالکی نے اپنے رسالہ عقیدہ میں لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالے کلام قدیم ہے۔ یعنی نہ اس کا اول ہے نہ آخر اسکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں سنا ہے۔ مگر اس کیلئے آواز اور حروف اور منہ نہیں اور یہ کلام قیامت میں اور جنت میں بھی سنا جائیگا

مسئلہ خلافی	علمائے ماتریدیہ کی رائے	علمائے اشعریہ کی رائے
صفت تکوین صفت حقیقی ہے یا اعتباری	تکوین صفت حقیقی ہے	تکوین اللہ کی صفت حقیقی نہیں اعتباری چیز ہے۔
اشیا کی پیدایش کیا اللہ کے قول سے متعلق ہوتی ہے یا نہیں	وجود اشیا کا کن سے متعلق نہیں بلکہ وجود انکا فقط تکوین سے متعلق ہوتا ہے اور لفظ کن سے مجازاً سرعت ایجاد مقصود ہے۔	وجود اشیا کا اللہ کے کلام ازلی سے متعلق ہے۔ اور کلمۂ کن اسپر دلالت کرتا ہے۔
مسئلہ اسم عین مسمی ہے یا نہیں [۱]	اسم عین مسمی ہے خارج میں نہ مفہوم میں پس اسمائے الٰہی قدیم ہیں۔	کبھی اسم عین مسمی ہوتا ہے جیسے اللہ اسلئے کہ وہ علم ہے ذات الٰہی کا بغیر اسکے کہ اس میں کسی معنی کا اعتبار کیا جائے اور کبھی اسم مسمی کا غیر ہوتا ہے۔ جیسے خالق اور رازق کہ یہ ایسے اسماء ہیں کہ دلالت کرتے ہیں اس بات پہ کہ اسکو غیر کی

[۱] بعض علمائے اقف نے کہا ہے کہ لفظ اسم میں نزاع نہیں بلکہ مدلول اسم میں نزاع ہے ابو شکور حنفی نے تمہید میں لکھا ہے۔ کہ اللہ کے اسما مسمی کے نہ عین ہیں نہ غیر عین اسلئے نہیں کہ اسما حکماً معدود ہیں اگرچہ جنس عدد اور اصل عدد سے نہوں پس اگر اسم عین مسمی ہو تو مسمی بھی اسم کی طرح معدود ہو۔ اور اس صورت میں اللہ کا تعدد لازم آتا ہے اور غیر مسمی کا اسلئے نہیں کہ اس تقدیر پہ ہر مومن کا نہ ایمان صحیح رہیگا۔ اور نہ رسالت صحیح ہوگی اسلئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں جو خالق ہے اگر اسم غیر مسمی ہے تو اللہ خالق کا غیر ہوگا اور وہ ہمارا خالق نہ ٹھیریگا۔ اسی طرح محمدؐ کی رسالت پر ایمان لائے ہیں اگر اسم غیر مسمی ہوگا تو محمدؐ رسول سے غیر ہونگے اور امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ یہ محض فضول ہے اسم لفظ مخصوص کو کہتے ہیں اور مسمی وہ چیز ہے جسکے مقابلہ میں یہ لفظ بنا ہے متقدمین ہم کہتے ہیں کہ اسم کبھی مسمی کا غیر ہوتا ہے جیسا لفظ دیوار کہ حقیقت دیوار کے مغائر ہے اور کبھی مسمی عین ہوتا ہے جیسے لفظ اسم یعنی اس اسم کا مجموعہ نام ہے اس لفظ کا جو ایسے معنی مستقل پہ دلالت کرتا ہے جسمیں زمانہ ملحوظ نہو پس جسقدر الفاظ ہیں لفظ اسم بھی داخل ہے کہ اس سے بھی ایسے معنی سمجھے جاتے ہیں جسمیں زمانہ ملحوظ نہیں اسی صورت میں اسم

مسئلہ خلافی	علمائے ماتریدیہ کی رائے	علمائے اشعریہ کی رائے
		طرف نسبت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ نسبت ذات غیر سے ہے اور کبھی اسم ایسا ہوتا ہے کہ نہ وہ مسمی کا عین ہوتا ہے نہ غیر ہوتا ہے جیسے قدیر علیم کہ یہ ایسی صفات پر دلالت کرتے ہیں جو اللہ کی ذات کے ساتھ قایم ہیں اور اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ صفات حقیقی جو ذات الہی کے ساتھ قایم ہیں نہ ذات کی عین ہیں نہ غیر پس یہی حال ہوگا اس ذات کا جسکے ساتھ ان صفات کا بھی لحاظ کیا جائے غرضکہ ثابت ہوا کہ اسم خارج میں مسمی کا غیر ہے نہ مفہوم میں
بیان قضا و قدر	قضا عبارت ہے اُس فعل سے جسمیں مضبوطی زیادہ ہو پس قضا صفات فعلیہ میں سے ہوگی اور تقدیر یہ کہتے ہیں مخلوق کا اندازہ کرنے کو اس طور سے کہ مرتب ہو اس اندازے پر حسن و قبح اور نفع و ضرر اور عذاب و ثواب اور زمانی و مکانی ہونا اُس مخلوق کا اور ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں کہا ہے کہ قضا سے مراد اللہ کا حکم اجمالی ہے	قضا عبارت ہے اللہ تعالے کے ارادہ ازلی سے جو اشیا سے متعلق ہوتا ہے جس طور پر کہ وہ ہیں اور وہ ارادہ مقتضی ہے نظام موجودات کا ترتیب خاص کا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفات ذات میں سے ہے اور قدر متعلق ہونا اس ارادے کا ہے اشیا سے ساتھ اُن کے خاص خاص اوقات میں اور مراد اس سے یہ ہے کہ قدر اشیا کے ایجاد کرنیکو کہتے ہیں اُنکی ذات و احوال کا ایک اندازہ معین کر کے

مسئلہ خلافی	علمائے ماتریدیہ کی رائے	علمائے اشعریہ کی رائے
	اور قدر سے مراد علم تفصیلی اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قضا سے مراد کن ہے اور قدر سے مراد معین کرنا شے کا اُس علم کے مطابق جو اللہ کو اسکی پیدائش کے بارے میں حاصل ہے	
متشابہات[۱۴]	پاؤں ہاتھ منہ وغیرہ جو ایسی صفات اللہ کی نسبت ثابت ہیں حق ہیں لیکن اصل اُنکی معلوم ہے اور وصف مجہول ہے اور وصف پر مطلع نہ ہو سکنے کی وجہ سے اصل کا باطل کرنا جایز نہیں۔	یہ الفاظ مجازات ہیں معانی ظاہری سے
بیان توفیق[۱۵]	توفیق آسان کرنا اور مدد دینا ہے	طاعت پر قدرت کا پیدا کرنا ہے
تکلیف مالایطاق[۱۶]	جو چیز انسان کی قدرت سے باہر ہو عقل یہ جایز نہیں رکھتی کہ انسان اسکے ساتھ مکلف ہو سکتا ہے	اشاعرہ جواز عقلی کے قائل ہیں بعض کہتے ہیں کہ اشعری نے تکلیف مالایطاق کے جایز ہونے کی تصریح نہیں کی ہے کیونکہ یہ ظاہر البطلان ہے۔ بلکہ اُنکے دونوں قولوں سے تکلیف مالایطاق کا جایز ہونا لازم آگیا ہے[۱]
افعال الہی میں حکمت کا لزوم[۱۷]	اللہ تعالے کے افعال پر حکمت کا مترتب ہونا لازم ہے اور لزوم سے یہ مراد ہے کہ حکمت کا انفکاک افعال سے جایز نہیں اور یہ اللہ تعالے کا فضل ہے کہ اسکے کام حکمت سے خالی نہیں اُسکے کاموں میں حکمت کا ہونا کچھ اُسپر واجب نہیں	اللہ تعالے کے افعال میں حکمت بطور جواز کے ہے لزوم کے طور پر نہیں یعنی حکمت کا اُن میں موجود ہونا ضروری اور لازمی بات نہیں جایز ہے کہ اُن میں حکمت نہو اور کچھ ہو۔

[۱] دیکھو مسامرہ شرح صحائف ۱۲۰ منہ

مسئلہ خلافی	علمائے ماتریدیہ کی رائے	علمائے اشاعرہ کی رائے
حکمت صفت ازلی اللہ تعالیٰ کی ہے یا نہیں	حکمت کے معنی علم اور احکام عمل کا مضبوط کرنا ہے اور حکمت کے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے	حکمت بمعنی مذکور اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی نہیں۔
تخلف وعید کا صفت الٰہی میں جائز ہے یا نہیں	تخلف وعید کا ممنوع ہے	عذاب عدل ہے اللہ کو اختیار ہے کہ وہ عاصی کو عذاب دے اور وہ مجاز ہے اسکا کہ معاف کر دے اسلیے کہ وعید میں تخلف ہونا نقصان نہیں شمار ہوتا
اللہ تعالیٰ قبیح کام نہیں کرتا اور اگر کرے تو کیا قبیح کے ساتھ اسکا کام موصوف ہو سکتا ہے	اللہ قبیح کام نہیں کرتا اگر ایسا کریگا تو قبیح ہوگا عقل اس بات کو جائز نہیں رکھتی کہ اللہ مومن کو ہمیشہ دوزخ میں ڈالے رکھے اور کافر کو جنت میں بھیج دے	اللہ تعالیٰ کے افعال قبح کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ کام قبیح کرے مگر اسکا کام قبیح نہیں کہلائیگا یہانتک کہ اگر وہ انبیا کو دوزخ میں ڈالدے اور کفار کو جنت میں بھیجدے تو یہ فعل بھی اسکا قبیح نہ ہوگا۔
کفار کی بخشش عقلاً جائز ہے یا نہیں	کفار کو بخشنا عقلاً ناجائز ہے	عند العقل جائز ہے
حسن و قبح عقلی ہے یا شرعی	اشیا میں حسن و قبح شرع سے نہیں آتا بلکہ یہ باتیں اُن میں فی نفسہ موجود ہوتی ہیں کہ عقل اُنکو ادراک کر لیتی ہے ہاں شرع انکو ظاہر کر دیتی ہے	عقل اشیا کے حسن و قبح کو نہیں ادراک کر سکتی۔ قبیح اس فعل کو کہتے ہیں جسکو شرع نے ممنوع کر دیا ہو اور حسن وہ ہے جسکی نسبت شرع میں اجازت وارد ہوئی ہو اشیا کے حسن و قبح کا مدار شرع پر ہے علاوہ بریں کہ اشیا میں فی نفسہ برائی ہے نہ بھلائی ہے شرع انکو برا بھلا کر دیا ہے قبل ورود شرع کے کوئی چیز نہ بری ہوتی

مسائل اختلافی	علمائے ماتریدیہ کی رائے	علمائے اشاعرہ کی رائے
		ہے نہ بھلی اگر شرع ایسا کرتی کہ جن چیزوں کو اب اُس نے ہمارے واسطے اچھا ثابت کیا ہے اُنہیں برا قرار دیتی۔ تو قضیہ بالعکس ہوجاتا کہ بری چیزیں اچھی اور اچھی بری ہوجاتیں۔
بعثت سے پہلے ایمان لانا واجب عقل سے یا نقل سے	اگر اللہ انبیا کو نہ مبعوث کرتا تب بھی عقلوں کے ذریعہ سے اللہ کے وجود اور وجوب اور حیات و قدرت وغیرہ کی معرفت واجب ہوتی۔ اور اس بات کی وہ عالم کا پیدا کرنے والا ہے	انبیا کی بعثت سے قبل نہ ایمان واجب ہے نہ کفر حرام ہے پس اشاعرہ کے نزدیک ایمان عقل سے واجب نہیں ہوتا اور نہ کفر کی حرمت عقل سے ثابت ہوتی ہے سارے احکام جو ایمان سے متعلق ہیں وہ سمع سے حاصل ہوتے ہیں۔
ماہیت ایمان	ایمان اقرار اور تصدیق ہے یعنی اقرار اجرائے احکام اسلام کیلئے تصدیق کی طرح شرط ہی نہیں بلکہ اسکا رکن ہے اور حقیقت ایمان میں داخل ہے لیکن ایسا جزو ہے کہ عرضیت و تبعیت بھی کسی قدر رکھتا ہے پس حالت اختیاری میں جزئیت کا پہلو معتبر ہوتا ہے اسی لئے اگر اقرار کی قدرت ہو تو ترک اللہ کے نزدیک مومن نہ ہوگا اور حالت اضطراری میں عرضیت و تبعیت کے پہلو پر لحاظ کیا جاتا ہے اگر موحد زبانی اقرار پر قادر نہ ہو تو وہ مومن ہے۔	جو گویائی پر قادر ہو اسی کے ایمان کیلئے اقرار شرط ہے۔ ماہیت ایمان سے اقرار خارج ہے۔ ماہیت اسکی صرف تصدیق ہے۔

مسئلہ خلافی	علمائے ماتریدیہ کی رائے	علمائے اشاعرہ کی رائے
۲۵ ایمان کم و بیش ہوتا ہے یا نہیں	کم و بیش نہیں ہو سکتا	کم و بیش ہوتا ہے
۲۶ ایمان مقلد جائز ہے یا نہیں	جس نے ارکان دین مثلاً توحید اور نبوت اور صلوٰۃ وغیرہ کا بطور تقلید کے اعتقاد کیا۔ تو اس کا ایمان صحیح ہے	عقائد دین میں تقلید کافی نہیں صحت ایمان کے لئے یہ شرط ہے کہ ہر مسئلے دلیل عقلی سے جانتا ہو مگر زبان سے بیان کرنا اور دشمن سے مجادلہ کر سکنا شرط نہیں شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ ایمان مقلد معتبر نہیں اور اُسپر احکام دنیا و آخرت میں مترتب نہیں ہو سکتے
۲۷ دلائل نقلیہ سے یقین حاصل ہوتا ہے یا نہیں	بعض دلائل نقلیہ سے جزم و یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے	دلائل نقلیہ سے جزم و یقین حاصل نہیں ہوتا بلکہ ظن کا فائدہ حاصل ہوتا ہے
۲۸ ایمان مخلوق ہے یا نہیں	ایمان مخلوق ہے	ایمان غیر مخلوق ہے
۲۹ ایمان و اسلام ایک چیز ہیں یا نہیں	دونوں ایک ہیں	دونوں ایک چیز نہیں۔
ایمان کا اعتبار خاتمے پر ہے یا نہیں	جس شخص کے ساتھ اس وقت ایمان قائم ہے وہ مومن ہے، اگرچہ آخر عمر میں کافر ہو جائے اور جسکے ساتھ اس وقت کفر قائم ہے وہ فی الحال کافر ہے اگرچہ آخر عمر میں مومن ہو جائے	جو ایمان پہ مرا وہ ہمیشہ مومن ہے اگرچہ فی الحال کافر تھا۔ اور جو کفر پہ مرا تو وہ ہمیشہ کافر ہے اگرچہ فی الحال مومن تھا۔
۳۱ سعادت و شقاوت بدلتی ہے یا نہیں	سعید کبھی شقی اور شقی کبھی سعید ہو جاتا ہے	ایسا نہیں ہوتا۔
ایمان کے ساتھ کلمہ انشاء اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں	جائز نہیں	جائز ہے۔

مسئلہ خلافی	علمائے ماتریدیہ کی رائے	علمائے اشاعرہ کی رائے
انبیاء ورسل مرنیکے بعد حقیقت میں انبیا ہیں یا انبیا کے حکم میں ہیں	انتقال کے بعد بھی حقیقت میں انبیا ہیں	رسالت ونبوت کے حکم میں ہوتے ہیں حقیقت میں یہ منصب اُن کا باقی نہیں رہتا۔
مرد ہونا نبوت کیلئے شرط ہے یا نہیں	نبی ہونے کے لئے مرد ہونا شرط ہے عورت نبی نہیں ہوسکتی۔	مرد ہونا شرط نہیں بلکہ عورت کی نبوت صحیح ہے۔
عوام انسان یعنی متقی لوگ عوام ملائکہ سے افضل ہیں یا نہیں	انسانوں میں سے رسول جس قدر ہیں وہ افضل ہیں اُن ملائکہ سے جو رسول ہیں اور رسل ملائکہ سے افضل ہیں باقی تمام آدمیوں سے اور عوام آدمی یعنی پرہیزگار افضل ہیں عوام ملائکہ سے نہ خواص ملائکہ سے	رسل بشر افضل ہیں تمام ملائکہ سے اور تمام ملائکہ افضل ہیں تمام آدمیوں سے سوائے انبیا کے سو عوام آدمیوں سے عوام ملائکہ افضل ہیں۔
قدرت حقیقی ضدین کی صلاحیت ہے یا نہیں	قدرت واحد ضدین کی صلاحیت رکھتی ہے	ایک قدرت میں ضدین کی صلاحیت نہیں بلکہ ہر ایک ضد کیلئے ایک علیحدہ قدرت ہوتی ہے
بندے کی قدرت کو فعل میں تاثیر ہے یا نہیں،	اصل فعل اللہ کی قدرت اور تکوین سے ہے اور اسمیں طاعت یا معصیت بندے کی قدرت کی وجہ سے آجاتی ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ جو قدرت اللہ نے بندے میں پیدا کی ہے جب بندہ اسکو کسی کام کے قصد مصمم کیطرف پھیرتا ہے تو قصد بندہ کو اس قدرت کو تاثیر حاصل ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس وقت میں اس کام کو جسکا قصد کیا ہے موافق عادت کے پیدا کردیتا ہے جبکہ کوئی مانع موجود نہیں ہوتا کیونکہ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ سے فعل کا صدور واجب ہوتا ہے	بندے کی قدرت کو اصلاً فعل میں تاثیر نہیں بندے کے تمام افعال اللہ کی قدرت سے وقوع میں آتے ہیں پس انکے نزدیک جب اللہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ بندہ فعل صادر کرے تو اول ایک صفت پیدا کردیتا ہے جسکو بندہ قدرت خیال کرتا ہے پھر اللہ بندے کو فعل کی طرف متوجہ کرتا ہے جب بندہ ادھر متوجہ ہوتا ہے تو اللہ فعل کو ایجاد کردیتا ہے پس فعل کی نسبت بندے کیطرف یعنی یہ کہنا کہ بندے سے فعل صادر ہوا ایسی ہے جیسی لکھنے کی نسبت قلم کیطرف پس اس صورت میں بندے کی قدرت کو فعل میں کسی قسم کی مداخلت حاصل نہیں

مسائل خلافی	علمائے ماتریدیہ کی رائے	علمائے اشعریہ کی رائے
[۳۸] ایقاع حال ہے یا معدوم محض ہے	ایقاع معدوم محض نہیں بلکہ وہ موجود ہے نہ معدوم ہے اور ایسی صورت کو حال کہتے ہیں	معدوم محض ہے
[۳۹] مومن کے اعمال حال ایمان کے اُسکے مرتد ہونیکے بعد جو اکارت ہو جاتے ہیں وہ بعد توبہ کیے عود کر آتے ہیں یا نہیں	جو مومن مرتد ہو جاتا ہے تو اسکے دوبارہ مومن ہونے کے بعد اعمال ضایع شدہ عود نہیں کرتے	لوٹ آتے ہیں ۔
[۴۰] کفار کو واجبات کے ترک کرنیکی جیسی بھی عذاب دیا جائیگا یا نہیں	کافر کو اُس کے کفر کا عذاب دیا جائیگا عبادت کے ترک کرنے کا عذاب نہیں دیا جائیگا ۔	عذاب کفر کے علاوہ اُسکو ترک عبادات کا عذاب بھی دیا جائیگا ۔

بعد اسکے جاننا چاہئے کہ فروع میں قریب چارسو مسائل کے باہم مذاہب اربعہ کے اختلاف بتاتے ہیں ۔ سو وہ اختلاف بھی کچھ ایسا نہیں ہی جس سے تبدیع و تضلیل کسی کی ہو بلکہ اسکی بنیاد تدقیق و تعمیق پر ہے جب اس دقت و تعمق سے قطع نظر کر ڈالیں اور جزئیات مجتہد فیہا میں غور و خوض نکریں تو امہات مسائل میں کوئی نزاع باقی نہیں رہتا ہے ۔ بلکہ وہ نزاع شبیہ بہ نزاع لفظی ٹھیرتا ہے ۔ شعرانی مصری نے کتاب میزان میں اس اختلاف کو تشدید و تخفیف پر لاتا راہے اور ترازو کے دونوں پلوں کو توجیہ و تاویل مناسب سے برابر کر دکھایا ہے پس حق انہی چار مذاہب میں اعتقاد و مسائل میں ہے

له ایقاع بمعنی واقع کرنا مصدری ہے اور تمام معانی مصدری انتزاعی چیزوں میں ۱۲ ؎ حق کی دو قسمیں ایک حق متعین دوسرے حق دائر جیسے مذہب حنفی شافعی و مالکی و حنبلی حق دائر ہو حاصل یہ ہے کہ حق دائر اُسے کہتے ہیں ۔ جو خود بھی حق ہو اور اُسکا غیر بھی حق ہو مثلا روزہ اور افطار مسافر کے حق میں کہ دونوں حق ہیں اور قیام و قعود نماز نفل میں اور جہر و اخفا نماز منفرد میں کہ یہ حق ہیں ۔ اور حق متعین وہ ہے کہ وہی حق ہو اُسکا غیر حق نہو ۔ جیسے اصل نماز فرض ۱۲

ضمیمہ فرقہائے ظاہریہ کلابیہ وغیرہ کے بیان میں

فرقہ ظاہریہ اس فرقے کے پیشوا داؤد بن علی بن خلف ہیں۔ جو داؤد ظاہری کہلاتے ہیں اور انکو اہل علم نے کوہ علم کہا ہے اور ابن حزم ابن تیمیہ ابن قیم مجد فیروز آبادی اور شوکانی کو بھی فرقۂ ظاہریہ کے اراکین میں سے شمار کیا ہے۔ داؤد اسحاق اور ابو ثور کے شاگرد تھے۔ امام شافعی کو نہایت مانتے تھے۔ دو کتابیں بھی اُنکے فضائل میں تالیف کی ہیں۔ ریاست علم کی بغداد میں اُنپر ختم ہوگئی اور انکی اصل اصفہان سے ہے۔ کوفے میں پیدا ہوئے تھے۔ بغداد میں نشو ونما پائی تھی۔ وہیں فوت ہوئے اسحاق بن راہویہ کی باتوں پر بہت رد کرتے تھے[۱]۔ فرقہ ظاہریہ کا نام اس لئے مقرر ہوا ہے کہ یہ لوگ قرآن وحدیث کے ظاہر احکام پر عمل کرتے ہیں جو کچھ ظاہر میں ان سے سمجھا جاتا ہے اسی کو مانتے ہیں۔ تاویل کے بالکل منکر ہیں۔ داؤد شریعت میں قیاس کو ناجائز بتاتے ہیں۔ اور جب قیاس کرنے کی طرف مضطر ہوئے اور اشد ضرورت اسکی پڑی تو اسکا نام دلیل رکھا۔ ان کے بہت سے مسائل کا ائمہ اربعہ نے اختلاف کیا ہے مثلاً داؤد کا قول ہے کہ سونے چاندی کے برتن سے صرف پینا منع ہے اور ان میں کھانا رکھکر کھانا یا اور کام میں اُنکو لانا جائز ہے اسلئے کہ بخاری ومسلم نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الذی یشرب فی اٰنیۃ الفضۃ انما یجرجر فی بطنہ نار جہنم جو شخص چاندی کے برتن سے کوئی چیز پیتا ہے تو اسکے پیٹ میں دوزخ کی آگ پلائی جائیگی۔ اور ابن عمر سے دارقطنی نے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من شرب فی اناء ذہب او فضۃ او اناء فیہ شیء من ذالک انما یجرجر فی بطنہ نار جہنم جو شخص کہ سونے یا چاندی کے برتن سے پیوے یا اس برتن سے پیوے جس میں کچھ سونا یا چاندی لگی ہو تو اسکو دوزخ کی آگ پلائی جائیگی۔ امام داؤد ظاہری سنہ ۲۰۲ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور سنہ ۲۷۰ھ میں انتقال کیا۔ فرقہ ظاہریہ کے نزدیک اجماع کی اہلیت صحابہ سے مخصوص ہے۔

[۱] دیکھو طبقات الفقہا مولفہ عبد الوہاب ۱۲

فرقہ کُلّابیہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو عبد اللہ بن سعید کے متبع ہیں۔ انکی کنیت ابو محمد اور معروف ابن کُلّاب (بضم کاف و تشدید لام) تھا۔ غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ انکا مذہب یہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ نہ قدیم ہیں نہ حادث اور اسکی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں۔ اور قرآن میں جو آیا ہے الرحمن علی العرش استوے یہاں استوے سے یہ مراد ہے کہ ٹیڑھا نہیں اور اللہ تعالےٰ ہمیشہ سے عرش پر ہے۔ حالانکہ اُسکے لئے کوئی جگہ نہیں اور قرآن کے لئے حروف نہیں اور کتاب میسر میں حسن بن فخر الاسلام بزدوی نے کہا ہے کہ فرقہ کلابیہ بھی اہل سنت میں داخل ہے۔ ان میں اور ماتریدیہ میں اصول کے اندر تین چار مسئلوں کا خلاف ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ سعید کبھی شقی ہو جاتا ہے اور شقی کبھی سعید۔ کلابیہ اور اشعریہ کی اس مسئلے میں ایک مستدل ہے اور وہ یہ ہے کہ سعادت و شقاوت نہیں بدلتی ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کلابیہ کے نزدیک کہ اسم اللہ نہ اللہ کا عین ہے اور نہ غیر ہے اور یہ ماتریدیہ کے مذہب مشہور کے خلاف ہے۔ ہاں ماتریدیہ صفات الٰہی کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ذات الٰہی کی نہ عین ہیں نہ غیر۔ طبقات شافعیہ میں بیان کیا ہے کہ ابن کلاب اعلےٰ درجہ کے متکلمین میں سے تھے اور انکا شمار اہل سنت میں ہے۔ ابو الحسن اشعری ایک تو انکے طریق پر چلے اور دوسرے حارث محاسبیؒ کے

حارث محاسبی

ابو عبد اللہ حارث بن اسد محاسبی نے امام شافعی کی صحبت پائی تھی اور تصوف و حدیث اور کلام میں مسلمانوں کے امام تھے اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اول اول عقائد سلف کی تائید دلائل کلامیہ اور براہین منطقیہ سے کی انہیں کی طرف اکثر متکلمین صفاتیہ منسوب ہیں انکا شمار شافعیہ کے طبقہ [illegible]

لہ طبقات شافعیہ کی عبارت عربی یہ ہے عبد اللہ بن سعید ابو محمد المعروف بابن کلاب بضم الکاف وتشدید اللام کان من کبار المتکلمین من اہل السنۃ وبطریقہ وطریقۃ

میں ہے۔ بغداد میں سنہ ۲۴۳ ہجری میں راہی ملک عدم ہوئے نفحات الانس میں مذکور ہے کہ حارث محاسبی نے چالیس برس تک اس سختی کے ساتھ مراقبہ کیا کہ دن رات دو زانو بیٹھے رہے کمر کسی چیز سے نہ ٹیکی۔ شیخ ابو الحسن اشعری نے جب مذہب اعتزال کو چھوڑا تو انکے اور ابن کلاب کے قوانین پر مسائل صفات وقدر میں کلام کیا۔ اور علم عقائد وکلام میں انکی رائے کی اقتدا کی۔

فرقہائے غیر اہل سنت وجماعت

معتزلہ۔ شیعہ۔ خوارج۔ مُرجیہ۔ نجاریہ۔ جبریہ۔ قدریہ۔ مشبہ پھر ان میں سے بعض کا ترکیب بعض سے ہوکر ہر فرقے سے کئی فرقے ہوگئے۔ مگر انکی ترتیب میں کوئی ایسا طریق مقرر نہیں ہے۔ جو کسی قانون منصوص یا قاعدہ معین کے مطابق ہو بلکہ دو چار تصنیفیں بھی ایسی نہیں ملتیں۔ جو ان فرقوں کے بیان میں ایک روش پر متفق ہوں سب نے ذکر مذاہب میں ایک طرح کی پابندی نہیں کی ہے جس طرح جس مذہب کو پایا ہے بلا کسی قانون اور اصول کے لکھ ڈالا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی مذہب میں کسی ایک مسئلے کی وجہ سے متمیز ہے۔ تو اُسے صاحب مذہب نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایسے شخص کو بھی علحدہ صاحب مذہب مانا جائیگا تو مذاہب دائرہ حصر وشمار سے باہر ہوجائینگے مثلاً کوئی شخص احکام جواہر میں کسی ایک مسئلے کے ساتھ منفرد ہے۔ تو وہ صاحبان مذاہب کی گنتی میں نہیں آسکتا۔ پس اب ضرور ہے کہ کوئی ضابطہ واسطے مسائل اصول وقواعد کے مقرر ہونا چاہئے تاکہ وہ اختلاف اُن مسائل کا مذہب ٹھیرے۔ صاحب ملل ونحل نے اپنی رائے سے اس ضابطے کا چار قواعد میں کیا ہے۔ یہ قواعد بڑے اصول ہیں۔

پہلا قاعدہ ۔ مسئلہ صفات وتوحید صفات ہے اس میں کئی چیزیں شامل ہیں (۱) مسائل صفات قدیم الٰہی جنکا ایک جماعت نے اقرار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اللہ کے لئے ایسی صفات ثابت ہیں۔ اور دوسری جماعت نے انکے ثبوت سے انکا

کیا ہے (۲) بیان صفات ذات وصفات فعل (۳) اللہ پر کیا چیز واجب ہے اور کیا چیز اُسپر جایز نہیں اور کون چیز اُسپر محال ہے اس مسئلہ میں اہل سنت و مجسمہ و کرامیہ و معتزلہ کے درمیان اختلاف ہے۔

دوسرا قاعدہ مسئلہ قدر و عدل ہے اس میں مسائل قضا و قدر و جبر و اختیار و ارادہ خیر و شر اور مقدور و معلوم داخل ہیں کہ ایک جماعت کے نزدیک یہ چیزیں ثابت ہیں۔ اور دوسری جماعت کے نزدیک ثابت نہیں اس مسئلے میں قدریہ و نجاریہ و جبریہ و اہل سنت کے درمیان خلاف ہے

تیسرا قاعدہ مسئلہ وعد و وعید اور اسما و احکام ہے یہ مشتمل ہے مسائل ایمان اور توبہ اور وعید اور ارجا اور تکفیر و تضلیل پر کہ ایک جماعت کے نزدیک یہ باتیں ثابت ہیں اور دوسری جماعت کے نزدیک ثابت نہیں اس میں مرجیہ اور وعیدیہ یعنی خوارج اور معتزلہ اور کرامیہ اور اہل سنت میں خلاف ہے۔

چوتھا قاعدہ مسئلہ سمع (نقل) و عقل و رسالت و امامت ہے یہ قاعدہ مشتمل ہے کئی مسائل پر جیسے حسن و قبح اور اصلح و لطف (یعنی جو چیز بندے کے لئے اچھی ہے وہ اللہ پر واجب ہے یا نہیں) اور عصمت نبوت اور جیسے امامت کے شرایط اور امامت کا ایک جماعت کے نزدیک منصوص ہونا اور دوسری جماعت کا نص سے انکار کرنا اور اس بات کا قائل ہونا کہ امامت کا انعقاد اجماع سے ہوتا ہے اور امامت کے منتقل ہونے کی کیفیت اُن لوگوں کے نزدیک جو نص کے قائل ہیں اور امامت کے ثابت ہونے کی کیفیت اُنکے نزدیک جو اجماع کے مقر ہیں۔ ان مسائل کا خلاف شیعہ اور خوارج اور معتزلہ اور کرامیہ اور اہل سنت میں ہے

غرض کہ اصحاب مذاہب کی ترتیب بیان کرنے کے دو طریق ہیں ایک یہ کہ مذہب کو اصول مقرر کر کے ہر مسئلے میں مذہب ایک فرقے کا بیان کرتے ہیں دوسرے یہ کہ اصحاب مذاہب کے اصول ٹھیرا کر ہر ہر مسئلے میں اُنکے مذاہب کو ذکر کرتے ہیں اس پچھلے طریقے سے اقسام کا ضبط اچھی طرح ہوتا ہے۔

معتزلہ

وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حسن بصری کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے جو کہتی ہے کہ مرتکب کبیرہ نہ بالکل مومن ہے اور نہ بالکل کافر ہے بلکہ وہ ایک منزل میں ہے درمیان منزل ایمان و کفر کے تو انہوں نے کہا اعتزلوا یعنی یہ لوگ کنارہ کش ہو گئے ہیں اجماع اسلام سے تب وہ فرقہ معتزلہ کہلانے لگا کیونکہ علمائے سلف نے اس کلیہ پر اتفاق کر لیا ہے کہ مکلف یا مومن ہے یا کافر پس قول بالواسطہ سراسر اجماع کے مخالف ہے۔ اور بعض نے یوں لکھا ہے کہ جب واصل نے اپنے استاد حسن کے ساتھ علانیہ ایک مسئلے میں مخالفت کی۔ تو حسن نے اُس سے کہا اِعتَزِل عَنَّا ابن مُنَبّہ نے لکھا ہے کہ یہ نام بعد حسن کے نکلا ہے۔ اس طرح پر کہ جب حسن مر گئے اور اُنکی جگہ قتادہ بیٹھے تو عمرو بن عبید اور اُسکے اصحاب نے اُن سے کنارہ کشی کی۔ قتادہ نے اُن لوگوں کا نام معتزلہ رکھدیا اور اس تمام گروہ کا رئیس اور پیشوا واصل ہے۔ اس شخص نے احادیث و اخبار کو حسن بصری سے سیکھا تھا۔ اور قواعد اعتزال کو عبداللہ بن محمد حنفیہ سے حاصل کیا تھا اُسکی نشست اکثر اس بازار میں ہوا کرتی تھی جہاں عورتیں سوت بیچنے کو لاتی تھیں۔ تاکہ پارسا عورتوں کو پہچانکر کچھ اُنکو صدقہ خیرات دیا کرے! اسلئے اُسکا لقب غزال ہو گیا۔ کیونکہ غزّال زائے معجمہ کی تشدید کے ساتھ سوت بیچنے والے کو کہتے ہیں و۔ نہ خود وہ سوت بیچنے والا نہ تھا۔ اس شخص کی گردن بہت لمبی تھی۔ یہانتک کہ عمرو بن عبید نے اس بات کا عیب اُس میں نکالا اور کہا من ہذہ عنقہ لاخیر عندہ یعنی جسکی گردن اتنی لمبی ہو اُسکے پاس کوئی بھلائی نہو گی لیکن جب واصل لایق و فائق نکلا۔ تو عمرو نے کہا میری فراست چوک گئی۔ یعنی میری اٹکل میں خطا ہوئی۔ واصل کی زبان سے حرف رائے مہملہ صحیح نہ نکلتا تھا معہذا نہایت فصیح و بلیغ تھا اسی وجہ سے اپنی بات چیت میں حرف را کو غین[1] سے

---

[1] دیکھو تاریخ یافعی واقعات ۱۳۱ ہجری ۱۲ منہ

بدل دیتا تھا۔ زبان پر آنے نہ دیتا تھا۔ اُسکا ایک بڑا رسالہ ہے جس میں اس نحرف را کو ذکر نہیں کیا۔ اور یہ بات بہت کم ہے کہ کوئی شخص معتزلی ہووا ور شیعہ نہو ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اسی واسطے عامہ معتزلہ افضلیت جناب امیر کے شیخین پر قائل ہیں۔ اور تحقیق یہ ہے کہ قدمائے معتزلہ کے نزدیک تمام اصحاب رسول اللہ میں افضل ابوبکر ہیں۔ پھر عمر پھر عثمان پھر علی متاخرین معتزلہ حضرت علی کی افضلیت کے قائل ہیں۔ اور معتزلہ نے اپنا لقب **اصحاب عدل و توحید** مقرر کیا ہے انکا عدل یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالے پر مطیع کو ثواب اور عاصی کو عذاب پہنچانا واجب ہے اور توحید انکی یہ ہے کہ صفات الوہیت کی نفی کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالے بیشک عالم بھی ہے اور قادر بھی ہے اور بصیر بھی ہے وغیرہ وغیرہ مگر صفت علم اور قدرت اور بصارت وغیرہ اُسکو حاصل نہیں ہے مطلب ان لوگوں کا یہ ہے کہ صفات الہی ذات الہی سے جدا نہیں ہیں بلکہ تمام ایک ذات ہے اور ایک ہی مفہوم کیونکہ اگر صفات باری تعالے کو اُسکی ذات کا عین نہ مانا جائیگا۔ تو بہت سے قدما ثابت ہوجائینگے اور یہ کفر ہے جس طرح علمائے سنت وجماعت کہتے ہیں کہ صفات الہی ذات حق تعالے کی عین نہیں عالم ہے ایک علم کے ذریعہ سے اور قادر ہے قدرت کے ذریعہ سے مرید ہے ارادے کے وسیلے سے اور سمیع ہے سمع کے توسط سے اور بصیر ہے بصر کی وجہ سے اور حی ہے حیات کے سبب سے اور مکوّن ہے تکوین کے ذریعہ سے اور دلیل اُنکی اسپر یہ ہے کہ اگر مثلاً علم اور قدرت دونوں عین ذات ہوتے تو علم اور قدرت ایک ہی چیز ہوجاتے علم نفس قدرت ہوتا اور قدرت عین علم اور دونوں سے جو کچھ مفہوم ہوتا وہ ایک ہی چیز ہوتی۔ اور اسی پر باقی صفات کو خیال کرلینا چاہیے معتزلہ میں سے جس قدر ابو الحسین کے قبل گذرے ہیں وہ اہل سنت کی تکفیر اس وجہ سے کرتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اللہ کے لئے صفات ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اعمال عباد کا خالق اللہ ہے مگر پھر یہ بات جاتی رہی اور علمائے معتزلہ کے نزدیک صفات ذات اور صفات فعل میں اس طرح فرق ہے کہ حیات و صفات

شرح مقاصد میں ہے کہ شیعہ اور جمہور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ افضل بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی ہیں ۱۲ منہ

الہی میں اثبات و نفی جاری ہو سکتی ہے وہ تو صفات فعل ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔ کہ
اللہ تعالے نے فلاں کے بیٹا پیدا کیا یا اُسکے بیٹا پیدا نہ کیا یا زید کو رزق بخشا اور
عمرو کو رزق نہ بخشا پیدا کرنا اور رزق بخشنا صفات فعل ہیں۔ اور جن میں نفی
جاری نہ ہو سکے وہ صفات ذات ہیں۔ جیسے علم اور قدرت کہ یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ اللہ
تعالے عالم یا قادر نہیں ہے اور انکے نزدیک کلام اور ارادہ بھی صفات فعل میں
داخل ہیں اور ابو الحسین اور جاحظ اور علاّف اور ابو القاسم بلخی اور محمود خوارزمی
وغیرہ کی یہ رائے ہے کہ ارادۂ الہی صرف یہ ہے کہ وہ کاموں کے نفعوں کو جان لیتا
ہے اور اسکا ارادہ علم میں منحصر ہے اور بعض معتزلہ کہتے ہیں کہ ارادہ اور امر الہی
دونوں متحد ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک ارادے کو امر لازم ہے[1] اور ابو الحسین
بصری کی رائے یہ ہے کہ علم الہی معلومات کے تغیر کے ساتھ متغیر ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ
علوم ذات الہی میں حادث ہوتے ہیں[2] اور تمام معتزلہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ
اللہ تعالے کے افعال اور احکام معلل ہیں مخلوق کی مصلحتوں کی رعایت کے ساتھ کوئی
کام اللہ کا ایسا نہیں جو غرض سے خالی ہو۔ اور غرض اُن میں بندوں کی بہتری اور
بھلائی ہے۔ اگر وہ غرض سے خالی ہو تو بیکار ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ محال ہے کہ
حکیم کے کام عبث ہوں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالے کا کلام مرکب ہے حروف اور آواز
سے اور حادث ہے قدیم نہیں ہے۔ اسی واسطے اُسکی ذات پاک کے ساتھ قایم ہونا
تجویز نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں جب اللہ تعالے چاہتا ہے۔ تو اُسے کبھی لوح محفوظ
میں پیدا کر دیتا ہے۔ اور کبھی جبرئیل میں اور کبھی نبی میں اور اُنکے ہاں کلام نفسی
اور لفظی کی تفریق نہیں۔ اسی لئے قرآن کو مخلوق کہتے ہیں اور انکا یہ مذہب ٹھیر گیا
ہے کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود
میں آیا معتزلہ کہتے ہیں کہ اُن لوگوں پر کفر کا الزام کیوں نہیں قایم کرتے جو قرآن کو

---

[1] دیکھو حاشیہ عقیدۃ السنوسیہ مولفہ ابراہیم بیجوری ۱۲ [2] دیکھو اثولوجیا مولفہ محمد بن
عمر حسین رازی ۱۲ منہ

غیر مخلوق قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ دوابدی وجود کے قائل ہیں یہ امر ایسی بڑی مجوشی سے ظاہر کیا گیا کہ اُسکے سبب سے بہت سی آفتیں بعض خلفائے عباسیہ کے ہاتھ سے اُس شخص پر آئیں جس نے اُسکو غیر مخلوق قرار دیا۔ چنانچہ مامون نے ۲۱۸ھ میں اسحاق بن ابراہیم حاکم بغداد کو حکم لکھا کہ تم قاضیوں اور عالموں کو جمع کرکے اُنکے سامنے یہ مسئلہ پیش کرو کہ قرآن حادث و نوپیدا ہے پس جو شخص اسکا اقرار کرے اُسے چھوڑ دو اور جو انکار کرے اُسکے حال سے مجھے آگاہ کرو اُس نے بموجب حکم کے بغداد کے علما جمع کیا جن میں قاضی القضاۃ بشر بن ولید کندی اور احمد بن حنبل اور قتیبہ اور علی بن جعد وغیرہ تھے۔ اور انکو اسحاق نے مامون کے حکم سے اطلاع دی۔ اور ان سے اس باب میں انکے عقیدے کا حال استفسار سب سے اول بشر بن ولید سے کہا کہ تم قرآن کو کیا سمجھتے ہو۔ جواب دیا کہ وہ خدا کا کلام ہے اسحاق میں تم سے یہ نہیں دریافت کرتا۔ یہ بتاؤ کہ وہ مخلوق ہے یا نہیں۔ بشر اللہ ہر شئے کا پیدا کرنے والا ہے اسحاق کیا قرآن بھی شے میں داخل ہے۔ بشر ہاں اسحاق تو کیا قرآن مخلوق ہے بشر وہ خالق نہیں اسحاق میں تم سے یہ نہیں پوچھتا یہ بتاؤ کہ قرآن مخلوق ہے بشر میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے زیادہ نہیں کہ سکتا۔ اسحاق نے منشی کو حکم دیا اُس نے بشر بن ولید کا تمام بیان لکھ لیا۔ بعد اسکے اسحاق نے دوسرے علما سے پوچھا۔ تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔ جو بشر نے دیا تھا۔ پھر اسحاق نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ اس باب میں آپ کا کیا قول ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ وہ کلام خدا ہے۔ اسحاق کیا وہ مخلوق ہے احمد بن حنبل اس سے زیادہ کہ وہ کلام خدا ہے میں کچھ نہیں کہ سکتا۔ بعد ازاں اسحاق نے قتیبہ اور عبداللہ بن محمدؒ اور عبدالمنعم بن ادریس دو وہب بن منبہ کے نواسے) اور اُنکے گروہ سے پوچھا سب نے بالاتفاق جواب دیا کہ قرآن مجعول ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے ان جعلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون اور قرآن محدث ہے اور دلیل اسیر اللہ کا یہ قول ہے ما یاتیھم ذکر من الرحمن محدث الا کانوا عنھا معرضین ایضاً ما یاتیھم ذکر من ربھم محدث الا استمعوہ

یہ دونوں آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ذکر بمعنی قرآن محدث ہے اسحاق نے کہا پس قرآن بھی مخلوق ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہم قرآن کو مخلوق نہیں کہہ سکتے لیکن وہ مجعول ہے۔ اسحاق نے ہر شخص کا بیان لکھوا کر مامون کے پاس بھیجدیا اسپر مامون نے حکم دیا کہ قاضی القضاۃ اور ابراہیم بن مہدی کو دوبارہ اپنے پاس بلا کر تم ان سے دریافت کرو۔ اگر وہ قرآن کے مخلوق ہونیکا اقرار کرلیں تو بہتر ہے ورنہ انکو قتل کر ڈالو۔ سوا انکے دوسرے علما کو پا بہ زنجیر میرے پاس بھیجدو۔ اسحاق نے دوبارہ علما کو جمع کرکے مامون کا یہ حکم سنایا۔ بشر اور ابراہیم اور دوسرے علما نے خلق قرآن کا اقرار کرکے اپنی جانیں بچالیں۔ مگر یہ چار آدمی احمد بن حنبل قواریری سجادہ اور محمد بن نوح خلق قرآن کے قائل نہوئے۔ اسحاق نے انکے پیروں میں بیڑیاں پہنا کر پھر دریافت کیا کہ قرآن مخلوق ہے اسوقت ڈر کر سجادہ اور قواریری نے تو اقرار کرکے شکنجۂ عذاب سے نجات پائی اور رہا کردیے گئے۔ مگر احمد بن حنبل اور محمد بن نوح کو اپنے قول پر اصرار رہا اسلئے یہ دونوں مامون کے پاس پابجولان بھیجدیے گئے۔

معتصم اور واثق کے جانشینوں نے اُسکی پیروی کی۔ اور جو لوگ اس رائے کے خلاف تھے اُنکے تازیانے لگوائے اور قید کیا۔ بلکہ قتل بھی کرایا۔ آخر کار جب متوکل واثق کا جانشین ہوا۔ تو اُس نے بہ تنسیخ احکامات سابق ان تکلیفوں کا خاتمہ کردیا۔ اور جو لوگ اس وجہ سے مقید تھے اُنکو رہا کیا۔ اور اس بارے میں اُن کو اُنکے عقیدے پر چھوڑا۔ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالے کے اسمائے صفات و افعال توقیفی ہیں یعنی اُس ذات پاک پر کسی نام کا اطلاق حقیقۃً اور مجازاً بغیر اذن شارع کے درست نہیں معتزلہ کے نزدیک رضامندی اور ناراضی اللہ تعالے کی صفات نہیں ہوسکتی ہیں کیونکہ اللہ پر احوال متغیر نہیں ہوتے۔ پس جہاں اُس نے اپنی رضا اور غصے کا ذکر کیا ہے وہاں مراد ان سے جنت اور دوزخ ہے۔ اور اہل سنت کی یہ رائے ہے کہ رضامندی اور ناراضی اصلی معانی ہیں خدا کی صفات

ہیں جنت و دوزخ ان سے مراد نہیں ۔ اور اللہ تعالےٰ کے کلام میں کذب محال ہے
اور اسکی دو وجہیں ہیں ۔ ایک یہ کہ کذب قبیح ہے اور عقل سلیم گواہ ہے کہ اللہ تعالےٰ
قبیح کام نہیں کرتا ۔ دوسرے یہ کہ کذب مصلحت عام کے خلاف ہے ۔ کیونکہ جب لوگوں
کو یہ معلوم ہو جائیگا کہ اس کلام میں جھوٹ بھی ہے تو وہ اعتبار نکرینگے ۔ اور جو کچھ
عذاب و ثواب کا بیان اور آخرت کا حال اُس کلام میں ہوگا سب نہیں مانینگے
اور جو چیز کہ تمام عالم کے واسطے اصلح ہے وہ اللہ پر واجب ہے ۔ پس واجب کا چھوڑنا
اُسکی ذات پاک سے بعید ہے

دیدار الٰہی کا انکار کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ رویت کے لئے شرائط درکار
ہیں ۔ حاسّے کا سالم ہونا ۔ اور مرئی کا جسم دار و کثیف و رنگین ہونا نظر کے سامنے
آجانے سے اُسکی رویت کا ممکن ہونا اور رائی و مرئی میں مسافت کا متوسط ہونا نہ
نہایت دور ہو نہ بہت نزدیک اور مقابلہ دونوں میں ہونا اور حجاب درمیان میں
نہونا اور کہتے ہیں رویت بدون مکان و بدون جہت کے یعنی بغیر ان شرائط مذکورہ
بالا کے محال ہے ۔ اشیا میں حسن و قبح انکے نزدیک عقلی ہے جیسا کہ ماتریدیہ کی رائے ہے
مگر فرق یہ ہے کہ ماتریدیہ کے نزدیک حسن و قبح عقلی اس بات کو نہیں چاہتا کہ بندے
کیلئے اس میں حکم الٰہی صادر ہو اور معتزلہ کہتے ہیں کہ حسن و قبح عقلی ہے ۔ اللہ تعالےٰ
کیطرف سے حکم کا موجب ہے ۔ اسلئے کہ اُسکے سوا کوئی اور حاکم نہیں ہے ۔ اگر بالفرض
نہ شریع ہوتی نہ رسول مبعوث ہوتے اور اللہ تعالےٰ افعال ایجاد کرتا ۔ تب بھی یہ
احکام اسی طرح واجب ہوتے جسطرح شرع نے اب واجب کئے ہیں ۔ مگر جن لوگوں نے
یہ لکھا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک حاکم عقل ہے نہ خدا تعالےٰ ۔ یہ بیان انکا صحیح نہیں ۔
معتزلہ مسلمان تھے اور کوئی مسلمان ایسی بات کہنے کی جراءت نہیں کرسکتا ۔ بلکہ وہ تو
یہ کہتے ہیں کہ عقل بعض احکام الٰہی کے پہچاننے کا آلہ ہے برابر ہے کہ اُنکی نسبت
شرع وارد ہو یا نہو اور یہی اکابر حنفیہ سے بھی منقول ہے شرح مسلم الثبوت میں بحر العلوم
نے اسی طرح لکھا ہے اور بعض نے متاخرین حنفیہ اور معتزلہ کے مذہب کے فرق کو اس عبارت

میں بیان کیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عقل ایک آلہ ہے جسکو اللہ تعالےٰ بندیعہ شرع کے کہ وہ کھولنے والی ہے فعل کے حسن و قبح پر اطلاع دیتا ہے ایجاب عقل کا کام نہیں بلکہ یہ کام اللہ کا ہے اور معتزلہ کے نزدیک عقل واجب کرنے والی ہے پس جب عقل نے حسن و قبح کو دریافت کرلیا تو مقتضائے حسن و قبح اللہ تعالےٰ اور بندوں پر واجب ہوگیا۔ اور جو چیز عقل میں نہیں آسکتی وہ واجب نہیں۔ اسی وجہ سے معتزلہ عقائد کے متعلق ہر اس چیز کو نہیں مانتے جو عقل سے مدرک نہو سکے مثلاً رویت الٰہی اور عذاب قبر اور میزان اور صراط وغیرہ کے منکر ہیں۔ اور معتزلہ کا قول ہے کہ بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا خالق ہے۔ اور بعض افعال اُس سے بطریق مباشرت کے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بعض بطریق تولید کے معنی تولید کے یہ ہیں کہ فاعل کے ایک فعل سے دوسرا فعل واجب ہوجائے جیسے انگلی کا ہلنا واجب کردیتا ہے چھلے کے ہلنے کو اگرچہ اس دوسرے کام کا بندہ اصلاً قصد نہیں کرتا مگر موجد انکا بھی وہی ہوتا ہے۔ ہاں اس قدر ہے کہ ایک اور فعل کا توسط ضرور ہوتا ہے اور چونکہ انکے نزدیک بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اسلئے جزا اُن افعال کی حقیقۃً خدا پر حق بندوں کا ہے اور امر خیر اللہ کے ارادے سے ہوتا ہے اور کفر و عصیان بندے سے باختیار خود ہوتے ہیں۔ خدا کے ارادے اور مشیت کو اس میں دخل نہیں بلکہ وہ ہر مخلوق سے ارادہ اسلام و طاعت کا کرتا ہے چنانچہ حکم کرتا ہے اسلام و طاعت کا اور گناہ و کفر سے ممانعت کرتا ہے تو انکی نسبت ارادہ بھی نہیں کرتا اور اکثر معتزلہ کہتے ہیں کہ استطاعت یعنی قدرت فعل سے قبل ہوتی ہے۔ یہی رائے ماتریدیہ کی ہے۔ اور بعض معتزلہ مثل نجار اور محمد بن عیسےٰ اور ابو عیسےٰ وراق وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہوتی ہے جو رائے اشاعرہ کی ہے۔ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ تکلیف عدم کے ساتھ بھی متعلق ہوتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ مقتول کی موت قاتل کے قتل سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح مسموم کی موت زہر دینے والے فعل سے پس یہ موت بندے کے افعال میں سے ہے خدا کا فعل نہیں اگر قاتل

اُسے قتل نہ کرتا یا زہر دینے والا زہر نہ دیتا تو جو وقت اُسکی موت کا خدائے تعالےٰ نے
مقدر کیا تھا اس وقت تک جیتا قاتل نے تقدیر الٰہی کو بدل ڈالا اسی لئے اسکا یہ
فعل شرعاً وعقلاً ممنوع ہے اور کعبی کے نزدیک مقتول کے لئے دو اجل ہیں۔ ایک
قتل دوسرے موت اگر وہ قاتل کے ہاتھ سے مارا نہ جاتا تو اپنے وعدے تک یعنی موت
کے وقت تک جیتا۔ اگرچہ عموماً معتزلہ اسکے قائل ہیں کہ مقتول اپنے وعدے پر جو خدا نے
اُس کیلئے مقرر کیا ہے نہیں مرتا ہے۔ فرق دونوں راؤں میں یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک
تو قتل و موت دونوں پر لفظ موت کا اطلاق درست ہے اور کعبی کہتا ہے کہ قتل کو موت نہ کہنا
چاہئے۔ موت وہی ہے جو اپنے وعدے پہ مرے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے فعل کا نام موت
ہے اور بندے کے فعل کا نام قتل۔ اور انکے نزدیک تکلیف مالایطاق کے ساتھ بندے کا
مکلف ہونا عقل کبھی تجویز نہیں۔ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ حرام رزق نہیں۔ کیونکہ رزق وہ
مملوک ہے جسکو مالک کھائے اور شارع نے اُس میں تصرف کرنیکا حکم بھی دیدیا ہو
اس صورت میں شراب اور سور جو کسی مسلمان کے مملوک ہوں رزق نہیں ہو سکتے
اسلئے کہ شارع نے ان میں تصرف کرنیکی اجازت نہیں دی ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے
کہ جس شخص نے عمر بھر حرام چیز کھائی تو اُس نے رزق الٰہی نہیں کھایا۔ وہ اپنے طور پر
پیٹ پالتا رہا حالانکہ ہر جاندار کو اللہ ہی رزق پہنچاتا ہے۔ اور ہدایت وضلالت زنا کی
بطریق مباشرت کے پیدا کرتا ہے۔ اور پھر کامیابی انکی اس مباشرت سے بطور تولید
کے پیدا ہوتی ہے۔ خدائے تعالےٰ کے پیدا کرنے کو ان میں دخل نہیں اور اللہ تعالےٰ کی
مشیت کو انسے تعلق ہے اور اصلح ولطف اور ثواب وعذاب اور آلام کا عوض یہ پانچ
چیزیں حق تعالےٰ پر واجب ہیں۔ ورنہ بخل لازم آتا ہے اسلئے کہ جب اُسکے اختیار میں
یہ ساری باتیں ہیں اور اُنکے واسطے کوئی مانع بھی نہیں ہے۔ تو پھر انکا ترک کرنا بخل
کیونکر نہ ہوگا۔ اور یہ عیب ہے جس سے ذات باری منزہ ہے اور کفار وفساق کو ہمیشہ دوزخ
میں رکھنا اور کبھی عذاب سے نجات نہ دینا یہی اُنکے واسطے آخرت میں اصلح ہے
اور اُنکے اعمال کو باطل کرنا اور اُنپر لعنت فرمانا دنیا میں اُنکے لئے اصلح ہیں۔ اور

کہتے ہیں عرش سے مراد ملک ہے اور کرسی سے علم اس آیت میں وسع کرسیہ السموات والارض کرسی کو علم کے معنی میں کہتے ہیں یعنی علم الہی میں آسمان اور زمین کی سمائی ہے یہی رائے شیعہ کی[1] ہے اور تمام معتزلہ کا اسپر اتفاق ہے کہ اگر معدوم کی ذات و حقیقت باطل ہو جائے تو اسکا اعادہ محال ہے. اور اہل سنت کے نزدیک اعادے کی صحت اسپر موقوف نہیں کہ عدم میں ذات باقی رہے اور معتزلہ کی یہ بھی رائے ہے کہ اعادہ جواہر کا صحیح ہے. اور ان اعراض کا اعادہ جو باقی نہیں رہتے ممنوع ہے اور جو اعراض باقی رہتے ہیں اور وہ متولدات میں سے نہیں ہیں. تو انکا اعادہ بالاتفاق صحیح ہے اور متولدات کے اعادے میں خلاف ہے اور قبر کے عذاب و ثواب اور سوال منکر و نکیر کے منکر ہیں. مگر صالحی کہتا ہی کہ تعذیب و تنعیم بلا زندہ کرنے میت کے واقع ہوگی اور ابو علی جبائی وغیرہ بعض معتزلہ منکر و نکیر نام رکھنا ناپسند کرتے ہیں. علامات قیامت کے منکر ہیں یاجوج و ماجوج اور دجال کے خروج کے قائل نہیں ہیں[2] بعضے معتزلہ کہتے ہیں کہ میزان کا ہونا جایز ہے. مگر ثبوت کے قائل نہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ بات محال ہے. اور کہتے ہیں کہ قرآن میں جو وزن اور میزان کا ذکر ہے اُسکا یہ مطلب ہے کہ پورا پورا انصاف کیا جائیگا ذرا فرق نہوگا. اس بیان سے در اصل ترازو مراد نہیں کیونکہ اعمال اعراض ہیں اُنکا تل سکنا ممکن نہیں کیونکہ ہلکا بھاری ہونا جواہر کی شان ہے اور خدائے تعالے ان سب کا عالم بھی ہے پھر تولنے کا کیا فائدہ اور نیکی بدی کے صحیفے لکھوا دینا بھی عبث ہے اور کراماً کاتبین کے بھی منکر ہیں اسلئے کہ بندہ جو کچھ کرتا ہے اللہ اس سے بخوبی واقف ہے اور محافظین کی وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں علم حاصل نہ ہو سکے پس کراماً کاتبین اُس صورت میں ہوتے کہ اللہ تعالے جاہل ہوتا. اور جو بندے کرتے اُسکا علم اُسے نہوتا. اور حوض کوثر ثابت نہیں کرتے اور ابو الہذیل اور بشر بن معتمر پل صراط کے جواز کے قائل ہیں مگر اُسکے وقوع کے منکر ہیں. اور اکثر معتزلہ بالکل منکر ہیں جواز کے بھی قائل نہیں اور جبائی کے اقوال دیکھیے

[1] دیکھو تمہید معین نسفی ۱۲ [2] دیکھو تذکرۃ المذاہب مولفہ ابن سراج ۱۲

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں متردد ہے اور دوزخ و جنت اب موجود نہیں ہیں قیامت کو موجود ہونگی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے فنا اور عدم کا حکم ہوگا۔ تو سارے آسمان و زمین اور جنت دوزخ اور ارواح فنا ہو جائینگی پھر قیامت کے دن اللہ دوبارہ انہیں پیدا کریگا[1]۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت میں تصدیق کے ساتھ اعمال بھی داخل ہیں۔ اسلئے انکے نزدیک مرتکب کبیرہ مومن نہیں ایمان سے خارج ہے مگر ایسے شخص کو کافر اسواسطے نہیں جانتے کہ صحابہ اور قضاۃ مرتکب کبیرہ پر زنا اور شرب خمر وغیرہ میں حد جاری کیا کرتے تھے اور اپنے ملک سے بدر نہیں کرتے تھے اور نہ قتل کراتے تھے۔ اور انکی لاشوں کو مسلمانوں کے مقابر میں دفن ہونے دیتے تھے حالانکہ کافر کے ساتھ ایسے معاملات بالاجماع ناجائز ہیں۔ اور اسی کا نام انہوں نے منزلۃ بین المنزلتین رکھا ہے منزلتین کفر و ایمان ہوئے اور درمیانی منزل فسق ہے پس ایسا شخص فاسق ہے اور شرک کا نہ بخشنا شرعاً و عقلاً ممتنع کہتے ہیں جیسا کہ ماتریدیہ کا مذہب ہے اور گناہ کبیرہ بھی بغیر توبہ کے انکے نزدیک نہیں بخشے جائیں گے اور یغفر ما دون[2] لمن یشاء میں ذنوب کو توبہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ اور بعض معتزلہ کی رائے یہ ہے کہ جب بندہ کبائر سے اجتناب کرتا ہے۔ تو اسکے لئے عذاب ہونا جائز نہیں۔ بلکہ وہ واجب العفو ہے۔ بعض شفاعت کے منکر ہیں۔ اور بعض حق غیر صاحب کبیرہ میں شفاعت جائز رکھتے ہیں۔ انکے نزدیک تین قسم کے لوگوں کی شفاعت ہوگی (۱) جو کبائر سے بچتے ہیں اور صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ تو انکے صغائر کی معافی کے لئے انبیاء و ملائکہ کی شفاعت ہوگی (۲) جو کبیرہ کرکے توبہ کر لیتے ہیں تو ایسوں کی توبہ قبول ہونے کیلئے انبیاء و ملائکہ کی شفاعت ہوگی (۳) جو کبائر و صغائر سے بچتے ہیں انکی شفاعت زیادتی ثواب کیلئے انبیاء و اولیا کی طرف سے ہوگی[3] غرض

---

[1] دیکھو تمہید معین نسفی ۱۲ [2] اللہ نہیں بخشتا کفر شرک ہے جسکو چاہے ۱۲ [3] اربعین میں ہے اتفقت الامۃ علی اثبات ھذہ الشفاعۃ الا ان المعتزلۃ قالوا انما تاثیرھا فی ایصال زیادۃ النعم الی اہل الصواب [illegible]

عذاب بعد کبائر سے نجات پانے کے لیے شفاعت نہوگی اور اگر مرتکب کبیرہ توبہ کیے بغیر
مرجائیگا تو ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ انہوں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ جب مسلمان متقی
مرتا ہی یا گناہگار توبہ کرکے مرتا ہے تو مستحق ثواب کا ہوتا ہے۔ اور جب بغیر توبہ کے
گناہ کبیرہ سے جسکا اُس نے ارتکاب کیا ہے مرگیا تو وہ ہمیشہ عذاب کا مستحق ہوتا ہے
لیکن اسکا عذاب کفار کے عذاب سے خفیف ہوتا ہی اسکو وعد و وعید کہتے ہیں
وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر امتحاناً بذریعہ انبیا علیہم السلام کے
احکام بھیجے ہیں تاکہ احکام کا نہ ماننا اُنکی ہلاکت پر شہادت ہو۔ اور اُنکی رائے یہ ہے
کہ ایمان باطن سے تعلق رکھتا ہے اور اسلام ظاہر سے۔ چنانچہ انکے نزدیک فاسق مسلم
ہے نہ مومن۔ شرح عمدہ نسفی مصنفہ علامہ نکساری میں ہی کہ عامہ معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ جو
شخص ارکان دین یعنی توحید و نبوت و نماز روزہ وغیرہ کا اعتقاد بطور تقلید کے رکھے
تو ایسا شخص نہ مومن ہے نہ کافر اور ابو ہاشم کے نزدیک کافر ہی پس اسکی رائے یہ ہے
کہ جب دلیل عقلی سے اعتقاد ثبوت کو پہنچے اسوقت مومن تسلیم کرنا چاہیے۔ اور معتزلہ دیدار
الٰہی کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے کلام نہیں کیا نہ آدم سے نہ نوح
سے نہ ابراہیم سے نہ موسےٰ سے نہ عیسےٰ سے نہ محمدؐ سے نہ جبرئیل سے نہ میکائیل سے نہ
اسرافیل علیہم السلام اور نہ حاملان عرش سے اور نہ اُنکی طرف دیکھیگا جیسا کہ شیطان
اور یہود و نصاریٰ سے بات نہیں کرتا ہے۔ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ عقل نہیں تجویز کرتی
کہ انبیا سے عمداً کبائر سرزد ہوں اور انبیا میں سے کسی ایک کی فضیلت کے دوسرے
پر قائل نہیں سب کو برابر جانتے ہیں اور کرامات اولیا کا انکار کیا ہے اسوجہ سے
کہ اولیا سے خرق عادت کے وقوع میں معجزے کے ساتھ اشتباہ ہوگا پھر اس صورت
میں نبی اور غیر نبی میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ مگر ابو الحسین بصری معتزلی اور اسکا شاگرد
محمود خوارزمی کرامات اولیا کے قائل ہیں اور معراج کے منکر ہیں کہتے ہیں کہ اُس کا

دیکھو غنیۃ الطالبین ۱۲ عمدۃ العقائد میں ابو البرکات نسفی نے لکھا ہی کرامات اولیا جائز خلافاً
للمعتزلہ والی اسحاق من الاشعریہ لیکن یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ سوائے معتزلہ کے اور فرقہائے معتزلہ جواز کرامات اولیا کے
قائل ہیں اسمیں شک نہیں کہ معتزلہ کا لفظ یہاں نامناسب واقع ہوا ہے ۱۲ منہ

ثبوت خبر آحاد سے ہے اور خبر واحد عمل کو واجب کرتی ہے۔ نہ اعتقاد کو۔ گر بیت المقدس تک جانے کے منکر نہیں[۱]۔ اور معتزلہ انبیا میں باہمی تفضیل کے قائل نہیں۔ سب کو برابر اور ہم رتبہ جانتے ہیں۔ پس آنحضرت کی فضیلت انبیا پر نہیں ملنتے۔ اور ان کے نزدیک مجتہد کی رائے میں کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ عامہ متکلمین اشاعرہ کی رائے ہے۔ اور انکا عموماً یہ قول ہے کہ ملائکہ علوی افضل ہیں انبیا سے۔ اور امامت میں یہ لوگ آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں نصاً ہے۔ بعض کہتے ہیں اختیاراً ہے اور انکے نزدیک امام کا مقرر کرنا مخلوق پر واجب ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وجوب دلیل عقلی سے ثابت ہے اور عامہ معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ دلیل شرعی سے ثابت ہے اور امام کا معصوم ہونا واجب نہیں اور نہ اسکا قرشی ہونا مشروط ہے اور انکے نزدیک عبادت کا ثواب سوا فاعل کے غیر کو نہیں پہنچتا۔ خواہ عبادت مالی ہو۔ یا بدنی خواہ مرکب ہو مال اور بدن سے کیونکہ قضا و قدر نہیں بدل سکتی۔ پس دعا بالغرض کچھ اس سے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس بات کی دعا کی جاتی ہے۔ اگر وہ مقدر کے مطابق ہے تو اسکی خواستگاری فعل عبث ہے اور اگر مخالف ہو گی۔ تو اسکا موجود ہونا ناممکن ہے۔ اسی سبب سے ان کے مردے استغفار اور صدقات سے کہ نجات کا بڑا وسیلہ ہیں محروم رہتے ہیں اور سائے معتزلہ سوائے کعبی اور ابوالہذیل اور ابوالحسین بصری کے یہ کہتے ہیں کہ معدوم بھی ایک شے ہے۔ اور عالم واقع میں ثابت ہے۔ مگر اسی قدر ہے کہ اسکو وجود نہیں ملا ہے اگر وجود مل جائے۔ تو وہ موجود ہو جائے اس مرتبے کو انکی اصطلاح میں ثبوت اور تقرر کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اور دلیل انکی یہ ہے۔ کہ ممکن اپنے وجود کے قبل یا تو واجب ہو گا یا ممتنع اور ان دونوں صورتوں میں وجود کے وقت انقلاب لازم آتا ہے۔ پس یہ غلط ہے تو یہی رہا کہ ممکن اپنے وجود سے پیشتر بھی ممکن ہو گا۔ اور امکان ایک ایسی صفت ہے جسکے لئے موصوف ہونا ضرور ہے۔ تو دیکھنا چاہئے کہ وہ ثابت ہے یا موجود ہے۔ اگر موجود ہو گا۔ تو پھر وجود اسکو حاصل ہونا تحصیل حاصل ہے۔ اسلئے یہ باطل ہے۔ پس باقی یہ

[۱] دیکھو غنیہ ۱۲

رہا کہ وہ ثابت ہوگا یہی مدعا ہے یعنی ممکن اپنے عدم کے وقت میں ثابت ہے۔ اور
موجود نہیں ہے۔ اور منشا اس قول کا یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک وجود میں اور
ماہیت میں فرق ہے کبھی ماہیت ہوتی ہے اور اسکو وجود عارض نہیں ہوتا یہی مرتبہ
تقرر کا ہے اسی کو معدوم ثابت کہتے ہیں۔ مگر موجود نہیں کہہ سکتے موجود جب کہینگے
کہ اُسکو وجود مل جائے۔ اور اس قسم کے معدوم میں ممکن کی اس واسطے لگا دیتے ہیں
کہ جو معدوم ایسا نہو بلکہ ممتنع ہو اُسکو تقرر کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ بالاتفاق
کچھ چیز نہیں۔ اور صوفیہ بھی اعیان ثابتہ کے عالم کی پیدائش سے قبل قائل ہیں
اور اشاعرہ و ماتریدیہ و حنابلہ کہتے ہیں کہ معدوم کچھ بھی نہیں ممتنع ہو یا ممکن کیونکہ
انکے نزدیک وجود اور نفس حقیقت یا ماہیت میں ذرا فرق نہیں ہے پس جب
وجود نہو گا۔ تو ماہیت بھی نہوگی۔ اور یہ بات نامعقول ہے کہ ایک چیز سے عالم عدم
میں وجود منفک ہو اور پھر اُسکو کسی قسم کا ثبوت ہو۔ اگر اسکو عالم عدم میں تقرر حاصل
ہوگا۔ تو وہ ایک ہی وقت میں موجود بھی ہوگی۔ اور معدوم بھی ہوگی۔ اور یہ بالکل
خلاف قیاس ہے۔ اسلئے کہ وجود کے کوئی اور معنی ہی نہیں سوائے ثبوت اور تحقق
اور تقرر کے معدوم بھی کہنا۔ اور اسکے واسطے ثبوت بھی ڈھونڈھنا جو بالاشبہ حرکات
وسکنات کو چاہتا ہے بالکل سفسطہ ہے۔ اور معدوم ثابت کے ابطال کی بڑی ضرورت
اسلئے ہے کہ اہل سنت اس بات کے مقر ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے کوئی چیز
باہر نہیں اور معدومات کے ثبوت کی صورت میں یہ جایز ہو جائیگا۔ کہ بعض معدومات
ثابت سے تو قدرت کو تعلق حاصل ہووے اور بعض کے ساتھ کسی خصوصیت کی
وجہ سے نہو۔ بلکہ علی العموم معدومات ثابت مقدوریت کے دائرے سے نکل جائیں گے
اسلئے کہ جنکو عدم میں ثبوت حاصل ہوگا وہ ازلی ہوگی پس قدرت الہی اُن کی
ذات کے ساتھ کس طرح متعلق ہوسکتی ہے۔ پھر اگر قدرت کا تعلق ان سے مانا جائیگا
تو اسی قدر کہ وجود اس نے عطا کیا۔ پس خدا تعالےٰ ممکنات کا خالق اصلی اور موجد
نہیں بن سکتا۔ اور نہ اُسکو کسی چیز کی ایجاد پر قدرت ہوسکتی ہے اور یہ کفر صریح ہے

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ان چار حالتوں میں اہل قبلہ کا خون مباح و حلال ہے (۱) جب کبیرہ کا ارتکاب کرے (۲) کوئی بدعت اس سے حادث ہو (۳) سلطان سے بغاوت کرے (۴) فرائض کو ترک کرے اور ترک کو حلال جانے۔ معتزلہ اہل سنت کے ساتھ پانچ باتوں میں بحث رکھتے ہیں (۱) مسئلہ صفات (۲) مسئلہ رویت (۳) مسئلہ وعد و وعید (۴) مسئلہ ایجاد افعال (۵) مسئلہ مشیت۔

ابن حزم نے ملل و نحل میں کہا ہے کہ معتزلہ کا عمدہ کلام وعد اور وعید اور قدر میں ہے پس جو کوئی یہ کہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے اور قدر کو ثابت کرے یعنی یہ کہے کہ بندے کے سارے افعال اللہ کی قضا و قدر سے ہیں۔ اور آخرت میں اللہ کے دیدار ہونے کا اقرار کرتا ہو۔ اور جو صفات الٰہی قرآن و حدیث میں مذکور ہیں انہیں ثابت کرے اور صاحب کبیرہ کو دائرہ ایمان سے خارج نکرے۔ وہ معتزلی نہیں اگرچہ تمام عقائد میں معتزلہ کے ساتھ موافقت رکھتا ہو۔ یہ بیان مجتمعاً معتزلہ کے عقاید کا ہے۔ بعض بعض باتوں میں انمیں آپسمیں اختلاف ہے ابو ہذیل علاف نے دس مسئلوں میں اپنے اصحاب کا خلاف کیا ہے۔ اور ابراہیم بن سیار نظام نے تیرہ مسئلوں میں معتزلہ کے ساتھ مخالفت کی ہے۔ اور بشر بن معتمر نے چھ مسئلوں میں اپنے اصحاب کا خلاف کیا ہے۔ اور معمر بن عباد سلمی نے چار مسئلوں میں اپنے اصحاب سے مخالفت کی ہے۔ اور ابو موسیٰ مزدار نے تین مسئلوں میں اپنے اصحاب کے خلاف کیا ہے۔ اور ہشام بن عمرو غوطی نے سات مسئلوں میں اپنے اصحاب سے مخالفت کی ہے اور عمرو بن بحر جاحظ نے پانچ مسئلوں میں اپنے اصحاب سے خلاف کیا ہے اور ثمامہ بن اشرس نمیری نے چھ مسئلوں میں اپنے اصحاب سے خلاف کیا ہے

ابو الحسین بن ابی عمرو خیاط اور اسکے متبع معتزلہ بغداد کہلاتے ہیں اور محمد بن عبد الوہاب جبائی اور اسکا بیٹا ابو ہاشم اور انکے متبع معتزلہ بصرہ مشہور ہیں دس مسئلوں کے اندر معتزلہ بغداد و بصرہ میں اختلاف ہے اور جبائی اور اسکے بیٹے میں مسئلہ حال اور مسئلہ صلاح اصلح میں اختلاف ہے اور محمد بن حائط نے اپنے استاد

نظام کے مذہب پر تین باتیں زیادہ کی ہیں (۱) تناسخ کا قول (۲) آیات اور اخبار جس قدر رویت الٰہی کے باب میں وارد ہیں۔ انہیں رویت عقل فعال پر حمل کیا (۳) قیامت کو مسیح محاسب ہونگے۔ اسلیئے معتزلہ بہت سے فرقے ہوگئے ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے کی تکفیر کرتا ہے۔ اکثر معتزلہ فقہیات میں مقلد مذہب حنفی کے تھے۔ جب انپر الزام عائد ہوتا تھا کہ فقہ میں روایت و درایت تو امام صاحب کی تسلیم کرتے ہو۔ پھر اُنکے عقائد جو انکی کتاب فقہ اکبر میں مصرح ہیں کیوں نہیں مانتے۔ تب انہوں نے یہ حیلہ اختراع کیا۔ کہ امام صاحب نے کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی ہے اور فقہ اکبر محمد بن یوسف معروف ابی حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے[1]

اول واصلیہ یہ ابی حذیفہ واصل بن عطا کے متبع ہیں۔ اس فرقے کو کبھی حسن بصری کی طرف منسوب کرکے حسنیہ بھی کہتے ہیں۔ واصل کا اعتزال چار قواعد پر چکر کھاتا ہے۔ ایک نفی صفات الٰہی دوسرے قول بقدر تیسرے مرتکب کبیرہ درمیان منزل کفر و ایمان کے ہے۔ چوتھے مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا ایک قول اسکا یہی ہے کہ اصحاب جمل و صفین اور قاتلان حضرت عثمان اور جانب داران حضرت عثمان میں سے ایک گروہ غیر معین مخطی ہے۔ پس حضرت علی اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم میں جنگ جمل کے بعد سے اہلیت شہادت کی نہ رہی تھی انکا قول متروک ہے۔ حضرت عثمان کا حال مرتکب کبیرہ کا سا ہونا جائز بتاتا تھا اور واصل حضرت علی کو حضرت ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا تھا۔ اگرچہ شیخین کی امامت کا قائل تھا۔ اور کہتا تھا کہ انعقاد امامت کا آدمیوں کے اختلاف اور فتنے

---

[1] علا الیاس بن ابراہیم نے مقدمہ شرح اکبر میں فرمایا ہے۔ وما نقل عن بعض سفلة المعتزلة و جهلة المتحذلقة من ان الامام ابا حنيفة ليس له كتاب وان هذا الكتاب لمحمد بن يوسف المعروف بابي حنيفة البخاري فهو غلط صريح وشطط فضيح اختلقوه من حيث ان هذا الكتاب فيه ابطال قواعدهم واهمال عقائدهم الخ اور بزدوی نے کتاب مناقب امام صاحب میں فرمایا ہے فان قلت ليس لابي حنيفة كتاب مصنف قلت هذا كلام المعتزلة و دعواهم انه ليس له في علم الكلام تصنيف

کے زمانے میں نہیں ہوتا ہے۔ امت جس وقت کہ مجتمع ہو کر ظلم و فساد ترک کرے تب کہیں وہ محتاج سیاست کرنیوالے امام کی ہوتی ہے۔ پھر جب کہ نافرمان و فاجر ہو کر اپنے والی کو قتل کر ڈالے۔ تو پھر امامت کسی کیلئے منعقد نہیں ہوتی ہے اسی بنیاد پر کہتا تھا کہ امامت علی مرتضےٰ کی منعقد نہیں ہوئی۔ اول اول واصل ہی نے احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ۔ اجماع امت۔ عقل و حجت یعنی قیاس واصل نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحیں قائم کیں مثلاً یہ کہ عموم و خصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں۔ نسخ صرف امر و نواہی میں ہو سکتا ہے۔ اخبار و واقعات میں نسخ کا احتمال نہیں[1]۔ ان مسائل کے لحاظ سے اصول فقہ میں اولیت کا فخر واصل کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے لیکن یہ اسی قسم کی اولیت ہوگی جس طرح نحو کے دو تین قاعدوں کے بیان کرنے سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ فن نحو کے موجد ہیں۔ اور واصل ہی نے علم کلام میں اول تصنیف کی تھی[2]۔ یہ شخص سنہ ۸۰ ہجری میں مدینے میں پیدا ہوا تھا اور سنہ ۱۳۱ ہجری میں مر گیا۔

دوم عمریہ۔ یہ عمرو بن عبید کے اصحاب ہیں جو واصل بن عطا کا شاگرد تھا اسکا مذہب بھی مثل واصلیہ کے ہے۔ اور واصل کی طرح یہ بھی کہتا ہے کہ فتنہ و فساد کے زمانے میں امامت منعقد نہیں ہوتی اسی وجہ سے حضرت علی کی امامت کے منعقد ہونیکا قائل نہ تھا۔ مگر اس مسئلے میں متفرد ہوا کہ اصحاب جمل و صفین اور جو حضرت عثمان کے جھگڑے میں شریک رہے وہ تمام فاسق ہیں۔ اور مسائل قدریہ کے مطابق ہے بلکہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ یہ شخص یزید ناقص بن ولید بن

[1] ان مسائل کو ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں واصل بن عطا کی طرف منسوب کیا ہے

[2] کتاب الاوائل کی یہ عبارت ہے۔ اول من صنف فی الکلام ابو حذیفة واصل بن عطا قال ابو عثمان لم یعرف فی الاسلام کتاب کتب علی اصناف الملحدین وعلی طبقات الخوارج وعلی غالیة الشیعة والمبالغین فی قول الحشویة قبل واصل بن عطا وکان واصل تعدلا فی ایدی العلماء فی الکلام وفی الاحکام فانما منه ۱۲ منہ

عبدالملک بن مروان کے داعیوں میں سے تھا بنی امیہ کی حکومت کے زمانے میں
اس یزید نے اپنے چچا زاد بھائی ولید کو خلافت سے دور کرنے کیلئے بہت کچھ
سازشیں کیں اور اُسکو بدنام کرکے ایک گونہ اپنے مقصد دلی کے حاصل کرنے
میں کامیابی حاصل کرلی اور داعیوں کی کوشش سے عوام کا میلان طبع یزید کی
طرف یوماً فیوماً بڑھتا گیا۔ یزید در پردہ لوگوں سے بیعت لینے لگا اور اپنے دعاۃ
کو اطراف وجوانب بلاد اسلامیہ کی طرف بھیجتا رہا۔ اور آخر کار جمادی الاخری ۱۲۶ھ
ہجری میں ولید کو قتل کرکے خود خلیفہ ہو گیا۔ پھر جب ۱۳۶ھ ہجری میں ابوجعفر منصور
عباسی خلیفہ ہوا تو اُسکی امامت کا قائل ہو گیا۔ سمعانی نے کتاب انساب میں کہا
ہے کہ جب یہ اختلاف ہوا کہ خوارج تو مرتکب کبیرہ کو کافر کہنے لگے اور ایک جماعت
نے کہا اگرچہ انہوں نے فسق کیا مگر مومن ہیں تو واصل نے دونوں گروہ سے
اختلاف کیا۔ اور کہا مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر تو حسن نے اپنی مجلس سے اُسے
بند کر دیا اور واصل نے بھی انہیں چھوڑ دیا اور عمرو بن عبید واصل کی
صحبت میں شریک ہو گیا اسلئے دونوں اور انکے متبع معتزلہ کہلانے لگے۔

سوم ہذیلیہ ابو ہذیل حمدان بن ہذیل علاف شیخ المعتزلہ کے پیرو ہیں
بعض نے ابو ہذیل کا نام محمد لکھا ہے۔ اس نے عثمان بن خالد طویل شاگرد واصل
بن عطا سے علم حاصل کیا تھا اور استطاعت کو ایک عرض منجملہ اعراض کے بتایا
تھا اور کہتا تھا کہ استطاعت صحت وسلامتی کا نام نہیں ہے اور کہتا تھا کہ افعال
دل اور افعال اعضا میں فرق ہے اور اسکا زعم یہ تھا کہ بندے کے افعال بغیر
اُسکی قدرت کے صادر نہیں ہو سکتے اور استطاعت حالت فعل میں قدرت کے
ساتھ ہوا کرتی ہے اور افعال اعضا کو بندے کی قدرت کے بدون بھی جائز بتاتا
تھا اور کہتا تھا کہ فعل اعضا سے قدرت مقدم ہوتی ہے۔ اور بعض نے ابوہذیل سے
نقل کیا ہے کہ اسکا اعتقاد یہ تھا کہ اللہ تعالے کا ارادہ اُسکی مراد سے غیر ہے
اور دلیل اسپر یہ ہے کہ ارادہ اُسکا شے کا پیدا کرنا ہے اور شے کے پیدا کرنے میں

اور نفس شے میں فرق ہے اور کہتا تھا کہ اللہ تعالے کو جو سمیع اور بصیر کہتے ہیں
اُسکے یہ معنی ہیں کہ وہ زمانہ آئندہ میں سنیگا اور زمانہ آئندہ میں دیکھیگا اسی طرح
لفظ غفور اور رحیم اور محسن اور خالق اور رازق اور آمر اور ناہی وغیرہ کے معانی
بیان کرتا تھا کہتا تھا کہ ساری طاعات کیا فرائض اور کیا نوافل ایمان ہیں
اور کہتا تھا کہ باری تعالے عالم بہ علم ہے اسکا علم یہی اُسکی ذات ہے اور قادر بہ
قدرت ہے اُسکی قدرت یہی اُسکی ذات ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ عقیدہ اُس نے
اقوال فلاسفہ سے اخذ کیا تھا جنکا قول یہ ہے کہ ذات بیچوں تمام جہتوں سے
واحد ہے اور کسی طرح کثرت کو اسمیں راہ نہیں اور صفات الہی سوائے ذات الہی
کے کوئی دوسری چیز نہیں جو اُسکے ساتھ قائم ہوں جتنی صفات اُسکی ثابت
ہوں وہ یا تو سلوب ہیں یا لوازم ہیں سلوب ان چیزونکو کہتے ہیں کہ نسبت
سلب کے بغیر باری تعالے کی صفت نہیں پڑسکتیں جیسے جسم اور جوہر اور عرض
جب سلب کو ان سے لگاؤ ہو جاتا ہے اور اسکی علامت یعنی حرف نفی لے آتے
ہیں تو اسوقت یہ اللہ تعالے کی صفت واقع ہو سکتے ہیں مثلاً اللہ تعالے نہ جسم
ہے نہ جوہر ہے نہ عرض ہے۔ اور لوازم سے مراد یہ ہے کہ واجب الوجود کا وجود عین
ماہیت ہے۔ اور اسکی وحدت حقیقی ہے فرق مذہب ابو ہذیل اور فلاسفہ میں یہی
کہ فلاسفہ تمام صفات کی نفی کرتے ہیں اور ابو ہذیل ایسی صفات ثابت کرتا ہے
جو اسکی ذات کی عین ہیں یا ایسی ذات ثابت کرتا ہے جو صفات کی عین ہے
دونوں میں کوئی فرق نہیں بتاتا ایک ہی کہتا ہے۔ اور ابو ہذیل نے اللہ تعالے
کو ایک ایسے ارادۂ حادث کا مرید ٹھیرایا تھا جس کے لئے کوئی محل نہیں ہے
اور اپنے زعم میں اللہ تعالے کو اس ارادے کے ساتھ متصف جانتا تھا اور یہ قول
پہلے اسی نے نکالا ہے۔ پھر جو قائل اس بات کا ہوا اُسکو اس عقیدۂ مخصوص میں
ابو ہذیل کا متبع سمجھنا چاہیئے۔ اور کہا کہ بعض کلام الہی کے لئے محل نہیں ہے۔ جیسے
قول کن اور بعض کے واسطے محل ہے۔ جیسے امر و نہی اور خبر وجہ اسکی یہ ہے کہ

جب ایجاد ممکنات لفظ کن سے ہوئی ہے۔ تو اُسکے واسطے محل کہاں سے نکلیگا
پس اُسکے عقیدے کی رو سے امر تکوین اور امر تکلیف میں فرق ہے۔ یعنی اللہ تعالے
کا کسی معدوم کو یہ حکم دینا کہ موجود ہو جا جدا ہے۔ اور بندوں کو کسی کام کے کرنیکا
حکم دینا یا کسی کام کے کرنے سے منع فرمانا یہ علحدہ ہے پہلی مثال امر تکوین کی ہے
اور دوسری امر تکلیف کی اور ماحصل کلام یہ ہے کہ ابو ہذیل کے نزدیک[1] کلام الہی
عرض ہے اور پھر اسکی دو قسمیں ہیں (۱) بعض عرض بے محل کے بھی قایم ہو سکتا
ہے (۲) بعض عرض ایسا ہے کہ وہ محل کے ساتھ قائم ہوتا ہے پہلی صورت کی
مثال لفظ کن (بمعنی ہو) ہے کہ وہ کسی موجود ممکن کے ساتھ قایم نہیں ہوتا
اس واسطے کہ سارے ممکنات کا حدوث اسی کلمے کی بدولت ہوا ہے۔ اور یہ اپنے
وجود میں کل مخلوقات سے مقدم ہوگا اور دوسری قسم کی مثال امر و نہی ہیں کہ مکلفین
کے ساتھ قایم ہوتے ہیں کیونکہ یہی اُسکے محل ہیں۔ اور ابو ہذیل نے کہا ہے کہ اللہ کے
مقدورات منتہی ہیں۔ اب نہ وہ کسی شے کے حادث کرنے پر اور نہ کسی شے کے
فنا کرنے پر نہ کسی کے مارنے پر نہ کسی کے جلانے پر قدرت رکھتا ہے اہل جنت و
دوزخ کی حرکات منقطع ہو کر سکون دائمی ہو جائیگا۔ اور اس سکون میں لذات اہل
جنت کے واسطے اور آلام اہل دوزخ کے لئے جمع ہو جائینگے چونکہ یہ مذہب جہم
بن صفوان کا بھی ہے کہ جنت و دوزخ فنا ہو جائینگی اسلئے معتزلہ[2] ابو ہذیل کو
جہمی الآخرۃ کہا کرتے تھے۔ اور ابو ہذیل کہتا تھا کہ مرد مقتول اگر قتل نہ کیا جاتا

[1] شرح مواقف میں لکھا ہے کہ فرقہ ہذیلیہ کہتا ہے کہ بعض کلام اللہ تعالے لافی محل وہو کن وبعضہ فی محل
کالامر والنہی والاستخبار اس قول کی مجمل تفصیل جو ہم نے بیان کی اسکے سمجھ لینے کے بعد تم کو معلوم
ہو جائیگا کہ نواب صدیق حسن خاں کا کشف الغمہ میں یہ ترجمہ کرنا اور کہا بعض کلام اللہ کا بے محل ہے
جیسے قول کن اور بعض بر محل ہے جیسے امر و نہی بالکل غلط ہے۔ اصل مطلب سمجھنے سے انکی بے خبری ظاہر
ہوتی ہے اور نواب صاحب فرماتے ہیں کہ ابو ہذیل اسور آخرت میں ہم مذہب جبریہ تھا انتہی واضح ہے کہ جب ابو ہذیل
نے یہ کہا کہ اللہ تعالے کے مقدورات منتہی ہیں اور اہل جنت و نار کی حرکات منقطع ہو کر سکون دائمی ہو جائیگا تو

[2] معتزلہ نے ابو ہذیل کا نام جہمی الآخرۃ رکھ دیا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ قدری الاولے جہمی الآخرۃ ہے ۱۲ منہ

تو بھی اسی وقت پر مر جاتا۔ علم نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے اور غائب بات پر حجت
قائم نہیں ہوتی۔ مگر جبکہ بیس شخص خبر دیں۔ ابوہذیل میں اور ہشام بن حکم میں
احکام کی بابت مناظرات ہوئے تھے۔ تنبیہہ علاف نے عدل۔ توحید۔ وعد و وعید
اور منزلت بین المنزلتین کا نام اصول خمسہ رکھا تھا۔ اسکے نزدیک اللہ کی
معرفت قبل ورود شرع کے واجب ہے۔

چہارم نظامیہ۔ یہ ابراہیم بن سیار نظام کے متبع ہیں۔ نسیم الریاض میں لکھا
ہے کہ نظام نون کے فتح اور ظائے معجمہ کی تشدید سے ابراہیم کا نام ہے۔ جسکے باپ
کا نام بعض سیار (سین مہملہ سے) بتاتے ہیں بعض شیار (شین معجمہ سے) اور بعض
شیبان شین معجمہ اور یائے تحتانی اور اسکے بعد بائے موحدہ اور الف و نون سے
اور اسکا سلسلہ نسب یوں ہے۔ نظام ابن شیبان ابو اسحاق غلام آزاد
بنی حارث بن قیس بن ثعلبہ۔ نظام معتصم عباسی کے عہد میں تھا اس نے فلسفے
میں نظر کی تھی اور فلاسفہ کی بہت سی باتوں کو معتزلہ کے کلام میں ملا دیا تھا
چند مسائل میں متفرد ہوا۔ اور جس نے اول اہل قبلہ کی تکفیر کی ہے وہ یہی نظام
ہے۔ اُسکے اس قول سے کہ عالم کے تمام جاندار ایک جنس سے ہیں یہ بات لازم آتی
ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال ابلیس کے افعال کے مثل ہوں اور حضرت
عمر اور حضرت علی کی سیرت حجاج کی طرح ہو۔ اسلئے کہ اتحاد جنس مستلزم ہے اتحاد
آثار کو اور یہ دونوں قول باطل ہیں۔ اور کہتا تھا کہ اللہ کو برائیوں پر قدرت
نہیں ہے (اُسکی قدرت کے سلب ہو جانے کے بعد یہ واقع ہوتی ہیں) آخرت
میں اہل جنت و دوزخ کے واسطے ثواب و عذاب میں کمی بیشی کر دینا اسکی قدرت
میں نہیں ہے (اُسکے نزدیک اللہ تعالےٰ کی بڑی تنزیہ برائیوں سے یہی تھی کہ
انپر اسکو قادر نہ سمجھنا چاہئے) اور اللہ کے ارادے کی اس طرح تفصیل کی تھی کہ
اسکا ارادہ اپنے کاموں کے لئے یہ ہے کہ وہ انکو اپنے علم کے موافق پیدا کرتا ہے
اور بندوں کے افعال کے لئے ارادہ یہ ہے کہ وہ اُنکو اُن کے کاموں کے کرنے کے

لئے حکم دیا کرتا ہے۔ بندوں کے سارے افعال حرکات ہیں روح یہی انسان ہے رہا بدن سو فقط وہ ایک آلہ ہے اور روح ایک جسم لطیف ہے۔ بدن میں اس طرح ساری ہے۔ جیسے گلاب گل میں اور تیل تل میں اور گھی دودھ میں۔ اور جو کام قدرت سے باہر ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اُسی کا فعل ہے شمس بازغہ میں مقالہ ثانی کی پہلی فصل میں مذکور ہے کہ جب نظام معتزلی متکلم کو ابطال جزو لایتجزے کے دلائل معلوم ہوئے اور کوئی شبہ اُنپر وارد نکر سکا۔ تو اُن دلائل کو اُسے ماننا پڑا۔ اور اس بات کا اقرار کیا کہ جسم اس بات کے قابل ہے کہ جتنا چاہیں اُسے تقسیم کر سکیں کہیں کسی حد پر اسکی تقسیم رک نہیں سکتی مگر اُس نے اس میں تفریق نہ کی جو شے میں بالفعل موجود ہوتا ہے اور جو بالقوہ موجود ہوتا ہے اسلئے یہ خیال کر لیا کہ جبکہ جسم میں انقسامات نامتناہی ممکن ہیں تو وہ اُس میں بالفعل حاصل ہیں۔ کیونکہ جو انقسام ممکن ہوتا ہے بالفعل ہوتا ہے اور یہی رائے سارے متکلمین کی ہے۔ کہ تقسیم ان اجزاء کی ہوتی ہے جو بالفعل موجود ہوں پس نظام کے نزدیک جسم ایسے اجزا سے بنا ہے۔ جو بالفعل غیر متناہی ہیں اور اس رائے پر یہ لازم آیا کہ جسم میں اجزائے لایتجزے نامتناہی ہیں۔ باوجودیکہ نظام نے بظاہر متکلمین سے جو اسکے منکر ہیں اس رائے میں اختلاف کیا تھا۔ کہ جسم مفرد اجزائے لایتجزے سے بنا ہے۔

اور محقق طوسی کی شرح اشارات کے نمط اول میں جو جوہریت اجسام کے بیان میں ہے مذکور ہے کہ نظام کے اس قول سے کہ جسم بے انتہا بار تقسیم ہو سکتا ہے دو مقدمے پیدا ہوتے ہیں (۱) جسم میں اشیائے غیر منقسم موجود ہیں (۲) جو چیز ایسی ہو کہ جسم میں موجود ہو اور منقسم نہو وہ قسمت قبول نہیں کرتی نتیجہ ان دونوں مقدموں سے یہ نکلا کہ جسم شامل ہے ایسی چیزوں کو جو قسمت قبول نہیں کرتیں اور یہی جزو لایتجزے کا مطلب ہے۔ فرق اُن متکلموں میں جو اجزائے لایتجزے کے معترف ہیں۔ اور نظام میں اس قدر ہے کہ اُنکے نزدیک جسم اجزائے لایتجزے سے بنا ہے۔ اور نظام نے اسکا اقرار تو نہیں کیا ہے۔ مگر اُسکے قول سے جسم کا اجزائے لایتجزے سے مولف

ہونا لازم آتا ہے ۔ صدرا کی فصل ابطال جزو لایتجزے میں مذکور ہے کہ جب اُن لوگوں نے جنکے نزدیک اجزائے لایتجزے متناہی ہیں ۔ اصحاب نظام پر مناظرے میں یہ اعتراض کیا کہ تمہارے قول سے یہ لازم آتا ہے کہ کسی محدود مسافت کو غیر متناہی زمانے کے بغیر قطع نہ کرسکیں حرکت کے وقت جسم کے ہر جز کے لئے ضرور ہے کہ وہ اپنے حیز سے نکل کر دوسرے حیز میں داخل ہو ۔ اور جب جسم کا ایک جز ایک حیز کو چھوڑ کر دوسرے حیز میں جائے تو دوسرا جزا اُس حیز میں آئے ۔ اسی طرح تمام اجزا اپنے اپنے حیز کو بدلیں ۔ اور جب جسم میں اجزائے غیر متناہی ہوے ۔ تو مسافت بھی غیر متناہی زمانے میں قطع ہوسکیگی ۔ اصحاب نظام نے اس اعتراض کے جواب میں کہا کہ متحرک طفرہ[1] کرتا ہے ۔ طفرہ اسے کہتے ہیں کہ متحرک ایک جزو مسافت سے دوسرے جزو مسافت کو اس طرح طے کرے ۔ کہ ان دونوں جزوں کے درمیان میں بہت سے اجزائے متناہی بھی طے ہو جائیں ۔ اور نظام جواہر کو اعراض مجتمعہ سے مولف بتاتا تھا ۔ اور کبھی کہتا تھا ۔ کہ رنگ اور مزہ اور بو وغیرہ سارے اعراض اجسام ہیں ۔ امام فخر الدین رازی جلد اول تفسیر کبیر کے صفحہ ۲۲ میں کہتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے

---

[1] طفرہ بمعنی جستہ جستہ راہ رفتن ست از ترجمہ ملل و نحل شہرستانی مترجمہ مصطفےٰ بن خالق داد ہاشمی عباسی اور خبیئة الاکوان میں جو نواب صدیق حسن خاں نے نظام کی نسبت کہا ہے واحدث القول بالطفرہ یعنی نظام نے طفرہ کا قول نکالا ہے یہ صحیح نہیں اسلئے کہ شیخ الرئیس نے شفا میں تصریح کردی ہے کہ انکساغورس جو حکماے متقدمین یونان میں سے ہے اور اسکا بھی مذہب یہی تھا جو نظام نے اختیار کیا ہے ۔ معترضین کے اعتراض سے بچنے کے لئے وہ طفرہ کا قائل ہوا تھا اور عبارت شفا کی یہ ہے ولما ضیق اصحاب الجزء [illegible] والزامهم [illegible] النملة والفرس [illegible] الی انکساغورس [illegible] الی الطفرة یعنی جبکہ ان لوگوں نے جو کہتے ہیں کہ جسم مولف ہے اجزائے لایتجزے متناہی سے ان لوگوں پر اعتراض کیا ۔ اور کہا کہ تمہارے مذہب پر لازم آتا ہے کہ چیونٹی ایک سیر پر چلے ۔ تو اسکی مسافت کو قطع نہ کرسکے اور سانپ باوجود تیز روی کے چیونٹی تک نہ پہنچ سکے ۔ تو انہوں نے اس چیز کی طرف پناہ پکڑی جسکی طرف انکساغورس نے پناہ پکڑی تھی اور طفرہ کے قائل ہوئے ۱۲ منہ

کہ نظام کے نزدیک آواز جسم ہے یہ تحقیق کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے کہ نظام
اذکیا ء الناس سے تھا۔ اُسکی شان سے بعید ہے کہ وہ آواز کی نسبت کہے کہ وہ جسم ہے
چونکہ اُس نے کہا ہو کہ آواز کے پیدا ہونے کا سبب ہوا کا تموج ہے۔ جہال نے یہ خیال
کرلیا کہ نظام کی مراد یہ ہے کہ آواز عین ہوا ہے اور نظام یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ
اللہ نے ساری موجودات کو یکبارگی اسی حالت پر پیدا کیا ہے جسپر وہ موجود ہے
تقدیم و تاخیر ان میں نہیں ہوئی ہے کہ آدم اپنی اولاد سے پہلے پیدا ہوئے ہاں
یہ ضرور ہوا ہے کہ اللہ نے بعض موجودات کو بعض میں چھپا رکھا تھا تقدم و تاخر
کمون و ظہور میں واقع ہوا ہے۔ کہتا تھا کہ علم مثل جہل کے مرکب ہے اور ایمان مثل

ہ یہ فلاسفہ کی تقلید ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ قوت عاقلہ میں کسی شے کے مفہوم کے حاصل ہونیکا نام علم ہے
کہ یہی مفہوم انکشاف اور ادراک کا موجب ہوتا ہے یہانتک کہ دونوں شے ایک ہیں پھر فرق اور امتیاز علم اور جہل میں
ایک خارجی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ علم میں وہ مفہوم جسے موجود ذہنی اور صورت بھی کہتے ہیں یا جہل کے
جسے وہ صورت کہا کرتے ہیں مطابق ہوتا ہے اور جہل میں مطابقت نہیں ہوتی یاد رکھو کہ حقیقت شے کا وجود خارج
میں عین اور ذہن میں صورت کہلاتا ہے وجود خارجی کا نام وجود اصلی و عینی بھی ہے اور وجود ذہنی کا نام وجود ظلی اور
غیر اصلی بھی ہے اشیاء کے جس قدر احکام و آثار مترتب ہوتے ہیں وہ سب وجود خارجی پر مترتب ہوتے ہیں مثلاً
آگ جو جلاتی ہے اور روشنی پیدا کرتی ہے اُسکے ان سب آثار کا منشا یہی وجود خارجی ہے اور صورت کی وجہ سے
ذہن میں اشیاء کو امتیاز حاصل ہوتا ہے سارے متکلمین جیسے امام رازی اور ان کے متبعین کے وجود ذہنی کے منکر ہیں اسلئے کہ
اگر وجود ذہنی کی کچھ اصل ہو تو جب گرمی یا سردی کا خیال ذہن میں کریں تو چاہئے کہ ذہن گرم یا سرد ہو جائے
خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہل مرکب علم کی ضد ہے اسلئے کہ اگرچہ اس میں بھی پورا پورا اعتقاد اور یقین حاصل ہوتا
مگر واقع کے خلاف ہوتا ہے بخلاف اُس یقین کے جو علم میں ہوتا ہے کہ وہ واقع کے مطابق ہوتا ہے جہل مرکب یا تو کسی
شبہ کی وجہ سے ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے یا کسی تقلید سے جم جاتا ہے ایسے اعتقاد کو جہل مرکب اسلئے کہتے ہیں کہ
یہاں دو جہل ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ شے کی جو حالت اصلی ہے اُسکے خلاف جانتا ہے اور حقیقت واقعی سے واقف نہیں
دوسرے اس بات کا بھی اعتقاد ہوتا ہے کہ جسقدر علم اُس شے کا مجھکو ہے وہ صحیح ہے اور اُس شے کی حالت اصلی اور واقعی
کو میں جانتا ہوں نفس الامر کے خلاف جاننا ایک جہل ہے اور پھر اعتقاد اس بات کا رکھنا کہ میں واقع کے مطابق جانتا
ہوں دوسرا جہل ہے ۱۲ منہ

الفرکے قرآن کا اعجاز فقط اس راہ سے ہی کہ غیب کی خبر دی ہے زمانہ گذشتہ اور
آئندہ کے معاملات کو بیان کیا ہی اور نظم قرآن معجز نہیں ہے اللہ نے نہیں چاہا کہ
عرب اُسکے جواب کا اہتمام کر سکیں ورنہ ان لوگوں کے امکان میں تھا کہ اُسکی
عبارت سے اچھی عبارت تیار کر لیتے. نظام کا مطلب یہ ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی بعثت سے قبل اہل عرب کو یہ قدرت تھی کہ وہ مثل قرآن کے عبارت تیار کر لیتے
اور ویسا کلام کہہ سکتے جب حضرت سرور عالم رسول ہو کر آئے. تو اللہ پاک نے
اُن سے یہ قدرت سلب کر لی[۱] اجماع اور قیاس کے حجت ہونیکا منکر تھا متواتر کو
محتمل الکذب جانتا تھا. قدر میں بڑا غالی تھا. کہتا تھا اللہ کو بندے کے افعال اختیاری
میں کوئی مداخلت نہیں ہی وہ آپ مختار ہی اور تشیع کی طرف مائل تھا صحابہ میں
طعن کرتا تھا. ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اکذب الناس بتاتا تھا. کہتا تھا کہ حضرت
فاطمہ دختر رسول پر مار پڑی وہ میراث عترت سے منع کی گئیں اور اسکا قول یہ تھا کہ
امام کے لئے نص واجب ہے اور نبی کی طرف سے حضرت علی کے حق میں نص ثابت ہے

[۱] امام فخر الدین رازی کی تالیفات سے زبان فارسی میں ایک کتاب ہی جسکا نام انہوں نے حقائق الانوار فی دقائق الاسرار رکھا ہی اسمیں ساٹھ علوم کے چیدہ چیدہ مسائل جمع کئے ہیں علم دلائل الاعجاز کی اصل سوم میں لکھا ہے اعجاز قرآن فصاحت است ہیچ شک نیست در انچہ عرب از مثل قرآن عاجز بودہ است و ان ازدہ حال بیرون نیست یا ایشان پیش از بیرون آمدن قرآن قادر بودہ اند بر نظم مثل قرآن یا نبودہ اند اگر قادر بودہ اند بایستے کہ ایشان را از نظم قرآن ہیچ تعجب نبودے بلکہ از عاجز بودن خویشتن متعجب بودندے زیرا کہ اگر پیغمبر گوید کہ معجزہ آنست کہ من دست بر سر نہم و شما ہیچ کس بر سر نتوانید نہاد مردم را ہیچ تعجب نباشد از قدرت و بر آن فعل بلکہ از عجز متعجب مانند و چوں ایشاں از نفس قرآن عاجز ماندند معلوم شد کہ قرآن فی نفسہ معجزہ است. بعد اسکے امام نے دلیل سے ثابت کیا ہی کہ اعجاز قرآن کا نہ فقط لفظ کی وجہ سے ہے اور نہ صرف معنی کے لحاظ سے بلکہ اس مناسبات کیوجہ سے جو لفظ و معنی کے اشتراک کیوجہ سے حاصل ہی اور اسکا نام ہم نے کمال فصاحت رکھا ہی پس معلوم ہوا کہ قرآن کا اعجاز فصاحت کے سبب سے ہے[۲] عمدہ اہل التوفیق والتسدید کی عبارت یوں ہی قال النظام کانت العرب تقدر علی النطق بمثلہ قبل البعثۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام فلما بعث سلبوا ہذہ القدرۃ

مگر حضرت عمر نے اُسے چھپایا۔ اللہ کی معرفت کو قبل ورود شرع کے واجب ٹھیراتا تھا اور نکاح کنیزان دار الحرب کو حرام کہتا تھا۔ نماز تراویح کو ناجایز بتاتا تھا میقات[1] حج سے منع کرتا تھا۔ معجزہ شق القمر کی تکذیب کرتا تھا۔ رویت جنکو محال جانتا تھا یہ اعتقاد رکھتا تھا۔ کہ اس قدر مال کی چوری سے جس کی مقدار پر زکوۃ[2] واجب نہوتی ہو۔ فاسق نہیں ہوتا ہے[3] پس اگر کوئی شخص ایک سو ننانوے درم چاندی یا انیس مثقال سونا یا چار اونٹ یا ۳۹ عدد بھیڑ بکری یا ۲۹ عدد گائے بھینس چرائے تو فاسق نہوگا

---

[1] وہ جگہ ہے جہاں احرام حج باندھا کرتے ہیں اور وہ پانچ مقام ہیں ذوالحلیفہ اور ذات عرق اور جحفہ اور قرن اور یلملم ۱۲

[2] نصاب زکوۃ سونے کی ۲۰ مثقال یعنی ۷½ تولہ وزن دہلی ہے اور نصاب چاندی ۲۰۰ درم یعنی ۱۴۰ مثقال یعنی ۵۲½ تولہ جسکے ۵۴ ۳/۴ روپیہ بحساب فی روپیہ ۱۱½ ماشہ اور ۵۶ روپیہ بحساب ۱۱¼ ماشہ اور ۵۴ ½ روپیہ ۸ پائی تقریباً بحساب ۱۱½ ماشہ ایک رتی زیادہ یعنی بارہ ماشہ ۳ رتی کم ہے۔ سونے چاندی کے سکوں اور مال پر اور اسباب تجارت پر جسکی قیمت نصاب کو پہنچی ہو چالیسواں حصہ لازم ہے اور نصاب بھیڑ بکری کے چالیس ہیں پس ۴۰ میں زکوۃ ایک عدد ہے نر ہو یا مادہ اور نصاب اونٹوں کی پانچ ہیں پس پانچ سے پچیس تک ایک بکری لی جاتی ہے اور نصاب گائے بھینس کی ۳۰ عدد ہیں اس نصاب میں پورے برس روز کا بچہ گائے یا بھینس کا واجب ہے۔ کذا فی حاشیۃ الاوطار ۱۲

[3] نواب صدیق حسن خاں نے خبیئۃ الاکوان میں لکھا ہے۔ وزعم ان من سرق ماتے دینار فما دونہا لم یفسق اور کشف الغمہ۔ میں کہا ہے یہ اعتقاد رکھتا تھا۔ کہ دو سو دینار یا اس سے کم کی چوری سے کوئی فاسق نہیں ہوتا ہے انتہی یہ اُن کی غلطی ہے نظام ایسے چور کو ضرور فاسق اعتقاد کرتا تھا۔ کیونکہ دو سو دینار تو بڑی رقم ہے۔ اس سے کم پر بھی زکوۃ واجب ہے۔ اس کا چور اُسکے نزدیک فاسق ہے۔ کشف الغمہ عن افتراق الامہ کے مسائل سے سہو پر تعجب نکرنا چاہئے۔ کیونکہ نواب صاحب کی ایک ہفتہ کی توجہ کا نتیجہ ہے اور اسپر نواب صاحب کو بڑا فخر و ناز ہے ۱۲ منہ

اور اُسکے نزدیک طلاق کنایہ سے واقع نہیں ہوتی۔ اگرچہ جی میں نیت طلاق ہی کی کیوں نہو۔ اور لیٹنے سے اگر سوگیا تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ جب تک حدث نہو نماز فائت کو قضا لازم نہیں بتاتا تھا۔ محمد بن شبیب۔ ابوشمر یونس بن عمران۔ فضل حدبی۔ اور احمد بن حابط اُسکے اصحاب تھے۔

پنجم اسواریہ ابوعلی عمرو بن قائد اسواری کے متبع ہیں۔ یہ سب باتوں میں نظامیہ کے موافق ہوگئے ہیں۔ مگر ایک اس بات میں مختلف ہیں کہ جس امر کو اللہ جانتا ہے کہ نہ کریگا اُسکے کرنے پر قدرت نہیں رکھتا ہے اور انسان اسکے کرنے پر قادر ہے

ششم اسکافیہ ابوجعفر محمد بن عبداللہ اسکافی کے پیرو ہیں۔ وہ بھی سارے عقائد میں نظام کے موافق تھا۔ مگر اس بات کا قائل تھا کہ اللہ کو ظلم عقلا پر قدرت نہیں ظلم اطفال و مجانین پر قدرت ہے۔

ہفتم جعفریہ ۔ یہ تبع ہیں جعفر بن مبشر اور جعفر بن حرب بن یسرہ کے یہ بھی نظامیہ کے موافق ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اس امت کے فساق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہود و نصاریٰ اور مجوس سے بھی بدتر ہیں۔ شراب پینے والے سے حد کو ساقط بتاتے تھے انکا یہ اعتقاد تھا کہ گناہان صغیرہ فاعل کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کے موجب ہیں۔ اور ایک حبہ کا چور بھی فاسق ہے۔ ایمان اُسکا جاتا رہتا ہے اگر کوئی مرد کسی مرد کے ساتھ کسی عورت کے پاس پیغام بھیجکر اس سے نکاح کرنا چاہے۔ پھر وہ عورت اُسکے پاس آئے۔ اور یہ اس سے صحبت کرے بغیر نکاح کے تو اسپر کچھ حد نہیں آتی۔ یہ صحبت اس عورت کے ساتھ نکاح ٹھیریگی

ہشتم بشریہ بشر بن معتمر کے متبع ہیں۔ اسکا قول یہ تھا۔ کہ جسم میں اعراض طعم اور رنگ اور بو اور سمع بصر وغیرہ کے ادراکات جائز ہے۔ کہ بطور تولد کے غیر کے

لہ عورت کے نکاح سے باہر کرنے کو طلاق کہتے ہیں۔ اور کنایہ ایسے لفظ کو کہتے ہیں جو طلاق میں مستعمل ہے۔ مگر صریح لفظ طلاق نہیں ۱۲ منہ

لہ حدث بفتح اول و دوم وضو ٹوٹنا بے وضو ہونا ۱۲ منہ

فعل سے حاصل ہوں جس طرح سے کہ ان اعراض کے اسباب غیر کے فعل سے واقع
ہوتے ہیں اور تولید کا قول معتزلہ میں اسی سے پھیلا ہے اور قدرت و استطاعت سلامتی
بدن و اعضا کی طرف مصروف ہی اور اس میں افراط کرتا تھا اور فلاسفہ طبعیین کیطرف
میل رکھتا تھا اور کہتا تھا اللہ تعالے تعذیب اطفال پر قادر ہے لیکن جب ایسا
کریگا تو ظالم ہوگا پس اللہ تعالے کی ذات سے یہ عیب اٹھانے کے لئے اسکی یہ رائے
ہے کہ جب وہ کسی بچے کو عذاب دے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بچہ عاقل بالغ ہوکر عذاب کا
مستحق ہوگا۔ غرض اسکے نزدیک اللہ ظلم پر قادر ہی مگر جب وہ ظلم کرے۔ تو یوں تاویل
کرکے اسے عادل ماننا چاہئے اور اللہ کا ارادہ منجملہ اسکے افعال کے ہے پھر یہ ارادہ
دو طرح پر ہے۔ ایک صفت فعل دوسرا صفت ذات اور لطف مخزون کا قائل تھا
مگر کہتا تھا اللہ نے اُس لطف کو اسلئے پیدا نہیں کیا کہ اللہ پر پھر ثواب دینا واجب
ہوجاتا۔ اور پہلی توبہ متوقف ہے دوسری توبہ پر اور توبہ نفع نہیں کرتی مگر جبکہ پھر وہ کام
نکرے۔ اگر پھر وہی کام کیا۔ تو پہلی توبہ نافع نہیں ہوتی ہے

نہم مزداریہ۔ یہ متبع ہیں ابو موسے عیسے بن صبیح معروف بہ مزدار تلمیذ بشر بن معتمر
کے یہ شخص زاہد تھا۔ اسکو راہب المعتزلہ کہتے تھے۔ چند مسائل میں متفرد ہے۔ جیسے یہ
اللہ ظلم و کذب پر قادر ہی اس سے کچھ اُسکی ربوبیت میں بٹہ نہیں لگتا ہے۔ جب ایسا
کریگا۔ تو ظالم اور کاذب قرار پائیگا۔ یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ قرآن پر قدرت ہوسکتی ہے
قرآن کی فصاحت و بلاغت لوگوں کو عاجز نہیں کرتی ہے۔ بلکہ وہ اس سے بہتر کلام
لا سکتے ہیں اور قرآن کے مخلوق ہونے کے باب میں اُسکو بڑا اصرار تھا۔ اور جو قرآن
کو قدیم کہتے اُنہیں کافر جانتا تھا یہی قول اسکا اصل معتزلہ ہے مسئلہ خلق قرآن ایسے
اسکے زمانے میں بہت سے تشدد سلف پر جاری ہوئے اسلئے کہ وہ قائل قدم قرآن
کے تھے کہتا تھا کہ جو کوئی دیکھنا اللہ کا آنکھوں سے بلا کیف کہتا ہے۔ وہ کافر ہے۔ اور
اسی طرح جو شخص سلطان سے ملابست رکھتا ہی یا خلق اعمال کا مقر ہے وہ بھی کافر ہے
نہ اسکو کسی مسلمان کی وراثت پہنچ سکتی ہے۔ اور نہ کوئی مسلمان اُسکا وارث قرار پا سکتا

ہے اور جایز ہے کہ ایک فعل دو فاعلوں سے بطور تولید کے سرزد ہو نہ بطور مباشرت کے

دہم ہشامیہ۔ یہ متبع ہیں ہشام بن عمرو فوطی کے۔ شفائے قاضی عیاض کے حاشیے میں لکھا ہے کہ لفظ فوطی میں فا اور اسکے بعد واو ساکن ہے۔ بعض نے واو کے فتحہ سے لکھا ہے۔ اور واو کے بعد طائے مہملہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ فا کی جگہ بائے موحدہ مضموم اور اُسکے بعد واو ساکن اور واو کے بعد طائے مہملہ اور طا کے بعد یائے نسبت ہے۔ بعض کتابوں میں غوطی غین نقطہ دار سے لکھا ہے۔ یہ شخص قدر میں بڑا مبالغہ رکھتا تھا کسی فعل کو کبھی اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتا تھا۔ یہانتک کہ اس بات کا بھی منکر تھا کہ اللہ نے مومنوں کے دلوں میں الفت دی ہے۔ اور وہ مومنون کے واسطے ایمان کو دوست رکھتا ہے۔ اور اُس نے کافروں کو گمراہ کیا ہے اور جو آیات قرآن پاک کی اس بات میں آئی ہیں۔ اُنکا مخالف تھا حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہنے سے منع کرتا تھا اسلئے کہ وکیل کا رتبہ مؤکل سے کم ہوتا ہے۔ حالانکہ وکیل اسمائے الٰہی میں حفیظ کے معنی میں ہے۔ کما قال اللہ تعالے وما انت علیہم بوکیل یعنی تو اُن نگہبان نہیں ہے۔ اور اس بات کا بھی قائل تھا کہ اعراض اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ اللہ تعالے اُنکا خالق ہے۔ اور نہ انسے رسول کی رسالت پر دلالت ہو سکتی ہے بلکہ اجسام دلالت کرتے ہیں۔ اور اُس سے یہ لازم آتا ہے کہ مردے کا زندہ کردینا اور عصا کا سانپ بن جانا دلیل صدق دعوے نبوت کی نہیں ہو سکتی۔ اس بات کا منکر تھا کہ دریا موسے علیہ السلام کے واسطے پھٹ گیا۔ اور اُنکا عصا سانپ بن گیا یا حضرت عیسے نے مردوں کو زندہ کیا ہو یا چاند حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے شق ہو گیا ہو اس طرح کے بہت سے امور متواترہ کا منکر تھا۔ جیسے محصور ہونا حضرت عثمان کا اور مقتول ہونا اُنکا بلوے سے۔ کہتا تھا کچھ لوگ اسکے ناقل ہیں سو یہ وہ لوگ ہیں جو عثمان کے شاکی تھے وہ گھس پڑے اور انھوں نے حضرت عثمان کو مار ڈالا معلوم نہیں کہ قاتل کون تھا۔ ایک قول اُسکا یہ بھی تھا کہ طلحہ و زبیر حضرت علی بن ابی طالب جنگ جمل میں کچھ لڑنے کو نہیں نکلے تھے۔ بلکہ مشورے کے لئے باہر آئے تھے۔ مگر دونوں فریق کے

جانب داروں نے ایک دوسرے پر حملہ کردیا۔ اسکا یہی قائل تھا۔ کہ شیطان انسان میں داخل نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ تو باہر سے وسوسہ ڈالتا ہے۔ اس وسوسے کو اللہ ابن آدم کے دل میں پہنچا دیتا ہے۔ اور اسکا یہ قول تھا کہ قرآن حرام و حلال پر دلالت نہیں کرتا اور یہ کہتا تھا کہ اگر ایک آدمی نے اچھی طرح سے وضو کرکے نماز پڑہنا شروع کی بہ نیت قرب خدا کے اور عزم کیا کہ نماز تمام کرے۔ پھر رکوع و سجدہ بجالایا۔ اور ان سب ارکان میں مخلص رہا۔ مگر اللہ کو معلوم ہے کہ وہ اُس نماز کو آخر میں قطع کردے گا۔ تو پہلی نماز اُسکی معصیت ہوئی۔ اور انعقاد امامت کا آدمیوں میں اختلاف اور فتنے کے زمانے میں نہیں ہوتا ہے۔ اور امت جس وقت کہ مجتمع ہوکر ظلم و فساد ترک کرے تب کہیں وہ محتاج سیاست کرنے والے امام کی ہوتی ہے۔ پھر جبکہ نافرمان و فاجر ہوکر اپنے والی کو قتل کر ڈالے۔ تو پھر عقد امامت کا کسی کے لئے نہیں ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کہتا تھا کہ امامت علی مرتضیٰ کی منعقد نہیں ہوئی۔ اسلئے کہ وہ بیعت وقت فتنے کے بعد شہادت حضرت عثمان کی وقوع میں آئی تھی۔ اور کہتا تھا کہ جنت و دوزخ مخلوق موجود نہیں ہیں کیونکہ اُنکے بالفعل موجود ہونے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اور جنت میں ازالہ نکاح کا بھی منکر تھا۔ یہ بھی کہتا تھا کہ نافع و ضار اللہ کا نام نہیں ہے۔ اور نہ یہ کہو کہ اللہ نے کافر کو پیدا کیا ہے۔

یازدہم حابطیہ۔ بائے موحدہ کے ساتھ احمد بن حابط کے متبع ہیں۔ اس نے ابراہیم بن سیار نظام کی صحبت پائی تھی۔ اسکا قول ہے۔ کہ خلق کے دو معبود ہیں ایک خالق و معبود قدیم ہے۔ دوسرا مخلوق وہ عیسیٰ بن مریم ہیں۔ مسیح کو ابن اللہ اعتقاد کرتا تھا۔ کہتا تھا کہ آخرت میں حساب و کتاب خلق کا مسیح کرینگے۔ اس آیت قرآن کا یہی مطلب ہے هَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّا اَنْ يَأْتِيَهُمُ اللهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ ۵ کیا لوگ یہی انتظار رکھتے ہیں کہ اللہ اُنکے پاس ابر کے سائبانوں میں آئے۔ اور کہتا تھا یہ جو حدیث میں آیا ہے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند

لہ الحابطیۃ بالباء الموحدۃ فرقۃ من المعتزلۃ اتباع احمد بن حابط وھو من اصحاب النظام کذا فی کشاف اصطلاحات الفنون ۱۲ منہ

کی طرف دیکھکر فرمایا انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر ۔ یعنی تحقیق تم اپنے پروردگار کو دیکھوگے۔ جیسے کہ اس چاند کو دیکھتے ہو۔ مراد اس سے عیسیٰ ہیں اور اسکا یہ اعتقاد تھا کہ چوپایوں اور پرندوں اور حشرات میں یہانتک مچھر اور پسو اور مکھی میں بھی انبیا ہوتے ہیں بدلیل اس آیت کے وان من امۃ الا خلا فیھا نذیرۃ یعنی کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہوچکا ہو۔ وقولہ تعالے وما من دابۃ فی الارض ولا طیر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم یعنی نہیں کوئی چلنے والا زمین پر اور نہیں کوئی پرندہ کہ اپنے بازوؤں سے اڑے۔ مگر ایک ایک امت ہی تمہاری طرح اور بدلیل حدیث کہ عبداللہ بن مغفل سے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا لولا ان الکلاب امۃ من الامم لامرت بقتلھا یعنی اگر یہ بات نہوتی کہ کتے ایک امت ہیں امتوں میں سے تو تحقیق میں ان سب کے قتل کرنے کے لئے حکم دیتا اور تناسخ کا قائل تھا۔ اور کہتا تھا اللہ کی روح نے ائمہ میں تناسخ کیا ہے۔ ایک یہ بھی اعتقاد رکھتا تھا کہ اللہ نے ابتداءً ساری خلق جنت میں پیدا کی تھی۔ جو کوئی جنت سے باہر نکلا وہ اپنی معصیت کے سبب سے نکلا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بسبب تعدد نکاح کے طعن کرتا تھا۔ کہتا تھا ابوذر غفاری حضرت سے زیادہ زاہد و عابد تھے۔

دوازدہم حدثیہ۔ یہ پیرو فضل حدثی شاگرد نظام کے ہیں۔ ملل ونحل شہرستانی میں حدثی ثائے مثلثہ سے لکھا ہے۔ اور شرح مواقف میں بائے موحدہ کے ساتھ مندرج ہے۔ انکا مذہب بھی حابطیہ کا سا ہے۔ تناسخ کے معتقد ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالے نے اس جہان کے علاوہ ایک اور جہان میں ابتداءً حیوانات کو عاقل و بالغ پیدا کیا تھا۔ اور بہت کچھ نعمت عطا کی تھی۔ اور علوم بھی بخشے تھے۔ پھر ان کا امتحان منظور ہوا۔ اور حکم ہوا کہ ہماری عطیات کا شکریہ ادا کریں۔ بعض نے تعمیل کی اور بعض نے نہ کی۔ جنھوں نے تعمیل کی تھی۔ انہیں جنت میں بھیجا۔ اور جنھوں نے نافرمانی کی تھی۔ انہیں جہنم میں ڈالا۔ اور بعض ایسے بھی تھے کہ انھوں نے بعض احکام الٰہی کی تعمیل کی تھی۔ اور بعض احکام کی تعمیل نہ کی تھی۔ انہیں دنیا میں بھیجدیا۔ اور یہ اجسام

انکو مختلف رنگ دیئے گئے۔ اور طرح طرح کے رنج و خوشی اور نفع و ضرر میں انکو انکے گناہوں کے بموجب مبتلا کیا گیا جن لوگوں کے گناہ کم اور طاعت زیادہ تھی۔ انکو عمدہ صورت عطا ہوئی۔ اور انپر مصیبت کم ڈالی گئی اور جنکی عبادت کم تھی۔ اور گناہ زیادہ انکو بری صورت دی اور سخت مصائب میں گرفتار کئے گئے۔ اور جب تک حیوان پورے پورے گناہوں سے سبکدوش نہیں ہو جاتا۔ برابر دنیا میں اُسکی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔

سیزدہم صالحیہ۔ یہ پیرو صالحی کے ہیں۔ وہ کہتا تھا جائز ہے کہ مردے کو علم اور قدرت اور ارادہ اور سمع اور بصر حاصل ہو۔ اُسکا یہ بھی قول تھا کہ جوہر بغیر اعراض کے بھی پایا جا سکتا ہے۔ اور اسکا اعتقاد تھا کہ تعذیب و تنعیم بلا زندہ کرنے میت کے واقع ہوگی۔ اور یہی رائے بعض علمائے کرامیہ کی ہے[1]۔

چہاردہم معمریہ۔ معمر بن عباد سلمی کے اصحاب ہیں معمر میں دونوں میم مفتوح اور عین مہملہ ساکن ہے جعفر کے وزن پر ہے۔ تبصرے میں لکھا ہے معمر معمر بن عباد ضمیری کی طرف منسوب ہیں۔ اور لفظ ضمیری صاد مہملہ مفتوح اور یائے تحتانی ساکن اور میم مفتوح اور رائے مہملہ سے ضمیر کی طرف منسوب ہے۔ جو ایک گاؤں یا شہر کا نام ہے۔ بعض نسخوں میں ضاد معجمہ سے لکھا ہے۔ اس صورت میں ضمرہ کی طرف منسوب ہے جو ایک قبیلے کا نام ہے۔ تلمسانی نے اسی طرح تحقیق کیا ہے معمریہ کہتے ہیں۔ انسان حی عالم قادر مختار ہے اور نہ متحرک ہے نہ ساکن نہ طویل نہ عریض نہ متلون ہے نہ دیکھتا ہے نہ چھوتا ہے۔ نہ حلول کرتا ہے۔ کسی جگہ میں نہ اُسکو کوئی جگہ حاوی ہوتی ہے۔ اور وہ مدبر بدن ہے۔ کچھ بدن میں حلول کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ انسان ایک شے سوا اس جسد کے ہے۔ غرضکہ انہوں نے انسان کی توصیف وصف الہیت کے ساتھ کی ہے۔ کیونکہ یہی وصف انکے نزدیک مدبر عالم کا بھی تھا۔ اور ان کا اعتقاد یہ تھا۔ کہ اللہ نے سوائے اجسام کے اور کچھ پیدا نہیں کیا ہے اور اعراض متولد ہیں۔ انہیں اجسام سے یا تو بالطبع جیسے آگ سے احراق

[1] دیکھو شرح مواقف و تعریفات شیخ ابوجعفر مکی ۱۲

اور سورج سے حرارت پیدا ہوتی ہے یا بالاختیار جیسے حیوان سے رنگ اور اعراض ہر نوع کے غیر متناہی ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ معمر کے نزدیک اعراض کا خالق اللہ نہیں۔ بلکہ یہ سب طبائع اجسام سے پیدا ہوئے طبایع اجسام ان آثار کی مقتضی ہیں اور کہتا ہے کہ قرآن اجسام کا فعل ہے نہ اللہ کا کیونکہ یہ مرکب ہے حروف اور آواز سے اور حروف و آواز جسم میں پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ کا ارادہ واسطے کسی شے کے غیر خدا و غیر مخلوق ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالے کو اپنے نفس کا علم نہیں ہے۔ ورنہ عالم و معلوم میں اتحاد لازم آئیگا جو ممنوع ہے۔ اور اللہ تعالے قدیم نہیں۔ اسلیئے کہ لفظ قدیم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زمانہ قدیم ہے اور اللہ کا زمانی ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ وہ زمانے سے بری ہے۔ نسیم الریاض میں لکھا ہے کہ معمر کا قول ہے کہ قرآن اللہ پر دلالت نہیں اور نہ رسول کی رسالت پر حجت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اُسمیں کسی قسم کا معجزہ نہیں ہے اور قرآن سے ثواب و عذاب اور نہ کسی چیز کی حلت و حرمت ثابت ہوسکتی ہے یہ کہتا تھا کہ اللہ کے لئے کلام نہیں اور نہ امر و نہی ہے۔ اور نہ قرآن میں اسکا کوئی حکم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں کوئی دلیل ایسی نہ تھی جس سے انکے دعوے رسالت کی تصدیق ہوسکتی۔ اور مخلوقات کا وجود اللہ تعالے کے ہونے پر دلیل نہیں مخلوقات اللہ تعالے پر دلالت نہیں کرتی۔

پانزدہم ثمامیہ یہ تبع ہیں ثمامہ بن اشرس بن معن نمیری کے لفظ ثمامہ میں ثائے مثلثہ مضموم ہے۔ یہ شخص نہایت لطیفہ گو تھا اسکے نوادرات مشہور ہیں رشید اور مامون کے عہد میں تھا انکے دربار میں پہنچا تھا۔ اور معمر بن عباد سلمی کا ہم عصر اور رائے و اعتقاد میں اُس سے قریب تھا اگرچہ بعض مسائل میں متفرد ہوا مثلاً کہتا تھا کہ سارے علوم ضروری ہیں جو کوئی معرفت الٰہی کی طرف مضطر نہیں ہے وہ معرفت کے لئے مامور بھی نہیں ہے بلکہ مانند بہایم وغیرہ کے ہے۔ اُسکے اعتقاد میں یہود و نصاریٰ و زنادقہ قیامت کے دن مثل بہایم کے مٹی ہوجاینگے۔ انکو نہ ثواب ہوگا نہ انپر کچھ عذاب ہوگا اسلیئے کہ وہ مامور نہیں ہیں۔ کیونکہ معرفت کی طرف مضطر نہیں

ہوئے ہیں۔ ایک اعتقاد یہ تھا کہ سارے افعال متولد ہیں۔ مگر کوئی انکا فاعل نہیں ہے۔ اور استطاعت یہی اعضا کی صحت وسلامتی ہے۔ حسن وقبح عقل کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسی لئے معرفت خدا کی قبل ورود شرع واجب ہے۔

شانزدہم خیاطیہ ابوالحسین بن ابی عمرو خیاط کی طرف منسوب ہیں۔ جو عیسی صوفی کے اصحاب سے تھا۔ پھر ابو مجالد کے پاس رہا۔ انکو یہ اعتقاد تھا کہ معدوم شے ہے۔ اور وہ عدم میں ایک جسم ہے اگر اسکے حدوث میں جسم ہو۔ اور عرض ہے اگر اسکے حدوث میں عرض ہو۔ انکے نزدیک بندہ اپنے افعال پر آپ قدرت رکھتا ہے۔ اس امر میں خدا کی معاونت کا محتاج نہیں ارادۂ الہی خود افعال الہی کے لئے خالق ہے۔ اور افعال عباد کے لئے امر ہے۔ یہ لوگ کہتے تھے خدا سمیع یا بصیر جو کہتے ہیں اسکے یہ معنی ہیں کہ خدا مسموعات اور مبصرات کا عالم ہے اور جو کہتے ہیں خدا اپنی ذات کو یا کسی غیر کو دیکھتا ہے اسکے بھی یہی معنی ہیں کہ وہ انہیں جانتا ہے۔

ہفدہم جاحظیہ۔ ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب بصری معروف بہ جاحظ کے اصحاب ہیں تاریخ ابوالفدا واقعات ۲۵۵ھ ہجری میں جاحظ کی کنیت یہی لکھی ہے اور یافعی نے واقعات ۲۵۵ھ میں اسکی کنیت ابوعثمان بیان کی ہے اور نزہۃ الالبا میں بھی ابوعثمان عمرو جاحظ مندرج ہے۔ عمدۃ الطالب میں بھی ابوعثمان ہے۔ یہ شخص بڑا عالم اور نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ نظام معتزلی کا شاگرد تھا۔ اور خود بھی ائمہ معتزلہ میں سے ہے اور معمر بن عباد سلمی کا ہمعصر تھا۔ اور رائے و اعتقاد میں دونوں قریب قریب تھے۔ اس نے کتب فلاسفہ کی بہت کچھ سیر کی تھی۔ کہتا تھا سارے معارف ضروری ہیں۔ کوئی شے ان میں سے افعال عباد نہیں ہے بلکہ یہ سب طبعی ہیں۔ بندے کا کسب سوا ارادے کے اور کچھ نہیں ہے اور آدمی ہمیشہ دوزخ میں نہ رہینگے۔ بلکہ طبیعت نار ہو جائینگے۔ اللہ کسی کو داخل نار نہ کریگا۔ خود آگ انکو بالطبع اپنی طرف کھینچ لیگی۔ اور یہ قرآن منزل اجساد کے قبیل سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ

کبھی مرد ہو جائے کبھی عورت[1] اور اللہ ارادہ معاصی کا نہیں کرتا ہے۔ اور نہ اللہ دکھتا ہے۔ اور اپنے کاموں میں اللہ کے ارادے کے یہ معنی ہیں کہ وہ غلطی نہیں کرتا ہے اور اسکے حق میں سہو کا ہونا صحیح نہیں ہے۔ اور غیر کے فعل کے لیئے اسکا ارادہ یہ ہے کہ نفس اسکی طرف میل کرتا ہے۔ اور جواہر اجسام کا معدوم ہونا محال ہے البتہ اعراض بدلتے رہتے ہیں۔ جواہر اپنی حالت پر باقی رہتے ہیں۔ مثلاً جب انسان مٹی سے بنتا ہے۔ اور بیٹا باپ کے نطفے سے پیدا ہوتا ہے۔ تو جس جوہر میں مٹی اور نطفے کی ہیئت تھی۔ وہ ہیئت اس سے دور ہو کر ہیئت حیوانی یا انسانی اس میں پیدا ہوتی ہے۔ اور جن باتوں پر اعتقاد رکھنا مکلف پر واجب ہے۔ جیسے اثبات صانع عالم اور اسکی صفات کا ثبوت اور نبوات کا ثبوت اس قسم کی باتوں کا علم ضروری ہے۔ باقی سب نظری ہیں جاحظ بے حد مسخرہ تھا اور لطیفہ گو تھا۔ خلفائے بغداد کی مصاحبت میں رہتا تھا۔ علی محمد بن عبد الملک معروف بہ ابن زیات وزیر متوکل کے پاس رہا کرتا تھا۔ جب ابن زیات متوکل کے حکم سے مارا گیا۔ تو جاحظ بھی قید ہوا۔ پھر رہا ہو گیا۔ اسکی تصانیف سے بہت سی کتابیں ہیں۔ جیسے کتاب البیان و کتاب التبیین اس میں نظم و نثر کو جمع کیا ہے۔ اور کتاب الحیوان اور کتاب الغلمان اور ایک کتاب اسلامی فرقوں کے ذکر میں لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ اول درجہ کا بدشکل تھا۔ اور اسکی آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں جسکو دیکھکر لڑکے سہم جاتے تھے۔ آخر عمر میں مفلوج ہو گیا تھا۔ ۹۰ سال عمر میں بمقام بصرہ ۲۵۵ھ میں فوت ہوا ایام مرض میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا ؎

اترجوا ان تکون وانت شیخ ٭ کما قد کنت ایام الشباب۔

جیسا تو عالم شباب میں تھا کیا پیری میں بھی ویسا ہی ہونیکی امید رکھتا ہے ؎

لقد کذبتک نفسک لیس ثوب ٭ خلیق کالجدید من ثیاب۔

تیرے نفس نے اب تجھکو فریب دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ پرانا کپڑا نئے کے برابر نہیں ہوتا[2]

کعبیہ ہم کعبیہ یہ شیخ ہیں ابو القاسم عبد اللہ بن احمد بن محمود بلخی معروف بہ کعبی کے

[1] نواب صدیق حسن خاں نے خبیئة الاکوان اور کشف الغمہ عن افتراق الامہ میں بجائے عورت کے لفظ حیوان لکھا ہے یہ سہو ہے ۱۲ - [2] دیکھو نزہۃ الالبا صفحہ ۲۵۴

جس نے علم خیاط سے حاصل کیا تھا۔ اسکا مذہب بعینہ اسکا مذہب تھا۔ یہ شخص چند مسائل میں معتزلہ بغداد سے ممتاز بنا تھا۔ کہتا تھا کہ اللہ کا فعل اُسکے ارادے کے بغیر واقع ہوتا ہے پس جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے افعال کا ارادہ کرنیوالا ہے تو اُس سے یہ مراد ہوتی ہے۔ کہ وہ انکا خالق ہے اور مصلحت جان لیتا ہے۔ اور جس وقت یوں کہتے ہیں کہ وہ غیروں کے افعال کا ارادہ کرنیوالا ہے تو مطلب اسکا یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ غیروں کے افعال کا حکم کرنے والا ہے اور قائل اس بات کا تھا کہ اللہ تعالےٰ نہ اپنی ذات کو دیکھتا ہے نہ غیر کو بلکہ اسکے بصر و سمع علم ہی کی طرف راجع ہیں یعنی مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ وہ جانتا ہے۔ کہتا تھا کہ قتل موت نہیں موت وہی ہے جو اپنے وعدے سے مرے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے فعل کا نام موت ہے اور بندے کے فعل کا نام قتل شاید یہ مسلک کعبی نے قرآن کی اس آیت سے حاصل کیا ہے وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم

محمدؐ تو ایک رسول ہے اس سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے پھر کیا اگر وہ مرگیا یا مارا گیا۔ تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاوگے۔ موت اور قتل میں چونکہ تردید واقع ہوئی ہے۔ اور تردید دو متغائر میں واقع ہوتی ہے تو اسلئے کعبی نے یہ خیال کیا۔ کہ موت کا اطلاق اُس اجل پر کرنا چاہئے جو قتل کے ذریعہ سے حاصل ہو حالانکہ اللہ تعالےٰ نے موت کے بعد قتل کو بطریق تردید ذکر کرنے سے خصوصیت کا ارادہ کیا ہے یعنی اگر محمدؐ مر جائے خاصکر مارا جائے تو تم کیا مرتد ہو جاوگے۔ رسول زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اُس پہ قایم رہو۔

نوزدہم جبائیہ ۔ یہ گروہ محمد بن عبدالوہاب جبائی کی طرف منسوب ہے جو ۲۳۵ھ میں بلدہ جبا میں پیدا ہوا تھا۔ خوزستان میں جبا ایک شہر کا نام تھا۔ جبائی کی کنیت ابو علی ہے اسکا نسب حضرت عثمان کے غلام حمران سے جا ملتا ہے۔ جبائی نے علم کلام ابو یوسف یعقوب بن عبداللہ الشحام البصری سے جو بصرے میں رئیس معتزلہ تھا پڑھا تھا۔ یہ شخص متاخرین معتزلہ سے تھا اور شیخ ابوالحسن اشعری کا استاد تھا۔ مذہب

اعتزال میں اسکے مقولے مشہور ہیں۔ جیسے کہتا تھا۔ کہ اللہ کے نام توفیقی ہیں کہ سوا اُن
ناموں کے جنکی شرع نے اجازت دی اور نام اپنی طرف سے وضع کرکے اس ذات پاک
پر اطلاق کرنا نہ چاہیئے۔ مگر یہ کہتا تھا کہ اللہ کا نام مطیع العبد ہے۔ جبکہ اللہ وہ کام کرے
جسکا ارادہ بندے نے اُس سے کیا ہے۔ اور اللہ عورتوں کا حمل رکھتا ہے۔ نہیں
بچہ پیدا کرتا ہے۔ اسلئے کہ رحم مادر میں نطفے کے قرار پکڑنے کی علت وہی ہے۔ اللہ کا
کلام مرکب ہے۔ حروف و اصوات سے کہ وہ اُسے کسی جسم میں پیدا کر دیتا ہے۔ اور ایسے
کلام کا فاعل وہی ہے جس نے اُسے پیدا کیا نہ وہ جسم جس میں قایم ہو اور حلول کرے
اور کلام اسکا عرض ہے۔ بہت سے مکانوں میں اور ایک مکان میں بعد دوسرے
مکان کے پایا جاتا ہے۔ بغیر اسکے کہ مکان اول سے منہدم ہو جائے۔ پھر وہ دوسرے
مکان میں حاصل ہوتا ہے۔ اور جبائی نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالے کسی کے پڑھنے
کے وقت ایک کلام اپنے نفس کے لئے محل قرات میں پیدا کر دیتا ہے۔ اور امامت
کے معاملے میں اہل سنت کے ساتھ موافق ہے کہتا تھا امامت اختیار سے ہے۔ اور فضیلت
حضرت علی میں حضرت ابوبکر پر اور فضیلت حضرت ابوبکر میں حضرت علی پر متوقف
تھا۔ تاہم یوں کہتا تھا کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر و عثمان سے بہتر ہیں کہتا تھا۔ کہ اگر
یہ حدیث صحیح ہے کان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم طیر فقال اللھم ائتنی
باحب خلقک الیک یاکل معی ھذا الطیر فجاء علی فاکل معہ
یعنی انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پرند بھنا ہوا یا پکا ہوا رکھا تھا۔
اس وقت آپنے دعا کی کہ خداوندا لا میرے پاس اسکو جو تیرے نزدیک تمام مخلوق
میں سب سے زیادہ پیارا ہو کہ میرے ساتھ وہ اس پرند کو کھائے اس وقت حضرت
علی آئے اور انحضرت کے ساتھ اُسے کھایا۔ تو حضرت علی افضل ہیں۔ اور عقیدہ
اسکا یہ تھا کہ اللہ کا دیدار قیامت کو ہوگا۔ اور بندہ اپنے فعل کا آپ خالق ہے
خیر و شر طاعت و عصیان سب اسی کے اختیار سے صادر ہوتا ہے۔ اور مرتکب کبیرہ
نہ مومن ہے نہ کافر ہے۔ بلکہ فاسق ہے۔ اسکے نزدیک مرتکب کبیرہ اگر بلا توبہ مرجائیگا

تو ہمیشہ دوزخ میں پڑا رہیگا۔ اور یہ شخص کرامات اولیا کا منکر تھا۔ اور اس بات کا قائل
تھا کہ تمام انبیا معصوم ہیں۔ اور کہتا تھا کہ خدا پر مکلف کی عقل کا درست کرنا۔ اور
اسباب تکلیف کا بہم پہنچانا واجب ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک اللہ پر واجب ہے
مکلف پر لطف کرنا اور جو چیز اُسکے حق میں مفید ہو اُسکا پورا کرنا اور کہتا تھا اللہ تعالے
کی خود ذات عالم ہے۔ علم کوئی صفت اُس کیلئے نہیں کہ اُسکی ذات کے ساتھ قایم
ہو۔ اور نہ کوئی ایسی حالت ہے جس سے اُسکو عالمیت حاصل ہوئی ہو اور اُسکے
معنی کہ اللہ تعالے سمیع وبصیر ہے یہ ہیں کہ اللہ زندہ ہے کسی قسم کا نقصان اُس میں
نہیں اور اللہ تعالے میں سننے اور دیکھنے کی صفتیں مسموع اور مبصر کے حدوث
کے وقت حادث ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالے کا ارادہ حادث[1] ہے۔ اور اللہ موجود تو
ہے مگر کسی محل میں نہیں ہے۔ بذات خود قایم ہے۔ اور اللہ تعالے اسی ارادے کے
ساتھ ارادہ کرنے والا ہے۔ اور یہی اسکا وصف ہے اور کہتا تھا استطاعت فعل سے
قبل حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ قدرت ہے صحت وسلامتی بدن واعضا سے جدا اور
استطاعت سلامتی بدن واعضا کا نام نہیں جیسا کہ بعض معتزلہ کی یہ رائے ہے اور
اللہ کا پہچاننا اور اُسکی نعمتوں کی شکر گذاری اور نیک وبد کا جاننا واجبات عقلی سے
ہے کہ عقل خود ان باتوں کو ادراک کرسکتی ہے شرع کے ارشاد کی محتاج نہیں عقل کو
رسول باطن جانتا ہے اور عقل کو شریعت باطنی خیال کرتا ہے۔ جبائی شریعت عقلی
اور شریعت نبوی ثابت کرتا ہے اور جبائی مقتول کی اجل کے باب میں ان دو
قولوں میں کہ وہ اپنی اجل مقرری پر مارا جاتا ہے یا بیوقت مارا جاتا ہے کہ اگر
کبھی نہ مارا جاتا تو اور زندہ رہتا متوقف ہے کہتا ہے کہ ان میں سے کوئی قول
قابل یقین نہیں کیونکہ دونوں باتوں کا احتمال ہے۔ اسلئے کہ جس طرح مقتول کے حق
میں حیات کا احتمال ہے اسی طرح ممات کا بھی احتمال ہے۔ اور کہتا ہے شریعت

[1] کتاب اتولوجیا میں محمد بن عمر الحسین الرازی نے کہا ہے واما المعتزلة فمذهب ابوعلی
وابوهاشم لانه يحدث في ذاته صفة المريدية والكارهية ويحدث في ذاته كونه سامعا و
مبصرا لهذه الاصوات الحادثة ولهذه الالوان الحادثة ۱۲-

ہنوز وہ کام ہیں کہ عقل اُنکے بھیدوں کو نہیں جان سکتی۔ جیسے عبادتوں کے وقت
اور علت وحرمت اشیائے مقرر کی۔ اور فرایض کا واجب ہونا اور منہ وبات کا مستحب
ہونا اور عقل بالاستقلال ادراک کرتی ہے کہ مطیع کو ثواب اور عاصی کو عذاب ہونا ضرور ہے
لیکن عاصی کا ہمیشہ دوزخ میں پڑا رہنا تعبدا شرع شریف سے کہ عقل ظاہر ہے قبول
کرنا چاہئے۔ اور کہتا تھا۔ اللہ پر واجب ہے گنا ہگار کو عذاب دینا اور مطیع کو ثواب
پہنچانا اسکے نزدیک ایمان ایک مدح کا نام ہے جس میں اچھے اوصاف جمع ہوتے
ہیں پس جس میں وہ جمع ہوں وہ مومن ہے۔ اور کہتا تھا کہ ایمان نام ہے جملہ طاعات
مفروضہ کا اور نفل اُس سے خارج ہیں۔ اور اُن فرشتوں کا جو قبر میں مردے سے سوال
کرتے ہیں منکر ونکیر نام رکھنا ناپسند کرتا ہے۔ اور اُسکے اقوال دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ پل صراط کے بارے میں متردد ہے کیونکہ ثابت بھی کرتا ہے اور انکار بھی کرتا ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری نے ایک بار جبائی سے پوچھا کہ تین بھائی تھے۔ اُن میں
ایک مومن صالح ہوکر مرا اور ایک کافر ہوکر مرا تیسرے نے لڑکپن میں وفات پائی اُنکا
کیا حال ہوا۔ ابوعلی نے کہا مومن صالح کو جنت اور کافر کو دوزخ ملی۔ اور تیسرے کو نہ
عذاب ہے نہ ثواب ہے۔ اشعری نے کہا اگر تیسرا بھائی اللہ سے کہے مجھے بڑا کرکے مومن
صالح بناکے کیوں نہ موت دی۔ کہ میں جنت میں جاتا آرام پاتا کیونکہ اسکے حق میں تو
یہی خوب تھا۔ جبائی نے یہ جواب دیا کہ اللہ اُسکو یوں جواب دیگا کہ اگر تو بڑا ہوتا گناہ
کرتا۔ جہنم میں دکھ بھرتا۔ تیرے حق میں یہی خوب تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اشعری نے
پھر کہا اگر کافروں کہے کہ مجھے مومن صالح کرکے کیوں نہ مارا کہ بہشت میں جاتا یا لڑکپن
میں مارنا تھا کہ دوزخ سے بچتا۔ اور سکے حق میں یہ بہتر نہ تھا کہ جہنم میں جائے۔ تو اللہ
اُسکو کیا جواب دیگا۔ جبائی نے کہا۔ تو تو دیوانہ ہے۔ اشعری نے کہا نہیں یہ کہو کہ
شیخ کا گدھا اس گھاٹی پر چڑھ نہیں سکتا۔ جبائی چپ رہ گیا اس مناظرہ سے ثابت
ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے جسکو چاہا اپنی رحمت سے مخصوص فرمایا اور جسکو چاہا عذاب کا
مورد قرار دیا۔ افعال الٰہی کسی غرض کے ساتھ معلل نہیں ہیں۔ جبائی کا انتقال ۳۰۳ھ

میں ہوا تھا۔

بستم بہشمیہ۔ یہ متبع ابو ہاشم عبدالسلام بن ابی علی جبائی کے ہیں۔ جو بصرے میں پیدا ہوا۔ چہار شنبہ ۷ اشعبان ۳۲۱ھ میں فوت ہوا۔ یہ علم ادب میں باپ سے بڑا ہوا تھا۔ اور یہ شخص تمام مقالات میں اپنے باپ کا متبع ہے۔ دونوں باپ بیٹوں نے مسائل کلامیہ میں تمام معتزلہ سے بہت سے مسائل میں مخالفت کر کے نئی تحقیقات کی ہیں بلکہ کئی مسئلوں میں باپ سے متفرد تھا چنانچہ استحقاق ذم وعذاب کا بغیر گناہ کے قائل تھا۔ اور یہ کہ آدمی کوئی گناہ نکرے۔ اور اسکو عذاب دیا جائے۔ جو کہ تھوڑے سے صفات واجب ذات واجب کے مغائر ہیں۔ جیسے سمع وبصر متکلمین کا ان میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ مراد ان سے علم ہے یعنی سمع وبصر سے یہ مراد ہے کہ مسموعات ومبصرات کا عالم ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ سمع وبصر سے مراد یہ ہے کہ زندہ ہے بلا آفت کے ابو ہاشم ایسی صفات کی تصحیح کے لئے احوال کا قائل ہوا تاکہ اُن اعتراضوں سے محفوظ رہے جو اشاعرہ پر وارد کئے گئے ہیں۔ پس کہتا تھا کہ سمیع سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ صاحب ایسے حال کا ہے کہ وہ حال فی نفسہ نہ موجود ہے نہ معدوم نہ مجہول نہ معلوم نہ قدیم نہ حادث اور اُس حال سے اثر سمع ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا علم ایک حالت ہے اور اللہ کے عالم ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ ذی حالت ہے۔ اور وہ حالت صفت معلوم ہے اُسکی ذات سے علٰحدہ موجود ہے۔ مگر ذات سے علٰحدہ ہو کر معلوم نہیں ہو سکتی اس حالت سے اثر علم ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس نے اللہ کے لئے ایسے احوال ثابت کئے۔ جو نہ معلوم ہیں نہ مجہول اور نہ موجود ہیں نہ معدوم نہ قدیم ہیں نہ حادث یہ احوال علٰحدہ نہیں جانے جاتے بلکہ ذات کے ساتھ جانے جاتے ہیں۔ اور دلیل اسپر یہ بیان کی ہے کہ عقل بالبداہت فرق کر سکتی ہے کسی چیز کے مطلق جاننے اور کسی صفت کے ساتھ جاننے میں۔ دیکھو جب کسی ذات کو جانتے ہیں تو اسکا عالم ہونا نہیں جانتے۔ اور جوہر کو جانتے ہیں۔ اُسکے متحیز ہونے کو یا اس بات کو کہ عرض اُسکے ساتھ قائم ہوتا ہے نہیں جانتے انسان موجودات کے

ایک چیز میں شریک ہونے کو اور دوسری چیز میں شریک نہونے کو بخوبی جانتا ہے مگر ابو علی اور دوسرے منکرین احوال اُسکے اس قول کو رد کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے یہ شعر ایک مقام پر لکھا ہے[1]

مما یقال ولا حقیقة عنده معقولة تقرب الی الافهام
الحال عند البهشمی والکسب عند الاشعری وطفرة النظام

یعنی ابو ہاشم جو حال کا قائل ہے اور اشعری کسب کے اور نظام طفرے کا یہ تینوں باتیں بے حقیقت ہیں ... [illegible] ہیں کہ عقلاً انکو تسلیم کریں۔ اور ابو ہاشم جو کے نزدیک سمع اور بصر اللہ کی دو حالتیں ہیں سوائے علم کے کیونکہ مفہوم اور اثر جدا جدا ہیں۔ اور اسکے بعضے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سمیع و بصیر ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ مسموعات و مبصرات کا مدرک ہے اور جو کہ مسئلہ علم قبل الایجاد میں اہل کلام نے اختلاف کیا ہے اس طرح کہ شے معدوم کیسے معلوم ہوسکتی ہے۔ اس لئے علم قبل الایجاد کا انکار کیا ہے اور بعضے ارتسام صور کے قائل ہوئے ہیں۔ اور بعضوں نے رب النوع ثابت کئے ہیں ابو ہاشم نے معدومات کا ثبوت مانا ہے۔ اور کہا کہ اشیا اپنی پیدائش سے قبل ایک قسم کا ثبوت اپنے عالم میں رکھتی ہیں کہ نہ موجود ہیں نہ معدوم اور اس ثبوت کی وجہ سے واجب تعالے کا معلوم واقع ہوتی ہیں۔ اور کہتا ہے کہ اللہ کے لئے یہ لایق ہے کہ ایمان کی تکلیف مشکل وجہ پر بغیر لطف کے دے بخلاف جبائی کے کہ اسکے نزدیک یہ ہے کہ جسکو اللہ کی معرفت حاصل ہوئی۔ اور وہ اللہ پر اُسکے لطف کے ساتھ ایمان لایا تو اُسکو ثواب کم ملیگا اسلئے کہ اُسکی مشقت کم ہے۔ اور اگر بغیر لطف الٰہی کے ایمان لایا۔ تو اُسکا ثواب زیادہ ہے۔ کیونکہ اسکی مشقت زیادہ ہے۔ اور ابو ہاشم کہتا ہے کہ اللہ پر کوئی چیز دنیا میں بندوں کے لئے واجب نہیں۔ جب تک انکو شرع اور عقل کے ساتھ تکلیف نہ فرمائے۔ اور جب اُنکو اتنی سمجھ دیدی کہ وہ واجب کے کرنے کو اور قبائح سے بچنے کو جاننے لگیں۔ اور ان میں برے کام کرنے کی خواہش اور اچھے کام کی نفرت پیدا کر دے۔ اور اخلاق ذمیمہ ان میں ڈالدے تو اسوقت

---

[1] دیکھو نامۂ دانشوران ۱۲

اللہ پر واجب ہے کہ اُنکو قدرت و استطاعت دے اور بُرے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کے کرنے کے لئے آلات بہم پہنچا دے اور اللہ پر اس چیز کا اُنکو عطا کرنا واجب ہے جو مامورات کی طرف لیجاتی ہو۔ اور منہیات سے بچاتی ہو۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ توبہ کسی فعل قبیح اور گناہ کبیرہ سے باوجود اصرار کے دوسرے ایسے فعل قبیح پر صحیح نہیں ہوتی جسکو وہ جانتا ہے یا قبیح اعتقاد کرتا ہے اگرچہ حسن ہی کیوں نہو۔ اور اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر کافر کو ذرا سے گناہ پر اصرار ہو۔ تو اُسکا اسلام مقبول نہیں اور کہتا تھا۔ کہ جس آدمی کو فعل قبیح کے کرنے کی قدرت باقی نہ ہے۔ اور پھر اُس سے توبہ کرے۔ تو وہ توبہ اُسکی صحیح نہیں ہوتی۔ اور کہتا تھا انبیاء سے صغیرہ گناہ ہونا ممکن ہے۔ اور کہتا تھا کہ کلام اللہ عبارت ہے اصوات مقطوعہ اور حروف منظومہ سے۔ اور چونکہ اصوات و حروف حادث ہیں۔ اور ذات واجب محل حوادث نہیں۔ تو خدا کے متکلم ہونے سے یہ مراد ہے کہ خدا نے اجسام میں کلام ایجاد فرمایا ہے۔ نہ یہ کہ کلام اُسکی ذات سے قائم ہے۔ اُسکے اعتقاد میں زنگی اور ترک اور ہنود اس بات کی قدرت رکھتے ہیں کہ ایسا قرآن لاسکیں۔ اور ایک علم سے دو چیزیں بالتفصیل نہیں معلوم ہو سکتیں۔ اور اُسکے اعتقاد میں طہارت واجب نہ تھی۔ اگرچہ بندے کو حکم ہے۔ کہ وہ نماز کے وقت طاہر ہو۔ کہتا تھا غصب کئے ہوئے پانی سے طہارت کفایت کرتی ہے۔ مگر نماز غصب کی ہوئی زمین پر واجب نہیں۔

بست و یکم حماریہ۔ یہ متبع ہیں ایک قوم معتزلہ کے عسکر مکرم سے ان کا مذہب یہ ہے کہ ممسوخ انسان کافر معتقد کفر ہوتا ہے۔ اور نظر نے واجب کو واجب کیا ہے۔ نظر کا کوئی فاعل نہیں ہے۔ اسی طرح جماع بچے کا موجب ہوتا ہے۔ بچے کے پیدا کرنے والے میں شک کرتے تھے۔ کہتے تھے انسان انواع حیوانات کا بطریق تعفین کے خالق ہے۔ یہ لوگ یہ بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ کا بندے کو حیات و قدرت کے پیدا کرنے پر قادر کر دینا جائز ہے[1]

[1] دیکھو تبریزی جلد دوم ص ۱۴

بست و دوم ابوالحسینیہ۔ یہ ابوالحسین بصری کے تبع ہیں۔ یہ شخص معتزلہ میں اعلیٰ درجے
کا عالم تھا۔ مذہب معتزلہ کی اس نے خوب تنقیح کی تھی اصولیین میں اس کی بہت سی تحقیق
مسلم گذری ہیں۔ اس نے صفت علم الہی میں تمام معتزلہ اور اہل سنت سے اختلاف کیا ہے۔ معتزلہ اور
اہل سنت کا یہ قول ہے کہ حیات اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو اس بات کو چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب
علم و قدرت ہو۔ اور ابوالحسین کا مذہب ہے کہ حیات اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی صفت مستقل نہیں اس ذات مقدس کو
جو حی کہتے ہیں تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ صاحب قدرت و ارادہ ہے۔ فرق دونوں مذہبوں میں
یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک حیات ایک صفت مستقل ہے۔ ذات پاک سے علیحدہ
جسکا اقتضا یہ ہے کہ ذات باری صاحب علم و قدرت ہے۔ اور ابوالحسین کے
نزدیک صرف ذات باری ہے۔ جو اپنے لئے علم و قدرت کے متتبع ہونے کو مستلزم
ہے۔ یہی مذہب حکما و فلاسفہ کا تھا[1]۔ ابوالحسین اور بھی اکثر مسئلوں میں معتزلہ کے
خلاف رکھتا ہے۔ جیسے کرامات اولیا کا قائل ہے۔ اور اسکے نزدیک ارادہ الہی
بھی کوئی علیحدہ صفت نہیں۔ اسکا ارادہ یہی ہے کہ وہ جانتا ہے۔ بغرض اللہ کا
ارادہ اُسکے علم میں منحصر ہے اور اسکا قول ہے کہ وجوب امامت کا طریق شرع
اور عقل دونوں ہیں۔ برخلاف جمہور معتزلہ کے کہ انکے نزدیک وجوب امامت کا
طریق شرع ہے۔ ابوالقاسم بلخی بھی اس مسئلے میں ابوالحسین کا ہم رائے ہے[2]
تذکرۃ نفائس الفنون میں لکھا ہے کہ قاضی عبدالجبار کے متبع قضویہ کہلاتے ہیں
طبقات شافعیہ کے طبقہ ثامن میں بیان کیا ہے کہ قاضی عبدالجبار بن احمد بن عبدالجبار
بن احمد بن خلیل قاضی ابوالحسن ہمدانی قاضی [illegible] شافعی المذہب تھے
مگر مذہب اعتزال کے شیخ مانے گئے ہیں۔ اور مذہب اعتزال کی مدد میں اُن کی
بہت سی تصنیفات ہیں۔ ذیقعدہ ۴۱۵ھ میں انتقال کیا ہے

معتزلہ کے [illegible] بہت سے نام ہیں ایک قضویہ یہ نام اسلئے ہوا کہ [illegible]

---

[1] دیکھو نفائس الفنون ۱۲ [2] دیکھو مطالع الانظار صفحہ ۳۴۹ [3] دیکھو شرح کتاب الازہار فی فقہ الائمۃ الاطہار میں کتاب السیر ۱۲

بات کے قائل ہیں کہ خیر اللہ کی طرف سے ہے اور شر بندے کی طرف سے دوسرا نام
واردیہ یہ نام اسلئے ہوا کہ ان کا قول یہ ہے کہ مومنین دوزخ میں نجائینگے فقط انکا
ورود دوزخ پر ہوگا۔ اور جو شخص دوزخ میں گیا وہ پھر اس سے باہر نہ نکلیگا۔ تیسرا
حرقیہ ان کا قول یہ ہے کہ کفار جلائے نہیں جائینگے مگر ایک بار چوتھا مفنیہ یہ قائل ہیں
فنائے جنت و دوزخ کے پانچواں واقفیہ یہ قائل ہیں توقف کرنیکے قرآن شریف کے
مخلوق ہونے میں چھٹا لفظیہ یہ قائل ہیں اس بات کے کہ لفظ قرآن مخلوق نہیں
ہے۔ ساتواں ملتزقہ یہ قائل ہیں اس بات کے کہ اللہ ہر جگہ میں ہے۔ آٹھواں
قبریہ یہ منکر ہیں عذاب قبر کے نواں نام کیسانیہ ہے دسواں ناکثیہ ہے۔ گیارہواں
احمدیہ ہے بارہواں واسطیہ تیرہواں وہمیہ چودھواں قبریہ ہے[1]

تنبیہ

ابن راوندی احمد بن یحیے بن اسحاق راوندی کو عام مصنفین معتزلہ میں شمار
کرتے ہیں مگر ابن خلکان نے کہا ہے کہ ابن راوندی کی ایک کتاب فضیحتہ المعتزلہ بھی
ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ معتزلی نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ
معتزلہ سے بھی بدتر اور گمراہ تر ہے۔ اس کے عقیدے میں بالکل الحاد بھرا ہوا تھا
اسکا نام احمد ہے اور ابن راوندی معروف تھا۔ اس شخص نے کفر و الحاد میں کئی
تصنیف کی ہیں منجملہ ان کے کتاب زمردہ میں معارضہ قرآن کے بارے میں کہتا
ہے کہ میں نے اکثم بن صیفی کے کلام میں وہ چیز دیکھی ہے جو انا اعطیناک الکوثر سے
[illegible] عمدہ ہے۔ اور کہتا تھا کہ انبیا نے طلسمات کے ذریعہ سے خلق کی طبیعتوں کو
کھینچ لیا تھا جیسا کہ مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔ اور ایک ایک کتاب نصاریٰ
[illegible] کے لئے دین اسلام کے ساتھ مناقضہ کرنے کو بنا دی تھی۔ اور یہود سے
[illegible] تم کہو کہ موسیٰ بن عمران کہہ گئے ہیں کہ میں خاتم الانبیا ہوں۔ بعد میرے

---

[1] [illegible] جلد دوم الخطط والآثار ۱۲

کوئی نبی نہوگا۔ اور اپنی ایک کتاب مسمی بہ فرند میں کہتا ہے کہ مسلمان اپنے نبی کی
نبوت پر قرآن کو حجت بتاتے ہیں۔ جسکے ساتھ نبی نے تحدی کی تھی۔ پس اہل عرب
سے جواب نہو سکا۔ مگر مسلمانوں سے یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص فلاسفہ قدیم
کی نبوت کا مدعی دعوے کرے اور جیسا کہ تم قران کو حجت قرار دیتے ہو۔ وہ بھی
اُنکے کسی کام کو یا کتاب کو حجت بتاوے مثلاً کہے کہ اقلیدس کے صدق نبوت پر یہ دلیل
ہے کہ اُس نے دعوے کیا کہ کوئی انسان میری کتاب کی طرح نہیں بنا سکتا ہے
تو کیا اُس سے نبوت اُسکی ثابت ہوسکتی ہے۔ اور ابن راوندی نے کہا ہے کہ قرآن
میں ہے "ان کید الشیطان کان ضعیفا" بے شک شیطان کا فریب ضعیف ہے حالانکہ
اس نے ایسا مکر و فریب کیا۔ کہ آدم کو جنت سے نکلوا دیا۔ اور اُسکے ایسے بہت سے
مقالات ہیں جن سے ہم نے اعراض کیا۔ اور علما نے سب کا جواب دیا ہے۔ اور وجہ
فساد اور شناعت کی عمدہ طور پر بتائی ہے۔ ابن راوندی کے نزدیک ایمان نام ہے
تصدیق قلب کا اور اسکے نزدیک استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور کہتا تھا
کہ کسی پیغمبر کے قتل کر ڈالنے یا اُسکے طمانچہ ماردینے سے انسان اسلئے کافر ہوجاتا
ہے کہ اس نے پیغمبر کی تکذیب کی۔ اور اس سے بغض رکھا نہ اس وجہ سے کہ اُسکو
قتل کیا یا طمانچہ مارا۔ ابن راوندی نے ۴۰ برس کی عمر پائی ۲۴۵ھ یا ۲۵۰ھ
میں مرا۔

فرقہ شیعہ

قبل اس سے کہ شیعہ کے حالات بیان ہوں بطور تمہید کے یہ کہتا ہوں۔ کہ جب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ دن علیل رہکر ۶۳ برس کی عمر میں دوشنبہ کے
دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو انتقال[1] فرمایا۔ تو خلافت کی نزاع پیدا ہوئی اور انصار نے
یہ ٹھیرایا کہ ایک امام ہمارا ہوگا۔ اور ایک مہاجرین میں ہوگا۔ اور اپنی طرف سے

---

[1] دیکھو کشف الغمہ عن جمیع الامہ مولفہ قطب شعرانی ۱۲

سعد بن عبادہ کو خلیفہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے وہاں پہنچکر کہا کہ پیغمبر خدا کا حکم ہے کہ امام قریش چاہئے تب سب انصار نے قبول کیا۔ اور کہا تم کسے خلیفہ کرو گے۔ حضرت عمر نے کہا کہ ہم سب سے افضل ابوبکر ہیں انہیں سے بیعت کرتے ہیں تم بھی قبول کرو۔ اور اول بشیر رضی اللہ عنہ بن سعد انصاری نے پھر حضرت عمر نے پھر ابوعبیدہ بن جراح نے پھر آدمیوں نے بیعت کی۔ پھر بعد انکے بیعت کرنے والے چاروں طرف سے ابوبکر کی بیعت پر امنڈے چلے آتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسی کثرت ہو گئی کہ تل رکھنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ اور فوری طور پر صدیق اکبر پر اتفاق عام ہو گیا۔ یہ معاملہ سقیفہ[1] بنی ساعدہ میں ہوا تھا جب وہ مسجد میں آئے۔ تو لوگ ہر طرف سے دوڑکر آئے اور رغبت سے بیعت کرنے لگے۔ لیکن بنی ہاشم دیر تک اپنے ادعا پر رکے رہے۔ اور انکو اپنی ناکامی پر تعجب و افسوس دونوں ہوا اور حضرت علی۔ عباس۔ طلحہ۔ زبیر۔ مقداد بن عمر۔ عتبہ[2] بن ابی لہب۔ خالد بن سعید بن العاص۔ سلمان فارسی۔ ابوذر غفاری۔ عمار بن یاسر۔ براء بن عازب اور ابی بن کعب نے اول بیعت نہ کی۔ حضرت علی بیعت کے وقت سقیفے میں موجود نہ تھے جناب پیغمبر خدا کی تجہیز و تکفین کا سامان کر رہے تھے۔ پھر ان سب لوگوں نے بیعت

[1] دیکھو محاضرات الابرار ۱۲ [2] سقیفہ یعنی چبوترہ ۱۲ [3] ابولہب کے دو بیٹے آنحضرت کے داماد تھے۔ ایک کا نام عُتَیبہ عین کے ضمے اور تائے فوقانی کے فتح اور یائے تحتانی کے سکون سے ہے۔ اور یہ مصغر ہے۔ رقیہ بنت آنحضرت کا نکاح اس سے ہوا تھا۔ اور ایک روایت ہے کہ ام کلثوم بنت آنحضرت اس کے نکاح میں تھیں۔ اور اشہر اول ہے [illegible] دوسرے بیٹے کا نام عُتبہ ہے۔ اس لفظ میں عین مضموم ہے اور تائے فوقانی [illegible] شخص مسلمان اور مقبول الاسلام ہے اور صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ سال فتح مکہ میں ایمان لایا تھا عتیبہ آنحضرت کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا اور آنحضرت [illegible] بددعا کی تھی اور وہ [illegible] ہوئی۔ اور شیر نے اسکا پیٹ پھاڑ ڈالا کتاب [illegible] جلد اول اور روضۃ الاحباب و حلیہ السیر وغیرہ میں رقیہ کے شوہر کے حق میں حضرت کا بددعا کرنا لکھا ہے پس وہ عتیبہ مصغر ہونا چاہئے ۱۲ منہ

کر لی۔ اور حضرت علی نے چھ[1] مہینے کے بعد بیعت کی۔ بعض کہتے ہیں کہ تیسرے[2] دن یا اُسی دن یا دوسرے[3] دن یا چالیس[4] دن کے بعد بیعت کی۔ اور صحیح یہ ہے کہ دو بار بیعت کی۔ ایک بار تیسرے دن اور دوبارہ چھ مہینے کے بعد اور ضرورت بیعت ثانی کی یہ ہوئی۔ کہ جب فدک وغیرہ کے باب میں باہم حجت واقع ہوئی اور لوگوں کو ثابت ہوا کہ ان میں ملال ہے۔ تو اُنکے اس زعم کے دفع کرنے کے لئے ثانیاً بیعت[5] کی۔ حضرت ابوبکر صدیق کے بعد شاید بنو ہاشم کے دعوے نئے سر سے پیش آتے لیکن حضرت ابوبکر نے وفات کے وقت حضرت عمر کی خلافت پر باضابطہ تنصیص کی۔ اسلئے بنو ہاشم کو موقع نہ ملا۔ حضرت عمر نے اپنی شہادت کے قریب چھ شخصوں کو چنا۔ جنکی حاکمانہ لیاقتیں اُنکے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں۔ کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے۔ حضرت علی۔ عثمان۔ زبیر۔ طلحہ۔ سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف اُن انتخاب شدہ لوگوں میں تھے۔ گو حضرت عباس نے حضرت علی کو یہ ہدایت کی۔ کہ وہ اپنی خلافت کو بحث و اتفاق کے ہاتھ میں نہ دیں بلکہ بغیر کسی کی اعانت کے آپ اپنے استحقاق کا فیصلہ کر لیں۔ لیکن جناب امیر کی بےغرضی اور فیاض دلی نے اس اختلاف انگیز تحریک کے قبول کرنے کی اجازت نہ دی۔ عبدالرحمٰن بن عوف اس نزاع کے طے کرنے کے لئے مقرر ہوئے انہوں نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا میں تمہاری بیعت کرتا ہوں کتاب خدا اور سنت رسول اور طریقہ حضرت ابوبکر و عمر پر۔ حضرت علی نے جواب میں کہا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اور میرے اجتہاد رائے پر۔ عبدالرحمٰن نے اُنکو چھوڑ کر حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور وہی بات کہی۔ حضرت عثمان نے قبول کر لیا[6]

---

[1] صحیحین میں مروی ہے کہ چھ مہینے تک بیعت نہ کی ۱۲ [2] ابن حبان کی صحیح میں لکھا ہے کہ علی مرتضیٰ نے تیسرے دن بیعت کر لی تھی قسطلانی نے بھی اس قول کی تصحیح کی ہے ۱۲ [3] یہ دو قول مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے تکمیل الایمان میں لکھے ہیں ۱۲ [4] دیکھو تاریخ طبری ۱۲ [5] دیکھو شرح مسلم الثبوت مولفہ بحر العلوم ۱۲ [6] دیکھو شرح مقاصد ۱۲

پھر سب صحابہ نے اُن سے بیعت کرلی۔ حضرت علی نے صبر جمیل کیا۔ اور تن بہ تقدیر
راضی ہوگئے۔ حضرت عثمان خاندان بنوامیہ سے تھے۔ اور اُنکی خلافت ایک
نئے تاریخی سلسلے کا دیباچہ تھی۔ حضرت ابوبکر و عمر نہ ہاشمی تھے نہ اموی۔ اسلیئے اُنکے
عہد تک بنوامیہ و ہاشم یہ دونوں خاندان خلافت میں کچھ حصہ نہیں رکھتے تھے۔ حضرت
عثمان نے اپنی خلافت میں تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنی امیہ کے ہاتھ میں دیدیئے
معاویہ پہلے بھی شام کے گورنر تھے۔ لیکن اس عہد میں اُنکا اقتدار اس حد تک
پہنچ گیا کہ وہ ملک شام کے فرمانروا مستقل سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان کی خلافت
قریباً بارہ برس رہی۔ اور اگرچہ اخیر میں اسی خاندانی رعایت پر لوگ اُن سے ناراض
ہوگئے۔ اور جمعہ کے دن ۱۶ ذیحجہ ۳۵ھ کو بلوائیوں کے ہاتھ سے اُن کی شہادت
تک نوبت پہنچی اور شنبہ کی رات میں بقیع میں دفن ہوئے۔ حضرت علی سے طلحہ
زبیر۔ سعید بن زید۔ عمار بن یاسر۔ اسامہ بن زید۔ سہل بن حنیف۔ ابوایوب انصاری
محمد بن سلمہ۔ زید بن ثابت اور خزیمہ بن ثابت وغیرہ صحابہ نے بیعت کرلی۔ زہری کہتے
ہیں کہ یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص نے حضرت
علی کی بیعت نہ کی۔ اور یزید بن معاویہ کی بیعت کرلی۔ اور جن لوگوں نے حضرت
علی سے بیعت نکی شام کو چلے گئے۔ وہ عثمانیہ کہلانے لگے[۱]۔ طلحہ اور زبیر بھی بیعت
کرلینے کے بعد شب کے وقت مدینے سے نکل کر مکے کو چلے گئے۔ اور حضرت عائشہ اُن
دنوں مدینے میں نہ تھیں مکے سے حج کرکے واپس آرہی تھیں۔ اُنکو حضرت عثمان
کی شہادت کی خبر پہنچی، تو وہیں انجام کار دیکھنے کے واسطے ٹھیر گئیں۔ اور طلحہ و
زبیر کے کہنے سے مکے کو لوٹ گئیں۔ اور مروان بھی حضرت عثمان کا جامہ خون آلود
لیکر مکے کو چلا گیا۔ حضرت علی نے حضرت عثمان کے وقت کے ملکی عہدہ داروں کو
معزول کرنا شروع کردیا۔ سہل بن حنیف کو معاویہ کی عوض دمشق کا گورنر مقرر
کیا۔ وہ وہاں مخالف ہوگئے۔ اور بوجہ رشتہ داری حضرت عثمان کے اُنکے خون کا دعوے

---

[۱] دیکھو تذکرۃ الخواص الامہ فی احوال الائمہ مولفہ ابن جوزی ۱۲

کرنے لگے۔ اور حضرت علی کو کہلا بھیجا کہ تم قاتلان حضرت عثمان کو میرے سپرد کردو اور وہ اس میں مصلحت نہیں سمجھتے تھے۔ اور ایک دن وہ کہنے لگے قتلہ اللہ وانا معہ یعنی حضرت عثمان کو خدا نے قتل کیا۔ اور میں اسکے ساتھ ہوں۔ اور اس وقت اس قول کی بڑی ہی ضرورت تھی۔ اگر جناب امیر بطور ابہام کے ایسا نہ کہدیتے۔ تو حضرت عثمان کے قاتل بلوا کر بیٹھتے اور فساد مچا دیتے اور سازش سے سارا لشکر بگڑ جاتا۔ بلکہ جناب امیر بھی شہید ہو جاتے تو کچھ تعجب نہ تھا۔ مگر دشمنوں نے اُن کے اس قول کو اپنی دلیل بنالیا۔ طلحہ اور زبیر اور بی بی عائشہ اور حضرت عثمان کے وقت کے وہ حکام جنکو جناب امیر نے معزول کردیا تھا۔ یہ سب متفق ہوکر جناب امیر کی مخالفت کے لئے بندوبست کرنے لگے۔ اور بصرے کی جانب بڑھے۔ جب موضع حوب میں پہنچے۔ تو کتے بھونکنے لگے۔ بی بی عائشہ اس وقت پشیمان ہوئیں اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری ایک عورت حضرت علی سے بغیر حق کے جنگ کریگی۔ اور جب حوب میں پہنچیگی۔ تو کتے شور کرنے لگینگے خیال رکھ اے عائشہ کہ وہ تم ہی نہ ہو۔ پھر بی بی صاحبہ نے چاہا کہ لوٹ جائیں۔ زبیر نے روکا اور کہا کہ شاید تمہاری وجہ سے اللہ تعالےٰ اس فساد کو دفع کرے۔ آخر بی بی صاحبہ کو لے گئے اور بصرے پر قبضہ کرلیا۔ اور سہل بن حنیف کو جو وہاں پر حضرت علی کی طرف سے منتظم تھے نکال دیا۔ حضرت علی نے امام حسن اور عمار بن یاسر کو کوفہ کو بھیجا یہ وہاں سے نو ہزار جنگجو آدمیوں کی جماعت فراہم کر کے لائے۔ اگرچہ بی بی صاحبہ طلحہ و زبیر حضرت علی کی جان کے دشمن نہ تھے۔ صرف حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص چاہتے تھے۔ مگر چونکہ اس قدر جمعیت کا خلیفہ کے مقابلے میں کھڑا ہونا خلافت کی بدرعبی کا باعث تھا اسلئے جناب امیر نے بی بی صاحبہ وغیرہ کا کچھ پاس نہ کیا۔ اور سنہ ۳۶ھ میں اُن سے جنگ کے لئے بصرے کو روانہ ہوئے مقام جلجا پر جو بصرہ سے دو فرسخ پر ہے۔ جمعرات کے دن ۲۰ جمادی الآخری کو طرفین میں جنگ شروع ہوئی زبیر ابن عوام جنکے قاتل کے حق میں پیغمبر خدا نے دوزخی ہونے کا حکم کیا تھا تھوڑی دیر

لشکر حضرت علی سے لڑے۔ شارح صحیح بخاری ابن عبدالبر سے روایت کرتا ہے۔ کہ اسی
اثنا میں حضرت علی نے انکو آواز دی۔ اور یاد دلایا کہ پیغمبر علیہ السلام نے تم سے کہا
تھا۔ کہ علی کو دوست رکھتے ہو تم نے جواب دیا تھا۔ ہاں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
نے فرمایا تھا۔ کہ ایک دن ایسا آئیگا۔ کہ تم علی پر خروج کروگے۔ اور ظالم ہوگے۔ جب
انہیں یہ بات یاد آئی۔ تو لڑائی روک دی۔ اور مدینے کی طرف کوچ کر دیا۔ عمر بن جرموز
مجاشعی نے رستے میں موقع پاکر انکو مار ڈالا۔ اور جناب امیر کو آکر بشارت دی
کہ لو میں نے زبیر کا کام تمام کر دیا۔ جناب علی نے کہا کہ تجھکو میں اسکے عوض میں دوزخ
کی بشارت دیتا ہوں۔ اس نے عرض کیا کہ بڑی ہی خرابی کی بات ہے۔ کہ تم سے لڑنے
والا بھی دوزخی اور جو تمہاری طرف سے لڑے وہ بھی دوزخی ٹھہرے۔ اور تلوار
شکم میں مار کر خودکشی کرلی۔ اور مروان بن حکم کو چونکہ طلحہ کے ساتھ کینہ تھا اس لئے اس
نے طلحہ کے تیر مار دیا۔ اور انکی جان یوں گئی۔ اس جنگ کو **جنگ جمل** کہتے ہیں۔
کیونکہ اس دن بی بی عائشہ اس شتر پر جسکا عسکر نام تھا سوار تھیں۔ اسکو ایک شخص
نے حضرت علی کے حکم سے مار ڈالا۔ حضرت علی نے بی بی عائشہ کے پاس پہنچکر فرمایا
غفر اللہ لک۔ بی بی صاحبہ نے جواب دیا ولک۔ پھر حضرت علی نے انکو تعظیم و تکریم
کے ساتھ مدینے کو روانہ کر دیا۔ اور بصرے کی افسری عبداللہ بن عباس کے حوالے
کرکے خود کوفے کو تشریف لے گئے۔ بی بی صاحبہ پھر عمر بھر متاسف رہیں۔ اور جنگ
جمل کو یاد کرلیتیں تو اتنا روتیں۔ کہ دوپٹہ انسوؤں سے تر ہو جاتا تھا اس لئے
کہ خروج میں جلدی کی۔ تامل نہ کیا۔ اور پہلے سے تحقیق نہ فرمایا۔ شرح مقاصد میں لکھا
ہے۔ کہ ان لوگوں کو **ناکثین** کہتے ہیں۔ نکث لغت میں عہد توڑنے اور پھر جانے
کے معنی میں ہے۔ اور ان لوگوں نے بھی جناب امیر کے عہد اور بیعت کو توڑا تھا۔
اور بصرے کی طرف چلے گئے تھے۔ ناکثین کے سرغنہ طلحہ و زبیر تھے۔ خلافت حضرت
عثمان کی وسیع مدت میں بنی امیہ کا خاندان ملکی و مالی دونوں حیثیت سے طاقتور
ہوگیا تھا۔ جس کا یہ اثر تھا۔ کہ حضرت علی کی اطاعت معاویہ نے نہ کی ہمسری کا دعوے

کیا۔ اور اگرچہ ذاتی فضائل اور مذہبی تقدس میں اُنکو حضرت علی سے کچھ نسبت نہ
تھی تاہم ایک مدت تک وہ مساویانہ طاقت کے ساتھ جناب امیر کے حریف رہے
اور تمام شامیوں نے انکی رفاقت کی۔ ان سب کو **قاسطین** کہتے ہیں لغت میں
قسط کے معنی جور و ظلم ہیں شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ قاسطین معاویہ اور انکے ساتھی
ہیں جنہوں نے حضرت علی سے مخالفت کی اور طریق حق کو کہ حضرت علی کی بیعت تھی
چھوڑ دیا۔ غرضکہ جناب امیر اور قاسطین کی جنگ کا جو اخیر فیصلہ ہوا وہ بھی گویا
قاسطین ہی کے حق میں ہوا **خوارج** نے علی مرتضی کی بیعت خلافت سے انکار کیا
آپنے اُن سے اپنے حق کا دعوے کیا انہوں نے نہ مانا یہ لوگ **مارقین** ہی کہلاتے
ہیں۔ مارقہ کی وجہ تسمیہ خوارج میں معلوم ہوگی۔ جناب امیر کے طرفدار اور مخلصونکا
کہ صحابہ و تابعین تھے۔ اور ان کی صحبت میں رہتے تھے اور انکی خلافت کے معین تھے
اور ان کیطرف سے جانبازیاں کرتے تھے لقب **شیعہ**[۱] مقرر ہوا انہیں سے **شیعہ اولے**
اور **شیعہ مخلصین**[۲] عبارت ہے۔ ان سب کا عقیدہ یہ تھا کہ جناب امیر اپنے عہد میں
امام برحق ہیں بعد شہادت حضرت عثمان کے یہ انہیں کا منصب ہے۔ تمام مسلمانوں
پر انکی اطاعت فرض ہے۔ اور اپنے وقت کے سارے آدمیوں سے افضل ہیں۔ اور معاویہ اور
اُنکے لشکر کو باغی اور خطاوار جانتے تھے۔ مگر طلحہ اور زبیر کو یہ لوگ برا نہیں جانتے تھے
اسلئے کہ انہوں نے جو تنازع جناب امیر کے ساتھ کیا۔ تو اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ اُنکو
مستحق خلافت نہ جانتے تھے۔ بلکہ قاتلان حضرت عثمان نے جب انکو بھی دھمکایا تو یہ

---

[۱] نبراس میں باقرار اوسط کے لکھا ہے وقال ابن الاثیر فی النہایۃ اصل الشیعۃ الفرقۃ من الناس ویقع علی الواحد و الاثنین والجمع والمذکر والمونث بلفظ واحد وقد غلب ھذا الاسم علی کل من یتولا علیاً واھل بیتہ حتی صار لہم اسماً خاصاً فاذا قیل فلان من الشیعۃ عرف انہ منہم وفی مذہب الشیعۃ کذا ای عندہم ۱۲

[۲] چنانچہ مخلصین یعنی اہل سنت وجماعت کی تفضیل میں شاہ عبد العزیز صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ میں لکھا ہے وہرکہ با او خلاف نمود در امر خلافت مخطی و باغی بود وہرکہ اعتراف خلافت نداشت مبطل و ضال ۱۲ منہ

خوف جان کی وجہ سے مدینے سے چلے گئے۔ اور اُن سے قصاص لینے میں جلدی کرتے تھے۔ انکو خطائے اجتہادی واقع ہوئی۔ اسلئے کہ ایک شبہ کے ساتھ متمسک تھے۔ اگرچہ طرفثانی کی دلیل ارجح تھی۔ اور وہ شبہ اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ جانتے تھے۔ کہ قصاص ذو النورین حق ہے۔ اور حضرت علی اُسکے لینے پر قادر ہیں۔ نہیں لیتے بلکہ منع کرتے ہیں۔ پس قصاص حضرت عثمان کی طلب میں جلدی کی۔ اور اتنا تامل نہیں کیا۔ کہ حضرت علی کی مرضی معلوم ہو جاتی۔ اس وجہ سے مخالفت انکی طرف سے وقوع میں آئی۔ ورنہ وہ تمام اہل عصر سے جناب امیر کو افضل جانتے تھے اور انکے اوصاف بیان کرتے تھے۔ اور آخر کار انہوں نے جناب امیر سے مصالحت کرکے انکی اطاعت کرلی۔ اسی واسطے یہ لوگ گمراہ قرار نہیں دیے گئے۔ جناب امیر انکو اچھا جانتے تھے۔ بلکہ بقول بعض اس مخالفت کو اُنکی خطائے اجتہادی پر حمل کرتے تھے۔

اور یہ شیعہ جناب امیر کی اُن باتوں کو جو انہوں نے خلفا اور صحابہ کی مدح و صفت اور فضائل میں بیان کی ہیں۔ جیسے کہ جناب امیر معاویہ کے ایک خط کے جواب میں شیخین کے حق میں فرماتے ہیں لعمری ان مکانہما من الاسلام العظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید رحمھما اللہ وجزاھما باحسن عمل[له] (ترجمہ) قسم اپنی جان کی منصب ان دونوں کا اسلام میں بڑا ہے۔ اور واقعہ وفات ان دونوں کا البتہ زخم سخت ہے۔ اللہ تعالے رحمت کرے۔ اور جزائے خیر دے انکو بعوض بہترین کاموں کے کہ ان دونوں نے کئے۔ ظاہری پر محمول کرتے تقیہ اور ریاکاری پر مبنی نہیں سمجھتے اور جو کچھ احکام شرع محمدی کے صحابہ کے ذریعہ سے انکو ثابت ہوئے۔ اسے قبول کیا۔ اور عملدر آمد رکھا۔ ان لوگوں نے ابن سبا وغیرہ کی باتوں کو نہیں مانا۔ اور سارے صحابہ کا ادب کرتے رہے۔ البتہ دو تین برس کے بعد بعض لوگ ابن سبا کے تھوڑے سے وسوسوں میں آگئے۔ اور جناب امیر کو تمام اصحاب پر تفضیل دینے لگے۔ مگر ان شیعہ تفضیلیہ نے سوائے تفضیل جناب امیر کے اور ساری باتوں

[له] دیکھو نہج البلاغت ۱۲

میں شیعۂ مخلصین کے ساتھ اتفاق رکھا۔ اور اقوال صحابہ کی پیروی کرتے رہے۔ اور جو کچھ صحابہ کے ذریعہ سے سنت رسول اللہ مروی ہوئی۔ اسکے معتقد و عامل رہے انکا مذہب یہ تھا۔ کہ جناب امیر اور انکی اولاد احق بالخلافت ہیں۔ جب تک یہ بزرگ کسی اور کو یہ منصب خوشی سے نہ دیں وہ اسکا مستحق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خلفائے ثلثہ کو یہ خلیفہ مانتے تھے۔ اور انکی خلافت کو درست جانتے تھے۔ اسلئے کہ جناب امیر نے انہیں اپنی خوشی سے خلیفہ بنایا تھا۔ اور جب یہ خود خلافت اختیار کریں تو دوسرے کو خلافت نہ لینا چاہئے۔ اور جناب امیر بعد رسول اللہ کے افضل الناس ہیں۔ اور یہ لوگ صحابہ کو برا نہیں کہتے تھے۔ نہ ظالم و غاصب بتاتے تھے۔ بلکہ خیر و خوبی کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ ان میں سے یہ اشخاص مشاہیر ہیں۔ ابو الاسود ظالم دئلی واضع علم نحو اور ابو سعید یحیی بن یعمر عدوانی کہ علم قرات و تفسیر و نحو و لغات عرب کا بڑا ماہر تھا۔ اور سالم بن حفصہ جو امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سے حدیث کی روایت کرتا ہے۔ اور عبد الرزاق محدث اور ابو یوسف یعقوب بن اسحاق معروف با بن سکیت مولف کتاب اصلاح المنطق۔ مگر جب ابن سبا کی بدعت بہت پھیل چکی تو اُسکی تلقین کے اثر سے دو قسم کے لوگ بہت پیدا ہو گئے ایک شیعہ تبرائیہ جنہیں شیعہ سبّیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ سارے صحابہ کو ظالم و غاصب بلکہ کافر و منافق بتانے لگے۔ اور بی بی عائشہ اور طلحہ اور زبیر کی لڑائی و تنازع جناب امیر کے ساتھ ان کے مذہب اور دغدغہ کا مؤید ہو گیا۔ اور چونکہ یہ تمام جھگڑے حضرت عثمان کے قتل کی وجہ سے واقع ہوئے تھے۔ اسلئے انپر بھی لعن و طعن کرنے لگے۔ اور حضرت عثمان کی خلافت کی بنیاد شیخین کی خلافت پر تھی۔ اور منتخب کرنے والے اُنکے عبد الرحمن بن عوف وغیرہ صحابہ تھے۔ سب کو یہ لوگ برا کہنے لگے۔ یہ لوگ گویا ابن سبا کے متوسط قسم کے شاگرد و تعلیم یافتہ تھے۔ دوسرے شیعہ غلاۃ یہ ابن سبا کے شاگرد رشید اور اسکے خاص اصحاب تھے۔ اسکی تعلیم کی بدولت جناب امیر کی الوہیت کے قائل ہو گئے اور جب بعض نیک لوگوں نے اُنکو الزام دئیے کہ جناب امیر میں بشریت کے آثار موجود

ہیں۔ تو اس لئے بعض غلاۃ الوہیت کے قول کو چھوڑ کر اس بات کے قائل ہوئے کہ اللہ تعالےٰ نے جناب امیر میں حلول کیا ہے۔ جب جناب امیر کو یہ خبر پہنچی۔ تو انکا فرمایا۔ اور ایک جماعت غلاۃ شیعہ کو آگ میں جلا دیا۔ ابن سبا سے سارے اصناف غلاۃ شیعہ پیدا ہوئے ہیں۔ اور جبکہ تبرائیہ و غلاۃ و زیدیہ و اسماعلیہ وغیرہ نے اپنا لقب شیعہ اختیار کرلیا۔ اور حب حضرت علی بن ابی طالب اور بغض حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و بی بی عائشہ میں مع دیگر صحابہ کے بڑا غلو و مبالغہ کیا اور عمل و اعتقاد میں طرح طرح کے فسادات و بدعات پھیلا دیئے۔ تو شیعہ مخلصین و شیعہ تفضیلیہ نے اپنا لقب **اہل سنت و جماعت** رکھ لیا۔ اسی واسطے اگلے وقتوں کی کتب تاریخ میں اُن لوگوں کے حق میں شیعہ کا لفظ استعمال ہوا ہے تاریخ واقدی اور استیعاب میں اس طرح کی باتیں بہت ہیں۔ اور شیعۂ تبرائیہ وغیرہ بھی شیعہ مخلصین و شیعہ تفضیلیہ کو شیعہ حضرت علی سے نہیں شمار کرتے۔ اس لئے کہ انکے نزدیک محبت حضرت علی کی منحصر ہے۔ صحابہ وازواج رسول کے برا کہنے میں اور انکے نزدیک ایمان و اسلام میں فرق ہے۔ اسی لئے اپنی جانوں کو مومن کہا کرتے ہیں۔ اور باقی اہل اسلام کو مسلمان بولتے ہیں کہتے ہیں۔ مومن وہ ہے جو شرایع کو اس کے حقایق اور تاویل کے ساتھ جانتا ہو۔ اور مسلمان وہ ہے جو شرایع کو بغیر علم تاویل و تفسیر کے جانے اور معتزلہ بھی کہتے ہیں کہ ایمان اور اسلام میں فرق ہے۔[1]

تمام شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امامت عقل سے ثابت ہے اور امامت نص ہے اور ائمہ معصوم ہیں غلطی اور سہو و خطا سے مگر زیدیہ کو اس میں خلاف ہے اور امامت مفضول کی فاضل کے ہوتے ناجایز ہے۔ اور حضرت علی تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نص کر دی تھی۔ کہ حضرت علی میرے بعد امام ہیں۔ اور انکا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجتہ الوداع سے پھرے۔ تو غدیر خم کے مقام پر کہ ایک جگہ مکے اور مدینے کے درمیان میں ہے سب صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ بارخدایا میں جس شخص کا مولا ہوں اُسکا علی مولا ہے۔ اور خداوندا دوست

[1] دیکھو کتاب ملل ۱۲

رکھ اُسکو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُسکو جو علی سے دشمنی رکھے۔ اور اس ارشاد کی ضرورت اسلئے ہوئی کہ حضرت جب اس مقام پہ پہنچے تو یہ آیت نازل ہوئی یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس یعنی اے رسول پہنچا اُس چیز کو جو تیرے رب کی طرف سے اتری اور اگر تو نے یہ نہ کیا۔ تو کچھ بھی نہ پہنچایا۔ اور تجھ کو اللہ لوگوں سے بچائیگا۔ پھر جب آنحضرت اس خطبے سے فارغ ہو چکے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی یعنی آج میں کامل کرچکا دین تمہارا اور تم پر اپنی نعمت پوری کرچکا۔ پس آیت اول جناب امیر کی شان میں نازل ہوئی۔ جسکے مطابق آنحضرت نے اُنکی مولائیت کی بشارت دی۔ اور نعمت کا تمام کرنا وہی جناب امیر کی مولائیت کا اظہار ہے۔ اور یہ صریح دلیل ہے کہ وہ افضل ہیں۔ اور خلافت کے لئے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ اور مولا کے معنی اس جگہ اولے بالامامت ہیں۔ اور یہ نص صریح ہے اُنکی خلافت پر صحابہ حضرت ابوبکر سے بیعت کرتے وقت واقعہ غدیر کو یاد رکھتے تھے۔ اور یہ نص اُنپر بخوبی منکشف تھی۔ لیکن انہوں نے اسکی تعمیل نہ کی۔ اور بوجہ ظلم و عناد اور مکابرے کے امر حق سے چشم پوشی کی۔ اور امیرالمومنین علی نے جو اس وقت اسکے ساتھ استدلال نہ کیا۔ اور خلافت کے مدعی نہ ہوئے۔ تو یہ بسبب تقیہ کے تھا۔ اور صحابہ حضرت علی سے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گئے۔ اور تمام صحابہ سے تبرا کرتے ہیں۔ سوائے چند تن کے اور یہ کہتے ہیں کہ امام کو جائز ہے۔ کہ وہ حالت تقیہ میں کہدے کہ میں امام نہیں ہوں۔ اور اجماع کے منکر ہیں۔ انکے نزدیک اجسام قیامت سے پہلے بھی دنیا میں لوٹ آتے ہیں۔ مگر بعض غلاۃ حشر اجساد اور حساب کے منکر ہیں۔ اور انکے نزدیک امام کو دنیا اور دین کی ساری باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہانتک کہ وہ سنگریزوں اور درختوں کے پتوں کو بھی جانتا ہے۔ اور ائمہ سے مثل انبیا کے معجزات صادر ہوتے ہیں۔ اور اکثر ان میں سے یہ کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علی سے جنگ کی وہ کافر ہے۔ ان کے نزدیک جماعت مسنون نہیں۔ اور مسح

موزوں پر جائز نہیں۔ اور بی بی فاطمہ بی بی عائشہ سے افضل ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام میں بغیر معاون کے نبوت کی قدرت نہ تھی۔ اور کہتے ہیں کہ لفظ واحد سے تین طلاق واقع نہیں ہو سکتیں۔ اور نماز تراویح کی مسنونیت کے منکر ہیں اور انکے نزدیک نماز میں سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون نہیں۔ اور افطار میں جلدی کرنا ناجایز ہے۔ اور نماز مغرب غروب آفتاب کے بعد اُس وقت تک نہ پڑھنا چاہئے۔ جب تک کواکب نہ چمک جائیں۔ مگر اسماعیلیہ کے نزدیک افطار اور نماز مغرب میں جلدی کرنا واجب ہے۔ اور تمام شیعہ کرامات اولیا کے منکر ہیں۔ اور اپنے ائمہ کی کرامات کو معجزات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں شرح مسلم الثبوت میں بحر العلوم لکھتے ہیں کہ انکا اعتقاد یہ ہے کہ گناہ بندے کی قدرت سے صادر ہوتے ہیں۔ اور حسنات اللہ کی قدرت سے۔ اسلئے کہ برائی کا پیدا کرنا قبیح ہے۔ پس انکے نزدیک دو خالق ہیں۔ ایک خالق خیر دوسرا خالق شر شیعہ کے بعض فرقے **رجعت** کے قائل ہیں۔ اور اسکی دو قسمیں ہیں (۱) رجعت بعد موت کے ہوتی ہے۔ پس بعض فرقوں کا قول یہ ہے۔ کہ ان کا امام بعد موت کے دنیا میں پھر آئیگا۔ (۲) رجعت بعد غیبت کے ہوتی ہے چنانچہ بعض اسکے قائل ہیں کہ امام مرا نہیں غائب ہوگیا ہے۔ پھر آکر زمین کو عدل سے بھر دیگا بعض فرقے بعض اماموں کی موت میں توقف کرتے ہیں۔ غرضکہ شیعہ میں باہم بھی بڑا اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ سے بہت سے فرقے بنگئے ہیں۔ کہ ایک فرقہ دوسرے فرقے کی تکفیر کرتا ہے۔ اصول ان میں سے پانچ فرقے ہیں **غلاۃ۔ کیسانیہ۔ اسماعیلیہ۔ زیدیہ** اور **امامیہ** اور شیعہ کے ہر فرقے میں **داعی** لوگ ہوتے ہیں کہ اُس مذہب کی طرف اشخاص علم یا مال یا زبان یا ہتیار کے ذریعہ سے بلاتے ہیں انکو اصطلاح میں **دعاۃ** کہتے ہیں۔ جو داعی کی جمع ہے۔ انہیں دعاۃ کے نام سے فرقے منسوب کرتے ہیں۔

غلاۃ

اگرچہ کیسانیہ و اسماعیلیہ و امامیہ میں سے بھی بہت سے فرقے غلو رکھتے ہیں مگر

سہ یہاں غلاۃ اُن فرقوں سے مراد رکھتے ہیں جنہیں یہ اعتقاد مشترک ہے کہ انبیا و ائمہ
خدا ہیں۔ یا خدا نے انبیا اور ائمہ میں حلول کیا ہے۔ یا ان سے متحد ہوگیا ہے۔ تحفہ
اثنا عشری میں لکھا ہے کہ تعیین امام کے باب میں بعض ان میں سے کیسانیہ ہیں اور
بعض امامیہ زیدیہ کے فرقوں میں سے کوئی ایسا نہیں سنا گیا جو ان غلاۃ کی طرح زید
شہید اور انکی اولاد کی الوہیت یا ان میں حلول الوہیت یا اتحاد کا قائل ہو۔ در کشف الغمہ
عن افتراق الامہ میں ذکر کیا ہے۔ کہ غلاۃ کا قول یہ ہے کہ نص نبوی کے مطابق حضرت
علی امام ہیں۔ پھر امام حسن بعد انکے امام حسین بعد امام حسین کے حکم شوریٰ ہے
بعض نے کہا ہے کہ نص نہیں آئی۔ مگر امامت حضرت علی پر فقط اور انکے نزدیک
امام کا مقرر کرنا اللہ پر واجب ہے۔ اور اس وجوب کے ثبوت پر عقل دلالت کرتی
ہے۔ اور امام کا تقرر لغات کی تعلیم کرنے اغذیہ و ادویہ اور سموم اور حروف اور صناعات
کے احوال بتانے اور آفات و مصائب سے بچانے کے لئے ہے۔ ابو بکر باقلانی شاگرد
ابو الحسن اشعری نے ملل و نحل میں کہا ہے لاخلاف بین الامۃ فی تکفیر غلاۃ الروافض
وھم الذین زعموا ان اللہ قد حل فی الانبیاء ثم الائمۃ یعنی ائمہ میں اتفاق ہے اس بات پر کہ غلاۃ
روافض کافر ہیں اور وہ وہ ہیں۔ کہ یہ زعم کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انبیا میں حلول
کیا ہے۔ پھر ائمہ میں حلول کیا ہے۔ بحار الانوار کی دسویں جلد میں علل الشرائع سے
نقل کیا ہے کہ امام جعفر صادق نے غلاۃ اور مفوضہ پر لعنت کی ہے۔ اور شیخ ابو جعفر
محمد بن علی بن بابویہ قمی اثنا عشری کہتے ہیں۔ کہ غلاۃ اور مفوضہ کافر ہیں۔ یہود اور نصاریٰ
اور مجوس اور ترسا اور آتش پرست اور قدریہ اور حروریہ اور جبریہ اور سب اہل
بدعت مذہب باطلہ سے بدتر ہیں۔ ابو ہاشم جعفری سے مروی ہے کہ میں نے جناب
امام رضا سے پوچھا کہ غالی کیسے ہیں۔ فرمایا کہ کافر ہیں اور مفوضہ مشرک ہیں جو شخص
ان سے مجالست اور ہم نشینی اور مخالطت کریگا۔ یا انکے ساتھ کھائیگا یا پئیگا یا انکے
ساتھ مناکحت یعنی باہم نکاح کریگا یا کسی طرح کی ان سے رعایت کریگا یا نسبت
انکے حسن عمل میں لائیگا یا انکو امانت دار قرار دیگا یا انکی امانت اپنے پاس رکھیگا

یا ان کے کلام اور بات کی تصدیق کریگا۔ یا انکی اعانت کریگا۔ اگرچہ کلمے کے ساتھ ہو
یا بعض کلمے کے ساتھ تو وہ شخص ولایت و دوستی خدائے عزوجل اور ولایت و
دوستی رسول خدا اور اس جناب کے اہل بیت سے باہر ہو جائیگا۔ اور غلاۃ کئی
فرقے ہیں۔

پہلا سبائیہ۔ یہ متبع ہیں عبد اللہ بن وہب بن سبا معروف بابن السوداء
کے یہ شخص یہودی تھا۔ حجاز سے اہل اسلام کے شہروں میں جایا کرتا تھا۔ ارادہ
اسکا یہ تھا کہ مسلمانوں کو گمراہ کردے۔ جب یہ بات نہ بنی۔ اور یہ کام نہ کر سکا۔ تو بظاہر
اسلام کو تسلیم اور مسلمانوں کے ساتھ مکر و فریب سے پیش آیا۔ ۳۳ھ میں بصرے گیا
وہاں پہنچکر کچھ مسائل لوگوں سے کہنے لگا لیکن صراحت نکرتا تھا۔ ایک جماعت
اسکی طرف مائل ہوگئی۔ اور اسکی باتوں میں آنے لگی۔ عبد اللہ بن عامر حاکم بصرہ
نے اُسے نکلوا دیا۔ وہاں سے کوفے میں آیا۔ پھر کوفے سے چلکر مصر پہنچا۔ وہاں آکر
ٹھیرا۔ لوگوں میں بیٹھکر یہ بات کہی بڑا تعجب ہے۔ اُس شخص سے جو اس بات
کی تصدیق کرتا ہے کہ عیسی علیہ السلام پھر دنیا میں آئینگے۔ اور اسکی تکذیب کرتا ہے
کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ آئینگے۔ رجعت کے بارے میں لوگوں سے بات چیت کرتا رہا
یہانتک کہ کچھ لوگوں نے اس بات کو قبول کیا۔ اور یہ بدعت ۳۵ھ سے پھیلنے
لگی پس مذہب رجعت کا وہی موجد ہے۔ بعد اس کے اُس نے یہ بات کہی کہ ہر نبی کا
ایک وصی ہوا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امامت حضرت علی کی وصیت
کر گئے ہیں۔ کہ وہ بعد حضرت کے اُنکے وصی ہیں۔ اور نص نبوی کے مطابق خلیفہ
امت ہیں۔ اور سن رکھو کہ حضرت عثمان نے خلافت ناحق لے لی۔ اب تم لوگ کھڑے
ہوکر اپنے امرا پر طعن کرو۔ اور اظہار امر معروف و نہی منکر کرکے لوگوں کو اپنی طرف
مائل کرلو۔ پھر اس نے اپنی طرف سے داعی جابجا بھیجے۔ اور جہاں جہاں لوگ
اسکی طرف مائل تھے اُن سے خط و کتابت جاری کی۔ اُن لوگوں نے مخفی دعوت
کرنا خلق کا اسکی رائے کی طرف شروع کیا۔ اور ایک عام ناراضی حضرت عثمان کے

عمال اور اُنکی خلافت کی طرف سے لوگوں میں پھیل گئی۔ اور ساری زمین اسلام ابن سبا کی رائے وعقیدے سے بھر گئی۔ چاروں طرف علانیہ طعن وتشنیع کا بازار گرم ہوگیا روزانہ اسکی متواتر خبریں مدینے میں پہنچنے لگیں۔ مدینے میں بھی لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہوگئیں۔ امیر المومنین عثمان اور اُنکے عمال پر زبان طعن دراز ہوگئی۔ صحابہ کرام سے زید بن ثابت۔ ابو اسید ساعدی۔ کعب بن مالک اور حسان بن ثابت لوگوں کو طعن وتشنیع سے روکتے تھے لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس وقت اہل مدینہ مجتمع ہوکر امیر المومنین عثمان کے پاس آئے۔ اور واقعات سے اُنکو مطلع کیا لیکن انکو اس سے ناواقف پایا۔ حضرت عثمان نے کہا تم لوگ مسلمانوں کے رئیس اور ارباب رائے ہو۔ اس میں تمہاری کیا رائے ہے۔ چند معتبر ومعتمد آدمیوں کو اسلامی ممالک کی طرف خبر لانے کے لیے روانہ کرو۔ چنانچہ محمدؐ بن مسلمہ کوفہ کی طرف اور اسامہ بن زید بصرے کی طرف۔ اور عبداللہ بن عمر شام کی طرف اور انکے علاوہ اور لوگ بھی مختلف ممالک اسلام کی طرف روانہ کئے گئے۔ ان لوگوں نے واپس ہوکر بیان کیا۔ کہ ہم نے نہ تو عمال ووالیان ملک کی کوئی برائی دیکھی۔ اور نہ عوام وخواص کو انکی شکایت کرتے ہوئے پایا۔ لیکن عمار بن یاسر نے جو مصر کی جانب روانہ کئے گئے تھے۔ واپسی میں تاخیر کی۔ اور انکو ابن سبا اور اسکے ہمراہیوں خالد بن ملجم۔ سودان بن حمران سکونی۔ کنانہ بن بشر نے اپنی طرف مائل کرکے اپنا ہمصفیر بنا لیا۔ منحرفین ومخالفین حضرت عثمان دربارۂ نقض بیعت حضرت عثمان خط وکتابت کرنے لگے۔ اور بذریعہ خط وکتابت یہ طے کرلیا۔ کہ ایک مقررہ یوم پر مدینے میں جمع ہونا چاہئے۔ چنانچہ ملک مصر سے ایک ہزار یا سات سو یا پانسو آدمی اور ایک ایک جماعت بصرہ وکوفہ سے بہ تعداد مذکورہ مدینے میں آئی۔ اور حضرت عثمان کو معزول کرنیکا ارادہ کیا۔ اور فساد برپا کرکے حضرت عثمان کے مکان کو گھیر لیا اور چالیس یا پچاس دن تک اُنکو محصور رکھا۔ پھر حضرت علی حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ مروان کو عہدۂ منشی گری سے موقوف کیجئے۔ اور عبداللہ

بن ابی سرح کو حکومت مصر سے معزول کیجئے حضرت عثمان نے قبول کیا حضرت علی نے لوگوں کو سمجھا کر بٹھا دیا۔ اور بات رفت و گذشت ہو گئی۔ اور محمد بن ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مصر کا حاکم مقرر کر کے اُدھر بھیجا۔ رستے میں انکو ایک خط مہری حضرت عثمان کا عبداللہ کے نام ملا جس میں یہ مضمون تھا۔ کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جو کچھ کہیں اُسکی تعمیل مت کرنا۔ اور کسی حیلے سے انکو مار ڈالنا۔ محمد اس خط کو لیکر مدینے کو لوٹ آئے۔ اور حضرت عثمان سے اس کا حال پوچھا۔ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ گو یہ مہر اگرچہ میری ہے۔ اور میرے ہی منشی کا خط ہے۔ مگر میں نے یہ خط نہیں لکھوایا تو اُن لوگوں نے کہا کہ مروان کو ہمارے سپرد کر دو۔ یہ بات حضرت عثمان نے نامنظور کی۔ اسلیے لوگوں کے دل اُنکی جانب سے پھر گئے اور حضرت عثمان کو محصور کر لیا تاریخ اعثم کوفی میں لکھا ہے۔ کہ محاصرین نے حضرت عثمان پر تنگی کی۔ اور ہر جانب سے انکے مکان میں گھس پڑے۔ محمد بن ابو بکر نے دوڑ کر حضرت عثمان کی داڑھی پکڑ لی اور انکی گردن میں زخم پہنچایا جس سے خون جاری ہو گیا۔ پھر کنانہ بن بشر آیا اور ایک وار عمود کا حضرت عثمان کے سر پر کیا۔ اور سیدان بن حمران مرادی نے ایک تلوار اُنکے سر پر ماری۔ حضرت عثمان پیچھے کو گر پڑے۔ پھر اور لوگوں نے تلواروں سے ٹکڑے کر ڈالا۔ ابن خلدون نے لکھا ہے۔ کہ عمیر بن ضابی نے حضرت عثمان کے چند ٹھوکریں ماری تھیں۔ جس سے چند پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں اور ٹھوکریں لگانے کے وقت یہ کہتا جاتا تھا۔ تم نے میرے باپ کو قید کیا تھا۔ جو بیچارہ حالت قید ہی میں مر گیا۔ اور بعض کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ عمرو بن الحمق نے آپ کے سینے پر نو نیزے مار کر کہا۔ ان میں سے تین نیزے تو میں نے اللہ تعالے کے واسطے مارے ہیں۔ اور چھ اس وجہ سے مارے ہیں۔ کہ میرے دل میں اس کی طرف سے غبار تھا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے۔ کہ ابن سبا نے روبرو علی مرتضے سے یہ بات کہی تھی۔ انت الالہ یعنی تم خدا ہو۔ اور انہیں عندا اعتقاد

کرتا[1] تھا۔ حضرت ممدوح نے اُسے مدائن کی طرف نکلوا دیا۔ اور یہ کہتا تھا کہ حضرت علی بعد موت کے پھر دنیا میں آئینگے۔ وہ قتل حضرت علی کا معتقد نہ تھا۔ اُنکو زندہ بتاتا تھا۔ کہتا تھا۔ کہ شیطان حضرت علی کی صورت پر ہوگیا تھا۔ اُسے ابن ملجم نے مارا ہے۔ اور کہتا تھا وہ بادل میں آتے ہیں۔ رعد اُنکی آواز ہے۔ برق انکا چابک ہے وہ ضرور زمین پر اُترکر اسکو عدل سے بھر دینگے جس طرح کہ ظلم سے بھر گئی ہے اور سبائیہ جب رعد کی آواز سنتے تو کہتے السلام علیک یا امیر المومنین[2] ارشاد شرح اعتقادیہ میں مذکور ہے۔ کہ عبد اللہ بن سبا کہتا تھا۔ کہ امیر المومنین خدا ہیں اور میں انکی طرف سے پیغمبر ہوں۔ جناب امیر نے یہ سنکر اُسکو بلوایا۔ اور اس سے پوچھا کہ تو کیا کہتا ہے۔ اُس نے کہا کہ میرے دل میں یہ بات آئی ہے۔ اور خیال گذرا ہے۔ کہ تم خدا ہو۔ اور میں تمہارا پیغمبر ہوں۔ آپنے فرمایا کہ وائے تجھپر شیطان تجھسے استہزا اور سخریہ اور ٹھٹھا کرتا ہے تو توبہ کر اپنے اس اعتقاد باطل اور خیال باطل سے اُس نے آپ کا فرمانا نہ مانا۔ اور توبہ سے انکار کیا۔ آپنے اُسکو قید کیا۔ پھر بھی وہ توبہ کرنے پر راضی نہوا۔ اور اس اعتقاد باطل سے نہ پھرا۔ آخر آپنے اُسکو قید خانہ سے باہر نکالکر آگ میں جلا دیا۔ اور ایک بیٹا اسکا عبید اللہ بن سبا تھا۔ وہ بھی فاسدۃ العقیدہ تھا۔ مگر اپنے باپ سے ایک درجہ کم تھا۔ کہ وہ جناب امیر کے خدا ہونیکا تو قائل نہ تھا۔ مگر تفویض کا قائل ہوا تھا۔ چنانچہ مفوضہ میں اسکا بیان آتا ہے۔ اور اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھا ہے۔ کہ جناب امیر نے جب عبد اللہ کے اصحاب کو پکڑا۔ تو وہ مدائن کو بھاگ گیا۔ جناب امیر نے حکم دیا کہ ایک گڑھا کھودیں

---

[1] منہج المقال میں محمد بن علی استرآبادی شیعی نے لکھا ہے۔ کہ جناب امیر نے اُسے آگ میں جلوا دیا تھا۔ کتاب کی اصل عبارت یہ ہے عبد اللہ بن سبا بالسین المہملۃ والباء المنقوطۃ تحتہا نقطۃ واحدۃ غال ملعون حرقہ امیر المومنین علیہ السلام بالنار کان یزعم ان علیا علیہ السلام الہ وانہ نبی لعنہ اللہ ۱۲ منہ

[2] دیکھو تعریفات شیخ ابو نصر مکی ۱۲ منہ

اور اس میں آگ روشن کریں۔ اور اصحاب عبداللہ کو اس میں ڈال دیں۔ بغرض جب انکو اس آگ میں ڈالا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہمارا یقین اور زیادہ ہوا۔ کہ تو ہی خدا ہے۔ اسلئے کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ خدا بندوں کے ساتھ آگ کے عذاب کریگا۔ پکہ تو ہم کو آگ سے عذاب کرتا ہے۔ پس ہمیں یقین ہوا کہ تو ہی خدا ہے آخر وہ سب جل گئے۔ مگر اپنے اعتقاد سے نہ پھرے۔

دوسرا کاملیہ۔ یہ فرقہ ابو کامل کی طرف منسوب ہے یہ شخص سب صحابہ کو کافر بتاتا تھا۔ اسپر کہ انہوں نے حضرت علی سے بیعت نہ کی۔ اور خود حضرت علی کو کافر کہتا تھا اسپر کہ صحابہ سے نہ لڑے۔ یہ تناسخ کا قائل تھا۔ اور کہتا تھا کہ امامت نور الہی ہے۔ کہ ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ نور ایک آدمی میں امامت ہو۔ اور دوسرے میں نبوت ہو جائے۔ اور کہتا تھا کہ روح الہی نے اول آدم میں بعد اسکے درجہ بدرجہ تمام انبیاء و ائمہ میں حلول کیا ہے اس سے معلوم ہوا۔ کہ اسکے نزدیک کافر کا بھی امام ہونا اور اس میں روح الہی کا حلول کرنا جایز ہے۔ اسلئے کہ حضرت علی مرتضے کی تکفیر کرتا ہے۔ اور پھر ان میں روح الہی کے حلول کا اور انکی امامت کا قائل ہے۔ شفائے قاضی عیاض میں لفظ کاملیہ کی جگہ کمیلیہ لکھا ہے۔ شارح کہتا ہے کہ کمیلیہ منسوب ہیں کمیل کی طرف جو کامل کا مصغر ہے۔ اس صورت میں کمیلیہ کاف کے ضمہ سے ہوگا بعض کہتے ہیں۔ کہ اس لفظ میں کاف مفتوح ہے۔ اس صورت میں قبیل کے وزن پر کامل کے معنی میں ہے۔

تیسرا مغیریہ۔ یہ مغیرہ بن سعید عجلی کے اصحاب ہیں۔ جو خالد بن عبداللہ قسری گورنر عراق کا غلام تھا۔ اس نے خالد پر کوفے میں بیس آدمی لیکر خروج کیا انکو گھیر لیا۔ وہ ممبر پر تھے۔ انہوں نے کہا مجھے پانی پلاؤ۔ اس سبب سے وہ بدلقب ہو گئے نواب صدیق حسن خاں نے اسی طرح لکھا ہے۔ اور صحیح یہ ہے۔ کہ خالد کو ہشام بن عبدالملک نے سنہ ۱۲۰ھ میں ابوالمثنے و حیان نبطی کے کہنے سننے سے معزول کر کے

یوسف بن عمر ثقفی کو انکی جگہ مقرر کیا تھا۔ یہ دونوں ہشام بن عبد الملک کی املاک کے جو عراق میں تھی متولی تھے۔ ابن خلدون وغیرہ نے اسی طرح لکھا ہے۔ اور معارف میں ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ خالد نے مغیرہ کو واسط میں قتل کر کے قنطرۃ العاشر پر سولی دی تھی۔ اُسکے شنایع میں سے ایک قول یہ ہے کہ معبود کے اعضا حروف ہجا کی صورت پر ہیں۔ اور الف صورت قدمین پر ہے۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا۔ کہ اللہ ایک مرد ہے نور کا اُسکے سر پر ایک تاج ہے نور کا اور اسکا دل حکمت کا منبع ہے۔ وہ اعتقاد رکھتا تھا۔ کہ اللہ ہر مکان میں ہے۔ کوئی مکان اس سے خالی نہیں ہے۔ اور اللہ نے جب یہاں پیدا کرنا چاہا۔ تو اعمال عباد کو اپنی دو انگلیوں سے لکھا۔ پھر اُنکے معاصی سے غضب میں آیا۔ تو اُس سے اللہ کو پسینا چھوٹا۔ اس پسینے سے دو دریا مجتمع ہو گئے۔ ایک شیریں ایک تلخ۔ پس خدائے تعالےٰ نے دریائے شیریں میں دیکھا تو عکس اُسکا اس میں پڑا۔ خدائے تعالےٰ نے تھوڑا سا عکس اُن دریا میں سے نکال کر اس سے چاند اور سورج بنائے۔ اور باقی کو فنا کر دیا اس واسطے کہ کوئی شریک اُسکا باقی نہ رہے۔ پھر دریائے شیریں سے مومن پیدا کئے۔ دریائے تلخ سے کافر بنائے۔ اور اس آیت کی عرضنا الامانۃ علے السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنہا تفسیر یوں کرتا تھا۔ کہ ہم نے پیش کی امانت آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے اور وہ امانت حضرت علی کی امامت تھی۔ کہ تم میں کون ایسا ہے کہ اسکو لینا چاہتا ہے۔ تو کسی نے اس امانت کو قبول نہ کیا۔ تاکہ یہ حق حضرت علی کا حضرت علی ہی کو پہنچ جائے۔ مگر انسانوں میں سے حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کے مشورے سے اس کو اختیار کر لیا۔ جبکہ حضرت عمر نے یہ اقرار کر لیا۔ کہ کار امامت میں حضرت ابو بکر کو مدد دیتا رہونگا۔ اور حضرت عمر نے یہ ذمہ داری اس شرط پر اختیار کی۔ کہ حضرت ابو بکر اپنے بعد مجھے خلافت دیدیں۔ اور یہ کہتا تھا کہ آیت کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بری منک انی اخاف اللہ رب العلمین ۝ یعنی شیطان کی مثل ہے۔ جس وقت اُس نے آدمی کو کہا۔ تو کفر کر جب اُس نے

کفر کیا۔ تو کہا تحقیق میں تجھ سے بیزار ہوں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ جو سارے
جہان کا رب ہے۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حق میں نازل
ہوئی ہے۔ اُسکے نزدیک مہدی زکریا بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی
طالب ہیں۔ اور وہ زندہ ہیں کوہ حاجر میں مقیم ہیں۔ جب حکم ربی ہوگا۔ تو اس
سے برآمد ہونگے۔ اور محمد بن علی کے بعد یہ شخص اپنے لئے امامت کا طالب ہوا تھا
اور دعوے نبوت کا رکھتا تھا۔ اُسکے زعم میں اسکا معجزہ یہ تھا کہ وہ اسم اعظم
جانتا ہے۔ اور مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور جب مغیرہ مارا گیا۔ تو اسکے بعض مرید
کہنے لگے۔ کہ وہی امام منتظر ہے۔ منہج المقال میں آیا ہے کہ امام ابو عبداللہ فرماتے
تھے کہ اس آیت میں ھل انبئکم علی من تنزل الشیاطین تنزل علی کل افاک اثیمؕ
یعنی میں تم کو بتاؤں شیطان کس پر اترتے ہیں۔ اترتے ہیں ہر جھوٹے گنا ہگار پر
شیاطین سے مراد یہ سات شخص ہیں۔ مغیرہ بن سعید اور بنان اور صائد نہدی
اور حرث شامی اور عبداللہ بن حرث اور حمزہ بن عمارہ زبیری اور ابو الخطاب
اور نامہ دانشوراں میں ابن قتیبہ کے حالات میں مذکور ہے کہ فرقہ مغیریہ کا قول ہے
کہ امامت حسن بن حسن کو وصیت سے پہنچی تھی۔ انکے نزدیک امامت منحصر ہے
حسن بن علی اور انکی اولاد میں اور یہ فرقہ انکے غیر میں امامت تجویز نہیں کرتا۔
چوتھا بنانیہ۔ یہ متبع ہیں بنان بن سمعان تمیمی نہدی یمنی کے اور بعض
بنان کو اسماعیل کا بیٹا بتاتے ہیں۔ لفظ بنان کے حروف میں اختلاف ہے
میر سید شریف نے تعریفات میں بائے موحدہ کے بعد نون لکھا ہے۔ اور منتہی المقال
و منہج المقال میں آیا ہے۔ بنان میں بائے موحدہ مضموم ہے اور اُسکے بعد نون ہے
اور۔ نون کے بعد الف اور اسکے بعد نون ہے اور ابو زید بلخی کی تاریخ میں ہے۔ کہ
یہ نام بیان ہے بائے موحدہ کے بعد یائے تحتانی کے ساتھ اور نسیم الریاض شرح
شفائے قاضی عیاض میں شہاب الدین احمد خفاجی کہتے ہیں کہ فرقہ بیانیہ منسوب ہے
بیان کی طرف اس لفظ میں بائے موحدہ مفتوح اور یائے تحتانی اور الف نون ہے

اور بعضوں نے بنان باۓ موحدہ اور دونوں کے ساتھ بتاتا ہے۔ بنان کے
باپ کا نام اسمعیل نہدی تھا۔ یہ شخص بجاۓ حلول کے اتحاد کا قائل تھا یعنی اسکا
عقیدہ یہ تھا۔ کہ اللہ حضرت علی کے ساتھ متحد ہو گیا ہے پھر حضرت علی کے بعد محمد بن حنفیہ
کے ساتھ پھر اُنکے بیٹے ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد کے ساتھ پھر بعد ابو ہاشم کے بنان
بن سمعان کے ساتھ یعنی خود اُسکی ذات کے ساتھ اور اللہ تعالےٰ انسان کی صورت
پر ہے۔ اور سب کچھ اس کا ہلاک اور فنا ہو جائیگا۔ مگر منہ فنا نہ ہوگا۔ اور دلیل اس
پر یہ آیت لاتا تھا۔ "کل شیئ ہالک الا وجہہ" کتاب کشی میں سعد بن عبد اللہ کے
ذریعہ سے روایت آئی ہے۔ کہ امام صادق نے بنان پر لعنت کی ہے۔ جیسا کہ اختیار
میں ہے۔ اور کشی میں یہ بھی روایت ہے کہ ابو الحسن رضا نے کہا ہے کہ بنان علی
بن حسین کی تکذیب کرتا تھا۔ پس اللہ نے اسے دوزخ کی آگ میں ڈالا۔ اور محمد
بن بشیر ابو الحسن موسی کی تکذیب کرتا تھا۔ پس اللہ نے اُسکو بھی آتش دوزخ
کے ساتھ سزا دی اور تاریخ ابو زید بلخی میں مذکور ہے۔ کہ بیانیہ بیان کی نبوت کے
قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ قرآن میں جو وارد ہے۔ "ہذا بیان للناس" یعنی یہ بیان ہی
لوگوں کے لئے اس سے مراد یہی ہمارا پیشوا ہے۔ اور چونکہ یہ شخص تناسخ اور رجعت
کا قائل تھا۔ اسلئے خالد بن عبد اللہ قسری نے قتل کر دیا۔ منہج المقال میں لکھا
ہے کہ ہشام بن حکم کہتے ہیں۔ میں نے ابو عبد اللہ سے عرض کیا۔ کہ بنان اس آیت
کی "وہو الذی فی السماء الہ و فی الارض الہ" تاویل کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ زمین کا
اللہ اور ہے اور آسمان کا اللہ اور ہے اور آسمان کا اللہ زمین کے اللہ سے اعظم
ہے۔ اور باشندگان زمین آسمان کے اللہ کو جانتے ہیں۔ اُسکی تعظیم کرتے ہیں۔ ابو
عبد اللہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم زمین اور آسمان دونوں کا وہ ایک ہی اللہ
ہے۔ اسکا کوئی شریک نہیں۔ بنان جھوٹا ہے اللہ اُسپر لعنت کرے۔

پانچواں جناحیہ۔ یہ متبع ہیں عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر ذو الجناحین
بن ابو طالب کے وہ تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ اور ایک عقیدہ انکا یہ بھی تھا

کہ روح الہی انبیا میں دائر سائر ہے۔ پھر حضرت علی میں پھر امام حسن و امام حسین و محمد بن حنفیہ اولاد حضرت علی میں دائر ہوئی پھر عبد اللہ کے اندر آئی اسلئے انہوں نے تعلیم کیا تھا کہ وہ اللہ ہے۔ اور علم اسکے دل میں یوں اگتا ہے جیسے زمین سے پھول زمین کا اور امامت بھی اسی ترتیب سے ظہور میں آئی ہے کیونکہ نبوت اور امامت کے معنی جناحیہ کے نزدیک یہی تھے کہ روح الہی بدن انسانی میں حلول کرے۔ اس فرقہ کا مذہب یہ ہے کہ شراب و مردار و نکاح محارم و زنا حلال ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن میں جو مردار اور خون اور سور کے گوشت کی تحریم آئی ہے۔ یہ کنایہ ہے۔ ایک قوم سے جنکا بغض لازم ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و معاویہ۔ اور جس قدر فرائض مامور بہا قرآن میں آئے ہیں وہ کنایہ ہے۔ ان لوگوں سے جنکی دوستی لازم ہے۔ جیسے حضرت علی و حضرت حسن و حضرت حسین اور انکی اولاد۔ یہ قیامت کے منکر ہیں۔ بہرصورت عبداللہ بن معاویہ نے ۱۲۷ھ میں مروان حمار کی شروع حکمرانی میں کوفے میں خروج کیا تھا۔ کوفے کے سارے زیدیہ نے انکا ساتھ دیا تھا۔ مگر عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز حاکم عراق سے سخت جنگ کے بعد شکست کھا کر ان کو چلے گئے۔ اور تمام اطراف سے شیعہ انکے جھنڈے کے تلے جمع ہوگئے۔ اور انکی قوت بہت بڑھ گئی۔ اور ایک زبردست لشکر کے ساتھ فتوحات شروع کیں۔ اور بڑے بڑے شہر جیسے حلوان ہمدان۔ قومس رے۔ جبال۔ اصفہان فتح کر لئے۔ ۱۲۹ھ میں فارس پہنچا تھا۔ اور اسے بھی مسخر کر لیا۔ اور استخر میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ اور اپنی طرف سے جا بجا حکام روانہ کئے۔ اور مال کثیر حاصل کیا۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے بڑے بڑے سردار جیسے سلیمان بن ہشام بن عبدالملک اور جعفر منصور اور علی بن عبداللہ بن عباس اور جیسے بن عبداللہ بن عباس انکے شریک ہوگئے۔ عامر بن ضبارہ اور معن بن زائدہ نے گھیر کر ایسی شکستیں دیں کہ سارا لشکر پریشان ہوگیا۔ اور عبداللہ بن معاویہ خود مع اپنے دو بھائی حسن اور یزید اور خاص خاص

آدمیوں کے ہرات کی طرف بھاگ گئے۔ جہاں پر ابونصر مالک بن ہیثم خزاعی ابو مسلم کی طرف سے حاکم تھا۔ اُس نے ابومسلم کے حکم سے عبداللہ کو مروا ڈالا۔ اور حسن و یزید ابنائے معاویہ کو چھوڑ دیا۔ فرقہ جناحیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ عبداللہ اب تک اصفہان میں کسی پہاڑ کے اندر زندہ موجود ہیں۔ اور عنقریب نکلنے والے ہیں

چھٹا منصوریہ۔ یہ ابومنصور عجلی کے متبع ہیں۔ یہ شخص ابتدا میں امام جعفر صادق بن محمد باقر علیہ السلام کا معتقد تھا جب انہوں نے اپنے پاس سے علیحدہ کر دیا۔ تو اس نے یہ دعوے کیا کہ بعد امام محمد باقر کے امامت اسکی طرف منتقل ہوئی ہے۔ اور وہ بعد انتقال اس امامت کے آسمان پر گیا۔ اور معبود نے اسکے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ اور کہا اے بیٹا پہنچا دے میری طرف سے یہ آیت وان یروا کسفًا من السماء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم یعنی اگر کسی چیز کا ٹکڑا آسمان سے گرتا دیکھیں تو کہیں یہ گاڑھی بدلی ہے۔ اُسکے زعم میں کسف ساقط من السماء سے مراد اسکی ذات تھی۔ اور امامت کے دعوے سے قبل کہتا تھا کہ کسف مذکور سے مراد حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔ اور اس بات کا قائل تھا کہ رسول قیامت تک مبعوث ہوتے رہینگے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوئی ہے۔ اور ایک عقیدہ یہ تھا۔ کہ جنت سے مراد وہ آدمی ہے جسکی دوستی واجب ہے۔ اور وہ امام ہے۔ جیسے حضرت علی بن ابی طالب اور انکی اولاد اور دوزخ سے مراد وہ آدمی ہے جسکی دشمنی واجب ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و معاویہ۔ اسی طرح کہتا تھا کہ قرآن میں فرایض سے حضرت علی اور انکی اولاد مراد ہے۔ اور محرمات سے حضرت ابوبکر وغیرہ مقصود ہیں اور اس تاویل سے مطلب اسکا یہ تھا کہ جو کوئی امام تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سے سارے تکالیف شرعیہ اُٹھ جاتی ہیں بے قید ہو جاتا ہے منصوریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص ایسے چالیس آدمیوں کو قتل کر ڈالے جو عقائد دینیہ میں ہم سے

ؔ کسف بکسر اول پارہ از ہر چیزے ۱۲

خلاف ہیں۔ تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور یہ لوگ آدمیوں کے مال حلال جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جبریل نے پیغام رسانی رب العالمین میں خطا کی ہے لہ

ساتواں خطابیہ۔ یہ لوگ ابوالخطاب کے متبع ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ ابوالخطاب کو محمد بن مقلاص اور محمد بن ابو زینت کہتے ہیں۔ اور طحطاوی کے حاشیۂ درمختار میں ہے کہ خطابیہ نسبت ہے ابوالخطاب محمد بن وہب اجدع یا محمد بن ابی زینب اسدی اجدع کی طرف ابوالخطاب نے کوفہ میں خروج کیا۔ اور عیسیٰ بن موسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس سے لڑا۔

اور امام جعفر صادق کی اطاعت کی طرف دعوت کی۔ اور یہ دعوے کیا کہ علی مرتضے خدائے اکبر ہیں۔ اور جعفر صادق خدائے اصغر انتہی کلامہ۔ امام جعفر کو معلوم ہوا کہ میرے حق میں اسکو غلو ہے۔ تو اپنے ہاں سے نکال دیا۔ اسوقت اس نے امامت کا دعوے کیا۔ یہ مشبہ بھی تھا۔ اسکے تابع بچاس فرقے ہیں۔ سب کا اسپر اتفاق ہے کہ ائمہ جیسے حضرت علی اور اُنکی اولاد یہ سب انبیا ہیں۔ اور ہر امت کے لیے دو رسول ہونا ضرور ہیں ایک ناطق دوسرا صامت سو محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ناطق تھے۔ اور حضرت علی نبی صامت ہیں۔ اور امام جعفر صادق بن محمد باقر نبی تھے۔ پھر انتقال نبوت کا ابوالخطاب کی طرف ہوگیا بلکہ خطابیہ کو یہانتک غلو ہے کہ ان سب کے نزدیک ائمہ اللہ ہیں اور امام حسنؑ حسینؑ ابن اللہ ہیں۔ اور امام جعفر صادق بھی اللہ ہیں۔ اور وہ یہ نہیں جنہیں لوگ دیکھتے ہیں۔ بلکہ وہ جب اس عالم کیطرف نزول کرتے ہیں۔ تو یہہ انسانی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ مگر ابوالخطاب جعفر صادق اور حضرت علی سے افضل ہے۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ ان سب کاموں کو جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ جانتے ہیں۔ اور خطابیہ کہتے ہیں۔ کہ الہیت نور ہے نبوت اور امامت

لہ دیکھو غنیۃ الطالبین ۱۲

سے اور عالم ان انوار سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ اور ان کا زعم یہ ہے کہ امام جعفر صادق بن محمد باقر نے انکے پاس ایک کھال امانت رکھی ہے جسکو جفر کہتے ہیں۔ اس میں ہر شے محتاج الیہ کا علم غیب اور قرآن کی تفسیر ہے ان کے اعتقاد میں اس آیت میں "ان اللہ یامرکم ان تذبحوا البقرۃ" یعنی اللہ تم کو فرماتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ بقرہ سے مراد ام المومنین عائشہ ہیں۔ اور خمر (شراب) و میسر[1] سے مراد حضرت ابوبکر و حضرت عمر ہیں۔ اور جبت[2] و طاغوت سے مراد معاویہ بن ابی سفیان و عمرو بن العاص ہیں۔ منتہی المقال میں کشی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ ابو الخطاب علی بن امام حسین کی تکذیب کرتا تھا۔ پس اللہ نے اسے دوزخ میں ڈالا۔ خطابیہ[3] ہر مومن کی گواہی کو کہ حلف کرے سچا جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مومن کبھی جھوٹا حلف نہیں کرتا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ خطابیہ کے نزدیک جھوٹی گواہی اپنے موافقین کے واسطے دینا جایز ہے۔ اسی واسطے کتب فقہ میں لکھا ہے کہ خطابیہ کی گواہی نامقبول ہے۔ ابو الخطاب کو کوفے میں سولی دیے جانے کے بعد اسکے اصحاب کئی فرقے ہو گئے۔ ایک فریق نے معمر بن خثیم خائے معجمہ اور اسکے بعد یائے مثنات تحتانی اور اسکے بعد ثائے مثلثہ کی اتباع اختیار کی اور دوسرے نے بزیغ بن یونس کی یہ شخص جولاہہ تھا اور تیسرے نے عمرو بن بنان عجلی کی۔ اور بعض نے مفضل صیرفی کی۔ اور بعض نے سریغ کی۔

---

[1] میسر بفتح میم و کسر سین مہملہ قمار۔ جوا۔ جوا کھیلنا ۱۲ [2] جبت بت اور فال گو اور جادو اور جادوگر اور معبود باطل اور اظہر یہ ہے کہ جبت شیطان ہے اور طاغوت بضم غین معجمہ گمراہوں کا مقتدا اور بت اور معبود باطل ۱۲ [3] شم العوارض فی ذم الروافض کی عبارت عربی یوں ہے خطابیہ و هم قوم من غلاة الروافض یعتقدون الشهادة لکل مومن حلف عندهم و یقولون المسلم لا یحلف کاذبا وقیل یجوزون الشهادة لشیعتهم واجبه سواء کان صادقا او کاذبا ۱۲ منہ

معمریہ کے زعم میں ابو الخطاب کے بعد معمر نبی ہے جو خاتم الانبیا ہے۔ اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا فنا نہو گی۔ جنت یہی بہتری بھلائی دنیا کی ہے۔ جو انسان کو پہنچتی ہے۔ اور دوزخ اسکی ضد ہے۔ انکے نزدیک شراب پینا زنا کرنا اور تمام حرام کام حلال و مباح ہیں۔ انکا مذہب ترک نماز ہے۔ یہ قائل ہیں تناسخ کے کہتے ہیں لوگ مرتے نہیں ہیں۔ بلکہ انکی روحیں انکے غیر میں چلی جاتی ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ سعید بن خثیم اور اسکا بھائی معمر دعاۃ زیدیہ میں سے ہیں

بزیغیہ۔ اس لفظ میں اختلاف ہے۔ نسیم الریاض میں مذکور ہے۔ کہ برہان حنبلی نے کہا ہے۔ کہ لفظ بزیغ میں بائے موحدہ مفتوح اور زائے معجمہ مکسور اور یائے مثنات تحتانی ساکن اور آخر میں غین معجمہ ہے۔ بزیغ ایک شخص کا نام ہے جسکی طرف بزیغیہ منسوب ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ لفظ بزیغ میں غین معجمہ کی جگہ عین مہملہ ہے۔ اور بعضوں نے اور طرح سے بتایا ہے۔ بزیغیہ کا یہ قول ہے۔ کہ امام جعفر بن محمد خدا ہیں۔ اور جنکو یہ لوگ دیکھتے ہیں۔ یہ وہ نہیں ہیں۔ لوگوں کو انکی شبیہ معلوم ہوتی ہے۔ اور دوسرے ائمہ خدا نہیں۔ مگر وحی اُن کی طرف ہوتی ہے اور معراج اور ملائکہ تک پہنچنا سب کے لئے حاصل ہوا۔ بلکہ انکے عقیدے میں ہر مومن کو وحی آتی ہے۔ کہتے ہیں۔ اصحاب بزیغ میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو جبرئیل و میکائیل سے بہتر ہیں۔ انکو زعم ہے کہ بزیغ کے معتقد مرتے نہیں۔ بلکہ انکو عالم ملکوت پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور تلبیقہ میں لکھا ہے۔ کہ بزیغیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اپنے مردوں کو صبح و شام دیکھتے ہیں۔ اور یہ بھی اسی میں مذکور ہے۔ کہ بزیغیہ کا زعم یہ ہے کہ اللہ تعالے نے جعفر صادق میں حلول کیا ہے۔ اور وہ اللہ سے اکمل ہیں منتہی المقال میں بزیغ کے ذکر میں ایک روایت نقل کی ہے۔ کہ ابو عبد اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ حدث شامی اور بنان علی بن حسین کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر مغیرہ بن سعید اور بزیغ اور سری اور ابو الخطاب اور معمر اور بشار اشعری اور حمزہ بن عمارہ زبیری[1] اور

[1] بعض نسخوں میں زبیری کی جگہ بزیدی اور بعض میں زیدی ہے ۱۲ منہ

صائد نہدی کا ذکر کیا۔ اور اُنپر لعنت کی۔

مفضلیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جناب امیر کو حق تعالےٰ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو مسیح علیہ السلام کو خدائے تعالےٰ کے ساتھ نسبت ہے یعنی لاہوت ناسوت کے ساتھ مل کر ایک چیز ہوگئی۔ اور رسالت منقطع نہیں ہوتی۔ بلکہ جسکو عالم لاہوت کے ساتھ اتحاد حاصل ہوگیا وہ نبی ہے۔ اور اگر ارشاد خلق اور ہدایت گمرہاں کو اختیار کر لیا تو رسول ہے۔ اسی وجہ سے اُن لوگوں میں بہت سے آدمی نبوت و رسالت کے مدعی گذرے ہیں۔ اور مفضلیہ کہتے تھے کہ امام جعفر بن محمد خدا ہیں اسپر حضرت نے انکو مطرود و مخذول کر دیا۔

فائدہ۔ مرتبہ ذات الٰہی کو لاہوت کہتے ہیں۔ اور مرتبہ صفات الٰہی کو جبروت کہتے ہیں۔ اور مرتبہ اسمائے الٰہی کو ملکوت کہا کرتے ہیں۔ اور ناسوت نام ہے عالم اجسام کا یعنی دنیا اور اس جہان کا۔

سرلغیہ بفتح سین مہملہ وکسر رائے مہملہ وغین معجمہ انکا عقیدہ بھی مفضلیہ کی طرح ہے۔ مگر فرق اس قدر ہے کہ یہ پانچ شخصوں کی نسبت قائل ہیں۔ کہ لاہوت نے ناسوت میں حلول کیا ہے۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے عباس بن عبد المطلب تیسرے حضرت علی بن ابی طالب چوتھے جعفر بن ابی طالب پانچویں عقیل بن ابی طالب۔

آٹھواں غرابیہ۔ غراب غین معجمہ کے پیش سے زبان عربی میں کوے کو کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ حضرت علی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت میں بہت مشابہت ہے۔ جو ایک کوے کو دوسرے کوے سے مشابہت ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ یہ دونوں باہم مشابہ ہیں۔ اسی وجہ سے جبریل چوک گئے۔ اللہ نے انکو علی بن ابی طالب کے پاس بھیجا تھا۔ وہ امتیاز نہ کر سکے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے۔ پس یہ لوگ اپنی اصطلاح میں جبریل کو صاحب الریش کہتے ہیں۔ اور انپر لعنت کرتے ہیں شمس تبریز کے نام سے ایک

دیوان اشعار فارسی کا مشہور ہے۔ جو مطبع منشی نولکشور میں ایک ہزار سے زیادہ صفحوں پر چھپا ہے۔ ہر صفحہ میں ۲۵ سطریں ہیں۔ اور ہر صفحہ میں عرض میں چار چار مصرع درج ہیں جس میں ایک غزل ردیف دال میں لکھی ہے۔ اس غزل میں ایک شعر اس فرقے کے مذہب کے مطابق ہے۔ اور وہ شعر یہ ہے۔

جبریل کہ آمد زبر خالق بیچوں ۔۔۔ در پیش محمدؐ شد و مقصود علی بود

دیگر

آں روح مصفا کہ خداوند بہ قرآن ۔۔۔ بنواخت بہ چند آیت و بستود علی بود

ہم اول و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن ۔۔۔ ہم موعد و ہم وعدہ و موعود علی بود

راہے کہ بیان کرد خداوند در الحمد ۔۔۔ آں رہبر و آں راہ کہ بنمود علی بود

جبریل امین را زبر حضرت عزت ۔۔۔ مقصود بمثل آمد و مقصود علی بود

گویند ملک ساجد و مسجود بُدہ آدم ۔۔۔ از من بشنو ساجد و مسجود علی بود

نواں ذبابیہ ۔ ان کا اعتقاد ہے کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اور حضرت علی خدا۔ اور کہتے ہیں۔ ان دونوں نبی اور خدا میں بہت مشابہت تھی۔ اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی سے اس طرح مشابہ تھے۔ جیسے مکھی سے مکھی مشابہ ہوتی ہے۔ عربی میں ذباب بذال معجمہ کے پیش سے مکھی کو کہا کرتے ہیں۔ اسیواسطے یہ لوگ ذبابیہ کہلاتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت میں غرابیہ کی ایک شاخ ہے۔ کہ اس عقیدے سے اس عقیدے کی جانب متوجہ ہوگئے۔

دسواں ذمیہ بفتح ذال معجمہ۔ انکا عقیدہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب اللہ ہیں۔ اور یہ لوگ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت کرتے تھے۔ اس گمان پر کہ حضرت علی نے انکو اس لئے بھیجا تھا۔ کہ حضرت علی کے مددگار سربراہ کار رہیں اور لوگوں کو حضرت علی کی طرف بلائیں۔ لیکن محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے نبوت کا دعوے کا کیا۔ اور لوگوں کو اپنی طرف بلانے لگے۔ اور حضرت علی کو اس طرح پر راضی کر دیا۔ کہ اپنی بیٹی انکو بیاہ دی۔ اور یہ کئی فرقے ہوگئے ہیں انہیں

ایک علیایہ ہیں۔ جو علیا بن ذراع الدروسی یا اسدی کے متبع ہیں۔ وہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل تھا۔ اور حضرت علی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل بتاتا تھا۔ اور یہ عقیدہ رکھتا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے ساتھ بیعت کی تھی۔ اور اُنکی متابعت اختیار کر لی تھی۔ بعض علیایہ بھی کہتے ہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی دونوں خدا تھے۔ لیکن یہ بھی دو فریق ہوگئے۔ بعض محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو الوہیت میں مقدم رکھتے ہیں۔ اور بعض حضرت علی کو۔ ان دونوں گروہوں کا نام اثنینیہ ہے۔ کیونکہ یہ آنحضرتؐ کی مذمت نہیں کرتے۔ جس طرح ذمیہ کرتے ہیں۔ بلکہ حضرت علی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائی میں شریک جانتے ہیں۔ اور بعض ان میں سے پنجتن یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی اور بی بی فاطمہ اور امام حسن اور امام حسین کو اللہ مانتے ہیں۔ یہ بھی انکا قول ہے کہ پانچوں ایک شے ہیں۔ ان سب میں یکساں روح اُتری ہے ایک کو دوسرے پر کچھ فضیلت نہیں۔ انکا نام خمسیہ اور مخمسہ ہے۔ یہ لوگ بی بی فاطمہ کو ہمیشہ فاطم کہا کرتے تھے۔ علامت تانیث سے احتراز رکھتے تھے۔ ان کے شاعر کا قول ہے

توليت بعد الله في الدين خمسة نبيا وسبطيه وشيخا وفاطما

اور تعلیقہ میں لکھا ہے۔ کہ مخمسہ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ سلمان۔ ابوذر۔ مقداد۔ عمار۔ اور عمر بن امیہ ضمیری اللہ کی طرف سے مصالح عالم کے مؤکل ہیں۔ اور توضیح المقال فی علم الرجال میں فرقۂ علیایہ کا نام علیاویہ لکھا ہے۔ اور کہا ہے کہ رئیس ان کا بشار شعیری ہے۔ اور اختیار سے نقل کیا ہے کہ علیاویہ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ علی کرم اللہ وجہہ رب ہیں۔ جو خاندان علوی ہاشمی میں پیدا ہوئے۔ اور ظاہر کیا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اور اسکی طرف سے اسکا دوست ہوں۔ اور اللہ کا رسول ہوں محمدیہ طریق میں۔ اور بشار نے اصحاب ابو الخطاب کے ساتھ ان چار شخصوں میں موافقت کی ہے۔ حضرت علی۔ بی بی فاطمہ۔ امام حسن۔ امام حسین رضی اللہ عنہم اور اشخاص ثلثہ یعنی بی بی فاطمہ و امام حسن وحسین کے معنی تخلیط ہیں۔ یعنی حقیقت

انکی ایک ہی ہے۔ چار لباس وعنوان میں ظہور کیا ہے۔ اور وہ حقیقت صرف
وجود حضرت علی ہے۔ اسلئے کہ حضرت علی ہی ان سب اشخاص میں صاحب
امامت ہیں۔ اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خاص مخصوص وجود نہیں
ہے۔ بلکہ وہ حضرت علی کے بندے ہیں۔ اور حضرت علی رب ہیں۔ انہوں نے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پانچواں مانا ہے جیسا کہ فرقہ مخمسہ نے سلمان کو
پانچواں قرار دیا ہے۔ اور انکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول گردانا ہے۔ اور
علیاویہ نے ان لوگوں کے ساتھ اباحت اور تعطیل اور تناسخ میں موافقت کی
ہے۔ اور علیاویہ کا نام مخمسہ نے علیایہ رکھا ہے۔ اس وجہ سے گمان یہ ہے کہ
جب بشار شعیری نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ربوبیت سے انکار کیا۔ اور حضرت
علی کو رب قرار دیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی کا بندہ مانا اور سلمان
کی رسالت کا انکار کیا۔ تو وہ مسخ ہو کر ایک پرند بن گیا۔ جسے علیا کہتے ہیں اور
دریا میں رہتا ہے۔ پس جو اسکے متبع ہیں۔ انہیں علیایہ کہنے لگے اور منتہی المقال
میں لکھا ہے۔ کہ مخمسہ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ حضرت علی رب ہیں۔ اور توضیح المقال
میں یہ بھی نقل کیا ہے۔ کہ خطابیہ اور علیاویہ اور مخمسہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص
یہ دعوے کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے ہوں۔ وہ مبطل ہے اللہ
پر جھوٹ باندھتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں اللہ نے یہود و نصاریٰ
کا لفظ اس آیت میں فرمایا ہے۔ قالت الیهود والنصاریٰ نحن ابناء الله واحباؤه
قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق یعنی یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے
بیٹے ہیں۔ اور اسکے پیارے تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تمہارے گناہوں پر
بلکہ تم بھی ایک انسان ہو۔ اسکی پیدائش میں کہتا ہے خطابیہ و مخمسہ کے نزدیک
محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب ہیں۔ اور علیاویہ کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ اور یہ
خدا ہے نہ اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ وہ خود کسی سے پیدا ہوا ہے۔ اور یہ لوگ
یعنی آل ہونے کا دعوے کرنے والے بشر نہیں۔ تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا

حضرت علی کی آل و اولاد کیسے بن سکتے ہیں۔ اسلئے جو ایسا دعوے کرتے ہیں۔ وہ کاذب ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرح جو اس بات کے مدعی ہیں۔ کہ ہم خدا کی اولاد ہیں

گیارہواں اموِیہ۔ ان کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ جناب امیر آنحضرت کی نبوت و رسالت میں شریک تھے

بارہواں غمامیہ[1]۔ انکا نام ربیعیہ بھی ہے۔ انکا عقیدہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا مکان اصلی آسمان ہے۔ اور وہ موسم بہار میں پردۂ ابر کے اندر ہو کر واسطے سیر گلزار اور باغ و بہار کے زمین کی طرف نزول کرتا ہے۔ اور دنیا کا طواف کرتا ہے۔ پھر آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ پھل پھول میوہ غلہ اور سبزہ یہ سب اثر بہار اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے لئے جہت کوئی نہیں کبھی اوپر کبھی تلے پھرتا رہتا ہے۔ اس فرقے کا ظہور ۱۴۵ھ میں ہوا تھا۔

تیرہواں رزامیہ تعریفات ابو نصر کی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس لفظ میں رائے مہملہ کے بعد زائے معجمہ ہے۔ یہ فرقہ رزام بن سابق کی طرف منسوب ہے۔ انکا اعتقاد یہ تھا کہ امامت کے بعد حضرت علی بن ابی طالب کے محمد بن حنفیہ کی طرف منتقل ہوئی۔ پھر ان کے بیٹے ابو ہاشم عبد اللہ کی طرف پھر علی بن عبد اللہ بن عباس کی طرف ابو ہاشم کی وصیت سے آئی۔ پھر اُنکے پسر محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کی طرف آئی۔ محمد نے اُسکی وصیت اپنے پسر ابو العباس کو کی۔ جو سفاح کے لقب سے مشہور تھا اور مروان بن محمد بن مروان بن حکم بن ابو العاص بن امیہ پر جسکو مروان حمار کہتے ہیں۔ اور خلفائے بنی امیہ میں سے اخیر خلیفہ تھا فتح پا کر بادشاہ ہوا۔ اور چار برس سے کچھ زیادہ سلطنت کر کے مر گیا۔ اسکے بعد بھائی اسکا ابو جعفر منصور جو بسبب بخل کے دوانقی مشہور تھا سفاح کی وصیت سے امام ہوا۔ اور رزامیہ کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ ابو مسلم مروزی ہیں جو عباسیہ کی طرف سے

[1] ابو مسلم جسے امیر آل محمد بھی کہتے ہیں اگرچہ مرو میں نہیں پیدا ہوا تھا مگر چونکہ ظہور اُسکا اسکا وہیں ہوا اسلئے مروزی

داعی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہے۔ اسی وجہ سے انکا غلاۃ میں شمار ہوتا ہے
اور باوجودیکہ ابوجعفر نے ابومسلم کو دغا سے قتل کیا تھا۔ مگر رزامیہ کا یہ زعم ہے
کہ وہ مارا نہیں گیا ہے۔ اور یہ لوگ محرمات کو حلال جانتے تھے۔ اور فرائض کو
چھوڑ دیا تھا۔

چودہواں عزاقریہ یا شلمغانیہ یہ محمد بن علی شلمغانی کے متبع ہیں جسکی
کنیت ابوجعفر اور عرف ابوالعزاقر[1] (بعین مہملہ و زائے معجمہ و قاف و رائے مہملہ سے
ہے۔ یاقوت حموی نے ابن ابی عون کے ترجمے میں لکھا ہے کہ ابن ابی العزاقر
اسفان کے علاقہ میں سے ایک گاؤں ہیں جسکا نام شلمغان (شین و غین معجمتین کیساتھ
ہے رہتا تھا۔ اسکے اصحاب اسکی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں
کہ اللہ کی روح نے اول آدم علیہ السلام میں حلول کیا۔ بعد آدم علیہ السلام کے شیث
علیہ السلام میں اور شیث علیہ السلام کے بعد اور انبیاء و ائمہ میں یہانتک کہ حسن
بن علی عسکری میں حلول کیا اسکی تصنیف سے ایک کتاب ہے۔ اسکا نام حاسہ
سادسہ رکھا ہے۔ اس میں زنا و فجور کو مباح کر دیا ہے انتہی۔ یہ شخص حسین بن منصور
حلاج اور ابوطاہر قرمطی کا معاصر تھا۔ ابتدا میں شیعہ امامیہ کے فقہائے اکابر میں
شمار کیا جاتا تھا۔ اور امامیہ مذہب رکھتا۔ اور مذہب امامیہ کے اصول کے
موافق کتابیں تصنیف کرتا تھا۔ مگر شیخ ابوالقاسم حسین بن روح کے ساتھ جسکو
امامیہ **باب** کہتے ہیں۔ کیونکہ امام محمد بن حسن عسکری کی طرف سے انکی غیبت
صغرے کے زمانہ میں وکیل تھا۔ اسکو حسد پیدا ہو گیا۔ اور امام مختفی کی طرف سے
خود سفارت کا دعوے کیا۔ بلکہ پھر ایک نیا مذہب تشیع میں جسکی بنیاد نہایت

---

[1] اس لفظ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں عین مہملہ اور زائے معجمہ اور الف اور قاف اور
یائے تحتانی اور رائے مہملہ ہے۔ بعض کہتے ہیں یائے تحتانی نہیں۔ بعض حرف آخر رائے مہملہ کی
جگہ دال مہملہ بتاتے ہیں۔ اور یائے تحتانی بھی ہے۔ بعض کہتے ہیں غین معجمہ اور رائے مہملہ اور الف
اور قاف اور یا اور دال سے ہے ۱۲ منہ

غلو اور تناسخ اور حلول حق تعالےٰ اپر بھی پیدا کر لیا۔ بنی بسطام اسکی بہت تعظیم تکریم کرتے تھے۔ مجلسی نے کتاب بحار الانوار کی تیرہویں جلد میں لکھا ہے۔ کہ ابن ابو العزاقر کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص اللہ کے دوست سے ضدر کھے۔ اور اس سے مقابلہ کرتا ہے۔ وہ نہایت عمدہ اور بہتر ہے۔ اسلئے کہ ولی کو اپنے فضائل کا ظاہر کرنا بغیر اسکے ممکن نہیں۔ کہ کوئی اسکا مخالف اسپر طعن کرے۔ جب لوگ اُس ولی کی نسبت اعتراض سنتے ہیں۔ تو اُسکے حالات کی جستجو کرتے ہیں اس صورت میں ولی کے فضائل اور کمالات کے ظاہر ہونیکا یہی مخالفت ذریعہ ہوتی ہے اسلئے ضد ولی سے افضل ہے۔ اس طریقے کو آدم اول سے آدم ہفتم تک جاری کرتا تھا اسلئے کہ سات آدم اور سات عالم کا قائل تھا۔ اور اسی بنا پر حضرت موسیٰ سے فرعون کو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو بکر کو اور حضرت علی سے معاویہ کو افضل بتاتا تھا۔ اور ضد کی بابت عزاقریہ میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ ان میں سے یہ کہتا ہے۔ کہ ضد کو ولی مقرر کرتا ہے۔ اور ولی ہی اسکو اپنے ساتھ معارضہ کرنیکی قدرت دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے اپنی خوشی سے حضرت ابو بکر کو مقرر کیا تھا۔ اور بعض عزاقریہ کہتے ہیں۔ کہ ضد قدیم ہے۔ ہر وقت ولی کے ساتھ رہتا ہے۔ محمد بن علی شلمغانی کا قول تھا کہ حق ایک ہی ہے۔ وہ کبھی سفید لباس میں ظہور کرتا ہے۔ کبھی قرمزی میں اور کبھی نیلے میں۔ ابن اثیر جزری نے کتاب کامل میں بیان کیا ہے۔ کہ ابن ابی عزاقر اپنی ذات کو الہ اور رب الارباب قرار دیتا تھا۔ اور عقیدہ اسکا یہ تھا۔ کہ وہ اول ہے۔ قدیم ہے۔ ظاہر ہے۔ باطن ہے رازق ہے۔ تام ہے۔ اور تام سے مراد یہ ہے کہ ہر معنی کے ساتھ اُسکی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور کہتا تھا کہ خدا ہر چیز میں اُسکی استعداد اور تحمل کے موافق حلول فرماتا ہے۔ اور ضد کو ایجاد کیا۔ تاکہ وہ اپنے مقابل پر دلالت کرے۔ اس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے آدم ابو البشر کو پیدا کر کے پھر ابلیس کو پیدا کیا۔ اور اس میں حلول کیا اور یہ دونوں باہم ضد ہیں۔ اور ضد شئے کی اسکی نظیر اور شبیہ کی بہ نسبت زیادہ نزدیک

ہوتی ہے۔ اور خدا تعالے جب جسد ناسوتی میں حلول کرتا ہے۔ تو اُس جسد سے معجزہ اور قدرت ظہور میں آتی ہے۔ اور معجزہ و قدرت اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ اس جسد کو خدا کے ساتھ عینیت اور اتحاد حاصل ہے۔ اور جب آدم علیہ السلام غائب ہوگئے۔ تو لاہوت نے پانچ تن ناسوتی میں ظہور کیا۔ ان پانچ تنوں میں ایک غائب ہوجاتا۔ تو دوسرا اُسکی جگہ ظہور کرتا۔ اور اُن پانچ تن ناسوتی کے مقابلے میں پانچ ابلیس ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے ظہور فرمایا ہے بعد اسکے لاہوتیت حضرت ادریس میں اور حضرت ادریس کے ابلیس میں جمع ہوئی۔ اور اُنکے بعد متفرق ہوگئی۔ بعد اسکے ہود میں اور انکے ابلیس میں جمع ہوئی۔ پھر ان دونوں کے بعد حضرت صالح اور انکے ابلیس میں جس نے اُنکے ناقے کی کونچیں کاٹی تھیں جمع ہوئی۔ انکے بعد حضرت ابراہیم اور انکے ابلیس میں کہ نمرود ہے جمع ہوئی۔ اور انکے غائب ہونے کے بعد متفرق ہوکر حضرت ہارون اور انکے ابلیس میں کہ فرعون ہے جمع ہوئی۔ انکی غیبت کے بعد حضرت سلیمان اور انکے ابلیس میں جمع ہوئی۔ اور انکے غائب ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ اور انکے ابلیس میں جمع ہوئی۔ اور حضرت عیسیٰ کے بعد انکے حواریوں اور حواریوں کے ابلیسوں میں جمع ہوئی۔ اور انکی غیبت کے بعد حضرت علی اور انکے ابلیس میں جمع ہوئی۔ کہتا تھا۔ کہ اللہ ایک نام ہے۔ جو مفہوم کلی پر دلالت کرتا ہے۔ اور وہ مفہوم کلی یہ ہے کہ جسکی طرف لوگوں کو احتیاج ہے۔ وہ اللہ ہے پس ہر ایک فاضل اپنے مفضولونکا۔ اور ہر ایک مطاع اپنے مطیعوں کا اللہ ہونے کے لایق ہے۔ اسی لئے ابن ابی العزاقر کے متبعوں میں سے ہر ایک اپنے آپکو بمقابلہ اس شخص کے جو اُس سے کم مرتبہ ہوتا۔ اللہ جانتا اور کہتا میں فلاں کا رب ہوں۔ اور فلاں رب فلاں کا ہے۔ اور فلاں میرا رب ہے۔ یہانتک کہ ربوبیت کو ابن ابی العزاقر تک منتہی کرتے۔ اور اسکو رب الارباب جانتے۔ اور کہتے ربوبیت ابن ابی العزاقر پر ختم ہوگئی۔ اُسکے آگے کوئی رب نہیں وہ کسی کا

مربوب نہیں۔ اور کہتے کہ امام حسن و حسین حضرت علی کے فرزند نہیں ہیں اسلئے کہ جسکے وجود میں ربوبیت جمع ہوئی پھر وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا اور حضرت موسے اور حضرت مصطفٰے کو خائن بتاتے ہیں۔ اسلئے کہ ہارون نے حضرت موسے کو اور علی نے حضرت محمدؐ کو لوگوں کی طرف بھیجا۔ کہ ہماری شریعت کی طرف بلاؤ۔ ان دونوں نے انکے ساتھ خیانت کی۔ اور آدمیوں کو اپنی شریعت کی طرف بلایا۔ اور کہتے ہیں۔ کہ حضرت علی نے حضرت محمدؐ کو اصحاب کہف کے برسوں کی برابر کہ ساڑھے تیرہ سو سال ہیں مہلت دی۔ جب یہ مدت پوری ہوجائیگی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت منتقل ہوجائیگی۔ اور ملائکہ وہ ہیں جو اپنے نفس کے مالک ہوں۔ اور حق کو پہچانتے ہوں۔ اور بہشت فرقہ عزاقریہ کو پہچاننے۔ اور انکے مذہب کو اختیار کرنے سے مراد ہے۔ اور دوزخ یہ ہے۔ کہ اُنکو نہ جانتا ہو۔ اور اور انکے مذہب کو نہ اختیار کرے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ نماز روزہ وغیرہ عبادت کی ضرورت نہیں۔ اور بدوں عقد کے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور کہتے ہیں کہ چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سرداران قریش کی طرف جو نہایت سرکش اور متکبر تھے مبعوث ہوئے تھے۔ اسلئے انکے تکبر ڈھانے اور تعلی توڑنے کے لئے سجدہ کرنیکا حکم ان کو دیا۔ اب حکمت کا اقتضا یہ ہے۔ کہ آدمیوں پر عورتوں کی فروج مباح کرکے انکا امتحان کرنا چاہئے پس آدمیونکو روا ہے۔ کہ اپنے عزیزوں اور دوستوں اور بیٹوں کی عورتوں سے مباشرت کریں۔ مگر شرط یہ ہے کہ دونوں کا مذہب ایک ہو۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اگر شخص فاضل اپنے سے کم درجہ والے کے ساتھ وطی کرے۔ تو یہ بات اسکے لئے جایز ہے۔ تاکہ وہ اپنے نور کا وجود اُس مفضول میں داخل کرے۔ اور اگر وہ مفضول اس فاضل کو وطی نہ کرنے دیگا۔ تو وہ مفضول دوسرے دور میں کہ بعد اس دورے کے آنیوالا ہے عورت کی صورت میں بدل جائیگا۔ اس لئے کہ انکے مذہب کا بنا تناسخ پر ہے۔ تاریخ الفی میں لکھا ہے۔ کہ ابو جعفر شلمغانی سنہ ۳۲۰ھ میں بغداد آیا یہ دعوے خدائی کا کرتا تھا۔ اپنے

متبعوں سے کہا کرتا تھا۔ کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ بغداد کے ہزارہا آدمی
اُسکی باتوں کو قبول کرکے اُسکے مطیع ہوگئے۔ اور بہت سے بڑے بڑے آدمی بھی
اُسکے مذہب میں داخل ہوگئے۔ جیسے حسین بن قاسم بن عبداللہ بن سلیمان بن
وہب کہ ایک وقت میں مقتدر باللہ خلیفہ عباسی کا وزیر بھی رہا ہے اور ابو جعفر
اور ابو علی فرزندان بسطام اور ابراہیم بن ابی عون اور ابن شبیب زیات اور
احمد بن محمد عبدوس اور یہ سب اُسکی ربوبیت کے قائل تھے۔ جب ابن شلمغانی
اور اسکے متبعوں کے الحاد کو زیادہ زور ہوا۔ تو ابن مقلہ وزیر نے عہد خلیفہ
مقتدر میں اُسکو اور اُسکے اصحاب خاص کو تلاش کیا۔ مگر یہ لوگ ہاتھ نہ آئے
یہانتک کہ شوال ۳۲۲ھ میں ابن شلمغانی ظاہر ہوا۔ یہ عہد خلیفہ راضی کا تھا
وزیر ابن مقلہ نے اُسے گرفتار کرلیا۔ اور اُسکی خانہ تلاشی لیگئی۔ تو بہت سے خط اُسکے
متبعوں کے ایسے نکلے جن میں ابن شلمغانی کے حق میں وہ مضمون اور الفاظ تھے
جنکا اطلاق شرعاً بشر پر جایز نہیں۔ ان خطوط میں ایک خط حسین بن قاسم کا
بھی تھا۔ وزیر نے ایک مجلس میں علما کو جمع کرکے وہ خط پیش کئے اور انکی شناخت
کیگئی۔ ابن شلمغانی نے بھی اعتراف کیا۔ کہ ہاں یہ خط میرے نام ہیں۔ مگر اپنے مذہب
سے انکار کیا کہا میں مسلمان ہوں۔ جو کچھ باتیں لوگ میرے حق میں مشہور کرتے
ہیں۔ افترائے محض ہے۔ اُسکے ساتھ ابن ابی عون اور ابن عبدوس کو بھی
بھی گرفتار کرکے خلیفہ کے حضور میں تینوں پیش کئے گئے۔ ابن ابی عون اور ابن
عبدوس کو حکم ہوا۔ کہ ابن شلمغانی کے تمانچے ماریں۔ دونوں نے اس حکم کی تعمیل سے
انکار کیا۔ مگر جب اُنپر بہت تاکید کیگئی۔ تو ابن عبدوس نے ہاتھ بڑھا کر ابن شلمغانی
کے سر پر زور سے ایک تمانچہ مارا اور ابن ابی عون نے جب ہاتھ اُسکی داڑھی اور
سر پر ڈالا تو اُس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ پس اُس نے ابن شلمغانی کے سر اور منہ پر بوسہ
دیا۔ اور اُسکو مخاطب کرکے کہنے لگا۔ الٰہی وسیدی ورزاقی۔ خلیفہ راضی باللہ نے
ابن شلمغانی سے کہا۔ کہ تو تو دعوے خدائی سے انکار کرتا ہے۔ اگر یہ بات سچ تھی

تو ابن ابی عون نے تجھ سے یہ بات کیوں کہی۔ ابن شلمغانی نے جواب دیا کہ قرآن
میں آیا ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی یعنی اللہ پاک ایک بندے کے گناہ
سے دوسرے پر مواخذہ نہیں کرتا۔ میں نے کبھی یہ بات نہیں کہی تھی۔ کہ میں
خدا ہوں ابن عبدوس نے خلیفہ سے عرض کیا۔ کہ ابن شلمغانی الوہیت کا مدعی
نہیں۔ بلکہ اس بات کا دعوے کرتا ہے کہ میں باب ہوں۔ امام منتظر کی طرف سے
اور ابن روح کا قائم مقام ہوں۔ پھر فقہا و قضاۃ نے ایک طول طویل بحث کے
بعد فتوے دیدیا۔ کہ ابن ابی عون اور ابن شلمغانی کا خون مباح ہے۔ اس لئے
سہ شنبہ ۲ ذیقعدہ ۳۲۲ھ کو ابن ابی عون اور ابن شلمغانی کی خلیفہ کے حکم سے
گردن مار کر آگ میں جلوا دئیے گئے۔ اور حلی نے کتاب خلاصہ میں کہا ہے۔ کہ ابن
شلمغانی ۳۲۳ھ مارا گیا ہے یہ دونوں اعلے درجے کے فاضل اور صاحب
تصنیفات ہیں۔

پندرہواں اسحاقیہ۔ جلد دوم نامۂ دانشوراں حالات ابونعیم اصفہانی
میں لکھا ہے کہ فرقۂ اسحاقیہ حقیقت میں عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ کی طرف
منسوب ہے جو جعفر طیار کی اولاد میں سے ہے۔ شرح ابن الحدید میں مرقوم ہے کہ
مذہب اسحاقیہ کو جس شخص نے اختراع کیا اسکا نام اسحاق تھا۔ اور وہ عبداللہ
بن معاویہ کے اصحاب میں سے تھا۔ اسکا قول تھا کہ تمام اشیا مباح ہیں انسان
کو کسی چیز پر تکلیف نہیں دیگئی ہے علی علیہ السلام منصب نبوت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے شریک ہیں۔ لیکن نہ اس وجہ پر جسے آدمی جانتے ہیں۔ موئد الافاضل میں ذکر
کیا ہے کہ اسحاقیہ کا عقیدہ ہے۔ کہ زمین پیغمبر سے کبھی خالی نہیں رہتی۔ نبوت حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نہیں ہوئی اور صواعق محرقہ میں بیان کیا ہے۔ کہ اسحاقیہ
کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالے ائمہ کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ مگر ان میں باہم اس بات
میں اختلاف ہے کہ حضرت علی کے بعد اللہ تعالے کس سے متحد ہوا ہے۔

سولہواں نصیریہ۔ صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ نصیر کے اصحاب ہیں

اور تعلیقہ میں مذکور ہے کہ یہ محمد بن نصیر فہری کے متبع ہیں۔ ان کا قول یہ ہے۔ کہ اللہ علی بن محمد عسکری ہیں۔ اور محمد بن نصیر علی بن محمد کی طرف سے نبی ہے۔ محارم کو حلال کر دیا تھا۔ اور جن عو۔ ان کے ساتھ نکاح ناجایز ہے انکے ساتھ نکاح جایز کر دیا تھا۔ اور کنتی میں مذکور ہے۔ کہ نصیریہ ایک فرقہ ہے۔ جو محمد بن نصیر فہری کی نبوت کا قائل ہے۔ اور غضائری میں ہے۔ کہ اس شخص کی طرف فرقہ نصیریہ منسوب ہے۔ اور خلاصہ میں بھی ہے۔ کہ اس شخص سے فرقہ نصیریہ کی ابتدا ہے۔ اور اسی طرف یہ لوگ منسوب ہیں۔ اور منتہی المقال و توضیح المقال میں لکھا ہے کہ فی الحال شیعہ کے عوام اور اکثر خواص خصوصاً شعرا اکے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ جو شخص حضرت علی کی ربوبیت کا قائل ہے وہ **نصیری** ہے۔ اور کتب اہل سنت میں بھی یہی مذکور ہے۔ کہ نصیریہ کا اعتقاد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالے نے حضرت علی کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ یا ان میں حلول کیا ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ حضرت علی اور انکی اولاد چونکہ سب سے افضل ہیں اور موئد ہیں ساتھ ایسی تائیدات کے کہ جو اسرار باطنی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسلئے اللہ تعالے پر ضرور ہوا کہ وہ انکی صورتوں میں ظہور کرے۔ اور انکی زبان سے بات کہے۔ پس یہ لوگ ائمہ کو خدا اعتقاد کرتے ہیں اور دلیل اپنے قول پر یہ لاتے ہیں۔ کہ نبی نے تو مشرکین کے ساتھ جنگ کی۔ اور حضرت علی نے منافقین کے ساتھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر ظاہر حال پر حکم کرتے تھے۔ اور اللہ تعالے باطن کو دیکھتا ہے۔

نخبۃ الدہر میں لکھا ہے۔ کہ مملکت حلبیہ میں ایک پہاڑ کا نام سماق ہے اس میں فرقہ نصیریہ کثرت سے آباد ہے۔ معاد کے باب میں انکا عقیدہ ہے کہ گنہگار آدمی کو کبھی مسخ کے ذریعہ سے عذاب ہوتا ہے۔ اور اس طرح گناہوں کی سزا دیجاتی ہے۔ کہ یکایک بندر یا سور وغیرہ کی شکل پر ہوجاتا ہے۔ اور ان کا قول یہ ہے کہ نیک آدمی جتنے عمدہ اعمال کرتا ہے۔ اسی قدر اسکی روح انسانی صورتیں بدلتی ہے۔ اور یہ صورتیں روح کے لئے بمنزلہ قمیص کے ہیں۔ نیک آدمی کی روح

طرح سے ترقی کرتی ہے۔ جب ستر قمیص بدل چکتی ہے۔ تو اخیر میں فرشتوں میں منتقل
ہو جاتی ہے۔ اور بد آدمی کی روح شقاوت کے گڑھوں میں گرتے ہوئے اور اجسام
کو بدلتے ہوئے اسفل السافلین میں پہنچ جاتی ہے۔ اور یہ بھی ستر قمیص بدلتی ہے
کہ ہر ایک قمیص میں اسکی شقاوت بڑھتی ہی جاتی ہے مثلاً ایک جسم میں شقی
تھی۔ دوسرے میں اشقے ہوتی ہے۔ اور اپنے اعمال بد کی تکلیفیں برداشت کرتے
ہوئے اونٹ۔ گھوڑے۔ گدھے۔ خچر۔ بیل۔ بکری۔ کتے۔ سور۔ گوہ وغیرہ حیوانات
کے اجسام میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور رحمت الہی کے نزول سے مایوس ہو جاتی
ہے۔ اور جہنمی اور طرح طرح کے عذابوں کے قابل قرار پاتی ہے۔ اور اسکو عذاب اس
طرح ملتے ہیں۔ کہ حلال ہوتی ہے۔ لٹکا رہتی ہے۔ زنجیر سے بندھتی ہے سواری
میں جوتی جاتی ہے۔ قوت نطق اور گویائی سے محروم ہوتی ہے۔ اللہ تعالے کی جناب
سے محجوب ہو جاتی ہے۔ آسمان کے دروازے اس کیلئے بند ہو جاتے ہیں۔ نہ اسکی
کوئی بات مقبول ہوتی ہے۔ نہ اسکا کوئی شکوہ مسموع ہوتا ہے۔ اور ایسی روح نہ کبھی
جنت میں داخل ہو سکتی ہے۔ نہ جنت کی ہوا اس تک پہنچ سکتی ہے۔ اور نہ اسکے
لئے کبھی آسمان کے دروازے کھلتے ہیں۔ اور ان اجسام حیوانی میں داخل ہونے
کے عذاب اسکو یہانتک حاصل ہوتے ہیں کہ بڑے سے بڑے حیوان کے جسم میں
داخل ہو کر حقیر سے حقیر جسم حیوانی میں تنزل کرتی ہے سرکے کیڑے میں داخل ہوتی
ہے۔ قرآن میں جو آیا ہے ان الذین کذبوا بآیاتنا واستکبروا عنہا لا تفتح
لہم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط
وکذلک نجزی المجرمین یعنی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں۔ اور ان سے
تکبر کیا۔ انکے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلینگے۔ اور نہ جنت میں داخل ہونگے
یہانتک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہووے۔ اور ہم اسی طرح گنہگاروں کو
بدلا دیتے ہیں۔ اس آیت میں اسی مقصد کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جب روح
اونٹ کے جسم میں داخل ہوگی۔ اور تنزل کرتے ہوئے ایسے کیڑے کے جسم میں ہوگی

جو سر کے میں پڑتے ہیں۔ تو اس عرصے میں کتنی تبدیلیاں اسکے اجسام میں واقع ہونگی۔ اور یہ پچھلا جسم اُسکا بمقابلے پہلے جسم کے کتنا حقیر ہوگا۔ اور وہ روح جوادنیٰ کے جسم میں تھی۔ ایسے جسم میں ہوگی۔ جو سوئی کے ناکے میں داخل ہونے کے قابل ہے۔ بعد اسکے روح بناتات کے اجسام میں داخل ہوتی ہے اور یہاں جلنے کٹنے چرنے وغیرہ ذریعوں سے عذاب پہنچتا ہے۔ بعد اسکے معدنیات میں داخل ہوتی ہے۔ اور طرح طرح کے عذاب پاتی ہے پگھلائی بھی جاتی ہے گرم بھی کی جاتی ہے۔ ہتوڑے سے بھی کوٹی جاتی ہے اس میں سوراخ بھی کئے جاتے ہیں۔ اور معدنیات میں سے کبھی نہیں نکلنے پاتی ہمیشہ انہیں عذابوں میں گرفتار رہتی ہے۔ اور یہ لوگ حلول کے بھی معتقد ہیں۔ انکے نزدیک مقصود اصلی اور غایت کلی یہ صورت مرئیہ ہی ہے۔ مطلب انکا یہ ہے۔ کہ مادہ اور صورت کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ ظاہر وجود خلق ہے۔ اور باطن وجود خالق ہے۔ اور یہ وجود ہر موجود میں ظاہر ہوا ہے۔ اور موجودات میں ترقی کرتا ہوا صورت انسانی میں چڑھتا ہے۔ اور نوع انسانی میں ترقی کر کے صورت خاص اور اعلےٰ میں ترقی کرتا ہے۔ مثلاً حضرت آدم شیث نوح ابراہیم ہارون۔ یوسف۔ موسیٰ۔ مسیح اور علی بن ابی طالب کی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور ہر صورت کا معنی ایک ہی ہوتا ہے۔ پس صورت کے مظاہر نبوت و امامت ہیں۔ اور اُسکا باطن غیب ہے۔ جو دریافت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خالق مختار ہے۔ اور اسکے لئے دروازہ ہے جس میں کسی عالم اور عاقل کے علم و عقل کو بغیر اس دروازے کے رسائی نہیں اگر کوئی چاہے۔ کہ اس سے واقف ہو جائے۔ تو اس کے لئے اس دروازے میں داخل ہونا ضرور ہے۔ اور نہ اس صورت کے باطن کسی کی نظر بے پردہ دیکھ سکتی ہے۔ وہ غیب اگر نظر آتا ہے۔ تو پردے کی آڑ میں نظر آتا ہے۔ اور اُنکے نزدیک مراد اس پردے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس باطن سے مراد حضرت علی ہیں۔ اور دروازہ اس کا سلمان فارسی ہیں۔ نصیری شیعوں کو

علی الہیان بھی کہتے ہیں

تاریخ سرجان مالکم میں لکھا ہے کہ شیعہ اثنا عشری سے علی اللہیون کو عداوت ہے۔ اور وہ بھی علی اللہیون کو دشمن جانتے ہیں۔ اور علی اللہیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اور اپنے قواعد و رسوم مخفی رکھتے ہیں مرزا اسد اللہ خاں غالب کہتے ہیں ؎

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوے دوست مشغول حق ہیں بندگی بوتراب ہیں

یعنی علی علیہ السلام خدا تعالیٰ کے ہم نشین ہیں۔ اور دوست کے ہم نشین سے دوست کی بو آتی ہے۔ پس جو لوگ بوتراب کی بندگی میں ہیں۔ وہ درحقیقت مشغول حق ہیں۔ ایسے ہی اشعار سے غالب کی نسبت کہا گیا ہے۔ کہ وہ علی اللہی تھے یعنی نصیری مذہب رکھتے تھے۔ اور فارسی کے مندرجہ ذیل شعر میں تو غالب نے اپنا عقیدہ صاف ظاہر کر دیا ہے ؎

غالب نام آورم نام و نشانم مپرس ٭ ہم علی اللہم و ہم علی اللہیم

غالب کے دیوان اردو کی شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔ یہ شعر بھی انہیں کا ہے ؎

منصور فرقۂ علی اللہیان منم ٭ آوازۂ انا اسد اللہ برافگنم

آبحیات میں لکھا ہے۔ کہ اہل راز اور غالب کی تصنیفات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ انکا مذہب شیعہ تھا۔ اور لطف یہ تھا۔ کہ ظہور اسکا جوش محبت میں تھا نہ کہ تبرا و تکرار میں۔ چنانچہ اکثر لوگ انہیں نصیری کہتے اور وہ سنکر خوش ہوتے تھے۔ دبستان المذاہب میں لکھا ہے کہ علی اللہیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کی طاقت اور استعداد عاوی و سفلی میں نہ تھی۔ اس لئے اس نے چاہا کہ مرتبہ صرفیت اور اطلاق کو چھوڑ دے۔ تاکہ بندے اسکی پرستش کر سکیں۔ اور اُسکو پہچاننے لگیں۔ پس اللہ ہر قرن میں مجسم روحی سے ملا۔ اور نوع انسانی کے اندر ظہور کیا۔ اور انبیا میں حلول فرماتا رہا۔ یہانتک کہ اسکا ظہور حضرت علی اور انکی اولاد میں ہوا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا۔ مگر حق تعالیٰ نے جو دیکھا۔ کہ ان سے کار رسالت نہیں چل سکتا۔ تو مدد دینے کے لئے خود جسم قبول

گیا یہی وجہ ہے کہ جب نبی نے کعبہ میں بت شکنی کی۔ تو اس وقت حضرت علی کو اپنے دوش پر چڑھایا ؎

غرض زبت شکنیہا جز این نبود نبی را
کہ دوش خود بکف پائے مرتضے برساند

ایک علی اللہی جسکا نام احمد تھا بیان کرتا تھا۔ کہ یہ قرآن عمل کے قابل نہیں اسلئے کہ جو مصحف علی اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ یہ وہ نہیں بلکہ یہ تو حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی تصنیف ہے۔ اور شمس الدین علی اللہی کہتا تھا کہ ہے تو یہ وہی قرآن جو علی اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ لیکن چونکہ جمع اسکو حضرت عثمان نے کیا ہے۔ اسلئے پڑہنے کے قابل نہیں۔ اور بعضے علی اللہی حضرت علی کی نظم و نثر کو مصحف میں داخل کرتے ہیں۔ بلکہ اسکو مصحف پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسلئے کہ یہ کلام اللہ سے بے واسطہ مخلوق کو پہنچا ہے۔ اور مصحف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے مخلوق کو ملا ہے۔

سترہواں علویہ۔ یہ علی اللہیوں میں سے ہیں۔ اور اپنے آپکو علی اللہ کی نسل سے جانتے ہیں۔ اور علی اللہیوں کے ساتھ عقائد میں شریک ہیں۔ فرق دونوں فرقوں میں یہ ہے۔ کہ علویہ کہتے ہیں۔ کہ جو مصحف اب مشہور ہے۔ وہ علی اللہ کا کلام نہیں اسلئے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اس میں تحریک کی ہے۔ اور آخر کار حضرت عثمان نے سب کو دور کر دیا۔ چونکہ یہ فصیح آدمی تھے۔ دوسرا مصحف اسکے مقابلہ میں بنا لیا اور اصلی قرآن کو جلا دیا۔ اور یہ فرقہ جہاں مصحف پاتا ہے۔ اسے جلا دیتا ہے۔ اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ علی اللہ نے اس جسد عنصری کے بعد اپنے جسم کو آفتاب سے ملا دیا ہے۔ اور وہ اب آفتاب ہے۔ اور پہلے بھی آفتاب تھا۔ اور تھوڑے دنوں تک جسم عنصری میں رہا تھا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آفتاب علی اللہ کے حکم سے لوٹ آیا تھا اسلئے کہ وہ عین آفتاب ہے۔ اسی سبب سے یہ فرقہ آفتاب کو علی اللہ کہتا ہے اور آفتاب پکارتا ہے۔ اور اس سے دعا کرتا ہے۔ اور انکے نزدیک آفتاب انکی دعا قبول

کرتا ہے۔ اور انکی مدد کرتا ہے۔ انکے نزدیک جاندار کا مارنا جائز نہیں۔ اور گوشت کھانیکے قابل نہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ علی اللہ نے گوشت کے کھانے کی ممانعت کردی ہے۔ اور مصحف میں جو بعضے حیوانات کی نسبت مارنے اور انکا گوشت کھانے کا حکم ہے۔ اس سے مراد خلفائے ثلثہ۔ اور اُنکے تابعین ہیں۔ اور کہتے ہیں تمام محرمات سے بھی تینوں مراد ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ آدم کے قصے میں ابلیس اور سانپ اور طاؤس بھی انہیں تینوں سے عبارت ہے۔ اور شداد اور نمرود اور فرعون بھی انہیں تینوں سے عبارت ہے۔ اور بت توڑنا اور بت کی پرستش کرنا انہیں تینوں سے مراد ہے۔ اور یہ فرقہ تناسخ کا قائل ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جو علی اللہ اگلے زمانوں میں انبیا کی صورت میں ظہور کرتا تھا۔ تو یہ اصحاب ثلثہ یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان انکے منکروں کی صورت پر ظہور کرتے تھے۔ اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہیگا۔ اور اُنکے نزدیک علی اللہ کی صورت کی پرستش کرنا چاہیے

اٹھارھواں مقنعیہ۔ صواعق محرقہ اور تحفہ اثنا عشریہ میں مذکور ہے کہ یہ فرقہ حکیم بن ہاشم کی طرف منسوب ہے۔ جس کا لقب مقنع تھا۔ مقنعیہ کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ امام حسین کے بعد وہ خدا ہے۔ اور خدا چار بتاتے تھے۔ چوتھا خدا مقنع کو کہتے ہیں مقنع اگرچہ اسماعیلی تھا۔ مگر اس وجہ سے کہ الوہیت کا دعوے کیا غلاۃ میں شمار پایا۔ اور بعض رزامیہ بھی مقنع کی الوہیت کے قائل ہوگئے تھے مقنع اگر الوہیت کا مدعی نہ ہوتا۔ تو اسکا شمار اسماعیلیہ میں ہوتا۔ کیونکہ فی الحقیقت یہ اسماعیلی تھا اور برملا مذہب تشیع کا اظہار کرتا تھا۔ تاریخ الخمیس میں لکھا ہے۔ کہ اسکا نام عطا تھا اور ابن خلدون نے کہا ہے۔ کہ اُسے حکیم اور ہاشم کہا کرتے تھے۔ اور طبری[۲] نے حکیم المقنع لکھا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ مرو کے علاقے میں سے ایک قریہ کا رہنے والا تھا۔ اور برہان قاطع میں لکھا ہے۔ کہ اسے حکیم بن عطا کہتے تھے۔ اور نگارستان میں لکھا ہے۔ کہ حکیم بن ہاشم ابومسلم کی کچہری میں تحریر کے کام پر متعین تھا۔ اس نے

[۱] دیکھو دبستان المذاہب [۲] دیکھو تاریخ طبری جزو ثانی جلد ثالث مطبوعہ لنڈن صفحہ ۴۸۴

سنہ ۱۶۱ھ میں خلیفہ مہدی بغدادی کے عہد میں ظہور کیا تھا۔ جیسا کہ طبری اور ابن خلدون اور ابن خلکان اور مؤلف تاریخ الخمیس وغیرہ نے تصریح کی ہے اور بعض کتب میں جو لکھا ہے۔ سنہ ۲۷۸ھ میں ظہور کیا یہ غلطی ہے[۱]۔ یہ آدمی نہایت عقیل خیاسوف وقت تھا۔ اور ہر صنعت سے واقف تھا خاصکر علم بلاغت وفن شعبدہ وحیل وطلسمات وسحر ونیرنجات اور اکثر علوم فلاسفہ میں ید طولے رکھتا تھا۔ اور عجیب وغریب چیزیں ایجاد کرتا تھا۔ یہانتک کہ اس نے کوہ سیام دبرد زن نظام کے عقب میں ایک کنواں تیار کرایا۔ اور سیام شہر کش (بفتح کاف وسکون شین معجمہ) کے پرگنے میں جو شہر سبز کے نام سے مشہور ہے ایک گانوں ہے۔ اور کش شہر نخشب کے پاس واقع ہے۔ جسے اہل عرب معرب کرکے نسف کہا کرتے ہیں اور سمرقند اور تاشقند کے درمیان میں ہے۔ مگر سمرقند سے کسی قدر قریب ہے۔ اس کنوین کے اندر ایک چاند پارے اور اور چیزوں سے بنایا تھا۔ یہ چاند مغرب کے وقت اس کنوئیں سے نکلتا اور کوہ کے پیچھے سے طلوع کرتا اور آسمان پر روشن رہتا اور دو چاند آسمان پر نظر آتے تھے۔ اور اسکی روشنی ۱۸ میل تک پہنچتی تھی طلوع فجر سے قبل غائب ہو جاتا تھا۔ دو مہینے تک برابر یہ چاند اسی طرح طلوع وغروب کرتا رہا آثار البلاد میں لکھا ہے۔ کہ لوگ دور دور سے شہر نخشب میں اسکے دیکھنے کو آتے تھے اور دیکھکر تعجب کرتے تھے اور عوام جادو سمجھنے لگے تھے۔ حالانکہ بطریق ہندسہ اور انعکاس شعاع قمر کے یہ عمل کیا تھا۔ اسلئے کہ لوگوں نے اس کنوئیں کی تہ میں ایک بڑا طاس[۲]

[۱] صواعق محرقہ میں یہ لکھا ہے۔ چنانچہ عبارت عربی اسکی یہ ہے ثم شرع سنۃ ثمان و سبعین ومائتین رئیس القرامطۃ واستولی علی قطیف وخرج فی ہذہ السنۃ فی ماوراء النہر رجل منہم یقال لہ حکم بن ہاشم الملقب بالمقنع اور تحفہ میں بھی اسی کی تقلید کی ہے ۱۲ منہ

[۲] بہجۃ العالم میں مہارت خاں اصفہانی نے بھی لکھا ہے ماہ نخشب مشہور عالم ست تا چہار فرسنگ روشنی آں میرسیدہ گویند در قعر چاہے مقنع در کوہ و دشت نمودہ بود طاسے بزرگ مملو از سیماب یا فتند اما معلوم نشد

که در آں چہ عمل بکار بردہ ۱۲ منہ

پارے سے بھرا ہوا پایا۔ تاریخ الخمیس میں لکھا ہے۔ کہ مقنع شعبدوں کے زور سے لوگوں کو بہت عجیب وغریب چیزیں دکھایا کرتا تھا۔ نبوت کا مدعی تھا۔ اور اپنی ذات کو خدا قرار دیتا تھا۔ اور تناسخ کا قائل تھا۔ کہ خدائے تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرکے انکی صورت میں حلول کیا۔ اسلئے ملائکہ نے اُنکو سجدہ کیا۔ پھر نوح کو پیدا کرکے انکی صورت میں حلول کیا۔ پھر حلول کرتے کرتے یہانتک نوبت پہنچی کہ ابومسلم خراسانی کی صورت میں حلول کیا۔ پھر میری صورت میں حلول کیا۔ اور ابومسلم کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دیتا تھا۔ ہزاروں آدمی اس دعوے میں اُسکی تصدیق کرنے لگے۔ اور اُسکی عبادت کرتے تھے۔ وہ نہایت بدشکل اور بھکلا تھا۔ اور لڑائی میں کسی موقعہ اُسکی آنکھ میں تیر لگنے سے کانا بھی ہوگیا تھا اس لئے زیادہ بدصورت تھا۔ اس عیب کے چھپانے کے لئے اس نے اپنے لئے ایک منہ سونے کا تیار کرایا تھا۔ اپنے منہ پر اُسے لگائے رہتا تھا۔ اس لئے مقنع مشہور ہوگیا ابوالفدا نے مقنع کے حالات میں بیان کیا ہے وکان لا یسفر عن وجہہ بل اتخذلہ وجہاً من ذہب فیقنع بہ ولذا قیل لہ المقنع ؀ یعنی مقنع اپنا منہ نہیں کھولتا تھا بلکہ اس نے ایک منہ سونے کا بنوایا تھا جس سے اپنا منہ چھپائے رہتا تھا اسی لئے اُسے مقنع کہنے لگے تھے۔ مقنع میں میم مضموم اور قاف مفتوح اور نون مشدد مفتوح ہے۔ تاریخ کامل میں لکھا ہے۔ کہ مقنع تناسخ کا قائل تھا۔ اور اسکے معتقد اُسکو سجدہ کرتے تھے جس طرف کہ ہوتے اور اپنی جنگ وحرب میں کہتے۔ کہ اے ہاشم ہماری مدد کر۔ علامہ ابن خلدون نے بھی اس بیان کے بعد لکھا ہے کہ خراسان میں اس نے ظہور کیا تھا۔ اور بخارا و سغد میں ایک گروہ نے جنکو مبیضہ کہتے تھے مقنع کی طرفداری اور شورش کی۔ اور انکی مدد کفار ترک کرنے لگے۔ اور اُس طرف کے مسلمانوں پر تاخت وتاراج شروع کردی۔ ابونعمان اور جنید اور لیث بن نصر بن سیار نے ان لوگوں سے جنگ کی۔ لیث کا بھائی محمد اور ایک بھتیجا تمیم نامی کام آئے۔ مہدی محمد بن منصور خلیفہ بغداد نے جبرئیل بن یحیٰی اور اُسکے بھائی یزید

کو فوج دیکر مبیضہ سے جنگ کے لئے بھیجا چار مہینے تک طرفین میں لڑائی رہی آخرکار مبیضہ کو شکست ہوئی۔ اُنکی طرف سے سات سو آدمی مارے گئے۔ جو تھوڑے سے باقی رہ گئے تھے، وہ مقنع سے مل گئے۔ جبرئیل بھی ان کا تعاقب کئے ہوئے چلا گیا پھر مہدی نے مقنع کی تباہی کے لئے سعید حریشی کی ماتحتی میں ایک بھاری لشکر بھیجا مقنع بڑی خونریزی کے بعد سیام کے قلعہ میں متحصن ہو گیا عساکر اسلامیہ آلات حصار شکن لیکے قلعہ کی طرف بڑھے۔ مقنع کے ہمراہیوں نے گھبرا کر خفیہ طور سے امان طلب کی سعید حریشی نے امان دیدی۔ تیس ہزار آدمی قلعہ کا دروازہ کھول کے نکل آئے مقنع کے پاس تقریباً دو ہزار جنگ آور باقی رہ گئے تھے صواعق محرقہ میں مقنع کی ہلاکت کی ایک دلاویز حکایت لکھی ہے۔ کہ جب مقنع محاصرہ سے تنگ آگیا تو بہت سی آگ جلوائی۔ اور اپنے معتقدوں کو خوب سی شراب پلوائی۔ جب وہ نشے میں مدہوش ہو گئے۔ تو سب کو مار کر آگ میں جلا دیا۔ اور راکھ سب کی برباد کر دی۔ پھر آپ ایک برتن میں تیزاب بھر کر اس میں بیٹھ گیا تیزاب کی تاثیر سے وہ بھی پانی ہو گیا۔ محاصرین کو ابھی تک یہ خیال تھا۔ کہ سب محصورین قلعہ میں موجود ہیں۔ ایک عورت اُس قلعہ میں بیماری کی وجہ سے ایک کونے میں پڑی ہوئی تھی وہ بچ رہی تھی۔ جب اُسے افاقہ ہوا۔ تو قلعہ میں تنہائی کی وجہ سے گھبرائی۔ اور دیوار پر چڑھ کر پکارا کہ قلعہ میں سوائے میرے کوئی نہیں ہے۔ لوگ اوپر چڑھ گئے۔ اور کواڑ کھولدئے لشکر داخل ہوا دیکھا۔ تو واقعی قلعہ کو خالی پایا۔ مقنع کے بعض معتقد جو پہلے ہی لڑائیوں میں اس سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ تاسف کرنے لگے کہ فی الحقیقت وہ خدا تھا۔ ہم ساتھ نہوئے۔ ورنہ اسکے۔ ساتھ آسمان پر چڑھ جاتے وہ عورت اگرچہ مرض میں بیہوش تھی۔ مگر کبھی کبھی آواز و غل سنکر کچھ کچھ حالات سے مطلع ہو جاتی تھی۔ اُس نے یہ ساری کیفیت بیان کی۔ تاریخ کامل بھی اس حکایت کو بیان کیا ہے۔ اور اس میں اس طرح ہے کہ۔ جب مقنع کو یقین ہو گیا۔ کہ میں اب غنیم کے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا۔ تو اپنی سب عورتوں اور بچوں کو جمع کرکے

زہر پلا دیا۔ اور آپ بھی پی لیا۔ اور اپنے معتقدوں سے یہ بات کہی کہ مجھے جلا دیجیو
تاکہ میری لاش دشمن کے ہاتھ میں نہ پہنچے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ قلعہ میں جس
قدر چار پائے اور کپڑے وغیرہ تھے انکو جلایا۔ پھر ساتھیوں سے کہا۔ کہ جسکو اس
بات کی خواہش ہو۔ کہ میرے ساتھ آسمان پر چڑھ جائے۔ وہ اس آگ میں میرے
ساتھ کود پڑے سب نے تعمیل کی۔ اور جلکر خاک ہوگئے۔ جب لشکر قلعہ میں داخل
ہوا تو کچھ نہ پایا۔ جس قدر اُسکے معتقد باقی رہ گئے تھے۔ وہ اس بات سے زیادہ
فتنے میں پڑے۔ اُسکے اصحاب ملک ماوراءالنہر میں مبیضہ کہلاتے ہیں۔ مگر اپنے
اعتقاد کو چھپاتے ہیں۔ عرصہ دراز تک مبیضۂ ماوراءالنہر یہ کہتے رہے۔ کہ مقنع آسمان
پر چڑھ گیا ہے۔ زمانہ آئندہ میں وہاں سے اتریگا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اُس نے
اپنے ہمراہیوں کو زہر دیدیا تھا۔ اور آپ بھی زہر کھالیا تھا۔ لشکر نے قلعہ میں گھسکر
اسکا سر کاٹ لیا۔ اور حلب میں مہدی کے پاس بھیج دیا۔ مقنع یحییٰ بن زید شہید
کے قتل کا منکر تھا جنکا حال فرقہ زیدیہ کے ضمن میں اسی کتاب میں آتا ہے
کہتا تھا۔ کہ یحییٰ روپوش ہوگئے ہیں اپنے دشمنوں کو قتل کرینگے اونگارستان
میں جو لکھا ہے۔ کہ وہ برقعہ منہ پر ڈالے رہتا تھا۔ اسلئے برقعی مشہور ہوگیا۔ یہ
بات پایہ تحقیق کو نہیں پہنچی۔ صناجتہ الطرب میں لکھا ہے۔ جب طالبین نے
عباسیوں پر خروج کیا۔ تو اپنے پھریروں کا رنگ سفید رکھا۔ اسی وجہ سے اُنکو
مُبَیِّضَہ کہنے لگے۔ یہی رنگ عبیدی اور قرامطہ میں قائم رہا۔ مورخین فارسی و
اردو مبیضہ کا ترجمہ **سفید جامگان و سفید پوشاں** لکھتے ہیں۔ منتہی الارب
میں لکھا ہے۔ کہ مبیضہ میم کے ضمہ اور بائے موحدہ کے فتحہ اور یائے مثناۃ تحتانی
کی تشدید و کسرہ اور ضاد نقطہ دار کے فتحہ سے ایک گروہ ہے۔ ثنویہ میں سے
جو مقنع کے اصحاب ہیں۔ چونکہ یہ لوگ سفید کپڑے پہنتے تھے اس لئے مبیضہ
کہلانے لگے۔ اور اسی کتاب میں بیان کیا ہے کہ ثنویہ ثائے مثلثہ اور نون کے
فتحوں اور واو کے کسرے کے ساتھ ایک گروہ ہے۔ جو دو خدا بتاتا ہے۔

فائدہ جلیلہ آثار البلاد میں لکھا ہے۔ کہ یہ چاند ابن مقنع نے ایجاد کیا تھا اور صاحب غیاث اللغات نے کہا ہے کہ اُس چاند کو مجازاً مقنع کی طرف منسوب کر کے ماہ مقنع کہتے ہیں۔ حالانکہ اُسکو مقنع کے بیٹے نے بنایا تھا انتہی۔ یہ بیان غلط ہے۔ روضۃ الصفائے محمد خاوند شاہ اور روضۃ الصفائے ناصری میں جہاں خلیفہ مہدی عباسی کے حالات لکھے ہیں۔ وہاں اس حکیم مقنع کا بھی مفصل بیان تحریر کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ہادی بن مہدی کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ اسکے عہد میں ایک جماعت زنادقہ[ف] ظاہر ہوئی۔ ان میں سے ایک شخص کا نام عبد اللہ بن مقنع تھا۔ یہ شخص فصاحت و بلاغت میں بے نظیر تھا۔ اس نے کلیلہ دمنہ فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ صالح بن عبد اللہ بن داؤد کہ ابو العباس سفاح کا چچا زاد بھائی ہے اور عبد اللہ ہاشمی وغیرہ امرا بھی اسی روش اور طریق پر تھے۔ اور اُن مسلمانوں پر جو نماز روزہ اور حج ادا کرتے تھے ٹھٹھا کرتے ایک روز ان سب نے یہ مشورہ کیا۔ کہ مسلمانوں کا دارومدار قرآن پر ہے۔ اگر ہم کوئی کتاب اُسکے مقابل بنا دینگے۔ تو قرآن کو وقعت نہ رہیگی۔ اور ہمارا کام چل جائیگا۔ سب نے اسپر اتفاق کیا۔ کہ ابن مقنع یہ کام انجام دے۔ اور سب نے قرار دیا۔ کہ یہ آیت نہایت فصیح و بلیغ ہے یا ارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی الی آخرہ ؎ پہلے ابن مقنع اسکے مقابل کلام کہے۔ اگر اس سے یہ کام ہو سکا۔ تو امید ہے۔ کہ وہ قرآن کے جواب سے عہدہ برآ ہو جائیگا۔ تمام سامان آسایش کا ابن مقنع کیلئے تیار کر کے ایک مکان میں اُسے بٹھا دیا۔ مقنع نے چھ ماہ تک برابر محنت کی اور مسودوں کا انبار ہو گیا۔ مگر چند لفظ ایسے نہ بنا سکا جو اس آیت سے مشابہت

[ف] مسعودی کہتا ہے کہ جو شخص زردشت سے منحرف ہو کر اسکی کتاب زند کی تاویل کرتا تھا اہل فارس اُسکو زندیہ کہتے تھے بعد ازاں عرب نے اُسکو معرب کر کے زندیق کہا۔ اس میں کل وہ لوگ شامل ہو گئے۔ جو ظاہر کی مخالفت کریں اور درحقیقت باطن کے منکر ہوں۔ بعد ازاں عرف شرع میں زندیق اسکو کہنے لگے جو بظاہر اسلام کا قائل اور درحقیقت کفر کا پابند ہو ۱۲ منہ

رکھتے۔ یاروں نے کہا۔ جب اتنی مدت میں ایک آیت کا جواب نہ ہوسکا۔ تو پورے قرآن کا کیسے جواب ہوسکیگا۔ اور اس ارادے سے باز آئے۔ ہادی کو جب انکا حال معلوم ہوا۔ تو سب کو مروا ڈالا۔

انیسواں راوندیہ۔ یہ فرقہ منسوب ہے عبداللہ یا حرب بن عبداللہ راوندی کی طرف جو خلفائے عباسیہ کا ایک نقیب اور داعی تھا۔ مرات الجنان میں لکھا ہے کہ راوند ایک گاؤں ہے کاسان کے ضلع میں جو سین مہملہ سے ہے۔ اور یہ کاسان اصفہان کے اطراف میں واقع ہے۔ اور جو شہر کاشان شین معجمہ سے ہے وہ قم کے علاقہ میں ہے۔ اور راوند نیشا پور کے متصل بھی ایک مقام کا نام ہے۔ روضۃ الصفائے ناصری کی جلد ششم میں اس فرقے کا نام روندیہ بغیر الف کے لکھا ہے اور انکے داعی کا نام عبداللہ روندہ بتایا ہے۔ اور بیان کیا ہے۔ کہ اس عبداللہ کے مزاج میں سہولت تھی۔ اور یہ برخلاف ابومسلم خراسانی کے کشت وخون نہیں کرتا تھا۔ اسلئے راوندیے عبداللہ سے کہا کہ اس شخص کی کوئی فکر کرنا چاہئے۔ تاکہ مخلوق کو اس کے پنجۂ ظلم سے نجات حاصل ہو۔ عبداللہ نے ابومسلم کو ایک روز سمجھایا کہ آپکو یہ خونریزی زیبا نہیں۔ پہلے لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف دعوت کیجئے۔ جب وہ نہ مانیں۔ تو پھر جو دل میں آئے کیجئے۔ ابومسلم نے کہا کہ جو مہم ہم نے سوچ رکھی ہے۔ اسکا سرانجام بغیر قتل عام کے دشوار ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ اگر آپکی یہی رائے ہے۔ تو میرے بھی بہت سے متبع ہیں۔ آپ اُن سے بھی کام لیجئے ابومسلم نے کہا کہ اُنکے نام لکھکر میرے پاس بھیجدو۔ عبداللہ نے اس خیال سے کہ ابومسلم ان لوگوں کو عمدہ عمدہ منصب دیگا۔ انکی اسم نویسی کی فرد ابومسلم کے پاس بھیجدی۔ ابومسلم نے عبداللہ سے کہا۔ کہ تم ان سب کو میرے پاس لے آؤ۔ عبداللہ نے سب کو حاضر کیا۔ ابومسلم نے کہا۔ ہر ایک گروہ علیحدہ علیحدہ ٹھیرا دیا جائے جب سب کا انتظام ہوگیا۔ تو عبداللہ کو قتل کرا دیا۔ اور پھر اُسکے متبعوں کے گروہ علیحدہ علیحدہ بلواتا اور قتل کراتا۔ ان میں سے جو باقی بچے وہ ابومسلم کی

پرستش کرنے لگے۔ اور کہنے لگے یہ خدا ہے۔ روزی رساں یہی ہے۔ ابو مسلم نے اپنی نسبت اُنکا یہ عقیدہ سنکر بہت سے راوندیہ کو تلاش کر کے قتل کرایا راوندیہ تناسخ کے قائل تھے چنانچہ تاریخ ابو الفدا و کامل میں لکھا ہے کہ عقیدہ اُنکا یہ ہے کہ آدم کی روح عثمان بن نہیک میں داخل ہوئی تھی اور روضۃ الصفائے ناصری میں کہا ہے کہ اُنکا عقیدہ یہ تھا کہ منصور کی روح عثمان بن نہیک کی روح سے متعلق ہو گئی ہے۔ اور کہتے تھے کہ رب ہمارا جو کھانے پینے کو پہنچاتا ہے ابو جعفر منصور ہے۔ جو خلفائے عباسیہ کا دوسرا خلیفہ تھا جبکہ یہ بات انہوں نے ظاہر کی۔ اور منصور کو اس کا حال معلوم ہوا۔ تو منصور نے ان کے دو سو سردار پکڑ کر قید کر دئیے۔ اور حکم دیا کہ اس جماعت کے آدمی باہم نہ ملیں۔ اور ایک مقام پر نہ رہیں۔ یہ لوگ منصور سے ناراض ہو گئے۔ اور ایک خالی تابوت اُٹھا کر بہت سے راوندیہ اُسکے ساتھ چلے۔ جب جیل خانہ کے قریب پہنچے تو اُسکو زمین پر ڈالکر اندر گھس گئے۔ اور اپنے سرداروں کو چھوڑا لیا۔ اور شہر کے دروازے بند کر دئیے۔ تاکہ سپاہ شہر میں داخل نہ ہوسکے۔ اور منصور کے قتل کے ارادے سے اُسکے قصر کی طرف چلے۔ یہ چھ سو آدمی تھے۔ منصور سے لڑے مگر آخر کار شکست پائی اور مارے گئے۔ یہ واقعہ سنہ ۱۴۱ھ میں واقع ہوا تھا اور منصور کا دار الخلافت اس وقت شہر ہاشمیہ تھا جو نواح کوفہ میں اُسکے بھائی نے آباد کیا تھا

بیسواں لبابیہ۔ مقریزی نے شیعہ غالیہ کے ضمن میں یہ فرقہ لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ فرقہ راوندیہ میں سے ہے۔ اُنکا اعتقاد یہ ہے کہ امامت بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی اور امام حسن اور امام حسین و محمد بن حنفیہ میں آئی۔ پھر ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ میں آئی۔ پھر اُن سے منتقل ہو کر علی بن عبد اللہ بن عباس میں بطور وصیت کے آئی۔ پھر ابو العباس سفاح میں پھر ابو سلمہ صاحب دولت بنی عباس میں۔

حکایت پرگنہ کش ضلع ماوراء النہر میں ایک شخص نے اہل مرو سے جو آنکھ سے کانا تھا۔ اور اُسکو ہاشم کہتے تھے یہ دعوے کیا کہ اللہ کی روح ابوسلمہ میں منتقل ہوکر آئی۔ پھر ابوسلمہ سے اسکے اندر منتقل ہوگئی ہے۔ یہ دعوت اُس یک چشم کی اس علاقے میں پھیل گئی۔ وہ اپنے اصحاب سے پردہ کرتا تھا اور اپنے لیے اُس نے ایک منہ سونے کا بنایا تھا اسلئے مُصَیَّغ کہلانے لگا اُسکے یاروں نے چاہا کہ اُسکو دیکھیں۔ ان سے وعدہ کیا کہ میں اپنے کو تمہیں دکھاؤنگا اگر تم جل نہ جاؤ۔ اور اپنے سامنے ایک آتشی شیشہ جلانے والا رکھا جسپر سورج کی دہوپ پڑتی تھی۔ جب بعض معتقد اُسکے پاس آئے جل گئے۔ باقی لوٹ گئے اور فتنے میں پڑگئے۔ اور معتقد ہوگئے کہ وہ خدا ہے اُسکو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اپنی جنگ وحرب میں اُسکو اللہ کہکر پکارتے تھے (انتہی ترجمہ کلامہ) یاد رکھو کہ صائغ زرگر یعنی سونے کا کام کرنیوالے کو کہتے ہیں۔ تو مصیغ وہ شخص ہوگا۔ جو سونے کو استعمال کرتا ہو کیونکہ لفظی معنی اُسکے سونے سے بنا ہوا ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ لفظ مصیغ لفظ مقنع کی تحریف ہے۔ یہ ہاشم وہی شخص ہے جس نے ماہ نخشب تیار کیا تھا۔ کیونکہ یہ حالات اسی کے حالات سے ملتے ہوئے ہیں۔ اور ابوہاشم بن محمد بن حنفیہ کے حالات تفصیل وار کیسانیہ کے فرقوں میں سے ہاشمیہ میں بیان ہونگے۔ نواب محمد صدیق حسن خاں باوجودیکہ تقلید کو دین ومذہب میں برا جانتے تھے۔ مگر تصنیف وتالیف میں بالکل پرائے کلام کو اپنی کتابوں میں بھر دیتے ہیں۔ اور یہ تقلید سے بدتر ہے۔ اور پھر پرائے مطالب ہی پر بس نہیں کرتے۔ بلکہ اُسکی عبارت کو بھی اپنی عبارت بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ الخطط والآثار میں جس قدر فرقہائے اسلام کو بیان کیا ہے۔ یہ سب بیان نواب صاحب نے کتاب مذکور سے علیحدہ کرکے اُسکا نام خبیۃ الاکوان رکھدیا ہے۔ اور اسکے ترجمہ کا نام کشف الغمہ عن افتراق الامہ ہے۔ اگر نواب صاحب اس تقلید میں کسی قدر بھی تحقیق سے کام لیتے تو انکو ضرور کتب تواریخ سے اس بات کا

پتہ چلتا۔ کہ یہ مضبع وہی مقنع ہے۔ جنکے حالات کتب تواریخ میں مذکور ہیں۔ اور ابو سلمہ ایک سردار کا نام ہے۔ جو سفاح کے اشارے اور ابو مسلم کی رائے سے مرار بن انس کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ یہ شخص وزیر آل محمدؐ کے لقب سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اور ابو مسلم خراسانی امیر آل محمدؐ کے لقب سے مشہور تھا۔ ابو مسلم کو منصور عباسی سنے مروا ڈالا تھا۔

اکیسواں حلاجیہ۔ شیخ ابن بابویہ اپنے رسالہ اعتقادیہ میں کہتے ہیں کہ غلاۃ میں ایک فرقہ حلاجیہ بھی ہے جنکا اعتقاد یہ ہے۔ کہ خدائے تعالے بندوں پر بسبب عبادت کے تجلی فرماتا ہے۔ پھر باوجود اسکے دین انکا ترک نماز روزہ و جملہ فرایض ہے اور دعوے کرتے کہ ہم خدائے تعالےٰ کا اسم اعظم جانتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ خدائے تعالے بندوں میں حلول کرتا ہے اور انکا یہ بھی زعم ہے کہ خدائے تعالے کا ولی جبکہ مخلص کامل ہو۔ اور اپنے دین کو پہچانے تو وہ انبیا سے افضل ہے۔ اور اس رسالہ کی شرح سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حسین بن منصور حلاج کے متبعوں سے جدا ہیں۔ جنکا شمار صوفیاں اہل سنت میں ہے

فرقہ کیسانیہ

واضح ہو کہ کیسانیہ منسوب ہیں کیسان کی طرف کہ حسب تحقیق صاحب صحاح و قاموس وغیرہ اہل لغت نام ہے مختار بن ابو عبید ثقفی کا جو واسطے بدلہ لینے حسین علیہ السلام کے کھڑا ہوا تھا۔ منتہی المقال فی احوال الرجال میں کئی کتابوں سے نقل کیا ہے کہ اصبغ بن بنانہ سے مروی ہے۔ کہ ایکبار میں نے مختار کو حضرت علی کی گود میں بیٹھے دیکھا۔ اور آپ اسکے سر پہ ہاتھ پھیر پھیر کر فرماتے تھے۔ یا کیس یا کیس اور تعلیقہ میں بھی اسی طرح ہے۔ اور کیس جید کے وزن پہ زیرک کے معنی میں ہے۔ اور کشی نے مختار کے ذکر میں کہا ہے۔ کہ اسکا لقب کیسان اسلئے مقرر ہوا کہ اسکے ایک افسر ابو عمرکا یہ نام تھا۔ پھر مختار کو بھی اس افسر کی وجہ سے کیسان کہنے

لگے۔مگر ارباب تواریخ کی یہ رائے ہے۔کہ کیسان حضرت علی بن ابی طالب کا غلام
تھا۔ملل و نحل شہرستانی میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔اور تحفہ اثنا عشریہ میں ذکر کیا ہے
کہ سبط اکبر حسن مجتبےٰ کے ایک غلام کا نام کیسان تھا۔اسی نے مختار کو حضرت امام
حسین کے خون کا بدلہ لینے کو آمادہ کیا تھا۔اسلئے مختار بھی کیسان مشہور ہو گیا
کیسان حضرت علی کی وفات کے بعد محمد بن حنفیہ کی رفاقت میں رہا۔اور علوم غریبہ
ان سے حاصل کئے۔غنیۃ الطالبین میں بیان کیا ہے۔کہ کیسانیہ ان چار شخصوں
کی امامت کے قائل ہیں۔حضرت علی امام حسن امام حسین محمد بن حنفیہ مگر اس فن
کی کتب سے عموماً فرقہائے کیسانیہ کے خیالات ترتیب آئمہ کے بارے میں ایسے
نہیں ثابت ہوئے۔اور صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔کہ کیسانیہ کے نزدیک اللہ پر
تکلیف واجب ہے اور الخطط والآثار میں آیا ہے کہ کیسانیہ بداء کے جواز کے اللہ پر
قائل ہیں۔اور انکا عقیدہ یہ ہے۔کہ اللہ کی بعض مرادیں واقع نہیں ہو سکتیں
اور شیطان اور کافروں کی واقع ہو جاتی ہیں۔طرفہ یہ ہے۔کہ کیسانیہ جن لوگوں
کو امام بتلاتے تھے۔وہ اس دعوے سے انکار کرتے تھے۔اور کہتے تھے۔کہ یہ لوگ
ہم پر افترا کرتے ہیں۔کیسانیہ اسکے جواب میں کہتے تھے کہ یہ انکار ہمارے ائمہ کا
بوجہ خوف جان کے ہے۔دشمنوں کے ڈر سے تقیہ کرتے ہیں۔کیونکہ ابھی مروانیہ
مدینے کے حاکم ہیں۔انکی طرف سے اندیشہ ایذا کا ہے۔بعد اسکے مذہب تشیع میں
تقیہ کی رائے نے بہت رواج پالیا۔ابن خلدون نے لکھا ہے۔کہ کیسانیہ کو
حرباقیہ کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔اس وجہ سے کہ ابو مسلم کا لقب حرباق تھا
جو ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کا داعی تھا۔چونکہ بعض کیسانیہ
کا یہ عقیدہ تھا۔کہ ابو ہاشم بن محمد بن حنفیہ کے بعد انکی وصیت سے محمد بن علی بن
عبد اللہ بن عباس کو امامت پہنچی۔بعد ازاں انکے بیٹے ابراہیم امام کو۔اس لئے
ابراہیم کے ایک داعی کی طرف منسوب کر کے حرباقیہ کہنے لگے۔یہ کئی فرقے ہیں۔ان
میں قدر مشترک محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل ہونا ہے۔یہ محمد حضرت علی کے بیٹے

تھے۔ ابن حنفیہ اس وجہ سے کہلاتے ہیں۔ کہ انکی ماں ایک عورت سیہ فام[1] خولہ بنت
جعفر نام قوم بنی حنفیہ سے تھی۔ ابن خلدون مغربی نے لکھا ہے۔ کہ جب امام حسن
نے مصلحتاً زمام حکومت معاویہ کے سپرد کر دی۔ تو شیعہ نے اسوقت امام حسین کو
بلایا انہوں نے آنے سے انکار کیا۔ تو شیعہ محمد بن حنفیہ کے پاس گئے۔ اور در پردہ
ان کے ہاتھ پر اس شرط سے بیعت کی۔ کہ جب موقع ہو خلافت ضرور حاصل کرنا
محمد بن حنفیہ نے ہر ہر شہر پر اپنی طرف سے ایک شخص کو مقرر کیا۔ جو در پردہ
انکی خلافت کی لوگوں کو ترغیب دیتا تھا۔ ایک مدت تک شیعہ اسی حالت پر
رہے۔ اور معاویہ اسکی روک تھام کرتے جاتے تھے کسی کو بنظر سیاست ملکی
شہر بدر کر دیتے تھے۔ اور جب کوئی اُسکا سرغنہ گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ تو اُسکا
قلع و قمع بھی کر دیتے تھے لیکن ساتھ ہی اسکے معاویہ اہل بیت کے راضی
رکھنے کی کوشش کرتے اور انکے دعوے تقدم و استحقاق سے چشم پوشی کر جاتے
تھے۔ اور ان میں سے بھی کوئی شخص انکے منہ نہ آتا تھا۔ نصف رجب سنہ ۶۰ھ
میں معاویہ انتقال کر گئے۔ بعد انکے چودھویں ربیع الاول سنہ ۶۴ھ کو انکے بیٹے
یزید کا انتقال ہوا۔ اُسکے مرتے ہی بلا جد و جہد اہل حجاز و یمن و عراق و خراسان
نے عبد اللہ بن زبیر کی بیعت کر لی۔ صرف ملک شام و مصر والے انکی بیعت
سے باہر تھے عبد اللہ بن زبیر نے محمد بن حنفیہ سے بیعت کرنے کو کہا تھا۔ مگر
انہوں نے انکار کر دیا۔ عبد اللہ بن زبیر نے عبد اللہ بن ہانی کندی کو آپ کے
پاس بھیجا۔ اس نے سختی کی درشتی سے پیش آیا۔ لیکن محمد بن حنفیہ برابر صبر و تحمل
سے کام لیتے رہے مجبور ہو کر چھوڑ دیا۔ مگر جب ہوا خواہان علی بن ابی طالب نے
کھلم کھلا محمد بن حنفیہ کی دعوت دینی شروع کی۔ تو عبد اللہ بن زبیر نے اس
خوف سے کہ مبادا محمد بن حنفیہ کے بیعت نکرنے سے لوگ باہم متفق ہو جائیں بجبر بیعت

[1] انوار الغبش فی فضائل السودان والحبش کے باب ۴۳ ابو الفرج بن جوزی نے کہا ہے
ام محمد الحنفیۃ کانت جاریۃ سندیۃ سوداء من بنی الیمامۃ فصارت الی علی بن ابی
طالب فیما سمعہ ۱۲۔

لینے کا قصد کیا۔ اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے مقام زمزم میں انکو قید کر دیا۔ اور ایک مدت مقرر کر دی۔ کہ اگر اس عرصے میں بیعت نکرلو گے۔ تو قتل کر ڈالے جاؤ گے۔ انہوں نے مختار کو یہ واقعات لکھ بھیجے۔ جو کوفے میں محمدؐ بن حنفیہ کی امامت کا داعی تھا۔ اور اہل کوفہ نے اسکی اطاعت کر لی تھی۔ مختار نے اس خط کو لوگوں کے روبرو پڑھا۔ سب کے آنسو بھر آئے۔ ان میں سے چند امرا کو تین سو سواروں کے ساتھ مکے کی طرف روانہ کیا۔ جنہوں نے زمزم پہنچکر محبس کا دروازہ توڑ کر محمدؐ بن حنفیہ کو نکالا۔ صرف دو دن مدت مقررہ کے باقی رہ گئے تھے عبد اللہ بن زبیر سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے فرمایا۔ میں حرم میں جنگ کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ بعد اسکے بقیہ لشکر آ گیا۔ اس سے ابن زبیر خائف ہو گئے۔ محمدؐ بن حنفیہ نکل کر شعب علی میں چلے گئے۔ رفتہ رفتہ آپکے پاس ۴ ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ جب مختار مارا گیا۔ اور عبد اللہ بن زبیر کے قدم حکومت کے زینے پر جم گئے تو محمدؐ بن حنفیہ سے پھر بیعت کرنے کو کہا۔ آپنے خائف ہو کر اس واقعے سے عبد الملک بن مروان کو مطلع کیا۔ اُس نے لکھ بھیجا کہ آپ شام چلے آئیے۔ جب تک لوگوں کا کسی پر اجتماع نہو اُس وقت تک نہایت عزت و احترام سے میرے پاس رہئے۔ میں آپکے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤنگا۔ چنانچہ وہ مع اپنے ہمراہیوں کے روانہ ہوئے راستے میں عبد الملک کی بدعہدی سے ڈر کر ایلہ میں قیام کر دیا۔ تھوڑے دنوں میں جب انکے معتقدین کا دایرہ وسیع ہو گیا۔ تو عبد الملک نے بیعت کرنیکو کہلا بھیجا۔ یہ ایلہ سے مکے کی طرف لوٹے۔ اور شعب ابی طالب میں پہنچکر مقیم ہو گئے۔ پھر عبد اللہ بن زبیر نے یہاں سے نکالا تو طائف کی طرف چلے گئے۔ اور عبد اللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد عبد الملک کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۶۹ سال کی عمر پائی۔ ۸۱ھ میں انتقال کیا۔ فرقہائے کیسانیہ کی تفصیل یوں ہے۔

ایک **کیسانیہ**۔ جو منسوب ہیں کیسان مذکور کی طرف یہ شخص حضرت

امام حسین کی شہادت کے بعد بہت سے مسلمانوں کو موافق کر کے واسطے بدلہ لینے امام حسین کے کھڑا ہوا تھا۔ مگر دشمنوں پر کامیاب نہوا۔ آخر کار مارا گیا یہ کیسان اور اسکے معتقد امام حسن علیہ السلام کی امامت کے منکر تھے۔ انکا یہ عقیدہ تھا۔ کہ امام بعد جناب امیر کے محمد بن حنفیہ ہیں۔ اسلئے کہ جناب امیر نے جنگ جمل و صفین میں نشان انہیں کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اور امام حسین نے صلح کے باب میں بھائی کی پیروی کی۔ تو وہ بھی امامت کے لائق اسکے نزدیک نرہے تھے اس فرقے کا ظہور ۱۴ سنہ میں ہوا تھا۔

دوسرے مختاریہ یہ لوگ مختار بن ابو عبید بن مسعود ثقفی کے متبع ہیں۔ جسکو بعد قتل کیسان کے اُسکے پیروں نے رئیس بنایا تھا۔ یزید کے مرنے سے چھ مہینے کے بعد نصف ماہ رمضان کو یہ شخص وارد کوفہ ہوا۔ اور لوگوں کو خون حسین کے معاوضہ لینے پر ابھارنے لگا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے محض اسی کام کے انجام دینے کو سلیمان بن صرد خزاعی کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اور وہ بالفعل اسکو مصلحت نہیں سمجھتا ہے۔ مختار نے کہا کہ سلیمان ایک پست ہمت آدمی ہے وہ لڑائی جھگڑے سے جی چراتا ہے۔ مجھے مہدی محمد بن حنفیہ نے اپنا وزیر و امین مقرر کر کے بھیجا ہے۔ تم لوگ اُنکی میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔ اور خون حسین مظلوم کا معاوضہ اُنکے قاتلوں سے لو۔ ایک گروہ کثیر ہوا خواہان امیر المومنین علی کا اسکی طرف مائل ہو گیا۔ عبداللہ بن یزید انصاری نے جو عبداللہ بن زبیر کی طرف سے کوفے کا گورنر تھا۔ مختار کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ بعد اسکے عبداللہ بن عمر کی سفارش سے باین شرط رہا کیا گیا۔ کہ آئندہ وہ بغاوت نکریگا۔ اور نہ ان لوگوں کے خلاف خروج کریگا۔ اور اگر ان شرایط کی پابندی نکرے۔ تو ایک ہزار قربانی خانہ کعبہ میں اسکو کرنی ہوگی۔ جب یہ رہا ہوا۔ تو پھر ہوا خواہان حسین بن علی اس کے پاس آنے جانے لگے۔ پھر چند لوگ کوفے سے محمد بن حنفیہ کے پاس مختار کا حال دریافت کرنے کو گئے۔ آپنے فرمایا ہاں میں نے خون حسین کا معاوضہ لینے پر مامور

کیا ہے۔ جب یہ لوگ واپس ہوکر کوفے میں آئے۔ اور لوگوں سے محمد بن حنفیہ کا بیان کہا تو مختار کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھ گیا۔ سنہ ۶۶ھ میں مختار نے خون حسین کا معاوضہ لینے کی منادی کرادی۔ اور قصر امارت کوفہ پر قبضہ کر لیا صبح ہوئی لوگ مسجد میں جمع ہوئے مختار نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا۔ اور لوگوں کو محمد بن حنفیہ کی بیعت کی طرف بلایا۔ شرفائے کوفہ نے کتاب وسنت اور اہل بیت کی ہمدردی پر بیعت کی۔ بعد اسکے مختار نے اطراف وجوانب پر فوج کشی کرنے کیلئے جھنڈے لوا بنائے۔ اور سرداروں کو مرحمت کرکے روانہ کیا۔ عبید اللہ بن زیاد موصل میں تھا۔ اُسکی فوجوں سے اور مختار کے لشکر سے جنگ ہونے لگی اور شامی ہزیمت پانے لگے۔ پھر بعض وجوہ سے شرفائے کوفہ مختار کی مخالفت پر تل گئے۔ جنکے سرگروہ شبث بن ربعی۔ محمد بن اشعث۔ عبد الرحمن بن سعد بن قیس۔ شمر بن ذی الجوشن۔ کعب بن ابی کعب نخعی۔ عبد الرحمن بن مخنف ازدی وغیرہ تھے اور سب کے سب مسلح ہوکر مختار کے پاس گئے کہ ہم نے تجھکو معزول کیا۔ کیونکہ محمد بن حنفیہ نے تجھکو مامور نہیں کیا ہے۔ مختار نے ابراہیم بن اشتر کو بلواکر انپر حملہ کرایا۔ خونریز لڑائی کے بعد انکو شکست ہوئی۔ انکے ہمراہی نہایت ابتری سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پانسو آدمی ایک مقام سے گرفتار کرکے لائے گئے۔ ان میں سے نصف آدمیوں کو جو شہادت حسین بن علی میں شریک تھے قتل کر ڈالا۔ اور باقی کو رہا کر دیا۔ شمر بن ذی الجوشن کی مختار کی ایک ہم نشین سے لڑائی ہوئی۔ سات سو اسی آدمی کے مارے جانے پر لڑائی کا خاتمہ ہوا جنمیں اکثر اہل یمن تھے۔ اور شمر کو قتل کرکے لاش کتوں کے آگے ڈلوا دی۔ اس واقعہ کے بعد شرفائے کوفہ خوفزدہ ہوکر بصرے کی جانب نکل کھڑے ہوئے اور مختار قاتلین حسین بن علی کو چن چن کر قتل کرنے لگا۔ عبید اللہ بن اسد جہنی۔ مالک بن نصیر کندی۔ حمل بن مالک محاربی کو قادسیہ سے گرفتار کراکے قتل کیا۔ بعد ازاں زیاد بن مالک ضبعی۔ عمران بن خالد عنزی۔ عبد الرحمن

بن ابی حشکارہ بجلی۔ عبداللہ بن قیس خولانی جنہوں نے واقعہ کربلا میں حسین
بن علی کا اسباب لوٹا تھا پا بزنجیر حاضر کیئے گئے۔ مختار نے ان سبہوں کے قتل
کا حکم دیدیا۔ پھر عبداللہ یا عبدالرحمن بن طلحہ۔ عبداللہ بن وہب ہمدانی (اعشے
کا چچا زاد بھائی) پیش کئے گئے۔ اور اسی وقت قتل کر ڈالے گئے۔ اور عثمان بن
خالد جہنی۔ ابو السماء بشر بن سمیط قابسی (جنہوں نے عبدالرحمن بن عقیل کو شہید
کیا۔ اور ان کا اسباب لیا تھا) قتل کر کے آگ میں جلائے گئے۔ خولی بن یزید صبحی
جس نے امام علیہ السلام کا سر اُتارا تھا۔ خوف جان سے چھپ گیا۔ ڈھونڈتے
ڈھونڈھتے لوگ پہنچ گئے۔ اور اسکا سر کاٹ کر مختار کے پاس لائے۔ مختار نے اُسکو
جلوا دیا۔ ان لوگوں کے قتل ہونے کے بعد عمرو بن سعد بن ابی وقاص کے قتل
کا حکم صادر ہوا۔ اگرچہ اس نے عبداللہ بن ابی جعدہ کی معرفت مختار سے
امن حاصل کر لیا تھا۔ لیکن ابو عمرہ حسب حکم مختار۔ اسکا سر کاٹ لایا۔ اتفاق یہ کہ
مختار کے پاس اس وقت اُسکا بیٹا حفص بیٹھا ہوا تھا۔ دریافت کیا۔ تم اسکو
پہچانتے ہو۔ جوابدیا ہاں۔ لیکن اسکے بعد زندگی کا مزہ نہیں ہے۔ مختار نے اسکے
بھی قتل کا حکم دیا۔ کہا وہ (یعنی عمرو بن سعد) بعوض خون حسین تھا۔ اور یہ (یعنی
حفص بن عمرو) علی اصغر بن حسین کے خون کا بدلہ ہے۔ اور ان دونوں کے سر محمدؐ
بن حنفیہ کے پاس بھیج دئیے۔ اور یہ لکھا کہ قاتلین حسین بن علی میں سے جن لوگوں
پر میرا قابو چل گیا تھا۔ اُن کو تو میں نے قتل کر ڈالا ہے۔ اور باقی لوگوں کی گرفتاری
اور قتل کی فکر میں ہوں۔ عمرو بن سعد کے بعد حکیم بن طفیل طائی بھی پیش کیا گیا
جس نے امام حسین پر تیر چلایا تھا۔ اور عباس کا اسباب لیا تھا۔ عدی بن حاتم نے
حاضر ہوکر سفارش کی۔ لیکن ابن کامل نے اس سے پیشتر بخیال سفارش عدی
بن حاتم اسکو قتل کر ڈالا تھا۔ پھر مرہ بن منقذ بن عبدالقیس قاتل علی اصغر بن
حسین کی گرفتاری کا حکم صادر ہوا۔ لوگوں نے پہنچکر اسکے گھر کا محاصرہ کر لیا۔
مرہ گھر سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ اور نیزہ بازی کے جوہر دکھاتا ہوا مصعب

بن زبیر کے پاس بھاگ کر چلا گیا لیکن اس خلفشار میں ایک ہاتھ اسکا بیکار ہو گیا
پھر زید بن لقاد جبانی کی گرفتاری جاری ہوئی چاروں طرف سے سپاہیوں نے
گھیر لیا چونکہ اس نے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو تیر سے شہید کیا تھا ابن کامل
نے کہا اسپر تیر برساؤ سبھوں نے تیر مارتے مارتے گرادیا۔ اور زندہ گرفتار کرکے
جلادیا۔ سنان بن انس نخعی جس نے حسین بن علی کو تیر مارکر زمین پر گرایا تھا اور
بقول بعض تن شریف سے سر مبارک بھی اسی نے جدا کرکے خولی کے حوالے کیا
تھا۔ بصرہ بھاگ گیا۔ مختار نے اسکا گھر منہدم کرادیا۔ بعدہ عمرو بن صبیح صدائی کے
گرفتار کرلانے پر سپاہیوں کو متعین کیا مشکیں بندھی ہوئی پیش کیا گیا۔ مختار نے
حکم دیا اسکو برچھی سے مار ڈالو۔ محمد بن اشعث قادسیہ کے قریب ایک قریہ میں تھا
اسکی گرفتاری کا حکم دیا۔ محمد بن اشعث یہ سنکر مصعب بن زبیر کے پاس گیا۔
مختار نے اسکے مکان کو گروادیا۔ اور بقیہ لوگوں کی گرفتاری کا حکم دیا جو شریک
واقعہ کربلا اور قتل امام حسین سے متہم تھے۔ یہ لوگ اس خبر سے مطلع ہوکر مصعب بن
زبیر کے پاس چلے گئے۔ اور مختار نے انکے مکانات منہدم کرادئے۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ مختار کو قاتلین حسین سے قصاص لینے کا خیال
اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ یزید بن شراحیل انصاری ایک مرتبہ محمد بن حنفیہ
کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محمد بن حنفیہ نے بر سبیل تذکرہ فرمایا مختار کا یہ خیال
ہے۔ اور وہ اس امر کا مدعی ہے کہ وہ ہمارا ہوا خواہ ہے۔ حالانکہ اُسکے پاس قاتلین
حسین کرسیوں پر بیٹھے ہوئے گپ مارا کرتے ہیں۔ مختار کے کان تک یہ خبر پہنچی
تو اُس نے قاتلین حسین کے قتل کی قسم کھالی۔ اور اسی وقت سے اُنکو ڈھونڈھ
ڈھونڈھ کر قتل کرانے لگا۔

جس وقت مختار کو آخر سنہ ۶۶ھ میں مہم کوفہ سے فراغت حاصل ہوگئی
تو اس نے ابراہیم بن اشتر کو جنگ عبیداللہ بن زیاد کے لئے روانہ کیا۔ اور اپنے
نامی نامی مصاحبین اور نامور نامور شہسواروں جنگ آوروں کو مع اُس کرسی

کے اسکے ہمراہ کر دیا جس سے وہ مدد طلب کرتا تھا۔ یہ ایک کرسی سونے سے منڈہی ہوئی تھی۔ اپنے گروہ والوں سے اس نے کہہ رکھا تھا کہ جیسا بنی اسرائیل میں تابوت سکینہ تھا۔ ویسا ہی تم میں یہ کرسی ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ یہ کرسی امیر المومنین علی بن ابی طالب کی تھی جسکو مختار نے طفیل بن ہبیرہ سے لیا تھا جو ام ہانی بنت ابی طالب یعنی ہمشیرہ علی بن ابی طالب کا بیٹا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کرسی طفیل ایک روغن فروش کی دوکان سے اُٹھا لایا تھا۔ امیر المومنین کی نہ تھی۔ ابراہیم بن اشتر کوفہ سے روانہ ہوکر عراق کو چھوڑتا ہوا سرزمین موصل میں پہنچا جسپر ابن زیاد نے اس سے پیشتر قبضہ کر لیا تھا۔ لڑائی ہوئی میدان ابراہیم کے ہاتھ رہا۔ اور ابن زیاد کی فوج شکست کھا گئی۔ ابن زیاد مارا گیا۔ سر کاٹ کر نعش کو جلا دیا گیا۔ اس واقعہ میں شرحبیل بن ذی الکلاع حمیری بھی مارا گیا جو سواران شام کا سپہ سالار تھا۔ مفتاح النجا[1] میں لکھا ہے۔ کہ واقعہ مختار میں ملک شام کے ستر ہزار آدمی کام آئے۔ مختار نے تین ہزار آدمیوں کا ایک لشکر بظاہر ابن زبیر کی اعانت کے نام مدینے کی طرف روانہ کیا۔ مگر ابن زبیر کے خیالات مختار کی طرف سے بدل گئے تھے۔ اسلئے اس فوج کو راستے میں برباد کرا دیا۔ اس واقعہ سے مختار کو ابن حنفیہ اور ابن زبیر کے لڑا دینے کا موقع مل گیا۔ فوراً ایک شکایت آمیز خط لکھ بھیجا جسکا یہ مضمون تھا۔ میں نے ایک لشکر آپکی فرمانبرداری اور دشمنان اہل بیت کے ذلیل کرنے کو روانہ کیا تھا۔ ابن زبیر نے انکے ساتھ یہ برتاو کیے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں۔ تو میں ایک لشکر مدینے کی طرف روانہ کروں۔ بشرطیکہ آپ بھی اپنی طرف سے ایک آدمی بھیج دیجئے۔ تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں آپکا مطیع ہوں۔ محمد بن حنفیہ نے جواباً لکھا میں تمہارا قصہ تمہاری حق شناسی کو جانتا ہوں میرے

---

[1] مفتاح النجا کے خلاصہ میں جس کا نام مولف نے نزل الابرار فی فضایل الائمۃ الاطہار رکھا ہے مذکور ہے وقد مزق فی تلک الواقعۃ اکثر عسکر الشام حتی قیل قتل منہم سبعون الفا وکان ذالک الیوم عاشورہ سنۃ سبع وستین ۱۲ منہ

نزدیک محبوب ترین امر یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی اطاعت سے باہر قدم نہ رکھا جائے پس تم حتی الامکان اللہ تعالےٰ کی اطاعت کرتے رہو اور مسلمانوں کی خونریزی سے محترز رہو۔ اگر میرا قصد لڑائی کا ہوتا۔ تو میرے پاس لوگ بہت جلد مجتمع ہو جاتے میرے معین و مددگار بکثرت ہیں لیکن میں نے انکو معزول کر رکھا ہے اور میں صبر و شکر کر رہا ہوں۔ تا آنکہ اللہ جل شانہ کوئی حکم صادر فرمائے۔ اور وہی خیر الحاکمین ہے۔

شرفائے کوفہ جنہوں نے مختار کے خوف سے جلا وطنی اختیار کر لی تھی رفتہ رفتہ مصعب برادر عبداللہ بن زبیر والی بصرہ سے جا ملے۔ جو امام حسین کے داماد اور بی بی سکینہ دختر امام شہید کے شوہر تھے۔ شبث بن ربعی واغوثاہ واغوثاہ چلاتا ہوا بعدہ محمد بن اشعث آیا اور مختار پر حملہ کرنے کی تحریک کی مصعب نے مہلب بن ابی صفرہ کو جو عبداللہ بن زبیر کی طرف سے فارس کا گورنر تھا بلا بھیجا وہ ایک عظیم الشان لشکر اور ضرورت سے زیادہ مال و اسباب لیکر بصرہ میں داخل ہوا۔ مختار کو مصعب کی چڑھائی کی خبر لگی۔ تو اس نے اپنے ہمراہیوں کو لڑائی کی ترغیب دیکر ایک چھوٹا سا لشکر احمر بن شمیط کے ساتھ روانہ کیا مقام مذار میں فریقین نے صف آرائی کی۔ مہلب نے ایسے سخت حملے کئے۔ کہ مختار کی سپاہ و سرداروں کو شکست فاش ہوئی مصعب نے عباد کو حکم دیدیا۔ کہ جس قدر لوگ قید کئے جائیں قتل کر ڈالے جائیں۔ محمد بن اشعث نے سواران اہل کوفہ لیکر منہزم گروہ کا تعاقب کیا جسکو پایا قتل کر ڈالا مصعب نے فتحیابی کے بعد کوفہ کا رخ کیا۔ جب مختار کو اسکی اطلاع ہوئی۔ کہ ابن شمیط کو سخت ہزیمت ہوئی اور اسکے تقریباً کل ہمراہی معرکۂ جنگ میں کام آگئے۔ اور یہ کہ مصعب برابر بڑھتے چلے آتے ہیں۔ تو وہ بقصد مقابلہ کوفہ سے نکلا۔ مختار نے حروراء میں قیام کر دیا اس عرصے میں دواب بھی آپہنچے۔ اور لڑائی شروع ہوئی۔ تمام رات لڑائی ہوتی رہی۔ چاروں طرف ایک شور قیامت برپا تھا۔ صبح ہونے سے تھوڑا پہلے مختار

کے ہمراہی آنکھیں بچا بچا کر علٰحدہ ہونے لگے۔ مختار یہ رنگ دیکھکر قصر امارت
میں جا چھپا۔ مصعب نے قصر امارت کا محاصرہ کرکے رسد وغلہ بند کردیا۔ اور یہانتک
انتظام کیا۔ کہ مختار اور اُسکے ہمراہیوں کا شدت تشنگی سے حال ابتر ہو چلا۔ پانی
میں شہد ملا کر پینے لگے جب اس سے بھی سیری نہوئی۔ تو مختار نے اپنے ہمراہیوں
سے امن حاصل کرنے کو کہا۔ کسی نے کچھ خیال نہ کیا۔ تب مختار نے بالوں میں
تیل ڈالا۔ عطر لگایا۔ اور تقریباً بیس آدمیوں کو جن میں سائب بن سلاک اشعری
بھی تھا لیکر قصر امارت سے نکل کھڑا ہوا۔ سائب ملامت کرنے لگا۔ مختار نے
کہا تف ہے تجھ پر اے احمق میں نے دیکھا۔ کہ ابن زبیر نے حجاز پر قبضہ کرلیا
اور نجدہ نے یمامہ پر اور ابن مروان نے شام پر۔ اور میں بھی انہیں لوگوں کیطرح
تھا لیکن میں جبکہ عرب اس سے غافل ہوگیا تھا۔ اہل بیت کے خون کا بدلہ لینے
کا طالب ہوگیا۔ اگر تیری یہ نیت نہو۔ تو اپنے بازو پر لڑ۔ سائب یہ سنکر خاموش ہوگیا
اور مختار آگے بڑھا لڑائی ہونے لگی۔ بالآخر طرفہ وطراف پسران عبداللہ بن جاجہ
حنیفی کے ہاتھ اسکی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ مختار کے مارے جانے کے بعد اہل قصر نے
مصعب کے پاس پیام بھیجا۔ اور مصعب کے کہنے سے دروازہ کھولدیا۔ مہلب نے
انکے قتل کرنے سے منع کیا۔ مگر شرفائے کوفہ نے اس سے اختلاف کیا۔ پس مصعب نے
باتفاق رائے ان لوگوں کے سب کو قتل کرادیا۔ بعد اسکے مصعب کے حکم سے
مختار بن ابی عبید ثقفی کی ہتھیلیاں کاٹکر دروازہ مسجد پر لٹکا دی گئیں جنکو حجاج
نے اپنے زمانہ حکومت میں اتروا دیا۔

جلد دوم عقد الفرید مطبوعہ مصر کے صفحہ ۳۱۹ میں مرقوم ہے۔ کہ مختار
جس وقت قاتلین حسین اور شرفا کو نیست ونابود کرچکا۔ تو اس نے اور صلحائے امت
کے استیصال کی فکر کی۔ لوگوں پر اسکا قصد اور خبث نفس ظاہر ہوگیا۔ اس نے
نبوت کا بھی دعوے کیا تھا۔ کہتا تھا۔ کہ میرے پاس جبرئیل امین وحی لیکر آتے
ہیں۔ اور طبقات دول اسلام میں ذہبی کہتے ہیں۔ کہ مختار کہتا تھا۔ مجھے علم غیب ہے

اور اللہ پاک کے لئے دو ہاتھ ثابت کرتا تھا۔ اور منزل الابرار میں لکھا ہے کہ مختار
کہتا تھا۔ اللہ تعالے نے مجھ میں حلول کیا ہے[۱]۔ ترمذی نے عبد اللہ بن عمر سے جو
روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا ہے فی ثقیف کذاب و مبیر یعنی قوم بنی ثقیف
میں ایک جھوٹا اور ایک مفسد ہلاکو ہوگا۔ اسی طرح ابو نوفل معاویہ بن مسلم تابعی
سے مسلم نے جو روایت کی ہے۔ کہ جب حجاج نے عبد اللہ بن زبیر کو سولی دی۔
تو اسما انکی والدہ نے کہا۔ کہ آنحضرت نے ہم سے بیان کیا تھا۔ ان فی ثقیف کذابا
و مبیرا۔ سو علما کذاب کو اسی مختار پر اور مبیر کو حجاج بن یوسف پر حمل کرتے ہیں
مختار اگرچہ صاحب علم و فضل تھا۔ مگر صحابی نہ تھا۔ ہاں اس کا باپ جلیل القدر
صحابیوں میں سے تھا۔ اور اول اول مختار اہل بیت سے نہایت دشمنی رکھتا تھا
یہانتک کہ انکی عداوت میں مشہور تھا۔ اور بعد از شہادت امام حسین اظہار محبت
کیا۔ اور یہ سب واسطے طلب دنیا اور طلب امارت کے تھا۔ چنانچہ ملل و نحل میں
شہرستانی کہتا ہے۔ کہ مختار پہلے خارجی تھا۔ پھر زبیری بنا۔ پھر شیعی اور کیسانی
ہوگیا۔ قصہ مختصر مختار اور اسکے متبعین جناب امیر کے بعد بلا فاصلہ محمد بن حنفیہ کو امام
اور مہدی جانتے تھے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ مختاریہ امام حسن اور امام حسین کی
امامت کے بھی مقر تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ امام حسین کے بعد کار امامت محمد بن حنفیہ
سے متعلق ہوگیا ہے۔ مختاریہ وہی لوگ تھے۔ جنہیں کیسانیہ کہتے تھے۔ مختار نے
انکا نام مختاریہ مقرر کر دیا تھا۔ جبکہ مختار مارا گیا۔ اور لوگ اسکے افعال و اقوال پر
استہزا کرنے لگے۔ تو مختاریہ نے دوبارہ اپنے کو کیسانیہ مشہور کر دیا

جب محمد بن حنفیہ نے انتقال کیا۔ تو کیسانیہ امامت میں مختلف ہوگئے۔ بعض نے
کہا ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ کی طرف امامت منتقل ہوگئی۔ تاریخ فرشتہ
اور جہانکشا سے نقل کیا۔ کہ کیسانیہ کی رائے و عقیدہ یہ ہے کہ اسماعیل بن جعفر
صادق اپنے باپ کے بعد زندہ تھے۔ اور وہ اپنے باپ کے بعد امام تھے موسیٰ کاظم

[۱] منزل الابرار کی عبارت یہ ہے قیل انہ کان یقول ان جبرئیل ینزل علیہ قیل کان یقول ان اللہ حل فیہ

اور اسماعیل کے بعد اُنکے بیٹے محمدؐ کو امامت پہنچی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں کچھ کیسانیہ اسماعیلیہ بھی ہوگئے تھے۔

تیسرے کریبیہ۔ ابو کریب ضریر کے اصحاب ہیں۔ یہ لوگ حضرت علی مرتضیٰ کے بن محمدؐ بن حنفیہ کی امام جانتے ہیں اسلئے کہ انہوں نے نشان لشکر بصرہ میں انکو دیا تھا۔ اس امر کو محمدؐ بن حنفیہ کی امامت پر نص مانتے ہیں۔ اور انکا زعم یہ ہے کہ محمدؐ بن حنفیہ زندہ ہیں، مرے نہیں۔ مدینے کے پاس کوہ رضوی کے ایک درے میں اپنے چالیس اصحاب کے ساتھ مخفی ہیں۔ اور اُنکے پاس دو چشمے قدرت سے شہد و پانی کے جاری ہوگئے ہیں۔ امام منتظر و مہدی موعود وہی ہیں وہ ظہور کرینگے۔ تو سارا عالم عدل سے بھر جائیگا۔ کثیر شاعر کہ اُنکا ایک شیعہ ہے کہتا ہے ؎

الا ان الائمة من قریش ولاة الامر اربعة سواء

یعنی خبردار ہو کہ امام قریش میں سے چاہیئے اور حاکم دین اسلام کے چار ہیں پورے

فسبط سبط ایمان وبر وسبط غیبته کربلاء

پس ان میں سے ایک حضرت حسن ہیں جو ایمان و نیکی کی فرزند ہیں اور دوسرے حضرت حسین ہیں جنکو کربلا نے غائب کیا

وسبط لا یذوق الموت حتی یقود الخیل یقدمه اللواء

اور تیسرے محمدؐ بن حنفیہ ہیں جو نہیں مرینگے یہانتک کہ سردار ہونگے لشکر کے اُنکے آگے جھنڈا ہوگا۔

یغیب فلا یری فیهم زمانا برضوی عنده عسل وماء

غائب ہوجائینگے۔ پس نہیں دیکھے جائینگے لوگوں میں ایک زمانہ تک کوہ رضوی میں اُنکے پاس شہد اور پانی کے چشمے ہونگے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ شعر اسماعیل بن محمدؐ حمیری کے ہیں۔ جسکا لقب سید ہے کہ وہ پہلے کیسانی تھا۔ پھر اس عقیدے کو ترک کرکے دین جعفر میں آگیا۔ ایک قصیدہ اپنی توبہ اور انابت کے باب میں لکھا ہے۔ جسکا ایک شعر یہ ہے۔

تجعفرت باسم الله والله اکبر وایقنت ان الله یعفو ویغفر

اور یہ لوگ اکثر جمعہ کی راتوں کو اس پہاڑ میں جمع ہو کر عبادت کیا کرتے تھے۔
شیعوں میں سے پہلے جو شخص صاحب الزمان کے مخفی ہونیکا قائل ہوا ہے۔ وہ
یہی ابوکریب ہے کہ کہتا تھا۔ امام دشمنوں کے خوف سے چھپ گئے ہیں۔ پھر ایک
مدت کے بعد ظاہر ہونگے۔ اور زمین کو عدل سے بھر دینگے۔ اور یہ بات پھر شیعوں
میں خوب رائج ہو گئی۔ اور جو امام جن شیعوں کی مرضی کے موافق تھا وہ اسی کو
صاحب الزمان جانکر دشمنوں کے خوف سے اُسکے غائب ہو جانے کے قائل ہوگئے

چوتھے اسحاقیہ ۔ یہ لوگ اسحاق بن عمر کی طرف منسوب ہیں۔ یہ محمد بن حنفیہ
کی موت کے قائل ہیں۔ اور انکا عقیدہ یہ تھا۔ کہ امامت نے محمد بن حنفیہ کی وفات کے
بعد انکے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ کی طرف انتقال کیا۔ ابو ہاشم کے بعد انکی اولاد میں
امامت کو منتقل جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہر ایک باپ اپنے بیٹے کے لئے وصیت
کرتا گیا تھا۔ مستفاد از تحفہ اثنا عشری

پانچویں ہاشمیہ ۔ شہرستانی نے ملل و نحل میں کہا ہے۔ کہ جو لوگ
محمد بن حنفیہ کے بعد امامت کو انکے بیٹے ابو ہاشم میں مانتے ہیں۔ انکا نام ہاشمیہ
ہے۔ ان کا اعتقاد یہ ہے۔ کہ ابو ہاشم عبداللہ کو محمد بن حنفیہ سے اسرار علوم پہنچے
تھے۔ اور ان کو نفسوں پر آفاق کے مطابق کرنے کے طریقے اور تنزیل کی تاویل
اور ظاہر کو باطن سے ملانے کے حالات معلوم ہوئے تھے۔ ان کے نزدیک ہر
ظاہر کے لئے باطن ہے۔ اور ہر شخص کے لئے روح ہے۔ اور ہر تنزیل کے لئے
تاویل ہے۔ جو مثال اس عالم میں موجود ہے اس کیلئے اس عالم میں حقیقت موجود ہے
اور جس قدر حکمتیں اور اسرار آفاق میں منتشر ہیں۔ وہ سب ایک شخص انسانی میں
موجود ہیں۔ اور وہ علم ہے۔ جو علی علیہ السلام نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو
بتایا تھا۔ اور انہوں نے وہ اسرار اپنے بیٹے ابو ہاشم کو سکھائے۔ اور جس شخص
میں یہ تمام مجتمع ہو۔ وہ امام برحق ہے۔ اور بعد انتقال ابو ہاشم کے ہاشمیہ میں
اختلاف پیدا ہو کر پانچ فرقے ہوگئے **ایک** فرقہ کہتا ہے کہ ابو ہاشم جب ملک

شام میں سلیمان بن عبد الملک کے پاس گئے۔ اور اُس نے انکو دودھ میں زہر دلوایا اور یہ قریب المرگ ہو گئے۔ تو حمیمہ (بضم حائے حطی، کو کہ ارض شراۃ (بہ شین ؔ بمہ) ضلع بلقا ملک شام میں ایک مقام کا نام ہے) محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کے پاس چلے گئے۔ امامت کے لئے اُنکے حق میں وصیت کی تھی۔ اور اسکے گھرانے میں امامت ابو العباس سفاح تک جاری رہی۔ یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ خاندان عباس خلافت کے لئے اور سب سے زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ نسب میں رسول علیہ السلام کے ساتھ اتصال رکھتے ہیں۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ تو عباس رضی اللہ عنہ وراثت کے لئے اولے تھے دوسرے فرقے نے کہا کہ ابو ہاشم کے بعد امامت اُنکے بھتیجے حسن بن علی بن محمد بن حنفیہ کو پہنچی تیسرے فرقے نے کہا کہ ابو ہاشم نے اپنے بھائی علی بن محمد بن حنفیہ کے لئے وصیت کی تھی۔ انکی رائے یہ ہے۔ کہ امامت محمد بن حنفیہ کے گھرانے سے غیر لوگوں کی طرف نہیں آئی۔ چوتھے فرقے نے یہ کہا۔ کہ ابو ہاشم عبد اللہ بن حرب کندی کے لئے وصیت کی تھی۔ اور امامت بنی ہاشم سے نکل کر عبد اللہ کو پہنچی پانچویں وہ لوگ ہیں جنہوں نے عبد اللہ بن حرب کندی میں بد دیانتی اور کذب و خیانت پا کر اس سے قطع تعلق کیا۔ اور کہنے لگے۔ کہ عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب امام ہیں۔ اصحاب عبد اللہ بن معاویہ اور اصحاب محمد بن علی کے درمیان مسئلہ امامت میں بڑا اختلاف ہے۔ ہر ایک دعوے کرتا ہے۔ کہ ابو ہاشم نے ہمارے مقتدا کے حق میں وصیت کی تھی۔ اب عبد اللہ اور محمد بن علی کے فرقوں کے حالات بیان کرتے ہیں۔

چھٹے حربیہ جو کندیہ کے لقب سے بھی ملقب ہیں۔ یہ لوگ عبد اللہ بن حرب کندی کے پیرو ہیں۔ جو ہاشمیہ میں سے ایک سرگروہ تھا۔ اور ابو ہاشم بن محمد بن حنفیہ کے بعد عبد اللہ بن حرب کو امام جانتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسکی امامت کے لئے ابو ہاشم نے وصیت کر دی تھی۔ اور ابو ہاشم کی روح نے عبد اللہ میں حلول کیا

ہے یہ عبداللہ صاحب علم و دیانت نہ تھا۔ اسکا یہ مذہب ہے کہ روحین ایک شخص سے دوسرے میں تناسخ کرتی ہیں۔ اور روح کو ثواب و عذاب اسی تناسخ اور تبدیل ابدان کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ اور دعوے کرتا تھا کہ حضرت عیسے کی روح نے مجھ میں حلول کیا ہے۔ اور الوہیت اور نبوت کا مدعی تھا۔ اور کہتا تھا۔ مجھے علم غیب ہے اسکے شیعہ اسکی عبادت کرتے تھے۔ اور قیامت کا انکار کرتے تھے کہتے تھے کہ تناسخ دنیا میں ہوتا ہے اور ثواب و عذاب انہیں اشخاص میں ہوتا رہتا ہے۔ اور قرآن میں جو آیا ہے لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا اذا ما تقوا وعملوا الصلحت ثم تقوا وامنوا ثم اتقوا واحسنوا ۔یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے انپر گناہ نہیں جو پہلے کھا چکے جب آگے ڈرے اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر ڈرے اور ایمان لائے پھر ڈرے اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنیوالونکو اس آیت میں عبداللہ یوں تاویل کرتا تھا۔ کہ جو شخص امام تک پہنچ گیا اور اُسے پہچان لیا اس سے تمام شرعی احکام اور حرج ساقط ہوجاتے ہیں جو کچھ چاہے کھائے اسپر کوئی گناہ نہیں وہ کامل ہے اور مقصد اعلے کو پہنچ گیا ہے شہرستانی کہتا ہے کہ اس ہی سے مذہب خرمیہ[1] و مزدکیہ[1] نکلا ہے

[1] وعنہ نشات الخرمیۃ والمزدکیۃ بالعراق ۱۲ ملل و نحل شہرستانی۔ دبستان المذاہب میں لکھا ہے مزدکیہ منسوب ہیں مزدک کیطرف یہ شخص قباد شہنشاہ ایران کے عہد میں تھا نوشیروان نے اُسکو مروا ڈالا وہ کہتا تھا دنیا کے صانع ہیں خیر کا فاعل یزدان ہے اور شر کا اہرمن یزدان نور ہے اور اہرمن ظلمت اسکا یہ مذہب تھا کہ آدمیوں میں فساد کا سبب مال و عورات ہیں اسلئے عورتونکو آزاد کر دینا چاہیے اور مال مباح کرنا چاہیے اسلئے تمام آدمیونکو مال و عورتونمیں شریک کر دیا جیسا کہ پانی اور آگ میں شریک ہیں کہتا تھا نہایت ستم کی بات ہے کہ ایک آدمی کی زوجہ تو حسین خوبصورت ہو اور دوسرے کی بدصورت پس عدالت اور دینداری کا مقتضا یہ ہے کہ آدمی اپنی خوبصورت عورت تھوڑے دن کیواسطے اُس آدمی کے تصرف میں دیدے جسکی عورت بدنما ہے اور اسکی بدعورت کو اُس مدت تک اپنے پاس رکھے اور یہ بھی حیف کی بات ہے کہ ایک شخص خوشحال ہو اور دوسرا تنگدست اسلئے مناسب ہے کہ اپنی مال نصفی نصف بانٹ لیں اور جو کوئی مال رکھنے کی قابلیت نہ رکھتا ہو مثلاً دیوانہ ہو عاجز ہو یتیم ہو تو اسکو اپنے مکان پر رکھکر ہر طرح اسکی آسائش کا سامان مہیا کر دینا چاہیے اور جو اس تقسیم پر راضی نہو وہ اہرمنی ہے اس سے بزور چھین لینا چاہیے محمد قلی کرد اور اسماعیل بیگ حاجی اور احمد تبرانی اسی مذہب کے گذرے ہیں اور شیراز ایک موضع ہے اصفہان کے علاقے میں اور اسنے سنا گیا کہ اب مزدکیان کے درخت دین یعنی اہل اسلام چھپکر اپنے دین پر عمل کرتے ہیں اور فرزاد اور شیراب اور ایقین ہوش بھی اس مذہب کے تھے ۱۲ اہل اسلام کے ڈر سے اپنا نام محمد سعید

عراق میں پیدا ہوا جب عبداللہ نے خراسان میں انتقال کیا تو اُسکے بعض اصحاب کہنے لگے۔ وہ ابھی نہیں مرا ہے۔ زندہ ہے۔ رجوع کریگا۔ اور کچھ لوگ کہنے لگے کہ مرگیا اسکی روح نے اسحاق بن زید حارث انصاری میں حلول کیا ہے یہ لوگ حارثیہ کہلاتے تھے۔ حارثیہ کہتے ہیں۔ کہ آرام سے زندگی بسر کرنا چاہئے کسی پر کوئی تکلیف نہیں۔ انہوں نے تمام محرمات کو مباح قرار دیا ہے۔

ساتویں طیاریہ غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ طیاریہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار کی طرف منسوب ہیں شفائے قاضی عیاض میں اسکی جگہ طیارہ بھی لکھا ہے۔ انکا عقیدہ یہ تھا کہ ابوہاشم بن محمد حنفیہ نے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب کے لئے وصیت کردی تھی اسلئے بعد ابوہاشم کے عبداللہ امام ہیں۔ ان عبداللہ کی بیعت خلافت کوفے میں کیگئی تھی لیکن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے غالب ہوجانے سے مدائن چلے گئے اور انکے پیچھے پیچھے اکثر اہل کوفہ وغیرہ شیعان علی بھی چلے آئے تھے پس انہوں نے جبال کا رخ کیا اور اسپر قبضہ حاصل کرکے حلوان قومس اصفہان اور رے پر بھی نا بعض متصرف ہوگئے۔ اور اصفہان میں قیام کر دیا۔ جب یزید بن عمر بن ہبیرہ والی عراق ہوکے آیا۔ تو اس نے عبداللہ بن معاویہ کو ہزیمت دیکی۔ عبداللہ بن معاویہ نے خراسان میں جاکے دم لیا منجملہ اُن لوگوں کے جو عبداللہ بن معاویہ کے ہمراہیوں میں سے گرفتار کئے گئے تھے۔ عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس بھی تھے جو حرش بن قطن ہلالی کی سفارش سے رہا ہوگئے۔ رہائی کے بعد انہوں نے عبداللہ بن معاویہ کے معائب بیان کئے اور انکے ہمراہیوں کو خلاف وضع فطرت افعال کرنے سے متہم کیا۔ آخر کار عبداللہ بن معاویہ نے بامید امداد ابومسلم خراسان کا راستہ اختیار کیا جسکے حکم سے ابونصر مالک بن ہیثم خزاعی والی ہرات نے اُنکو مار ڈالا جیسا کہ تم اوپر پڑھ آئے ہو باوجودیکہ ابومسلم لوگوں کو حمایت آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دیتا تھا۔ ابونصر مالک نے عبداللہ بن معاویہ سے نسب دریافت کیا۔ تو انہوں نے بتایا۔ مالک نے کہا عبداللہ

وجعفر کو تو میں جانتا ہوں۔ لیکن معاویہ کو میں نہیں جانتا۔ کہ ان بزرگوں میں سے کسی کا نام رہا ہو۔ عبداللہ بن معاویہ نے جواب دیا میرے دادا عبداللہ بن جعفر جن دنوں شام میں معاویہ کے پاس تھے۔ میرے باپ پیدا ہوئے معاویہ نے ایک لاکھ درم اس تقریب سعید میں بھیجدئے۔ مگر شرط یہ کی۔ کہ مولود کو میرے نام سے موسوم کرو۔ مالک بولا چونکہ تم لوگوں نے اسمائے خبیثہ کو نہایت ذلیل و کم قیمت پر خرید کیا ہے۔ لہذا تمہارا کوئی حق ہم پر نہیں۔

آٹھویں حسانیہ کتاب دوم ناسخ التواریخ کی جلد سوم کے صفحہ ۴۰ میں لکھا ہے کہ جماعت کیسانیہ میں سے ایک فرقے کو حسانیہ کہتے ہیں۔ یہ حسان سراج کے اصحاب ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ امام چار ہیں۔ امیر المومنین علی اور امام حسن اور امام حسین امام ہیں اور چوتھے محمد بن حنفیہ ہیں

نویں عباسیہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ ابو ہاشم بن محمد حنفیہ کے بعد امامت حضرت علی بن ابی طالب کے گھرانے سے نکل گئی۔ اور اولاد عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہو گئی۔ اس سے پیشتر ہم بیان کر آئے ہیں کہ جبکہ ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ سلیمان بن عبدالملک کے پاس شام سے آتے ہوئے حمیمہ (مضافات بلقار) میں محمد بن عبداللہ بن عباس کے پاس ٹھہرے۔ اور وہیں جان بحق تسلیم کی۔ تو بوقت وفات خلافت اسلامی حاصل کرنے کے وصیت کر گئے۔ چونکہ اس سے پیشتر ابو ہاشم نے شیعوں کو جو عراق اور خراسان میں تھے۔ اس امر سے مطلع کر دیا تھا۔ کہ عنقریب امامت وخلافت **محمد بن علی** کی اولاد میں منتقل ہونے والی ہے اس وجہ سے ابو ہاشم کی وفات کے بعد انکے ہوا خواہوں نے محمد بن علی کی خدمت میں حاضر ہو کے خفیہ طور سے انکی بیعت کر لی۔ اور انہوں نے بھی عہد حکومت عمر بن عبدالعزیز میں اپنے دعاۃ کو اطراف و جوانب ممالک اسلامیہ کی جانب بھیجدیا ازانجملہ میسرہ عراق کی جانب محمد بن خنیس۔ ابو عکرمۃ السراج (یعنی ابو محمد صادق) اور حیان عطار (ابراہیم بن سلمہ کا ماموں) خراسان کی جانب بھیجے گئے۔ چنانچہ لوگ

خراسان پہنچکے در پردہ لوگوں کو خلافت عباسیہ کی ترغیب دینے لگے۔ اہل خراسان
نے عام طور سے بطیب خاطر انکی دعوت قبول کرلی۔ بعد چند دنوں کے محمدؐ بن
خنیس وغیرہ ان لوگوں کے خطوط لیکر میسرہ کے پاس آئے۔ جنہوں نے انکی دعوت
قبول کی تھی۔ اور میسرہ نے ان خطوط کو محمدؐ بن علی بن عبداللہ بن عباس کے
پاس بھیجدیا۔ اسکے بعد ابو محمد صادق نے محمدؐ بن علی بن عبداللہ بن عباس کے
بارہ نقیب منتخب کئے۔ دعاۃ بنی عباس نقبا کہلاتے ہیں۔ جنکے یہ اسماء تھے سلیمان
بن کثیر خزاعی۔ لاہز بن قریظ التمیمی قحطبہ بن شبیب طائی۔ موسیٰ بن کعب تمیمی
خالد بن ابراہیم قاسم بن مجاشع تمیمی۔ ابوالنجم عمران بن اسماعیل (ابو معیط کا آزاد
غلام) مالک بن ہیثم خزاعی طلحہ بن زریق۔ ابو حمزہ بن عمرو بن اعین (خزاعہ کا آزاد غلام)
ابو علی شبل بن طہمان ہروی (بنو حنیفہ کا آزاد غلام) عیسیٰ بن اعین۔ اور انکے بعد
ستر آدمیوں کو دعوت دینے کے لئے انتخاب کیا۔ محمدؐ بن علی نے ایک ہدایت آموز
خط ان لوگوں کو لکھ کے مرحمت کیا تاکہ اسکے مطابق لوگوں کو دعوت دیں۔ اور
عمل درآمد کریں۔ ایک مدت تک یہی معمول رہا۔ بعد ازاں ۱۰۲ھ زمانہ گورنری
سعید خذینہ وعہد خلافت یزید بن عبدالملک میں میسرہ نے اپنے ایلچیوں کو عراق
سے خراسان کی طرف روانہ کیا۔ اتفاق سے یہ راز طشت از بام ہوگیا۔ سعید
خذینہ نے میسرہ کے ایلچیوں کو گرفتار کرالیا۔ عندالاستفسار ایلچیوں نے اپنے کو
سوداگر ظاہر کیا۔ ربیعہ اور یمن کے چند لوگوں نے انکی ضمانت کرلی رہا کر دیئے
گئے۔ ۱۰۴ھ میں محمدؐ بن علی کا بیٹا عبداللہ سفاح پیدا ہوا۔ اسی زمانے میں ابو محمد صادق
دعاۃ خراسان کے ایک گروہ کو لئے ہوئے محمدؐ بن علی سے ملنے کو آگیا۔ محمدؐ بن علی
نے عبداللہ سفاح کو باہر نکال کے ابو محمد صادق وغیرہ کو دکھلا کے کہا کہ اسکے ہاتھ
پاؤں چوموں۔ یہی تمہارا سردار ہوگا اسی کے ہاتھ سے یہ کام انجام پذیر ہوگا
اس وقت عبداللہ سفاح کی عمر پندرہ دن کی تھی۔ پھر اس دعوت میں بکیر
بن ماہان بھی سندھ سے آکے شریک ہوگیا۔ یہ جنید کے ساتھ سندھ میں تھا جب

جنید معزول کیا گیا، تو بکیر کوفے میں چلا آیا۔ ابو عکرمہ جو نہ ہوا ابو محمد صادق محمد بن خنیس اور عمار عبادی وولید ازرق کے ناموں سے ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں نے بنو ہاشم کی خلافت کی دعوت کا تذکرہ کیا۔ بکیر نے بطیب خاطر منظور کر لیا۔ یہ واقعہ اواخر ۱۰۵ھ کا ہے۔ بعد اسکے ۱۰۷ھ زمانہ گورنری اسد قسری و عہد خلافت ہشام میں بکیر نے ابو عکرمہ ابو محمد صادق۔ محمد ابن خنیس عمار عبادی اور زیاد کو مع چند دیگر شیعوں کے خراساں کی طرف خلافت عباسیہ قایم کرنیکی ترغیب دینے کو روانہ کیا۔ کسی نے اسد قسری تک یہ خبر پہنچا دی۔ اسد نے جن جن کو ان میں سے پایا انکے ہاتھ کٹوا کے صلیب دیدی۔ عمار بھاگ کے بکیر کے پاس چلا آیا۔ بعض کا بیان ہے کہ پہلا جو شخص محمد بن علی کی جانب سے وارد خراسان ہوا وہ ابو محمد زیاد ہمدان کا آزاد غلام تھا۔ اسکو ۱۰۹ھ زمانہ گورنری اسد و عہد خلافت ہشام میں محمد بن علی نے روانہ کیا تھا۔ اور یہ ہدایت کی تھی۔ کہ یمن میں قیام کرنا مضر سے بہ نرمی و ملاطفت پیش آنا۔ اور غالب نیشاپوری سے جو کہ بنو فاطمہ کا ہوا خواہ ہے احتراز کرنا پس زیاد نے سردی کا موسم مرو میں بسر کیا۔ شیعان علی اسکے پاس آتے جاتے رہے۔ اتفاق سے اسد کو اسکی اطلاع ہو گئی۔ فوراً زیاد کو گرفتار کرا کے قتل کر ڈالا۔ اسکے بعد خراسان میں کوفے کا ایک شخص کثیر نامی آیا۔ اور ابو نجم کے مکان پر مقیم ہوا۔ دو یا تین برس تک دعوت دیتا رہا۔ اسد بن عبد اللہ نے ۱۱۷ھ اپنے دوبارہ گورنری کے زمانہ میں سلیمان بن کثیر، مالک بن ہیثم، موسی بن کعب اور لاہز بن قریظ کو گرفتار کرا کے تین تین سو کوڑے پٹوا کے قید کر دیا۔ ۱۱۸ھ کے شروع ہوتے ہی بکیر نے عمار بن زید کو ہوا خواہان بنو عباس کا سردار بنا کے خراسان کی جانب روانہ کیا۔ مرو میں پہنچ کے اس نے اپنے کو خداش کے نام سے موسوم کیا۔ جب لوگ اسکے مطیع ہو چلے تو خرمیہ کی تعلیم دینے لگا۔ عورتوں کو مباح کر دیا۔ صوم و صلوۃ اور حج کی تاویل کر کے کہنے لگا صوم کے معنی یہ ہیں کہ ذکر امام کا روزہ رکھو اور اسکا نام کبھی بھول کر بھی زبان پر نہ لاؤ۔ اور

صلوۃ کے معنی یہ ہیں۔ کہ اس کے لئے دعا کرو۔ حج یہ ہے۔ کہ اسکی طرف قصد کرو۔ خداش

ایک نصرانی کوفے میں تھا۔ مالک بن ہیثم اور حریش بن سلیم نے اسکی باتوں پر
عمل کیا۔ اسد کو اسکی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے عمار بن زید یعنی مصنوعی خراش کو
گرفتار کرا کے صلیب دیدی۔ محمد بن علی تک یہ خبر پہنچی۔ تو انہوں نے اہل خراسان
سے خط وکتابت بند کردی۔ اسلئے کہ ان لوگوں نے خراش کی تقلید کرلی تھی
سنہ ۱۲۰ھ میں اہل خراسان کی طرف سے سلیمان بن کثیر حالات عرض کرنے اور
عفو تقصیر کرانے کی غرض سے محمد بن علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپنے ایک
خط اہل خراسان کے نام لکھکر اسکے حوالے کیا۔ جس میں سوائے بسم اللہ الرحمن الرحیم
کے اور کچھ نہ تھا۔ اہل خراسان یہ دیکھ کے بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور انہوں نے
یہ سمجھ لیا۔ کہ خراش کی کرتوتوں کی بدولت امام وقت ہم سے ناراض ہو گئے
ہیں۔ سلیمان کی واپسی کے بعد محمد بن علی نے بکیر بن ماہان کو ایک خط دیکے
روانہ کیا۔ جسمیں خراش کی مذمت اور برائیاں تھیں۔ اہل خراسان نے باور
نہ کیا۔ بکیر مجبور ہوکے محمد بن علی کے پاس چلا آیا۔ تب انہوں نے چند عصا مرحمت
فرماکے دوبارہ بھیجا۔ بعض پر لوہا بعض پر تانبا لگا ہوا تھا۔ بکیر نے سبھوں کو مجتمع
کرکے ہر ایک کو ایک عصا دیا۔ ہوا خواہان دولت عباسیہ کو اس سے یقین ہوگیا
اپنے کئے پر پشیمان ہوئے توبہ کی۔ سنہ ۱۲۴ھ کا جوں ہی دور شروع ہوا محمد بن علی
داعی اجل کو لبیک کہکے راہی ملک جاودانی ہوئے۔ مرتے وقت اپنے لڑکے
ابراہیم کو اپنا جانشین بنا گئے اور دعاۃ کو انکی تقلید کی وصیت کر گئے۔ اسی وجہ
سے ہوا خواہان دولت عباسیہ انکو امام کہا کرتے تھے۔ بکیر بن ماہان نے محمد بن علی
کی خبر موت اور امام ابراہیم کی ہدایتیں سنائیں۔ سبھوں نے بسر وچشم قبول و
منظور کیا۔ اور جو کچھ ان لوگوں کے پاس زر نقد جمع ہوگیا تھا سب کا سب
بکیر کے حوالے کر دیا۔ جسکو بکیر نے ابراہیم کی خدمت میں لاکے پیش کر دیا۔ ان واقعات
کے بعد اسی سنہ ۱۲۴ھ میں ابراہیم امام نے اپنی طرف سے ان لوگوں کے پاس
جو خراسان میں دعوت دیتے تھے۔ ابو مسلم کو سند ولایت عنایت کرکے روانہ کیا

تاکہ لوگوں میں انکے احکام قایم رکھے اور انکی ہدایات کو جاری کرے۔ خلفائے عباسیہ کی سلطنت کا بانی ابومسلم ہے۔ اسی کی بدولت عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی۔ مروان حمار کے عہد میں قوت پکڑ گئی اور اس شخص نے تمام ملک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا۔ اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی۔ امام ابراہیم نے ابومسلم کے پاس دو رایت بھیجے جن میں سے ایک کا نام الظل تھا۔ اور دوسرے کا نام السحاب تھا۔ لڑائی میں یہ اپنے ہم خیالوں کو سیاہ کپڑے پہناتے تھے اور علموں کے پھریرے سیاہ رکھتے تھے۔ پھر بنی عباس نے اپنے علم کے پھریرے کا رنگ سیاہ رکھا۔ اسی وجہ سے انکو **مسوّدہ** کہنے لگے تھے۔ اس لفظ میں میم مضموم اور سین مہملہ مفتوح اور واو مشدد مکسور اور دال مفتوح ہے۔ انتہا یہ تھی کہ ان علموں کو اپنے ممبروں پر بھی نصب کرتے تھے۔ اور عباسیوں نے سیاہ لباس پہننا اختیار کیا۔ اور یہ رسم ابوجعفر منصور عباسیوں کے دوسرے خلیفہ کے وقت سے جاری ہوا تھا۔ ایک بار ابومسلم اور سلیمان بن کثیر خزاعی کو قریہ سفیذنج میں عید الفطر کا دن آگیا۔ سلیمان نے نماز پڑھائی لشکرگاہ میں ممبر تھا اسپر چڑھ کے خطبہ دیا۔ خطبے کے پہلے نماز بلا اذان اقامت پڑھی اور پہلی رکعت میں چھ تکبیریں کہیں۔ دوسری میں پانچ برعکس اسکے کہ بنی امیہ کرتے تھے۔ کہ ان کا دستور تھا کہ خطبہ نماز کے قبل پڑھتے اور نماز کو اذان واقامت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں چار تکبیریں کہتے تھے اور دوسری میں تین۔ اور یہ کل وہ امور تھے کہ امام ابراہیم اور اُن کے باپ نے اسکی ہدایت کی تھی۔ ایک بار امام ابراہیم کا ایک خط جو ابومسلم کے خط کے جواب میں تھا مروان کے اہلکاروں کے ہاتھ پڑ گیا۔ لکھا تھا موقع اور قابو ملجانے سے اگر تم نے نصر کرمانی کا خاتمہ کر دیا۔ تو سخت نالائقی کی بات ہے۔ اور دیکھو خبردار خراسان پر متصرف ہونے کے بعد خراسان میں کسی عربی زبان بولنے والے کو باقی نہ رکھنا مروان اس خط کو پڑھ کے سخت برہم ہوا۔ اور اپنے عامل کو جو بلقاء میں تھا لکھا

ہو بیجا کہ حمیمہ جا کے ابراہیم بن محمد کو پابزنجیر میرے پاس بھیجدو۔ چنانچہ عامل بلقاء
نے ایسا ہی کیا۔ اور مروان نے ابراہیم کو حران میں قید کر دیا۔ چنانچہ انکا وہیں
انتقال بھی ہوا۔ امام ابراہیم نے خود ہی اپنی موت کی خبر اہل بیت کو دی تھی
اور ان لوگوں کو کوفہ چلے جانے کی ہدایت اور اپنے بھائی ابو العباس سفاح
کے لئے جسکا نام عبد اللہ ہے۔ امامت کی وصیت کی تھی پس ابو العباس مع اہلبیت
اور بھائیوں اور برادرزادوں اور چچوں وغیرہ کے ماہ صفر میں کوفہ چلا گیا۔ ابو سلمہ
خلال وزیر آل محمد اور شیعیان علی کوفہ کے باہر حمام اعین تک استقبال کو آئے۔
ابو سلمہ نے ان لوگوں کو ولید بن سعد بنو ہاشم کے آزاد غلام کے مکان پر ٹھیرایا۔ اور
کل سپہ سالاران و شیعیان علی سے اس راز کو چالیس راتوں تک مخفی رکھا
ابو سلمہ نے جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس امر کی کوشش کی تھی کہ امام خلافت
آل ابی طالب کے سپرد کی جائے لیکن شیعوں میں سے ابو جہم نے مخالفت کر کے
سمجھایا کہ ابھی اس کا وقت نہیں ہے۔ [illegible] ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو
جمعہ کے دن لشکریاں اور ہوا خواہان دولت بنی عباس مسلح ہو کے خالی سواریاں لئے
ہوئے ابو العباس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انکو مع اہل بیت کے سوار کر کے
دار الامارت میں لے گئے۔ پھر ابو العباس دار الامارت سے نکل کر مسجد میں آیا۔ اور
خطبہ دیا۔ نماز باجماعت پڑھی۔ حاضرین نے بطیب خاطر بیعت کی۔ بیعت لینے کے
بعد دوبارہ منبر کے اوپر کے زینے پر چڑھ گیا۔ اور ایک خطبہ دیا جس میں اپنے کو
مستحق خلافت اور وارث ہونا بیان کیا تھا۔ اور لوگوں کے وظائف بڑھا دیے
ابو العباس تپ و اعضا شکنی میں مبتلا تھا۔ تکلیف سے بیٹھ گیا۔ اسکا چچا داؤد
اٹھا۔ اور منبر کے اوپر کے زینے پر چڑھ کے بنو امیہ کی مذمت بیان کرتے ہوئے
لوگوں کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی اتباع کی ہدایت کی۔ اور یہ بھی
بیان کیا۔ کہ کوفہ انکا دار الامارت ہے جہاں سے وہ لوگ کبھی علحدہ نہ ہونگے
اور یہ کہ اس منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی خلیفہ سوائے امیر المومنین [illegible]

علی بن ابی طالب اور امیر المومنین عبداللہ بن محمد کے نہیں چنانچہ اس فقرے کے کہتے وقت سفاح کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور یہ خلافت و حکومت ہمارے ہی خاندان میں رہیگی۔ یہانتک کہ ہم اسکو عیسیٰ بن مریم کے سپرد کر دینگے حالانکہ جب سفاح نے بنی امیہ سے لڑائی شروع کی تھی۔ اور انکا ملک لینے کا ارادہ کیا گیا تھا۔ تو اس وقت اسکے ظاہر حال سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ اہلبیت پر جو ظلم بنی امیہ نے کئے ہیں۔ انکا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ اور پھر سلطنت علویین کو دلوانے کا قصد رکھتا ہے۔ رات کے وقت ابو العباس دار الامارت سے نکل کے ابو سلمہ کے لشکر میں گیا۔ اور اسکے ساتھ اسکے خیمہ میں مقیم ہوا۔ مگر دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل تھا۔ کوفہ میں بیعت عام لینے کے بعد سفاح نے کوفہ اور سرزمین کوفہ کی نیابت اپنے چچا داؤد کو دی۔ اور امدادی فوجیں بلاد مختلف کی طرف روانہ کیں۔ سنہ ۱۳۲ میں مروان بن محمد مارا گیا۔ اس مروان کو مروان الحمار بھی کہا کرتے تھے۔ اس وجہ سے کہ مواقع جنگ پر نہایت برداشت وتحمل اور دلیری سے کام لیتا تھا۔ اور اسکے مخالفین اسکو جعدی کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس نے جعد بن درہم سے مذہب کی تعلیم پائی تھی۔ اور وہ خلق قرآن کا قائل اور زندقہ کی طرف مائل تھا۔ اسکو خالد قسری نے ہشام کے حکم سے قتل کیا تھا۔ بنو عباس نے کامیابی حاصل کرکے بنو امیہ کے قتل پر کمریں باندھ لیں۔ بچے بچے کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرنے لگے۔ ایکبار عبداللہ بن علی مع اسی یا نوے نفوس بنی امیہ کے نہر ابی فطرس کے کنارے ایک دستر خوان پر بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا۔ اتفاقاً شبل بن عبداللہ بنو ہاشم کا آزاد غلام آگیا۔ بنو امیہ کو اس عزت و احترام سے دیکھ کے فی البدیہہ شعر پڑھے جن میں ہاشمیوں کا بدلہ بنو امیہ سے لینے کی ترغیب دلائی گئی تھی۔ ان اشعار کے سننے سے عبداللہ بن علی کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں۔ خادموں کو حکم دیا کہ ان جان باختہ بدبختوں کو مار مار کر فرش کر دو۔ خادموں نے ایسا ہی کیا۔ پس جب

وہ سب کے سب بدحواس ہوکے زمین پر لیٹنے لٹنے لیٹ گئے۔ تو انکے اوپر دسترخوان بچھا کے دوبارہ کھانا چنا گیا۔ عبداللہ بن علی مع اپنے ہمراہیوں کے کھانا کھانے لگا۔ اور ان زخمیوں کے کراہنے کی آواز برابر آرہی تھی۔ یہانتک کہ مر گئے بعض نے کہا ہے کہ یہ واقعہ سفاح کے سامنے گذرا ہے۔ اس واقعہ کے بعد بنی امیہ کے ایک ایک گروہ کو قتل کرکے لاشوں کو راستوں میں پھنکوا دیا جسکو درندے کھاتے رہے۔ بنی امیہ کی قبریں کھدوائی گئیں جن میں راکھ کے سوا کچھ نہ نکلا۔ معاویہ بن ابی سفیان کی قبر میں ایک موہوم سا خط نکلا عبدالملک کی قبر سے ایک کھوپڑی برآمد ہوئی۔ اور کسی کسی قبر میں بعض اعضا ملے۔ مگر ہشام بن عبدالملک کا لاشہ جیوں کا تیوں نکلا۔ صرف ناک کی اونچائی جاتی رہی تھی۔ نعش پر کوڑے لگوا کے صلیب پر چڑھا یا اور پھر اُسکو جلا کے راکھ کو ہوا میں اُڑا دیا۔ اس عام خونریزی سے بنوامیہ کا کوئی متنفس جانبر نہ ہوسکا سوائے شیرخوار بچوں اور اُن لوگوں کے جو اندلس کی طرف بھاگ گئے تھے۔ ان واقعات کے بعد بنوامیہ کے بعض ہواخواہوں اور سپہ سالاروں نے سفاح پر خروج کیا۔ اور انہوں نے سفید کپڑے پہنے اور سفید ہی رایات (پھریرے) نصب کئے۔ جو شعار عباسیہ کے خلاف تھا۔ اسلئے انکو کتب تواریخ عربی میں **مبیضہ** اور کتب فارسی میں **سفید جامگان** اور کتب اردو میں **سفید پوشاں** کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ غرضکہ ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں اپنی حکومت سے ۴ برس آٹھ مہینے کے بعد ابوالعباس انتقال کر گیا۔ اپنی موت سے پہلے اپنے بھائی **ابوجعفر منصور دوانقی** کی خلافت کے لئے وصیت کی تھی۔ فرقہ عباسیہ صرف منصور عباسی ہی تک اس خاندان میں امامت کا قائل ہے۔ مگر جتنے علوی فرقے تھے۔ وہ اس بات کا انکار ہی کرتے رہے کہ خلافت کا حق کسی طرح بنی عباس یا کسی اور کو نہیں پہنچ سکتا۔ اُنکا یہ قول تھا کہ ہرگز ابوہاشم محمد بن حنفیہ تک خلافت نہیں پہنچی نہ تو وصیت کے ذریعہ سے نہ کسی اور طریقے سے جس زمانے میں سفاح نے

اپنے خلیفہ ہونے پر عوام الناس سے بیعت لی۔ اسوقت تک اسلامی لشکر کو یہی خیال تھا کہ یہ مسند عظیم علویوں ہی کا حق ہے۔ اور وہ مرتبہ غلو جو نصیریوں کو ہے اُس سے اجتناب کرتے تھے۔ اس سبب سے جہاں سفاح نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی سلطنت کی چولوں کو مضبوط کروں۔ اور اپنی شوکت شاہانہ کو قوی کروں تاکہ کسی طرح میرے بعد امام مہدی تک یہ حق سلطنت میری اولاد کے سوا کسی اور کو نہ ملے۔ وہاں اُسکے بھائی ابوجعفر منصور نے خلیفہ بنتے ہی یہ ارادہ کر لیا کہ جہانتک ہو سکے علویوں کو تباہ و ذلیل کر دوں۔ ایسا نہ ہو کہ میری سلطنت میں مزاحمت کریں۔

فرقۂ اسماعیلیہ

ان کا اعتقاد ہے کہ امام بعد وفات جعفر صادق کے انکے پسر کلاں حضرت اسماعیل ہیں۔ جو اسماعیل الاعرج کر کے معروف ہیں۔ اسواسطے کہ امام جعفر نے انکی امامت کے لئے کہدیا تھا۔ کہ ان ہذا الامر فی الاکبر مالم یکن به عاہۃ۔ اور سب اولاد امام جعفر میں وہ نجیب بھی ہیں۔ اسلئے کہ انکی ماں جنکا نام فاطمہ ہے حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کی بیٹی ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں خواجہ عطاء الملک جوینی کی جہانکشا سے نقل کیا ہے کہ امام جعفر صادق نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو ولی عہد بنایا تھا۔ جب انہوں نے شراب پی لی۔ تو انکو معزول کر کے حضرت موسیٰ کاظم کو ولی عہد بنایا۔ لیکن روایت صحیح یہ ہے۔ کہ حضرت اسماعیل جنکی کنیت ابو محمد ہے۔ امام جعفر کے سامنے عریض میں کہ مدینے میں ایک وادی ہے۔ جہاں اہل مدینے کے اونٹ چرتے ہیں مر گئے تھے۔ اور وہاں سے انکی لاش مدینے میں لائی گئی۔ اور ۱۳۳ھ میں بقیع الغرقد میں جو مدینے کا ایک

سلہ دیکھو منتہی الارب فی لغات العرب۔

اور والد انکے بیس برس تک زندہ رہے کشف الغمہ
قبرستان ہے مدفون ہوئے تھے۔ اور والد انکے بیس برس تک زندہ رہے
فی معرفۃ الائمہ میں مذکور ہے۔ کہ اسماعیل امام جعفر صادق کی ساری اولاد میں بڑے
تھے۔ اور انکے ساتھ امام موصوف کو بیحد محبت تھی۔ اسلئے اکثر شیعہ کو یہ خیال
تھا۔ کہ بعد باپ کے یہی امام ہونگے۔ کیونکہ سب اولاد میں یہ بڑے بھی تھے
اور باپ کو ان سے محبت بھی زیادہ تھی۔ اور انکی تکریم بھی کرتے تھے۔ مگر جب وہ
اپنے باپ کی حیات میں مقام عریض میں انتقال کرکے بقیع میں مدفون ہوگئے
تو ان شیعہ نے انکی امامت کے خیال کو دل سے دفع کردیا۔ مگر بعض ایسے شیعہ جنکو
امام جعفر صادق سے کچھ خصوصیت نہ تھی۔ اور نہ اُنکے راوی تھے۔ بلکہ دور دراز
مقامات پر رہا کرتے تھے اُنکو یہی گمان رہا کہ اسماعیل ابھی زندہ ہیں۔ جب امام
جعفر نے انتقال کیا۔ تو شیعہ کے تین گروہ ہوگئے ایک گروہ نے امام موسی کاظم کی
امامت کو مان لیا دوسرے نے جان لیا۔ کہ حضرت اسماعیل زندہ نہیں ضرور
مرگئے ہیں۔ مگر انکے فرزند محمد امام ہیں۔ اسلئے کہ امامت اُنکے باپ میں تھی۔
اور بیٹا بمقابلہ بھائی کے زیادہ حقدار ہے۔ تیسرا گروہ حضرت اسماعیل کی
حیات کا مستقر رہا۔ پس یہ پچھلے دونوں فرقے اسماعیلیہ کہلاتے ہیں۔ اور پہلا
فرقہ امامیہ میں شمار ہوتا ہے۔ اسماعیلیہ کہتے ہیں۔ کہ امامت اسماعیل کی اولاد میں
قیامت تک بنی رہیگی۔ یہ اسماعیلیہ بھی امام کے بعد موت کے دنیا میں لوٹ آنے
کے قائل ہیں۔ انکا قول ہے۔ کہ ایک جزو الہی نے ائمہ میں حلول کیا ہے حضرت
علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے بعد ائمہ بطریق وجوب مستحق امامت ہیں۔
جس طرح آدم علیہ السلام سجود ملائکہ کے مستحق تھے۔ یہی عقیدہ فاطمیین کا بلاد

[1] عمدۃ المطالب میں مرقوم ہے وتوفی حیوۃ ابیہ بالعریض وحمل علی رقاب الرجال
الی البقیع فدفن بہ سنۃ ثلث وثلثین ومائۃ قبل وفات الصادق بعشرین
سنۃ کذا قال ابو القاسم بن خداع نسابۃ المصریین اور مرات جہاں نما
میں لکھا ہے کہ اسماعیل اپنے باپ سے ۵ سال قبل فوت ہوئے ہیں ۱۲ منہ

مصر میں تھا۔ اور اسماعیلیہ کا زعم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالے قادر و مختار نہیں ہے
وہ جب کسی چیز کو پسند کرتا ہے۔ تو وہ اُسکے بے اختیار موجود ہو جاتی ہے۔ جیسے
سورج سے شعاع بے اختیار نکلنے لگتی ہے۔ اور نہ اللہ تعالے صاحب ارادہ ہے بلکہ
جو کچھ اس سے صادر ہوتا ہے۔ وہ اُسکی ذات کو لازم ہے۔ جیسے آگ کو گرمی اور
آفتاب کو روشنی اور اسماعیلیہ کے نزدیک ائمہ میں عصمت کا ہونا شرط ہے۔ یہی
مذہب امامیہ کا ہے[1]۔ اور اسماعیلیہ کے نزدیک امام کا مقرر کرنا اللہ پر واجب ہے
اور اس وجوب کے ثبوت پر عقل دلالت کرتی ہے۔ اور وہ اس غرض سے مقرر
ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالے کی ذات و صفات کی شناخت کرائے۔ اور جو باتیں اللہ
کے حق میں جائز و واجب ہے۔ اور جو اُسکے حق میں محال ہیں سب کی پہچان
بتائے۔ اور معرفت الہی کی تعلیم فرمائے۔ کیونکہ انکے نزدیک بغیر کسی معلم کے اللہ کی
معرفت ناممکن ہے۔ اسماعیلیہ کو بابکیہ بھی کہا کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ بابک نام
ایک عجمی آدمی تھا۔ اُس نے جب زمانہ معتصم باللہ بن ہارون الرشید میں سنہ ۲۲۰ھ
میں آذربائیجان میں خروج کیا تھا۔ اور اہل اصفہان و ہمدان نے اُسکی متابعت
کر لی تھی۔ تو اس فرقے کے بھی بہت سے آدمی اُسکے شریک و معاون ہو گئے تھے۔
اور اُسکو بابک خرم دین کہتے تھے۔ اس لئے کہ اُس نے اس دین کا اختراع کیا
تھا۔ تناسخ اور اباحت کا قائل تھا۔ اور اُسکے اصحاب کو خرمیہ بولتے تھے۔ خرم کے
معنی فرخ کے ہیں۔ اسکا مذہب یہ تھا۔ کہ آدمی اپنی ماں بہن بیٹی کے ساتھ نکاح کرنیکا
مجاز ہے۔ اسی سلئے اس نے اپنے دین کا نام خرم دین یعنی دین فرخ رکھا تھا
اور چونکہ محرمات کو حلال کر دیا تھا اسلئے اسکے فرقہ کو خرمیہ دہائے حطی کے کسرے
اور رائے مہملہ کے سکون سے بھی کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں اس لفظ کی جگہ جرمیہ
جیم کے فتحہ اور رائے مہملہ کے سکون سے آیا ہے۔ خرمیہ مذہب تناسخ کے معتقد تھے

---

[1] دیکھو مطالع الانظار مولفہ ابوالثنا شمس الدین بن محمود اصفہانی ۱۲ [2] بابک خرم دین مروج مذہب مزدکی ہوا
جلد دوم ناسخ التواریخ حالات المعتصم صفحہ ۲۰۳ [3] بعض نسخوں میں حرمیہ بحائے مہملہ مفتوح ۱۲

کہتے تھے۔ ارواح حیوان سے غیر حیوان کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ بابک جاویدان[1]
بن سہل رئیس بذ کی صحبت میں رہتا تھا۔ اسکے انتقال کے بعد بابک نے
یہ دعوے کیا۔ کہ جاویدان کی روح مجھ میں داخل ہوئی ہے۔ اور خرمیہ باطنیہ کا
بھی ایک لقب تھے[2] خلیفہ نے حیدر بن کاؤس معروف بہ افشین کو اس سے جنگ
کے لئے مامور کیا جسکی کوشش سے بابک مغلوب ہو کر ۲۲۳ھ میں مارا گیا[3]
اور اسماعیلیہ کا لقب محمرہ بھی ہے۔ اور اس لقب کی وجہ یا تو یہ ہے کہ انہوں
نے بابک کی معیت میں سرخ لباس پہننا اختیار کیا تھا یا جو مسلمان ان سے
مخالف تھے مذہب و اعتقاد میں انہیں حمیر[4] کہا کرتے تھے[5] اسماعیلیہ تعلیمیہ
بھی کہلاتے ہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے۔ کہ انکے نزدیک کسی شخص کو اللہ کی معرفت
بغیر تعلیم امام کے حاصل نہیں ہوسکتی ہر ایک شخص امام کی تعلیم سے اللہ کو پہچانتا ہے
نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض میں آیا ہے۔ کہ اسماعیلیہ معطلہ میں سے ہیں
اور معطلہ وہ لوگ ہیں جو الوہیت اور رسالت اور احکام کے منکر ہیں
اسماعیلیہ کے کئی فرقے ہیں جن میں قدر مشترک یہ ہے۔ کہ بعد حضرت جعفر
صادق کے حضرت اسماعیل امام ہیں۔
ایک مبارکیہ یہ منسوب ہیں مبارک کی طرف اور وہ محمد بن اسماعیل
بن امام جعفر صادق کا غلام تھا۔ اور خوشنویسی اور نقش و نگار اور منبتکاری میں
سر آمد روزگار تھا۔ بعد انتقال اسماعیل اور محمد بن اسماعیل کے اُس نے
کوفے میں جا کر شیعوں کو مذہب اسماعیلیہ کی ترغیب دی۔ اور اپنے پیروؤں کا نام مبارکیہ
رکھا۔ انکے نزدیک بعد اسماعیل کے محمد بن اسماعیل امام ہیں۔ اور محمد کو یہ لوگ
خاتم الائمہ جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں وہی قائم منتظر اور مہدی موعود ہیں۔ اس

[1] عقائد کے فن میں ایک کتاب ... اول و آخر سے ناقص ہماری نظر سے گذری اسکی عبارت یہ ہے
شرذمة من طوائف الملاحدة الباطنية تقول بمعتقد هو التناسخ كما ظهرت الخرمية اصحاب الجنة [illegible] التناسخ [illegible] الباطنية ۱۲
[2] دیکھو انجمن آرائے ناصری میں لغت بابک ۱۲ [3] دیکھو شرح مواقف ۱۲ [4] [illegible] [5] دیکھو اعتقاد ۱۲

فرقے کا ظہور ۲۵۹ھ میں ہوا۔ اور بعض اس فرقے کو قرامطہ بھی کہتے ہیں
اسلئے کہ مبارک کا لقب قرمط تھا۔ اور تحقیق اسکی میں آگے چلکر بیان کرونگا۔
دوسرا میمونیہ۔ یہ لوگ عبد اللہ بن میمون قداح اہوازی کے متبع ہیں
مرآت جہان نما میں محمد شفیع کا بیان ہے کہ امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے
کہ عبد اللہ بن میمون قداح اہوازی امام جعفر صادق اور انکے بیٹے اسماعیل کی
خدمت میں رہتا تھا۔ اسماعیل کے انتقال کے بعد انکے بیٹے محمد کے پاس رہنے
لگا۔ محمد کے ساتھ مصر کو بھی گیا۔ محمد نے انتقال کیا۔ تو کوئی بیٹا نہ چھوڑا مگر انکی
کنیز کو حمل تھا۔ ابن میمون نے اس کنیز کو مار ڈالا۔ ابن میمون کی کنیز بھی حمل سے
تھی۔ جب اسکے بیٹا پیدا ہوا۔ تو یہ مشہور کر دیا کہ یہ محمد کا بیٹا ہے۔ اور بعد محمد کے
یہی امام ہے۔ صواعق محرقہ میں مذکور ہے کہ ابن میمون فنون شعبدہ و سحر و طلسمات
خوب جانتا تھا۔ محمد بن اسماعیل کے غلام مبارک کی صحبت میں مدتوں رہا تھا
جب مبارک اسکی صلاح سے کوفے میں جا کر داعی مذہب اسماعیلیہ کا ہوا۔ تو
ابن میمون کوہستان عراق میں پھر شہر بصرہ میں گیا۔ اور وہاں کے لوگوں کو بزور
طلسمات و نیرنجات اپنا معتقد کرکے میمونیہ انکا نام رکھا۔ اور اپنے نائب جابجا روانہ
کئے۔ انکا عقیدہ یہ تھا۔ کہ قرآن و حدیث کے ظاہری مضمون پر عمل کرنا حرام ہے
اور حشر کا اور جزا و سزا کا بھی منکر تھا۔ اور اسی نے اول طریقہ باطنی نکالا تھا
کہ نصوص قرآن و حدیث کے باطن پر عمل کرنا فرض ہے۔ نہ انکے ظواہر پر اسلئے
اس فرقے کو باطنیہ بھی کہا کرتے ہیں۔ جب اس نے عراق کے کوہستانیوں کو معتقد
کر لیا۔ تو خلف نامی ایک شخص کو اپنا نائب کرکے خراسان اور قم اور کاشان اور
طبرستان کی طرف بھیجا تھا۔ خلف نے وہاں کے لوگوں کو مذہب میمونیہ کی طرف
دعوت کی۔ اور کہا کہ اہل بیت کا یہی مذہب ہے مسلمانوں نے اپنی طرف سے مذہب
تراش لئے ہیں۔ [illegible] اور شرعیات کی تنگی میں پھنس گئے ہیں۔ لہذا تم لوگ اس
مذہب سے محروم رہ گئے ہیں۔ اس نے نشاپور کے بعض مقامات میں سکونت

اختیار کر لی۔ جب رؤسائے اہل سنت کو خلف کی باتوں کی خبر پہنچی تو اسکے
قتل کی فکر کی۔ وہ چھپا ہوا رے کی طرف چلا گیا۔ اور وہاں کے لوگوں کو اس مذہب
میں لانے لگا۔ خلف کے انتقال کے بعد احمد نام اسکا بیٹا باپ کا جانشین ہوا
اس نے غیاث نامی ایک شخص کو جو نہایت فصیح و بلیغ اور شاعر اور چالاک تھا
اپنا نائب بنایا اور عراق کی طرف بھیجا۔ اس شخص نے پہلے پہل ایک کتاب معہود
مذہب باطنیہ میں تصنیف کر کے اسکا نام بیان رکھا۔ غیاث نے اس کتاب میں
وضو نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ احکام کے معانی نہایت دلکش عبارتوں میں بطور
باطنیہ کے بیان کر کے انپر لغت سے شواہد قائم کئے ہیں۔ اس کتاب میں کہتا ہے
کہ شارع کی یہی مراد ہے۔ اور جو کچھ عوام نے سمجھا ہے بالکل غلط ہے۔ اسکے زمانہ
میں مذہب باطنیہ کو بڑی رونق ہو گئی تھی۔ آدمیوں کو یہ نئی روش جس میں کلام
بیباکی تھی بہت پسند آئی ہزاروں جاہل اُسکے معتقد ہو گئے۔ اور دور دراز
ملکوں سے اُسکے پاس لوگ آکر جمع ہو گئے یہ واقعہ ۲۰۰؁ھ کا ہے۔ اس وقت
میں فلسفہ اور الحاد مل گیا۔ غیاث اسی کارروائی میں تھا۔ کہ کسی نے اُسکو خبر دی
کہ رؤسا اہل سنت نے تیرے قتل کے لئے فکر کی ہے۔ یہ سنکر غیاث مروشاہجہان
کو بھاگ گیا۔ اور وہاں چھپکر اپنے کام میں مشغول رہا۔ مدت کے بعد پھر رے کو
گیا۔ اور اہل سنت کے خوف سے دوبارہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ اور راستے میں
عبد اللہ بن میمون قداح یہ خبر سنکر از حد اندوہگین ہوا اور اسی غم میں مرگیا۔

تیسرا خلفیہ۔ صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔ کہ یہ فرقہ خلف کا متبع ہے۔
عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ قرآن اور احادیث میں نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ
ذکر ہے یہ سب اپنے اصلی معانی لغوی پر محمول ہیں یعنی جو کچھ انکے معانی لغت
سے سمجھے جاتے ہیں وہی شارع کی مراد ہیں۔ کوئی اور معانی انکے مراد نہیں
قیامت اور بہشت و دوزخ کے منکر ہیں

چوتھا قرامطہ۔ غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے۔ کہ یہ کہتے ہیں۔ محمد

اسماعیل بن جعفر موافق وصیت اپنے باپ کے امام ہیں۔ اور محمد انہیں کے بیٹے ہیں
وہی مہدی ہیں۔ اور زندہ ہیں۔ تاریخ ابوالفدا میں لکھا ہے کہ رئیس اور
پیشوا اس فرقے کا جس نے انکی دعوت اپنے مذہب کی طرف کی تھی۔ کوفے کے
علاقے میں ایک مقام پر بیمار ہوگیا۔ وہاں کا ایک آدمی اُسے اپنے مکان پہلے
گیا جسے بسبب سرخی چشم کے کرمیتہ کہا کرتے تھے۔ کہ گنواروں کی زبان میں یہ
سرخی چشم کے معنی میں ہے۔ جب شیخ قرامطہ کو آرام ہوا۔ تو یہ بھی اسی شخص کے
نام سے مشہور ہوگیا۔ پھر مخفف و معرب کر کے قرمطہ کہنے لگے۔ اور علامہ ابن خلدون
نے کہا ہے۔ کہ فرقہ قرامطہ کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے۔ کہ ایک شخص کوفے کے
ضلع میں ۲۷۰ھ میں ظاہر ہوا۔ جو نہایت زہد و ورع میں مشہور تھا اُسے قرمط
کہا کرتے تھے۔ اس وجہ سے کہ وہ ایک بیل پر سوار ہوتا تھا۔ جس بیل کے مالک
کو کرمیتہ کہتے تھے۔ پس قرمط اسی لفظ کرمیتہ کا معرب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں
کہ فرقہ قرامطہ کے سرغنہ کا نام حمدان اشعث اور لقب قرمط ہے۔ اور حمدان کو
قرمط اس لیے کہتے ہیں۔ کہ کوتاہ پا تھا۔ چلنے میں قریب قریب قدم رکھتا تھا
تاج اللغات میں لکھا ہے۔ کہ قرمطیط زنجبیل کے وزن پر اس شخص کو کہتے ہیں
جو قریب قریب قدم رکھے۔ اور صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔ کہ فرقہ قرمطیہ
جس شخص کی طرف منسوب ہے۔ اسکا نام حمدان بن قرمط ہے۔ اور بعض کہتے
ہیں۔ کہ قرمط ایک جگہ کا نام ہے۔ واسط کے علاقے میں جہاں حمدان رہا کرتا تھا
نسیم الریاض میں مذکور ہے کہ قرامطہ کا پیشوا احمد بن قرمط ہے۔ جو واسط کے علاقے
کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اسکی آنکھیں اور بشرہ نہایت سرخ تھا اسلئے
کرمیتہ گاف فارسی سے مشہور ہوگیا۔ جسکے معنی فارسی میں سرخی کے ہیں۔ پس
اس لفظ کرمیتہ میں تخفیف و تحریف ہوکر قرمط ہوگیا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ لفظ
عربی الاصل ہے۔ قرمط البعیر سے نکلا ہے۔ جب اونٹ قریب قریب قدم رکھتا ہے
تو کہتے ہیں قرمط البعیر۔ اور روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ چونکہ قرامطہ کا ایک رئیس

ابتدائے ظہور اس مذہب میں اپنے خط کو مقرمط یعنی گنجان اور باریک لکھا کرتا
تھا اسلیے اُس گروہ کو قرامطہ کہنے لگے۔ تاج اللغات میں مذکور ہے کہ قرمطۃ
خفی طور پر اور گنجان لکھنے کو کہتے ہیں۔ صاحب نہایہ نے کہا ہے کہ حضرت علی کے
قول فرج ما بین السطور و قرمط بین الحروف یعنی بین السطور میں کشادگی رکھو
اور حروف کو گنجان کر دو اور لکھو۔ اس شخص نے اپنے متبعین کا نام قرامطہ رکھا تھا
اور یہ لقب اُسکے ماننے والوں پر اتنا غالب و رائج ہو گیا۔ کہ پھر کوئی مبارکیہ کو
قرامطہ نہیں کہتا تھا۔ صرف اُسی کے پیرووں کو قرامطہ کہا کرتے تھے۔ و الا قرامطہ
لقب سابق سے مبارکیہ کا ہے۔ اسلیے کہ مبارک کا بھی یہ لقب تھا۔ قرمطیہ یا قرمطا
لوگوں کو اس بات کی دعوت کرتا تھا کہ اہل بیت میں امام منتظر یعنی مہدی موعود
ہیں۔ تم انکی اطاعت کرو۔ عباس نے اسکی متابعت کر لی۔ ہیصم نے کہ کوفے کا حاکم
تھا۔ قرمط کو پکڑ کر قید کر دیا تھا۔ مگر کسی ترکیب سے قید خانے سے نکل گیا اور لوگوں
پر ظاہر کیا کہ مجھے قید بند نہیں روک سکتی ہے۔ اور کہتا تھا میں وہی ہوں۔
جسکی بشارت احمد بن محمد بن حنفیہ نے دی تھی۔ اور ایک تحریر لایا تھا جسکی نقلیں
قرامطہ نے مذہبی عقیدت سے لی تھیں۔ جس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد
یہ مضمون لکھا تھا۔ کہتا ہے فرج بن عثمان! وہ رہنے والا قریہ نصرانہ کا ہے۔ کہ
وہ داعی ہے مسیح کا اور وہ مسیح عیسیٰ ہے اور وہی عیسیٰ کلمہ ہے۔ وہی مہدی ہے
اور وہ مسیح احمد بن محمد بن حنفیہ ہے۔ اور وہی جبریل ہے۔ اور تحقیق مسیح انسان کی
صورت بن گیا۔ اور کہا تحقیق تو ہی بلانے والا ہے۔ تو ہی حجت ہے اور تو ہی ناقہ ہے اور تو ہی
دابہ ہے۔ اور تو ہی یحییٰ بن زکریا ہے۔ اور تو ہی روح القدس ہے۔ اور اُسکو
بتایا کہ نماز چار رکعت ہیں۔ دو رکعت طلوع شمس کے قبل اور دو رکعت غروب
آفتاب کے قبل۔ اور اذان ہر نماز میں یوں دینا چاہیے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر
اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان آدم رسول اللہ۔ اشہد ان نوحا
رسول اللہ۔ اشہد ان ابراہیم رسول اللہ۔ اشہد ان عیسیٰ رسول اللہ۔ اشہد ان

محمد الرسول اللہ اشہد ان احمد بن محمد بن الحنفیۃ رسول اللہ اور قبلہ بیت المقدس
کی طرف ہے۔ اور جمعہ دو شنبے کا دن ہے۔ اُس دن کوئی کام نکرنا چاہئے۔ اور ہر ایک
رکعت میں استفتاح پڑھنا چاہئے۔ جو احمد بن محمد بن حنفیہ پر نازل ہوئی بعد
اسکے رکوع میں جانا چاہئے۔ اور وہ صورت یہ ہے الحمد للہ بکلمتہ وتعالی باسمہ
المجید لاولیائہ باولیائہ قل ان الاہلۃ مواقیت للناس ظاہرہا لیعلم
عدد السنین والحساب والشہور والایام وباطنہا لاولیائی الذین عرفوا
عبادی سبیلی واتقونی یا اولی الباب وانا الذی لا اسئل عما افعل وانا العلیم
الحلیم وانا الذی ابلو عبادی وامتحن خلقی فمن صبر علی بلائی ومحبتی واختیاری
ادخلتہ فی جنتہ وادخلتہ فی نعمتی ومن زال عن امری وکذب
رسلی ادخلتہ مہانا فی عذابی واتممت اجلی واظہرت امری
علی السنۃ رسلی وانا الذی لم یعل جبار الا وضعتہ ولا عزیز الا
ذللتہ وبئس الذی اصر علی امرہ ودام علی جہالتہ وقالوا لن نبرح
علیہ عاکفین وبہ موقنین اولئک ہم الکافرون ؀ یعنی تمام تعریفیں اللہ
کے لئے ثابت ہیں ساتھ کلمے اُسکے کے اور برتر ہے ساتھ نام اپنے کے اور قوت دینے
والا ہے۔ اپنے دوستوں کو ساتھ دوستوں اپنے کے توکہہ ہلال وقت ٹھیرے ہیں
واسطے لوگوں کے ظاہر میں اُن سے معلوم ہوتی ہے تعداد برسوں اور حساب
اور مہینوں اور دنوں کی اور باطن ہلالوں کا میرے دوستوں کے لئے ہے ایسے
دوست جنہوں نے میرے بندوں کو میری راہ بتلائی ہے۔ اور ڈرو تم مجھ سے
اے صاحبان عقل اور میں وہ ہوں۔ کہ نہیں سوال کیا جاؤنگا اس چیز سے
جو میں کرونگا۔ اور میں عالم ہوں۔ بردبار ہوں۔ اور میں وہ ہوں۔ کہ مبتلا کرتا
ہوں اپنے بندوں کو اور امتحان کرتا ہوں اپنی مخلوق کا جو صبر کریگا میری بلا
اور میری محبت اور میرے اختیار پر داخل کرونگا۔ اُسے میں جنت میں اور ہمیشہ
رکھونگا اُسکو اپنی نعمت میں اور جس نے میرے حکم سے سرتابی کی اور میرے رسولوں کو

جھٹلایا میں اُسکو ہمیشہ اپنے عذاب میں ذلیل رکھونگا۔ اور اپنی اجل کو میں نے تمام کر دیا ہے۔ اور میں نے اپنے امر کو رسولوں کی زبان سے ظاہر کر دیا ہے۔ اور میں وہ ہوں کہ نہیں تعلی کریگا کوئی سرکش مگر پست کر دونگا میں اُسے اور نہ کوئی زبردست مگر ذلیل کر دونگا اُسے اور وہ آدمی برا ہے جو اپنے کام پر اصرار کرے اور اپنی جہالت پہ جما ہے۔ اور یہ بات کہے کہ ہم اُس کام پہ ٹھیرے رہینگے۔

اس تحریر میں جس فرج کا ذکر ہے۔ یہ فرج قرامطہ کا داعی ہے۔ تاریخ ابو الفدا میں اس کے باپ کا نام عثمان لکھا ہے۔ اور ابن خلدون نے یحییٰ کا بیٹا بتایا ہے فرج کو قرامطہ زکرویہ بن مہرویہ کہا کرتے تھے۔ یہ ۲۹۴ھ میں لشکر بغداد کے ہاتھ سے مارا گیا جسکی تفصیل یہ ہے کہ اس نے اپنی جماعت کے ساتھ عراق کے راستے میں حاجیوں کو پکڑ کر قتل کرایا اُنکا مال واسباب لوٹ لیا۔ مکتفی خلیفہ بغداد نے قرامطہ کی سرکوبی کے لیے لشکر بھیجا جس نے اُسکو مار کر بھگا دیا۔ زکرویہ زخمی ہوا اور سات دن کے بعد مر گیا۔ اسکا سر بغداد میں تشہیر کرایا گیا۔ قرمط نے اپنا نام قائم بالحق رکھا تھا۔ بعض آدمیوں کا خیال یہ ہے کہ قرمطہ فرقہ ازارقہ کی رائے کو جو خوارج کا ایک گروہ ہے پسند کرتا تھا۔ بہر صورت اول اول قرمطہ نے جنگل کے رہنے والوں کو جو بے علم بے عقل نیم وحشی تھے اپنے مذہب کی طرف بلانا شروع کیا۔ وہ لوگ اُسکی متابعت میں آگئے۔ اور پھر اُسکے پیرووں کی جماعت بڑھنے لگی۔ اسکے پیرو اپنے قول کو علم باطن کہتے ہیں۔ شرایع اسلامیہ کی تاویل کرتے ہیں ظاہر سے اپنے امور موہومہ کی طرف پھیرتے ہیں۔ آیات قرآن کو مادل بتاتے ہیں اور یہ لوگ حرام چیزوں کو مباح جانتے ہیں۔ ابو الفدا میں لکھا ہے کہ شیخ قرامطہ کی شرایع میں سے یہ بات تھی کہ نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال بتاتا تھا۔ اور جنابت یعنی ناپاکی کے بعد غسل کرنا اُسکے نزدیک ضروری نہ تھا۔ صرف وضو کر لینا کافی سمجھتا تھا۔ اور اس نے حلال کیا تھا گوشت نیش والے درندے کا جو شکار کرتا ہوا اپنے نیش سے اور اُن طائر پنجہ گیر چنگل والے کا جو شکار کرتے ہوں اپنے چنگل یعنی

ناخن ہے جو فی الحقیقت حرام ہیں۔ اور پارسیوں کے دو دنوں میں انہوں نے روزہ رکھنا تجویز کیا تھا۔ ایک نوروز کے دن دوسرے مہرگان کے دن کہ وہ نام ہے ۱۶ مہر کی سولہویں تاریخ کا۔ نسیم الریاض سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرامطہ کو اباحیہ بھی کہتے ہیں ۲۹۰ھ میں قرامطہ کی شوکت ایسی بڑھ گئی۔ کہ انہوں نے دمشق کو گھیر لیا۔ مگر اطراف کے لشکر نے جمع ہو کر انکے سردار و پیشوا یحییٰ نامی کو قتل کر ڈالا جب یہ مارا گیا۔ تو اسکا بھائی حسین جانشین ہوا جب اسکی قوت بہت بڑھ گئی تو اہل دمشق نے کچھ مال اسکو دیکر صلح کر لی۔ پھر اس نے حمص پر چڑھائی کی۔ اور اسپر غالب آیا۔ اور اپنا خطبہ ممبروں پر پڑھوایا۔ اور اسکا لقب امیر المومنین مہدی مقرر ہوا اور اپنے چچا کے بیٹے کو اس نے اپنا ولیعہد مقرر کر کے اسکا لقب مدثر رکھا۔ اور کہا کہ یہ وہی مدثر ہے جسکا ذکر قرآن میں ہے۔ پھر حماۃ اور معرہ وغیرہ پر یورش کی۔ اور وہاں اتنا قتل عام کرایا۔ کہ عورتوں اور بچوں کو بھی نہیں چھوڑا پھر سلمیہ گیا۔ اور اسکو بے جنگ و جدل قبضے میں لا کر رعایا کو مع مکتب کے لڑکوں کے جلا دیا۔ جب اسکی حکومت بہت قوی ہو گئی۔ تو مکتفی خلیفہ بغداد نے تیاری کر کے اسکے استیصال کے لئے خود بغداد سے حرکت کی۔ اور رقہ میں ٹھیر گیا قرامطہ کے پیچھے لشکر کو بھیجا۔ ۲۴ محرم ۲۹۱ھ کو قرمطیوں اور بغدادیوں سے حماۃ سے دس کوس کے فاصلے پر جنگ ہوئی۔ قرامطہ کو شکست ہوئی۔ حسین اور اسکا چچا زاد بھائی مدثر خلیفہ کے حضور میں گرفتار ہو کے آئے۔ خلیفہ نے دونوں کی گردن مروا دی۔ اور حسین کا سر تشہیر کرایا۔ اسکے بعد زکرویہ بن مہرویہ نے قرامطہ کی سرغنائی کی۔ ۳ سال کے بعد ۲۹۴ھ میں مکتفی کے ہاتھ سے اسکی تمام شوکت برباد ہو کر خود بھی مارا گیا۔ صناجتہ الطرب میں لکھا ہے۔ کہ قرامطہ نے اپنے پھریرے کا رنگ سفید رکھا تھا

نزہتہ المجالس میں لکھا ہے۔ کہ ۲۹۳ھ کو صنعائے یمن میں ایک شخص ملحد داخل ہوا۔ اسکا نام علی بن فضل تھا۔ یہ شخص یمنی تھا۔ نسب اسکا خنفری تھا

اخنعفر بن سبا الاصغر کی اولاد میں سے تھا اس زمانے میں صنعا یمن کا حاکم
ملتفی بن معتضد عباسی کی طرف سے اسعد بن ابی یعفر تھا یہ قرمطی نہایت بد
مذہب تھا اسکو نبوت کا دعوے تھا اسکی مجلس میں ایک شخص پکار کر کہتا
اشہد ان علی بن الفضل رسول اللہ اس نے اپنے اصحاب کے لئے شراب پینا
اور بیٹیوں کے ساتھ نکاح کرنا مباح کر دیا تھا اور جب اپنے کسی معتقد کو تحریر کرتا
تو عنوان تحریر کا یوں ہوتا من باسط الارض وداحیہا ومزلزل الجبال ومرسیہا
علی بن الفضل الی عبدہ فلاں یعنی یہ تحریر ہے زمین کے پھیلانے والے اور
ہانکنے والے اور پہاڑوں کے ہلانے والے اور ٹھیرانے والے علی پسر فضل کی
جانب سے فلاں بندے کے نام اس نے اپنے مذہب میں تمام حرام چیزوں کو
حلال کر دیا تھا بعض اشراف بغداد نے اسکی ہلاکت کی فکر کی اور ۳۰۳ھ میں
زہر دیکر مار ڈالا۔

تاریخ فرشتہ میں سلطان علاءالدین کے حالات میں لکھا ہے کہ اُسکے
عہد میں دہلی میں آدمیوں کا ایک گروہ جمع ہوا جو اباحیہ تھے انکی عادت تھی
کہ سال میں ایک مرتبہ رات کو سب ایک جگہ جمع ہوتے اپنی ماں بہنوں
بیٹیوں اور کل محرمات کو جمع کرتے اور جسکا جی چاہتا وہ اُس عورت سے
مباشرت کرتا سلطان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُنکو پکڑوا کر آرے سے
چروا ڈالا اور اُنکا نام ونشان باقی نرہا

تاریخ الخلفا میں سیوطی نے اور طبقات دول اسلام میں ذہبی نے
۳۰۹ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ خلیفہ مقتدر عباسی کے عہد میں حسین بن
منصور حلاج کو اونٹ پر سوار کرا کر تشہیر کیا پھر اُسے لٹکا کر منادی کرائی
گئی کہ یہ فرقہ قرامطہ کا داعی ہے اور قید کر دیا یہانتک کہ ۳۰۹ھ میں قتل
کر ڈالا اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہوئی کہ یہ الوہیت کا مدعی تھا اور حلول کا
قائل تھا وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے حلاج کے حال میں لکھا ہے

کہ ماہ ذیقعدہ ۳۰۹ھ میں وزیر نے حلاج کے قتل کا حکم دیا۔ تو جیل خانے سے
اُسے نکال کر باب اسطاق کے پاس لے گئے۔ اور وہاں ہزاروں آدمی جمع
ہوگئے۔ جلادنے اُسکے ہزار کوڑے لگائے۔ پھر چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے پھر
سر کاٹا اور بدن کو جلا دیا۔ اور راکھ کو دجلے میں ڈلوا دیا۔ اور سر کو بغداد میں
پل پر لٹکا دیا۔ اُسکے معتقد خیال کرتے تھے۔ کہ وہ دنیا میں چالیس دن کے بعد
رجوع کریگا۔ جب اتفاق سے دجلے میں پانی بڑھ گیا۔ تو یہ لوگ سمجھنے لگے۔ کہ یہ
حلاج کی راکھ کا اثر ہے۔ اور بعض معتقد کہتے تھے۔ کہ حلاج نہیں مارا گیا بلکہ اُسکی
شبیہ اُسکے دشمنوں کے سامنے پیدا ہوگئی تھی۔ اسکے بعد کہا ہے۔ کہ امام الحرمین
جوینی نے کتاب الشامل فی اصول الدین میں لکھا ہے۔ کہ ان تین شخصوں نے
باہم صلاح اور وصیت کی تھی۔ کہ سلطنت کو لوٹ دو۔ اور ممالک میں فساد پھیلادو
اور تمام آدمیوں کی تالیف قلوب کر کے اُنکو مرتد کردو۔ اور ہر ایک نے یہ چاہا تھا
کہ ہر ایک ملک میں یہ خرابیاں پھیلائے۔ ان میں سے جنابی نے ممالک احسا میں
اور مقنع نے ممالک ترک میں اور حلاج نے علاقہ بغداد میں مکر وارتداد کا جال پھیلایا
اسلئے حلاج مروا ڈالا گیا۔ ابن خلکان کہتا ہے۔ کہ اس روایت کی صحت میں کلام ہے
اسلئے کہ یہ تینوں ایک وقت میں جمع نہ تھے۔ اگرچہ جنابی کا اور حلاج کا ایک عہد
تھا۔ اسلئے اُنکا جمع ہونا ممکن ہے۔ مگر یہ تحقیق نہیں۔ کہ یہ دونوں جمع ہوئے اور
باہم ملے بھی یا نہیں۔ اور مراد جنابی سے ابو طاہر سلیمان بن ابو سعید حسن بن بہرام
قرمطی رئیس قرامطہ ہے۔ کتب تواریخ وغیرہ میں لکھا ہے۔ کہ حلاج ساحر تھا۔ اور
سحر میں نہایت مہارت اور کمال رکھتا تھا۔ اور عبداللہ بن الملاک کوفی کا شاگرد
تھا۔ اور وہ ابو خالد کابلی کا شاگرد تھا۔ اور وہ ذرقانی یمامہ کا شاگرد تھا۔ اور
ذرقانی وہ شخص تھا جس نے سجاح بنت حارث بن سوید تمیمیہ سے جادو سیکھا
تھا۔ یہ عورت کاہنہ تھی۔ اور خاندان بنی عنبر میں سے تھی۔ جو قبیلۂ بنی تمیم کی
ایک شاخ ہے۔ حضرت ابو بکر کے عہد میں اس نے نبوت کا دعوے کیا تھا چنانچہ

قبیلۂ بنی تمیم اور قبیلۂ تغلب اور قبیلۂ بنی ربیعہ کے لوگ اسکے مرید ہوگئے تھے
حلاج زہد و تصوف ظاہر کرتا تھا کرامات دکھاتا تھا گرمی کا میوہ سردی کے
موسم میں سردی کا گرمی کے موسم میں لوگوں کے واسطے موجود کرتا۔ لوگ جو
کچھ گھروں میں کھاتے اور کرتے اور جو کچھ اُنکے دلوں میں ہوتا یہ بتا دیتا تھا
اور اپنا ہاتھ ہوا میں پھیلا کر غیب سے درم پیدا کر دیتا جنپر یہ لکھا ہوتا قل ہو اللہ
احد۔ اور انکا نام دراہم قدرت رکھا تھا۔ لوگوں کے خیالات اسکی نسبت مختلف
ہوگئے تھے بعض کہتے تھے۔ اس میں جزو الہی نے حلول کیا ہے بعض اُسے
ولی جانتے تھے بعض کہتے تھے۔ کہ وہ شعبدہ باز ساحر کاہن جھوٹا ہے حلاج
برس روز تک مکے میں حجر اسود کے پاس رہا کبھی سائے میں نہیں گیا۔ دن
بھر روزہ رکھتا۔ شام کو پانی سے افطار کر کے تین نوالے روکھی روٹی کے کھاتا
اسکے سوا کچھ نہ کھاتا۔ بغداد میں آیا۔ تو حامد وزیر مقتدر عباسی سے لوگوں نے
بیان کیا۔ کہ حلاج خدائی کا دعوے کرتا ہے۔ اور کہتا ہے میں مردے کو زندہ کرتا
ہوں۔ اور جن میری خدمت کرتے ہیں۔ اور جس چیز کے لئے میں کہتا ہوں۔ وہ اُسے
میرے پاس لے آتے ہیں۔ اور میں معجزات انبیا دکھلاتا ہوں۔ بہت سے لوگ اُسکے
تابع ہوگئے۔ اور اُسکو خدا جاننے لگے۔ اور ایک شخص نے بنی ہاشم میں سے دعوے
کیا۔ کہ حلاج خدا ہے اور میں اُسکا نبی ہوں۔ وزیر نے اُن لوگوں کو بلا کر دریافت
کیا۔ تو سب نے اقرار کیا کہ ہاں ہم حلاج کو خدا جانتے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ
وہ مردے کو زندہ کرتا ہے۔ اور جب حلاج کو بلا کر پوچھا۔ تو وہ مکر گیا۔ اور کہا کہ یہ
یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور مجھ پر تہمت کرتے ہیں۔ میں دعوے خدائی کا نہیں
کرتا۔ اور نہ پیغمبری کا دعوے کرتا ہوں۔ میں بندہ خدا کا ہوں۔ اور نماز و روزہ
اور خیرات کرتا رہتا ہوں۔ وزیر نے قاضی ابو عمرو اور ابو جعفر اور فقہا کی ایک
جماعت کو حاضر کیا۔ اور اُسکے قتل کے بارے میں فتوے چاہا۔ سب نے کہا کہ جبتک
ہمارے نزدیک اسکا دعوے کرنا خدائی کا ثابت اور متحقق نہوگا۔ ہم اسکے قتل کا

حکم ندینگے۔ ایک شخص نے جو بصرے کا رہنے والا تھا کہا کہ میں حلاج کے مصاحبوں کو
پہچانتا ہوں کہ جو شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور خلایق کو حلاج کی الوہیت
کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ اور یہ بصری بھی اصحاب حلاج سے تھا۔ مگر جبکہ اسکو
معلوم ہوا کہ یہ ساحر ہے۔ تو اُسکو چھوڑکر ابو علی ہارون بن عبدالعزیز کاتب
انباری کے پاس آکر بیان کیا۔ کہ حلاج نے اپنے کیش و مذہب کے موافق ایک کتاب
لکھی ہے۔ اور اس زمانے میں حلاج سرائے سلطانی میں نصر حاجب کے پاس
قید تھا۔ اور حلاج کے دو نام تھے۔ ایک حسین بن منصور۔ اور دوسرا احمد بن فارسی
اور ایک خوبصورت لڑکی حلاج کے کسی مصاحب کی ایک مدت سے سرائے سلطانی
میں حلاج کے پاس آمد و رفت رکھتی تھی۔ اُس لڑکی کو وزیر کے پاس لائے ابوالقاسم
زنجی کہتا ہے۔ کہ میں اُس وقت وزیر کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور ابو علی احمد
بن نصر بھی حاضر تھا۔ وہ لڑکی کمال فصیح اور خوشگو تھی۔ وزیر نے اس سے حال
پوچھا۔ لڑکی نے کہا مجھے میرا باپ حلاج کے پاس لے گیا تھا۔ حلاج نے بہت سی
چیزیں مجھے دیں۔ اور کہا میں نے تجھکو اپنے بیٹے سلیمان کو کہ وہ مجھے سب فرزندوں
سے زیادہ عزیز ہے دیا۔ اگر شوہر و زن کے درمیان اُس وقت کوئی بات آئے
جب تو اس روز روزہ رکھے۔ اور پچھلے دن میں کوٹھے پر جاکر خاکستر اور نمک میں
بیٹھے اور پھر اُس سے تو روزہ کھولے۔ اور بعد اسکے میرے پاس آکر جو کچھ تو
کہیگی۔ میں تیری بات سنونگا۔ اور اُس لڑکی نے یہ بھی کہا۔ کہ ایک روز میں کوٹھے
سے اترتی تھی۔ اور حلاج کی بیٹی میرے ساتھ تھی۔ اور حلاج ہم سب سے پہلے کوٹھے سے
نیچے اُترا تھا۔ اور مجھے وہ دیکھتا تھا۔ حلاج کی بیٹی نے مجھ سے کہا کہ تو میرے باپ کو
سجدہ کر۔ میں نے کہا کہ کیونکر دوسرے خدا کو سجدہ کروں۔ حلاج نے کہا۔ کہ وہ خدا آسمان
کا ہے۔ اور میں خدا زمین کا ہوں۔ اور مجھے آگے بلا کر اپنی جیب سے ایک ڈبہ مشک
کا نکال کر دیا۔ اور کہا کہ عورتوں کو خوشبو کی طرف اکثر احتیاج ہوتی ہے۔ اسکو لے
اور اپنے کام میں لا۔ اور پھر کہا۔ کہ بوریے کا کونہ اُٹھا۔ اور جو کچھ اُسکے نیچے ہو اُسکو

لیلے۔ میں نے بورشے کا کونہ اٹھایا دیکھا تو تازہ سکے کی اشرفیوں سے تمام گھر بھرا ہوا ہے۔ یہ دیکھکر میں بہوت سی رہگئی۔ وزیر نے اُسکے اصحاب کو طلب کیا حمید اور سمیری اور محمد ابن علی قبائی ایک خواص حلاج کے گھر میں چھپے ہوئے تھے۔ اُس گھر میں سے ایک کتاب نکال کر لائے سونے سے لکھی ہوئی اور پارچہ دیبا میں لپٹی ہوئی تھی۔ اور اس میں اُسکے اصحاب کے نام بھی لکھے ہوئے تھے۔ ایک ان میں سے ابن کیش تھا۔ کہ وہ حلاج کا شاگرد تھا غرضکہ وزیر نے اصحاب حلاج کو تلاش کر کے کہا کہ یہ دو شخص حلاج کے داعی ہیں۔ کہ خراسان میں خلق کو حلاج کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ اور حلاج کی کتاب میں کئی خط تھے۔ کہ ان دو شخصوں نے حلاج کو بھیجے تھے۔ اور انکے جواب میں حلاج کے خطوط بھی تھے جن میں حلاج نے اُنکو لکھا تھا۔ کہ اس طرح دعوت میری طرف لوگوں کو کرنی چاہیئے۔ اور ہر شخص سے موافق اُسکی عقل کے کلام کرنا چاہیئے اور جواب اُنکا ایسے رمز و کنایات میں لکھا تھا۔ کہ بغیر اُس شخص کے کہ جس نے لکھا اور جسکو لکھا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ابو القاسم زنجی کہتا ہے کہ ایک روز میں اپنے باپ کے ساتھ وزیر کے پاس گیا۔ وزیر اٹھکر اس طرف جدھر حلاج بیٹھا گیا ہم بھی اُسی طرف گئے۔ اور ہارون بن عمر بھی حاضر تھا۔ اور میرے باپ سے بات کرنے میں مشغول تھا۔ کہ ایک غلام نے اُسکو اشارے سے بلایا۔ ہارون اٹھکر اُسکے پاس گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد لرزتا کانپتا خوفناک رنگ رو زرد آیا ہم نے یہ حالت دیکھکر پوچھا کہ خیر تو ہے اُس نے کہا کہ یہ غلام جس نے مجھے اشارے سے بلایا تھا۔ حلاج پر محافظ ہے۔ اور ہر روز اُسے کھانا پہنچایا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میں جو اس وقت اُسکے واسطے کھانا لیکر گیا۔ تو دیکھا کہ سارا گھر زمین سے چھت تک اُسکے بدن سے بھرا ہوا ہے۔ اور اتنی جگہ باقی نہیں۔ کہ میں کھانا اسکے واسطے اُس گھر میں رکھوں۔ اور وہ غلام اس قدر ڈرا ہے۔ کہ سخار چڑھ آیا ہے۔ وزیر نے اس غلام کو بلایا۔ اور پوچھا اُس نے سب حال بیان کیا وزیر

نے کہا کہ تو حلاج کے سحر سے ڈر گیا۔ وزیر کو حلاج کے قتل پر بڑا اصرار تھا اس لئے اس سے وزیر نے بہت بحث کی۔ مگر کوئی بات اُسکے منہ سے ایسی نہ نکلی جو شرع اسلام کے خلاف سمجھی جاتی۔ آخر کار اس کتاب میں کئی ورق پائے جن میں مرقوم تھا جب مسلمان حج کا ارادہ کرے۔ اور وہ اس سے بن نہ پڑے۔ تو اپنے مکان میں سے ایک کوٹھری پاک وصاف منتخب کرے۔ اس میں کوئی شخص نہ گھسے۔ جب حج کے دن آئیں۔ تو یہ شخص اسکا طواف کرکے جو کچھ حجاج عمل کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کرے۔ پھر تیس یتیم اس کوٹھری میں جمع کرکے اچھا کھانا جو اس سے ہو سکے ان کو کھلائے۔ اور کپڑے پہنائے۔ اور ہر ایک کو سات درہم دیدے یہ شخص بمنزلہ اس شخص کے ہوگا جس نے حج کیا ہے۔ وزیر نے یہ کتاب قاضی ابو عمر کو سنوائی۔ قاضی نے حلاج سے دریافت کیا۔ کہ یہ تو نے کہاں سے لکھا ہے اس نے جواب دیا کہ حسن بصری کی کتاب اخلاص سے۔ قاضی کے منہ سے نکل گیا کہ اے حلال الدم[1] میں نے وہ کتاب مکے میں پڑھی ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے وزیر نے قاضی کا یہ لفظ پکڑ لیا۔ اور اصرار کرکے اُسکا خون مباح ہونے کا فتوے لکھوا لیا۔ جب حلاج کو خبر ہوئی کہ میرے قتل پر فتوے لیا گیا ہے۔ تو بولا میرا خون تم کو حلال نہیں۔ میرا دین اسلام ہے۔ اور مذہب سنت ہے۔ اور میری اس باب میں کتابیں موجود ہیں۔ میرے خون سے درگذرو۔ اور خدا سے ڈرو۔ مگر وزیر نے حلاج کی ایک نہ سنی۔ اور خلیفہ سے اجازت لیکر اسی طرح عذاب کے ساتھ قتل کرایا۔ سید محمد بن جعفر مکی حسنی کہ چراغ دہلی کے خلیفہ ہیں۔ اور بحر المعانی اور بحر الانساب اُنکی تصنیفات سے ہیں لکھتے ہیں۔ کہ ابن عربی صاحب فصوص کہتے ہیں کہ حسین منصور حلاج کو تجلی ذات حاصل تھی۔ اور افراد کا مقام رکھتا تھا لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ اُسکو تجلی ذات ہوتی۔ تو ہرگز انا الحق نہ کہتا۔ اور ایسا لفظ زبان پر نہ لاتا۔ اسلئے کہ تجلی ذات میں محویت ہوتی ہے۔ اور محو کو کیا معلوم کہ

[1] حلال الدم وہ جسکا مار ڈالنا حلال و مباح ہو ۱۲ منہ

میں کون ہوں۔ اور کیا ہوں۔ بعد اسکے کہا میں کیا کروں کہ ابن عربی آج زندہ نہیں۔ ورنہ میں یہ ان سے کہتا۔ اور ضرور اپنی بات کی داد پاتا۔ شیخ فرید الدین عطار کہتے ہیں کہ مجھے اس سے تعجب ہے کہ درخت موسے سے تو انی انا اللہ کی آواز آئے۔ اور درخت درمیان میں نہو پھر کیونکر روا نہیں رکھتے کہ منصور سے انا الحق کی آواز آئے۔ اور منصور درمیان میں نہو۔ مولانا جلال الدین رومی نے اپنی وفات کے وقت مریدوں سے کہا کہ میرے مرنے سے غمگین نہ ہونا کہ منصور کے نور نے ڈیڑہ سو برس کے بعد شیخ فرید الدین عطار کی روح پہ تجلی کی تھی۔ اور انکا مرشد ہوا تھا۔ لواقح الانوار فی طبقات الاخیار معروف بہ طبقات کبرے شعرانی میں حضرت غوث اعظم کے حالات میں مذکور ہے کان رضی اللہ عنہ یقول عثر الحسین الحلاج عثرۃ فلم یکن فی زمنہ من یاخذ بیدہ یعنی حضرت غوث اعظم فرمایا کرتے تھے کہ حسین حلاج کو ایک قسم کی لغزش ہو گئی تھی۔ کوئی ایسا شخص اُس زمانے میں نہ تھا جو حلاج کو سنبھال لیتا۔ مجدد الف ثانی نے معارف لدنیہ میں کہا ہے۔ غلبۂ حال سے پہلے کفر اور اسلام میں تمیز نہ کرنا جس طرح اہل شریعت کے نزدیک کفر ہے اہل حقیقت کے نزدیک بھی کفر ہے۔ اگر کوئی اختلاف ہے۔ تو غلبہ حال کی صورت میں ہے۔ اہل شریعت ایسے مغلوب الحال کو جو کفر و اسلام میں تمیز نہ کرتا ہو۔ کافر جانتے ہیں۔ اور اہل حقیقت کے نزدیک وہ کافر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا منصور حلاج کو کافر جانتے ہیں۔ اور اہل حقیقت تکفیر نہیں کرتے۔ تاہم یہ بھی اسے ناقص جانتے ہیں۔ کاملین میں سے نہیں گنتے اور مسلمان حقیقی نہیں سمجھتے منصور کا یہ شعر اس مطلب پر گواہ ہے۔

كفرت بدين الله والكفر واجب لدي وعند المسلمين قبيح

یعنی میں نے دین الہی کے ساتھ کفر کیا۔ اور کفر میرے نزدیک واجب ہے اور مسلمانوں کے نزدیک مذموم ہے۔ حلاج کے حق میں ایک فرمان حضرت صاحب الزمان محمد بن حسن عسکری کی طرف سے کتب امامیہ میں نقل کرتے ہیں مولوی

جامی نے نفحات الانس میں اور لواقح الانوار میں قطب شعرانی نے بیان کیا ہے کہ زیادہ تر مشائخ نے حسین کو رد کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسکو تصوف سے کوئی لگاؤ نہیں بعض مشائخ نے اسکو قبول کیا ہے۔ چنانچہ ابوالعباس بن عطا اور ابو عبداللہ خفیف اور ابوالقاسم نصرآبادی اور شبلی اور ابوالعباس شریح اسکے ماننے والوں میں سے ہیں۔ اور یہ اسکے قتل پر راضی نہیں۔ اور خواجہ جنید اور ابوالقاسم قشیری بھی اسکی صحت حال کے مقر ہیں۔ اور قشیری نے اپنے رسالہ میں اسکے تزکیے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اسکا عقیدہ اہل سنت کے مطابق بتایا ہے۔ کشف المحجوب میں آیا ہے۔ کہ حسین کو صوفیہ متاخرین نے قبول کیا ہے۔ اور بعض صوفیہ متقدمین نے جو اسکو مہجور کیا ہے۔ تو یہ اسکی بے دینی کی وجہ سے نہیں۔ معاملے کا مہجور اصلی مہجور نہیں ہوتا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالقاسم گرگانی اور شیخ ابو علی فارمدی اور شیخ یوسف ہمدانی اسکے حال میں متوقف ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ حسین کی ان باتوں سے کیا مراد ہے۔ اور شیخ الاسلام نے کہا ہے۔ میں حسین بن منصور کو دو وجہ سے قبول نہیں کرتا (۱) مشائخ سلف نے اسے قبول نہیں کیا (۲) اسکے قبول نہ کرنے میں دین اور شرع کی رعایت ملحوظ ہے۔ مگر میں رد بھی نہیں کرتا اور جو اسے قبول کرتا ہے۔ اُسے پسند کرتا ہوں۔ شیخ فریدالدین عطار تذکرۃ الاولیا میں کہتے ہیں۔ کہ حسین کو ساحر یا حلولی جاننا تحقیق کے خلاف ہے۔ وہ یکا موحد تھا۔ حسین منصور حلاج ساحر ایک اور شخص تھا جس نے بلخ میں اسکی تقلید کرکے ظہور کیا تھا۔ اور وہ مارا گیا۔ اُسکا مذہب حلول تھا۔ اور یہ منصور ولی کامل تھا۔ شہر بیضا ملک فارس کا باشندہ تھا۔ خواجہ عمر بن عثمان مکی کا مرید تھا۔ خواجہ جنید اور خواجہ سہل بن عبداللہ تستری وغیرہ کے ساتھ مدتوں صحبت رکھی تھی۔

پانچواں شمیطیہ۔ یہ لوگ یحییٰ بن ابی الشمیط الحسی کی طرف منسوب ہیں جو مختار کے لشکر کا ایک سردار تھا۔ اسکو لشکر بصرہ پر امیر کر دیا تھا۔ وہ مصعب بن زبیر سے جنگ کرتا رہا اور مقام مذار میں مارا گیا۔ اسکے نزدیک جعفر صادق کے

بعد امامت انکے پانچوں بیٹوں کو پہنچی۔ کہ اول اسمٰعیل امام ہوئے۔ پھر محمد پھر موسیٰ کاظم
پھر عبداللہ افطح پھر اسحاق اور محمد بن اسمٰعیل کی امامت کا منکر تو نہ تھا۔ مگر یہ
کہتا تھا وہ مر گئے ہیں۔ اور پھر دنیا میں نہیں آئینگے۔ اس فن کی بعض کتابوں میں
اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن بالاتفاق کتب تواریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ بصرے
پر مختار کا تسلط نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ عبداللہ بن زبیر کے قبض و تصرف میں تھا
جنہوں نے اوائل سنہ ۶۷ھ یا اواخر سنہ ۶۶ھ میں حرث بن ربیعہ کو حکومت بصرے سے
معزول کر کے اپنے بھائی مصعب کو سند گورنری مرحمت کی تھی۔ اور انہوں نے
شرفائے کوفہ کی تحریک سے مختار پر چڑھائی کی۔ مختار نے ایک چھوٹا سا لشکر مع ان
سرداروں کے جو ابراہیم بن اشتر کے ہمراہ تھے ابن شمیط کے ساتھ مصعب کے
مقابلے کو روانہ کیا۔ بمقام مذار میں طرفین نے صف آرائی کی۔ مصعب کی فوج نے ابن
شمیط کو سخت ہزیمت دی اور اسکے تقریباً کل ہمراہی جنگ میں کام آگئے۔

چھٹا برقعیہ۔ یہ پیرو ہیں۔ محمد بن علی برقعی کے جس نے سنہ ۲۵۵ھ میں اہواز
میں خروج کیا تھا۔ اور اپنے آپکو علویہ کیطرف منسوب کر کے امامت کا دعوے کیا۔ اور علوی
عین اور لام کے فتحوں سے حضرت علی کی اس اولاد کو کہتے ہیں۔ جو حضرت فاطمہؓ کے سوا
اور کسی بی بی سے ہو۔ حالانکہ یہ علوی نہ تھا۔ بلکہ اسکی ماں کے ساتھ ایک علوی نے نکاح
کر لیا تھا۔ اور اپنی ماں کے ساتھ یہ بھی اس علوی کے ہاں آیا تھا۔ اور یہیں پرورش
پائی تھی۔ بصرہ اور اہواز کے بعض علاقوں پر غالب آگیا۔ اور ہزاروں آدمیوں کو اپنی
بیعت میں لے لیا۔ اور آخر کار معتضد خلیفہ عباسی کے لشکر سے سنہ ۲۷۰ھ میں شکست کھا کر
قید ہوا۔ اور بغداد میں اسکو معتضد نے سولی پر چڑھایا۔ اور تمام شیعوں کے فرقوں میں
اول جس نے تقیہ ترک کیا۔ وہ یہی محمد بن علی برقعی ہے کہ برملا مذہب تشیع کو ظاہر کرنے
لگا۔ اور برقعی اور مقنع اور قرمطی کے درمیان میں خط و کتابت بھی اپنے عقائد کے پھیلانے
اور اہل سنت و جماعت کا مذہب مٹانے میں رہا کرتی تھی۔ اسکے ماننے والے معاد اور احکام شرائع
کے منکر ہیں۔ اور نصوص کی تاویل کرتے ہیں۔ اور بعض انبیا کی نبوت کا بھی انکار کرتے ہیں

اور انپر لعنت کرنیکو واجب جانتے ہیں۔

ساتواں جنابیہ۔ یہ لوگ ابو سعید بن حسن بن بہرام جنابی کے متبع ہیں۔ اس شخص نے معتضد عباسی کے عہد میں خروج کیا۔ اور بحرین کے تمام علاقے میں اپنے اس مذہب کو رفتہ رفتہ پھیلا دیا کہ حشر اور نشر اور معاد کی ساری باتیں جھوٹے قصے ہیں۔ اور احکام شرع پر عمل نکرنا چاہیئے بلکہ ایسے شخص کا قتل کرنا واجب ہے۔ چنانچہ تیسری صدی میں ابو سعید جنابی موسم حج میں مکے میں بہت سی جمعیت لیکر چڑھ آیا۔ اور ۳ ہزار حاجیونکو قتل کیا جب سنہ ۳۰۱ھ میں اپنے ایک خدمتگار کے ہاتھ سے حمام میں مارا گیا۔ تو اسکا بیٹا ابو طاہر سلیمان اسکا قائمقام ہوا۔ اور ہجر اور احسا اور قطیف اور تمام ملک بحرین پر قابض متصرف ہوگیا۔ اور سنہ ۳۱۵ میں کوفہ پر چڑھائی کی اور مقتدر عباسی کی سپاہ کو بھگا کر اسے لوٹ لیا۔ اور دریائے فرات کیطرف بہت سے شہر فتح کر لیئے۔ اور کام اسکا بڑھتا رہا۔ اور اس نے مذہب باطنیہ کو رواج عظیم دیا۔ اور سنہ ۳۱۷ میں موسم حج میں مکہ معظمہ میں بہت سی جمعیت کے ساتھ آیا۔ امیر مکہ ابن محلب اور اسکے ساتھیوں کو قتل کیا۔ اور مسجد الحرام میں گھوڑے پر سوار ہوکر داخل ہوا۔ اور شراب کا پیالہ ہاتھ میں تھا۔ جسے وہاں پیا اور اپنے گھوڑے کو سیٹی دی تو اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ اور حاجیوں کو بڑی بے دردی سے قتل کرا کر چاہ زمزم میں ڈلوا دیا۔ اور باقی کو مسجد حرام میں دفن کرا دیا۔ اور خانہ کعبہ کا غلاف اتروا کر اپنے یاروں پر تقسیم کر دیا۔ اور دروازۂ کعبہ کو اوکھڑوا ڈالا۔ اور میزاب کو بھی اوکھیڑنے کے لیئے ایک آدمی کو چڑھایا کہ وہ گر کر مر گیا۔ اور حجر اسود کو اکھڑوا کر مقام ہجر کو لے گیا جو اسکا دار الحکومت تھا۔ اور وہاں سنڈاسوں میں ڈلوا دیا۔ اور پھر اٹھوا کر رکھ لیا۔ اور بائیس برس تک حجر اسود اسکے پاس رہا۔ یہانتک کہ سنہ ۳۳۹ میں خلیفہ عباسی مطیع للہ ابو القاسم مفضل بن مقتدر بن معتضد نے تیس ہزار دینار کو اس سے خرید کے بدستور خانۂ کعبہ میں رکھوا دیا۔ اور مطلب انکا حجر اسود کے اوکھیڑنے سے یہ تھا کہ آدمی بد اعتقاد ہو جائیں۔ اور پھر کبھی یہاں طواف کو نہ آئیں۔ ابو طاہر قرمطی نے یہانتک زور پکڑ لیا تھا کہ سنہ ۳۲۴ میں تمام بحرین اور یمامہ کا مالک ہوگیا۔ اور تقیہ کو بالکل ترک کر دیا۔ اور ان میں سے چھ شخصوں نے ابو سعید کے

تنبیہ

یاد رہے کہ میمونیہ۔ خلفیہ۔ شمیطیہ۔ برقعیہ اور جنابیہ ان پانچوں فرقوں کا شمار قرامطہ میں ہے۔ اور تمام فرقوں کو باطنیہ بھی کہتے ہیں اسلئے کہ ان کا زعم یہ ہے کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے۔ اور باطن بھی ہے۔ اور مراد باطن قرآن ہے اور اسی پر یہ عمل کرتے ہیں۔ اور انکے زعم میں ظاہر قرآن جو لغت سے مفہوم ہوتا ہے عمل کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کا شرعی کا مقصود باطن ہے نہ ظاہر مثلاً روزے کا باطن یہ ہے کہ مذہب کو مخفی رکھے۔ اور حج کا باطن امام کے پاس پہنچنا ہے اور نماز کا باطن امام کی فرمانبرداری ہے۔ اسی لئے امام مالک بن انس نے کہا ہے کہ فرقۂ باطنیہ کی توبہ مقبول نہیں۔ اسلئے کہ شاید انکی توبہ کا بھی باطن ہو۔ اور باطنیہ تمام باتوں کی تاویل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ہر ظاہر کا باطن ہے۔ اور وہ باطن اس ظاہر کا مصدر ہے۔ اور وہ ظاہر اس باطن کا مظہر ہے اور کوئی ظاہر نہیں جس کا باطن نہو۔ ورنہ وہ فی الحقیقت کچھ بھی نہیں۔ اور کوئی باطن نہیں جسکا ظاہر نہیں۔ ورنہ وہ خیالی ہے۔ اللہ نے ظاہر و باطن پیدا کئے ہیں۔ عالم باطن عالم ارواح و نفوس و عقول ہیں۔ اور عالم ظاہر عالم اجسام علوی و سفلی و اعراض ہیں۔ امام عالم باطن کا حاکم ہوتا ہے کسی کو بغیر اُسکی تعلیم کے عالم بالا تک رسائی نہیں۔ اور نبی عالم ظاہر اور شریعت کا حاکم ہوتا ہے جسکی طرف لوگ محتاج ہوتے ہیں اور یہ کام سوا نبی کے تمام نہیں ہوتا۔ اور شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے جسے تنزیل کہتے ہیں۔ اور ایک باطن ہوتا ہے جسے تاویل بولتے ہیں۔ اور زمانہ نبی یا شریعت سے خالی نہیں ہوتا۔ اسی طرح امام سے یا اُسکی دعوت سے خالی نہیں ہوتا۔ اور دعوت کبھی مخفی ہوتی ہے۔ اگرچہ امام ظاہر ہو۔ اور کبھی دعوت ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ امام مخفی ہو۔ جس طرح نبی کو معجزۂ قولی و فعلی سے جانتے ہیں اسی طرح امام کو دعوت اور دعوے سے جانتے ہیں۔ اور اللہ کو بغیر امام کے نہیں پہچان سکتے اور امام کا ہر زمانے میں موجود ہونا ضرور ہے۔ ظاہر ہو یا مستور جس طرح کوئی

وقت روشنی روز یا تاریکی شب سے خالی نہیں ہوتا۔ اور اصول اعتقادیں یہ
یہ سا رے باطنیہ مخالف نہیں البتہ بعض فروع میں باہم مخالفت کرتے ہیں اور
باطنیہ خاص اس باب میں کہ نصوص قرآن و حدیث ظاہر پر محمول نہیں منصوریہ
اور خطابیہ کے خوشہ چین ہیں جنکا ذکر غلاۃ شیعہ میں ہوچکا ارشاد میں ابوالمعالی
نے کہا ہے۔ کہ باطنیہ کی رائے یہ ہے۔ کہ صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ خدا
اور مخلوق کو مشترک جاننا اشتباہ کا موجب ہے۔ اسلئے باری تعالےٰ کو صفت وجود کے
ساتھ بھی موصوف نہ کرنا چاہئیے یعنی موجود نہ ماننا چاہئیے۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہئیے
کہ وہ معدوم نہیں ہے۔ اور نہ اسکو عالم اور قادر اور حی کہنا چاہئیے۔ بلکہ یوں کہنا
چاہئیے کہ وہ عاجز نہیں۔ جاہل نہیں۔ میت نہیں۔ اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ
میں اسماعیلیہ کے باطنیہ کہلائے جانے کی یہ وجہ لکھی ہے۔ کہ یہ امام باطن یعنی امام
مستور کے قائل ہیں۔ مگر صرف یہی وجہ نہیں اسلئے کہ ایسے تو امام باطن کے قائل
شیعہ کے بہت سے فرقے ہیں۔ پھر خاص انہی کے باطنیہ مشہور ہونے کی کیا وجہ ہے
انکی وجہ تسمیہ میں صحیح قول وہی ہے جو مشہور ہے

آٹھواں مہدویہ۔ یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ عبداللہ جنھوں نے
اپنا لقب **مہدی** رکھا تھا۔ امام ہیں۔ اور یہ مہدی اپنے آپکو حضرت اسماعیل
بن حضرت جعفر صادق کی اولاد سے بتاتے تھے۔ اور اپنے تابعین کا مہدویہ نام مقرر
کیا تھا۔ اور امامت کا دعوے کرتے تھے۔ اسی لئے انکا خاندان اسماعیلیہ بھی کہلاتا
ہے۔ فرقہ مہدویہ کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ یہ عبداللہ مہدی موعود ہیں۔ اور دلیل اس بات
پر پیغمبر علیہ السلام کی یہ حدیث بیان کرتے تھے **علیٰ راس ثلثمأۃ تطلع الشمس
من مغربها** یعنی تیسری صدی کے سرے پر آفتاب مغرب سے طلوع کریگا۔ اور
کہتے تھے۔ کہ اس حدیث میں آفتاب سے مراد عبداللہ مہدی ہیں۔ اور مغرب سے
مراد ملک مغرب ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے۔ کہ ایک شیعہ کا قول ہے۔ کہ مہدی
مغربی کی ولادت سنہ ۲۶۰ھ میں ہوئی تھی۔ اور محمد بن حسن عسکری بقول اثناعشریہ

سر من رائے عرف سامرہ میں ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ پس اس حدیث کی صحت کی تقدیر پر لفظ شمس سے محمد بن عسکری مراد ہیں۔ یافعی کی روایت کے مطابق مہدی نے ۲۹۹ھ میں بلاد افریقہ میں خروج کیا تھا۔ اور تاریخ ابو الفدا میں لکھا ہے۔ کہ ائمہ مہدویہ کی سلطنت کی ابتدا افریقہ میں ۲۹۶ھ سے ہوئی ہے۔ ان میں سے پہلے جس شخص نے ملک گیری کی۔ وہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن میمون بن محمد بن اسماعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ اور بعض کتابوں میں انکا سلسلہ یوں ملایا ہے عبداللہ بن احمد بن اسماعیل ثانی بن محمد بن اسماعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ ابو محمد عبداللہ مہدی بیٹے تھے محمد کے جنہیں حبیب کہتے ہیں۔ اور حبیب کا نسب نامہ یوں ہے۔ محمد حبیب بن جعفر بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق۔ اور بعض نے یوں لکھا ہے۔ عبداللہ مہدی بن جعفر بن حسن بن محمد بن جعفر شاعر بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ مہدی مغربی کی نسبت امام جعفر صادق تک روایت مشہورہ کے مطابق اس طرح عبداللہ بن رضا بن تقی قاسم بن وفی احمد بن رضا محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق۔ بعض مورخ ایسے بھی ہیں جنہوں نے مہدی کا نام عبداللہ کی جگہ محمد لکھا ہے۔ اور سلسلہ نسب یوں بتایا ہے (۱) بقول عیون التواریخ مولفہ ابو طالب علی بغدادی مہدی محمد بن رضا عبداللہ بن تقی قاسم بن ولی احمد بن وصی محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق اور حمد اللہ مستوفی نے بھی تاریخ گزیدہ میں یوں ہی لکھا ہے۔ مگر لفظ ولی احمد کی جگہ وفی احمد واقع ہے (۲) بقول مرآت عالم ابو القاسم محمد بن عبداللہ بن قاسم بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق۔ اور جمہرۃ النسب میں لکھا ہے۔ کہ مہدی نے ایک بار یہ دعوے کیا تھا۔ کہ میں حسن بن عیض بن جعفر بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق کا بھائی ہوں۔ اور دوبارہ یہ بیان کیا کہ حسین بن محمد بن اسماعیل

بن جعفر صادق کا بیٹا ہوں حالانکہ محمد کا بیٹا حسین کوئی نہیں۔

علما کو انکے نسب کی صحت میں بڑا اختلاف ہے۔ جو لوگ انکی امامت کے معتقد ہیں وہ کہتے ہیں کہ نسب ان کا صحیح ہے۔ اور وہ بلاشبہ سید علوی فاطمی ہیں۔ اور بہت سے علمائے علوی بھی کہ نسب ناموں کے بڑے واقف کار تھے۔ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور شریف رضی نے بھی انکی سیادت کی نہایت شد و مد سے تصدیق کی ہے۔ مگر بعض علما کہتے ہیں کہ یہ نسب نامہ بالکل غلط ہے۔ اسلئے کہ اسماعیل بن جعفر اپنے باپ کے سامنے مدینے میں مر گئے۔ اور اسماعیل کے بیٹے محمد حضرت جعفر صادق کے ہمراہ بغداد میں آئے۔ اور وہاں لاولد فوت ہوئے۔ عمدۃ الطالب میں لکھا ہے کہ محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق اپنے چچا موسی کاظم کے ساتھ رہتے تھے۔ اور موسی کاظم سے درپردہ مخالفت رکھتے تھے۔ جب ہارون الرشید حجاز میں آیا۔ تو انہوں نے اپنے چچا کی اس سے چغلی کھائی۔ رشید نے موسی کاظم کو قید کر دیا۔ جہاں انکا انتقال ہوا۔ محمد بن اسماعیل رشید کے ہمراہ عراق کو چلے گئے۔ بغداد میں انتقال کیا۔ موسی کاظم نے انکے حق میں بددعا کی تھی۔ محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کے دو فرزند باقی تھے اسماعیل ثانی اور جعفر شاعر۔ اسی جعفر شاعر کی اولاد سے خلفائے مصر ہیں۔ مگر عباسیوں نے انکے نسب کے بطلان پر بڑا زور دیا تھا۔ اور انکے اعتقادات فاسدہ نے اسکو اور قوت دیدی۔ تاریخ فرشتہ میں بعض تواریخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ محمد بن اسماعیل اپنے دادا جعفر صادق کے عہد میں سرے کی طرف گئے تھے۔ شہر آباد انکی طرف منسوب ہے۔ انکی اولاد زیادہ ہوئی تھی۔ خراسان اور سندھ کی طرف جا کر آباد ہو گئے۔ ملک مغرب کے نسب نامے جاننے

لہ تحفہ اثنا عشریہ میں مذکور ہے چون اسماعیل بن جعفر بعضور حضرت جعفر وفات یافت پسرے گذاشت کہ او را محمد میگفتند۔ او ہمراہ حضرت جعفر صادق جدا شدند۔ بہ بغداد آمد و وفات یافت و در مقابر قریش مدفون گشت۔ اور دوسری جگہ اسی کتاب میں ہے و این محمد در بغداد لاولد مرد۔ یہ الصواعق المحرقہ مولفہ ابن حجر کی عبارت کا ترجمہ ہے ۱۲ منہ

والے کہتے ہیں۔ کہ مہدی عبد اللہ بن سالم بصری کی اولاد سے ہیں۔ اور ان کا باپ بصرے میں نان بائی کی دوکان کیا کرتا تھا۔ اور عراق کے نسب نامے جاننے والے کہتے ہیں۔ کہ وہ یہودی کی نسل سے ہیں۔ اور انکا نام عبد اللہ نہیں بلکہ سعید نام ہے۔ اور وہ بیٹے تھے احمد بن عبد اللہ قداح بن میمون بن دیصان کے دیصانیہ[1] اسی دیصان کی طرف منسوب ہے۔ اور بعضوں نے عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ قداح بیان کیا ہے۔ اور بعضوں نے سعید بن حسین بن محمد بن احمد بن عبد اللہ قداح یہ حسین جب مقام سلمیہ علاقہ حمص میں گئے۔ تو ایک یہودن کے حسن و جمال کا ذکر انکے سامنے ہوا۔ اور شوہر اسکا جو لہار تھا مر چکا تھا حسین نے اس عورت سے نکاح کر لیا اس عورت کے ایک لڑکا پہلے شوہر لہار سے تھا حسین اس لڑکے کو بہت چاہنے لگے۔ اور اسکی تعلیم میں بڑی کوشش کی چونکہ حسین لاولد تھے تو اسی کے واسطے وصیت کی۔ اور بھید دعوت کے اسرار سکھائے۔ اور سارا مال اور کل علامات اُسے دیدیں۔ پھر اُس نے بڑی ترقی پکڑی۔ اور عبد اللہ مہدی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ المعرب فی اخبار المغرب مطبوعہ شہر لیڈن کے صفحہ ۷۵ میں مذکور ہے۔ کہ قاسم بن طبا طبائی علوی کہتے ہیں۔ کہ قسم ہے خدائے پاک کی۔ کہ عبد اللہ ہم میں سے نہیں۔ ربیع الثانی ۴۰۲ھ میں قادر باللہ خلیفہ بغداد کے حکم سے ایک محضر لکھا گیا جسپر علویین اور قضاۃ اور جماعت فضلا اور ابو عبد اللہ بن نعمان فقیہ شیعہ کا نام لکھا گیا۔ اس محضر کا مضمون یہ تھا۔ کہ یہ وہ محضر ہے جسپر گواہان حاشیہ نے اس بات کی گواہی دی ہے۔ کہ معد بن اسمٰعیل بن عبد الرحمن بن سعید منسوب ہے دیصان کی طرف جو فرقہ دیصانیہ کا سرغنہ ہے۔ اور یہ بدمذہب یعنی منصور بن نزار جسکا لقب حاکم ہے۔ معد کا پوتا ہے۔ اور معد اسمٰعیل کا بیٹا ہے۔ اور وہ عبد الرحمن بن سعید کا۔ اور یہ لوگ خارج از نسب ہیں۔ انکو اولاد علی بن ابی طالب کے نسب میں کچھ دخل نہیں ہے۔ یہ لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں

[1] دیصانیہ بکسر دال مہملہ و سکون یائے مثناۃ تحتانی و صاد مہملہ اور اسکے الف اور نون اور یائے نسبت ۱۲

کہ ہم علی بن ابی طالب کی اولاد سے ہیں۔ اور یہ بدمذہب لوگ مع اپنے بزرگوں کے جوان سے پہلے گذرے ہیں کافر اور فاسق اور ملحد اور زندیق اور غیر مسلم تھے۔ ہمیشہ اسلام سے انکار کرتے رہے ہیں۔ ان لوگوں نے زنا کو مباح کردیا۔ شراب نوشی جائز بنادی۔ انبیا کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور خدائی کا دعوے کرتے ہیں (انتہی) اور بقال نے اُنکے سلسلہ نسب کی نسبت کہا ہے۔ کہ وہ عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن بصری ہیں۔ اور نجم الجمان میں ابن قطان نے کہا ہے کہ بعض مورخین کا قول ہے کہ کہ جعفر بن علی کی ایک کنیز تھی۔ ایک شخص کے ساتھ جو قرمطی یا یہودی تھا اسکی آشنائی ہوگئی۔ اُس عورت نے بہت سا مال اُس مرد کو دیدیا۔ اور اپنے مالک کو مار ڈالا۔ اُس مرد سے اُس کنیز کے ایک بیٹا پیدا ہوا جو ان عبداللہ مہدی کا دادا ہے اور حلی نے خلاصہ میں لکھا ہے۔ کہ عبداللہ قداح بن میمون بن اسود بنی مخزوم کا آزاد غلام تھا۔ اور تیر بنایا کرتا تھا اسلئے قداح کہلاتا ہے۔ اُسکا باپ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے۔ اور وہ خود بھی حضرت جعفر صادق سے راوی ہے اور کتاب نجاشی میں مذکور ہے۔ کہ اُسکی تصنیف سے دو کتابیں ہیں۔ ایک میں حضرت پیغمبر کی بعثت کے اخبار میں مذکور ہے۔ دوسری میں صفت جنت و دوزخ کا حال لکھا ہے۔ اور انساب سمعانی میں آیا ہے۔ کہ میمون جعفر صادق کا غلام تھا۔ اور عبداللہ اسکا بیٹا محمد بن اسماعیل کے ساتھ مکتب میں رہتا تھا جب محمد نے وفات پائی۔ تو حضرت اسماعیل کی خدمت میں رہنے لگا۔ اور جب اسماعیل نے بھی وفات پائی۔ تو اُس نے دعوے کیا۔ کہ میں اسماعیل کا بیٹا ہوں حالانکہ وہ میمون کا بیٹا تھا۔ مورخین عبداللہ قداح بن میمون کے باب میں بہی قیل و قال کرتے ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں مذکور ہے کہ سیادت علویہ مصر کی مورخین اور نسابین کے اعتبار سے مشکوک ہے۔ مگر حضرت رسالت پناہ نے عالم رویا میں برہان نظام شاہ سے کہا تھا۔ کہ میرا فرزند شاہ طاہر جو کچھ تجھ سے کہتا ہے اُسپر عمل کر ایسی خواب اس حدیث کے بموجب من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی

یعنی جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو تحقیق اس نے مجھ ہی کو دیکھا اسلئے
کہ شیطان میری صورت میں نہیں بن سکتا۔ ایضاً من رانی فقد رای الحق
یعنی جس نے مجھ کو دیکھا تو تحقیق حق دیکھا۔ یعنی اسکا خواب سچا ہے اس نے مجھ ہی
کو دیکھا ہے نہ غیر میرے کو۔ شیطانی نہیں ہو سکتی۔ اس سے یقین ہے کہ سادات
اسماعیلیہ صحیح النسب ہیں۔ کیونکہ یہ شاہ طاہر عبد اللہ مہدی کی اولاد سے
اوائل دولت اسماعیلیہ میں شاہ طاہر آبا و اجداد میں سے ایک عالم و فاضل شخص
ترک دنیا کر کے درویشی کے زمرے میں آگیا تھا۔ اور مذہب اثنا عشری اختیار کر لیا
تھا۔ اور اپنے دادا اسماعیل کی امامت کا منکر تھا۔ مگر تمام حالات لکھنے کے بعد تاریخ
فرشتہ کا مولف کہتا ہے کہ یہ خواب کا قصہ بالکل بے بنیاد ہے۔ شیعوں نے اپنے مذہب
کے جاری اور رائج کرنے کے لئے گھڑ لیا ہوگا جیسا کہ انکی عادت ہے تاریخ ابو الفدا
میں مرقوم ہے کہ میمون بن دیصان نے میزان نام ایک کتاب زندیقوں کی تائید
میں لکھی ہے۔ اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کرتا کہ میں آل نبی کا شیعہ ہوں میمون
کے بیٹا پیدا ہوا اسکا نام عبد اللہ رکھا۔ اور چونکہ عبد اللہ آنکھیں بنایا کرتا تھا اس
لئے اسے قداح[1] کہتے تھے میمون نے عبد اللہ قداح کو پختہ کار کر دیا۔ اور دعوت کے
طریقے سکھائے۔ اور وہ اسرار بتا دیئے جو آل نبی کے ساتھ نسب ملانے میں کار آمد
تھے۔ پھر عبد اللہ اصفہان کی طرف سے اہواز اور سلمیہ میں آیا۔ لوگوں کو تشیع اور
اہل بیت کی طرف بلانے لگا۔ اسکے انتقال کے بعد احمد یا محمد نام اسکا بیٹا قائمقام
ہوا۔ اور اس نے رستم بن حسین بن حوشب بن زادان نجار کوفی کو یمن کی طرف
بھیجا۔ کہ وہ لوگوں کو اسکے مذہب کی طرف دعوت کرے۔ اور پھر ایک شخص ابو عبد اللہ
شیعی جسکا نام حسین بن احمد بن محمد بن زکریا ہے۔ کوفہ کا رہنے والا آکے مل گیا۔
ابن حوشب نے اسکو بہت سا مال اسباب دیکر بجانب مغرب کو بھیجا جو مہدیہ
کی طرف دعوت کے لئے بھیجا اگرچہ ابھی تک اس مذہب کا نام مہدیہ نہیں ہوا

[1] وکان لمیمون بن دیصان ولد یقال له عبد الله قداح فانه کان یعالج العیون

تھا۔ مگر در اصل بنیاد اس مذہب کی اسی وقت سے سمجھنا چاہئے۔ اسلئے کہ جب محمد نے سلمیہ میں انتقال کیا۔ اور اپنے بیٹے عبداللہ کے واسطے خلافت و نیابت کی وصیت کی۔ اور دعاۃ کا حال و پتہ بتا دیا۔ تو عبداللہ نے اپنا لقب مہدی باللہ رکھا اسی لیے انکی اولاد بنو مہدی کہلاتی ہے۔ جب مکتفی باللہ خلیفہ عباسی کو انکا حال معلوم ہوا۔ تو اپنے حضور میں طلب کیا۔ ابو محمد عبداللہ مہدی اور انکے بیٹے ابوالقاسم جنہوں نے بعد عبداللہ کے اپنا لقب قائم بامر اللہ رکھا تھا۔ دونوں سوداگروں کے بھیس میں مصر ہوتے ہوئے افریقہ میں طرابلس الغرب کی طرف بھاگ گئے۔ زیادۃ اللہ فرمانروائے افریقہ کو جو آخری بادشاہ بنی اغلب کا تھا۔ انکی تلاش تھی۔ جابجا حاکمان ضلع کو انکی گرفتاری کے لئے حکم بھیجدئے گئے تھے۔ مہدی سجلماسہ میں جاکر ٹھیرے۔ یسع بن مدرار یہاں کا حاکم تھا۔ مہدی نے یہاں یہ ظاہر کیا۔ کہ میں ایک سوداگر ہوں۔ اور تجارت کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ اس عرصے میں یسع کے نام زیادۃ اللہ کا خط پہنچا۔ کہ یہ وہی شخص ہے جسکی طرف ابو عبداللہ شیعی دعوت کرتا تھا۔ یسع نے مہدی کو قید کرلیا۔ مگر ابو عبداللہ شیعی نے افریقہ میں ایسے ہاتھ پاؤں پھیلائے۔ کہ زیادۃ اللہ کی قوت بربادی کے قریب پہنچ گئی اور ابو عبداللہ شیعی وہاں قابض ہوگیا۔ اور ابو عبداللہ شیعی ماہ رمضان ۲۹۶ھ میں رقادہ سے سجلماسہ کو گیا۔ جب اسکے قریب پہنچا۔ تو یسع نے اس کا مقابلہ کیا۔ مگر اپنے آپکو کمزور پاکر شب میں مقابلہ سے بھاگ گیا۔ ابو عبداللہ شیعی نے سجلماسہ میں داخل ہوکر مہدی اور انکے بیٹے کو قید خانہ سے نکالا۔ اور دونوں کو سوار کرا کے لے چلا۔ اور قبائل کے تمام سردار انکے آگے چلتے تھے۔ ابو عبداللہ مہدی کی طرف اشارہ کرکے کہتا تھا۔ کہ تمہارے یہ مولا ہیں۔ مہدی شدت خوشی سے روتے تھے۔ یہانتک کہ اس خاص خیمے میں جو ان کے لئے کھڑا کیا گیا تھا پہنچے۔ وہاں فوراً یسع حاکم سجلماسہ کو اپنے سامنے بلاکر قتل کیا۔ مہدی چالیس دن سجلماسہ میں ٹھیر کر افریقہ کو گئے۔ ۲۹۷ھ میں رقادہ پہنچے۔ وہاں دفتروں کو ترتیب دیا

اور مال جمع کیا۔ اور شہروں میں حاکم اپنی طرف سے روانہ کئے سنہ ۲۹۷ھ میں مہدی سارے افریقیہ کے شہروں کے مالک ہو گئے۔ اور خلفائے عباسیہ کی حکومت سے وہ ملک نکل گیا۔ صناجۃ الطرب میں لکھا ہے۔ کہ مہدی اور انکے جانشینوں نے اپنے پھریروں کا رنگ سفید رکھا تھا۔

جس طرح مہدی کی نسبت میں امام جعفر صادق کی طرف مختلف روایتیں ہیں اسی طرح انکے اپنے نام اور انکے بیٹے قائم کے نام میں بھی اختلاف ہے تاریخ ابوالفدا اور جنات الفردوس میں مہدی کا نام صاف عبید اللہ اور کنیت ابو محمد مندرج ہے اور انکے بیٹے قائم کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم لکھی ہے۔ اور لفظ عُبید عین کے ضم اور بائے موحدہ کے فتح سے عبد کی تصغیر ہے۔ اور عبید اللہ بھی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور اس صورت میں لفظ عبد مکبّر ہے نہ مصغّر اور بوہروں کے اوراد و وظائف اور دعاؤں کے کلمات میں صاف عبد اللہ ہے۔ کہ مکبّر عبید اللہ جو مصغر ہے مرآت عالم۔ روضۃ الصفا حبیب السیر اور تاریخ گزیدہ میں مہدی کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تحریر کی ہے اور انکے بیٹے قائم بامر اللہ کا نام احمد بیان کیا ہے اور پھر یوں کہا ہے۔ کہ اسماعیلیہ میں سے جس نے اول ظہور کیا۔ اور صاحب ملک حکومت ہوا وہ ابوالقاسم محمد بن عبد اللہ ہیں۔ انکو مہدی کہتے تھے سنہ ۳۲۲ھ میں مہدویہ میں انھوں نے انتقال کیا۔ انکے بعد جانشین انکے القائم بامر اللہ احمد ہوئے جو انکے بیٹے تھے مگر یہ اقوال صحت سے عاری ہیں۔

مختصر یہ کہ جبکہ مہدی کی بادشاہت جم گئی۔ تو تمام معاملات سلطنت کو بذاتہٖ خود انجام دینے لگے۔ ابو عبد اللہ شیعی اور اُسکے بھائی ابوالعباس کو بیدخل کردیا چونکہ ترک عادت بلائے سخت ہے یہ امر انکو ناگوار ہوا۔ ابوالعباس اپنے بھائی کو ملامت کرتا تھا کہ تونے بادشاہت اپنے ہاتھ سے نکال کر غیر کو سونپ دی۔ ابو عبد اللہ شیعی بھائی کو سمجھاتا تھا کہ ایسی بات منہ سے مت نکال۔ یہانتک کہ مہدی کو خبر لگی۔ کہ وہ سرداران قبائل سے یہ کہتا ہے۔ کہ یہ مہدی وہ مہدی نہیں

ہے جسکی طرف ہم نے تمہیں بلایا تھا۔ مہدی نے دونوں کو اپنے پاس بلاکر ۲۹۶ھ
میں اور بقولے ۲۹۸ھ میں قتل کرڈالا۔ ۳۰۳ھ میں مہدی نے افریقہ میں کنارہ
دریا پر ایک شہر آباد کرکے اسکا نام مہدیہ[1] رکھا۔ اور اسکو اپنا دارالسلطنت بنایا
خلفائے مصر کے مورث اعلے یہی ہیں۔ بلاد افریقہ میں ان خلفا کی حکومت نے
بڑی قوت پکڑی۔ مذہب اسماعیلیہ کو برملا جاری کرنے لگے۔ انکے داعی زمین مصر
کی طرف پھیل گئے۔ ایک خلق کثیر نے انکی دعوت قبول کرلی۔ پھر معزلدین اللہ
ابوتمیم معد بن اسماعیل منصور بن قائم محمد بن مہدی عبیداللہ ۳۵۸ھ میں ابوحسین
جوہر اپنے والد کے غلام کی کوشش سے بعد وفات کافور اخشیدی والی مصر کے مصر
کے مالک بن بیٹھے۔ جہاں جوہر نے قاہرہ آباد کیا۔ اور اپنا لشکر شام کی طرف روانہ
کیا۔ تمام ملک افریقہ و مصر و بلاد شام میں بھی یہ مذہب پھیل گیا۔ مگر ۴۴۳ھ سے
انکا قبضہ افریقہ سے اٹھ گیا۔ وہاں جو انکی طرف سے حاکم تھے۔ وہ خود مختار ہوگئے
مصر ان کے قبضے میں رہا۔ معز نے ۳۶۱ھ میں دارالحکومت افریقہ سے مصر میں
بدلا تھا۔ انکی سلطنت کو **دولت عبیدیہ** اور **عبیدی** اور **عبیدیین** کہا
کرتے ہیں۔ اور **دولت اسماعیلیہ** بھی انہیں سے عبارت ہے۔ اور ان کے
طرفدار انکے خاندان کو **علوی فاطمی** جانتے ہیں۔ سیوطی نے رسالہ زینبیہ میں
لکھا ہے۔ کہ صدر اول میں لفظ **شریف** کا اطلاق ہر ایک اس آدمی پر ہوتا تھا۔ جو
اہل بیت سے تھا۔ خواہ حسنی ہوتا یا حسینی یا علوی یا محمد بن حنفیہ کی اولاد سے یا حضرت
علی کے دوسرے بیٹوں کی اولاد سے یا جعفری یا عقیلی یا عباسی جبکہ فاطمیوں کا
مصر پر قبضہ ہوا۔ تو انہوں نے فقط اولاد امام حسن و حسین پر استعمال اس لفظ کا
مقصور کردیا۔ انتہی مخلصاً۔ اور حافظ ابن حجر نے کتاب القاب میں لکھا ہے کہ بغداد
میں ہر عباسی اور مصر میں ہر علوی لفظ شریف کے ساتھ ملقب تھا۔ تاریخ ابوالفدا
میں مرقوم ہے کہ قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں۔ کہ عبیداللہ الملقب بہ مہدی باطنیہ کا عقیدہ

---

[1] جام جم میں مہدیہ کا ذکر ممالک تونس میں صفحہ ۲۵ پر باب ۱۱۱ میں کیا ہے ۱۲ منہ

رکھتے تھے۔ دین اسلام کی بربادی کے بڑے درپے تھے علما کو قتل کراتے تھے
تاکہ انکی مخالفت پر لوگوں کو وعظ و نصیحت نکریں۔ اور انکی اولاد بھی اسی عادت
کی نکلی۔ زناکاری اور مے نوشی کو مباح کر دیا تھا۔ اور بیان المغرب میں لکھا ہے
کہ قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں۔ کہ عبداللہ مہدی قرامطہ میں سے ہیں۔ اور یہ مذہب
اور نسب اُنکے لئے ابوعبداللہ شیعی نے اختراع کیا ہے۔ مہدی موصوف ہمیشہ
اصحاب و ازواج رسالت مآب کی ہجو کیا کرتے تھے۔ سوائے حضرت علی اور مقداد
بن اسود اور سلمان فارسی اور ابوذر غفاری کے۔ اور کہتے تھے۔ کہ سرور عالم کی رحلت
کے بعد یہ تمام لوگ مرتد ہوگئے تھے سوائے ان پانچ صحابیوں کے۔ اور فقہا کو حکم
دیدیا تھا۔ کہ سوا اُس مذہب کے جو ان کا جاری کیا ہوا تھا۔ دوسرے مذہب پر فتوے
ندیں۔ ان کا مذہب یہ تھا۔ کہ بیٹی پوری میراث کی وارث ہو جاتی ہے۔ اور طلاق بائنہ
سے عدت ساقط ہو جاتی ہے۔ تاریخ فرشتہ میں تاریخ جہاں کشا کے حوالے سے لکھا ہے
کہ اسماعیلیہ کے دو پیشوا تھے۔ ایک کو میمون قداح کہتے تھے۔ اور دوسرے کو
عبداللہ بن میمون یہ عبداللہ کوفہ اور عراق کو گئے۔ اور انکا بیٹا ہمراہ تھا
اور وہاں کے لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔ کہ میں امام کا داعی ہوں۔ اور امام جلدی
ظاہر ہوا چاہتے ہیں۔ اور ایک شخص کو جسکا نام ابوالقاسم تھا یمن میں دعوت کے
لئے بھیجا۔ اہل یمن نے دعوت قبول کی۔ اور ایک شخص کو جو ابوعبداللہ شیعی کرکے
مشہور تھا مغرب کو بھیجا پیچھے سے آپ بھی مع بیٹے کے مغرب کو گئے۔ ابوعبداللہ نے
استقبال کیا عبداللہ نے مغرب میں جا کر یہ دعوے کیا۔ کہ میں امام ہوں۔ اور بمقتضی مصلحت
کے طور پر یہ بھی کہدیتے تھے۔ کہ امام کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ اور اپنے آپکو اسماعیل
بن جعفر کی اولاد قرار دیتے تھے۔ اور اپنا خطاب مہدی مقرر کیا تھا عبیدیین سے
پیشتر اسماعیلیہ کے پاس سوائے کتاب البیان باطنیہ مولفہ غیاث کے اور کوئی کتاب
نتھی۔ جب مہدویہ نے مصر اور افریقہ پر تسلط حاصل کیا۔ تو انکے خاندان میں
بڑے بڑے علما صاحب تصانیف اور داعی پیدا ہوئے۔ جیسے نعمان بن محمد بن منصور

قاضی اور علی بن اور محمد بن نعمان اور عبد العزیز اور محمد بن صلیب و مقلد بن صلیب عقیلی اور ابو الفتوح
بجوان اور محمد بن ہانی کتابی الملقب بامام الدین وغیرہ خاصکر مستنصر کے عہد میں عامر بن عبد اللہ
داعی یمنی اور علی بن قاضی محمد صلیحی یمن کا قاضی زادہ یہ دونوں بڑے داعی تھے یہانتک کہ علی بن محمد نے
سنہ ۴۲۹ھ میں یمن میں ایسا قدم جمایا وسمی نجاح رئیس تہامہ کو زہر دلوا کر سنہ ۴۵۲ھ سے دو برس کے عرصہ میں یعنی
سنہ ۴۵۵ھ تک سارے ملک یمن کا بتدریج مالک ہوگیا اور اہل یمن کو مذہب مہدویہ میں کر لیا۔ یمن
میں قوم بنی یام اور قوم بنی ہمدان اسماعیلی المذہب ہیں۔ علی بن محمد صلیحی ابتدا میں
سنی المذہب تھا۔ عامر بن عبد اللہ داعی کی کوشش سے شیعہ اسماعیلی ہوگیا تھا
یہ اور اسکا بیٹا احمد بن علی بن محمد صلیحی دونوں یمن کے حکمران بھی رہے ہیں۔ اور بعد انکے
اور بڑے بڑے داعی بھی گذرے ہیں جیسے صالح بن ہندیک ارمنی وزیر فائز بن
ظافر اور فقیہ عمارہ یمنی صاحب تاریخ یمن بھی باطن میں شافعی تھا اور ظاہر میں
مہدویہ کا داعی۔ حسین بن عبد اللہ بن حسن یعنی علی بن سینا کو بھی اسماعیلی المذہب
بتاتے ہیں۔ اور احمد بن عبد اللہ مصنف رسالہائے اخوان الصفا کا بھی یہی مذہب
تھا اور فوائد المجموعہ میں لکھا ہے کہ رسائل اخوان الصفا کا واضع زید بن رفاعہ ہے
اور حکیم ناصر خسرو کو بھی اسماعیلی بتایا ہے۔ سات برس تک مستنصر کے پاس مصر میں
رہا تھا۔ ہر سال یہاں سے حج کو جاتا اور پھر مصر کو لوٹ آتا۔ آخرکار مکہ سے بصرہ
ہوتا ہوا خراسان کو چلا گیا۔ اور وہاں بہت لوگوں کو مذہب اسماعیلیہ کی طرف
ہدایت کرنے لگا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اسماعیلیہ الموتیہ کی صحبت میں رہا تھا
اور اس نے ایک ندامت نامہ شایع کیا تھا کہ میں اسماعیلیہ الموتیہ کی صحبت میں
رہنے پر مجبور تھا۔ عمداً میں نے انکی صحبت نہیں اختیار کی تھی۔ یہ بات بالکل غلط ہے
ناصر خسرو کو اسماعیلیہ الموتیہ کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا نہ انکے پاس کبھی وہ رہا۔ مہدویہ
میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ امام حکومت و ولایت کے وقت گناہوں سے
معصوم ہوتا ہے نہ قبل اسکے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قبل اس سے بھی معصوم ہوتا ہے

---

[1] دیکھو تاریخ یمن مؤلفہ نجم الدین عمارہ یمنی ۱۲ [2] دیکھو دبستان المذاہب ۱۲

ہوتا ہے ۔ اور کہتے ہیں کہ امام کا حکم ایمان دار مرد و عورت پر لازم الاتباع ہے ۔ اگرچہ
مرضی کے خلاف ہو ۔ پس اگر امام کسی عورت کا عقد کسی مرد کے ساتھ کر دے ۔ تو یہ
عقد دونوں پر لازم ہو جاتا ہے ۔ اور فسخ نہیں کر سکتی ۔ اسی طرح اور تمام معاملات
بیع و اجارہ میں امام کا حکم نافذ ہے ۔ اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ امام کو خدائے
تعالیٰ کے ساتھ مانند حضرت موسیٰ کے ہم کلام ہونا چاہئے ۔ اور حاکم بامر اللہ عبیدی
کو اس باب میں بڑے بڑے دعوے تھے ۔ اور اکثر کوہ طور پر جاتے اور لوگوں پر
ظاہر کرتے کہ مجھ سے خدا نے کلام کیا ہے ۔ اور مہدویہ کے نزدیک امام کے واسطے
علم غیب کا ہونا ضرور ہے ۔ جیسا کہ شیعہ اثنا عشری کا زعم ہے ۔ انکا اعتقاد یہ ہے
کہ لفظ علیٰ جو بر اور اوپر کا ترجمہ ہے ۔ درود میں آل پر داخل کرنا یعنی یوں کہنا
حرام ہے ۔ اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد بلکہ یوں کہنا چاہئے ۔ اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد
اور اس حرمت کے استدلال میں یہ حدیث موضوع بیان کرتے ہیں من فصل بینی و
بین الی بعلی لم ینل شفاعتی یعنی جس نے مجھ میں اور میری آل میں لفظ علیٰ کے
ساتھ فاصلہ دیا وہ میری شفاعت سے محروم ہے ۔ اور کہتے ہیں کہ ایک مرد کو اٹھارہ
عورتوں کے ساتھ نکاح کر لینا جائز ہے ۔ اور تمسک اس آیت کے ساتھ کرتے ہیں ۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلث و رباع ۵

یعنی نکاح کرو جو خوش لگے ۔ تم کو عورتوں سے دو دو اور تین تین اور چار چار ۔ پس
انکے نزدیک سب اعداد کا مجموعہ یعنی اٹھارہ عورتوں کا ایک شخص کے نکاح
میں ہونا جائز ہے اور اماماں مہدویہ اگرچہ باطنیہ تھے ۔ مگر تالیف قلوب رعایا
کے لئے بظاہر احکام شرع کی پابندی کرتے تھے ۔ اور در پردہ اپنے عقائد کے جاری کرنے
میں برابر مصروف تھے ۔ اور اپنے سچے دوستوں کو بطور باطنیہ کے تعلیم دیتے تھے
انکے عہد میں تمام مصر میں رواج مذہب اسماعیلیہ کا ہو گیا تھا ۔ قاضی مفتی شیعہ ہوتے
تھے ۔ جو کوئی انکے خلاف کرتا ۔ اسکو سزا دیتے ۔ یہانتک کہ سوا اس عقیدے کے
کوئی عقیدہ اس زمین میں باقی نہ رہا ۔ اگرچہ مذہب شیعہ پیشتر سے بھی زمین مصر میں

معروف تھا۔ یزید بن ابی حبیب نے کہا ہے نشات بمصر وھی علویۃ فقلبتھا عثمانیۃ یعنی جب میں نے مصر میں ہوش سنبھالا۔ تو وہاں شیعہ مذہب تھا میں نے اسکو عثمانی مذہب یعنی حنفی کر ڈالا۔

ناصر خسرو اپنے سفرنامے میں عہد مستنصر کا حال لکھتا ہے۔ کہ میں شام سے قیروان تک گیا۔ تمام شہروں اور گاؤں میں جو جو مسجدیں تھیں سب کا خرچ وکیل سلطان کے ذمے تھا چراغ کا تیل۔ چٹائی۔ بوریا کمبل۔ موذن اور فراش وغیرہ کی تنخواہ یہ سب چیزیں وہی بہم پہنچاتا تھا۔ ایک بار والی شام نے لکھا۔ کہ روغن زیتون کم ہے۔ اگر حکم ہو تو مساجد میں مولی اور شلجم کے بیجوں کا تیل دیا جائے سلطان کی طرف سے اُسکو جواب ملا۔ کہ تم فرماں بردار ہو نہ وزیر و مشیر جو چیز خانۂ خدا سے تعلق رکھتی ہے۔ اُس میں تغیر و تبدل جائز نہیں۔ قاضی القضاۃ دو ہزار دینار معزلی پاتا تھا۔ اور اسی طرح دوسرے قاضیوں کی بھی تنخواہیں تھیں۔ تاکہ لوگوں سے رشوت کی طمع نہ کریں۔ ماہ رجب میں تمام مساجد میں حکم سلطانی سنایا جاتا تھا۔ کہ اے مسلمانوں موسم حج قریب آگیا ہے۔ سلطان کی طرف سے جو سامان اور فوج اور باربرداری اور خرچ مقرر ہے۔ وہ بدستور دیا جائیگا۔ اور رمضان میں بھی یہی منادی کی جاتی۔ اول ذی قعدہ سے آدمی شہر سے نکلنا شروع ہوتے اور ایک مقام معین میں ٹھیرتے۔ نصف ذی قعدہ میں قافلے کا کوچ ہوجاتا۔ تمام لشکر کا خرچ ایک ہزار دینار روزانہ ہوتا تھا۔ اور تنخواہ نوکروں کی اس سے علاوہ ہوتی۔ ساٹھ ہزار کے قریب دینار صرف میں آجاتے تھے۔ جو اہل مکہ اور اعیان مکہ کے لئے انعام و اکرام اور وظیفہ بھیجا جاتا۔ وہ اسکے علاوہ ہوتا اور سال میں دو بار جامہ کعبہ کو بھیجا جاتا تھا۔

مہدویہ کے نزدیک امامت کے ثبوت کا طریق نص ہے۔ مہدویہ جس طرح عبد اللہ مہدی کے اسلاف کو امام جعفر صادق تک امام منصوص مانتے ہیں اسلئے کہ ہر ایک باپ اپنے بیٹے کی امامت کے لئے فرما دیتا تھا۔ اسی طرح مہدی کے

بعد انکے جانشینوں کو امام منصوص مانتے ہیں مستنصر تک تمام مہدویہ ائمہ کے
بارہ میں متفق ہیں۔ انکے بعد اس فرقے میں امام کے متعلق اختلاف ہوگیا اور
پھر آگے چل کر آمر کے بعد سے دوبارہ اختلاف پیدا ہوگیا جسکی تفصیل آگے
چل کر معلوم ہوگی۔ ائمہ مہدویہ کی تفصیل یہ ہے (۱) عبید اللہ مہدی باللہ
افریقہ میں انکی حکومت کی ابتدا سنہ ۲۹۶ھ سے سمجھی جاتی ہے کیونکہ زیادۃ اللہ
ماہ رمضان سنہ مذکور سے افریقہ سے بھاگا تھا۔ ۲۶ برس حکومت کرکے باسٹھ
برس کی عمر میں سنہ ۳۲۲ھ میں انتقال کیا۔ مہدیہ میں مدفون ہوئے۔ جو اب
مملکت ٹونس میں واقع ہے۔ سنہ ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے تھے (۲) ابو القاسم
محمد الملقب قائم بامر اللہ بن مہدی باپ کے مرنے کے بعد تخت
نشین ہوئے۔ انکے وقت میں ابو یزید خارجی نے خروج کیا تھا۔ تو اسماعیلیہ
اُسے دجال کہا کرتے تھے۔ تاریخ گزیدہ میں مذکور ہے کہ مہدویہ کا اعتقاد یہ تھا
کہ دجال ابو یزید سے کنایہ ہے اور ایک حدیث اس مضمون کی روایت
کرتے ہیں کہ دجال مہدی یا قائم پر خروج کریگا۔ قائم کو ابو یزید نے مہدیہ میں
محصور کرلیا۔ حالت محاصرہ میں بیمار ہوئے اور وہیں شوال سنہ ۳۳۴ھ میں مرے
بارہ سال حکومت کی (۳) ابو طاہر اسماعیل الملقب منصور بقوۃ اللہ
بن قائم یہ بڑے شجاع تھے۔ تخت پر بیٹھکر انہوں نے ابو یزید کو شکست دی
سنہ ۳۳۶ھ میں اُسے گرفتار کرکے کھال نکلوا کر اس میں بھس بھروا دیا۔ انہوں
نے شوال کی آخری تاریخ کو سنہ ۳۴۱ھ میں ۷ سال حکومت کرکے ۳۹ سال کی
عمر میں انتقال کیا (۴) ابو تمیم معد الملقب معز لدین اللہ بن منصور
سلطنت نے انکے زمانے میں عروج پکڑا۔ مصر کو انہوں نے اپنا دار الخلافت
قرار دیا اور پھر برابر سلاطین اسماعیلیہ کا یہی دار الحکومت رہا۔ ۱۹ ربیع الثانی
سنہ ۳۶۵ھ روز جمعہ کو راہی ملک آخرت ہوئے ۲۳ سال ۵ ماہ حکومت کی۔ ۴۵
سال عمر پائی۔ (۵) ابو منصور نزار الملقب عزیز باللہ بن معز شام

سے اندلس تک تمام ممالک غربی پر انکا قبضہ تھا۔ رمضان ۳۸۶ھ میں مر گئے ۴۲ سال عمر پائی۔ ۲۱ سال امامت کی (۱۶) ابو علی منصور الملقب حاکم بامر اللہ بن عزیز یہ بڑے متشرع بادشاہ تھے۔ انہوں نے عورتوں کے پردے میں سختی کی مسکرات کی خرید و فروخت بند کرادی۔ انکے وقت میں انتظام شہر بھی اچھا تھا۔ قاہرہ میں مسجد ازہر انہیں کی بنوائی ہوئی ہے لیکن بعض مورخ

لہ تمدن عرب کے صفحہ ۲۱۸ میں ایک نوٹ مصنف کی طرف سے ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ جن مصنفین نے قاہرہ کا بیان لکھا ہے، وہ اکثر مورخین عرب کے بیان کے بموجب لکھتے ہیں کہ اس مسجد میں ہر رات کو اٹھارہ ہزار چراغ روشن ہوتے تھے۔ اور ان میں روزانہ پندرہ ہزار چار سو من خالص تیل جلتا تھا محقق سے محقق مورخ نے جنہیں باقی سیر بھی شامل ہے اس قول کا اعادہ کیا ہے لیکن ایک معمولی حساب کی رو سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس بیان کے بموجب فی چراغ ۳۴ سیر ۲ چھٹانک تیل پڑتا ہے جو بالکل خلاف قیاس ہے علاوہ اسکے پندرہ ہزار ۴ سو من تیل کو روزانہ مسجد تک پہنچانے کیلئے اونٹوں کی قطار کی قطار درکار ہے انتہی یہ اعتراض تحقیق کے خلاف ہے یہاں من سے مراد ہندوستان کا اصطلاحی من نہیں جو ۴۰ سیر وزن کا ہے بلکہ وہ من مراد ہے جسکی مقدار بہت ہی ہلکی ہے چنانچہ مطلق من کے لفظ سے اطبا دو رطل عراقی مراد لیتے ہیں کہ ۵۶ تولہ ۹ ماشہ ہوتا ہے من مکی ۱۹۰ مثقال من رومی ۵۰ مثقال من مصری و انطالیقی ۱۰۰ مثقال من اسکندرانی ۲۲۵ مثقال من قطری ۱۸۵ یا ۱۸۰ مثقال من تبریزی ۶۰۰ مثقال من شاہی ۱۲۰۰ مثقال نام حق کا شعر ہے ؎ در وضو کن بہ نیمن اشنجا + ریزہ بر دست و روئے نیمن را + جو لوگ اس تحقیقات اور فرق کو ذہن میں نہیں رکھتے یا فراموش کر جاتے ہیں وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر دہوکا کھاتے ہیں تحقیق یہ ہے کہ مصری من ۲۰۰ مثقال ہوتا ہے اور مثقال کے وزن میں اختلاف ہے بعض نے ساڑھے چار ماشہ لکھا ہے بعض نے ۴ ماشہ ۲ رتی بعض نے ۳ ماشہ پونے دو رتی اور مثقال شرعی اس سے بھی بہت کم ہے میں یہاں مثقال ۳ ماشہ ۶ رتی مانکر کہتا ہوں کہ ۱۵ ہزار ۴ سو من مصری تیل ۵ لاکھ ۷۷ ہزار ۵ سو تولہ ہوا جسکے لکھنؤ کے سیر کے حساب سے ایک سو ۴۴ من اور ڈھائی سیر ہوا اور لکھنؤ کا سیر پختہ ۱۰۰ تولہ کا ہوتا ہے پس یہ کوئی بہت بڑی مقدار نہیں جسکے اٹھانے کیلئے اونٹوں کی بہت سی قطاروں کی ضرورت پڑتی۔ اور اس حساب سے فی چراغ ۳۲ تولہ ایک ماشہ تیل پڑتا ہے جو انگریزی سیر کے حساب سے بھی آدھ سیر نہیں ہوتا۔ سیر انگریزی جسے ببمبری کہتے ہیں ۸۰ تولہ ۴ ماشہ کا ہوتا ہے اور تولہ ۱۲ ماشہ کا ۱۲ منہ

ان کو فرعون ثانی لکھتے ہیں۔ اور انکی سختیوں کو حدو د شرعی سے متجاوز بتلاتے ہیں "انہوں نے حکم دیا تھا۔ کہ کوئی یہودی اور نصرانی گھوڑے پر سوار نہو گدہے اور خچر پر سوار ہو مگر لوہے کی رکاب استعمال نہ کرے۔ اور ہمیشہ چند گھونگرو لٹکتے رکھے اور حمام میں جائے تو پاؤں میں کڑا رکھے۔ تاکہ مسلمان سے امتیاز ہے۔ ان کو یہہ معلوم ہوا۔ کہ انکی بہن کی سپہ سالار کے ساتھ آشنائی ہے۔ اسلئے دونوں کو سزا دینا چاہا۔ سپہ سالار نے انکے ارادے سے مطلع ہوکر کچھ آدمی گھات میں لگا دئے جنہوں نے سنہ ۴۱۱ھ میں مار ڈالا ۳۶ سال کی عمر پائی ۲۵ سال حکومت کی تمدن عرب کے صفحہ ۲۰۸ میں مذکور ہے کہ دروز لبنان میں ایک فرقہ چھٹے فاطمی خلیفہ مصر الحاکم بامر اللہ کا پیرو ہے۔ انکی تعداد اس وقت اڑہائی لاکھ نفوس کی ہے۔ یہ نیم مسلمان اور نیم نصرانی ہیں۔ (۷) **ابو الحسن علی الملقب ظاہر لاعزاز دین اللہ بن حاکم** یہ بڑے نیک نام تھے۔ انکی نیکنامی سنکر عمائد خراسان حج کرکے لوٹتے تو مصر ہوتے آئے۔ اور وہاں سے خلعت لائے۔ محمود غزنوی کو اسکی خبر لگ گئی۔ انہوں نے فوراً خلیفہ بغداد قادر باللہ کو مطلع کیا۔ حجاج ابھی مصر سے لوٹ کر بغداد ہی میں ٹھیرے تھے کہ خلیفہ نے اُن سے بازپرس کی۔ اور خلعت کے کپڑے جلائے گئے۔ ظاہر نے سپہ سالار اور اپنی پھوپھی کو مروا ڈالا تھا ان کا انتقال شوال سنہ ۴۲۷ھ میں ہوا۔ ۳۳ سال کی عمر پائی۔ ۱۶ سال حکومت کی۔ (۸) **ابو تمیم معد الملقب مستنصر باللہ بن ظاہر**۔ ابو الفدا نے بیان کیا ہے۔ کہ مستنصر کے عہد میں اُنکی والدہ حکمرانی میں اُنپر غالب تھیں۔ آخر کار ناصر الدولہ نے زور باندہ کر مستنصر کی والدہ کو قید کر دیا۔ اور حکمرانی کے عوض اُنکو ۵۰ ہزار دینار دئے۔ اور مستنصر کو انکی اولاد اور بی بی سے علیٰحدہ کرکے نظر بند کر لیا۔ اور اُنکی یہانتک تحقیر و تذلیل کی کہ اُنکی شان و شوکت میں بٹہ لگ گیا۔ مستنصر کی یہ نوبت پہنچی کہ ایک مسند پر بیٹھے رہتے تھے۔ اور اسکے سوا کچھ اُنکے پاس نہ تھا۔ آخر الامر ناصر الدولہ کو دوسرے امرا نے مار ڈالا۔ اور سنہ ۴۶۵ھ میں

فوج کے ایک سردار نے جسکا نام بدرجمالی ہے۔ از سر نو مستنصر کا اقتدار جمایا اور تمام سلطنت کی نیابت بدر کرنے لگا۔ سنہ ۴۸۷ھ میں بدر نے انتقال کیا۔ تو اسکا بیٹا افضل نائب سلطنت ہوا۔ مستنصر ایسے صابر و شاکر تھے۔ کہ اُنپر بڑی بڑی مصیبتیں اور سختیاں پڑیں۔ تمام مال و اسباب اور خزانہ انکا خرچ میں آگیا۔ سوائے ایک مسند کے جسپر وہ بیٹھے رہتے تھے۔ ان کے پاس کچھ باقی نرہا لیکن انہوں نے صبر کو ہاتھ سے نہ دیا۔ مستنصر نے سنہ ۴۸۷ھ میں رحلت کی ۶۷ سال کی عمر پائی۔ ۶۰ سال امامت و خلافت کی تاریخ گزیدہ میں مسطور ہے کہ مستنصر بے سبب قیمتی جواہرات کو ہاون میں پسوا کر پانی میں بہا دیتے تھے سپاہ کی تنخواہ وقت پر نہیں دیتے تھے۔ یہانتک کہ ایک بار تنگ آکر سپاہ نے اُنپر بلوا کر دیا۔ اور اُن کو پکڑ کر چڑھی ہوئی تنخواہ وصول کی۔ مگر ناصر خسرو اپنے سفرنامہ میں انکی فیاضی کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ رعایا کو سلطان پر بڑا اعتماد ہے۔ کوئی شخص جز چغلخور اور سرکاری نوکر سے نہیں ڈرتا۔ سلطان نہ کسی پر ظلم کرتا ہے۔ اور نہ کسی کے مال پر لالچ کرتا ہے۔ (۹) **ابو القاسم احمد الملقب مستعلی باللہ بن مستنصر۔** سنہ ۴۹۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ سات سال دو ماہ امامت کی۔ اجل طبعی سے مرے تھے۔ مگر روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ نزار کے ایک طرفدار نے مار ڈالا ۲۸ سال کی عمر پائی۔ (۱۰) **ابو علی منصور آمر باحکام اللہ بن مستعلی۔** ان کے وقت میں شمالی عیسائیوں سے بڑی لڑائی ہوئی۔ اور مسلمان غالب رہے۔ ان شمالی عیسائیوں کو مسلمان مورخ اہل فرنگ لکھتے ہیں۔ انکے وقت میں حسن صباح اور نزاریہ کو شام میں بہت قوت حاصل ہوگئی۔ اور کچھ ملک علویوں کا اس خاندان کے قبضے میں آگیا انکے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اسلئے اپنے چچا کے بیٹے عبد المجید حافظ بن ابی القاسم بن مستنصر کو ولی عہد کیا۔ ۴ ذیقعدہ سنہ ۵۲۴ھ کو ایک فدائی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

---

[1] دیکھو روضۃ الصفائے ناصری ۱۲ [2] دیکھو ابوالفدا ۱۲

۲۹ برس ۵ ماہ ۱۵ دن حکومت کی۔ حافظ ابو رفع کے نزدیک کچھ کم ۴۳ سال کی عمر پائی۔ اور تاریخ گزیدہ سے ۴۰ سال کی عمر ثابت ہے۔ بوہروں میں یہ روایت چلی آتی ہے۔ کہ آمر کا صلبی بیٹا، جیسے کی عمر کا اس وقت میں موجود تھا۔ جسکا نام ابو القاسم طیب تھا۔ اور انہیں کی امامت کے لئے آمر نے نص کی۔ اُن کو امرائے دولت لیکر قاہرہ سے چلے گئے اور مستور ہو گئے[1] اسی لئے بوہرے آمر کے بھائی کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے۔ (۱۱) **ابو میمون عبد المجید الملقب حافظ لدین اللہ بن امیر ابو القاسم بن مستنصر**۔ عرصہ دراز تک حافظ کی بیعت نہ کی گئی۔ اس خیال سے کہ آمر کے محل میں شاید کسی عورت کو حمل ہو بطور نیابت کے کام کرتے رہے۔ انکی وزارت ابو علی احمد بن فضل ربی بن بدر جمالی کے ہاتھ میں تھی۔ اور وہ حافظ پر بے حد غالب تھا۔ یہانتک کہ ۵۲۴ھ میں علانیہ باغی ہو گیا۔ اور حافظ کو قید کر کے اپنا خطبہ جاری کیا۔ اور اذان میں حی علے خیر العمل کا لفظ موقوف کرا دیا۔ یہ بات شیعہ پر شاق گذری غلاموں کی ایک جماعت نے اُسکو قتل کر کے تمام سامان اُسکا لوٹ لیا۔ اور حافظ کو قیدخانے نکالا۔ اور اس وقت انکی بیعت کیگئی۔ ابو الفدا نے اسی طرح لکھا ہے۔ مگر حبیب السیر و روضۃ الصفا میں کہا ہے۔ کہ ابو علی فدائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اور بعد اسکے حافظ کے دوسرے وزیر کو بھی فدائیوں نے مار ڈالا۔ اور زوال سلطنت علویہ شروع ہوا جمادی الاخر ۵۴۴ھ میں یہ خلیفہ فوت ہوا۔ ۸۰ سال کی عمر پائی اور ۲۰ سال خلافت و امامت کی۔ (۱۲) **ابو منصور اسمٰعیل ثانی الملقب ظافر باللہ بن حافظ**۔ انکو اپنے وزیر عباس بن تمیم کے بیٹے نصر کے ساتھ عشق پیدا ہو گیا۔ ایک لحظہ اُسکو جدا نہ کرتے تھے۔ اور اسکو ایک آباد قریہ عطا کیا۔ خلق خدا کے مصر کی زبانوں پر یہ بات جاری ہوئی۔ کہ نصر کا مہر قیاس سے زائد ہے۔ وزیر کو اس معشوق کی غیرت آئی۔ اور اپنے گھر دعوت کے بہانہ سے بلا کر مار ڈالا۔ یہ واقعہ ۵۴۹ھ کا ہے۔ کچھ کم پانچ سال سلطنت کی ایام سال

[1] منقول از مجالس صفحہ ۱۲ حصہ

کی عمر پائی۔ (۱۴۳) **ابو القاسم عیسے الملقب فائز بنصر اللہ بن ظافر**
اہل فرنگ سے انکے وقت بھی لڑائی رہی بلاد عزبی پر اہل فرنگ کا جو قبضہ
ہو چکا تھا وہ مستحکم ہوا۔ اور کچھ حصہ فائز نے اُن سے واپس بھی لے لیا۔ صفر
۵۵۵ھ میں وفات پائی۔ ۵ سال حکومت کی۔ اور بقولے چھ سال اور چند ماہ
حکومت کی۔ ۱۲ سال کی عمر پائی (۱۴۴) **ابو محمد عبد اللہ الملقب عاضد
لدین اللہ بن یوسف بن حافظ**۔ انہوں نے اپنے وزیر شاور کے ہاتھ
سے تنگ آکر اتابک نور الدین سلطان موصل و دمشق سے مدد چاہی سلطان
نے اپنی فوج شیرہ کوہ کے ساتھ روانہ کی۔ وزیر نے اہل فرنگ سے مدد چاہی
شیرکوہ نے لشکر مصر و فرنگ دونوں کو شکست دی اور مصر کو فتح کر کے
دو مہینہ اور پانچ دن حکومت کے بعد فوت ہوگیا۔ پھر اُسکا چچا صلاح الدین[1]
حاکم مصر ہوا۔ اور جمعہ کے دن ۲ محرم ۵۶۷ھ کو عاضد کے انتقال کے بعد
خلفائے بغداد کے نام کا خطبہ پڑہا۔ یہ پورا حال جامع التواریخ مولفہ رشید الدین
فضل میں دیکھنا چاہئے۔

دول اسلامیہ میں لکھا ہے۔ کہ ابتدا اسماعیلیہ کی مصر میں ۲۹۶ھ
یا ۲۹۷ھ سے ہوئی۔ اور خاتمہ انکی دولت کا ۵۶۷ھ میں ہوا۔ مدت حکومت
۲۷۰ سال ہے۔ اور ائمہ اسماعیلیہ کی تعداد ۱۴ ہے۔ اور جامع التواریخ کے ایک
مقام سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ خاتمہ دولت اسماعیلیہ کا ۵۶۷ھ میں
ہوا۔ اور لطائف اخبار الدول میں قاضی محمد عبد المصطفے نے کہا ہے کہ ان کی
سلطنت کی مدت مصر میں ۲۶۰ سال ۵ ماہ ہے۔ سلطان صلاح الدین اور
قاضی صدر الدین مارانی مذاہب اشاعرہ پر تھے ان دونوں نے ابتدائے

[1] سلطان صلاح الدین نور الدین کے بعد مصر کا بادشاہ ہوگیا۔ شام عرب اور فارس
میں بہت لڑائیاں کیں ۱۱۸۷ء میں عیسائیوں کو بیت المقدس کی لڑائی میں بڑی شکست
دی۔ نہایت دلیر اور بہادر تھا۔ ۱۱۳۷ء میں پیدا ہوا۔ اور بمقام دمشق ۱۱۹۳ء میں مر گیا۔

مذہب سلطان نور الدین سے دمشق میں اسی طریقے پر نشو ونما پایا تھا۔ بلکہ صلاح الدین نے بچپن میں عقیدۂ مولفہ قطب الدین مسعود نیشاپوری کا حفظ کر لیا تھا۔ اور اپنے چھوٹے بچوں کو یاد کرا دیا تھا۔ اس وجہ سے وہ اسی عقاید اشعری پر جمے ہوئے تھے۔ جب یہ مصر کے بادشاہ ہوئے۔ تو سارے لوگوں کو التزام عقائد اشاعرہ پر آمادہ کیا۔ اور تغییر مذہب اسماعیلیہ و مہدویہ و ازالۂ تشیع میں کوشش کرنی شروع کی۔ اور مصر میں واسطے فقہائے شافعیہ و مالکیہ کے کئی مدرسے[1] تیار کرائے۔ اور سارے قضاۃ شیعہ کو مصر سے نکال دیا۔ اور صدر الدین عبد الملک بن درباس مارانی شافعی کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ تب سے اقلیم مصر میں جو کوئی قاضی مقرر ہوتا وہ شافعی المذہب ہوتا۔ لوگ کھلم کھلا مذہب شافعی و مالک پر چلنے لگے۔ اور مذہب شیعۂ اسماعیلیہ و امامیہ چھپ گیا۔ یہانتک کہ زمین مصر سے بالکل جاتا رہا۔

تنبیہہ۔ عاضد فائز کے بیٹے نہ تھے جیسا کہ صاحب تحفہ اثنا عشری نے جانا ہے۔ بلکہ عاضد یوسف کے بیٹے ہیں۔ اور یوسف بیٹے ہیں عبد المجید حافظ لدین اللہ کے اور اس خاندان میں سوائے حافظ اور عاضد کے کوئی اور ایسا آدمی خلیفہ نہیں ہوا جسکا باپ خلیفہ نہو۔ اور امیر یوسف خلیفہ نہ تھے جیسا کہ تاریخ ابو الفدا اور تاریخ الخلفا مولفہ سیوطی وغیرہ میں لکھا ہے۔ اور شاہ عبد العزیز صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ میں حافظ کو احمد مستعلی کا بیٹا بتایا ہے۔ اور حبیب السیر میں مستنصر کا بیٹا کہا ہے۔ بعض کتابوں میں انکے باپ کا نام ابو القاسم محمد بن مستنصر لکھا ہے۔ اور ابو الفدا نے بھی انہیں ابو القاسم بن مستنصر کا بیٹا بتایا ہے۔ اور تاریخ گزیدہ میں کہا ہے کہ وہ عبد المجید بن مستنصر کے بیٹے ہیں مستنصر کے تین بیٹے تھے۔ نزار احمد عبد المجید۔ اور حبیب السیر میں لکھا ہے کہ آخر کو خود عبد المجید بن مستنصر تخت خلافت پر بیٹھکر حافظ کہلائے

[1] شاید مصر میں صلاح الدین نے پہلا مدرسہ شافعیہ نامی ۵۶۶ھ میں جاری کیا۔ دیکھو رضتین جلد اول صفحہ ۱۹۱

تحفے میں ان خلفا کے ناموں کی نسبت کئی غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ اور مجالس المومنین میں غلطی سے ابو تمیم معد مستنصر کو قاہر کا بیٹا لکھا ہے۔ حالانکہ ان خلفا میں قاہر کسی کا لقب نہ تھا۔ اور معد مستنصر بیٹے ہیں علی بن منصور کے اور علی کا لقب ظاہر لاعزاز دین اللہ ہے۔ اور اس باب میں روضۃ الصفا۔ حبیب السیر۔ تاریخ گزیدہ اور عیون التواریخ وغیرہ میں اگرچہ یہ بڑی بھاری غلطی ہوئی ہے۔ کہ خود مہدی کا نام محمدؐ بتایا ہے۔ اور ابو القاسم انکی کنیت لکھی ہے مگر مرآت عالم کے مولف نے انتہائی غلطی یہ کی ہے۔ کہ کہا ہے بکہ ابو القاسم محمدؐ جنہوں نے اپنا لقب مہدی مقرر کیا تھا۔ اور جنکو اسماعیلیہ مہدی آخر الزمان جانتے ہیں۔ اور مہدیہ کے بانی وہی تھے۔ جب انہوں نے ۳۲۲ھ میں رحلت کی۔ تو انکی جگہ انکا بیٹا القائم بامر اللہ نزار مسند نشین ہوا۔ حالانکہ نزار مہدی سے پانچویں پشت میں ہیں۔ اور انکا لقب عزیز باللہ تھا۔ مہدی تو عبد اللہ کا لقب ہے اور قائم انکے بیٹے محمدؐ کا۔ اور جمہرۃ النسب میں جو عبد اللہ کے ساتھ قائم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور تاریخ فرشتہ میں مستنصر اور علی ظاہر کے درمیان ایک نام محمدؐ لکھا ہے۔ اور وہ زائد معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ دوسری کتب سے ثابت نہیں۔

مہدویہ کا امامت میں اختلاف

مستنصر کے بعد سے مہدویہ میں اختلاف واقع ہوگیا۔ اور دو فرقے بن گئے وجہ اسکی یہ ہے۔ کہ مستنصر نے اولاً اپنے بڑے بیٹے المصطفٰے لدین اللہ نزار کی امامت کے لئے اپنے بعد نص کی۔ پھر ان سے ناراض ہوکر چھوٹے بیٹے ابو القاسم احمدؐ الملقب مستعلی باللہ کی امامت کے لئے نص کردی۔ سو ایک جماعت نے نص ثانی کو نص اول کا ناسخ قرار دیا۔ اور مستعلی کو امام برحق جانا۔ چنانچہ ان لوگوں کو مستعلویہ کہتے ہیں۔ اور ایک جماعت مستنصر کی نص اول کے

بموجب نزار کو امام ماننے لگی۔ اور کہتے لگی۔ کہ نص ثانی لغو ہے۔ اس لئے کہ
نص اول اپنا کام پورا کر چکی تھی۔ اور دلیل اس پر یہ بیان کی۔ کہ حضرت جعفر
صادقؑ کے بعد انکی نص کے بموجب اسماعیل امام ہوئے نہ موسیٰ کاظم تو یہاں
بھی نزار کی نسبت حق وصیت باطل نہیں ہوسکتا۔ اس فرقے کو نزاریہ کہتے
ہیں۔ یہ لوگ نزار کی دعوت دینے لگے۔ حسن صباح اسی مذہب کا سرگرم داعی تھا
اور شیخ نزاری قہستانی بھی مذہب نزاریہ کا پابند تھا۔ اسی لئے نزاری تخلص
کرتا ہے۔ اور مرآت عالم میں جو لکھا ہے کہ نزاری قہستانی حسن صباح کا عرف
تھا۔ یہ غلط ہے۔ تحفہ اثنا عشریہ میں نزار کو مستنصر کا بھائی بتایا ہے۔ اور
دبستان المذاہب۔ تاریخ فرشتہ۔ حبیب السیر۔ اور مرآت عالم اور روضتہ الصفا
وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مستنصر کے بیٹے تھے۔ اور مجالس سیفیہ سے بھی یہی
ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اُس میں لکھا ہے۔ کہ مستنصر باللہ نے دنیا سے رحلت کی
تو انکے پسر اکبر نزار پہلے ولیعہد تھے۔ اسکے بعد وہ خارج ہوئے۔ اور انکے چھوٹے
بھائی مستعلی ولیعہد ہوئے۔ مستنصر کی وفات کے بعد مستعلی نے تخت قاہرہ معزیہ
پر جلوس فرمایا۔ اور نزار نے علیٰحدہ قستان حکومت قائم کیا۔ دونوں بھائیوں میں
جنگ عظیم ہوئی۔ فدائیان قلعۂ الموت ایران سب نزار کے طرفدار تھے۔ اور
اہل یمن سب مستعلی کے طرفدار۔ تم کلامہ۔ یاد رکھو۔ کہ جب احمد مستعلی مسند
خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو نزار اسکندریہ کو بھاگ گئے۔ وہاں مستنصر کا ایک
غلام حاکم تھا۔ اس نے تعظیم و تکریم کر کے سریر فرمانروائی پر بٹھا دیا۔ مستعلی
نے ایک بھاری فوج اسکندریہ کو بھیجی جس نے پہنچ غلام کو مار ڈالا۔ اور نزار
کو قاہرہ میں پکڑ لائے۔ مستعلی نے انکو قید کر دیا۔ قید ہی میں انتقال ہوا۔ نزاریہ کا
نام صباحیہ اور حمیریہ بھی ہے۔ اور یہ نسبت ہے حسن بن محمد صباح حمیری
اسماعیلی کی طرف اور یہ سارے مہدویہ میں سے اکفر تھے۔ اس لئے ان کو
ملاحدہ بھی کہتے ہیں۔ اور حقیقت میں اسماعیلیہ کی ایک شاخ ہیں۔ بلکہ ابن خلدون

نے تو لکھا ہے کہ سارے اسماعیلیہ ملاحدہ کہلاتے ہیں کیونکہ انکے مقالے میں الحاد بھرا ہوا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ وہ در پردہ بظاہر ہر ایک حکم شرع کی پابندی کرتے تھے۔ اور انہوں نے ظاہر میں بھی رعایت شرع کی اٹھا دی تھی۔ نزاریہ کو بھی باطنیہ کہتے ہیں۔ اس حسن کی نسبت ارباب تواریخ میں یہ بات مشہور ہے کہ اسکا نسب محمد بن صباح حمیری سے ملتا ہے۔ مگر خواجہ نظام الملک نے اپنے وصایا میں اس افواہ کی تردید کی ہے۔ اور کہا کہ جب حسن نیشا پور میں طالبعلمی کو آیا تو لوگوں سے بیان کیا کرتا تھا کہ میں نسل عرب سے ہوں۔ خاندان صباح حمیری سے میرا باپ یمن سے کوفے میں کوفے سے قم میں قم سے رے میں آرہا تھا مگر اہل خراسان خصوصاً اہل طوس کہتے ہیں۔ کہ یہ قول اسکا صحیح نہیں۔ اسکے اسلاف اس ملک کے کسان تھے۔ خواجہ نے اپنے وصایا میں حسن کی عیاری اور غداری کی طول طویل داستان لکھی ہے۔ اور اس امر میں اسکے سخت شاکی ہیں اور اسکے باپ کا نام علی لکھتے ہیں۔ اور اسکے بھی عقیدہ فاسد اور خباثت طینت کو بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ علی رے کا باشندہ تھا۔ ابو مسلم حاکم رے ایک دیندار شخص تھا۔ اسلئے علی سے نفرت رکھتا تھا۔ علی ہمیشہ ابو مسلم کے سامنے اپنے عقیدے کی صفائی ظاہر کرتا۔ اور قسمیں کھاتا۔ اس زمانے میں نیشا پور میں امام موفق جنکی عمر ۸۵ سال سے متجاوز تھی۔ طلبا کو درس دیا کرتے تھے۔ اور انکے درس کی یہ برکت تھی۔ کہ انکے یہاں کے طالب علم غالباً کسی مرتبے کو پہنچ جاتے تھے۔ حسن کے باپ نے کہ اسماعیلی المذہب تھا مسلمانوں کی اپنی طرف سے اس بدظنی کے دفعیہ کے لئے حسن کو نیشا پور بھیجکر امام موفق کے حلقۂ درس میں داخل کیا۔ حسن اور خواجہ نظام الملک طوسی اور حکیم عمر خیام تینوں ہم درس تھے اور آپس میں یہ معاہدہ ہوگیا۔ کہ ہم میں سے جو شخص مرتبۂ امارت کو پہنچے اسکی دولت تینوں میں علی السویہ مشترک ہے۔ خواجہ نظام الملک جب الپ ارسلان کے وزیر اعظم مقرر ہو گئے۔ تو عمر خیام ان سے ملے۔ خواجہ نے ان کا معقول انتظام بست

کر دیا۔ عمر خیام نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور علوم کے پھیلانے میں مشغول ہو گئے خواجہ حسن کے ساتھ الپ ارسلان کے عہد میں تو کوئی سلوک نہ کیا سلطان ملکشاہ نے حسن کو بلا دیا لیکن خواجہ حسن سے کھٹکتے رہے۔ حسن نے سلطان کے مزاج میں بہت دخل پیدا کر لیا۔ سلطان نے ایک روز خواجہ سے کہا کہ بھلا کتنے دنوں میں تمام ممالک کے جمع خرچ کا حساب منقح و مرتب کر لوگے۔ خواجہ نے کہا کہ دو برس میں۔ سلطان نے کہا کہ یہ مدت بہت زیادہ ہے۔ حسن نے سلطان سے وعدہ کیا کہ اس خدمت کو تو وہی چالیس دن میں انجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کام پر مامور ہوا۔ اور سارا حساب ٹھیک کر کے پیش کرنے کے لئے لے گیا۔ حسن کے نوکر کے پاس یہ دفتر تھا۔ اور وہ دربار سے باہر لئے کھڑا تھا۔ خواجہ نے وہ کاغذات اس سے دیکھنے کے نام سے لیکر زمین پر ڈالدئے۔ تمام پریشان ہو گئے نوکر نے انکو جمع کر کے رکھ لیا۔ اور حسن سے یہ بات نہ کہی۔ حسن جب وہ کاغذات سلطان کو ملاحظہ کرانے لگا۔ تو انکو بالکل ابتر پایا۔ حسن سے جب سلطان نے سوال کئے۔ تو ہاں ہوں کرنے لگا۔ سلطان نے ملول ہو کر فرمایا کہ تعلل کا کیا سبب ہے۔ نظام الملک نے عرض کیا۔ کہ واقف کار لوگ جس کام میں دو برس کی مہلت چاہتے ہوں۔ اُسکو ایک ناواقف چالیس دن میں کیسے پورا کر سکتا ہے میں نے حضور سے عرض کر دیا تھا۔ کہ اس شخص کی طبیعت میں کج رَوِی اور مزاج میں طیش ہے۔ اعتماد کے قابل نہیں۔ سلطان حسن سے ناخوش ہو گیا۔ حسن چھپ کر رودبار کو چلا گیا۔ پھر یہاں سے اصفہان پہنچا۔ یہاں بھی زیادہ نہ ٹھیرا۔ اور مصر کو چلا گیا۔ مستنصر اسمٰعیلی یہاں امامت کرتے تھے۔ انہوں نے حسن کی بہت خاطر کی۔ مگر ڈیڑھ برس سے زیادہ حسن انکے پاس نہ ٹھیر سکا۔ اسلئے کہ حسن نزار کا جانب دار تھا۔ اور مستعلی کی امامت کے لئے جو مستنصر نے نص کی تھی اسکا مخالف تھا۔ اور یہ بات سپہ سالار اور افواج مصری اور تمام اعیان دربار کے خلاف تھی۔ حسن کو مصر بھی چھوڑنا پڑا۔ اور یہاں سے حلب کو حلب سے بغداد کو

بغداد سے خوزستان کو خوزستان سے اصفہان کو گیا۔ اور اسی طرح ولایت عراق اور آذربائیجان میں پھرنے لگا۔ اور لوگوں کو طریقہ اسماعیلیہ اور امامت نزار کی طرف دعوت کرنے لگا۔ اور چند روز دمشق میں رہنے کے بعد اُس نے قہستان میں جاکر دعوت اسماعیلیہ کا سلسلہ جاری کیا۔ اور بہت سے آدمی خفیہ طور پر اسکی اطاعت کرنے لگے۔ روضتہ الصفا میں لکھا ہے کہ اسماعیلیہ حسن کو سیدنا کہتے ہیں۔ اور حسن نے رودبار پہنچنے سے پیشتر کچھ اپنے آدمی الموت کو بھیجے تاکہ وہاں کی رعایا کو مذہب نزار کی طرف دعوت کریں۔ حسین قاینی ایک داعی کی کوشش سے رعایائے الموت اس مذہب میں داخل ہوگئی۔ سلطان جلال الدین ملکشاہ کی طرف سے یہاں کا حکمران مہدی علوی تھا۔ جو بظاہر اسماعیلیہ کی طرفداری کرتا تھا۔ اور باطن میں انکے مخالف تھا۔ جب مہدی نے دیکھا کہ اسماعیلیہ نے یہاں تک قوت پیدا کرلی ہے۔ کہ قلعہ ہاتھ سے جاتا ہے۔ تو ایک دن شب کے وقت فریب سے سارے اسماعیلیہ کو قلعہ سے نکال دیا۔ اور کہا یہ قلعہ سلطان کا ہے۔ غیر کا اس میں کیا کام اسماعیلیہ میں اور مہدی میں بہت سی گفتگو ہوئی۔ جسکا آخری یہ نتیجہ نکلا۔ کہ مہدی نے سب کو قلعہ میں واپس بلالیا۔ اب اسماعیلیہ اس سے ہوشیار رہنے لگے۔ بلکہ ایک شب اچانک مہدی کی غفلت میں حسن کو قلعہ پر بلالیا۔ یہ واقعہ ماہ رجب ۴۸۳ھ کا ہے۔ حسن نے مہدی کے ساتھ بڑی چالاکی کی۔ کہ اس سے کہا۔ کہ میں مفت یہاں کی زمین اپنی سکونت اور عبادت کیلئے لینا نہیں چاہتا۔ ۳ ہزار دینار کو میرے ہاتھ چرسہ بھر زمین فروخت کردو۔ مہدی راضی ہوگیا۔ حسن نے اُس چرسے کے باریک تسمے کٹوا کر تمام قلعہ کے آس پاس بچھوا دیئے۔ اور اُس قیمت کے ادا کردینے کے لئے ایک رقعہ حاکم گردکوہ کے نام جسے رئیس مظفر کہتے تھے۔ اور مخفی طور پر وہ حسن کی دعوت قبول کرچکا تھا لکھدیا۔ اور قلعہ میں سے مہدی کو نکالدیا۔ مہدی نے کچھ عرصے کے بعد رئیس مظفر کو وہ رقعہ دیکر دینار وصول کرلئے۔ بہارستان اصفہانی و صحیفۃ العالم

میں کہتا ہے کہ رود بار قزوین کے شمال میں چھ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ اس میں پچاس قلعہ موجود ہیں۔ جن میں سے بہتر قلعہ الموت ہے۔ یہ قلعہ اسماعیلیہ کا دارالملک تھا۔ اور اقلیم چہارم میں داخل ہے۔ ۴۸۳ھ میں حسن کے قبضے میں آیا ہے اس قلعہ کی وجہ تسمیہ برہان قاطع میں یہ لکھی ہے۔ الموت الف اور لام کے فتحوں سے جبروت کے وزن پر مشہور قلعہ کا نام ہے۔ جو قزوین اور گیلان کے درمیان واقع ہے۔ اس قلعہ کو نہایت بلند ہونے کی وجہ سے آلۂ آموت کہا کرتے تھے۔ جسکے لفظی معنی عقاب کا گھونسلا ہے۔ اسلئے کہ الہ دالف کے فتحہ لام کے ضمہ ہا کے ظہور سے) عقاب کو کہتے ہیں۔ اور آموت (لاہوت کے وزن پر) گھونسلے کے معنی میں ہے۔ عقاب اونچے مقامات پر گھونسلا رکھتا ہے بلندی کی وجہ سے اس قلعہ کا نام بھی آلۂ آموت مقرر کیا گیا تھا۔ جو کثرت استعمال سے الموت ہو گیا۔ اس نام کے حروف سے عدد بحساب جمل جمع کئے جائیں تو حسن بن صباح کے اس قلعہ میں داخل ہونے کی تاریخ نکلتی ہے۔ فردوس بریں میں عبدالحلیم صاحب شرر نے اس قلعہ کا نام التمونت لکھا ہے۔ اور یہ صحیح نہیں ۴۸۴ھ تک قہستان اور رود بار کے سارے قلعے حسن کے قبضے میں آگئے۔ اور مذہب نزاریہ کو بڑی رونق حاصل ہوئی۔ اور حسن نے اس مذہب میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی جلد دوم کے صفحہ ۲۳ میں مرقوم ہے کہ حسن نے ۱۰۹۰ء میں دھوکے سے قلعۂ الموت پر جو سرزمین ایران میں ہے قبضہ کر کے مع اپنے مقلدوں کے وہاں چلا گیا اور وہاں اسکے پیروؤں کو حشاشین کا لقب ملا اور حسن شیخ الجبل[1] بھی کہلانے لگا۔ جسکا ترجمہ پہاڑ کا

---

[1] تقریبات الشافیہ میں ابا الفتح عمرو طرابلس کے ذکر میں لکھا ہے وقد کان بھذہ البلاد فی الزمان السابق طائفۃ یقال لھم الحشاشون وکبیرھم یلقب بشیخ الجبل وکان مطاعا ومعتقدا عند اتباعہ وانما سموا بالحشاشین لانھم کانو یاکلون حشیشۃ الحرافیش لتشھیھم وکبیرھم سمی شیخ الجبل لان ھذہ الفرقۃ کانت بالجبل ۱۲ منہ

بزرگ ہے۔ یہاں سے ثابت ہوا۔ کہ تمدن عرب کے صفحہ ۱۴۰ پر جو ایک نوٹ میں لکھا ہے حشیشین قرباطیوں (قرامطہ) کے ایک گروہ کا نام تھا جنکو حسن نیشاپوری نے ۱۰۹۰ء میں جمع کیا۔ اور انہوں نے اپنا قلعہ لبنان میں بنایا تھا جسکی وجہ سے حسن کو شیخ الجبل کہتے تھے انتہی۔ یہ صحیح نہیں اسلئے کہ کسی کتاب تاریخ سے حسن کو لبنان کے قلعہ کی وجہ سے شیخ الجبل کہنا ثابت نہیں ہوتا نہ حسن کا لبنان میں جانا ثابت ہے منتہی الارب میں لکھا ہے۔ لبنان[1] عثمان کے وزن پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو شام میں واقع ہے۔ اور حسن نے ایران میں فتوحات حاصل کیں تھیں مگر اسکے متبع شام تک پھیل گئے اور لبنان میں اپنے قلعے بنا لئے تھے۔ چنانچہ ابن جبیر نے اپنے رحلہ میں اسکا ذکر دمشق کے سفر میں حلب۔ افطاکیہ۔ لاذقیہ حمص اور معرہ مقامات کے پاس کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ حمص سے بلاد معرہ چھ میل ہے اسکے دوسری طرف جبل لبنان واقع ہے۔ جبل لبنان کے دامن میں اسماعیلیہ کے قلعے ہیں۔ یہ مرتدوں کا ایک گروہ ہے شیطان نے اُن کی گمراہی کے واسطے سنان نامی ایک شخص کو ان پر مسلط کر دیا تھا۔ یہ لوگ اُسکو پوجتے تھے۔ اور اسپر اپنی جانیں نثار کرتے تھے اگر وہ حکم دیتا۔ کہ پہاڑ پر سے گر پڑو۔ تو کوئی دریغ نہ کرتا انتہی مگر حسن

---

[1] لام کے ضمہ اور باے موحدہ کے سکون نون کے فتحہ الف کے سکون نون کے وقف سے اسکی تفسیر یہ ہے۔ چنانچہ اخبار الاعیان میں شیخ طنوس بن یوسف نے کہا ہے۔ لبنان بالضم نے الابیض ہو جبل بین طرابلس و بعلبک انتہی اور منتہی الارب میں لکھا ہے طرابلس طا کے فتح با کے ضمہ موحدہ مضموم اور لام کے ضمہ سے نام ہے دو شہروں کا جن میں سے ایک مغرب میں ہے دوسرا شام میں اور یہاں مراد وہ شہر ہے جو شام میں ہے۔ اور بعلبک بھی ایک شہر کا نام ہے۔ جو شام میں ہے جیسا کہ منتخب اللغات میں مذکور ہے بہجۃ العالم کے مؤلف نے کہا ہے کہ بعلبک دمشق کے قریب ہے ۱۲ منہ

شیخ الجبل قلعہ لبنان کی وجہ سے نہ کہلایا۔ بلکہ یہ لقب اُس کا قلعہ الموت کی وجہ سے ہوا ہے۔ جہاں وہ رہا کرتا تھا۔ اور الموت ایران خصوصاً عراق عجم میں واقع ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی جلد دوم میں ہے۔ کہ حسن سے دوسرے درجہ پر داعی الکبار تھے۔ جو ان تین ضلعوں پر حکومت کرتے تھے۔ جن پر حسن کا قبضہ تھا۔ اور اُن کے ماتحت عام داعی تھے۔ جو پورے طور پر خفیہ اصولوں سے واقف تھے۔ اور انکو پھیلاتے تھے۔ اور چوتھے درجے پر رفیق تھے۔ اور یہ رفیق ترقی پاکر داعی کے رتبے کو پہنچ جاتے تھے۔ اور انکے بعد پانچواں درجہ فدائیوں کا تھا۔ یہ سب جوان آدمی ہوتے تھے۔ اور انہیں میں سے کسی کے قتل کرنے یا کسی اور سخت ضرورت کے لئے منتخب کئے جاتے تھے۔ جب حسن کو کسی کام کی ضرورت ہوتی۔ تو فدائیوں کو حشیش پلائی جاتی تھی۔ جو کہ بھنگ کے پتوں سے بنتی تھی اسی وجہ سے انہیں حشاشین کہنے لگے۔ اور بہت ہی تھوڑے سے تغیر سے یہ لفظ اسٰاسن ہوگیا۔ اور کل یوروپ کی زبانوں میں موجود ہے۔ اساسن کے معنی یوروپ کی زبان میں اس قاتل کے ہیں۔ جو گھات سے مار ڈالے۔ جس وقت کہ فدائی اس بیہوشی کی حالت میں شیخ کے نہایت خوبصورت باغ میں چھوڑ دئے جاتے تھے۔ تو انکو یقین دلایا جاتا تھا۔ کہ یہ جنت کا باغ شیخ کی وجہ سے مل سکتا ہے۔ اور انکو اُسکے احکام کی تعمیل کی ترغیب دیجاتی تھی۔ چھٹے درجے کے لوگ لاسِاب تھے۔ جسکا ترجمہ نو آموز اور مبتدی ہے۔ اور ساتویں درجے

لہ رحلۃ ابن جبیر مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۷ء میں حالات ربیع الاول ۵۸۰ھ میں ابن جبیر نے یہ عبارت لکھی ہے۔ وفی صفحتہ حصون للملاحدۃ الاسماعیلیۃ فرقۃ مرقت من الاسلام وادعت الالٰھیۃ فی احد الانام قیض لہم شیطان من الانس یعرف بسنان

لہ نخبۃ الدہر کی فصل سادس میں کہ عراق عجم کے وصف میں ہے ایک مقام پر لکھا ہے وفیہ حصون الملاحدۃ وھم اسماعیلیۃ کما تقدم القول بہ واعظم حصونہم الموت فیہ کان یسکن کبیرھم ۱۲ منہ

میں عوام تھے۔ اس گروہ نے بڑی بڑی سختیاں کی تھیں۔ دو صدی تک اطراف وجوانب میں تہلکہ ڈالدیا تھا۔ بڑے بڑے آدمیوں کو جو شیخ سے مخالفت رکھتے تھے۔ انہوں نے مار ڈالا۔ سب سے اول نظام الملک کو مارا۔ پھر اسکے بیٹے کو خنجر سے مارا۔ سلطان ملک شاہ کا زہر سے مرنا بھی انہیں کی سازش سے سمجھا جاتا ہی اور یہ فدائی ممالک میں پھیل گئے تھے۔ اب بھی اُنکے چھوٹے چھوٹے گروہ شام کے پہاڑوں میں موجود ہیں۔ ہامر پرگتال نے اس فرقے کی تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جو جو علما فرقۂ اسماعیلیہ کے خلاف تھے۔ اُنکو ہین ہین کر ان فدائیوں نے ہر ایک طرح کی گھات سے قتل کر ڈالا کسی کے شاگرد بنکر مار ڈالتے کسی کو خدمتگار بنکر قتل کر ڈالتے۔ اس لئے ہر ایک مذہب کے علما ڈرنے لگے۔ اور حسن کے خلاف منہ سے کوئی لفظ نہیں نکالتے تھے۔ ان فدائیوں کا یہ حال تھا کہ جب سلطان سنجر نے قلعۂ الموت کی تباہی کے لئے کئی بار سپاہ بھیجی تو حسن نے اسکے ایک نوکر کو جو نہایت مقرب تھا۔ اور حسن سے حسن عقیدت رکھتا تھا حکم دیا کہ جب سلطان سوتا ہو تو اسکے سرہانے ایک چھری زمین میں گاڑدے اس نے ایسا ہی کیا سلطان بیدار ہوا۔ تو اس بات سے اُسکے دل میں بڑا اندیشہ پیدا ہوا تھوڑے دنوں کے بعد حسن نے کہلا بھیجا کہ اگر مجھ آپسے محبت نہوتی۔ تو وہ چھری جو زمین سخت میں گڑوائی گئی تھی۔ آپ کے سینۂ نرم میں گڑوائی جاتی۔ سلطان نے حسن سے صلح کرلی۔ اور اس وجہ سے حسن کا کام زیادہ ترقی کرنے لگا۔ حسن نے اپنے ایک بیٹے حسین نامی کو حسین قاینی فاتح قہستان کے جرم قتل کی سزا میں مروا ڈالا۔ اور دوسرے بیٹے کو شراب نوشی کی علت میں مروا دیا۔ ۸ ربیع الثانی ۵۱۸ھ مطابق ۱۱۲۴ء کو حسن کا انتقال ہوگیا۔ حسن مذہب نزاریہ اسماعیلیہ کا داعی تھا۔ نزاریہ نزار کے بعد اُسکے بیٹے ہادی کو امام جانتے ہیں۔ مگر مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ نزار نے کوئی اولاد باقی نہیں چھوڑی تھی۔ احمد مستعلی نے حکومت پائی۔ تو نزار کو مع اُن کے دو

بیٹوں کے قید کر دیا تینوں نے قید ہی میں جان دی۔ اور نزاریہ یوں بات بناتے ہیں۔ کہ ابو الحسن سعید مستنصر علوی کے انتقال کے بعد مصر سے الموت میں حسن بن محمد صباح حمیری کے پاس آیا اُسکے ساتھ ایک لڑکا تھا۔ نزار کی اولاد میں سے جسکے حال سے حسن بن صباح حمیری کے سوا کوئی واقف نہ تھا اسلئے حسن نے اس لڑکے کو نہایت تعظیم کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔ اور بعض یوں کہتے ہیں۔ کہ خود حسن بن صباح حمیری مصر میں آیا۔ اور نزار کی ایک عورت سے جو قید میں تھی ملا اُس کے پاس سے ایک صغیر السن بچے کو لے لیا۔ اور لوگوں سے بیان کیا۔ کہ یہ نزار کا فرزند ہے۔ اور اس لڑکے کو شہرت دیئے گیا۔ اور نام اسکا ہادی مقرر کر کے دعوت اسکے نام سے شروع کی۔ ہزارہا آدمی اُسکے حلقہ اطاعت میں آگئے۔ پھر ابن صباح نے طبرستان کے قلعے فتح کر لئے۔ اور قلعہ الموت پر قبضہ کر کے اُسے دار الحکومت قرار دیا۔ اور نام اسکا بلدۃ الاقبال رکھا اور اس نے اپنے مرض الموت میں ایک شخص کیا نامی کو خلیفہ بنا کر وصیت کر دی۔ کہ ہادی کی تعلیم و تربیت میں جو ابھی لڑکا تھا۔ پوری کوشش کیجے۔ اور کیا نے انتقال کے وقت اپنے بیٹے محمد کو اپنا نائب مقرر کیا۔ ایک دن جو ہادی کو شہوت کا غلبہ ہوا۔ تو محمد ابن کیا کی عورت کو بلا کر اس سے صحبت کی۔ کیونکہ اُنکے نزدیک امام کے لئے ہر ایک حرام حلال ہے۔ وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ اور ہادی کے انتقال کے بعد ایک لڑکا جنی جسکا نام حسن رکھا گیا۔ یہ بیان اُسی عورت کا تھا جسے ہادی کے اکثر متبعوں نے باور کر لیا۔ اور کچھ لوگوں کو شک پیدا ہوگیا۔ اور یہ کہنے لگے۔ کہ ہادی جس عورت سے ہم بستر ہوا تھا وہ اور تھی اور محمد بن کیا کی زوجہ کو بھی اُسی زمانے میں جب ہادی نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی تھی۔ اپنے شوہر سے حمل رہ گیا۔ اور اتفاقاً دونوں عورتوں کے ایک ہی وقت میں بیٹے پیدا ہوئے۔ محمد بن کیا کی بی بی نے اپنے لڑکے سے اُس لڑکے کو جو ہادی کا نطفہ تھا بدل لیا۔ بہر صورت بعد محمد بن کیا کے حسن نے

ظاہر کیا۔ کہ میں نزار کی اولاد سے ہوں۔ اور ہادی کا بیٹا ہوں۔ اور امامت کا دعوے کیا۔ جسکو نزاریہ نے تسلیم کیا۔ اور بعض نے سلسلہ نسب اس کا یوں لکھا ہے۔ حسن بن مہدی بن ہادی بن نزار بہر صورت حسن بن ہادی نہایت عاقل بلیغ حاضر جواب اور خوش محاورہ تھا۔ بہت خطبے دیتا تھا۔ اور لوگوں میں اس بات کو تاکید سے بیان کرتا تھا۔ کہ امام کو حق حاصل ہے۔ کہ جو چاہے کرے اور امام تکالیف شرعیہ کو دور کر سکتا ہے۔ اور مجھے خدا کا حکم غیب سے پہنچتا کہ تم سے ساری تکالیف شرعی کو اٹھا دوں اور تمام محرمات کو تم پر مباح کر دوں جو کچھ چاہو کرو۔ بشرطیکہ باہم جنگ و جدل اور کشت و خون نہ کیا کرو۔ اور اپنے امام کی اطاعت سے انحراف نہ کرو۔ نزاریہ اسکو امام برحق جانتے تھے۔ اور اسکی ذات کو قیامت کہتے تھے۔ اسلئے کہ انکا اعتقاد یہ تھا۔ کہ اس وقت قیامت قائم ہوگی۔ جب آدمی خدارس ہو جائینگے۔ اور تکالیف شرعیہ اٹھ جائینگی۔ اور قیامت سے یہی مطلب ہے۔ حسن نے اپنی امامت کے زمانے میں خلائق کو خدا سے ملا دیا۔ اور شریعت کے رسوم اٹھا دئے۔ کہتے ہیں۔ کہ جب یہ امام ہوا تو سنہ ۵۵۹ھ میں ساکنان الموت کو عیدگاہ میں جمع کیا۔ اور ایک ممبر بنوایا جسکے چاروں کونوں پر چار علم سرخ زرد سبز اور سفید کھڑے کرا دئے۔ اور ۱۷ تاریخ رمضان سنہ مذکور کو ممبر پر بیٹھ کر فرمایا۔ میں امام زمانہ ہوں۔ امر و نہی کی تکلیف اہل جہاں سے میں نے اٹھا دی۔ اور تمام احکام شرعی کو موقوف کر دیا۔ اب زمانہ قیامت کے قائم ہونے کا ہے۔ چاہئے کہ مخلوق کا باطن خدا کی طرف متوجہ ہو۔ اور ظاہر میں جو کچھ چاہیں کریں۔ اور ممبر سے اتر کر روزہ افطار کر لیا۔ اور تمام آدمیوں حکم دیا۔ کہ مثل عید کے خوشی منائیں۔ اور اس دن کا نام عید القائم رکھا۔ اور الموتیان اسے علے ذکرہ السلام کہتے تھے شعرائے ملاحدہ نے اُس کی مدح میں قصائد لکھے تھے۔ اُسکی مدح میں یہ ایک شعر ہے

بر داشت غل شرع بتائید ایزدی   مخدوم روزگار علے ذکرہ السلام

اس حسن کے زمانے میں امام فخر الدین رازی رے میں رہتے تھے اور تصنیف اور وعظ و نصیحت سے مسلمانوں کو فیض پہنچاتے تھے۔ مسائل خلافی میں جب اُن سے کوئی بات دریافت کی جاتی۔ تو فرماتے علی امن للملاحدہ لعنہم اللہ خز لہم اللہ حسن نے ایک فدائی کو متعین کیا۔ وہ امام کے پاس آیا۔ اور طالب علموں کے لباس میں رہا۔ اور فرصت کا منتظر رہتا تھا۔ ے ماہ کے بعد اتفاق سے امام رازی کو تنہا حجرے میں پالیا۔ اندر سے دروازہ بند کر کے امام کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور خنجر کھینچ کر انکی چھاتی پر رکھدیا اور کہنے لگا تم کس لئے ہمارے پیشواؤں پر لعن وطعن کرتے رہتے ہو۔ امام نے اُسکو قسم دی۔ اور بہت کچھ الحاح کی۔ تب اس نے کہا کہ مجھکو تمہارے قتل کا حکم نہ تھا۔ ورنہ ہرگز نہ چھوڑتا۔ ہمارے سید نے تم کو سلام کہا ہے۔ اور یہ کہا ہے۔ کہ ہم کو عوام کی باتوں کا خوف نہیں تمہاری باتوں کا خیال ہے کیونکہ جو بات تمہارے منہ سے نکلیگی۔ وہ ہمیشہ قائم رہیگی۔ اور اس سے ہماری بدنامی قائم رہیگی آپ قلعہ میں تشریف لائیے تاکہ شرط خدمت گذاری ادا کی جائے۔ امام نے کہا کہ میرا وہاں چلنا تو ممکن نہیں مگر آئندہ کبھی برائی کے لفظ سے یاد نہ کیا جائیگا۔ بعد اسکے فدائی نے ..۳ مثقال سونا اور دو یمانی چادریں امام کے سامنے رکھدیں۔ اور کہا کہ یہ وظیفہ تمہارا ایک سال کا ہے۔ اور آئندہ ہر سال اسی طرح پہنچتا رہیگا۔ اور خود حجرے سے چلا گیا۔ کہ پھر کسی نے اُسکو وہاں نہ دیکھا۔ اس واقعہ کے بعد سے امام جب کبھی خلافی مسئلہ بیان کرتے تو کہتے خلافاً للاسماعیلیۃ ایک شاگرد نے عرض کیا کہ اس کلمے کے اختیار کرنے کا کیا سبب ہے۔ امام نے جواب دیا۔ کہ وہ برہان قاطع رکھتے ہیں۔

حسن کے مارے جانے کے بعد اسکا بیٹا محمدؐ امام ہوا۔ محمد کو اسکا بیٹا جلال الدین حسن ہلاک کرا کر خود امام ہوا۔ اور اس نے اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ دیا۔ مسلمان پاک ہوا۔ یہانتک کہ اپنے اسلاف کا کتب خانہ بھی

جلوا دیا۔ اور انپر طعن کرنے لگا۔ اور مذہب باطنیہ کو مٹانا شروع کر دیا۔ اور اپنی تمام رعایا کو بھی مذہب اہل سنت پر چلنے کی تاکید کرنے لگا۔ اور اپنے حسن اعتقاد پر خلیفہ اور اہل بغداد کو اطلاع کر دی۔ اور اپنی ماں کو بہت سے تحائف اور ہدایا دیکر خانہ کعبہ کو حج کے لئے بھیجا۔ جلال الدین حسن کے بعد اسکا بیٹا علاء الدین محمد امام ہوا۔ تو اس نے طریقہ ملاحدہ باطنیہ کو اختیار کر لیا۔ اس علاء الدین کے عہد میں ناصر الدین عبد الرحیم بن ابو منصور حاکم قہستان نے محمد بن حسن عرف خواجہ نصیر الدین طوسی کو قہستان میں پابند کر لیا تھا۔ خواجہ نے اخلاق ناصری اسی کے نام پر لکھی ہے۔ علاء الدین محمد کے مارے جانے کے بعد اسکا بیٹا رکن الدین بھی اپنے بزرگوں کے طریق پر ہوا۔ ہادی کی ذریات میں امامت و حکومت ایکسو اکہتر برس تک رہی ہے۔ رکن الدین پورے ایک سال بھی حکومت نکرنے پایا تھا کہ ترکان تتار یعنی چنگیز خانیوں کے ہاتھ سے اسکی دولت برباد ہوئی۔ غرضکہ ان اسماعیلیہ کا خاتمہ تاتاریوں نے ایران میں اور کردوں نے شام میں ہمیشہ کے لئے ساتویں صدی میں کیا۔

نزاریہ کا مستقطیہ اور سقطیہ بھی نام ہے۔ اس لئے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ امام فروع کے ساتھ مکلف نہیں ہے۔ بلکہ اُسکو یہ بھی اختیار ہے۔ کہ بعض تکالیف یا تمام تکالیف کو آدمیوں سے دور کر دے۔ اور نزاریہ کی رائے ہے۔ کہ امام ایک بار کسی بات کو وصیت کر دے۔ اور پھر اسکے خلاف پر نص کرے۔ تو نص اول ہی پر عمل کرنا چاہئے۔ اور ثانی لغو ہے۔ بخلاف مستعلویہ کے کہ انکے نزدیک نص دوم ناسخ ہے۔ نص اول کی۔ نزاریہ اسی لئے مستنصر کے بعد نزار کو امام منصوص جانتے ہیں۔ اور نزار کے بعد ہادی کو اور ہادی کے بعد حسن کو اور ملاحدہ امام کا معارف میں لطف ہونا مانتے ہیں۔ بخلاف اثنا عشریہ کے کہ وہ ادائے واجبات عقلیہ یا حجت نقل شریعت وغیرہ میں اسکا لطف ہونا قرار دیتے ہیں۔ اور نزاریہ کہتے ہیں۔ کہ عالم قدیم ہے۔ اور زمانہ غیر متناہی ہے۔ اور ارواح تناسخ کرتی ہیں۔ اور

معاد جسمانی کا انکار کرتے ہیں جنت و دوزخ کے بھی منکر ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ معاد روحانی ہے۔ اور بہشت و دوزخ معنوی چیز ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہر شخص کے لیے قیامت اسکی موت ہے۔ اور ملاحدہ کے نزدیک کسی شے کا وجوب عقل کے ذریعہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس ایمان باللہ کو عقل واجب نہیں کرتی۔ اور نہ عقل سے ایمان کی خوبی اور کفر کی برائی دریافت ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ سب باتیں شرع سے جانی جاتی ہیں [1]

اسماعیلیہ کے مناصب اور دعوت کے طریق

فرقہ اسماعیلیہ کا نام سبعیہ بھی ہے۔ اور یہ نام اس وجہ سے مقرر ہوا ہے کہتے ہیں کہ انبیا شریعت کے پہنچانے والے صرف یہ سات شخص ہیں۔ آدم نوح۔ ابراہیم موسےٰ عیسیٰ۔ محمدؐ اور مہدی اور درمیان دو رسولوں کے سات امام ہوتے ہیں۔ جو ایک رسول کی شریعت کو تمام کرتے ہیں۔ اور احکام کا اجرا فرماتے ہیں۔ جب تک دوسرا رسول مبعوث ہو۔ پس امام اول حضرت علی امام دوم حضرت حسن امام سوم حضرت حسین امام چہارم حضرت علی زین العابدین امام پنجم حضرت محمد باقر امام ششم حضرت جعفر صادق امام ہفتم حضرت اسماعیل بن جعفر ہیں۔ جو درمیان محمد علیہ السلام اور مہدی کے شریعت قائم۔ کہتے ہیں۔ اور شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ انکو سبعیہ اسلئے کہتے ہیں۔ کہ انکے نزدیک سات امام ہیں۔ ساتویں امام محمد بن اسماعیل ہیں۔ بعض سبعیہ انپر توقف کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سات سات ائمہ کا اس طرح دوران رہتا ہے جس طرح ہفتوں کا اور دنوں کا۔ شرح مواقف میں مذکور ہے۔ کہ اس فرقے کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ ہر عصر میں واسطے ہدایت لوگوں کے سات آدمیوں کا ہونا ضرور ہے اول امام کہ جانب غیب سے اسکو علم اور احکام بے واسطہ پہنچتے ہیں۔ اور سلسلہ علوم کی انتہا اُسی کی ذات ہوتی

[1] دیکھو شرح عمدہ نسفی ۱۲ منہ

ہے۔ دوسرا حجت کہ امام سے حاصل کرکے دوسرے آدمیوں تک پہنچاتا ہے تیسرا ذومصہ یہ حجت سے علم حاصل کرتا ہے چوتھا داعی اکبر یہ مومنوں کے درجات کو بڑھاتا ہے۔ اور امام اور حجت کے نزدیک اُن میں ترقی دیتا ہے پانچواں داعی ماذون یہ طالبین سے عہد و پیمان لیکر امام کی بیعت میں داخل کرتا ہے اور لوگوں کو علم معرفت سکھاتا ہے چھٹا مُکَلِّب یہ شخص اگرچہ بڑے درجے کا آدمی ہوتا ہے۔ لیکن اسکو دعوت کا اذن نہیں ہوتا اسکا صرف یہی کام ہے کہ غیر مذاہب والے کے عقائد میں حجت اور دلیل کے ساتھ شبہات ڈالدے۔ اور اسکے احتمالات کا جواب دے اور جب وہ متحیر ہوکر طلب حق کی درخواست کرے۔ تو یہ داعی ماذون بتادیتا ہے۔ کہ اس آدمی کے پاس جاؤ۔ اُس سے یہ مقصد بخوبی حاصل ہو جائیگا پھر داعی ماذون اس سے عہد و پیمان لیکر ذومصہ کے حوالے کردیتا ہے۔ اگر استعداد طالب کی ذومصہ کے مبلغ علم سے بڑھکر ہوتی ہے۔ تو وہ حجت کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح حجت امام کے پاس اگر موجود ہو۔ ساتواں مومن

قلائد الجواہر فی احوال الجواہر میں لکھا ہے۔ کہ کتب اسماعیلیہ کی سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاۃ اسماعیلیہ خصوصاً دعاۃ فاطمیین نو دعوتیں ارشاد کرتے ہیں۔ مگر داعی جس مدعو میں جس قدر شوق اور قابلیت پاتا ہے۔ اسی قدر دعوتیں اُسکو کرتا ہے۔ دعوت اول داعی نہایت وقار سے مسند ارشاد پر بیٹھا ہوتا ہے جسکو دعوت کرتا ہے۔ اول اس سے تاویل آیات اور معانی امور شریعت کی مشکل باتوں کے اور تھوڑے سے علم طبعیات وغیرہ کے مشکل مسئلوں کے بھی سوالات کرکے کہتا ہے۔ کہ اے شخص اسرار دین پوشیدہ ہے اور اکثر آدمی اُس سے منکر اور جاہل ہیں۔ اگر امت محمدی کے لوگ ان باتوں کو جان لیتے جو اللہ تعالےٰ نے ائمہ اہل بیت سے مختص کی ہیں تو آدمیوں میں اختلاف پیدا نہ ہوتا جب مدعو یہ بات سنتا ہے۔ تو داعی کے پاس جو کچھ معلومات ہوتی ہے اُسکے سننے کا مشتاق ہوتا ہے پھر داعی اسکی رغبت پاکر بیان کرنا شروع کرتا ہے۔ اور بڑی عمدگی سے آیات قرآن اور شرایع دین کا مطلب بیان

کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جو کچھ اختلاف لوگوں میں آیا ہے اور گمراہی میں پڑے ہیں
یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ائمہ دین اور حافظان دین نبی سے روگردانی کی ہے
اور غیروں کی اتباع کرتے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ ائمہ ہدے شرع رسول کے حافظ
ہیں۔ اسکی حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں معانی ظاہری و باطنی اور تاویل تفسیر قرآن
سے آگاہ ہیں جب مسلمانوں نے دوسروں کی اتباع کی۔ اور اپنی عقل سے دلائل نکالنے
لگے تو گمراہی میں پڑ گئے۔ اللہ تعالے نے علم دین کو پردے میں مخفی رکھا ہے تاکہ اسرار
الہی متبذل نہ ہو جائیں۔ پس اللہ کے بھید سوائے فرشتہ مقرب اور نبی مرسل یا
بندہ مومن کے جسکا دل خدا نے تقوے میں امتحان کرلیا ہے۔ کوئی نہیں جان سکتا
جب مدعو کا دل داعی کی باتوں سے خوب مربوط ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت داعی
دوسری باتیں کرتا ہے کہتا ہے رمی جمار[1] اور سعی صفا[2] کیا ہے اور کس لئے حائضہ[3] کو روزے

---

[1] رمی جمار یعنی کنکریاں مارنا۔ جمار جمع ہے جمرہ کی اور جمار چھوٹی چھوٹی پتھریوں کو کہتے ہیں
اور منا میں جمار ان تین مکانوں کا نام ہے جنپر کنکریاں اور پتھریاں پھینکتے ہیں۔ ایک جمرہ اولے
کہتے ہیں جو مسجد خیف کے پاس ہے اور دوسرا جمرہ وسطے اور تیسرا جمرۃ العقبۃ۔ صحیح ابن خزیمہ
میں عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابراہیم
خلیل اللہ مناسک کے ادا کرنے کو آئے تو شیطان ان تینوں مقاموں میں سامنے آیا۔ اور انہوں نے ہر بار
اسکو سات کنکریاں ماردیں تو زمین میں دھنس گیا ابن عباس نے کہا تم شیطان کو مارتے ہو اور
اپنے باپ ابراہیم کے دین پر چلتے ہو۔ کذا فی الترغیب والترہیب لابن حجر ۱۲ منہ [2] صفا اور مروہ
نام دو پہاڑیاں ہیں مکہ معظمہ میں ان دونوں مقاموں کے درمیان تخمینا ۲۰۰ قدم کا فاصلہ ہے انہی دونوں
پہاڑیوں کے درمیان میں حاجی سات بار دوڑتے ہیں۔ اور یہ امر لوازم حج میں سے ہے حدیث جابر میں
مسلم نے روایت کی ہے۔ کہ حضرت نے فرمایا ہے والسعی بین الصفا والمروۃ تولا یعنی دوڑنا درمیان
صفا اور مروہ کے طاق ہے یعنی سات بار ۱۲ منہ [3] واضح ہو کہ حیض مانع ہے روزہ اور نماز
اور جماع کو پھر عورت روزے کو قضا کرے نہ نماز کو کیونکہ نماز ہر سال ہر روز فرض ہے اور
روزہ سال بھر میں ایک مہینہ تو قضائے صوم میں حرج نہیں اور نماز کی قضا میں دقت و مشقت ہے ۱۲ منہ

قضا کا حکم ہے۔ اور قضائے نماز کی ممانعت ہے۔ اور کیا سبب ہے کہ جنابت[1] کیلئے غسل کا حکم ہوا ہے۔ اور بول و براز کے واسطے غسل کا حکم نہوا۔ اور کیا سبب ہے کہ خدا نے مخلوق کو چھ[2] دن میں پیدا کیا۔ کیا ایک گھڑی میں پیدا کرنے سے عاجز تھا اور صراط کے کیا معنی ہیں۔ اور کراماً کاتبین کیا ہیں۔ اور کراماً کاتبین کو جو ہم نہیں دیکھتے اسکا کیا سبب ہے۔ کیا وہ ہم سے مکابرے کے سبب سے خائف ہیں۔ اور ہم سے اس خوف سے چھپ کر گواہ بنتے ہیں۔ اور ہمارے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔ اور زمین کا بدل دینا قیامت کو اور عذاب جہیم کیا ہے۔ اور یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ عاصی کی جس جلد نے گناہ کیا ہے۔ وہ ایک اور جلد سے بدل دیجائے گی۔ جو گناہ میں شامل نہیں تا کہ اُسکو عذاب دیا جائے۔ اور اس آیت[3] کے کیا معنی ہیں ویحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية۔ اور شیطان اور اُسکی صفت کیا ہے۔ اور وہ کہاں رہتا ہے۔ اور یاجوج و ماجوج اور ہاروت و ماروت کیا ہیں اور کہاں رہتے ہیں اور سات دوزخیں اور آٹھ بہشتیں کس وجہ سے اور کیا ہیں اور زقوم[4] کا درخت اور

[1] جنابت ثابت ہوتی ہے۔ دو سبب سے ایک نکلنے منی کے شہوت سے دوسرے تمام حشفہ یعنی سپاری کے داخل کرنے سے آدمی کی شرمگاہ میں کذا فی الخانیہ ۱۲ منہ [2] قرآن میں ہے۔ لقد خلقنا السموات فی ستۃ ایام تحقیق پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور اُس چیز کو کہ درمیان انکے ہے چھ دن میں اور یہ جو مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اللہ تعالے نے مٹی ہفتے کے دن پیدا کی اور اس میں پہاڑ اتوار کے دن پیدا کئے اور درخت پیر کے دن اور اشیائے مکروہ کو منگل کے دن اور نور بدھ کے دن اور زمین میں جانور رات کو پھیلائے اور آدم کو جمعہ کے دن پیدا کیا عصر کی نماز کے بعد انتہی اس میں اور آیت مذکور میں منافات نہیں۔ اسلئے کہ ہفتے سے مراد آخر دن ہفتے کا ہے جسکو عشیۃ الاحد کہتے ہیں۔ پس وہ اتوار ہی کے حکم میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں بھی موافق آیت کے پیدائش عالم ۶ دن میں مقصود ہے [3] اٹھاینگے تیرے رب کا عرش اپنے اوپر کسدن ۸ شخص اب چار اُٹھائے ہوئے ہیں اسدن چار اور زیادہ ہو جاینگے [4] اللہ تعالے سورہ دخان میں فرماتا ہے۔ ان شجرة الزقوم طعام الاثيم كالمهل يغلي في البطون كغلي الحميم۔

دابۃ الارض اور رؤس الشیاطین[1] اور شجر ملعونہ[2] اور تین اور زیتون[3] کیا ہیں۔ اور
اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس[4]۔
اور حروف مقطعات کے کیا معنی ہیں اور سات آسمان اور سات زمین اور سبع المثانی[5]
اور بارہ مہینے کس وجہ سے ہیں۔ اور قرآن وسنت پر عمل کرنا تمہارے حق میں

---

[1] قرآن میں ہے اذالک خیر نزلا ام شجرۃ الزقوم انا جعلناھا فتنۃ للظالمین
انھا شجرۃ تخرج فی اصل الجحیم طلعھا کانہ رؤس الشیاطین بھلا یہ مہمانی
بہتر ہے یا سینڈ کا درخت ہم نے اسکو ظالموں کے لئے خرابی کیا ہے وہ ایک درخت ہے کہ دوزخ کی
جڑ میں سے نکلتا ہے اسکا شگوفہ شیطان کے سر کی طرح ہے یعنی نہایت بدنما ہے یا شیطان سے
مراد سانپ ہے واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے سانپ ہے۔ کیونکہ زقوم کی ایک قسم
ہے جسکو ناگ پھنی کہتے ہیں۔ ناگ سانپ کے معنی میں ہے اور پھن بائے فارسی مفتوح اور
ہائے خفی اور نون کے ساتھ سانپ کے سر کو بولتے ہیں چونکہ اسکے پتے سانپ کے پھن کی
طرح ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ نام مقرر ہوا ہے۔ یہ پتے موٹے موٹے ہوتے ہیں۔ اور انپر
کانٹے ببول کے سے ہوتے ہیں۔ اور پھول زرد اور پھل سرخ رنگ کندوری کی طرح اور
مخروطی ہوتا ہے اور پک کر شیریں ہو جاتا ہے۔ راجپوتانہ میں یہ درخت کثرت سے ہوتا ہے درخت
میں بھی ببول کی طرح کانٹے ہوتے ہیں۔ پھل پر بھی کانٹے اور نہایت باریک اور سخت اور سفید
رواں اسپر ہوتا ہے گنوار لوگ چھیل کر کھاتے ہیں۔ گودا بھی سرخ ہوتا ہے اور بیج چپٹے اور سخت
ہوتے ہیں محیط اعظم میں ناگ پھن کے اندر اسکا ذکر کیا ہے میں نے بھی اسکے پھل کو کھایا ہے پس معلوم
ہوا کہ آیت مذکور میں زقوم کی یہ قسم مراد ہے اور اسکو سانپ کے سر کے ساتھ تشبیہ دی ہے ۱۲[2] سورہ بنی
اسرائیل میں ہے والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن مطلب اس مقام کا یہ ہے کہ نہیں کیا ہم نے اس درخت کو جسپر پھٹکار ہے
قرآن میں مگر لوگوں کے جانچنے کے لئے ۱۲[3] قرآن میں ہے والتین والزیتون قسم ہے انجیر اور زیتون کی
[4] میں قسم کھاتا ہوں پھر جانیوالوں ٹھہر رہنے والوں کی واضح ہو کہ سبع سیارہ آسمان میں علیحدہ علیحدہ چال
چلتے ہیں، ان میں سے پانچ جو سورج اور چاند کے سوا ہیں یعنی زحل مشتری مریخ زہرہ اور عطارد
انکی چال اس ڈھب کی ہے کبھی مغرب سے مشرق تک جاتے ہیں سو یہ کبھی راہ اسی سے مراد ہے کبھی
راہ میں اٹکے ٹھہر جاتے ہیں کبھی سورج کے پاس آکر دنوں تک غائب رہتے ہیں[5] سبع المثانی بفتح
سین و میم سورہ فاتحہ کو کہتے ہیں کہ بسم اللہ سمیت ۷ آیتیں ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ دو بار نازل

کیا کریگا۔ اور فرائض لازمی کے کیا معنی ہیں۔ اور اول اپنے نفس کی فکر کرنا چاہئے۔ کہ کہاں ہے۔ اور تمہاری روح اور اسکی صورت کس طرح کی ہے۔ اور وہ جسم میں کس جگہ رہتی ہے۔ اور روح کا حال کیا ہے۔ اور انسان کیا ہے۔ اور کیا ہے تفاوت انسان اور بہائم اور حشرات کی زندگی اور حیات میں اور کیا فائدہ ہے حشرات کے پیدا ہونے اور نباتات کے اگنے میں اور اسکے کیا معنی ہیں۔ کہ حوا آدم کی پسلی میں سے پیدا ہوئی ہے۔ اور فلاسفہ کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ انسان عالم صغیر ہے۔ اور عالم انسان کبیر ہے۔ اور انسان کا قامت کیوں کھڑا پیدا ہوا۔ اور حیوان کا خلاف اسکے رہا۔ اور کس واسطے پاؤں اور ہاتھوں کی دس دس انگلیاں ہوئیں۔ اور کیا وجہ ہے کہ ہر انگلی میں تین تین ٹکڑے ہیں اور انگوٹھے میں دو۔ اور چہرے میں سات سوراخ کیوں مقرر ہوئے۔ اور باقی بدن میں صرف دو ہی سوراخ رکھے گئے اور کیا وجہ ہے اس بات کی کہ پشت کی ہڈی میں بارہ گرہیں ہیں۔ اور گردن میں سات اور کس واسطے آدمی کی گردن کی شکل میم کی سی ہے۔ اور دونوں ہاتھوں کی شکل حائے حطی کی سی ہے۔ اور شکم کی شکل میم کی سی اور پاؤں کی شکل دال کی صورت پر کیوں ہے جس سے آدمی کے قامت میں ان حروف کا مجموعہ ثابت ہوتا ہے۔ جو لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں۔ اور کس واسطے آدمی کا قامت الف کی طرح سیدھا ہے۔ اور رکوع میں لام کی صورت پر ہو جاتا ہے۔ اور سجدے میں ہا بن جاتا ہے کہ مجموعہ ان تین حروف کا وہ ہے۔ جو لفظ اللہ میں موجود ہیں۔ اور کس واسطے انسان کی ہڈیاں اس قدر ہیں۔ اور دانت کیوں اس قدر واقع ہوئے۔ اور اسکے اعضائے رئیسہ اور رگوں کی اتنی مقدار کیوں ہے۔ اسی طرح داعی تمام تشریح اعضا کا ذکر کرتا ہے۔ پھر داعی کہتا ہے۔ تم اپنے نفس پر غور و خیال کیوں نہیں کرتے ہو۔ کہ ہمارا پیدا کرنے والا حکیم اور علیم ہے۔ اور اسکے سب کام حکمت سے لبالب ہیں۔ حالانکہ اس نے قرآن میں جا بجا غور کرنے کے واسطے تاکید فرمائی ہے

فی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون زمین میں نشانیاں ہیں
یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہارے اندر کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ دوسری
جگہ فرمایا ہے سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتی یتبین لھم انہ الحق
اب ہم انکو اپنے نمونے دنیا میں اور خود انکی جانوں میں دکھائینگے۔ جب تک کہ
انپر کھل جائے کہ یہ حق ہے۔ اس قسم کی آیات سراسر دلالت کرتی ہیں کہ خدا کا
ارادہ یہ ہے کہ تم کو اپنے اسرار مخفی جتلائے۔ اگر تم متنبہ ہو جاؤ۔ اور جان جاؤ۔ تو
تم سے سب حیرت زائل ہو جائے۔ اور شبہ اور شک مٹ جائے۔ اور معارف سینہ
تم پر ظاہر ہو جائیں۔ کیا یہ نہیں خیال کرتے کہ تم اپنے نفوس سے بھی بے خبر ہو
حالانکہ خدا نے فرمایا ہے من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی واضل سبیلا
جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا سو وہ پچھلے جہان میں اندھا ہے اور نہایت
گمراہ یعنی ہدایت سے اندھا رہا۔ ویسا ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے۔ اور
دور پڑا ہے۔ جب داعی دیکھتا ہے کہ مدعو کو میری باتوں کی طرف بخوبی رغبت ہے
تو اس سے کہتا ہے۔ اے شخص جلدی مت کر خدا کا دین اعلےٰ ہے۔ اس سے
کہ نا اہل آگاہ ہوں۔ بدوں معاہدے کے آگاہ کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اللہ
تعالےٰ کی یہ عادت ہے کہ جسکو ہدایت کرتا ہے۔ اس سے اول عہد و پیمان کر لیتا
ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔ واذ اخذنا من النبیین میثاقہم ومنک و
من نوح وابراھیم وموسی وعیسی بن مریم واخذنا منہم میثاقاً
غلیظاً۔ اور جب لیا ہم نے نبیوں سے اُن کا عہد اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم
سے اور موسےٰ سے اور عیسی بن مریم سے اور لیا ہم نے اُن سے گاڑھا عہد اور فرمایا ہے
ومن المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ بعض ایمان والوں میں سے
وہ مرد ہیں۔ کہ سچ کر دکھایا انہوں نے اس چیز کو کہ عہد کیا تھا اللہ تعالےٰ سے
اور فرمایا ہے یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود اے ایمان والو پورا کرو قرار اور
فرمایا ہے ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا مت توڑو قسموں کو انکی مضبوطی کے

بعد اسی قسم کی آیات پڑھکر کہتا ہے۔کہ بیعت پر ہاتھ دو۔اور ہم سے عہد استوار کرلو۔کہ ہرگز بیعت کو نہ توڑو گے۔اور راز کسی پر افشا نکروگے۔اور ہمارے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن سمجھوگے۔جب مدعو نے بیعت کرلی۔تو اس وقت داعی اسکے مال میں سے بقدر حیثیت کچھ امام کی نذر میں مانگتا ہے۔اگر مدعو دیتا ہے۔تو داعی کی مجلس میں بار دیگر حاضر ہوسکتا ہے۔اور نصیحت وغیرہ سننے کا مجاز ہوتا ہے۔ورنہ اسکو بار نہیں ملتا۔

دعوت دوم جبکہ مدعو سب باتیں پہلی دعوت کی تسلیم کرلیتا ہے۔اور مال بھی نذر کردیتا ہے۔تو دوسری مجلس میں داعی بار دیگر کہتا ہے۔کہ اللہ راضی نہیں ہوتا اپنی طاعت سے اور جو کچھ بندوں پر مقرر کیا ہے۔اسکی بجا آوری سے جب تک ائمہ حق کی متابعت نکرے۔جنکو اللہ تعالے نے آدمیوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا ہے۔اور انکو شریعت کا محافظ بنایا ہے۔پھر اُن امور کی تشریح کرتا ہے۔اور اپنے کلام پر دلائل لاتا ہے۔جو اس فرقے کی کتب میں مفصل مذکور ہیں جب داعی کو معلوم ہوا کہ مدعو کے دل میں ائمہ کی طرف سے اعتقاد راسخ ہوگیا تو تیسری دعوت ارشاد کرتا ہے۔

دعوت سوم۔جب تیسری دعوت کی مجلس میں مدعو حاضر ہوتا ہے۔تو داعی کہتا ہے کہ ائمہ حق سات ہیں۔حضرت علی حسن حسین۔زین العابدین۔محمد باقر۔جعفر صادق ساتویں قائم صاحب زمان اور جانتا رہ کہ قائم میں اختلاف ہے بعض محمد مکتوم بن اسماعیل بن امام جعفر صادق کو جانتے ہیں اور بعض اسماعیل بن جعفر کو جب دلائل اور توجیہات سے مدعو کے دل میں ثابت ہوجاتا ہے کہ امام سات ہیں۔تو شیعہ اثنا عشری سے برخلاف ہوجاتا ہے جو دوازدہ امام کے قائل ہیں۔اور داعی بیان کرتا ہے۔کہ صاحب الزمان کو علم باطنی اور مخفی وہ کچھ ہے کہ اس سے زیادہ اور بہتر خدا کے پاس بھی علم نہیں اور وہی تاویل تفسیر قرآن اور تاویل تاویلات کے ماہر ہیں۔اور نہ کسی کو

تمام اسرار الٰہی کا علم ہے۔ اور دعاۃ اُنکے وارث ہیں۔ اور کوئی دعاۃ کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ اور داعی اپنے مطالب پر بڑی بڑی دلیلیں لاتا ہے۔ جو اس فرقے کی کتب میں مذکور ہیں۔ جب داعی نے خیال کیا۔ کہ میری تقریر سے اسکے دل میں اثر کیا۔ تو دعوت چہارم شروع کرتا ہے۔

دعوت چہارم اس دعوت میں داعی بیان کرتا ہے۔ کہ مجدد دین شرائع کے سات ہیں اور ہر ایک کو ناطق کہتے ہیں ناطق کی شرائع کے رواج دینے والے اور وصی بھی سات آدمی ہوتے ہیں جنکو صامت بولتے ہیں۔ پہلے ناطق آدم ہیں جنکے صامت اول شیث علیہ السلام تھے۔ جب ان صامتوں کا زمانہ گذر چکا۔ تو دوسرے ناطق نوح علیہ السلام ہوئے جنہوں نے ناطق اول کی شرع کو یک قلم موقوف کردیا۔ انکے صامت اول سام تھے۔ تیسرے ناطق ابراہیم علیہ السلام ہیں اور انکے جانشین یعنی صامت اول اسماعیل ذبیح اللہ تھے۔ انکے بعد ناطق چہارم موسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ اُنکے وصی الاول ہارون علیہ السلام تھے انکے بعد یوشع۔ پانچویں ناطق عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اور اُنکے وصی اول شمعون تھے۔ اور ناطق ششم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اُنکے وصی اول حضرت علی پھر امام حسن پھر حسین پھر محمد باقر پھر جعفر صادق پھر اسماعیل بن جعفر آخر خموشان صامت ہفتم ہیں ساتویں ناطق صاحب الزمان محمد بن اسماعیل ہیں کہ انہیں پر جملہ علوم اولین و آخرین تمام ہوئے ہیں اور اُنکی اطاعت میں ہدایت و نجات منحصر ہے۔ جب اس ترتیب کو عمدہ عمدہ تقریروں کے ساتھ جو انکی کتب میں مذکور ہیں دلنشین کردیتا ہے تو پانچویں دعوت آغاز کرتا ہے۔

دعوت پنجم - داعی اسمیں کہتا ہے کہ ہر امام صامت کے ساتھ بارہ آدمی مطابق عدد مہینوں اور برجوں کے ہوتے ہیں کہ ہر ایک حجت کہلاتا ہے۔ خدا نے انسان کے جسم کو زمین کی طرح پیدا کیا ہے۔ اور چاروں انگلیوں کو جزائر کی طرح بنایا ہے۔ ہر انگلی میں تین تین ٹکڑے رکھے ہیں۔ جو کل بارہ ٹکڑے ہوئے۔ اور

سدہ راؤ جے سنگھ تھا۔ تمام ملک گجرات اُسی کے زیر نگین تھا۔ اور دار الحکومت اس شہر کا پٹن تھا[1]۔ سدہ راؤ کے وزیر کا نام بہار مل تھا۔ اور وہ بھی راجپوت تھا۔ اور عقیل و مدبر آدمی تھا۔ تمام ملک کی عنان حکومت اُسکے قبضۂ اقتدار میں تھی۔ اور بڑے استقلال سے کام چلاتا تھا۔ سدہ راؤ جے سنگھ نہایت متعصب تھا۔ مسلمانوں سے دلی بغض رکھتا تھا۔ جو مسلمان اُسکو ہاتھ لگتا اُسکو قتل کرا دیتا۔ اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اور بتوں کی بڑی عقیدت کے ساتھ پرستش کرتا تھا۔ بہرصورت شیخ عبد اللہ یمن سے زبان ہندی سیکھکر آئے تھے۔ اور کھمبایت کے ساحل پر اُترے۔ اور انکو اپنی جان کا بہت اندیشہ تھا۔ خوف و رجا کی حالت میں رہے۔ اور ساحل کے باغوں میں چھپ رہے۔ ایک روز کھیتوں کی طرف انکا گذر ہوا۔ ایک آدمی مع اپنی جورو کے کام کر رہا تھا۔ عبد اللہ اُسکے پاس گئے۔ اور پانی دریافت کیا۔ تاکہ پیویں۔ جواب دیا کہ پانی تو اس کنوئیں میں تھا لیکن چند روز ہوئے کہ ہم اُس سے محروم ہو گئے ہیں۔ اور وہ نیچے اُتر گیا۔ اور خشک ہو گیا ہے۔ عبد اللہ نے کہا کہ مجھے دکھا دو۔ وہ کنواں کہاں ہے۔ اُن دونوں نے کہا کنواں یہ ہے۔ کیا کرو گے۔ تم اُس میں پھر پانی نکال لا سکتے ہو۔ عبد اللہ نے جواب دیا۔ بلکہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اور جو چاہے کرے۔ اور اسکا حکم کیا گیا۔ پھر رد نہیں ہو سکتا ہے۔ پھر عبد اللہ نے اُن دونوں سے کہا۔ کہ اگر خدا تعالےٰ اس وقت اس کنوئیں کے پانی سے تم پر اپنا احسان

---

[1] سِدْھ راو میں سین مکسور ہے اور سِدْھ راج بھی صحیح ہے بلکہ متعارف سِدْھ راج ہی ہے اور سین کے ضمے کے ساتھ جو مشہور ہے یہ غلطی ہے سِدْھ سین کے کسرے سے کراماتی کو کہتے ہیں اور سِدْھ راج کے معنی اہل کرامات کا سردار اور پیشوا ہیں۔ اس راجہ کا نام جے سنگھ اور سدھ راج اسکا لقب تھا کیونکہ بڑا مذہبی آدمی تھا اس راجہ کی حکومت کا زمانہ سنہ ۱۱۵۰ بکرمی مطابق سنہ ۱۰۹۴ء موافق سنہ ۴۸۷ھ سے سنہ ۱۱۹۹ بکرمی میں کمارپال اسکا ایک رشتہ دار اسکی جگہ مسند نشین ہوا۔ ۱۲ منہ [2] تاریخ فرشتہ کے مقالہ چہارم میں سلطان مظفر گجراتی کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ نہروالہ پٹن کے نام سے مشہور ہے ۱۲ منہ

کرے۔ تو اس وقت تم دونوں میرے ہاتھ پر مسلمان ہو جاؤ گے۔ اور میرے رب پر ایمان لاؤ گے۔ دونوں بولے ہاں جو تم کہتے ہو اگر اللہ کر دے۔ تو ہم وہی لینگے جو تم کہو گے۔ پس عبد اللہ کنوئیں میں اُترے۔ اور اسکی تھاہ میں ایک نیزہ جو انکے ہاتھ میں تھا گاڑ دیا۔ پانی کا سوت جاری ہو گیا۔ عبد اللہ باہر نکل آئے اور پانی کنوئیں سے اُبلنے لگا۔ یہانتک کہ بھر گیا۔ اور وہ دونوں عورت و مرد یہ حال دیکھکر مسلمان ہو گئے۔ اور ایمان لائے۔ اور عبد اللہ نے جو کچھ ان سے کہا قبول کیا مرد کا نام کالکا کیلا اور عورت کا نام کالکی کیلی تھا۔ عبد اللہ ان دونوں کے پاس ٹھیرے رہے۔ دونوں انکی خدمت و حفاظت کرتے تھے۔ یہانتک کہ ان سے محبت پیدا ہو گئی۔ اور دونوں سے عبد اللہ نے زبان ہندی کی تکمیل و ترقی کی۔ بعد اسکے ان دونوں سے ظاہر کیا۔ کہ میں اسلئے بھیجا گیا ہوں۔ کہ ہند میں اسلام ظاہر کردوں۔ اور اہل ہند کو ایمان کی طرف دعوت کروں۔ اور اُن سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ دونوں نے جواب دیا۔ کہ یہ جو تم چاہتے ہو اس وقت تمہیں ممکن ہوگا۔ کہ جب کوئی ایک شخص ہند کے راجاؤں اور رایوں میں سے مسلمان ہو جائے تو اس ملک میں تمہاری کوشش کا اس وقت نفع ظاہر ہوگا جبکہ راجہ کا وزیر بہارمل قابو میں آجائے۔ اور بہارمل بڑے بت کے پوجاریوں میں سے ایک شخص کے ساتھ بہت عقیدت رکھتا ہے۔ اور اسکی بزرگی کا معترف ہے۔ اور بچپن سے ہر مہینے میں ایک مرتبہ اسکی قدمبوسی کے لئے جایا کرتا ہے۔ اور اُسکے حکم سے سر مو اختلاف نہیں کرتا۔ بہت مانتا ہے۔ اسکی رائے پر چلتا ہے پس اگر تم اس پوجاری کے پاس پہنچ جاؤ۔ اور وہ تمہارے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ تو جو کچھ تم چاہو گے۔ اُسکا ظہور ممکن ہوگا۔ عبد اللہ اس مشورے کے بموجب روانہ ہوئے اور شہر کھنبایت میں پہنچے۔ اور اُس مورت کے مندر تک چلے گئے جہاں وہ پوجاری رہتا تھا۔ وہ لڑکوں کو پڑھاتا تھا۔ اور ککو (ک)، کھکھو (کھ) کر کے حرف بتاتا تھا۔ شیخ صاحب سنکر کہنے لگے۔ کہ پنڈت جی ایک عجیب بات تمہاری

تعلیم میں دیکھی۔ کہ تم سکھاتے تو ایک حرف ہو۔ اور بولتے ہو چار حرف۔ پنڈت انکی بات سنکر متعجب ہوا۔ اور بھید اسکا دریافت کرنے لگا۔ انہوں نے خلوت کا اشارہ کیا۔ پس خلوت میں جاکر اُسکے ساتھ بات چیت کی۔ کہ جس سے اُس کا دل اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور جبکہ وہ انکی طرف مائل ہوگیا۔ اور گڑگڑا کر گفتگو کرنے لگا۔ تو اسکو رازہائے حقانی سے مطلع کیا۔ اور یہ کہا کہ تم ہندی میں لکھتے ہو ایک حرف ک (ک) اور پڑھتے ہو چار حرف کا وہ تین کاف ہیں۔ اور بعد انکے واو پس ان میں پہلے دونوں کاف ہردو اصل روحانی کی مثال ہیں۔ اور وہ دونوں ایک جنس سے ہیں۔ اور وہ عقل ہے۔ اور تیسرا کاف اور واو ہردو اصل جسمانی کی مثال ہیں۔ اور دونوں کے درمیان ایک جہت سے فاصلہ ہے۔ اور ہر ایک ہردو اصل میں سے ایک متحرک ہے اور دوسرا ساکن۔ اور وہ دلیل اس بات کی ہے کہ ایک دونوں میں سے مفید اور دوسرا مستفید ہے۔ اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں یہانتک کہ پنڈت عبداللہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ اور ایمان لایا۔ پھر عبداللہ اسکے پاس ٹھیرے رہے۔ اور اُسکی تعلیم و تادیب و تہذیب میں سرگرم رہے۔ اور سمجھاتے رہے۔ کہ بہارمل کو اس راہ پر لے آ۔ وہ پوجاری عبداللہ کی رائے پر عمل کرتا۔ جب بہارمل اُسکے پاس آتا۔ تخلیے میں باتیں کرتا۔ بتوں کے نقصان اور انکی عبادت کے عیوب اُسکے سامنے بیان کرتا تھا۔ جب اُسکے کلام نے اثر کیا۔ بہارمل دین اسلام کی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ وہ ہمیشہ شرف اسلام بیان کرتا تھا۔ بہارمل وزیر اُسکی مراد اور میل جانب اسلام سمجھ گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ آپ صاف صاف بیان کیجئے۔ کہ اگر آپنے اپنا دین قدیم ترک کیا ہے۔ اور اسکے سوا اور دین اختیار کیا ہے۔ تو میں بھی آپکے ساتھ ہوں جس دین پر آپ ہیں۔ جبکہ بزرگی اُسکی آپنے پہچانی۔ بہارمل کے سامنے اُس پنڈت نے اپنا حال بیان کیا۔ اور عبداللہ کا اظہار کیا۔ یہانتک کہ بہارمل داخل اسلام ہوا اور اس سے عہد لیا۔ پھر بہارمل مومن مخلص ہوگیا۔ اور ایمان پوشیدہ رکھتا

تھا۔ اور چھپکر نماز پڑھتا تھا۔ اور پٹن سے کھنبایت جاتا رہتا تھا۔ اور پنڈت کے پاس ٹھیر کر عبداللہ سے خفیہ آداب دین اسلام اور اخلاق ایمان اور علوم ائمہ آل محمد علیہم السلام سیکھا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اُسکے دین اسلام میں آجانے کے حال سے اس کا ایک خدمتگار واقف ہوگیا۔ اور سدھ راوجے سنگھ سے یہ سارا حال بیان کر دیا۔ راجہ نے کہا کہ اگر میں اُسکو اپنی آنکھ سے نماز پڑھتا ہوا دیکھ لوں تو جیسا کہ اور لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اسکو ویسی سزا دوں۔ پھر حاسد چغل خور ایسے وقت میں راجہ کو لائے۔ کہ بہارمل نماز پڑھ رہا تھا۔ بہارمل نے جب یہ بات سنی کہ راجہ یہاں آیا ہوا ہے اُٹھ کھڑا ہوا اور سلام کیا۔ راجہ نے کہا۔ اسے بہارمل یہ جو تم کر رہے تھے بری بات ہے۔ وزیر نے عرض کیا۔ کہ یہ جو کام میں کر رہا تھا کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جو میرے مخالف حضور سے عرض کیا گیا ہے۔ بلکہ میں نے اس وقت ایک سانپ دیکھا تھا کہ نکل کر اس صندوق کے تلے جو میرے پاس رکھا ہوا ہے چلا گیا۔ پس میں کھڑا ہوا۔ اسے ڈھونڈتا رہا۔ پھر جھک کر دیکھنے لگا۔ تو بھی نہیں پایا۔ پھر میں زمین پر سر لگا کر دیکھتا تھا کہ شاید نظر آجائے۔ راجہ نے اس صندوق کے نیچے سانپ کو ڈھونڈھنے کا حکم دیا۔ یکایک اُسکے نیچے سے ایک سانپ بل کھاتا ہوا نکل آیا۔ راجہ نے بہارمل کی بات کو سچ جانا۔ اور چغل خور جھوٹے پڑے۔ اور بہارمل کی آبرو خدا نے بچالی۔ اور اُسپر وثوق زیادہ ہوگیا۔ اُس مندر میں لوہے کا ایک ہاتھی سطح سے بلاکسی تعلق کے لٹک رہا تھا۔ اور بڑے بت کے بعد اسکی تعظیم وتکریم کی جاتی تھی اور سدھ راوجے سنگھ ہر سال ایک مرتبہ کھنبایت میں زیارت کے لئے آکر بڑے بت کی پوجا کرتا تھا۔ جو جو قربانیاں ممکن ہوتی تھیں چڑھاتا تھا۔ اس سال جبکہ راجہ کھنبایت میں آیا۔ اور یہ ارادہ کیا۔ کہ صبح کے وقت بت کی زیارت کے لئے مندر میں جائے۔ عبداللہ نے پوجاری سے کہا کہ راجہ سے کہو کہ شب کو ہاتھی نے مجھ سے خواب میں بیان کیا۔ کہ مدت دراز سے معلق ہوں بغیر سہارے

کے کھڑے کھڑے اُکتا گیا ہوں۔ اب میں چاہتا ہوں۔ کہ ایک پاؤں زمین پر
ٹیک دوں۔ یہ بات سنکر راجہ اور اسکے ساتھی متحیر ہوئے۔ جب رات ہوئی۔
تو عبد اللہ اُٹھکر ہاتھی کے پاس گئے۔ اور بغور دیکھا۔ تو وہ ہوا میں معلق پایا
گیا۔ اور اسکے چاروں طرف ہر سطح میں سنگ مقناطیس مرصع جڑا ہوا تھا۔ اور
ہر سنگ اپنی طرف کھینچے ہوا تھا۔ پس ایک پتھر جو ایک پاؤں کے مقابل تھا
اوکھیڑ لیا۔ ہاتھی نے ایک پاؤں زمین پر ٹیک دیا۔ جب صبح ہوئی۔ یہ خبر لوگوں
میں منتشر ہوئی۔ اور ہجوم عام ہوا۔ راجہ نے سنا تو حیرت وغم میں گرفتار ہوا
پھر کئی روز کے بعد عبد اللہ نے پوجاری سے کہا کہ پھر جاؤ۔ اور راجہ سے کہو
کہ ہاتھی چاہتا ہے۔ کہ دوسرا پاؤں بھی زمین پر ٹیکے۔ اور ویسا ہی کیا جیسا کہ
پہلے کیا تھا۔ چند روز میں چاروں طرف سے پتھر اوکھیڑ ڈالے۔ یہانتک کہ وہ ہاتھی
چاروں پاؤں سے زمین پر آرہا۔ اور راجہ کو نہایت غم والم اور حیرت دامنگیر
ہوئی۔ بعض آدمیوں نے راجہ کو خبر دی۔ کہ پوجاری نے اپنا دین ایک عرب
مسلمان کے لئے جو چند روز سے اُسکے پاس ٹھیرا ہوا ہے تبدیل کر ڈالا ہے
عرب اور پنڈت دونوں نے یہ کچھ کرتب کیا ہے۔ راجہ سنکر پوجاری اور عبد اللہ
پر نہایت خشمگین ہوا گرفتار کرنے کے لئے سپاہی بھیجے۔ اس وقت عبد اللہ ظاہر
ہوئے۔ اور مندر کی سیڑھیوں پر چڑھکر بیٹھے۔ اور کچھ آیات وادعیات حرز پڑھتے
رہے۔ جب لشکری اُن کے قریب پہنچ گئے۔ تو پھر آگے نہ بڑھ سکے۔ سپاہی انکی
طرف دیکھتے تھے۔ اور بڑھ نہ سکتے تھے۔ بلکہ بھاگتے تھے۔ جب یہ خبر راجہ کو پہنچی
تو خود لشکر عظیم لیکر چلا۔ جب اتنے قریب پہنچ گیا۔ کہ شیخ عبد اللہ اچھی طرح نظر
آتے تھے۔ تو پاؤں اُسی جگہ جم گئے۔ اور ان میں آگ بھڑک اٹھی۔ راجہ نے اس
حالت سے فریاد کی۔ اور توبہ کر کے عہد کیا۔ کہ میں تمہارے دین میں داخل ہوتا
ہوں۔ عبد اللہ نے اُسپر نظر رحمت کی۔ تو گویا راجہ اور اسکے ساتھی زنجیروں
سے آزاد ہوگئے۔ اب راجہ شیخ صاحب کے پاس آیا۔ اور ان کا حال پوچھنے

لگا۔ عبداللہ نے کہا کہ اے راجہ اگر یہ بڑا بت جسکی تم پوجا کرتے ہو میرے سامنے ذلیل ہو کر میری خدمت کرنے لگے۔ تو تم اسلام لا کر میرے دین میں داخل ہو جاؤ گے جواب دیا جو کچھ تم کہتے ہو کر دکھاؤ گے تو ایسا کرونگا۔ عبداللہ نے کہا واللہ علی ما نقول وکیل (یعنی جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا اسکا مختار ہے) اور بت کی طرف دیکھکر فرمایا۔ او ملعون اُٹھ اور میرا ڈول لیکر جا تالاب سے پانی بھر لا۔ اور جلد لوٹ کر پیں بت بحکم خدا و بت کھڑا ہوا۔ اور جواب دیا لبیک وسعدیک اور ڈول لیکر تالاب پر گیا۔ اور اُس میں تمام پانی جس قدر تالاب میں تھا بھر لیا۔ اور تالاب کو خالی چھوڑ دیا کہ مچھلیاں تڑپنے لگیں۔ اور ڈول بھر کر عبداللہ کے پاس لا کر رکھدیا۔ لوگوں نے شور وغل مچایا۔ کہ جاندار بغیر پانی کے فنا ہو جائینگے۔ اور عرض کرنے لگے۔ کہ آدمیوں اور جانوروں پر لطف فرما کر بت کو حکم دیجئے کہ پانی پھر تالاب میں چھوڑ دے۔ چنانچہ انہوں نے حکم دیا۔ بت نے پانی ڈالدیا۔ اور تالاب بھر گیا۔ شیخ عبداللہ کی یہ کرامات دیکھکر بہت سے ہندو مسلمان ہو گئے جس قدر برہمن مسلمان ہوئے۔ اُنکے زنار ایک من سے زیادہ وزن میں تھے۔

غرض کہ اس کارروائی کے بعد شیخ عبداللہ پٹن کو گئے۔ اور وہاں بھی بہت آدمی مسلمان ہوئے۔ اور سدھ پور کے بھی بہت سے آدمی مسلمان ہوئے بعد اسکے شیخ عبداللہ نے بھارمل کے بیٹے یعقوب کو علم دین سکھایا۔ اور موت کے وقت انکو اپنا جانشین کیا۔ یعقوب ہند کے داعی رہے۔ پھر یعقوب نے اپنے چچا تارمل (تائے فوقانی اور رائے موقوف کے) کے بیٹے فخر الدین کو باگڑ میں جو راج ڈونگر پور ملک راجپوتانہ میں واقع ہے بھیجا۔ اور وہاں اسلام قائم ہوا۔ اور فخر الدین کفار کے ہاتھ سے باگڑ میں مقتول ہو کر موضع گلیاکوٹ میں مدفون ہوئے۔ اُنکی قبر بوہروں میں زیارت گاہ عام ہے۔ یعقوب نے داعیان یمن کے اذن سے ہندوستان میں کار دعوت انجام دیا۔ اور وفات کے وقت

[1] کاف فارسی مفتوح لام ساکن یائے تحتانی مفتوح الف ساکن کاف عربی مضموم واو مجہول تائے ہندی آخر میں

اپنے بیٹے اسحاق کو اپنا جانشین کیا۔ اسحاق نے اپنے بیٹے علی کو اپنا قائمقام بنایا۔ علی بن اسحاق نے ملا آدم اور پیر حسن اور اپنے فرزند داؤد کو علم ادب سکھا کر ملا آدم کو احمد آباد پیر حسن کو سدھپور بھیجا۔ اور داؤد کو اپنے پاس یمن میں رکھا۔ اور وفات کے وقت پیر حسن کو اپنا جانشین کیا۔ اور پیر حسن مقتول ہونے کے وقت اپنا جانشین ملا آدم کو کر گئے۔ پھر ملا آدم نے اپنے بیٹے ملا حسن کو اپنا جانشین کیا۔ ملا حسن نے اپنے فرزند ملا راج کو اور ملا راج نے اپنے بیٹے ملا جعفر کو اپنا قائمقام بنایا۔ یہاں تک داعیان گجرات داعیان یمن کے تابع رہے۔ ملا جعفر کے زمانے میں یمن کی دعوت عظمیٰ کا رتبہ منتقل ہو کر ہند میں داعی یوسف پر آگیا۔ اور داعی ملا جعفر داعی یوسف کے مطیع ہوئے اور جب سے سلسلہ دعوت کا اولاد و اخلاف بہار میں چلا آتا ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل جلد ۵ کے صفحہ ۲۴۲ سے بوہروں کی ابتدا کے حالات راس مالا کے ترجمہ گجراتی صفحہ ۴۱۵ میں اس طرح نقل کئے ہیں کہ یعقوب نامی ایک آدمی اپنے گھر کے فساد کی وجہ سے اپنا ملک چھوڑ کر ۴۶۳ھ مطابق ۱۰۶۷ء میں مصر سے کھنبایت کو آیا۔ اُسکے مذہب والوں میں سے ہندوستان میں پہلا قدم رکھنے والا وہی آدمی تھا۔ اس وقت میں اُس مذہب کا سب سے بڑا ملا جو کئی برس سے یمن میں رہتا تھا ظہری ذوئیب ابن موسیٰ نامی تھا۔ مصر میں خلیفہ مستنصر باللہ کا عمل تھا۔ اور سدھ راج سنگھ دسدھ راج جے سنگھ ہندوستان میں پیران پٹن کا راجہ تھا۔ بہت سے ایسے ثبوت ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مستنصر ۴۸۷ھ میں مر چکے تھے۔ اور اُن کا پوتا حافظ کیا ہوا ان خلیفہ جس نے ۵۲۴ھ سے ۵۴۴ھ تک حکومت کی حکمران تھا۔ اس وقت کے بارے میں گجرات کی تاریخ کا سلسلہ گڈمڈ سے کھرا ہوا ہے تو بھی اور کے وقت کے مناظر ملتا ہوا ہے کیونکہ سدھ راج جے سنگھ کہ جس نام سے بگڑا ہوا لفظ سدھ راس بنا ہوا معلوم ہوتا ہے

سنہ ۱۰۹۴ء (مطابق سنہ ۴۸۷ھ) میں انہل وارہ (پٹن) کا راجہ تھا اس بیان کے بعد راس مالا میں اس قصے کو اس طرح پورا کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب کھنبایت میں آکر ایک مالی کے شامل رہا جسکو اس نے اپنے مذہب میں داخل کیا پھر اُس نے ایک برہمن کے لڑکے کو مسلمان کیا۔ سدراس راجہ اور اسکے دو دیوان تارمل (تائے فوقانی سے) اور بہارمل دو بھائی تھے وہ کھنبایت کے ایک مندر میں اکثر جایا کرتے تھے۔ وہاں پر ایک لوہے کا ہاتھی سنگ مقناطیس کے زور سے لٹکا رکھا تھا یعقوب نے اُن پتھروں کو نکال ڈالا۔ اور برہمنوں کے ساتھ بحث ہوئی جس میں بھی یعقوب جیتا۔ سدراس اور اُسکے درباریوں کو ایسی کرامت دکھائی جس سے انہوں نے اسکا مذہب اختیار کرلیا۔ اور انکی متابعت دوسرے ہندوؤں نے بھی کی۔ اور ان نومسلموں نے عربستان کے ساتھ بیوہار جاری کیا جس سے وہ بیوہارے یعنی بوہرے کہلائے۔

اس قصے کے صحیح ناموں اور حالات میں بہت گڑبڑ پائی جاتی ہے۔ سدراس سنگھ واقع میں سدراجے سنگھ ہوگا۔ گجرات میں اس نام (سدراجے سنگھ) سے سدھ راج مشہور ہے لیکن تارمل اور بہارمل یہ دو دیوان جو لکھے ہیں۔ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ ویرڈھول واگھیلا (گھیل) کے دیوان دو بھائی تیج پال اور وستو پال تھے۔ یہ وہی دو ہوں تو ہوں جنکو تارمل و بہارمل مشہور کردیا ہے۔ اور پھر کمارپال یا اجے پال کی باتیں جو دوسری جگہ لکھی ہوئی ہیں۔ اور جنکے مطابق راجہ نے دوسرا مذہب اختیار کرلیا تھا۔ سدھ راج جے سنگھ کی طرف منسوب کردی ہیں۔ کیونکہ یہ بات متحقق ہے کہ سدھ راج نے اپنا مذہب نہیں بدلا تھا۔ وہ ہندو مذہب پر مرا ہے۔ سدھ راج جے سنگھ سولنکی راجپوت تھا۔ اسکے حالات کتب تواریخ میں مفصل مذکور ہیں۔ گجرات اور مالوہ اور برہانپور اُسکے زیرنگین تھے۔ قلعہ بھڑوچ اُسی نے بنایا تھا اور سدھ پور

ا؎ واو مکسور اور یائے معروف اور دال کے فتحہ اور ہائے ہندی اور واو کے فتحہ اور لام سکون ۱۲ ؎ واو مفتوح سین

تائے فوقانی ساکن ہے ۱۲

یہ بارہ ٹکڑے اُنہیں حجتوں کی طرف اشارہ ہیں۔ اور انگوٹھا کہ کف دست کو اس سے استحکام اور قوام ہے۔ اس میں دو ٹکڑے ہیں۔ سو اس میں اشارہ ہے۔ کہ رسول اور امام یعنی وصی جدا جدا نہیں۔ اور خدائے تعالے نے پشت میں جو بارہ گرہیاں پیدا کی ہیں۔ وہ بھی انہیں بارہ حجتوں کی طرف اشارہ ہیں۔ اور گردن باوجودیکہ پشت سے افضل و اعلے ہے۔ مگر اس میں سات گرہیاں بنائی ہیں سو وجہ اسکی یہ ہے کہ اس میں سات ناطقوں کی ذات کی طرف یہ اشارہ ہے اور اسی اشارے کی وجہ سے آسمان اور زمین اور دریا اور ہفتے کے دن اور کواکب سیارہ بھی سات سات ہیں۔ جو تمام عالم کے مدبر ہیں۔ اور اسی سبب سے چہرے میں بھی سات سوراخ رکھے ہیں۔ جب داعی تقریر طویل کے ساتھ اس مطلب کو بھی مدعو کے ذہن نشین کر دیتا ہے۔ تو دعوت ششم شروع کرتا ہے۔

دعوت ششم اس میں آیات قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔ نماز اور روزہ اور زکوۃ اور خمس اور حج اور جہاد اور طہارت وغیرہ امور مختلفہ شرعی کے قاعدے اور طریقے بیان کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ یہ سب رموز ہیں۔ کہ واسطے مصلحت اور سیاست عام کے جاری کئے گئے ہیں۔ تاکہ اس میں مشغول ہو کر آپس میں فتنہ و فساد نہ پھیلائیں۔ اور حاکم وقت کی حکومت اور تابعداری سے انحراف نہ کریں۔ ورنہ فی الحقیقت وضو سے مراد امام کی دوستی ہے۔ اور تیمم سے مراد یہ ہے کہ امام کی غیبت میں حجت سے ضروریات کا اخذ کرنا اور احتلام عبارت ہے۔ راز کے ظاہر کر دینے سے ایسے شخص کے سامنے جو اپنا ہم مذہب نہ ہو۔ بغیر قصد ہدایت کے اور صوم سے مراد امام کے اسرار کی حفاظت ہے۔ اور زنا اسرار دین کے ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔ اور غسل سے مقصود تجدید عہد و پیمان ہے۔ اور زکوۃ سے مراد یہ ہے۔ کہ امورات دینی سکھا کر نفس کو پاک کرنا اور بعض کتابوں میں یوں لکھا ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے یہ مراد ہے کہ امام معصوم کی متابعت کرے۔ اور زکوۃ سے یہ مطلب ہے۔ کہ اپنے مال میں سے پانچواں حصہ امام معصوم

دے۔ اور کعبے سے مراد پیغمبر علیہ السلام ہیں۔ اور باب سے حضرت علی۔ اور صفا سے نبی علیہ السلام اور مروہ سے وصی اور حاجیوں کے لبیک کہنے سے یہ مراد ہے کہ امام کی دعوت کو قبول کرے۔ اور خانۂ کعبہ کا سات بار طواف کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ ائمہ سبعہ سے دوستی رکھے۔ اور جنت سے مراد بدن کو تکلیف سے بچانا ہے۔ اور دوزخ سے مراد بدن کو مشقت اور تکالیف میں ڈالنا ہے وغیرہ وغیرہ جب مدعو کے دل میں یہ باتیں جم جاتی ہیں۔ تو داعی فلسفے کی باتیں شروع کرتا ہے۔ اور اقوال افلاطون و ارسطو و فیثاغورس وغیرہ کو دلائل عقلی کے ساتھ سمجھاتا ہے۔ اور جب یہ مطالب بھی ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ تو ایک عرصہ دراز کے بعد ساتویں دعوت شروع کرتا ہے۔

دعوت ہفتم اس میں کہتا ہے۔ کہ صاحب ولایت اور ناصر شریعت کے لئے ایک مددگار اور مصاحب کی ضرورت ہے۔ تاکہ جو کچھ ارشاد کرے یہ اس کو دوسروں کے خاطر نشین کر دے۔ اور ان میں ایک بجائے اصل کے ہے اور دوسرا نائب کی مثل ہوتا ہے۔ اور نظیر اسکی یہ ہے کہ مدبر عالم اصل ترتیب اور نظام عالم میں ایک ہی ہے۔ اور جو کچھ مدبر عالم سے پہلے پہل بلا واسطہ و بلا سبب صادر ہوا ہے۔ وہ بھی ایک ہے جسکو عقل کامل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور صادر اول بھی کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ پہلی مرتبہ صادر ہوا ہے۔ اور سب سے اول پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ اس مطلب کی طرف قرآن و حدیث میں بھی کئی جگہ اشارہ ہوا ہے انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون ۝ یعنی اسکا حکم یہی ہے کہ جب کسی چیز کا پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو اسکو کہتا ہے ہو۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں اول فی الرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور دوم فی الرتبہ کی جانب اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے انا کل شیئ خلقناہ بقدر ۝ یعنی ہم نے ہر چیز کو پہلے اس کا اندازہ کر کے پیدا کیا ہے۔ اور اس حدیث میں بھی آنحضرتؐ نے عقل کی جانب جس نے ابتداءً اللہ تعالیٰ سے صدور پایا ہے اشارہ کیا ہے

ان اول ما خلق اللہ[1] القلم تحقیق اللہ تعالٰی نے جو چیز کہ اول پیدا کی ہے۔ وہ قلم ہے
اس میں اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو ان لوگوں کی کتب میں مندرج ہیں۔
اور دراصل یہ قول فلاسفہ کے کلام سے ماخوذ ہے۔ جنکی رائے یہ ہے الواحد لا یصدر
عنہ الا الواحد۔ یعنی ایک سے صادر نہیں ہوتا۔ مگر ایک ہی۔ جب یہ دعوت تمام
ہوجاتی ہے۔ تو داعی دعوت ہشتم شروع کرتا ہے۔

دعوت ہشتم۔ اس دعوت میں داعی کہتا ہے۔ کہ ان دونوں ذاتوں میں
کہ ایک مدبر الوجود ہے۔ اور دوسری اس سے صادر ہوئی ہے۔ اس طور کا تقدم
و تاخر ہوتا ہے۔ جیسے کہ علت کو معلول پر تقدم ہے۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ سابق (یعنی
مدبر الوجود) علت ہے۔ اور لاحق (یعنی صادر اول) معلول ہے۔ اور مدبر الوجود نے
جس ذات کو سب سے اول پیدا کیا ہے۔ اسی سے عالم کی تمام چیزیں[2] پیدا ہوئی
ہیں۔ اس طرح کہ مدبر الوجود (یعنی اللہ تعالٰی) نے عالم علوی میں اول اپنے امر کے
ذریعہ سے عقل کامل کو کہ جسکو عقل کلی اور عقل اول اور اول موجود اور صادر اول
بھی کہتے ہیں پیدا کیا۔ اور پھر اسکے ذریعہ سے نفس ناقص کو جسے نفس کلیہ و نفس
اولے بھی کہتے ہیں پیدا کیا۔ پھر نفس کو عقل سے کمال حاصل کرنیکا ذوق و
شوق پیدا ہوا۔ پس نقصان سے کمال کی جانب نفس نے حرکت کی۔ مگر بدون

---

[1] واضح ہو کہ حدیث میں جسطرح یہ آیا ہے اول ما خلق اللہ القلم یعنی اول جو چیز اللہ تعالٰی نے پیدا کی وہ قلم ہے اسی طرح یوں بھی آیا ہے اول ما خلق اللہ نوری یعنی جو چیز کہ اللہ نے اول پیدا کی وہ میرا نور ہے اور حکمار کا یہ مذہب ہے اول ما خلق اللہ العقل یعنی جو چیز کہ اللہ نے اول پیدا کی وہ عقل ہے۔ پس یہ تین چیزیں ہوئیں جنمیں سے ہر ایک کا اول مخلوق ہونا لازم آتا ہے اسلئے بعض نے ان اقوال میں توفیق دی ہے اور دونو حدیثوں اور حکما کے قول میں اتفاق ثابت کرکے اختلاف اٹھایا ہے اسطرح کہ جو چیز اول پیدا ہوئی وہ اس حیثیت سے کہ مجرد ہے اپنی ذات کو اپنے مبدء کو جانتی ہے عقل کہلاتی ہے۔ اور اس وجہ سے کہ وہ تمام عالم کے پیدا ہونے اور علوم کے نقوش اور حروف بننے میں واسطہ ہے قلم کہلاتی ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ انوار نبوت کے حاصل ہونے کیلئے وسیلہ واقع ہوئی ہے محمد کا نور ہے ۱۲ تذکرۃ السلوک مولفہ محمد نجم الغنی خاں مولف اس رسالہ۔ [2] حکمائے یونان کا بھی یہی مذہب ہے کہ جو ہر عالم

آنے کے حرکت پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ اسلئے اجرام فلکی پیدا ہوئے۔ انکو نفس نے
حرکت دوری کرائی۔ اور اجرام فلکی کے حرکات کے سبب سے اربعہ عناصر کی طبعیتیں
پیدا ہوئیں۔ اور اربعہ عناصر کے ذریعہ سے مرکبات یعنی نباتات اور جمادات اور
حیوانات پیدا ہوئے۔ اور ان سب مرکبات میں افضل و اشرف انسان ہے۔ اسلئے
کہ اس میں انوار قدسی کے حاصل کرنے کی استعداد ہے۔ اور عالم علوی کے ساتھ
تعلق رکھتا ہے۔ اور جبکہ عالم علوی میں عقل کامل کلی اور نفس ناقص کلی موجود ہیں
جنہوں نے کائنات کو ایجاد کیا ہے۔ تو عالم سفلی میں بھی ایسی عقل کامل کا ہونا ضرور
ہے۔ جو نجات کا وسیلہ ہو۔ اور اصطلاح شرع میں اسی عقل کامل سفلی کو رسول کہتے ہیں
اور رسول کی نیابت میں ایک نفس ناقص نجات کے طریقے بیان کرنے کے لئے ہوتا
ہے جسکو اس باب میں رسول کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے۔ جو نفس کلیہ کو عقل کلی کے
ساتھ کائنات کے ایجاد کرنے کے بارے میں نسبت ہوا کرتی ہے۔ اس نفس ناقص کو
جو رسول کا نائب ہوتا ہے۔ امام اور رسول کا وصی کہتے ہیں۔ اور جس طرح افلاک کو عقل
اول اور نفس اولے حرکت دیتے ہیں۔ اسی طرح رسول اور امام انسانوں کے نفوس کو
نجات کی طرف حرکت دیتے ہیں۔ مگر ان اسماعیلیہ کے ہاں مدبر الوجود یعنی اللہ تعالے
کے لئے نہ کوئی نام ہے نہ نشان نہ بیان نہ صفت اور نہ اسکو الفاظ کے ساتھ بیان
کرتے ہیں۔ پس انکے زعم میں خدا نہ موجود ہے نہ معدوم نہ عالم نہ جاہل نہ قادر
نہ عاجز وغیرہ وغیرہ کیونکہ انکا زعم یہ ہے کہ ان اوصاف کے ثابت کرنے سے خدا کی
مشارکت موجودات کے ساتھ لازم آجائیگی۔ اور ان اوصاف کی اس ذات پاک سے
نفی کرنے سے تعطیل لازم آتی ہے۔ اسلئے یہ کہتے ہیں۔ کہ جو کچھ قدیم ہے۔ وہ خدا کا امر اور
کلمۂ کن ہے۔ اور جو کچھ حادث ہے۔ وہ مخلوق ہے۔ اور اسکی فطرت ہے۔ لہذا اسکے
داعی مدعو سے کہتا ہے۔ کہ یہ دوسرا جسے عقل کامل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اعمال
ذات میں مدبر الوجود کی اتباع اختیار کرتا ہے۔ یہانتک کہ یہ مدبر الوجود کے مرتبے
کو پہنچ جاتا ہے۔ اور دونوں میں ذرہ بھر تفاوت نہیں رہتا۔ اسی طرح داعی وصی

کے مرتبے کو پہنچ جاتا ہے۔ غرض کہ عالم کے کاروبار اسی طریق پر جاری ہیں۔ اسکے
بعد داعی کہتا ہے۔ کہ رسول کا معجزہ یہی چیزیں ہیں جن سے انسانوں کی سیاست
کا کام متعلق ہے۔ سوا اسکے کچھ بھی نہیں۔ اور انتظام عالم کی غرض سے ہی
نبی زمین و آسمان جواہر و اعراض کی حقیقت بیان کرتا ہے۔ کبھی ایسی فصاحت
کے ساتھ کہ لوگ اُسے سمجھ لیتے ہیں۔ اور کبھی ایسے رمز کے ساتھ کہ علما بھی اُسکے
ادراک سے عاجز آتے ہیں۔ اور اسی تدبیر کے ساتھ رسول کی شریعت کو انتظام
حاصل رہتا ہے! ور آدمی اُسے مانتے ہیں۔ اور داعی کہتا ہے کہ قیامت اور
ثواب و عذاب کے معانی کچھ اور ہی ہیں۔ جو عام طور پر ہر ایک کی سمجھ میں
آنا دشوار ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ کہ کواکب کے دورے ختم ہو کر دوسرے دورے
شروع ہو جاتے ہیں۔ ورنہ سیارات اور ثوابت میں کسی طرح کون و فساد نہیں
آسکتا۔ انکی طبائع برباد ہونے اور فنا ہونے سے بری ہیں۔ پس قیامت کے
یہ معنی کسی طرح درست نہیں ہیں۔ کہ اجرام علوی فنا ہو جائینگے۔ اسکے بعد داعی
دعوت نہم شروع کرتا ہے۔

دعوت نہم ۔ یہ دعوت سب دعوات کا نتیجہ ہے۔ جب داعی مدعو کی
طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ تو اُسے ہدایت کرتا ہے۔ کہ فلاسفہ کی کتابیں دیکھا کر
اور علوم الٰہی و طبعی کا مطالعہ کرتا رہ۔ جب داعی سمجھ لیتا ہے کہ مدعو کو فلاسفہ کے
کے اقوال پر خوب واقفیت حاصل ہو چکی۔ تو اب داعی اپنے رازوں کو کھولنا
شروع کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ جو کچھ میں نے اصول و عدد وغیرہ سے اب تک
اطلاع دی ہے۔ یہ سب رموزات و اشارات ہیں۔ طرف معانی و مبادی اور
انقلاب جواہر کے اور وحی صرف نفس کی صفائی کا نام ہے۔ اور رسول یا نبی
کا کام یہ ہے۔ کہ جو بات اسکے دل میں آتی ہے۔ اور اُسے بہتر معلوم ہوتی ہے
وہ لوگوں کو بتا دیا کرتا ہے۔ اور اسکا نام کلام الٰہی رکھدیتا ہے۔ تاکہ لوگوں کے
دلوں میں یہ قول اثر کر جائے۔ اور اسے مان لیں۔ تاکہ سیاست اور مصلحت عام

میں انتظام ہے۔ اور جبکہ نبی کی حقیقت یہ ٹھیری۔ تو اُسکے تمام اقوال پر عمل کرنا کیا ضرور۔ اسی قدر عمل کرنا چاہئیے۔ جو اپنی مصلحت اور حاجت کے مناسب ہو بلکہ عارف کے واسطے تو نبی کے کسی قول پر عمل درآمد اور پابندی ضرور نہیں۔ اسکے لئے صرف معرفت ہی کافی ہے۔ کیونکہ معرفت ہی اصل الاصول ہے۔ اور سب کمالات کی انتہا اسی کی طرف ہے۔ اور جو کچھ قیدیں اور اعمال کی پابندیاں مقرر ہیں۔ وہ کافروں کے واسطے واجب ہوئی ہیں۔ جو معرفت سے آگاہ نہیں ہوتے اور عارف کے حق میں یہ باتیں بالکل عبث اور بارگراں ہیں۔ اور اقسام **معرفت** سے ان لوگوں کے نزدیک ایک یہ ہے۔ کہ انبیائے ناطق صاحب شرائع واسطے سیاست عام کے مقرر ہیں۔ اور جن انبیا کے پاس حکمت خاص ہے وہ فلاسفہ کی جماعت ہے۔ اور عالم کا وجود روحانی ہے۔ اور جو کچھ ریاضت کتب معارف کے مطالعہ میں کی جاتی ہے۔ یہی ناظر کو امام تک پہنچا دیتی ہے۔ اور امام کے ظہور کے معنی یہ ہیں۔ کہ دعاۃ کے ذریعہ سے اُسکے احکام امر و نہی جاری ہوں یعنی یہی امر و نہی کا ظہور بعینہ امام کا ظہور ہے

فائدہ مقتدایان اسماعیلیہ طالبین اور اپنے معتقدین کو غیر مذہب والوں کی اہل اسلام میں سے کتب دیکھنے سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ جس قدر بیانات متقدمین اسماعیلیہ نے اپنی کتب میں مندرج کئے ہیں۔ اُنکے سیر و مطالعہ سے بھی متاخرین اسماعیلیہ روکتے ہیں۔ اور اُن میں خوض و غور کرنے سے منع کرتے ہیں تاکہ ذکی الطبع ہمارے فضائح و قبائح پر مطلع نہ ہو جائے۔

بوہرے

یہ ایک اسماعیلی المذہب قوم ہے۔ قلائد الجواہر فی احوال البواہر میں لکھا ہے کہ جب سلطان صلاح الدین کی کوشش سے ملک مصر سے مذہب عبیدیہ اٹھ گیا تو اکثر مردمان اسماعیلیہ اپنے داعی کے ساتھ ملک مصر اور مغرب سے نکل کر چندے

یمن میں رہے جو کہ وہاں شہر حراز میں قدیم سے ان کا داعی موجود تھا اس لئے
ہندوستان کو چلے آئے۔ اب گجرات۔ دکن۔ مالوہ۔ کوکن۔ راجپوتانہ میں بوہرے کے
نام سے مشہور ہیں۔ ابجد العلوم اور سبحۃ المرجان میں لکھا ہے۔ کہ بیوہار ہندوستانی
زبان میں تجارت کو کہتے ہیں۔ اور بوہرے کے معنی تاجر ہیں۔ اور بوہرے تجار
کے معنی ہیں اس لفظ کی جمع ہے۔ چونکہ یہ ساری قوم تجارت پیشہ ہے اس لئے
بوہرے کہلاتی ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ لوگ مرفہ الحالی کے ساتھ رہتے ہیں
اور ان کے داعی سابق میں احمد آباد ملک گجرات اور برہانپور ملک خاندیس
اور اجین ملک مالوہ میں رہتے تھے۔ اب کئی پشت سے بندر سورت میں رہتے
ہیں۔ اور دس لاکھ روپے کے قریب سالانہ قوم بوہرہ سے انہیں
پہنچتا ہے۔ امیرانہ ٹھاٹ سے بسر کرتے ہیں۔ قاضی نور اللہ شوستری اثنا عشری
جو ۱۰۱۹ھ میں عہد جہانگیر میں بوجہ تصنیف کتاب مجالس المومنین کے
دُرّہ خاردار سے ستر برس کی عمر میں بادشاہ کے حکم سے اتنے پٹوائے گئے۔ کہ
آخر دم نکل گیا) مجالس المومنین کی جلد اول میں کہتے ہیں۔ کہ اس زمانہ سے تخمیناً
۳۰۰ برس پیشتر ایک فاضل ملا علی نامی کی ہدایت سے یہ لوگ مسلمان ہوئے ہیں
ملا علی کی قبر کھنبایت میں ہے۔ انگریزی کی بعض کتب تواریخ میں بھی لکھا ہے
کہ بوہرے اصل میں ہندو تھے۔ اسکی تصریح کتاب گجرات اینڈ گجراتی مولفہ بہرام جی
ملباری کے صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۲ء میں ہے۔ اور مرآت احمدی کے
ترجمہ انگریزی کے صفحہ ۲۰۹ کے نوٹ میں مندرج ہے۔ کہ بوہرے در اصل ہندو
تھے۔ اور کسی قدر ہندوؤں کے رسم و رواج و عقیدے پر ابتک وہ چلتے ہیں۔
راس مالا کے ترجمۂ گجراتی کی جلد اول کے صفحہ ۴۱۵ میں لکھا ہے۔ کہ بھاٹ لوگ
کہتے ہیں۔ کہ احمد شاہ نے برہمن اور مہاجنوں کو مسلمان بنایا تھا۔ وہ بوہرے
بن گئے۔ اور پریچنگ آف اسلام مولفہ آرنلڈ کے صفحہ ۲۲۵ میں لکھا ہے۔ کہ

لہ دیکھو تذکرۂ ریاض الشعراء و تذکرہ نشتر عشق و جلد اول نجوم السماء ۱۲ منہ

محمود بیگڑہ کے عہد میں جسکی حکومت ۱۴۵۹ء سے ۱۵۱۱ء تک گجرات میں رہی
ہے۔ بوہروں کی جماعت اسلام لائی ہے۔ اور یہ گیارہویں صدی اور چودہویں
صدی میں غالباً مسلمان ہوئے ہونگے۔ کیونکہ شمالی گجرات کے ہندو راجہ انہل
واڑے والے شیعہ واعظوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ اور غالباً کئی
نسلوں میں وہاں اسلام پھیلا ہوگا۔ الیٹ نے تاریخ ہندوستان کی پہلی جلد
میں اُلاِدرِیسی سے ترجمہ کیا ہے۔ کہ شہر نہروالہ (یعنی انہل واڑہ) میں
بہت سے مسلمان بیوپاری آتے جاتے ہیں۔ اور وہاں کا راجہ اور اُسکا نائب
انکی عزت کرتے ہیں۔ اور وہاں انکی پوری طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ الادریسی
کا مولف ابو عبداللہ ہے۔ جو گیارہویں صدی عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ سائکلو
پیڈیا آف انڈیا کی جلد اول کے صفحہ ۴۰۳ میں لکھا ہے کہ ولسن صاحب
تحریر کرتے ہیں۔ کہ بوہروں کی بنیاد گجرات میں ہوئی ہے۔ اور ایسا پایا جاتا
ہے۔ کہ وہاں پر ہندوؤں کو مسلمان بنالیا گیا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ
سندھ کی طرف سے آئے ہوئے ہیں۔

ایک فاضل بوہرے نے جسکا نام عبدالعلی سیف الدین ہے اور سیفی تخلص
ہے۔ ایک کتاب زبان عربی میں بنائی ہے۔ اسکا نام مجالس سیفیہ ہے۔ اور ۲۱
ذیقعدہ ۱۲۲۴ھ کو یہ کتاب تمام ہوئی ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہے کہ بوہرے
ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور تفصیل اسکی مجالس سیفیہ کی نویں مجلس
میں اس طرح مذکور ہے۔ کہ شیخ آدم صفی الدین بن زکی الدین نے کہا ہے۔ کہ مستنصر
باللہ نے اپنے پاس مصر کے دو آدمی بلائے۔ ان میں سے ایک نام عبداللہ اور
اور دوسرے کا نام احمد تھا۔ اور انکو داعیان یمن کے پاس بھیجا۔ اور ان کو لکھا
کہ ان دونوں کو ہندوستان کی طرف روانہ کر دیا جائے۔ حسب الحکم
وہ دونوں یمن سے چلکر ہند میں آئے۔ اور شہر کھنبایت
کے ساحل پر اُترے۔ یہاں کا راجہ ایک راجپوت تھا جسکا نام

بھی اُسی نے آباد کیا ہے

جامع الحکایات سے الیٹ نے تاریخ ہندوستان کی دوسری جلد میں ایک قصے کا ترجمہ کیا ہے جسکی نسبت اسکا مولف محمد اوفی کہتا ہے کہ میں نے اس قصے سے بہتر دوسرا قصہ نہیں سنا۔ محمد اوفی ایک دفعہ کھنبایت میں تھا جو سمندر کے کنارے پر آباد ہے۔ اور جس میں بہت سے سنی مسلمان رہتے تھے جو مذہب کے نہایت پابند اور سخی تھے۔ وہاں اُس نے سنا کہ یہ شہر کھنبایت گجرات کے راجہ جے سنگھ کے قبضے میں تھا جسکا دار الحکومت نہروالہ (انہل واڑہ) تھا۔ اور اُسکے عہد میں یہاں آتش پرستوں اور مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی۔ مسلمانوں کی ایک مسجد تھی۔ اسکے پاس ایک مینار بھی تھا جس میں کھڑے ہو کر موذن اذان دیتا تھا۔ آتش پرستوں نے غیر مذہب والوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بہکایا۔ جنہوں نے وہ مینار توڑ ڈالا۔ اور مسجد جلادی۔ اور اسّی مسلمان مارے گئے۔ مسجد کے خطیب کا نام قطب علی تھا۔ وہ بچ کر نہروالہ کو گیا۔ اور اُس نے تمام مظالم کی فریاد کی۔ مگر راجہ کے درباریوں میں سے کسی نے اُسکے حال پہ توجہ نہ کی۔ اور نہ مدد دی۔ ہر ایک درباری اپنے ہم مذہبوں کے بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ قطب علی نے یہ سنا کہ راجہ شکار کو جانے والا ہے۔ وہ جنگل میں جا کر راجہ کی رہگذر پر ایک درخت کے تلے بیٹھ گیا جب راجہ اُدھر پہنچا۔ تو قطب علی نے عرض کیا۔ کہ آپ ہاتھی کو ٹھیرا کر میری جو شکایت ہے وہ سن لیجئے۔ راجہ نے ہاتھی روک لیا۔ قطب علی نے ایک نظم جو ہندی کی شاعری میں بنائی تھی۔ اور اس میں یہ تمام واقعہ لکھا تھا۔ راجہ کے ہاتھ میں دیدی۔ راجہ نے وہ نظم پڑھکر اپنے ایک نوکر کو حکم دیا۔ کہ قطب علی کو اپنے ساتھ حفاظت سے رکھے۔ اور جب میں کہوں اُسکو دربار میں پیش کرے اسکے بعد راجہ لوٹا اور اپنے نائب کو بلا کر فرمایا۔ کہ تمام ریاست کا کام تم کرتے رہنا۔ میں تین روز کے لئے تمام کام چھوڑ کر زنانے میں رہونگا۔ اس عرصہ میں

کسی ریاستی کام سے مجھے دق نہ کیا جائے۔ اور اسی شب کو راجہ ایک سانڈنی پر سوار ہوکر نہروالہ سے کھنبایت کو راہی ہوا۔ اور ۴۰ فرسنگ کے فاصلے کو ایک رات دن میں طے کیا۔ اور سوداگر کے بھیس میں شہر میں داخل ہوا۔ بازار اور کوچوں میں الگ الگ موقعوں پر ٹھیر کر قطب علی کی شکایت کے متعلق حالات ٹٹولتا رہا۔ راجہ کو خوب محقق ہوگیا۔ کہ مسلمانوں پر بڑا ظلم ہوا ہے اور وہ قتل کئے گئے ہیں۔ بعد اسکے ایک برتن میں سمندر کا پانی بھر کر اور پیار نہروالہ کو لوٹ گیا۔ جہاں پر اپنی روانگی سے تیسری رات کو پہنچ گیا صبح کو اس نے دربار کیا۔ اور قطب علی کو بلایا۔ فرمایا۔ کہ تم اپنا سارا واقعہ بیان کرو اس نے تمام و کمال حقیقت سنائی۔ درباری گروہ کے غیر مذہبی آدمیوں نے چاہا کہ اسکو جھوٹا بنائیں اور دھمکائیں۔ اسپر راجہ نے اپنے پانی والے کو حکم دیا۔ کہ وہ پانی کا برتن حاضرین کو دیدے۔ تاکہ وہ سب اس میں سے پیویں ہر ایک شخص نے اسکو پینا چاہا۔ اور چکھکر چھوڑ دیا اور سمجھ لیا کہ سمندر کا پانی ہے۔ پینے کے قابل نہیں۔ اسکے بعد راجہ نے کہا کہ چونکہ اس معاملہ میں جدا جدا مذہب والوں کا ایک دوسرے سے تعلق تھا۔ اس لئے میں نے کسی پر بھروسا نہ کیا اور خود کھنبایت کو جاکر تمام حالات کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر فی الواقع ظلم و جبر ہوا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میرا یہ فرض ہے کہ اپنی تمام رعایا کے حال کی نگرانی رکھوں۔ اور انکی ایسی حفاظت کروں۔ کہ وہ امن کے ساتھ رہ سکیں۔ اسکے بعد اس نے حکم دیا۔ کہ غیر مذہب والوں یعنی برہمنوں اور آتش پرستوں اور دوسری ذات والوں میں سے دو دو معزز آدمیوں کو سزا دیجائے۔ اور ایک لاکھ بالوترے (چاندی کا سکہ) اس مینار و مسجد کی دوبارہ بنا کے لئے دئیے۔ اور چار پارچے کا خلعت عطا کیا۔ اس خلعت کے کپڑے ابتک حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں۔ اور کسی بڑے تیوہار کی تقریب میں نکالے جاتے ہیں۔ وہ مسجد و مینار کچھ روز ہوں پہلے تک کھڑے تھے لیکن جب بالا

(مالوہ) کے لشکر نے ملک نہروالہ پر حملہ کیا۔ اس وقت میں وہ توڑ ڈالے گئے۔ سید شرف تمیم (تائے فوقانی سے بروزن کمین) نے اپنے خرچ سے انہیں پھر بنوایا اور ایک کی بجائے چار مینار تعمیر کرا کر انپر سونے کے کلس چڑھوائے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کی اس عمارت کو غیر مذہب والوں کے ملک میں چھوڑ گیا ہا ور وہ عمارت ابتک موجود ہے۔ غرضکہ بقول محمد اوفی جے سنگھ ہندوستان کے اس زمانے کے والیان ملک میں سب سے بڑا اور نہایت مدبر تھا۔ وہ بڑی نرمی کے ساتھ حکومت کرتا تھا۔ اور دوسرے سرداروں کو اپنے دباو میں رکھتا تھا۔ جامع الحکایات شمس الدین التمش کے وقت میں سنہ ۱۲۱۱ء کے قریب بنی ہے۔

بوہروں کے ہاں ائمہ کی ترتیب

بوہرے مستنصر باللہ کے بعد مستعلی باللہ کو امام برحق جانتے ہیں۔ مستعلی کے انتقال کے بعد اُنکے بیٹے آمر باحکام اللہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے ۴ ربیع الثانی سنہ ۵۲۴ھ کو آمر کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جنکا نام ابوالقاسم طیب رکھا۔ او جس مکان میں انکی ولادت وقوع میں آئی تھی۔ اُسکا نام بیت حق معمور رکھا گیا۔ ان ائمہ کے خوارق عادات بھی مجالس سیفیہ میں مذکور ہیں۔ چنانچہ مجلس سوم میں آمر کا ایک معجزہ لکھا ہے۔ جو ناظرین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لکھا ہے کہ آمر کا وزیر افضل ابن بدر جمالی اپنے دین میں مذبذب تھا۔ ایک شخص فن جادوگری کا ماہر افضل کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اور ایک خوان بغیر اُٹھانے والے کے خود بخود اُٹھا چلا آتا تھا۔ لوگ تعجب کرتے تھے۔ یہ خبر آمر کو پہنچی۔ افضل کو کہکر اُسے بلایا۔ آمر کے سامنے بھی اس نے یہی شعبدہ دکھایا۔ پردے پر شیر کی تصویر تھی۔ آمر نے اُس تصویر کو حکم دیا۔ مجسم شیر بنکر ساحر کو کھا گیا۔ افضل شرمندہ ہوا۔

۳ ذیقعدہ ۵۲۴ھ کو آمر قاہرہ میں سرراہ زخمی ہوئے۔ تو اپنی جانشینی کے لئے طیب کے واسطے وصیت کی۔ اور ابن مدین کو بلا کر طیب کو تربیت کے لئے ان کے حوالے کیا۔ اور کہا کر اپنے بعد داماد ابو علی کو باب مقرر کیجیو اور وصایا کر کے رات میں آمر نے رحلت کی۔ اور امرائے دولت طیب کو لے کر قاہرہ چھوڑ کر چلے گئے اور مستور ہو گئے۔ جب یہ خبر یمن میں پہنچی۔ تو حرۂ ملکہ اور داعی ذویب دعوت میں قائم ہوئے۔ اور طیب بن آمر کی بیعت لیتے رہے قاہرہ میں مسند نشین خلافت عبدالمجید ہوئے جنکا لقب الحافظ لامر اللہ تھا۔ ان کو بوہرے نہیں مانتے۔

بوہروں میں وصی اور ائمہ کی ترتیب اس طرح ہے (۱) وصی حضرت علی۔ (۲) امام حسن (۳) امام حسین (۴) امام زین العابدین (۵) امام محمد باقر (۶) امام جعفر صادق (۷) امام اسماعیل (۸) امام محمدؑ (۹) امام عبداللہ (۱۰) امام احمدؑ (۱۱) امام حسین (۱۲) امام مہدی (۱۳) امام قائم (۱۴) امام منصور (۱۵) امام معز (۱۶) امام عزیز (۱۷) امام حاکم (۱۸) امام ظاہر (۱۹) امام مستنصر (۲۰) امام مستعلی (۲۱) امام آمر (۲۲) امام طیب۔ پس بوہرے مہدویہ میں مستعلویہ ہیں اور مستعلویہ میں طیبیہ ہیں۔ اور جعفر صادق کے بعد چار اماموں کے مستور و مخفی ہونے کے قائل ہیں۔ اور وہ چار یہ ہیں۔ عبداللہ۔ احمد۔ حسین اور طیب اور عبداللہ مہدی کا سلسلہ نسب امام جعفر صادق تک اس طرح ملاتے ہیں۔ مہدی بن حسین بن احمدؑ بن عبداللہ بن محمدؑ بن اسمٰعیل بن جعفر صادقؑ

علمائے دعوت اور داعیوں کا بیان

مجالس سیفیہ میں حرۂ ملکہ کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ کہا ہے کہ وہ علم تنزیل

لہ مجالس سیفیہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور دوسری کتب تواریخ مثلاً روضۃ الصفا، ناصری و حبیب السیر اور تاریخ گزیدہ اور جنات الفردوس وغیرہ سے ۵۲۴ھ میں آمر کا مقتول ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور ابوالفدا سے انکا مارا جانا ۵۲۳ھ میں ثابت ہوتا ہے ۱۲ منہ

وتاویل و حدیث ائمہ و رسول میں متبحر تھیں۔ اور واعیان زمان اُن سے پس پردہ
سے مسائل سیکھتے تھے۔ اور احکام حاصل کرتے تھے۔ اور مشکلات دین میں انکی جانب
رجوع کرتے تھے۔ پس جس بات کے طالب ہوتے تھے انکی پاس پاتے تھے اور انکو علم و زہد و ورع
وعبادت کے ساتھ سیاست و تدبیر میں بھی کمال حاصل تھا۔ ملوک یمن اُنکی
بندگی کے خواہاں اور اہل یمن اُنکی اطاعت میں پویاں تھے۔ وہ اپنی حیات
میں دعوت وحکومت پر اپنے مردان صاحب فضل کی وفات کے بعد قائم رہیں
اور انہیں کے عہد میں ستر واقع ہوا یعنی طیب بن آمر مستور ہوئے۔ اور جب
تک یہ ملکہ زندہ رہیں انتظام میں کچھ خلل واقع نہ ہوا۔ حرۂ ملکہ نے ۹۲ سال اور
چند ماہ کی عمر پاکر شعبان سنہ ۵۳۲ھ میں وفات پائی۔ اور جامع مسجد ذی جبلہ میں
بائیں جانب قبلے کے مسجد کی ایک منزل میں مدفون ہوئیں۔ اُنکی قبر آج تک
زیارت گاہ ہے۔ مسجد مذکور کی دیوار جانب قبلہ میں انکے حکم سے تمام اماموں
کے نام علی بن ابی طالب سے اُنکے زمانے کے امام تک لکھے گئے ہیں۔ حرۂ ملکہ
کے لئے ائمہ طاہرین کے نزدیک مقام محمود اور مرتبۂ عالی تھا۔ اور خاصکر آمر
باحکام اللہ نے انکو ہر طرح کے فضل سے مخصوص کیا تھا۔ اور تمام آدمیوں سے
اُنکے مرتبے کو بڑھا دیا تھا۔ اُنھیں مقام نور کا حجاب اور بیت حق معمور کا حبس
میں طیب ابی القاسم پیدا ہوئے تھے باب مقرر کیا تھا۔ اور آمر نے حرۂ ملکہ
کو حکم دیا تھا۔ وہ طیب ابی القاسم کی حالت میں ظہور اور استتار کے بعد اُنکی
طرف دعوت کریں۔ اور دعوت کو اُنکی طرف اور اُن ائمہ کی طرف جو اُنکی اولاد
سے ہوں برابر جاری رکھیں۔ پس حرۂ ملکہ کو جس بات کے لئے اُنکے مولا نے
حکم دیا تھا اُسپر مستعد اور قائم رہیں۔ ابو الفدا نے بھی اس ملکہ کا حال لکھا ہے
مزید واقفیت کے لئے اُسکو ہم نقل کرتے ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ نام اُنکا سیدہ اور
لقب حرہ تھا۔ انکے باپ کا نام احمد بن جعفر بن موسی صلیحی ہے۔ سنہ ۴۴۰ھ
میں پیدا ہوئی تھیں اور شہاب کی بیٹی اسما نے اُنکی پرورش کی تھی سنہ ۴۶۱ھ

میں اسما کے بیٹے احمد الملقب بہ ملک مکرم بن علی بن قاضی محمد بن علی صلیحی نے جو صنعا میں سلطنت کرتا تھا۔ اُن سے نکاح کیا۔ تمام کام حرۂ موصوف انجام دیتی تھیں۔ احمد مکرم نے اپنی حیات میں انکو تخت پر بٹھا دیا تھا۔ حرہ ملکہ انتظام سلطنت اور تدبیر مملکت اور لڑائیوں کے بندوبست کرتی تھیں۔ احمد مکرم کھانے پینے اور عیش و عشرت میں مشغول رہتا تھا۔ ۴۸۴ھ میں احمد مکرم نے وفات پائی تو اُسکے چچا کا بیٹا ابو حمیر سبا بن احمد بن مظفر بن علی صلیحی والی ریاست ہوا تمام عمر ریاست کرتا رہا۔ یہانتک کہ ۴۹۵ھ میں سبا نے انتقال کیا۔ یہ شخص صلیحیوں کا سب سے پچھلا بادشاہ گذرا ہے۔ اسکے عہد میں بھی سلطنت کے تمام کاروبار حرۂ ملکہ ہی کے ہاتھ میں رہے۔ ابن سبا کے مرنے کے بعد حرۂ ملکہ کی ایام حکومت میں ابن نجیب الدولہ مصر سے آکر ۵۱۳ھ میں سلطنت پر قابض ہو گیا اور یمن کے پہاڑوں میں پڑا رہا۔ یہانتک کہ بادشاہ مصر نے اُسکے سر پر پہنچکر ۵۲۰ھ کے بعد ابن نجیب الدولہ کو گرفتار کر لیا۔ اور اب سلطنت ابن زریع بن عباس بن مکرم کے ہاتھ میں آگئی۔ آل زریع کا نام آل عدن ہے۔ اور یہ لوگ آل ذیب بھی مشہور ہیں۔ مگر ان تمام انقلابات میں حرہ ملکہ کا اقتدار برابر قایم رہا۔ یہانتک کہ ۵۳۲ھ میں راہی ملک آخرت ہوئیں۔ انکے عہد میں ملک مفضل ابو البرکات بن ولید حمیری حاکم تغر کا کہنا سننا بہت چلتا تھا۔ بلکہ یہ شخص انکی سامنے احکام جاری کرتا تھا۔

مجالس سیفیہ میں بیان کیا ہے۔ کہ داعی عماد الدین ادریس بن حسن نے کہا ہے کہ حرۂ ملکہ نے داعی **ذویب** بن موسے کو اپنا قائمقام کرکے اور دعاۃ یمن کا اُنکو قدوہ بنا کے اور داعی **خطاب** کو ان کا معاون کرکے دنیا سے رحلت کی۔ پس وہ دونوں طیب بن آمر کی حیات و وفات میں انکی طرف دعوت کرتے رہے۔ اور قواعد دعوت کو بلند کیا۔ اور طیب کے نشان ظاہر کیے اور داعی ذویب و **دعاۃ مطلقین** میں سے یمن و مضافات و جزائر یمن میں

طیب کے مخفی ہو جانے کے بعد اول ہیں۔ اور داعی یحییٰ بن لمک نے بھی
انکے لئے رتبہ تسلیم کیا تھا۔ داعی ذویب داعی لمک کے شاگرد تھے۔ اور داعی
لمک نے المؤید فی الدین شیرازی سے علم تحصیل کیا تھا۔ مجلس بستم میں ذکر
فضائل عید غدیر کے بعد بیان کیا ہے کہ علوم دعوت کا مبدء داعی المؤید
فی الدین شیرازی ہیں جو امام مستنصر باللہ کی طرف سے حجت تھے۔ اور
تفصیل اسکی اس طرح ہے کہ داعی علی بن محمد صلیحی کے ہاتھ سے جب
اللہ نے امر ائمہ ظاہر کیا۔ اور انکو بلاد یمن میں تمکین دی۔ تو صلیحی نے داعی
لمک بن مالک حمادی کو مصر میں بھیجکر اجازت طلب کی۔ لمک مصر میں پہنچے
اور انکو داعی موید فی الدین کے مکان میں ٹھہرنے کی اجازت ملی۔ سات
برس تک داعی لمک داعی موید سے علوم ائمہ کو حاصل کرتے رہے۔ اور جب
وہ یمن کی طرف واپسی کی اجازت مانگتے تھے۔ تو قیام کے لئے حکم ہوتا تھا۔ یہانتک
کہ داعی لمک نے ۷۲ مسائل دقیق داعی موید سے دریافت کئے۔ جسپر موید نے
کہا۔ کہ ان کا جواب میں نہیں دیسکتا۔ امام دینگے۔ اور اُن کو امام کی خدمت
میں لے گئے۔ تو ہر مسئلے کے جواب کے ساتھ خلعت ملتا گیا۔ داعی علی بن محمد صلیحی
کے انتقال کے بعد داعی لمک یمن کے داعی قلم مقرر ہوئے۔ اور یہ بڑے عالم شخص
تھے۔ داعی لمک سے بہت سے داعیوں نے علم حاصل کیا۔ اور یونتو ان کے
بہت سے شاگرد تھے۔ مگر اعلےٰ درجہ کے دو ہی ہوئے۔ ایک انکے بیٹے داعی یحییٰ
اور دوسرے داعی ذویب بن موسیٰ جب داعی ذویب کی عمر پوری ہوئی۔ تو
انہوں نے اپنی قائمقامی کے واسطے داعی ابراہیم بن حسین کے لئے نص
کی۔ اور اُنہیں اپنی طرح امام کے لئے باب مقرر کیا۔ اور ابراہیم نے اپنی وفات
کے وقت اپنے بیٹے قائم کے حق میں ایسا ہی کیا۔ اسی طرح ابراہیم کے بعد دعاۃ
میں سب کرتے رہے۔ اور اپنے قائمقام کے لئے نص کرتے رہے۔ اسی طرح سلسلہ
دعوت ایک دوسرے سے منتقل ہوتے خلف عن سلف داعی عماد الدین ادریس

بن حسن تک پہنچا۔ یہ عالم متبحر تھے۔ اس وقت دعوت میں بڑا اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہ بات کہی جاتی تھی۔ کہ دعوت ہندوستان کو منتقل ہو گی۔ پھر سندھ سے تحصیل علم کے لئے چند شخص بلائے گئے۔ یہ چار شخص کہ اہل حسب و فضل تھے تھے۔ ہند سے یمن میں بھیجے گئے (۱) داعی یوسف بن سلیمان ساکن سدھ پور (۲) داعی جلال الدین (۳) داعی داؤد بن قطب شاہ (۴) داعی داؤد بن عجب شاہ۔ یہ تینوں شخص احمد آباد کے رہنے والے تھے۔ آخر کار داعی ادریس بن حسن نے جو یمن کے آخری داعی تھے۔ دعوت کی نص یوسف بن سلیمان کے لئے کی۔ اس وقت سے دعوت یمن سے ہند کو منتقل ہوئی یوسف اپنے زمانہ حیات میں دعوت میں قایم رہے۔ انہوں نے اپنے بعد داعی جلال الدین کے لئے نص کی۔ اور داعی جلال الدین نے داعی داؤد بن عجب شاہ کو اپنا جانشین بنایا۔ اور داعی داؤد بن عجب شاہ نے داعی داؤد بن قطب شاہ کے لئے اپنی قائمقامی کی نص کی۔ یہ چاروں شخص بڑے کامل و ماہر تھے۔ خاصکر داعی داؤد بن قطب شاہ علما سب سے زیادہ اور حلماً سب سے بزرگ تھے۔ ان سے بھی علمائے دعوت نے علوم حاصل کئے۔ مثلاً (۱) داعی شیخ آدم صفی الدین (۲) داعی عبدالطیب زکی الدین بن داعی داؤد بن قطب شاہ (۳) شیخ امین جی ابن جلال اور داعی عبدالطیب زکی الدین سے اُنکے بھائی داعی قطب الدین نے علم سیکھا۔ اور قطب الدین سے داعی شجاع الدین پیر خاں نے تحصیل علم کی۔ اور داعی شجاع الدین سے اُنکے بیٹے شیخ نجم خاں نے فضل و کمال کی تکمیل کی۔ پھر اُن سے اُنکے شاگرد خان جی بھائی ابن پیر خاں نے علم و ادب حاصل کیا۔ اور یہ اپنے استاد کی طرح فاضل متبحر او پرہیزگار تھے۔ اور اجل علمائے دعوت سے ہیں۔ جو بعد ہوئے داعی بدر الدین نے خانجی بھائی کو خدمت دعوت کا متولی کر کے احمد آباد کو بھیجا تھا۔ اور اُنکے پاس تحصیل علم کے لئے داعی کلیم الدین

اور شیخ صفی الدین کو بھیج دیا تھا جب صفی الدین اپنے اُستاد کے پاس سے
تحصیل علم کرکے واپس آئے۔ تو اپنے آبائی وطن نگر میں علوم پڑھانے لگے اور
احکام دین کے کام میں معروف ہوگئے۔ انہیں سے شیخ عبد القادر کلیم
الدین بن ملا خان نے علم تحصیل کیا۔ اور شیخ عبد القادر سے ان کے بھتیجے
شیخ حبیب اللہ بن آدم بھائی بن ملا خان نے علم حاصل کیا۔ اور شیخ
حبیب اللہ سے شیخ رحمت اللہ بن ملا حسن نے سیکھا شیخ خان جی بھائی
جب احمد آباد سے مراجعت کرکے اودیپور ملک میواڑ میں آئے تو یہاں ایک
مدرسہ قائم کیا۔ اور درس علوم و عبادت میں مشغول رہے۔ شیخ لقمان جی
ملا حبیب اللہ عنفوان شباب میں رام پور سے چل کر اودیپور میں آئے
اور شیخ خان جی بھائی بن پیر خان جی سے تحصیل علم کرنے لگے۔ اور شیخ لقمان
جی سے اُن کے پوتے ہبۃ اللہ بن ملا ولی محمد بن شیخ لقمان جی نے تحصیل
علم کی۔ خان جی بھائی کا مزار اودیپور میواڑ میں ہے۔ اور بوہرے بڑے ذوق
و عقیدت سے اسکی زیارت ہمیشہ کرتے ہیں۔ ناریل لیجاتے ہیں۔ وہاں توڑ کر
کھوپرہ تقسیم کرتے ہیں۔ اگر کی بتیاں جلاتے ہیں۔ مرد سے کے پیچھے جھاڑ لگے
ہیں۔ جن سے بہت ہی مست خوشبو آتی ہے۔ غرضکہ خانجی سے علمی فیض کی
دو شاخیں انکے دو شاگردوں کے ذریعے سے چلیں (۱) شیخ صفی الدین بن
داعی ذکی الدین (۲) شیخ لقمان جی ملا حبیب اللہ جنکی تفصیل تم نے سن لی
شیخ عبد العلی سیف الدین مجالس سیفیہ کے مولف کہتے ہیں۔ کہ یہ دونوں شاخیں
یعنی متفرق جماعتوں کے علوم مجھ میں جمع ہوئے۔ اور دونوں شاخیں میری
طرف وارد ہوئیں۔ سیفی نے ابتدائے عمر میں شیخ رحمت اللہ سے اور بعد
بلوغ شیخ ہبۃ اللہ سے تکمیل علوم کی۔ اور پھر رتبۂ دعوت پر بھی فائز ہوئے
وہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارا علمی نسب اور سلسلہ اس طرح ہے کہ داعی المؤید فی
الدین شیرازی سے داعی لمک بن مالک پر اور ان سے داعی

یمن پہ ایک دوسرے سے رتبۂ دعوت از سلف تا خلف منتقل ہوا یہانتک کہ
داعی ادریس بن حسن یمنی سے داعی یوسف بن سلیمان کو اُن سے
داعی جلال الدین کو اُن سے داعی داؤد بن عجب شاہ کو اُن سے
داعی داؤد بن قطب شاہ کو اُن سے اُن کے فرزند داعی عبد الطیب
زکی الدین کو اُن سے اُن کے بھائی داعی قطب الدین کو اُن سے
داعی شجاع الدین کو ان سے اُن کے فرزند شیخ نجم خان کو اُن سے
شیخ خان جی بھائی کو اُن سے شیخ صفی الدین کو اُن سے شیخ کلیم الدین
کو اُن سے شیخ حبیب اللہ کو اُن سے شیخ رحمت اللہ کو ان سے داعی
سیف الدین کو علم دعوت پہنچا۔ اور شاخ دوم سیفی تک یوں منتہی ہوتی ہے
کہ شیخ خان جی بھائی سے شیخ لقمان جی نے اُن سے شیخ ہبۃ اللہ
نے اُن سے داعی سیف الدین نے علم پایا۔

اُن لوگوں کی علمی و تاریخی تحقیق پر افسوس ہے۔ جو سورت والے بڑے
ملاجی کو بوہروں کا امام لکھ مارتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کو بھی داعی
اور امام میں فرق نہ معلوم ہوا۔ اور اُن پر یہ امر منقح نہ ہوا کہ داعی ہیں امام نہیں
اسی لئے انہوں نے انکو کشف الغمہ اور خبیئۃ الاکوان میں امام لکھا ہے۔ فرقۂ اسمٰعیلیہ
میں امامت منحصر ہے۔ بی بی فاطمہ علیہا السلام کی اس اولاد میں جو اسمٰعیل بن
جعفر صادق کے سلسلۂ نسب میں ہے۔ اور سورت والے ملاجی اُنکے نسب سے
نہیں ہیں۔ اور بوہروں کے امام آمر کے بعد طیب ابو القاسم مستور ہو گئے ہیں۔
اس لئے اُنکی اولاد کا بھی پتہ نہیں۔ اور بغیر اولاد طیب ابو القاسم کے دوسرا
امام ہو نہیں سکتا۔ پس سورت والے ملاجی داعی ہیں۔ یہ نہ اپنے آپ کو اولاد
اسمٰعیل کہتے ہیں۔ نہ امامت کا ادعا کرتے ہیں۔ میں نے ملا نجم الدین عبد القادر
مرحوم کی ایک مہر ایک کاغذ پر دیکھی تھی جس میں صاف داعی کا لفظ اُنکے نام
کے ساتھ تھا۔ ملا نجم الدین عبد القادر جبکہ اودیپور میں تشریف لائے۔ تو میرے

وال کے ساتھ اُنکو بہت محبت پیدا ہوگئی۔ اور اُنکے علم و فضل کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ کچھ تحائف بھی دیئے تھے۔ فی الحال ملا عبد الحمید الدین اُنکے جانشین ہیں۔ انکے اور ملا نجم الدین کے درمیان دو داعی گذر چکے ہیں ایک ملا برہان الدین اور دوسرے ملا حسام الدین داعی حال کے عزیز ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں اودیپور میں آئے تھے۔ جنکا نام نعمان بھائی ہے اور نہایت خوش سیرت اخلاق مجسم ہیں۔ مجھے بوجہ مشورۂ طبی کے محبت پیدا ہوگئی تھی بڑی دھوم دھام سے اُنکی دعوتیں بوہروں نے کیں۔ اور ہزاروں روپیہ اُن کے لئے جمع کیا۔ جو لوگ دعوت نہیں کر سکے اُنکی نسبت یہ قرار پایا کہ نعمان بھائی انکے مکان میں جائیں۔ اور اہل خانہ قدمبوسی کرکے جو کچھ توفیق ہو نذر پیش کردیں۔ تاریخ مالوہ میں منشی کریم علی نے لکھا ہے۔ کہ بوہرے پیادہ پا داعی کی اردلی میں دوڑتے ہیں۔ دست بستہ انکے روبرو کھڑے رہتے ہیں۔ پشت دیکر انکے روبرو سے نہیں جاتے ہیں۔ جب تک اجازت بیٹھنے کی نہیں پاتے نہیں بیٹھتے ہیں۔ جب ملا صاحب وضو کرتے ہیں۔ بوہرے کلی تک کا پانی ہاتھوں ہاتھ لیکر پی جاتے ہیں۔ اگر ملا صاحب نے مسجد یا کسی اور جانب کا پیادہ پا قصد کیا۔ انکے زیر قدم کی خاک کو بوہروں نے آنکھوں کا سرمہ کیا۔

سیف الدین مولف مجالس سیفیہ سے منقول ہے۔ کہ اصول علم دعوت میں چار کتابیں ہیں۔ اول اور اعلےٰ اُنکی رسائل اخوان الصفا دوم کتاب لصحۃ العقل سوم کتاب تاویل الدعائم چہارم المجالس المویدہ۔ جو شخص ان کتب کا عارف ہو اور مبلغ علما کو پہنچا ہو۔ وہ اس بات کا مستحق ہے۔ کہ اس سے مسائل حاصل کئے جائیں۔ اور اسکے قول پر وثوق کیا جائے۔ اور ہر ایک علم رسائل اخوان الصفا میں موجود ہے۔ جو چاہے اسکا التزام کرے۔ مجھے بوہروں کے علما سے معلوم ہوا کہ رسائل اخوان الصفا کے مصنف احمد بن عبد اللہ ہیں۔

بوہروں کے اخلاق و عادات و مراسم وغیرہ

بوہروں میں بڑے بڑے ادیب زبان عربی کے ہوتے ہیں نظم و نثر فصاحت
و بلاغت کے ساتھ لکھتے ہیں ہمیشہ کتب عربی دیکھتے ہیں۔ زبان فارسی اردو وغیرہ
کی کتابیں شغل میں نہیں رکھتے۔ علما آپس میں خط و کتابت بھی عربی زبان میں
کرتے ہیں۔ اور جو بے علم ہیں۔ وہ گجراتی اور اردو میں لکھتے ہیں۔ اور سارا فرقہ
نماز روزہ کا پابند ہے۔ اور اپنے مرشد کی اطاعت میں سرگرم ہے۔ کوئی داڑھی
نہیں منڈاتا۔ اور سر پر بال نہیں رکھتا نہ حقہ پیتا ہے۔ نہ تمباکو کھاتا ہے۔ نہ
سونگھتا ہے۔ مسکرات کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ بوہروں کے علما کسی سے مناظرہ
نہیں کرتے۔ خاصکر مذہبی مناظرہ سے بالکل بچتے ہیں۔ نہ اپنے مذہب کے اصول
و فقہ و حدیث و تفسیر و عقائد کی کتاب غیر مذہب والے کو دکھاتے ہیں اس بات میں
انکا عہد ہے۔ اور مجھ کو جو کچھ انتخاب مجالس سیفیہ وغیرہ کا ملا ہے۔ وہ ایک
بڑی تدبیر کے ساتھ اودے پور میواڑ میں داؤدیہ بوہروں کے ہاں سے ہاتھ لگا
ہے کیونکہ یہاں یہی گروہ رہتا ہے

جس قصبے یا شہر میں بوہرے رہتے ہیں۔ وہاں انکی تمام جماعت ایک
محلے میں سکونت رکھتی ہے۔ دوسرے مذہب والے کو اس میں جگہ نہیں دیتے
اور اپنی مسجد اور جماعت خانہ اور قبرستان بھی سب سے علیحدہ رکھتے ہیں اور
اپنی شادی غمی میں سوائے اپنی برادری کے دوسرے کو دخل نہیں دیتے
اپنی ہی قوم میں بیاہ شادی کرتے ہیں۔ اور ناچ رنگ وغیرہ نہیں کرتے کسی
غیر مذہب والے کی مسلمانوں میں سے بیٹی نہ لیتے ہیں۔ نہ اسے دیتے ہیں بوہرے
باوجودیکہ ہندوؤں سے سخت پرہیز رکھتے ہیں مگر اکثر ان میں کچھ باتیں ہندوؤں
کی باقی ہیں مثلاً انکے ہاں مستورات کے پردے کا رواج نہیں۔ عورتیں باہر
بے حجاب پھرتی ہیں۔ لہنگے پہنتی ہیں۔ یہ لوگ سود بلا شبہ دیتے لیتے ہیں۔ اور

دیوالی میں جنمشٹ کی رات کو ہندوؤں سے زیادہ خوشی اور سامان روشنی کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی شب حساب کتاب کی نئی بہیاں شروع کرتے ہیں پرانی بہیوں کو بند کرتے ہیں۔ اور ہندی مہینوں اور تاریخوں کے اعتبار سے حساب و کتاب رکھتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے مرآت احمدی کے ترجمہ انگریزی کے نوٹ میں مندرج ہے کہ بوہرے کسی قدر ہندوؤں کے رسم و رواج اور عقیدے پر ابتک چلتے ہیں۔ وضو مثل اہل سنت کے کرتے ہیں۔ اور اذان و اقامت میں اشہد ان امیر المومنین علی ولی اللہ کہتے ہیں۔ اور بعد اذان کے دعا پڑھکے داہنے بائیں کرکے چند قدم چلتے پھرتے ہیں۔ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور نماز کا اتنا سامان نہ بند کرتا ٹوپی مصلا جدا رکھتے ہیں۔ نماز کے وقت ملبوس مستعمل کو اتار کر نماز کے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ مگر یہ بات مسجد میں ہوتی ہے کسی اور جگہ مستعمل کپڑوں سے بھی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مسجد میں عورتوں کے واسطے بھی ایک حصہ علاحدہ رکھتے ہیں۔ نماز تین وقت پڑھتے ہیں۔ ظہر اور عصر کو ملا لیتے ہیں اور مغرب و عشا کو ملاکر پڑھتے ہیں۔ اور فجر کو پڑھتے ہیں۔ پیش امام بطور عامل و قاضی کے داعی کی طرف سے ہر بستی میں بوہروں کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ اسکی معرفت سالانہ نذرانہ ہر ایک اپنے مقدور کے موافق اور زکوۃ کا روپیہ داعی کو پہنچتا ہے۔

مجالس سیفیہ کی مجلس ہشتم میں لکھا ہے۔ زکوۃ فطر ایک صاع گندم یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوارے یا ایک صاع مویز ہیں۔ مگر گیہوں اور جو اور چھوارے اور مویز نہ ملیں۔ تو اسکے عوض میں نقد درہم قبل افطار کے دیوے مجلس چہارم میں لکھا ہے کہ مقدس راتیں ۱۷۔ اور ۱۹۔ اور ۲۱۔ اور ۲۳ تاریخ کی ہیں۔ اور مسنون روزے یہ ہیں۔ ماہ شعبان۔ اور ہر ماہ کا پنجشنبہ اول آخر اور ہر ماہ کا درمیانی چہارشنبہ۔ بوہروں کے حساب سے ماہ ذی الحجہ میں جشن ۱۸ تاریخ واقعہ ہوتی ہے۔ اس دن عید غدیر منائی جاتی ہے۔ ہر مقام پر عامل

بوہروں سے میثاق لیتا ہے۔ اور ۱۵ برس سے جسکی عمر کم ہو۔ اس سے میثاق نہیں لیا جاتا۔ اس میثاق میں عقائد اور مذہب کی باتوں پر قائم رہنے اور بری باتوں سے بچنے کا اقرار لیا جاتا ہے۔ آج کے دن سب بوہرے روزہ کھتے ہیں۔ اور ہر ایک اپنی مقدرت کے موافق عامل کو نذر دیتا ہے۔ تمام زر نذر سے چہارم حصہ عامل کو ملتا ہے۔ اور تین حصے داعی کی سرکار میں جمع ہوتے ہیں۔

تاریخ مالوہ میں لکھا ہے۔ کہ اگر اس قوم کی عورت نے زنا کرایا یا کوئی اور قصور کیا۔ تو شوہر نے عورت کے خفیہ پانچ روپے اُسکے دوپٹے میں باندھ دئیے۔ جب عورت نے روپے دیکھے معلوم کیا۔ کہ شوہر نے اُسے طلاق دی دو اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی

اس فرقے کی یہ خصوصیات سے ہے۔ کہ ماہ رمضان میں ایک یا دو روز قبل روزہ رکھتے ہیں۔ اور جب ایک یا دو روز باقی رہتے ہیں۔ تو عید کر لیتے ہیں۔ اور پورے تیس روزے رکھتے ہیں۔ اور روزہ اول وقت افطار تے ہیں۔ جیسا کہ حنفیہ افطار کرتے ہیں۔ اور نماز مغرب بھی حنفیہ کی طرح اول وقت میں پڑھتے ہیں۔ عشرہ محرم کے مراسم بھی قبل سے ادا کر لیتے ہیں۔ اور اسی طرح مقامات عرفات بھی یہ ایک یا دو روز قبل سے حج ادا کرتے ہیں اور وہ ایسی تدبیر سے ہو جاتا ہے۔ کہ اہل سنت کو خبر تک نہیں ہوتی۔ مقام عرفات میں حج سے کئی دن قبل سے حاجیوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ اور وہ کوئی چھوٹی سی جگہ نہیں۔ کہ اگر تھوڑے سے آدمی کچھ کریں۔ تو سب کی نظر اُنپر پڑیں۔ پس یہ اپنے طور پر مراسم حج علیحدہ اور مخفی ادا کر لیتے ہیں۔ مجھ سے ایک بوہرے نے بیان کیا۔ کہ ہم قبل سے عرفات میں پہنچ گئے۔ اور یمن کی طرف کے اسماعیلی بھی شامل تھے۔ یمن میں اسماعیلیوں کی بڑی آبادی ہے۔ ہم سب اسماعیلیوں نے دو روز قبل کھڑے ہو کر حج کے مراسم ادا کرنا شروع کئے

اور ایک ذی علم اسماعیلی ساکن یمین یہ کام کرا رہا تھا۔ کہ بہت سے اہل سنت ہماری جماعت کو ٹھیرا دیکھکر وہاں آگئے۔ اور پوچھا کہ تم کیا کرتے ہو۔ ہم نے جوابدیا کہ کچھ دعا کرتے ہیں۔ وہ اس سادے جواب کو سنکر ہٹ گئے۔ پھر ہم نے مزدلفہ میں اس طرح جاکر شب گذاری کہ جو راستہ اُدہر کو ہے۔ وہ طائف کے مسافروں کا بھی راستہ ہے۔ طائف کے آنے والے اسی راستے سے خانہ کعبہ کو جاتے ہیں۔ پس ہم سب مزدلفہ کو روانہ ہوئے۔ راستے میں جو لوگ عرفات کو آنے والے ملتے۔ اور ہم سے دریافت کرتے۔ کہ عرفات سے ابھی واپس کیوں جاتے ہو۔ تو ہم جواب دیتے۔ کہ ہم طائف سے آرہے ہیں۔ مکے میں ہوکر عرفات کو آئینگے۔ اور اس حیلے سے مزدلفہ میں رات گذار کر پھر عرفات کو لوٹ آئے اور بدستور تمام حجاج کے شریک رہے۔ ایک یا دو روز پیشتر رویت ہلال ہونیکا دستور کبیسہ یعنی لوند کے قاعدے پر ہے

کبیسہ یعنی لوند

نسخہ صحیفۃ الصلوٰۃ بمبئی میں نورالدین جیوا خاں اسماعیلی کے مطبع میں داعی ملا نجم الدین عبد القادر مرحوم کے حکم سے نورالدین جیوا خاں کی فرمائش میں چھپا ہے۔ اس میں کبیسے کا حساب مندرج ہے۔ صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب میں جو ملک شام میں عربی زبان میں چھاپی گئی ہے لکھا ہے کہ کبیسے کے حساب کرنے والے نساۃ لوگ ہوا کرتے ہیں انساۃ نسی سے مشتق ہے یعنی مہینوں کے بھلا دینے والے۔ اس طریقے میں یہ ہوتا ہے۔ کہ چند دن مہینوں پر بحساب کسور بڑھا دیتے ہیں جس سے تین برس میں ایک پورا مہینہ نکل آتا ہے۔ یہ طریق مصری عربوں میں ابتک رائج ہے۔ مگر اسلام نے اسکو لغو ٹھیرایا تھا اور فقط کسری حساب رویت ہلال کے مطابق جاری رکھا ہے۔ اسلام کے تمام فرقے اپنے تمام احکام شرعیہ میں رویت ہلال کا لحاظ کرتے ہیں۔ سوائے فرقہ

شیعہ (مہدویہ اسماعیلیہ) کے اسلامی سال محرم کے مہینے سے شروع ہوتا ہے۔ اور عموماً ایک مہینہ تیس اور ایک مہینہ انتیس دن کا حساب کیا جاتا ہے تاکہ قمری سال تین سو چوّن روز اور ایک خمس اور ایک سدس کا ہو۔ (۳۵۴ ۱/۵ ۱/۶) امام مقریزی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی کسر کی وجہ سے مسلمانوں نے ذی الحجہ کے مہینے میں ایک دن کا اضافہ کر دیا ہے بشرطیکہ وہ کسر نصف دن سے زیادہ ہو۔ اس سبب سے اس سال میں ذی الحجہ ۳۰ دن کا ہو جاتا ہے۔ اس سال کو سال کبیسہ کہتے ہیں۔ اس حساب سے پورے سال کے دن تین سو پچپن ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جمع ہوتے ہوتے ہر تیس برس میں گیارہ دن بڑھ جاتے ہیں۔ مقریزی کا مطلب تیس برس سے قمری سال مراد ہیں۔ ان تیس برسوں میں ۱۹ برس تو بغیر کبیسہ کے ہونگے۔ اور گیارہ برس میں کبیسہ پڑیگا۔ وہ گیارہ برس یہ ہیں۔ دوسرا سال۔ پانچواں سال ساتواں سال۔ دسواں سال۔ تیرھواں سال۔ سولھواں سال۔ اٹھارھواں سال اکیسواں۔ چھبیسواں۔ اونتیسواں۔ عرب کا پہلا مہینہ آٹھویں۔ پندرھویں بائیسویں۔ انتیسویں میں اور قوموں کے مہینوں سے موافقت رکھتا ہے لیکن اگر محرم یکشنبہ کے روز واقع ہو۔ تو صفر کی پہلی کو سہ شنبہ ہوگا۔ اور ربیع الاول کی پہلی کو چہارشنبہ۔ ربیع الثانی کی پہلی کو جمعہ ہوگا۔ جمادی الاول کی پہلی کو چہارشنبہ۔ جمادی الاخری کی پہلی کو دوشنبہ۔ رجب کی پہلی کو سہ شنبہ۔ شعبان کی پہلی کو پنجشنبہ ہوگا۔ ماہ صیام کی پہلی کو جمعہ ہوگا۔ شوال کی پہلی کو یکشنبہ ہوگا۔ ذیقعدہ کی پہلی کو دوشنبہ ہوگا۔ ذوالحجہ کی پہلی کو چہارشنبہ ہوگا۔ اور اگر محرم کی پہلی کو ہفتہ ہوا تو صفر کی پہلی کو دوشنبہ ہوگا اور ربیع الاول کی پہلی کو سہ شنبہ ہوگا

صحیفہ جو بوہرے قبر میں مردے کے ساتھ رکھتے ہیں

بوہرے مہدویہ کی درحقیقت وہ شاخ ہیں جو مستعلویہ ہے۔ مگر امر بن مستعلی کے بعد باقی دوسرے خلفائے مصر کی وجہ یہ چار تن ہیں۔ حافظ ظافر مستنصر

اور ظافر بن حافظ اور فائز بن ظافر اور عاضد بن یوسف بن حافظ) امامت کے قائل نہیں۔ بلکہ آمر کے بعد امام بحق طیب بن عامر کو مانتے ہیں۔ جو مستور ہو گئے۔ پس بوہرے طیبیہ ہیں۔

صحیفۃ الصلوۃ میں وہ صحیفہ درج ہے جو مرنے کے بعد قبر میں مردے کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ وہ صحیفہ حقیقت میں عقائد میت کی تصدیق کرنے کو عامل کی جانب سے جو اُس موقع پر داعی وقت کی طرف سے مقرر ہو شہادت نامہ ہے یہ صحیفہ عربی زبان میں ہوتا ہے۔ مضمون اسکا یہ ہے۔ اول استعاذہ ہے پھر یہ ہے۔ بار خدایا یہ تیرا بندہ ضعیف حقیر محتاج تیری رحمت کا اسکی وفات مقررہ آئی۔ اسکو روح و ریحان سے ملا۔ اور اسکے شبہات سے احسان کے ساتھ درگذر کر اور اسکی روح کو ارواح انبیا و صدیقین و شہدا و صالحین کے ساتھ بلند کر۔ اور کلمات دعائیہ کے بعد ہے۔ الملائکہ مقربین اور جج روحانیین اور ملائکہ نورانیین اور انبیا و مرسلین کے وسیلے سے اور اپنے نبی مصطفے اور اپنے محمد مجتبے بہتر بن عالمیان کے وسیلے سے اور انکے وصی علی بن ابی طالب ابی الائمہ کے وسیلے سے اور فاطمہ زہرا کے طفیل سے اور ان ائمہ کے طفیل سے جو انکی نسل سے ہیں حسن اور حسین اور علی بن حسین اور محمد بن علی اور جعفر بن محمد اور اسماعیل بن جعفر اور محمد بن اسماعیل اور عبد اللہ مستور اور احمد مستور اور حسین مستور اور مہدی اور قائم اور منصور اور معز اور عزیز اور حاکم اور ظاہر اور مستنصر اور مستعلی اور آمر اور امام طیب ابی القاسم امیر المومنین اور ان ائمہ کے بابوں اور حجتوں اور داعیوں کے طفیل سے اور قائم آخر الزمان اور اسکے زمانے کے ائمہ کے طفیل سے صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ اور داعی وقت و زمانہ فلان اور اسکے ماذون فلان اور اسکے مکاسر فلان اور اسکے حدود فضلا کے طفیل سے جو حکم دیتے ہیں۔ موافق حق کے اور عدل کرتے ہیں

۵ آسائش دفرحت و خوشبو ۱۲ منہ

حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ؁

اس صحیفے سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ بوہرے عبداللہ مہدی کے آبا و اجداد میں سے تین شخصوں کے مستور و مخفی ہونے کے قائل ہیں۔ اور وہ تینوں یہ ہیں۔ عبداللہ۔ احمدؔ۔ اور حسین کہ خوف اعدائے ظالمین سے مستور ہو گئے تھے۔ اور مہدی اور محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کے درمیان میں یہ تین نام فاصل مانتے ہیں حسین۔ احمدؔ۔ اور عبداللہ اور یہ ترتیب مورخین کی ترتیب سے جداگانہ ہے۔

طیبیہ کا افتراق

طیبیہ بھی کئی فریق ہو گئے ہیں۔ داؤدیہ سلیمانیہ۔ علیہ۔ ناگوشیہ۔ ناگپوری مگر ان میں ائمہ کی بابت کوئی اختلاف نہیں۔ داعیوں کی بابت اختلاف ہے۔ جو داعی داؤد بن عجب شاہ کے بعد سے شروع ہوا ہے

داؤدیہ۔ وہ بوہرے ہیں جو سورت والے حضرت بڑے ملا صاحب کو اپنا داعی اور دینی مقتدا مانتے ہیں۔ اور انکو داؤدیہ اسلیئے کہتے ہیں۔ کہ انہوں نے داعی داؤد بن عجب شاہ کے بعد داؤد بن قطب شاہ کو اُن کا جانشین تسلیم کیا۔

سلیمانیہ۔ وہ لوگ ہیں۔ جو داعی داؤد بن عجب شاہ کے بعد سلیمان بن یوسف کو اُنکا جانشین اور داعی مانتے ہیں یمن میں زیادہ انہی کی کثرت ہو داعی داؤد بن عجب شاہ کی بی بی زہراء کے بھائی یوسف کے بیٹے سلیمان تھے۔ جو داعی داؤد بن عجب شاہ کی طرف سے یمن میں عامل ہوئے داعی داؤد بن عجب شاہ نے ہند میں انتقال کیا۔ تو سلیمان نے یمن میں یہ دعوے کیا۔ کہ داعی مرحوم اپنی جانشینی کے لئے میرے حق میں نص کر گئے ہیں اور

تحریری سند داعی مرحوم کی مہری قوم کو دکھائی۔ جنہوں نے اس سند کو تسلیم کیا اور داعی داؤد بن قطب شاہ کو نہ مانا۔ وہ سلیمانیہ کہلائے۔ داؤدیہ کہتے ہیں کہ یہ سند جعلی تھی۔ اور اس سند کے تیار ہونے کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ جب داؤد بن قطب شاہ داعی ہوئے ۔ تو سلیمان اُنکی ماتحتی میں چار برس تک یمن کے عامل رہے۔ داعی داؤد بن عجب شاہ کے بیٹے ابراہیم جو ایک حبشن کے بطن سے تھے۔ اور اُنکی بی بی زہراء اور اُنکے کاتب محمدؐ نے سرکاری کچھ روپیہ کھا لیا۔ جب ان تینوں کو مواخذے اور مطالبے کا خوف ہوا۔ تو یمن میں سلیمان کو ایک خط لکھا۔ کہ تم داعی داؤد بن عجب شاہ کی طرف سے اس مضمون کی نص کا کاغذ لکھکر یہاں بھیجدو۔ کہ ہمارے بعد سلیمان داعی ہیں۔ تو اُسپر داؤد بن عجب شاہ کی مہر لگا دیجائے۔ کیونکہ وہ مہر ابھی تک اُنکے کاتب محمدؐ کے پاس موجود ہے۔ چنانچہ سلیمان نے ایک تحریر اس مضمون کی یمن سے بھیجدی۔ جسپر محمدؐ نے مہر لگا کر ایک شخص کے ہاتھ جو کرمی کے نام سے مشہور تھا سلیمان کے پاس روانہ کردی۔ جب داعی داؤدؑ بن قطب شاہ کو اس کارروائی کا حال معلوم ہوا۔ تو اُنہوں نے زہرا سے کہا کہ تمہارے بھتیجے کی ایسی خبر پہنچی ہے ہم اُنکو معزول کرنا چاہتے ہیں اور یہ آیت پڑھی وما کنت متخذ المضلین عضدا ؁ یعنی میں گمراہ کرنے والوں کو یار و مددگار بنانے والا نہیں ہوں۔ زہرا نے جواب دیا۔ کہ یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے۔ ہم غریب آپکے سائے میں پرورش پا رہے ہیں آپ اُنکو معزول نہ کیجئے۔ مگر مولانا داؤد بن قطب شاہ نے نہ مانا۔ اور اُنکی معزولی کا حکم بھیجدیا۔ مگر بہت سے طیبیہ نے اس حکم کو لغو سمجھا۔ اور سلیمان کی اتباع اختیار کرلی۔ سلیمان اور ابراہیم نے داعی داؤد بن قطب شاہ کو بہت دق کیا۔ سلیمان یمن سے ہند میں چلے آئے تھے۔ ابراہیم نے اکبر شہنشاہ ہندوستان کے حضور میں یہ دعوے کیا۔ کہ داعی داؤد بن عجب شاہ کا بیٹا تو میں ہوں۔ پھر داعی

داؤد بن قطب شاہ اُنکے وارث کیسے بن گئے ہیں۔ اس وجہ سے بادشاہی افسروں کے ہاتھ سے داعی داؤد بن قطب شاہ کو بہت سی تکلیفیں جھیلنا پڑیں۔ قید بھی کئے گئے۔ اکبر نے اس معاملہ کی تحقیقات اور تجویز حکیم علی کے ہاتھ میں دیدی۔ اور حکم دیا۔ کہ تم اسکا اچھی فیصلہ کردو تحقیقات کے بعد علی کو ثابت ہوا۔ کہ داؤد بن قطب شاہ حق پر ہیں۔ اسلئے وہ رہا کئے گئے۔ اور اب ابراہیم اور سلیمان پر عتاب نازل ہوا۔ انکو ملازمان شاہی کے ہاتھ سے بہت سی تکلیفیں اُٹھانا پڑیں۔ اور آخر کار رشوت میں روپیہ خرچ کرکے اس عذاب سے نجات پائی۔ سلیمان کی قبر احمدآباد میں ہے۔ اور سلیمانیہ کے داعی کا مقام یمن میں ہے۔

علیہ۔ علی کیطرف منسوب ہیں جو شیخ آدم صفی الدین کے نواسے ہیں۔ فرقہ داؤد بن قطب شاہ کے بعد شیخ آدم صفی الدین کو داعی تو مانتا ہی ہے مگر انکے بعد عبدالطیب زکی الدین کو داعی نہیں مانتا اور فرقہ داؤدیہ شیخ آدم صفی الدین کے بعد عبدالطیب زکی الدین کو بھی داعی مانتا ہے۔ علی نے جہانگیر شہنشاہ ہندوستان کے عہد میں شیخ آدم صفی الدین کے بعد عبدالطیب زکی الدین سے مخالفت کی۔ اور شہنشاہ تک اُنکی شکایت پہنچائی۔ اور اپنی ایک جماعت علیحدہ قائم کر لی جسکا نام علیہ مقرر ہوا۔

نگوشیہ۔ دنون کے فتح سے، یہ فرقہ علیہ میں سے نکلا ہے۔ اور تیرہویں صدی کے خاتمے پر قائم ہوا ہے۔ اسکا بیان ہے۔ کہ تیرہ سو برس کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ختم ہو گیا۔ اب گوشت نہ کھانا چاہئے۔

ناگپوری۔ یہ منسوب ہیں ملا عبدالحسین کی طرف جنکا وطن کپڑونج ملک گجرات تھا۔ ۱۳۱۴ھ میں شہر بمبئی کے اندر انہوں نے یہ دعوے کیا کہ میں امام کی طرف سے حجت ہوں۔ بہت سے داؤدیہ بوہروں نے ملا عبدالحسین سے بحث کرکے مار کٹائی بھی کی۔ ملا عبدالحسین کہتے تھے۔ کہ میں داؤدیہ بوہروں

کے داعی صاحب سے مناظرہ اس شرط پر کرنے کو تیار ہوں۔ کہ ہر دین و مذہب کے دس دس علما جمع ہوں۔ دس اہل سنت وجماعت کے عالم دس شیعہ اثنا عشری کے عالم دس پادری وغیرہ وغیرہ اور داعی صاحب انمیں اگر میں جھوٹا نکلوں۔ تو میں اپنا یہ دعوے چھوڑ کر اُنکی متابعت کرونگا۔ اگر میں سچا قرار پاؤں۔ تو وہ اور اُنکی جماعت میری مطیع ہو جائے ملا عبد الحسین بمبئی سے ناگپور کو گئے۔ اور دم واپسین تک وہیں رہے۔ اور بہت سے بوہرے اُن کے مطیع ہو گئے۔ سنہ ۱۳۲۰ھ میں انہوں نے انتقال کیا۔ اُنکا قائمقام اُنکا ایک شاگرد ہوا جسکا نام حافظ غلام حسین ہے۔

بعض بوہروں کا مذہب اہل سنت اختیار کر لینا

(۱) سلطان ظفر نے جو سلطان فیروز شاہ والی دہلی کا امیر اعظم تھا گجرات پر تسلط پایا۔ تو بہت سے بوہرے اسکی وجہ سے سنت وجماعت بھی ہو گئے چنانچہ اس ملک میں سنت وجماعت بوہرے موجود ہیں۔ جلد ثالث انجد العلوم موسوم بہ رحیق مختوم اور سبحۃ المرجان میں لکھا ہے۔ کہ محمد طاہر ساکن پٹن مصنف مجمع البحار نے کہ قوم کا بوہرہ تھا۔ مہدویہ بوہروں کے عقائد کی درستی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور یہانتک اصرار کیا۔ کہ جب تک یہ کام پورا نہ سر پر عمامہ نہ رکھونگا۔ جب اکبر شہنشاہ ہندوستان نے سنہ ۹۸۰ھ میں گجرات فتح کیا۔ تو ملا شہنشاہ کے حضور میں مدد کی التجا لیکر حاضر ہوا۔ شہنشاہ نے اپنے ہاتھوں سے ملا کے سر پر عمامہ رکھا۔ اور کہا کہ میں تمہارے مدعا کے موافق اس قوم کی بدعت دفع کرنے میں پوری کوشش کرونگا۔ اور شہنشاہ نے اس غرض حکومت گجرات پر خان اعظم مرزا کوکہ کو مقرر کیا۔ خان اعظم نے بوہروں کی بدعت دفع کرنے میں کوشش کی۔ یہانتک کہ اس قوم کے اکثر مشاہیر تقیہ کرنے لگے۔ اور جابجا چھپ گئے۔ ابھی یہ بدعت بخوبی دفع نہ ہونے پائی تھی

کہ خان اعظم کی جگہ عبدالرحیم خان خانخاناں مقرر ہو گیا۔ یہ شیعہ مذہب تھا۔ بوہرے کھلم کھلا پھر اپنے اعمال کو ادا کرنے لگے۔ اور مذہب مہدویہ ظاہر ہو گیا شیخ نے یہ حالت دیکھکر پھر عمامہ اپنے سر سے اُتار ڈالا اور تدارک کے لئے درگاہ اکبری کی طرف رجوع کی۔ شہنشاہ ان دنوں اکبر آباد میں تھا۔ بوہروں نے ملا کا پیچھا کیا۔ یہانتک کہ اجین میں ملا کو ۹۸۶ھ میں مار ڈالا۔

(۲) گجرات میں ایک قوم بوہروں کی ہے جو **گجراتی بوہرے** و **جعفریہ** کہلاتے ہیں۔ اور جعفر کی طرف منسوب ہیں۔ جو پٹن کا رہنے والا تھا۔ یہ شخص احمد آباد کے عامل ملا داؤد کی مرضی کے خلاف تحصیل علم کے لئے یمن کو داعی کے پاس چلا گیا۔ یہاں سے ملا داؤد نے داعی کو لکھ بھیجا۔ کہ یہ شخص باوجود میرے منع کرنے کے وہاں چلا گیا ہے۔ اگرچہ داعی نے جعفر کو طالب علمی سے نہ روکا۔ مگر جبکہ تحصیل علم کے بعد وطن کی طرف واپس ہوا۔ تو کوئی منصب عطا نہ کیا۔ جو اسپر بہت ہی شاق گذرا۔ ہندوستان میں واپسی کے بعد اُس نے مقام بھڑوچ میں بوہروں کے اصرار سے اُنکو نماز پڑھائی۔ حالانکہ پیش امامی کی بھی اُسکو اجازت نہ تھی۔ ملا داؤد کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو انہوں نے جعفر کو کہا کہ تم اُن مقتدیوں کو لکھ بھیجو۔ کہ چونکہ مجھکو نماز پڑھانے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے وہ نماز تمہاری نہیں ہوئی۔ تم اُسکو لوٹا دو۔ چونکہ یہ بڑا عالم و فاضل تھا۔ اسلئے خود ایسا لکھنے سے شرمایا۔ اور کہا کہ آپ ہی اپنی طرف سے ان لوگوں کو لکھ بھیجئے۔ ملا داؤد نے جواب دیا۔ کہ میرا لکھنا مناسب نہیں جس سے گناہ صادر ہوا۔ اُسی کو لکھنا چاہئے۔ جعفر کو اس امر سے نہایت غیرت آئی۔ اور اس عداوت کی وجہ سے پٹن میں پہنچکر طیبہ بوہروں کو اس مذہب کے خلاف نصیحت کرنا شروع کی۔ اور اہل سنت کے عقائد پر آمادہ کیا ایک گروہ کثیر نے متابعت کی۔ مذہب اسماعیلیہ کو چھوڑ کر سنی ہو گئے اور اسماعیلیہ بوہروں سے نہایت عداوت رکھنے لگے۔

بوہروں کے بعض خاص ضروری عقاید پر تنبیہ

بوہروں کا عقیدہ یہ ہے کہ امام طیب ابوالقاسم کی اولاد سے قائم آخرالزمان یعنی مہدی موعود پیدا ہونگے۔ جو جامع ہونگے مرتبۂ نبوت و رسالت و وصیت و امامت کو۔ رسالہ ترتیب الوضوء والصلوٰۃ جو ۱۳۰۵ھ میں مطبع صفدری میں شیخ نورالدین جیوا خاں کے اہتمام سے چھپا ہے اس میں مولانا محمد بن طاہر کی دعا منقول ہے جس میں عقول عشرہ کو اور اُنکے قوائے روحانی اور جواہر مجردہ کو جناب الٰہی میں وسیلہ بنایا ہے۔ جسکے الفاظ یہ ہیں۔ اللّٰھم انی اسئلک یا ھُوَ یا من لا یَعلَمُ ما ھُوَ اِلّا ھُوَ یا من ھُوَ کما ھو واتوسل الیک اللّٰھم بالعقل الاول وبتالیہ وبالسبعۃ العقول التی تلیہ وبعاشرھم القائم المقام الاوّل لمن فی اُفقِہ والحائز بموادّہ الجاریۃ ولحظاتہ الیہ السّاریۃ شرفَ سَبقِہ وبمَن فی ضمنِ کلّ واحدٍ من القویٰ الرّوحانیۃ والاشباح القدسانیۃ واتوسّل الیک اللّٰھم بصاحب الرُّتبۃ العلیۃ و صفوۃ الصّفوۃ من اھل الجنّۃ الابداعیۃ الّذی لہُ تحرّکَ المتحرّکاتُ الجرمانیّۃ والجسمانیّۃ وصارت مطارح اشعۃ العقول الجبروتیّۃ والملکوتیۃ وبالسبعۃ والخمسین الملبّین لدعوۃ المسارعین الیٰ اجابتہ وبمن قام بعدھم من المقامات الابداعیّۃ والانوار الشعشانیۃ الیٰ انقضاء مدّتھم وانتہاء عدّتھم وبجاھم۔ اَدوارھم وآخر ساعۃ من ساعات نھارھم

یعنی اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ اے اللہ وہ ذات پاک کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے مگر خود وہی یعنی وہ اپنے آپ اپنی ذات کو جانتا ہے اے وہ ذات پاک کہ وہ موجود ہے۔ جیسا کہ وہ تھی۔ اور میں وسیلہ پکڑتا ہوں اے اللہ تیری جناب میں عقل اول کے ساتھ اور جو اسکے پیچھے ہے۔ یعنی عقل دوم کے ساتھ اور ان سات عقلوں کے ساتھ جو دوسری عقل کے پیچھے

ہیں۔ اور دسویں عقل کے ساتھ جو ہیولی کی قائممقام ہے۔ اس شخص کے لئے جو اُسکی عملداری میں ہے۔ اور جو گھیرنے والی ہے۔ اپنے مادۂ جاری کے ذریعہ سے اور جو گھیرنے والی ہے ساتھ ملاحظہ اپنے کے جو سرایت کرنیوالا ہے طرف اس شخص کے جو اُسکی عملداری میں ہے سبقت کرنے والی ہے اُسکی بزرگی کو یعنی عقل اول نے تقدم کی وجہ سے جو شرف حاصل کیا ہے وہ شرف دسویں عقل نے اپنی عنایت کی وجہ سے حاصل کیا ہے۔ اور اس وجہ سے دونوں مرتبے میں برابر ہوگئے ہیں۔ یعنی ایک تقدم کی وجہ سے بزرگ ہے۔ اور ایک اپنی مہربانیوں کی وجہ سے اور میں توسل کرتا ہوں۔ اے اللہ تیری جناب میں۔ اُن روحانی قوتوں اور پاک صورتوں کے ساتھ جو ہر ایک عقل کے اندر موجود ہیں۔ بعد وسیلہ پکڑتا ہوں میں تیری جناب میں اے اللہ اُس صاحب مرتبۂ عالی اور برگزیدہ ترین کے ساتھ جسکا بدن بلا مادے کے پیدا ہوا ہے اور اسکی وجہ سے آسمانوں اور عناصر نے حرکت پائی ہے۔ اور عقول جبرُتی وملکوتی کے انوار کے گرنے کی جگہ ہوگئے ہیں۔ اور اے اللہ میں توسل کرتا ہوں تیری جناب میں اُن ستائیس کے ساتھ جو دسویں عقل کے کہنے کو قبول کرتے ہیں۔ اور اُسکے فرماں بردار ہیں۔ اور اسکے حکم کی تعمیل میں جلدی کرنے والے ہیں۔ اور وسیلہ کرنیوالا ہوں تیری جناب میں اس شخص کے ساتھ جو بعد اُن ستائیس کے اُنکے ایسے مقامات کا جانشین ہوا ہے جو برانگیختہ کرنے والے اور دراز روشنی رکھنے والے ہیں۔ انکی مدت کے تمام ہونے اور تعداد کے پورا ہونے تک۔ اور اے اللہ میں توسل کرتا ہوں تیری جناب میں اس شخص کے ساتھ جسکے اوپر ان مدبروں کے دوروں کا خاتمہ ہے انتہائے زمانہ تک فائدہ فلاسفۂ یونان کے نزدیک مقرر ہے کہ حق تعالے نے اول ایک عقل کو پیدا کیا۔ بعدہ اس عقل نے دوسری عقل اور ایک آسمان پیدا کیا۔ اور بعد اُسکے دوسری عقل نے تیسری عقل اور ایک آسمان پیدا کیا بعد اسکے

اس تیسری عقل نے چوتھی عقل اور ایک آسمان پیدا کیا۔ اور چوتھی عقل نے پانچویں عقل اور ایک آسمان پیدا کیا۔ اسی طرح دس عقلیں اور نو آسمان پیدا ہوئے۔ اور انہی دس عقلوں کو عقول عشرہ کہتے ہیں۔ جو لوگ عقول مجردہ کو ملائکہ خیال کرتے ہیں۔ وہ حکما کی اصطلاح کو اسلام کے پردے میں چھپاتے ہیں اور اسلام کی تاویل میں لاتے ہیں کیونکہ حقیقت میں ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ اسلام میں ملائکہ کہتے ہیں اجسام لطیف نورانی کو کہ متشکل اور شاق کام کرنے پر قادر ہیں۔ اور مختلف اشکال کے ساتھ متشکل ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے اپر اور حواس ہوتے ہیں۔ اور حکما کے نزدیک عقل ایک ایسا موجود ممکن ہے کہ نہ جسم ہے اور نہ حلول کئے ہوئے جسم میں اور نہ جسم کا جز ہے بلکہ جوہر مجرد ہے۔ مادے سے اپنی ذات اور فعل میں یعنی نہ جسم ہے نہ جسمانی اور نہ اسکے کام موقوف ہیں جسم کے ساتھ متعلق ہونے پر۔ اور دوسری عبارت میں یوں سمجھو کہ وہ جوہر مجرد ہے جسم کے ساتھ اسکا تعلق صرف تاثیر کے لئے ہے نہ تصرف و تدبیر کے لئے۔ جن لوگوں نے عقول کو ملائکہ کہا ہے۔ انہوں نے شاید تشبیہ دی ہے۔ یعنی جس طرح اہل اسلام کے نزدیک عالم میں تاثیر کرنے والے وہ اجسام لطیف ہیں اسی طرح حکما کے نزدیک عالم میں مؤثر عقول مجردہ ہیں۔ اور متکلمین جوہر مجرد کو باطل کرتے ہیں۔

بوہروں کے نزدیک حضرت عیسٰے تک ہر ایک پیغمبر کے لئے ایک مقیم ہوتا تھا اور ایک وصی بھی ہوتا تھا۔ اور اُسکے زمانۂ نبوت میں ائمہ اور دین کے حدود ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت آدم کے مقیم ہُنَیْذ تھے۔ اور ان کے وصی ہابیل تھے۔ اور حضرت نوح کے مقیم ہود تھے اور وصی سام تھے۔ اور حضرت ابراہیم کے مقیم صالح تھے۔ اور وصی اسماعیل۔ اور حضرت موسیٰ کے مقیم اور وصی ہارون تھے۔ اور حضرت عیسٰی کے مقیم خزیمہ اور وصی شمعون تھے چنانچہ دعائے مولانا محمد بن طاہر کے الفاظ یہ ہیں۔

واتوسل الیک اللھم بسیدنا آدم ومقیمہ مولانا ھبنیل و وصیہ مولانا
ھابیل وائمۃ دورہ وحدود دینہ وتابعیھم اجمعین
واتوسل الیک اللھم بسیدنا نوح ومقیمہ مولانا ھود و وصیہ مولانا سام وائمۃ
دورہ وحدود دینہ وتابعیھم اجمعین واتوسل الیک اللھم بسیدنا ابراھیم
ومقیمہ مولانا صالح و وصیہ مولانا اسماعیل وائمۃ دورہ وحدود دینہ
وتابعیھم اجمعین واتوسل الیک اللھم بسیدنا موسیٰ ومقیمہ مولانا اذو
وصیہ مولانا ھارون وائمۃ دورہ وحدود دینہ وتابعیھم اجمعین و
اتوسل الیک اللھم بسیدنا عیسیٰ ومقیمہ مولانا خزیمۃ و وصیہ مولانا
شمعون الصفا وائمۃ دورہ وحدود دینہ وتابعیھم اجمعین
واتوسل الیک اللھم بالمقامات الربانیۃ والھیاکل النورانیۃ من مولانا
قیدار بن اسماعیل الی مولانا ابی طالب ابن مولانا عبدالمطلب صلوات اللہ
علیھم اجمعین۔ اس دعا میں حضرت علی کے تمام باپ دادا پردادا ابو طالب سے
لیکر قیدار بن اسمٰعیل بن ابراہیم تک درود بھیجے ہیں۔ اور ان کو وسیلہ جناب
الٰہی میں بنایا ہے۔ اور ان کے لئے مقامات ربانی اور اجسام نورانی ہیں

بوہروں کے عقیدے کے مطابق ہر امام کے لئے باب اور حجت اور
داعی اور ماذون اور مکاسر ہوتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد بن طاہر کی دعا میں
ہے۔ واتوسل الیک اللھم بابوابھم وحججھم ودعاتھم وماذونیھم ومکاسریھم
ومستجیبیھم اورادھم الی آخرہ چونکہ ۵۲۶ھ سے امام مستور ہیں اس لئے
انکی طرف سے تمام کام داعی انجام دیتے ہیں۔ اور انکی ماتحتی میں دوسرے
منتخب عہدہ داران کے حکم سے کام کرتے ہیں۔

خوجے

یہ دراصل ہندو ہیں۔ اور ابتک انکی ایک تعداد سوامی نرائن پنتھ

کی پیرو ہے۔ جو مسلمان ہوگئے ہیں۔ ان میں تین فرقے ہیں۔ اسماعیلی
سنی۔ اثنا عشری۔ جو تعداد میں سب سے بڑا ہے اسماعیلی ہے۔ اور یہ
فرقہ امامی اسماعیلی بھی کہلاتا ہے۔ اور بمبئی اور سندھ اور دکن وغیرہ میں
پھیلا ہوا ہے۔ خاصکر کاٹھیاواڑ کے جزیرہ نما میں زیادہ رہتا ہے اور انہوں
نے اپنی تجارتی نوآبادیاں افریقہ کے مشرقی کنارے پر قائم کی ہیں۔ تھوڑے
سال قبل بمبئی کے خوجوں میں ہزار پانسو سنت جماعت لوگوں کے سوا باقی
تمام خوجے آغاخانی تھے۔ اور ہز ہائنس آغاخان کو حاضر امام اور اپنا پیشوائے
مذہب تسلیم کرتے تھے۔ مگر فروری سنہ ۱۹۰۱ء سے آغاخانی جماعت کے دو حصے
ہوگئے ہیں۔ ایک وہ جو آغاخانی یعنی امامی اسماعیلی ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں
جو اثنا عشری مذہب رکھتے ہیں۔ آخرالذکر جماعت نے اپنی ایک بڑی مسجد
امام باڑہ اور مدرسہ تعمیر کرلیا ہے اور انکی جماعت میں پانچہزار سے زیادہ
نفوس ہیں۔ اور ان لوگوں میں متمول اور تعلیم یافتہ لوگ کثرت سے دکھلائی دیتے
ہیں۔ پریچنگ آف اسلام مولفہ آرنالڈ کے صفحہ ۲۲۳ میں ذکر ہے کہ پیر
صدرالدین آج سے چارسو برس پہلے سندھ میں تھے اور اسماعیلی
مذہب رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنا ایک ہندو نام رکھا۔ اور ہندوؤں کے
مذہب کی مناسبت سے انہوں نے ایک کتاب بنائی تھی جسکا نام انہوں نے
دسا اوتار (دس اوتار) رکھا تھا۔ اور اس کتاب میں حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کو دسواں اوتار مانا تھا۔ خوجوں نے اس کتاب کو ابتدا ہی سے بطور
آسمانی کتاب کے مانا۔ اور مرنے کے وقت وہ کتاب ہمیشہ برکت کے لئے پڑھی جاتی
ہے اور اسی طرح بہت سے مستورات میں اسکو پڑھتے ہیں۔ اور اس کتاب میں
انہوں نے برہما تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور وشنو حضرت علی کو اور
حضرت آدم کو شیو بنایا۔ سب سے پہلے پیر صدرالدین کے مرید لوہانے سندھ
کے گاؤں اور قصبوں میں ہوئے۔ اور انہوں نے کچھ میں بھی جا کے اسلام

پھیلایا۔ اور وہاں سے ان کے اصول جنوب کی طرف گجرات اور بمبئی تک پھیل گئے۔ پیر صدر الدین پہلے اسلامی مشنری نہیں ہیں۔ جو ہندوستان میں آئے۔ بلکہ اُن سے چند صدی پہلے اسماعیلیوں میں سے ایک شخص الموت سے بھیجا گیا تھا۔ اور یہ گجرات میں پہنچا۔ وہاں سدھ راج کی حکومت تھی۔ اس اسمٰعیلی نے اپنا ہندو نام رکھا۔ اور مسلمانوں سے کہا میرا اصلی نام سعادت ہے۔ اس شخص نے کنبی۔ کہار۔ اور کوری ادنے قسم کے ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ تاہم جو آگے چلکر ایک مقدمے کے کاغذات سے پیر کے حالات پر مزید روشنی ڈالینگے۔ اُن سے یہ ثابت ہوگا۔ کہ ہندوستان میں سب سے پہلے خوجوں کے اسمٰعیلی بنانے کے لئے پیر صدر الدین ہی آئے تھے۔ اور یہ مضمون خود سلطان محمد شاہ آغا خان کے بیان سے ماخوذ ہوگا۔

سائیکلو پیڈیا آف انڈیا کی دوسری جلد کے صفحہ ۱۳۵ میں حالات حیدر آباد کے ضمن میں لکھا ہے۔ کہ خوجوں کو ایران میں ہلاکو خان نے مارا تو وہ اس وقت بھاگ ہندوستان میں آئے۔ اور امپیریل گزیٹر آف انڈیا تالیف ہنٹر جلد سوم صفحہ ۲۵ مطبوعہ ۱۸۸۵ء میں لکھا ہے۔ کہ خوجے ہندوؤں میں سے ایمان لائے ہیں۔ اور ان لوگوں نے آغا خان کو اسمٰعیلی خاندان کا امام اور اپنا روحانی پیشوا تسلیم کیا ہے۔ اور آغا خان گویا اساسین کے جنکی اصل حشیشین ہے۔ اور یہ حسن صباح حمیری کا گروہ ہے قائمقام سمجھے جاتے ہیں۔ اس فقرے سے کہ آغا خان گویا حشیشین کے قائمقام سمجھے جاتے ہیں۔ یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ آغا خان خاندان نزاریہ میں سے ہیں نہ مستعلویہ میں سے یہی وجہ ہے کہ بوہرے جو مستعلویہ کی روش پر ہیں۔ آغا خان کی امامت کے منکر ہیں۔ اور بوہروں کے بڑے ملاجی جنکا مقام سورت میں ہے۔ اور آغا خان میں یہ فرق ہے کہ آغا خان خود اسماعیلی نسل میں ہونے کی وجہ سے اپنے مریدوں کے نزدیک امام ہیں۔ اور بوہروں کے ملاجی داعی ہیں امام نہیں ہیں

پیپ چینگ آف اسلام اور سائیکلو پیڈیا کا حاصل مطلب بھی یہ ہے کہ خوجے
نزاریہ کے سلسلے میں داخل ہیں۔ کیونکہ الموت میں یہی خاندان حکومت
کرتا تھا۔ اور چنگیز خانیوں کے ہاتھ سے اسی خاندان کی سلطنت برباد ہوئی۔
خاندان نزاریہ کا آخری فرمان روا امام رکن الدین ۶۵۶ھ میں مسند نشین
ہوا۔ اور وہ ایک سال بھی حکومت و امامت نکرنے پایا تھا کہ چنگیز خاں کے
پوتے ہلاکو خاں نے اسے گرفتار کر کے ہزاروں ملاحدہ کو تہ تیغ کیا اور پھر
اسکے بعد بغداد کی طرف توجہ کی خلفائے بغداد اور والیان الموت کی بربادی
کا ایک زمانہ ہے۔ اور ۵۶۷ھ میں سلاطین اسماعیلیہ مصر کا خاتمہ سلطان
نورالدین والی موصل و دمشق کے ہاتھ سے ہو چکا تھا۔ قیاس یہ چاہتا ہے
کہ ریاست الموت کی بربادی کے بعد آغا خاں کے اجداد نے مشرقی حصۂ ایران
میں سکونت اختیار کی۔ مگر صحیفۂ زرین کے بیان سے جو غالباً سلطان محمد شاہ
آغا خاں کی واقفیت کے ساتھ لکھا گیا ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب سلاطین
اسماعیلیہ کی حکومت کا مصر میں زوال آیا۔ تو آغا خاں کے اجداد مشرقی حصۂ
ایران میں آباد ہو گئے۔ اس پچھلی روایت سے یہ نتیجہ مترتب ہوتا ہے۔ کہ آغا
خاں ائمہ الموت کے جانشین و یادگار نہیں۔ لیکن مشہور یہی ہے۔ کہ آغا خاں
کا خاندان اسماعیلیہ الموت سے ہے۔ اور فرقہ نزاریہ سے جو مستنصر کے بعد
نزار کی امامت کا معتقد ہے۔ جدا نہیں ہے۔ کیونکہ کتب اور دلائل سے جنکی
تفصیل اوپر ہوئی یہ بات ثابت ہے کہ خوجوں کے عقائد کی لڑی اسماعیلیہ
الموت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور آغا خاں ائمہ الموت کے قائمقام ہیں۔ بہر صورت
ایران میں سکونت اختیار کرنے کے بعد عرصہ دراز تک آغا خاں کے اسلاف
کے خاندان کے تاریخی حالات کا پتہ نہیں لگتا۔ ان میں جو پچھلا شخص نامور
وہ مرزا ابوالحسن خاں قمی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شخص سلاطین زندیہ
کے عہد سے آغا محمد شاہ کے سلطنت ایران حاصل کرنے تک کرمان کا حاکم

ا مرزا ابوالحسن کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شاہ خلیل اللہ نامی محلات
قم میں رہنے لگے اسلئے محلاتی مشہور ہوئے۔ شاہ خلیل اللہ اسماعیل بن امام
جعفر صادق کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے فرقہ اسماعیلیہ میں نہایت واجب التعظیم
اور امام سمجھے جاتے تھے۔ شاہ خلیل اللہ اسماعیلی کے پاس اسماعیلیہ فرقے کے
ہزاروں آدمی ایران توران بلکہ ہندوستان تک کے آتے اور زکوۃ بے شمار
پہنچاتے تھے۔ یہ اعلیٰ درجے کے امیرانہ ٹھاٹ سے رہتے تھے۔ پھر شاہ خلیل اللہ
یزد کو چلے گئے۔ وہاں دو برس رہنے پائے تھے کہ اتفاق سے ایک دن ان کے
ملازموں اور خادموں سے ایک دوکاندار کا جھگڑا ہو گیا اس نے نواب
مرزا جعفر صدر الممالک سے شکایت کی۔ نواب نے شاہ خلیل اللہ کے آدمیوں
کو سزا کے لئے طلب کیا۔ وہ شاہ خلیل اللہ کی حویلی میں چھپ گئے۔ مرزا جعفر
نے انکی گرفتاری میں اصرار کیا۔ شاہ صاحب نے انکو نواب کے نوکروں کے
حوالے کرنے سے انکار کیا۔ ملا حسین یزدی نواب کا ایک مصاحب بہت سی
سپاہ اور عوام کا ہجوم لیکر شاہ خلیل اللہ کی حویلی پر چڑھ گیا۔ اسماعیلیوں نے
حویلی کے کواڑ بند کرکے اس میں سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ ملا حسین کے
آدمی دیوار توڑ کر اندر گھس گئے۔ شاہ خلیل اللہ اور بہت سے اسماعیلیہ مارے
گئے۔ حاجی محمد زمان خاں حاکم یزد نے مفسدوں کو گرفتار کرکے فتح علی شاہ
قاچار والئے ایران کے حضور میں رپورٹ کی۔ وہاں سے حکم آیا کہ ملا حسین
یزدی اور نواب مرزا جعفر کو مع تمام مفسدوں کے حضور میں بھیجدو۔ بڑی
سفارش کے بعد مرزا جعفر تو جرمانے میں بہت سا روپیہ ادا کرکے رہا ہوا
ملا حسین کو جسمانی سزا اور بہت ذلت پہنچائی گئی۔ اور شاہ خلیل اللہ کا قتل
کسی پر اسلئے عائد نہ ہوا کہ ہنگامہ بلوا قرار پایا کسی خاص شخص پر انکے خون کا
جرم ثابت نہوا۔ اور بادشاہ نے انکے بیٹے حسین الحسینی و حسن علی شاہ
کی بہت خاطر و تشفی کی۔ اور انکی تربیت اور تقویت کی غرض سے انکے ساتھ

اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ فتح علی شاہ کی وفات کے بعد محمد شاہ کے جانشین ہونے میں جھگڑا پیدا ہوا۔ اُس وقت حسن علی شاہ کرمان کا غدر فرو کرنے کیلئے بھیجے گئے۔ اور اس بلوے کی بیخ کنی میں کامیاب ہوئے۔ اس صلے میں اُنکو صوبہ مذکور کی گورنری کا عہدہ مفوض ہوا۔ اور دو برس کے قریب اس عہدے پر رہے۔ پھر محمد شاہ نے انکو وہاں سے علیحدہ کر کے اپنے پاس بلایا۔ یہ بادشاہ کے حضور میں تو نہ گئے۔ قلعہ بم میں متحصن ہو گئے۔ نواب فریدون مرزا گورنر فارس کی سفارش سے ان کا قصور معاف ہوا۔ اور محلات کے حاکم مقرر کئے گئے۔ حسن علی شاہ کے پاس چونکہ دولت و ثروت اور معتقدوں کی کثرت تھی۔ اس لئے سلطنت کی طرف سے انکے خیالات اچھے نہیں رہتے تھے۔ سنہ ۱۲۵۱ھ میں محمد شاہ نے اثنائے سفر عراق میں بخشی علی خاں کو شاہزادہ فرخ سیر مرزا والی ہمدان کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ حسن علی شاہ کو یہ توہم ہوا۔ کہ یہ میری گرفتاری کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ اسلئے کوہستان عراق میں چلے گئے۔ حسن علی شاہ کے باپ کے وقت سے اور خود انکے زمانے کے بھی بہت سے آدمی انکے مرید کرمان میں تھے۔ اور اس ملک میں انکی شجاعت و سخاوت کی بڑی دھوم تھی۔ کرمان میں تمام اسماعیلیہ انکی جان نثاری کو موجود تھے۔ حیدرآباد سندھ اور بندر عباس میں بھی انکے بہت سے ماننے والے تھے۔ حسن علی شاہ نے اپنی سواریاں محلات سے اُٹھا کر عتبات عالیات کی طرف روانہ کر دیں۔ اور اپنے لئے بھی مکہ معظمہ کی روانگی کا حکم حاصل کیا۔ پھر جعلی احکام سلطنت کی جانب سے اس مضمون کے تیار کر کے کہ کرمان کی حکومت حسن علی شاہ کو دیگئی اپنے دوستوں کے پاس بھیجدئے۔ اور اپنی طرف سے انکو لکھا۔ کہ رعایا کو میری اطاعت اور دوستی کی طرف مائل کیا جائے۔ اور خود بندر عباس کی راہ سے طائف اور بجد کے بندرگاہوں کو عبور کر کے کرمان پہنچنے کا تہیہ کیا۔ جب یہ خبر شاہی حکام کو ہوئی تو بہمن مرزا بہاء الدولہ حاکم یزد اور فضل علی خاں حاکم کرمان کے نام حسن علی شاہ

شاہ کی گرفتاری کے لئے احکام صادر ہوئے حسن علی شاہ یزد پہنچے۔ تو حاکم
یزد دو توپیں اور فوج لیکر بڑھا۔ اور مقام مہریز میں حسن علی شاہ کو روک لیا
اچھی طرح جنگ ہونے پائی تھی۔ کہ رات ہو جانے کی وجہ سے حسن علی شاہ
وہاں سے آگے کو نکل گئے۔ اور شہر بابک میں پہنچکر تمام افسران کرمان کو
اپنی تشریف آوری کے احکام لکھے۔ کرمان میں ایک بڑا آدمی مرجع خلایق
رہتا تھا۔ اُسکو لکھا کہ میں بیت اللہ کی زیارت کے ارادے سے مکہ معظمہ کو جارہا
تھا۔ کہ راستے میں بادشاہ کی طرف سے کرمان کی حکومت کی سند مجھ کو پہنچی
اسلئے میں کرمان کو آتا ہوں۔ آپ میرے استقبال کی تیاری کریں حسن علی شاہ
کے دادا اور توں کرمان میں حاکم رہ چکے تھے۔ اور خاندان عطاء اللہی اور خراسانی
آدمی ان سے بہت عقیدت رکھتے تھے اسلئے تین چار ہزار آدمیوں نے انکے
استقبال کی تیاری کی۔ اور اسی عرصے میں فضل علی خاں حاکم کرمان کے پاس
سلطنت کی طرف سے یہ حکم جا پہنچا۔ کہ حسن علی شاہ وہاں آئیں۔ تو انہیں گرفتار
کرلینا چاہئے حسن علی شاہ نے اول شہر بابک کو فتح کیا۔ اور یہاں سے بہت
کچھ زر وجواہر حاصل کرکے کرمان کی طرف بڑھے۔ اور اپنے بھائی محمد باقر خان کو
سیرجان پر قبضہ کرنے کے روانہ کیا۔ باقر خاں زید آباد تک پہنچنے پایا تھا کہ فضل
علی خاں حاکم کرمان نے یورش کرکے اُسکو گھیر لیا۔ حسن علی شاہ مدد کو پہنچے
اور بہت سے کشت وخون کے بعد حسن علی شاہ کو شکست ہوئی میدان جنگ
سے بھاگ گئے پھر حسن علی شاہ نے فوج جمع کرکے اسفندقہ کا قصد کیا۔ اور
اس پر قبضہ کرکے بہت سی رسد جمع کرلی۔ اور اب انکے پاس رود بار اور بلوچستان
کے آدمی کثرت سے جمع تھے فضل علی خاں نے دو توپیں اور فوج لیکر یہاں بھی
حسن علی شاہ کو گھیر لیا۔ اور ایسی شکست دی۔ کہ وہ فرار ہوگئے۔ اور سردی کے
[illegible] موسم میں مقام مینا ب میں رہکر فوج کے جمع کرنے میں مصروف رہے
[illegible] موسم بہار آتے ہی کئی توپیں اور بہت سی جمعیت لیکر بڑے تزک اور [illegible]

کے ساتھ فتح کرمان کے قصد سے متحرک ہوئے فضل علی خاں نے اپنے بھائی
اسفندیار خاں اور عبداللہ خاں وغیرہ افسروں کی ماتحتی میں فوج حسن علی
شاہ کے مقابلے کو روانہ کی۔ حسن علی شاہ نے ہر ایک کو شکست دی اسفندیار
خاں مارا گیا۔ اور حسن علی شاہ اس جوش میں بڑھے چلے گئے۔ کہ بردسیر میں جو
کرمان سے پندرہ فرسنگ ہے جا کر ٹھیرے۔ اور اب انکی شجاعت اور فتحمندی
کا تمام ملک میں شہرہ ہو گیا۔ اور قلعہ شیز میں بڑے استحکام کے ساتھ رہے
اور جابجا فتحنامے روانہ کئے۔ فضل علی خاں کرمان میں حسن علی شاہ سے جنگ
کرنا نامناسب سمجھکر اپنے چیدہ اور خاص آدمیوں کو ہمراہ لیکر حسن علی شاہ سے
لڑنے کے لئے شیز کو روانہ ہوا۔ حسن علی شاہ کے دل پر فضل علی خاں کا کچھ ایسا
رعب چھایا۔ کہ اُسکی آمد آمد کا آوازہ سنتے ہی بغیر مقابلہ بم اور نرماشیر کی طرف
بھاگ گئے۔ فضل علی خاں نے بھی تعاقب نہ چھوڑا۔ یہانتک کہ بلوچستان کے
ملک کی طرف حسن علی شاہ نے رخ کیا۔ اور وہ پیچھے تھا۔ اور مقام ریگان میں
جہاں سے نرماشیر کا ضلع ختم ہو کر بلوچستان کی حد شروع ہوتی ہے فضل علی
خاں نے حسن علی شاہ کو گھیر لیا۔ اور اتنا کشت و خون کیا۔ کہ دو تہائی آدمی
حسن علی شاہ کے مارے گئے۔ اور خود حسن علی شاہ شب کے وقت تمام مال اسباب
اور توپیں اور ہمراہی چھوڑ کر وہاں سے بھاگ نکلے۔ فضل علی خاں نے تمام
سامان پر قبضہ کر لیا۔ حسن علی شاہ کا لڑائی جھگڑا چار ماہ تک رہا۔ پھر حسن علی
شاہ قندہار ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہو گئے[1]

حسن علی شاہ کی کچھ جائداد ہندوستان میں بھی تھی۔ اُنکے آنے سے ہندوستان
کے طرفدار بہت خوش ہوئے۔ یہ نہایت نمودی لیاقت و فراست کے آدمی
تھے۔ انہیں یہ دیکھکر بڑی حیرت ہوئی کہ ایرانیوں اور انگلستانیوں کے اصول
اور برتاؤ میں کس قدر فرق ہے۔ اُنکو برٹش انتظام سے موانست ہوئی اور انہوں

[1] یہ سارا بیان روضۃ الصفائے ناصری کی جلد دہم سے نقل کیا گیا ہے ۱۲

نے جلد اسکا ثبوت دیا۔ کہ اول افغانی جنگ[۱] اور سندھ کی لڑائی[۲] میں قیمتی خدمات
انجام دیں۔ اور جنرل سر چارلس نیپیر صاحب سے ملاقات کرکے ان کے ساتھ سندھ
کی جنگ و جدل میں شریک رہے۔ اور جو سردار جنگ آنکی سرغنائی تسلیم کرتے
تھے۔ انپر اپنا اثر ڈالا۔ اسکے بعد انہوں نے بمبئی اور پونہ میں سکونت اختیار
کی۔ اور گورنمنٹ سے انکو پنشن ملی۔ اور ہز ہائینس خطاب عطا ہوا اور انکو
دربار فارس سے آغاخان خطاب ملا تھا جو انکے اور انکی اولاد کے نام کے
ساتھ لگایا جاتا ہے۔ اماموں سے اسکا کچھ تعلق نہیں ہے۔ جب ۱۸۸۱ء میں
آغا حسن علی شاہ نے چوراسی برس کی عمر میں انتقال کیا۔ تو انکے بڑے بیٹے
آغا علی شاہ انکے جانشین ہوئے۔ آغا علی شاہ سر جیمس فرگسن صاحب کے
عہد گورنری میں انکی مجلس واضع آئین و قوانین کے ممبر مقرر ہوئے۔ انہوں نے
۱۸۸۵ء میں قضا کی۔ وہ صرف چار برس اسماعیلیہ فرقے کے مقتدا رہے۔ انہوں
نے انتقال سے ایک سال قبل اپنے خلف الرشید سلطان محمد شاہ کے سامنے
گلوکو جو ان کا فارسی کا شیعان تھا گنان[۳] پڑھنے کا حکم دیا۔ اسکا مطلب یہ تھا
کہ خوجہ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کے مذہب میں آگئے ہیں اور اسلام شاہ اُس
زمانے کے امام بتلائے گئے تھے۔ اور انکی گادی کے جانشین کو ہمیشہ امام سمجھنا
چاہئے اور اسکو بخششی دسوند[۴] نذر کرنا چاہئے۔ اور آغا علی شاہ نے اپنی زندگی میں
سلطان محمد شاہ کو کھود میں احمد آباد کے قریب اپنے مرنے سے ایک ماہ پہلے
اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔ اور یہ رسم اس طرح ادا ہوئی کہ جماعت خانے میں
انکو لے گئے۔ اور انکو تخت پر بٹھا کر جماعت کو حکم دیا کہ انکے ہاتھ چومیں دس برس
کی عمر میں سلطان محمد شاہ آغاخان کو موروثی ذمہ داری ملی۔ ان کی

---

۱ ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۲ء تک رہی تھی ۱۲ ۲ ۱۸۴۳ء میں ہوئی تھی ۱۲ ۳ اسکے حرف اول گاف فارسی
اور اسکے بعد نون مفتوح اور الف ساکن اور آخر کے نون کے اعلان کے ساتھ ۱۲ ۴ دال کے زبر
اور سین کے پیش اور واؤ معروف اور نون کے اعلان سے اسکے معنی دسواں حصہ ہے۔ ۱۲ منہ

والدہ ایرانی فلاسفر نظام الدولہ کی دختر تھیں جو نہایت عقیل و فہیم تھیں۔
انہوں نے تسلیم کیا کہ اگر مناسب طور پر اعلےٰ درجہ مشہور کرنا منظور ہے۔ تو اعلےٰ درجہ
کی تعلیم سکھائے عربی فارسی کی کتابیں تو یہ سیکھ چکے تھے لیکن انکے انگلش
اتالیقوں نے ان میں مغربی خیالات کو بڑی ترقی دی۔ انگلش کے عمدہ عمدہ
مصنفوں کی تصانیف کے پڑھنے کا انکو ذوق و شوق ہوگیا۔ اس وجہ سے ان کا
انگلش زبان کا لب و لہجہ نہایت درست ہے۔ وہ انگریزی انتظام کو بہت پسند
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قدیم قواعد کی بہ نسبت جدید قواعد و انتظامات عمدہ ہیں
۱۸۹۶ء میں آغا خان نے اپنے چچا آغا جنگی شاہ کی بیٹی سے شادی کی۔ آغا جنگی
شاہ کو اثنائے سفر حج میں انکے مخالفوں نے مار ڈالا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں آغا خان
کو سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب ملا۔ اور وہ یوروپ کی سیر کو گئے۔ اور ایوان ونڈزر
میں ملکہ وکٹوریہ کی بجا آوری آداب کا شرف حاصل ہوا۔ اسوقت آغا خان ایڈورڈ
ہفتم کے جو ولیعہد تھے روبرو پیش کئے گئے۔ اور ان کے ہندوستان آنے سے قبل
یہ ملاقات رفتہ رفتہ دوستی کے درجہ کو پہنچ گئی۔ آغا خان جب سے یوروپ کی
سیر کو گئے تھے تب سے انکے ساتھیوں کے دو گروہ ہوگئے۔ اور جو لوگ انکے
پیروؤں سے جدا ہوگئے۔ وہ اثنا عشری خوجوں کے نام سے موسوم ہوئے
اس علیحدگی کا خاص سبب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے اس مذہب
کو عقل کے قابل اور آغا خان کو مذہبی سرغنائی کے لائق نہیں سمجھا۔ جدید
فرقے نے اپنی ایک مسجد پالا گلی متصل شمونل اسٹریٹ میں افتتاح کی۔
وہ خوجے جو آغا خان کی سرغنائی کو قبول نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے لوکل اخبارات
میں اس بات کو شائع کرا دیا۔ آخر میں ۱۵ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء کی صبح کو یہ بات پھر
مشتہر ہوئی۔ جبکہ آغا خان کے کیمپ میں داخلے کی خبر گرم ہوئی۔ تاہم آخر وقت
بے مزگی پیدا ہوئی تھی۔ اس سے آغا خان کے مخالفوں کو بمبئی جانے کی روک
اور مقابلہ لینے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ جب آغا خان پہنچا ۱۵ مارچ کو بمبئی میں داخل

ہوا۔ تو انکو اپنی آرزو پوری کرنیکا موقع ملا۔ مسجد کا ایک متولی جب مسجد سے
نکل کر اپنے گھر کو جا رہا تھا۔ تو اُسپر حملہ کیا گیا۔ اور اسکے سر و سینہ اور چہرے پر
چھریاں ماری گئیں جس سے وہ بیجان ہو کر گرا۔ اسکے بعد انہوں نے لال جی
سجن اور قاسم تاجی میانی دوسرے متولیوں پر حملہ کیا۔ اور اُنکو شدید مجروح
کیا۔ ۱۸ مارچ کو آغا خاں نے اسماعیلیہ خوجوں کے سامنے زبان فارسی میں
اس واقعہ کے متعلق اسپیچ دی۔ انہوں نے کہا میں نے تم کو تحریری اور نیز
زبانی وعظ کے طریقے سے عوام میں اور پرائیویٹ طور سے سمجھایا۔ اور تم کو
مشورہ دیا۔ کہ صلح کل کا برتاو برتو۔ اور باتوں کو برداشت کرو۔ اور اپنے اپنے
کاموں میں مصروف رہو۔ اور زبانی یا دوسرے طریقوں سے اپنے اُن بھائیوں
سے مداخلت نکرو۔ جو تمہارے ہم خیال نہیں۔ مگر مجھے بڑا افسوس ہوا۔ کہ ہمارے
گروہ کے بعض متعصب ممبروں کو میرے وعظ کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ میں نے تم کو
آج یہاں اس غرض سے جمع کیا ہے۔ کہ میں تم کو تنبیہ کروں۔ کہ اگر آئندہ
کوئی متعصب ممبر خون کریگا۔ یا کسی طرح کا فساد برپا کریگا۔ تو میں عوام میں اپنے
ہند کے مقلدین اور مشرقی افریقہ۔ شام۔ وسط ایشیا اور دیگر ملکوں کے سفیروں
کو مطلع کرونگا۔ کہ میرا کوئی مذہبی تعلق خواجگان بمبئی سے نہیں ہے۔ اور آئندہ
تم کو اپنے مذہبی مقلدین میں نہ سمجھونگا۔ اور نہ میں تم کو لکھونگا نہ تمہاری
کوئی چٹھی قبول کرونگا۔ اصل یہ ہے کہ میں تم کو بالکل برادری سے خارج
کردونگا۔ تمہارا فرض ہے۔ کہ تم اپنے عزیزوں اور دوستوں کو اطلاع دو جو
میں تم سے کہتا ہوں۔ اور تم اُن سے کہدو۔ کہ ایسے تعصب آمیز جرائم جیسے
۹ مارچ کو بدذاتی اور بزدلی سے ہوئے تھے۔ بیشک ایک وحشت انگیز حملہ ہے جو
اپنے خداپنے مذہب اور اپنے بھائیوں پر کیا جائے۔ بھائیو جب میں تم
سے کہتا ہوں۔ تو میں اس بات کا یقین کرتا ہوں۔ کہ اپنے مذہب کے متعصب
ممبروں کو مطلع کروگے۔ کہ کیسا سخت روحانی نتیجہ تم سب کے لیئے پیدا ہوگا۔ تم کو

معلوم کر لینا چاہئے۔ کہ دوسرے مذہب کے لوگوں کا ادب کرو اور اپنے مذہب کی سچائی پر کامل طور سے اتفاق رکھو اور یقین مانو۔ کہ خون اور قتل کے ایسے سفاکانہ اور وحشیانہ جرائم کے مرتکب ہونے والے کو کبھی سلطنت آسمانی نہ حاصل ہوگی۔ کیونکہ منصف اور پیارے خدا کو جس پر ہم ایمان لائے ہیں جرائم کی کثرت سے سخت نفرت ہوگی۔ علی الخصوص جبکہ وہ عبادت کے نام سے کئے جاتے ہیں۔

اگست ۱۹۰۲ء میں بادشاہ ایڈورڈ ہفتم نے جو تاجپوشی کا جشن لنڈن میں کیا۔ تو اس موقع پر آغا خاں بھی ہندوستان سے بلائے گئے۔ اور اس تاجپوشی کے اعزاز میں ۲۶ جون سنہ مذکور کو جی۔ سی۔ آئی۔ ای کا خطاب عطا ہوا۔ جرمن مغربی افریقہ میں آغا خاں نے عمدہ خدمات کیں اور لوگوں کو اس کام پر راضی کیا جسکو وہ لوگ ابتداءً ناپسند کرتے تھے۔ شہنشاہ جرمن نے ان خدمات کے صلہ میں آغا خاں کو تمغۂ اسٹار آف پروشیا عطا کیا۔

ناظرین کی دلچسپی بڑھانے کی غرض سے آغا خاں کی تسخیری داستان بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کی جاتی ہے۔ اس سے ہر شخص اندازہ کر لیگا کہ انکی خداداد عزت اور جاہ و جلال مسلمانوں کے تنزل اور افلاس کے زمانے میں درحقیقت الف لیلہ کی کہانیوں سے کم نہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کلکتے میں آغا خاں کی تشریف آوری کی خبر آئی۔ خوجہ لوگوں کے کلکتے میں بڑے بڑے کاروبار ہیں۔ پس کلکتے کے مقتدر خوجہ سیٹھ نے ایک جلسہ کیا۔ آناً فاناً میں تیس چالیس ہزار روپیہ آغا خاں کے استقبال کے لیے جمع کر لیا۔ آغا خاں کا استقبال بالکل اس طرح عمل میں آیا جیسا کسی شاہنشاہ وقت کا ممکن ہوتا ہے۔ ریلوے سٹیشن نہایت تکلف طریقے میں آراستہ تھا۔ اور پلیٹ فارم سے باہر تک مخمل اور قالینوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ خوجے لوگ اور دیگر معتقدین نہایت ادب اور انتظار سے صف بستہ پلیٹ فارم پر کھڑے تھے کہ آغا خاں

گاڑی سے اُترے۔ اگرچہ استقبال کرنے والوں میں بڑے بڑے درجوں کے رؤسا اور تاجر موجود تھے۔ اور ان لوگوں کی آمدنی و دولت اُنکے لیے قارون زماں کا خطاب حاصل کر سکتی تھی۔ مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ آگے بڑھکر ہاتھ ملا سکے۔ سب نے نہایت ادب سے جھک جھک کر دونوں ہاتھوں سے سلام کیا اور آغا خاں نے نہایت خندہ پیشانی سے دونوں ہاتھوں سے سلام لیا۔ پلیٹ فارم سے باہر جم غفیر اُنکی زیارت کے لیے موجود تھا۔ اور ایک چار گھوڑوں کی گاڑی اُنکو قیام گاہ پر لیجانے کے تیار تھی۔ آغا خاں نے چاروں طرف سب کا سلام لینے کے لیے نگاہ دوڑائی۔ اور پھر گاڑی میں سوار ہوئے جس وقت گاڑی کو چلانے کے لیے حکم دیا گیا۔ اُنکے چہرے پر کچھ پسینے کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ آغا خاں نے ایک ریشمی رومال جیب سے نکالا اور پسینہ پونچھ کر یہ رومال اپنے معتقدین کی طرف پھینک دیا۔ معتقدین جنکے گھروں میں دنیا کی دولت بڑی افراط سے موجود تھی بے تحاشا اس رومال پر جھپٹے اور آناً فاناً میں اس رومال کی سینکڑوں دھجیاں اُڑ گئیں۔ جس کسی کے ہاتھ میں رومال کا ذرا سا حصہ بھی پڑا اُس نے اسے آنکھوں سے لگایا اور بڑی احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔ دوسرے دن آغا خاں نے اپنے معتقدوں کے لیے دربار باز دید منعقد کیا۔ اس مکان کی زیبائش اور آراستگی قابل دید تھی۔ آغا خاں کے لیے ایک سونے کی کرسی بچھائی گئی تھی۔ اور سنہری میز پر ایک سنہری پیالہ بڑے سائز کا رکھا ہوا تھا۔ معتقدین چاروں طرف نہایت ادب کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ایک ایک ان میں سے نمبر وار اُٹھ اُٹھ کر آغا خاں کے سامنے آتا تھا۔ اور سر تسلیم خم کرتا تھا۔ اس وقت آغا خاں پاؤں میں موزے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ پس ہر مرید اپنی جیب سے عطر کی شیشی نکالکر آغا خاں کے پاؤں پر عطر چھڑکتا تھا اور اس عطر سے اپنے چند رومالوں کو معطر کرتا تھا۔ سونے کے پیالہ کو عطر خالی کیے گئے انہیں

اپنی حیثیت کے موافق اشرفیاں ڈال جاتا تھا۔

سر آغا خاں نے دہلی کانفرنس میں اپنی اسپیچ میں ذکر کیا تھا کہ اسلامی تاریخ میں دو دن نہایت سیاہ گذرے ہیں۔ اول وہ دن جس روز حضرت عمر بن الخطاب شہید کئے گئے۔ اور دوسرا وہ دن جس روز سلطنت عباسیہ کا خاتمہ ہوا تھا۔

خوجوں کے عقائد وغیرہ کی تفصیل

حاجی بی بی بیوہ آغا مسعود شاہ نے آغا سلطان محمد شاہ پر بمبئی کی عدالت عالیہ میں بحیثیت دختر آغا جنگی شاہ ۱۹۰۸ء مطابق ۱۳۲۶ھ میں دعوے دائر کیا۔ کہ وہ مشترکہ خاندانی جائداد کی۔ جو ہندوستان و ایشیائے کوچک میں ہے۔ اور جسکی مالیت دو کروڑ روپے کی ہے حصہ دار ہے۔ اور مدعیہ نے حسب قانون شرع محمدی فقہ اثنا عشری اپنا حق طلب کیا۔ لیکن مدعا علیہ کی طرف سے کہا گیا۔ کہ وہ اسماعیلیہ شیعہ امامیہ ہے جسکے ہاں عورتوں کو ترکہ ملنے کا رواج نہیں۔ تو اس مقدمے کے ضمن میں اس فرقے کی بہت سی مذہبی و تاریخی باتیں مختلف حیثیتوں میں خود آغا خاں اور انکے متبعوں نے بیان کیں جن میں سے کچھ مناسب موقع باتیں یہاں لکھی جاتی ہیں

خوجوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آغا خاں فرقۂ اسماعیلیہ کے امام ہیں۔ اور ان میں ہر ایک امام اپنے پیشرو اماموں کے سلسلے کے ذریعے حضرت علی کی روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور ان سب ائمہ کا سلسلہ علی تک پہنچتا ہے۔ اماموں میں آغا سلطان محمد شاہ کا نمبر اڑتالیسواں ہے۔ آغا خاں کے اور بھی بہت سے معتقد سوائے خوجوں کے ہیں۔ ان میں گپتیوں کا ایک بڑا گروہ ہند اور افریقہ میں ہے امامی اسماعیلیوں کی تعداد ایران افغانستان روسی ایشیائے متوسط۔ چینی ترکستان شام مصر اور شمالی افریقہ میں بحر روم کے کنارے پر ہے۔ لوگ گپتیوں کو

ہندو خیال کر سکتے ہیں۔ مگر آغا خاں کہتے ہیں۔ کہ میں انہیں شیعہ اسماعلیہ سمجھتا ہوں خوجے مشرقی افریقہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ امامی اسماعیلی ایران میں اہمد عطائی کہلاتے ہیں۔ ایشیائے متوسط اور چینی ترکستان میں وہ مولائی کہلاتے ہیں۔ اور شام۔ مصر اور شمالی افریقہ میں اسماعیلیہ کہلاتے ہیں۔ شام میں انکو دَرُوسؔ[1] یا دروز بھی کہتے ہیں۔ افغانستان میں وہ مولائی کہلاتے ہیں۔ جبکہ وہ ہند میں آتے ہیں۔ تو وہ بول چال میں بدخشانی کہلاتے ہیں۔ آغا خاں کے معتقدوں کی ایک جماعت کشمیر ہندوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ آغا خانی ہندو پنجاب اور سرحدی صوبہ میں شمسی کہلاتے ہیں۔ اور نوکری یا کوئی پیشہ کرتے ہیں۔ گوجرانوالہ۔ راولپنڈی ملتان۔ ڈیرہ اسماعیل خاں اور ڈیرہ غازیخاں۔ سیالکوٹ اور بعض دوسرے اضلاع میں شمسیوں کی تعداد بہت ہے۔ اور یہ سب آسودہ حال ہیں ان لوگوں کے نام ہندوؤں کے سے ہیں۔ اور انکے گوتروں اور ذات کے نام بھی ویسے ہی ہیں۔ اور انکے سوشل مراسم بھی ہندوؤں کی طرح ہیں۔ لیکن بعض دستورات مسلمانوں کے بھی انہوں نے اختیار کر لئے ہیں۔ یہ تمام معتقد آغا خاں کو نذریں دیتے ہیں۔ اور ہند میں وہ انکے پاس اپنے قائمقام بھیجتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ ہوں۔ اور اپنے ملک سے روپیہ اور سامان لاتے ہیں۔ وہ آداب بجا لاتے ہیں۔ اور روپیہ انکے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ شام سے بھی قائمقام آتے ہیں۔ اور اسی طرح نذر کرتے ہیں۔ ایران اور افغانستان والے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ شمالی افریقہ کے معتقدین کم تعداد میں ہیں اور جب آغا خاں یوروپ کو جاتے ہیں۔ تو وہ آتے ہیں۔ اور وہ انہیں مارسیلز میں دیکھتے ہیں۔ اسکے قبل وہ ہندوستان میں آتے تھے۔ مشرقی افریقہ والے آغا خاں کو جبکہ وہاں جاتے ہیں۔ روپیہ دیتے ہیں۔ یا انکے حکم سے انکے ساہوکاروں کو روپیہ بھیجدیتے ہیں۔ یہ خیال کرنا غلط ہے۔ کہ آغا خاں کو

[1] دال مہملہ کے بعد رائے مہملہ اور اسکے بعد سین مہملہ ہے اور سین کی جگہ زائے معجمہ بھی آیا ہے ۱۲ منہ

نذریں قرآن کی ہدایت کے موافق دیجاتی ہیں جو کہ سیدوں اور غربا اور مسافروں وغیرہ کو دینے کا حکم دیتا ہے خوجے اپنی آمدنی میں سے دسواں حصہ آغا خاں کو دیتے ہیں۔ اور اس نذر کو دسوں بولتے ہیں۔ گنان میں اسکی ہدایت ہے۔ یہ خوجوں کا فرض ہے کہ اپنے امام کو نذر دیں۔ گنان میں بہت سے بیانات ہیں۔ جو کہ اس بات کی صلاح معتقدوں کو دیتے ہیں۔ کہ دسوں امام کو دیں۔ یہ لوگ جو اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ آغا خان کو دیتے ہیں۔ تو وہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے امام کو نذر دیں۔ تو وہ اس جہان میں سرسبز ہونے اور صلہ حاصل کرنے کے علاوہ دوسرے جہان میں بھی نجات حاصل کرینگے۔ بعض نذریں آغا خاں کو ڈاکٹر اور وکیل کی دیجاتی ہیں اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ آغا خاں کو اسلئے دیجاتی ہیں۔ کہ وہ ڈاکٹروں اور وکیلوں کی اجرت ادا کریں۔ بلکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دینے والے کو ڈاکٹروں اور وکیلوں کے متعلق نقصان سے بری رکھینگے اور انکو بیمار نہ ہونے دینگے۔ اور نہ انکو وکیل کی ضرورت پڑنے دینگے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ آغا خاں کو گو خدا نہیں سمجھتے یا خدا کی طرح پرستش نہیں کرتے لیکن انکو دنیا میں خدا کا قائم مقام تصور کرتے ہیں کہ ان میں علی کا نور ہے۔ جو امام زندہ اور موجود ہو اُسکو حاضر امام کہتے ہیں یہاں بعض خوجوں کے جوابات لکھے جاتے ہیں جج یا وکیل مدعیہ کے سوالات بھی بعض بعض مقامات پر درج کئے جاتے ہیں۔

جوابات

حاضر امام ۱۹-۲۱-۲۳ رمضان کو نماز پڑھتے ہیں۔ ہم پاس اماموں کی بات نہیں پڑھتے۔ علی خدا ہے علی کے پہلے دس اوتار ہوئے ہیں۔ ہم نماز [illegible] کوئی خوجہ حج کرنے اور کاظمین اور سامرہ کو نہیں گیا۔ قرآن کو مکمل نہیں مانتا جب قرآن نازل ہوا میں موجود نہ تھا۔ (سوال) قرآن کو بحیثیت مسلمان ہونیکے [illegible] کتاب جانتے ہو (جواب) جیسی ہوگی وہ جانے۔ (سوال) تم مسلمان ہو (جواب) ہاں گو مذہب سے فرقے کے (سوال) قرآن پر عمل کرتے ہو (جواب) نہیں۔ (سوال)

لا الہ الا اللہ کو مانتے ہو (جواب) ہاں ہمارے مذہب میں بھی ایسا ہی (جواب) نماز ل بھر میں دو دفعہ پڑھ سکتے ہیں۔ تھانہ میں یوں نہیں ہوتی کہ وہاں حاضر امام علی ہوتے ہیں علی دسویں اوتار ہیں محمدؐ انکے پیغمبر تھے

علاوہ ان جوابات کے بعض اور سوالات کے جواب تھے جن میں حضرت علی خدا ظاہر کئے گئے ہیں اور آغا سلطان محمد شاہ کو انکا مظہر قرار دیا گیا ہے ۳ اگست ۱۹۰۸ء مطابق ۵ رجب ۱۳۲۶ھ یوم دوشنبہ کے روزانہ پیسہ اخبار میں بھی یہ بیان درج ہے اور ۱۰ جولائی ۱۹۰۸ء کے ٹائمز آف انڈیا میں ذرا تفصیل سے چھپا ہے۔

دس اوتار سے مراد یہ ہے کہ خدا نے دس جسم اختیار کئے تھے اور گواہ نے یہ بھی کہا کہ میں علی اللہ سے یہ سمجھتا ہوں کہ علی میں خدا کا نور ہے گواہ نے پھر کہا کہ اسکا سبب کہ کیوں ہم دس اوتار کی عزت کرتے ہیں یہ ہے کہ ان میں دسوان اوتار بھی شامل ہے جسکو ہم مانتے ہیں۔ ہم انکو مقدس مانتے ہیں کیونکہ انکو پیر صدر الدین نے کہا ہے آغا حسن علی کی نسبت کہا کہ وہ امام تھے۔ لیکن دنیا کے دوسرے حصص میں وہ پیر بھی کہلاتے تھے۔ اور گنان میں یہ لکھا ہوا ہے کہ حاضر امام کے بیش کش میں کسی کو حصہ دار نہ بنایا جائے انکے ہاں دعا میں تمام اماموں کے نام پڑھے جاتے ہیں اور تمام پیروں کے نام نہیں لئے جاتے لیکن چند کے نام دہرائے جاتے ہیں مسٹر حاجی بھائی جان محمد سوداگر دشریف ممبئی نے بیان کیا جو ۹ جولائی ۱۹۱۰ء کے ٹائمز آف انڈیا میں چھپا ہے کہ حاضر امام کا نام دعا میں ۱۷ دفعہ لیا جاتا ہے۔ اور ہر دفعہ جب انکا نام لیتے ہیں۔ سجدہ کیا جاتا ہے۔ عدالت کے سوال کرنے پر گواہ نے کہا کہ تمام معتقدین جبکہ حاضر امام کا نام آتا ہے سجدہ کرتے ہیں جبکہ انکا حاضر امام آتا ہے جھکتے ہیں گواہ نے پھر **تل سفرہ** کی رسم بیان کی۔ جو کھانے کی چند چیزوں کا نیلام ہے جس کیلئے جماعت خانہ کے ممبر بولی دیتے ہیں اور جو کہ بڑی بڑی قیمتوں کو خریدی جاتی ہیں جو کہ انکی اصلی قیمت سے بہت زیادہ ہوتی ہیں کیونکہ یہ چیزیں آغا خاں کیلئے خریدی جاتی ہیں آب شفا کربلا کی خاک کے ساتھ ملا ہوا پانی معتقدین کو دیا جا

ہے جو کہ اسکے لئے اپنے حاضر امام کو ثواب حاصل کرنے کیلئے روپیہ دیتے ہیں خاص پیر و معمولی دعا کے بعد یا ہفتے کے خاص دنوں میں جلسہ کرتے ہیں اور وہ چند اختیاری نذریں حاضر امام کو دیتے ہیں۔ اور یہ لوگ خاندان کے کسی دوسرے شخص کو سوائے آغا خان کے متبرک نہیں سمجھتے۔ خوجے اپنے جماعت خانے میں ایک چھپا ہوا کارڈ جسپر پنجتن یعنی محمد علی فاطمہ حسن حسین علیہم السلام کے نام ہوتے ہیں اپنے سر پر رکھتے ہیں ۲۳ رمضان کو ایک رسم ہوتی ہے جس سے خوجوں کے گناہ دھل جاتے یہ وہ دن ہے جسمیں خوجے اپنے گناہوں کا افسوس کرتے ہیں آغا خان کے چلے جانے پر دس اوتار پڑھتے ہیں۔ اس رات کو حاضر امام کا ہاتھ نہیں چوما جاتا کیونکہ یہ ماتم کی رات ہے۔

پیر

خوجوں میں پیر بھی ہوتا ہے۔ پیر کا کام یہ ہے کہ امام کی عدم موجودگی میں اسکی نیابت کرے اور لوگوں کو امامی اسماعیلی بنائے آغا سلطان محمد شاہ کا بیان ہے کہ میرے وقت میں کوئی پیر نہیں۔ پیر صدر الدین انمیں بہت نامی گذرے ہیں ہندوستان میں پہلے پیر صدرالدین آئے تھے جنکو خوجوں کے اسماعیلی بنانے کے لئے اسلام شاہ نے بھیجا تھا۔ انہیں نے گنان اور دس اوتار یہ دو کتابیں بنائی ہیں۔ خوجے صدرالدین کے ہاتھ سے اسماعیلی بنے ہیں۔ حاضر امام پیر کو مقرر کرتا ہے۔

علی جی کا مندر

۹ اکتوبر ۱۹۰۷ء مطابق یکم رمضان ۱۳۲۵ھ یوم چہارشنبہ کے روزانہ پیسہ اخبار میں مندرج ہے کہ پیر صدرالدین نے ہندوستان میں آکر ہندو قوموں کے عقائد معلوم کرکے دعوے کیا کہ کرشن جی کے جس اوتار کا انتظار ہے وہ عرب میں ظاہر ہو گیا۔ حضرت علی کرشن جی کے اوتار تھے اور میں انکا نائب ہوں یہ دعوے ہندو قوموں کے رسم و رواج اور مذہبی جذبات کی رعایت رکھکر پیش کیا گیا تھا دلیسی زبانوں میں صوفیانہ اور ہمہ اوستانہ بھجن جنمیں خدا اور رسول اور علی کی تعریف اور صوفیانہ نصائح تھیں تصنیف کئے گئے اور ہر علاقے میں داعیوں اور بھکشوؤں کے ذریعہ سے پھیلائے گئے۔ اور پوشیدہ طور پر ہر علاقے میں علی جی کے مندر قائم کئے

گئے جنمیں علی جی کے پجاری اور بھگت جمع ہوتے اور داعیوں سے توحید الٰہی نعت
رسول اور علی کے بھجن سنتے تھے بعض مندروں میں علی جی فرضی تصویریں بھی رکھی گئیں
تاکہ ہندوؤں کو اپنے قدیمی بتوں سے کوئی واسطہ وتعلق ومیلان باقی نہ رہے اور ہمہ تن علی جی
کے بھگت بن جائیں۔ جب اس میں کامیابی ہوئی اور لاکھوں آدمی اس خفیہ مذہب میں
شریک ہو گئے۔ تو رفتہ رفتہ انکے خیالات کو اسلامی عقائد کیطرف مائل کیا گیا۔ یہانتک
کہ وہ اسلام میں جذب ہونے لگے مگر یہ سب پوشیدہ اور خفیہ عمل درآمد ہوا۔ او ہوتا
ہے کیا مجال کہ کسی غیر مسلم کو ذرا بھی خبر ہو جائے جو اس طریقے میں داخل ہوتا ہی ایسا پختہ
ہو جاتا ہے کہ کسی کے سامنے اپنے عقائد کے بھید ظاہر نہیں کرتا۔ آجکل اس جماعت کے
پیشوا آغا سلطان محمد شاہ ہیں لاکھوں ہندو انکو کرشن کا اوتار یعنی مظہر سمجھتے ہیں

گپتی کی تحقیق

اسی اخبار میں یہ لکھی ہے کہ آغا خان اول کے پوتوں میں سید امام الدین نامی ایک
شخص گدی نشین خاندان سے جدا ہو کر احمد آباد میں چلے گئے اور یہاں انہوں نے
اپنا علیحدہ مشن قائم کیا۔ یہ امام الدین جنکو سید امام شاہ کہا جاتا ہے اول تو علم سنسکرت حاصل
کرتے رہے اور مدت تک جوگیوں اور ہندو فقیروں کی صحبت میں رہکر ویدانت کے طریقے معلوم کئے
اسکے بعد کام شروع کیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہندوؤں کی ایک جماعت کاشی کے تیرتھ کو
جا رہی تھی امام شاہ نے انکو روکا اور کہا کہ تیرتھ تو خود تمہارے دل میں موجود ہے اسکے بعد
ویدانت کے طریقے سے ایک تقریر کی جسمیں وجود ذات باری اور انسانی ہستی کے تعلقات
کا بیان تھا ہندو امام شاہ کی دل آویز صوفیانہ باتوں میں ایسے محو ہو گئے کہ وہ وہیں بس
گئے اور سفر چھوڑ دیا۔ انکو ان سے خواب میں کاشی کا جاترا کیا اور ایسی مسرت سے جاترا
ہوئی کہ وہ صبح بیدار ہو کر شاہ صاحب کے قدموں میں گر پڑے اور چیلا بنانے کی خواہش کی شاہ
صاحب نے انکی بیعت لی اور حسب ذیل تعلیم دی خدا کو ایک مانو اسکے رسول محمد پر ایمان
لاؤ علی کو کرشن کا اوتار سمجھو اور امام شاہ کو نائب علی یقین کرو اپنی عقائد کو چھپاؤ
اور ہندوؤں [illegible] لباس ہندوانہ رکھو رسم ورواج قدیم پر قائم رہو گوشت مت کھاؤ [illegible]

ست بدلو یا پانچ وقت کی نماز تم کو ضرور نہیں صرف یہ چاہئے کہ ان تینوں کلمیں لا الہ الا اللہ
الحمد للہ اللہ اکبر قل ہو اللہ کا وظیفہ چپکے چپکے پڑھ لیا کرو۔ وضو نکرو ورنہ تم پر شبہ کیا
جائیگا اسکے بدلے غسل کیا کرو روزے رمضان میں تمکو لوگ شک کرینگے رجب کے مہینے
میں یہ فرض ادا کیا کرو۔ زکوۃ تم پر یہ ہی کہ آمدنی کا دسواں حصہ اپنی گرو امام شاہ کو دیا کرو۔
چنانچہ ان سب احکام کی تعمیل کیگئی اور گپتی لوگونکی تعداد بڑہنے لگی اسوقت امام شاہ نے
ایک کتاب لکھی جسکا نام ست دینی ہی یعنی سچا کلام یا کلام الحق یہ گجراتی زبان میں
مثنوی مولانا روم کی طرز پر ہے۔ جسکے شروع میں یہ ہے

پہلا سمرجن ہار دکھانو اسکو جیتا کچھ شک نہ آنو

یعنی اول خالق کائنات کی حمد کرو اور اسکی عبادت و یاد میں شک شبہ نہ لاؤ امام شاہ کے
نائب ہندوانہ لباس میں ست دینی بھجن گاتے پھرتے ہیں اور لوگونکو علی کے پنتھ میں داخل
کرتے ہیں اونہوں نے جگہ جگہ علی کے مندر بنائے جہاں گپتی لوگ جمع ہوکر دعائیں کرتے
اور بھجن سنتے ہیں گپتی لوگوں میں جب کوئی مرجاتا ہی تو وہ جلایا جاتا ہی مگر اسکی ایک
انگلی یا عضو کاٹکر پیر کے زیر سایہ دفن کرتے ہیں آخر رفتہ رفتہ ان گپتیونکو بھی اسلام کیطرف
کھلم کھلا کھینچا گیا اور انمیں سی بہت علانیہ مسلمان ہونے لگے جو گپتی ظاہرا مسلمان ہوتا تو اسکا
جنیو پیر کو دیا جاتا اور پیر اسکو پرگھٹی (ظاہر) اور مومن یا شیخ کا خطاب دیتا تھا آجکل
پیر کی درگاہ میں ظاہری مسلمان ہونیوالونکی جنیوؤنکا ایک بہت بڑا انبار لگا ہوا ہے
جو یادگار کے طور پر بحفاظت رکھا جاتا ہی گپتیونمیں اسوقت ۵-۶ لاکھ ہندو شریک ہیں
جنمیں برہمن چہتری مرہٹہ بنیہ شراوت کنبی چار ڈیسٹر بھنگی سب ہی قومیں ہیں اور ڈیرہ لاکھ
کے قریب پرگھٹی ہیں یعنی جو علانیہ مسلمان ہوگئے ہیں یہ لوگ اسلام اور علی کے نام پر فدا ہیں
گپتی لوگونکو شناخت کرنا ناممکن ہی وہ ظاہر و باطن میں ہندو نظر آتے ہیں مگر ایک گپتی دوسرے
گپتی کو دیکھتے ہی فوراً پہچان لیتا ہی ایسا ہی ایک پرگھٹی گپتی کو اور گپتی پرگھٹی نظر ڈالتے ہی
سمجھ جاتا ہی کہ یہ ہمارے طریقے کا آدمی ہی امام شاہ کی اولاد میں گدی موجود ہی اور فقرا و مساکین
کو حسب معمول سدا برت یعنی لنگر دیا جاتا ہے اور تمام علاقے کے مریدین کے نذرانے برابر جاری ہیں

جو ہندو نائبوں کی ذریعہ سے وصول ہوتے ہیں اور ہندو نائب کے واسطے سے خرچ ہوتے ہیں اس لیے ہندو نائب کو **کاکا** کہا جاتا ہے۔

شمسی

آغا خاں کے معتقدوں کی ایک جماعت کثیر ہندوؤں کا پردہ اپنے اوپر رکھتی ہے یہ آغا خانی ہندو **شمسی** کہلاتے ہیں۔ یہ گروہ پیر شمس الدین کیطرف منسوب ہے گجرانوالہ۔ راولپنڈی۔ ملتان ڈیرہ اسماعیل خاں۔ ڈیرہ غازیخاں اور بعض دوسرے اضلاع میں شمسیوں کی تعداد بہت ہے پنیار اور جھیور قوم کے لوگ ہیں انکی مذہبی کتابوں کی مجموعے کا نام اتھرووید ہے۔ یہ لوگ آغا خاں کو اپنا معتقد مانتے ہیں اور مثل اوتار کے انکا ادب واحترام کرتے ہیں شمسی ہندوؤں کا فرقہ اپنے اور ہندو بھائیوں سے بالکل علیحدہ ہے ان لوگوں کے نام ہندوؤں کے سے ہیں۔ اور انکے گوتروں اور ذاتوں کے نام بھی ویسے ہی ہیں۔ مگر طرز معاشرت میں کسی قدر تبدیلی ہو گئی ہے یہ اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں۔ شادی کا نام نکاح ہے جسکو انکا خاص پروہت انجام دیتا ہے۔ یہ لوگ ذبیحہ کے علاوہ اور کسی قسم کا گوشت نہیں کھاتے اور منشی اشیاء سے بالکل محترز ہیں مرید ہونے کیوقت چھینٹے کی رسم ادا کی جاتی ہے جسمیں انکا پیر منہ پر پانی چھڑکتا ہے اور اسمیں مرید کو کچھ نذرانہ دینا پڑتا ہے جسکی تعداد شاید پانچ روپیہ تک ہے۔ اسکے علاوہ اور کئی مراسم ہیں جسمیں کچھ نہ کچھ مرید کو چڑھانا پڑتا ہے۔ سب سے بڑی رسم **وڈی ریت** ہے جسمیں بہتر روپے دئیے جاتے ہیں عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ صبح اور شام اور رات کو سندھیا کرتے ہیں یہ لوگ جب اپنے مرشد سے ملاقات کرتے ہیں تو ضرور کچھ نہ کچھ نذرانہ دیتے ہیں جن مقامات میں شمسی ہندو آباد ہیں وہاں ایک جماعت خانہ ہوتا ہے۔ جہاں تمام مرید اپنی آمدنی کا آٹھواں حصہ جمع کر دیتے ہیں اور مکھیا اور کامری جو اسکے محافظ ہوتے ہیں وہ اس رقم کو براہ راست اپنے مرشد کے پاس روانہ کر دیتے ہیں۔ اسمیں میت کی خیراتی اشیاء بھی مجتمع رہتی ہیں اور نیلام کے بعد انکی قیمت روانہ کی جاتی ہے وجہ تسمیہ شمس الدین کی یہ ہے کہ پیر شمس الدین تبریزی کے مرید حقیقی اسماعیلی امامی تھے۔

شمسیوں کے عقائد

روز ازل سے ذات پاک کہ وحدہ لاشریک اُسے کہتے ہیں آرام تمام مقام امکان میں

شراب استغنا پیکر قیام رکھتی تھی یکایک عشق نے مثل قطرۂ باران اُس ذات مستغنی الصفات پر اثر کیا اُس سے جوش ہوا اس نے چاہا کہ اپنی ذات وصفات کو ظاہر کرے تو اپنی ذات سے نور محمدی یعنی نور امامت یعنی نور ست گور و بر ہما کو علیحدہ کیا اور اسکے دیدسے آپ عاشق اپنا ہوا جس سے کل عالم ظہور میں آیا اور اسی شجرہ سے سری کرشن مہاراج بھاگوت میں فرماتے ہیں کہ کل سرشٹی کا ظہور مجھ سے ہوا ہے اور کل سرشٹی کا منبع میں ہوں اور اسی شجرہ سے گورو برہما یعنی محمد مصطفے نے فرمایا ہے کہ انا من نور اللہ وخلق من نوری یعنی میں خدا کے نور سے ہوں اور میرے نور سے خلق اللہ ہے آج اُسی نور ست گورو برہما سے کوئی زمانہ یعنی پل گھڑی پہر دن ہفتہ مہینہ برس صدی خالی نہیں کیونکہ سری کرشن جی مہاراج فرماتے ہیں کہ اے ارجن اگر میرا چرن پرتھمی پر نہو تو پرتھمی پرلے ہو جاوے اور حضرت محمد نے فرمایا ہے کہ زمین امام سے کبھی خالی نہیں ہتی سنہ ۱۹۱۱ع سے شمسیوں نے ہندوؤں کا پردہ اپنے اوپر سے اُٹھانا شروع کر دیا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ آریہ سماجی اخبارات نے سر آغا خان بہادر سید سلطان محمد شاہ کو اپنے اخبارات میں بُرا لکھنا شروع کیا یہ امر انکو ناگوار گذرا

سوامی نرائن خوجے

انکی تعداد بہت قلیل ہے اور ریاست بھاؤنگر کے قصبہ گڈھڑا میں ایک دو مکان انکی پائے جاتے ہیں ایکدفعہ ایک شخص مر گیا چونکہ وہ آسودہ حال تھا اور اس نے مندر میں کچھ روپیہ بھی دیا تھا اسلئے سوامی نرائن پنتھ والوں نے اُسکی اُتر کریا کی مگر ایک دوسرے خوجے کے مرنے پر انہوں نے لاش اُٹھانے سے انکار کیا میت کے متعلقین اثنا عشری خوجوں سے مستدعی ہوے کہ وہ جنازہ اُٹھائیں اثنا عشری خوجوں نے اس شرط پر جنازہ اُٹھایا اور اپنی قبرستان دفن کیا کہ آئندہ سوامی نرائن خوجے اثنا عشری مذہب رکھینگے اس واقعہ سے پہلے بھی سوامی نرائن خوجے ختنہ کرواتے تھے اور اب بھی کرواتے ہیں مسلمانوں کے ساتھ بیٹھکر ایک ہی دسترخوان بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھانے میں کوئی عذر نہیں البتہ گوشت سے وہ پرہیز کرتے ہیں مگر گوشت خوروں سے کوئی نفرت نہیں رکھتے۔

زیدیہ

یہ گروہ زید بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب کیطرف منسوب ہے یہ لوگ حضرت علی کے بعد حضرت حسن کو انکے بعد حضرت حسین کو اُنکے بعد علی زین العابدین کو انکے بعد اُنکے بیٹے زید کو امام مانتے ہیں سنہ ۱۲۱ھ اور بقولے سنہ ۱۲۲ھ میں زید بن علی نے ہشام بن عبد الملک مروانی پر خروج کیا تھا لوگوں نے انکے خروج کے سبب بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے

ہیں کہ یہ عہد گورنری خالد بن عبد اللہ قسری میں عراق گئے خالد نے معقول طور سے جانی
اور مالی انکی خدمت کی تھی پس جب یوسف بن عمر ثقفی گورنر عراق ہوا تو اُس نے ہشام
بن عبد الملک کو یہ تمام حال لکھ بھیجا ہشام نے مدینے سے انکو بلوا کے خالد کے سامنے تصدیق
کرانے کی غرض سے یوسف کے پاس عراق کو روانہ کر دیا مدینے کو واپسی کے وقت قادسیہ میں
پہنچ کے قیام کیا اہل کوفہ نے یہ خبر پاکے خط و کتابت کی پس زید انکی طرف چلے گئے داؤد
بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے جو ہمراہ تھے کوفے کیطرف واپس جانے پر زید کو بہت
سمجھایا امام حسین کا ماجرا سنایا شیعہ بولے یہ خود امیر بنا چاہتے ہیں اسوجہ سے آپکو کوفے میں
جانے سے روکتے ہیں زید دم پٹی میں آکر کوفہ واپس گئے اور بعض اسکا سبب یہ بیان کرتے
ہیں کہ زید بن علی اور عبد اللہ بن مثنےٰ میں ایک مال موقوفہ جناب امیر کی بابت نزاع تھی
رفع نزاع کی غرض سے یہ دونوں اکثر عامل مدینہ خالد بن عبد الملک بن حرث کے پاس
جایا کرتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے خالد کی مجلس میں دونوں بھائی گتھ گئے۔ باتوں باتوں
میں طعن و تشنیع کی نوبت آگئی خالد ان دونوں کو حکمت عملی سے مشتعل کرتا جاتا تھا
زید کو اسکا یہ فعل ناگوار گذرا سخت و ناملائم کلمات کہہ کے اُٹھ آئے دوسرے دن مدینے سے دمشق کی
جانب روانہ ہو گئے ایک مدت تک ہشام نے حاضری کی اجازت نہ دی حیلہ حوالہ کر کے ٹالتا رہا بالآخر تا
دیر انکے بعد اجازت دی دیر تک باتیں کرتے رہے اثنائے کلام میں ہشام نے کہا میں نے سنا ہے کہ تم میری مخالفت
کرتے ہو اور خلافت کے متمنی ہو حالانکہ تم اسکے اہل نہیں ہو پھر کچھ سوچ کے کہا اور اگر تمہارا یہ خیال تمام
ہو گیا ہے تو تسلیم ہم پر خروج کرو آپنے جواب دیا ہاں میں ایسا خروج نکرونگا جو تم کو خبر نہ گذرے ہشام یہ سُنکے
خاموش ہو گیا اور آپ دمشق سے کوفے کی جانب چل کھڑے ہوئے محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب نے
اللہ تعالےٰ کا واسطہ دیکے کہا کہ تم کوفہ نہ جاؤ ان کے قول و قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے انہوں نے ہمارے اور
تمہارے جد امجد کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے زید بن علی نے اسپر کچھ توجہ
نہ کی جو ں توں طے مسافت کر کے کوفے پہنچے پوشیدہ طور سے قیام کیا اور بعض کہتے
ہیں کھلم کھلا قیام فرمایا تھا۔ عبد اللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نے زید
بن علی کو ایک خط نصیحتاً نہ لکھا اور اس ارادے سے روکا۔ لیکن انہوں نے

نے کچھ سماعت نہ کی۔ آپکے پاس کوفے میں عورت و مرد بکثرت آتے اور بیعت کرتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں ایک معقول جماعت ہوگئی جنکی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تیس ہزار آدمی شیعہ تبرائیہ ہیں سے کہ اکثر ان میں کیسانیہ اور مختاریہ تھے۔ اور تھوڑے سے وہ لوگ تھے جو حضرت زین العابدین کی امامت کے قائل تھے۔ جمع ہوگئے۔ آپنے تیاری کا حکم دیدیا۔ ان دنوں کوفہ اور عراقین کا گورنر ہشام کی طرف سے یوسف بن عمر ثقفی تھا یوسف کو یہ خبر لگی۔ تو اُس نے آپکو تلاش کرایا لیکن آپ نہ ملے۔ آپنے یوسف کے خوف سے خروج میں تعجیل کی۔ یوسف اندنوں حیرہ میں تھا۔ کوفہ میں حکم بن الصلت امارت کر رہا تھا۔ شیعان علی یہ سنکے کہ یوسف آپکو تلاش کر رہا ہے گھبرائے کیونکہ جان جانے اور محبت کے امتحان کا وقت قریب آگیا تھا۔ ایک جماعت نے زید شہید سے دریافت کیا کہ آپ شیخین کے حق میں کیا کہتے ہیں زید نے کہا کہ میں انکو اچھا جانتا ہوں۔ اور میرے خاندان میں سے جس نے انکا ذکر کیا۔ انکو نیکی کے ساتھ یاد کیا۔ ہم میں سے کسی نے اس سے زیادہ نہیں کہا کہ نبی علیہ السلام کی خلافت کے لئے سب سے زیادہ ہم مستحق تھے شیخین نے ہمارا حق ہم کو نہیں پہنچنے دیا۔ مگر اس بات سے انکا کفر لازم نہیں آتا۔ انہوں نے مخلوق میں عدل و انصاف کیا۔ قرآن اور سنت رسول پر عمل کیا۔ کسی پر ظلم نہیں کیا۔ شیعہ بولے کہ بنی امیہ بھی تو کہتے ہیں۔ کہ ہم کتاب خدا اور سنت رسول پہ عملدرآمد رکھتے ہیں۔ تو انکے ساتھ جنگ کے لئے تم کیوں ہم کو بلاتے ہو۔ اس صورت میں یہ بھی ظالم نہ ہونگے۔ زید شہید نے فرمایا کہ بنی امیہ کو حضرت ابوبکر و عمر سے کیا مناسبت یہ تمام مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ شیعہ کہنے لگے۔ تم ہمارے امام نہیں۔ ہمارے امام گذر گئے۔ مراد اس سے امام محمد باقر تھے اور اب انکے بعد جعفر ان کے بیٹے امام ہیں۔ اور بیعت توڑ کر اپنے اپنے گھروں کو بیٹھ گئے۔ مگر خالص مخلص ہمراہ رہ گئے۔ ان واقعات کے بعد حکم بن صلت

نے یوسف کے حکم اہل کوفہ کو جامع مسجد میں جمع کیا۔ اور زید بن علی کو تلاش
کرایا۔ آپ رات ہی کے وقت نکل کھڑے ہوئے۔ چند شیعہ نے آپ کے پاس مجتمع
ہو کے آگ روشن کی۔ اور یا منصور کی ندا دی۔ حکم نے مسجد کے دروازے بند
کرا کے یوسف کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ یوسف یہ خبر پاتے ہی کوفے کے قریب
آ پہنچا۔ اور دو ہزار سواروں اور تین سو پیادوں کو کوفے کی طرف ٹہلنے کو
کہا۔ شیعہ یہ سنکے دائیں بائیں آنکھیں چرا گئے۔ زید بن علی نے دریافت کیا
یہ سب لوگ کہاں گئے۔ جواب دیا گیا۔ جامع مسجد میں محصور ہیں۔ حاضرین
شمار کئے گئے۔ تو دو سو بیس نکلے۔ جو سپاہ زید بن علی کے کام آئی تھی۔ اس کو
نصر بن خزیمہ عبسی اور زید بن علی نے اپنے مردانہ حملے سے ہزیمت دی۔ اور
زید بن علی لڑتے بھڑتے انس بن عمر ازدی کے مکان تک پہنچے۔ چونکہ اس نے
بھی بیعت کی تھی۔ آپ نے آواز دی۔ باہر آنا تو درکنار صدائے برنخاست کا
مضمون ہوا۔ رفتہ رفتہ کناسہ پہنچے۔ جہاں پر اہل شام کا جمگھٹ تھا۔ زید نے
ان پر بھی حملہ کیا۔ اہل شام ہزیمت کھا گئے منتشر ہو گئے۔ شامیوں نے پھر زید
کا تعاقب کیا۔ کوفے کی گلیوں میں ہلڑ سا مچا ہوا تھا۔ آگے آگے زید بن علی تھے
پیچھے پیچھے اہل شام تھے۔ زید بن علی اہل کوفہ کی ایفائے بیعت سے ناامید
ہو کے نصر بن خزیمہ سے بولے افسوس ہے کہ تم لوگوں نے میرے ساتھ بھی حسین
کا جیسا برتاؤ کیا۔ نصر نے عرض کیا لیکن میں۔ واللہ میں تمہارے ساتھ جان دونگا
زید نے مع نصر کے دارالرزق میں رات بسر کی صبح ہوتے ہی یوسف نے
عباس بن سعد مزنی کو بسر گروہی لشکر شام زید بن علی کے مقابلے پر بھیجا۔ آپ
کمال مردانگی سے میدان جنگ میں آئے۔ نصر بن خزیمہ اور معاویہ بن اسحاق
بن زید بن ثابت دونوں بازوؤں پر تھے اور آپ قلب میں ایک سخت اور
خونریز لڑائی کے بعد نصر مارے گئے۔ مگر لشکر شام بھی میدان جنگ سے بھاگ کھڑا
ہوا۔ مغرب کا وقت آ گیا تھا۔ لڑائی موقوف ہو گئی۔ عشا کے وقت یوسف نے

اپنے ہمراہیوں کو دوبارہ مرتب کرکے زید پر شبخون مارنے کو بھیجا لیکن انکے
جاں نثاروں نے نہایت دلاوری سے پسپا کر دیا۔ یوسف نے یہ رنگ دیکھ کے
تیراندازوں کو تیر باری کا حکم دیا۔ جنگ کا عنوان بدل گیا لڑائی نہایت
سختی سے جاری ہوگئی۔ معاویہ بن اسحاق مارے گئے۔ اتفاقاً ایک تیر زید کی
پیشانی پر لگا۔ جسکے صدمہ سے طائر روح قفس بدن سے اڑ گیا۔ تاریخ الخمیس
میں لکھا ہے کہ یوسف نے زید کے جسد کو برہنہ کرکے سولی دی۔ اور ۴ سال
تک انکا جسد یوں ہی سولی پر رہا۔ اور انکے مبرز پر کلاسی نے جلا اڑا دیا
تھا۔ جو لوگ زید شہید کے ساتھ تھے۔ وہ اپنے آپکو شیعہ خالص کہنے لگے
اور کہا کہ امام برحق یہی تھے۔ کہ اپنے اسلاف کی طرح ظالم دشمنوں سے لڑ کر مارے
گئے۔ اور اپنی جان امامت کی راہ میں دیدی۔ اور امام کو یہی چاہئے۔ کہ راہ
خدا میں کسی سے نہ ڈرے۔ اور تلوار کے ساتھ نکلے۔ اور کسی کی پشتی و رفاقت
یا ترک مدد کی پروا نہ کرے۔ اور جو لوگ ان سے جدا ہوگئے تھے۔ انہیں روافض
کہنے لگے۔ بلکہ جب ان جھوٹے شیعوں نے ترک رفاقت کی تو خود زید شہید نے
کہا تھا کہ یہ لوگ روافض ہیں[1]۔ غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے۔ کہ شیعہ وہ ہے کہ
تفضیل نہ دے حضرت علی پر۔ اور رافضی وہ ہے کہ تفضیل دے حضرت علی
کو حضرت عثمان پر۔

مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النعمان میں کہا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب
نے تحفہ میں لکھا ہے کہ زید بن علی نے بنی امیہ کے عہد میں جو بغاوت کی تھی
امام ابو حنیفہ اس میں شریک تھے۔ نامۂ دانشوران کے مولفوں نے بھی ایسا
ہی گمان کیا ہے لیکن ہم اسپر یقین نہیں کرسکتے۔ جس قدر تاریخیں اور رجال
کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں کہیں اسکا ذکر نہیں۔ حالانکہ اگر ایسا
ہوتا۔ تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ غالباً اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ

لہ دیکھو تاریخ طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر اور عمدۃ الطالب اور تاریخ ابن خلدون اور روضۃ الصفا وغیرہ ۱۲

کا خاندان اہل بیت کے ساتھ ایک خاص ارادت رکھتا تھا امام صاحب نے
ایک مدت تک امام باقر کے دامن فیض میں تربیت پائی تھی۔ کوفے کی ہوا
میں ایک مدت تک شیعہ پن کا اثر تھا۔ ان اتفاقی واقعات نے امام ابوحنیفہ
کی نسبت یہ گمان پیدا کر دیا۔ اور تاریخی شہادتیں بالکل اسکے خلاف ہیں
انتہی کلامہ۔ اصل حال یہ ہے کہ زمخشری نے کشاف میں اس آیت کی
تفسیر میں لاینال عھد الظلمین لکھا ہے۔ کان ابو حنیفۃ یفتی سرا بوجوب نصرۃ
زید بن علی رضوان اللہ علیہ وحمل المال علیہ والخروج معہ علی اللص
المتغلب المسمی بالامام والخلیفۃ کالدوانقی واشباھہ یعنی امام اعظم
کوفی مخفی طور پر لوگوں کو فتوے دیتے تھے کہ زید بن زین العابدین کی مدد
کرنا چاہئے۔ اور لڑائی میں متغلب چوروں مثل منصور دوانقی اور اسکی طرح
کے لوگوں کے مقابل انکا ساتھ دینا چاہئے۔ زمخشری کے اس قول کو نامہ
دانشوراں اور فواتح سبعہ میں بھی نقل کیا ہے۔ اور اسکی نقل کے بعد کوئی
تکذیب نہیں کی ہے۔ اور جلد اول تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ قصہ بھی مشہور ہے
کہ زید بن علی نے ہشام بن عبد الملک مروانی پر خروج کیا۔ تو امام ابوحنیفہ لوگوں
کو مخفی طور پر فتوے دیتے کہ زید بن علی کی مدد کرنا۔ اور انکی رفاقت میں جنگ
کرنا واجب ہے۔ اور امام صاحب نے مدد کے لئے مال اسباب زید بن علی کے
پاس بھیجا۔ اور صواعق محرقہ میں زید بن علی کے حق میں بیان کیا ہے ومن القائلین
بصحۃ امامتہ وجواز خروجہ علی الظلمۃ ووجوب اتباعہ ابو حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی
یعنی زید بن علی کی امامت کی صحت کے امام ابوحنیفہ قائل تھے۔ اور ان کے
خروج کو اس وقت کے حکام ظالم پر جائز قرار دیتے تھے۔ اور انکی مدد اور شرکت
کو واجب بتاتے تھے۔ شاہ صاحب نے تحفہ میں اسی صواعق محرقہ کی اتباع کی
ہے۔ اگرچہ مولوی شبلی صاحب کی تحریر یہ جو ہمارے وقت میں فن تاریخ میں
گوئی سبقت الملکی سمجھے ہیں۔ اور ان لوگوں کی نظر دل میں جو علوم عربیہ سے

نابلد ہیں۔ اور اُنکے مبلغ تحقیقات کا مدار اخبارات کی تحریرات پر ہے۔ اور جو کسی قدر ترقی یافتہ ہیں۔ وہ تعلیم انگریزی کے کسی درجے میں پاس ہو چکے ہیں اعلےٰ درجہ کے مورخ اور محقق ہیں۔ کسی امر میں شبہ ظاہر کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ مگر مولوی صاحب نے اس واقعہ کا بے اصل ہونا جن وجوہ اور قرائن سے قرار دیا ہے اُس سے اس واقعہ کی غلطی ثابت نہیں ہوتی۔ ہم مولوی شبلی صاحب سے دریافت کرتے ہیں (۱) شاہ صاحب کی تحریر انہی شہادتوں کے سامنے قابل وثوق ہے یا نہیں۔ اور یہ شہادتیں معتبر ہیں یا نہیں۔ اگرچہ زمخشری کو علم تاریخ سے مس نہ تھا جیسا کہ شبلی صاحب نے الفاروق کی جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ میں اسکی تصریح کر دی ہے۔ لیکن امام فخرالدین رازی نے جنکی تفسیر نہایت صحیح اور مستند خیال کی جاتی ہے۔ اس واقعہ کی تغلیط کیوں نہیں کر دی۔ اور نامۂ دانشوران کے مولفوں نے اس روایت پر جو زمخشری نے تحریر کی۔ کیوں نہ اعتراض کیا۔ بلکہ اعتراض تو درکنار۔ اُسکو صحیح سمجھکر خود بھی روایت کر دی (۲) مولوی صاحب کا یہ قول کہ تاریخی شہادتیں بالکل اسکے خلاف ہیں۔ پکار کر یہ کہہ رہا ہے۔ کہ مورخین نے اس قصے کی تغلیط اور تردید کی ہے۔ یا یہ لکھدیا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ صاحب نے زید بن علی کی مدد نہیں کی تھی۔ حالانکہ اکثر تواریخ کے ورق ورق الٹ کر دیکھ لئے گئے۔ کسی مورخ نے کوئی اس قسم کا لفظ نہیں لکھا جس سے اس بات پر دلالت ہو سکے کہ امام صاحب نے زید بن علی کی مدد نہیں کی۔ یا اُنکے خروج کو بُرا جانتے تھے یا یہ واقعہ غلط ہے۔ نہایت کار یہ ہے کہ طبری ابن الاثیر ابن خلکان ابن خلدون ابوالفدا وغیرہ نے اس قصے کو نہیں لکھا ہے۔ مگر جائے انصاف ہے۔ کہ ان مورخوں نے اس قصے کو غلط بھی نہیں قرار دیا۔ پس اُنکی خاموشی سے یہ غلط نہیں ہو سکتا (۳) اگر واقعی یہ قصہ غلط تھا تو مولوی شبلی صاحب کو لازم تھا۔ کہ اس بات کو نہایت مدلل کر کے وضاحت سے تحریر کرتے۔ کہ امام صاحب کے زید بن علی کی

مدد کرنے میں کیا قباحت تھی۔ حالانکہ انہوں نے ابراہیم کی علانیہ تائید کی تھی جو فرقہ زیدیہ کے امام ہشتم تھے۔ اور انہوں نے منصور دوانقی پر خروج کیا تھا۔ اور یہ کس نے لکھا ہے کہ امام صاحب نے زید کی مدد نہیں کی صرف اپنے قیاس و تخمین سے تغلیط کرنا قابل وثوق نہیں (۴) خاندان اہل بیت کے ساتھ اس وقت کے اور بھی مقدس آدمی عقیدت رکھتے تھے پھر انکی نسبت ایسی غلط روایت کیوں نہ مشہور ہو گئی (۵) مولوی شبلی نے کسی روایت ضعیف یا قوی کا کسی تاریخ کے حوالے سے تذکرہ تحریر نہیں کیا۔ کہ فلاں تاریخ یا روایت میں یہ قصہ خلاف روایت مشہورہ کے موجود ہے (۶) اکثر کتب اہل سنت میں اس واقعہ کو تحریر کیا ہے۔ اور آج تک کسی عالم اہل سنت یا شیعہ نے اس قصے کی تردید نہیں کی (۷) کیا طبری یا کامل وغیرہ تواریخ میں کوئی کلی یا جزی واقعہ فرو گذاشت نہیں ہو گیا۔ کیا بالاستیعاب سب واقعات لکھ لئے گئے ہیں (۸) کیا امام ابو حنیفہ کے تمام مخفی و علانیہ واقعات قلمبند ہو گئے ہیں (۹) کیا زمخشری یا امام فخر الدین رازی یا مولف صواعق محرقہ وغیرہ کوئی تاریخ کی کتاب لکھتے تو ان کا پایہ طبری یا کامل یا تاریخ ابن خلدون یا وفیات الاعیان یا ابو الفدا وغیرہ کے سامنے قابل اعتبار نہ ہوتا (۱۰) کیا جن لوگوں نے اس واقعہ کو لکھا ہے اُن سے مولوی شبلی زیادہ نقاد یا علوم عربیہ و تواریخ کے زیادہ ماہر ہیں (۱۱) کیا مولوی شبلی کی نظر تمام تواریخ اور اسمائے رجال کی کتابوں پر حاوی ہو گئی ہے۔ بوجوہ مذکورہ جس طرح یہ قصہ مشہور ہے اسی طرح اُسکی صحت ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس قدر مخلص زید کے ساتھ رہے تھے انہوں نے اپنی جانوں کو زید کی طرف منسوب کر دیا۔ اور مذہب جداگانہ نکال لیا۔ ان میں سے عمدہ داعی یہ لوگ ہیں یحییٰ بن زید بن علی بن حسین شہید کربلا بعض زیدیہ ان یحییٰ کو امام مانتے ہیں۔ اور یحییٰ بن حسین بن ہاشم کہ حسن بن حسن

بن علی کرم اللہ وجہ کی نسل سے تھے۔ انہوں نے اپنا لقب ہادی رکھا۔ اور ۲۸۰ھ میں خروج کیا اور یمن اور حجاز کے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اور احکام نام ایک کتاب فقہ زیدیہ میں تصنیف کی۔ اور انکے بیٹے مرتضے بھی زیدیہ کے مذہب کے داعی تھے۔ اور حسن بن احمد بن یحیی بن حسین اور یحیی بن احمد بن یحیی بن حسین یہ دونوں بھی زیدیہ کے دعاۃ میں سے تھے۔ اور یہاں تک زیدیہ کا مذہب خالص رہا کہ اصحاب کبار پر تبرا نہیں کرتے۔ اور زید سے بہت سے نصوص اس مدعا پر نقل کرتے ہیں۔ اور سب کو نیکی کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگرچہ امامت جناب امیر کا حق تھا۔ مگر انہوں نے خود خلفائے ثلثہ کو دیدی۔ اور کہتے ہیں کہ بیعت خلفا کی خطا نہ تھی۔ اس لئے کہ جناب امیر اس سے راضی تھے۔ اور معصوم خطا و باطل سے راضی نہیں ہوتا ہے۔ زیدیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کے خلیفہ مقرر کرنے میں مصلحت تھی اس لئے کہ حضرت علی کی تلوار ابھی دشمنان دین کے خون سے خشک نہوئی تھی اور عداوتیں دلوں میں موجود تھیں۔ اگر انہیں خلیفہ کر دیتے تو شاید دین میں خلل پڑ جاتا اور انتظام بگڑ جاتا۔ اور حضرت ابو بکر کے مقرر کرنے میں جھگڑوں کے دفعیہ کا خیال تھا۔ ان کا سارا مذہب امامت کے باب میں اہل سنت و جماعت کے مذہب کے موافق تھا۔ مگر فرق اس قدر ہے کہ انکے نزدیک امام کا فاطمی ہونا شرط ہے اور جب وہ فاطمی کسی غیر فاطمی کو امامت سپرد کر دے تو اسکی امامت منعقد ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ حال اُن لوگوں کا تھا جو خاص زید شہید کے متبع تھے پھر بعض زیدیہ نے بعض باتیں اسماعیلیہ اور امامیہ کے مذہب میں سے لیکر مذہب زیدیہ میں داخل کر کے آپ داعی اس مذہب کے بنے۔ اور ہر ایک کے متبعین سے ایک ایک فرقہ مقرر ہو گیا۔ جیسے ابو الجارود کہ کنیت اُسکی ابو النجم ہے۔ اور سلیمان بن جریر اور ابتر توجی اور حسین بن صالح اور نعیم بن یمان اور یعقوب وغیرہ مگر سب زیدیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور زیدیہ کی رائے یہ ہے

کہ امام کا مقرر کرنا اللہ پر واجب ہے۔ بعض زیدیہ کے نزدیک یہ وجوب دلیل عقلی سے ثابت ہے۔ اور اکثر زیدیہ کے نزدیک دلیل سمعی سے۔ اور ان کے نزدیک امام کا معصوم ہونا واجب نہیں۔ زید بن علی بن امام حسین بن امیر المومنین علی واصل بن عطا رئیس معتزلہ کے شاگرد تھے اصول عقائد کو اُسی سے لیا تھا۔ یہ واصل اپنے وقت کا امام معتزلہ تھا۔ اور جنگ صفین و جمل میں حضرت علی کے برسر صواب ہونے میں اسکو تردد تھا۔ ایک دن زید نے اس عقیدے کو بر سبیل تذکرہ بیان کیا۔ محمد باقر ان کے بھائی نصیحت کرنے لگے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم ایسے شخص سے علم حاصل کرتے ہو جو تمہارے دادا سے بدظن ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے۔ کہ سارے زیدیہ اصول میں معتزلی ہیں۔ مگر مسئلہ امامت میں معتزلہ سے مخالف ہیں۔ زید بن علی کا مذہب واصل بن عطا سے لیا گیا ہے۔ انتہی۔ سید شریف نے شرح مواقف میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں زیدیہ مقلد ہیں۔ اصول عقائد میں اعتزال کے طریق پر ہیں اور فروع میں مذہب حنفیہ کے طریق پر مگر چند مسائل میں خلاف رکھتے ہیں۔ اسعاف الراغبین میں لکھا ہے۔ کہ زید کے شاگرد واصل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اسکے مذہب پر ہوں[1]۔ کتاب الازہار میں کہ فقہ زیدیہ میں ایک معتبر کتاب ہے۔ کتاب السیر کے اندر لکھا ہے کہ زیدیہ کے نزدیک وجوب امامت کا طریق شرع ہے۔ اور زیدیہ کہتے ہیں کہ جس شخص میں یہ خصلتیں ہوں علم زہد شجاعت اور اولاد فاطمہ زہرا سے ہو حسنی ہو یا حسینی اور بعض نے اتنا اور زیادہ کیا ہے۔ کہ صحیح الوجہ بھی ہو۔ اور کسی طرح کی آفت اسمیں نہ ہو اور وہ تلوار کے ساتھ خروج کرے۔ اور لوگوں کو اپنی امامت کی طرف بلائے تو

---

[1] اسعاف الراغبین میں زید شہید کے حالات میں لکھا ہے۔ وکان ممن اخذ عن واصل بن عطاء ولا یلزم من کون شیخ زید معتزلیا ان یسلک مسلکہ ۱۲ منہ

[2] احمد بن یحییٰ بن مرتضی الیمنی زیدی متوفی سنہ ۸۴۰ھ کی تالیف ہے ۱۲ منہ

امامت اسکی منعقد ہو جاتی ہے کتاب الازہار میں مذکور ہے کہ کوئی آدمی محض
دعوت سے امام بن سکتا ہے نہ امام مقرر کئے جانے سے جب تک اس میں امامت
کی شرطیں موجود نہوں جن میں سے کچھ خلقی و پیدائشی ہیں اور کچھ اکتسابی
شرائط خلقی یہ ہیں (۱) مکلف یعنی بالغ ہو (۲) مرد ہو (۳) آزاد ہو (۴)
علوی فاطمی ہو۔ اگرچہ آزاد کیا ہوا ہو۔ اس طرح کہ کوئی مرد فاطمی کسی کی کنیز سے
عقد کرلے اور اس کنیز سے بیٹا پیدا ہو۔ تو یہ بیٹا فاطمی علوی ہے مگر مملوک ہے
جب اس بیٹے کو کنیز کا مالک آزاد کر دیگا تو اس میں امامت کی صلاحیت
پیدا ہو جائیگی۔ مگر ایسا مرد جسکی نسبت علوی دعوے کرے کہ میرے نطفے سے
ہے اور غیر علوی کہے کہ میرے نطفے سے ہے۔ اس وقت تک امامت کے قابل نہیں
جب تک یہ مقرر نہو جائے کہ علوی کا نطفہ ہے غیر کا نطفہ نہیں (۵) حواس و
اعضا درست ہوں۔

اور شرائط اکتسابی یہ ہیں (۱) علوم دینی کا مجتہد ہو (۲) صاحب
عدالت ہو (۳) سخی ہو اس بات میں کہ جہاں مال خرچ کرنا مناسب ہو وہاں
خرچ کرے بیجا خرچ نہ کرے (۴) مدبر ہو یعنی اسکی رائے زیادہ تر صائب ہو
(۵) جری اور بہادر ہو ایسے محل پر جہاں اپنے سلامت بچنے کی امید ہو (۶)
ایسے وقت میں دعوت کرے کہ اسکی دعوت سے پہلے کسی شخص جامع الشرائط
کی جانب سے دعوت امامت نہ ہو چکی ہو۔ اور کوئی ایسا آدمی امام بنا لیا
گیا ہو کیونکہ جب امامت کی دعوت کسی نے قبل شروع کر دی اور کوئی امام بن چکا ہے تو
وہی پہلا شخص امام ہے پھر دوسرے جامع الشرائط کو اپنی ذات کی طرف
دعوت نہ کرنا چاہئے بلکہ پہلے شخص کی طرف دعوت کرنا چاہئے نہیں تو دوسرا
شخص باغی قرار پائیگا۔ اور ایک زمانے میں دو اماموں کا ہونا صحیح نہیں۔

امام کو ان نو کاموں کے سوا اور کچھ کرنا چاہئے (۱) حدود یعنی
ان سزاؤں کا قائم کرنا جو شرع میں مقرر ہیں (۲) جمعہ اور جماعت کا قائم کرنا

(۳) مسلمانوں میں حکام مقرر کرنا (۴) احکام جاری کرنا (۵) جب کسی کا حق ہو۔ تو اسکو ادا کرنے کے لئے مجبور کرنا (۶) واجبات دینی جیسے نماز روزہ وغیرہ کی لوگوں سے تعمیل کرانا۔ اور ان چیزوں پر انکو پابند کرنا (۷) مصالح عامہ کے لئے والی مقرر کرنا مثلاً جن لوگوں کے لئے ولی مقرر کرنے کی ضرورت ہو انکے ولی مقرر کرنا (۸) کفار سے جہاد کرنا۔ باغیوں کو زیر کرنا (۹) زکوۃ وغیرہ حقوق مالیہ لوگوں سے وصول کرنا۔

جب امامت کی دعوت متواتر طور پر کسی مسلمان کو پہنچے۔ تو اسکو چاہیے کہ اس میں شروط امامت کو تلاش کرے۔ جب کامل الشروط ثابت ہو۔ تو اسکی دعوت قبول کرلے۔ کیونکہ اگر دعوت ایسی حالت میں قبول نہ کریگا۔ تو اسکی عدالت ساقط ہو جائے گی۔ یعنی اسکا تقوی اور پرہیزگاری اور مروت باقی نرہیگی۔ گواہی اسکی قبول نہوگی غنیمت میں سے مال نپائے گا۔ اور جو امام کے ساتھ دل سے عداوت کرے وہ مخطی ہے۔ اور جو زبان سے عداوت ظاہر کرے وہ فاسق ہے۔ اور جو ہاتھ سے بھی مخالفت کرے۔ وہ محارب ہے۔ اور اس باغی کے لئے غنیمت سے حصہ ہے۔ جو امام کی بعض معاملات میں مدد کرے۔ اور ہر مجتہد مصیب ہے۔ اصح یہی ہے۔ اور زندہ امام کی تقلید مرے ہوئے امام کی تقلید سے اولے ہے۔ اور جو امام زیادہ علم رکھتا ہو۔ خواہ مردہ ہو یا زندہ اس کی تقلید اولے ہے۔ اور اہل بیت میں سے ائمہ مشہور اپنے غیر سے تقلید کے لئے اولے ہیں۔ اور کتاب مذکور میں لکھا ہے۔ کہ امامت کا طریق دعوت ہے شارح[۱] کہتا ہے۔ کہ اکثر زیدیہ جیسے جارودیہ اور بتریہ اور صالحیہ کے نزدیک ثبوت امامت کا طریق دعوت ہے۔ اور دعوت کے معنی یہ ہیں۔ کہ لوگوں کو بلائے۔ کہ کفار سے جہاد کریں۔ حدود اور جمعہ اور جماعت قائم کریں۔ باغیوں کو مغلوب کریں

[۱] کتاب الازہار کا شارح ابوالحسن عبداللہ بن ابوالقاسم بن مفتاح ہے اور اسماعیل بن عبداللہ شیعی زیدی محشی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ میری نظر سے گذرا ہے ۱۲ منہ

غزوات میں ساتھ دیں ظالموں اور کافروں کی صحبت سے حتی الامکان بچیں
ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں واقعات ماہ جمادی الاولے ۵۷۹ھ میں لکھا ہے
کہ حرم شریف میں اہل سنت کے چار امام ہیں۔ اور فرقہ زیدیہ کا ایک امام ہے
اس شہر میں اکثر شرفا کا مذہب زیدیہ ہے۔ اور یہ لوگ اذان میں حی علی الفلاح
کے بعد حی علی خیر العمل اور اضافہ کرتے ہیں۔ نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے
ظہر اور عصر ملا کر پڑھتے ہیں۔ اور مغرب کی نماز اہل سنت کے اماموں کے بعد ادا
کرتے ہیں۔ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ زید کی شہادت کے
بعد زیدیہ میں امام کی نسبت اختلاف ہوگیا۔ کچھ زیدیہ اُنکے بیٹے یحیی کو امام
ماننے لگے۔ جو خراسان میں گئے اور امامت کے لئے ریشہ دوانی کرنے لگے اور بلخ
میں پہنچکے حریش بن عمر کے مکان میں مقیم رہے۔ پس ولید جب تخت نشین ہوا تو یوسف نے نصر بن سیار گورنر خراسان
کو لکھ بھیجا حریش کے مکان سے یحیی بن زید کو گرفتار کر کے بھیجدو۔ نصر نے یحیی کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور ایک خط اسکی
عرضداشت ولید کے پاس بھیجدی۔ مگر ولید نے یحیی اور اُنکی ہمراہیوں کو رہا کرا دیا۔ یحیی مع اپنے ہمراہیوں
کے بلخ سے روانہ ہو کر سرخس میں پہنچے۔ نصر نے وہاں سے اُنکو نکلوا دیا۔ مجبور
ہوکے نیشاپور میں چلے آئے۔ یحیی کے ساتھ ستر آدمی تھے۔ چونکہ روزانہ سفر کی
تکان سے سب کے سب تھک گئے تھے۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے چند سواریاں
خرید لی تھیں۔ عمرو بن زرارہ حاکم نیشاپور نے یہ حال نصر کو لکھ بھیجا۔ اُس نے
جنگ کرنیکا حکم دیدیا۔ عمرو دس ہزار کی جمعیت سے مقابلے پر آیا۔ لڑائی ہوئی
عمرو اور اُسکے بہت سے ساتھی مارے گئے۔ میدان جنگ یحیی کے ہاتھ رہا۔ خاتمہ جنگ
کے بعد یحیی نے ہرات کی طرف کوچ کیا۔ نصر نے یہ خبر پاکر مسلم بن احوز مازنی کو
یحیی کے تعاقب میں روانہ کیا۔ جوزجان میں مڈبھیر ہوگئی۔ ایک نہایت
خونریز جنگ کے بعد یحیی مارے گئے۔ اور آپکے کل ہمراہی کام آئے۔ مسلم نے یحیی کا
سر ولید کے پاس دمشق بھیجدیا۔ اور نعش جوزجان میں صلیب پر چڑھادی
وہ برابر صلیب پر چڑھی رہی۔ یہانتک کہ ابو مسلم خراسانی خراسان پر مسلط ہوا

اور اس نے نعش کو صلیب پر سے اتروا کے دفن کر دیا۔ اور یحییٰ کے جو قاتل
تھے انکو قتل کر ڈالا۔ یحییٰ بن زید نے محمد بن عبداللہ بن حسن مثنّیٰ
بن حسن مجتبیٰ کی امامت کے لئے وصیت کی تھی۔ ان محمد کو نفس زکیہ
کہتے ہیں۔ نفس زکیہ نے حجاز میں خروج کیا۔ اور مہدی کے لقب کے ساتھ مشہور ہوئے
ہیں نفس زکیہ منصور عباسی کے لشکر سے شکست کھا کر مارے گئے۔ انہوں نے
اپنے بھائی ابراہیم کے لئے وصیت کر دی تھی۔ ابراہیم نے بصرہ میں خروج
کیا۔ ابراہیم کے ساتھ عیسیٰ بن زید بن علی سجاد بھی تھے فوج منصور کے ہاتھ
عیسیٰ اور ابراہیم دونوں مارے گئے۔ پس یہ ابراہیم زیدیہ کے آٹھویں امام ہیں
اور بعض کتابوں میں محمد نفس زکیہ کو زیدیہ کا چھٹا امام اور ابراہیم کو ساتواں
امام بھی لکھا ہے۔ اور یہ اُن لوگوں کی رائے کے مطابق صحیح ہو سکتا ہے جو
یحییٰ بن زید شہید کو مذہب زیدیہ کا داعی قرار دیتے ہیں۔ دوسرے زیدیہ
کہتے ہیں کہ محمد نفس زکیہ کے بعد محمد بن قاسم بن علی بن عمر امام ہوئے
عمر زید بن علی کے بھائی تھے۔ محمد بن قاسم نے طالقان میں خروج کیا۔ لیکن
معتصم کے لشکر نے انکو مغلوب کر کے گرفتار کر لیا۔ اور ایک گروہ زیدیہ کا کہتا ہے
کہ یحییٰ بن زید کے بعد انکے بھائی عیسیٰ امام ہیں۔ اور یہ وہی عیسیٰ ہیں
جو ابراہیم کے شریک ہو کر منصور سے لڑے اور مارے گئے۔ اور عیسیٰ کے بعد امامت
انکی اولاد میں قرار دیتے ہیں۔ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ محمد نفس زکیہ بن
عبداللہ کے بعد انکے بھائی ادریس بن عبداللہ بن حسن مثنّیٰ امام ہیں
جب حسین بن علی بن حسن مثلث نے خلیفہ ہادی عباسی کے عہد میں خروج
کیا۔ تو یہ ادریس اُنکے ہمراہ تھے۔ اور ۱۶۹ھ میں مقام فخ میں جو مکے کے
قریب طائف کی طرف واقع ہے لشکر ہادی کے ہاتھ سے حسین مارے گئے
تو ادریس مصر کی طرف بھاگ گئے اور وہاں سے اندلس کی جانب چلے گئے اور
اقصاے مغرب کے شہر طنجہ میں دعوت شروع کی۔ لوگوں نے انکی دعوت

قبول کی۔ اور بہت سا ملک انکے قبضے میں آگیا جب ادریس کی شوکت
قوت شہرہ ہوگئی۔ تو رشید عباسی نے سلیمان بن جریر کو کہ زیدیہ کا متکلم تھا ادریس
کے پاس بھیجا جس نے انکو زہر دیکر مار ڈالا۔ ادریس کی ایک کنیز کو حمل تھا
جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اسکا نام بھی ادریس رکھا۔ اور وہ بڑا ہو کر باپ
کا قائم مقام ہوا۔ جناب الفردوس میں لکھا ہے کہ جب سلطنت اندلس بنی
مروان کے ہاتھ سے نکل گئی۔ تو یہ ولایت بھی بنی ادریس کے ہاتھ میں آگئی
لیکن بہت سے شہر اور اچھے مقام آل تاشفین کے ہاتھ میں رہے اور
انکے بعد بنی عبد المؤمن نے انپر قبضہ کر لیا۔ انکے بعد بنی مرین کے قبضہ و تصرف
میں آگئے۔ یہانتک کہ [illegible] میں تمام ملک افریقہ بنی ادریس کے زیر نگین
ہو گیا۔ جب بنی ادریس کی حکومت مٹ گئی۔ تو زیدیہ کا کام ابتر ہو گیا۔ ابو نصر
بخاری کہتا ہے کہ ابراہیم اکبر بن امام موسی کاظم نے یمن میں مامون عباسی
خلیفہ بغداد کے عہد میں خروج کیا تھا۔ اور وہ فرقہ زیدیہ کے ایک امام تھے
زیدیہ کے ایک داعی جنکا نام حسن بن زید بن محمد بن اسمعیل
بن حسن بن زید مشہور ہے ۲۵۰ھ میں طبرستان میں خروج کیا۔ انکا لقب
داعی کبیر اور داعی اول کہتے تھے ۲۵۰ھ میں انہوں نے سلیمان بن [illegible]
پر حملہ کیا۔ اور اسکو طبرستان سے نکالکر تمام ملک پر قبضہ کر لیا۔ وہ نہایت خونریز
تھے۔ انکی حکومت میں بہت سے آدمی مارے گئے۔ اور اکثر اشراف سادات
قتل ہوئے بیس سال حکومت کرکے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ داعی کبیر کے بعد
انکے بھائی محمد داعی کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اور داعی ابوالحسن کو جو انکی
بہن کا بیٹا تھا شکست دیکر تمام حکومت طبرستان پر ۲۷۰ھ میں قبضہ کر لیا
اور سترہ سال ۷ ماہ حکومت کرکے محمد بن ہارون سرخسی صاحب اسمٰعیل
سامانی کے مقابلے میں مارے گئے۔ پھر انکے بعد [illegible] ایک
شخص کو جس نے اقرار کر لیا تھا کہ میں [illegible] کی اولاد سے ہوں

اُس قدر حصہ دیا جس قدر بنی عبد مناف میں سے ایک ایک شخص کو دیا تھا اور فرمایا کہ اللہ ایک شخص کو دوسرے کے گناہ کی وجہ سے عذاب نہ دیگا لہذا خون حسین کا تجھ پر مواخذہ نہیں۔ زیدیہ میں سے ناصر اطروش نے دیلم میں اس مذہب کی طرف دعوت شروع کی ہزاروں آدمی اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ان کا نام حسن بن علی بن حسن بن علی بن عمر ہے۔ اور یہ عمر زید بن علی سجاد کے بھائی ہیں۔

یعقوب بن داؤد بن طہمان شیعی جب مہدی خلیفہ عباسی کا وزیر ہوا تو اُس نے زیدیہ کو کل ممالک محروسہ کے معزز و ممتاز عہدوں پر مقرر کر دیا۔

زیدیہ کے بعض عقائد

سارے زیدیہ کا مثل امامیہ کے یہ عقیدہ ہے۔ کہ اللہ کا ارادہ حادث ہے اور اُسکا ارادہ سارے موجودات پر عام و محیط نہیں۔ بلکہ بہت سے موجودات اُسکے بلا ارادہ پیدا ہو گئے ہیں۔ جیسے شر اور آفت اور کفر اور معصیت اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اللہ کی بعض مرادیں واقع نہیں ہو سکتیں۔ اور شیطان اور کافروں کی واقع ہو جاتی ہیں۔ اور زیدیہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اللہ بعض کافروں کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر شیطان اور مغویان بنی آدم اُسے گمراہ کر دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالے کا ارادہ انکے سامنے نہیں چل سکتا یہی عقیدہ امامیہ کا ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ تکلیف اللہ تعالے پر واجب ہے۔ یہی مذہب امامیہ کا ہے برخلاف اہل سنت کے کہ اُنکے نزدیک اللہ پر تکلیف واجب نہیں۔ بلکہ وہ ابرار پر فضل ہے۔ اور فجار کے حق میں عدل ہے۔

شرح مواقف میں لکھا ہے۔ کہ زیدیہ آٹھ فرقے ہیں جن میں قدر مشترک زید بن علی کی امامت ہے۔ ان میں سے اکثر کے نزدیک ائمہ کا ایک وقت بلکہ ایک مقام میں متعدد ہونا جائز ہے۔ مروج الذہب میں لکھا ہے الزیدیہ

کانت فی عصرہم ثمانیۃ فرق یعنی زیدیہ اپنے زمانے میں آٹھ فرقے تھے۔ اور اُن میں مرتیہ اور ابرقیہ اور عقبیہ اور یمانیہ اصحاب محمد بن یمان کوفی یہ چار نام لکھے ہیں بغیر تفصیل کے اور چار نام یہ لکھے ہیں یعقوبیہ اور ابتریہ اور جریریہ اور جارودیہ اور نفائس الفنون میں کہا ہے کہ زیدیہ پانچ فرقے ہیں۔ جارودیہ سلیمانیہ صالحیہ۔ چوتھا فرقہ ناصریہ کہ شریف ناصر الکبیر کے متبع ہیں جنکی قبر آمل میں ہے۔ پانچواں فرقہ ابوالحسین جو متبع ہیں شریف ابوالحسین کے جو دیلم میں مدفون ہیں ہم جس ترتیب سے یہاں فرقے لکھینگے وہ شرح مواقف کے مطابق ہے۔

اول فرقہ جارودیہ صاحب کشاف اصطلاحات فنون نے اس فرقے کے بیان میں حروف کی عجیب تصحیف کردی ہے صفحہ ۱۹۵ میں کہا ہے کہ جارودیہ زیدیہ کا ایک فرقہ ہے ذکر انکا باب زائے معجمہ کی فصل دال مہملہ میں کیا جائیگا۔ اور صفحہ مذکور میں جارودیہ کا لفظ رائے مہملہ و واو و دال مہملہ کے ساتھ لکھا ہے۔ مگر اعراب نہیں لکھے۔ اور زیدیہ کے بیان میں صفحہ ۶۱۲ میں جارودیہ کے عقائد بھی ذکر کئے ہیں جو شرح مواقف وغیرہ میں موجود ہیں اور صفحہ ۳۴۲ میں جاروزیہ رائے مہملہ اور واو و زائے معجمہ کے ساتھ لکھا ہے اور کہا ہے کہ ابی الجاروز کے اصحاب ہیں۔ کشکول بہائی میں مذکور ہے کہ جارودیہ ابوالجارود بن زیاد بن معبد عبدی کے اصحاب ہیں۔ اور مجمع البحرین[1] میں بیان کیا ہے کہ اس فرقے کا رئیس خراسان کا باشندہ تھا اور اُسے ابوالجارود زیاد بن منذر عبدی کہتے تھے شرح مواقف میں مسطور ہے کہ امام محمد باقر نے اس کا نام سرحوب رکھا تھا سرحوب ایک شیطان ہے نابینا کہ دریا میں مقیم ہے۔ اور مجمع البحرین سے معلوم ہوتا ہے کہ سرحوب طویل کے معنی میں ہے۔ اسی لئے اس فرقے کو سرحوبیہ بھی کہتے ہیں۔ اس فرقے کا یہ عقیدہ

---

[1] جلد اول مجمع البحرین میں لغت سرحب میں لکھا ہے فی الحدیث سرحوب قلت وما السرحوب قال الطویل الخ منہ

تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی امامت کے لیے نص کی مگر
تھی مگر یہ نص وصف کے ساتھ تھی نام کے ساتھ نہ تھی جناب سرور کائنات
نے حضرت علی کا نام نہیں لیا تھا بلکہ جو خصلتیں اور علامتیں اور نشانیاں اپنے
بعد امام میں بتائی تھیں ارباب فراست نے اُن سے جان لیا کہ مراد آپ کی
جناب امیر کی ذات فائض البرکات ہے کوئی اور نہیں اسلئے کہ وہ خصائل
انہی میں موجود ہیں دوسروں میں موجود نہیں ہیں جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے جناب امیر کی امامت پر ایسی نص کی جو نام لینے کی برابر ہے اور صحابہ
نے سرور کائنات کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر کو اختیار کرکے انکو خلیفہ
بنایا تو یہ کام نص رسول کے خلاف کیا اور لوگ حضرت علی اور حسن و حسین
اور انکی اولاد کی بیعت کے ترک کرنے کا فر ہوگئے مواقف میں لکھا ہے
کہ جارودیہ کا مذہب یہ ہے کہ امامت حسن اور حسین کے بعد انکی اولاد میں
شوریٰ ہے جو کوئی ان میں سے تلوار کے ساتھ خروج کرتا اور حق کی طرف
بلاتا ہوگا اور امور دین کا عالم اور شجاع ہوگا وہی امام ہے اسکی اطاعت
واجب ہے اسی لئے یہ کہتے ہیں کہ اگر دو امام ایک زمانہ میں دو مقامون
میں بیعت کرتے ہوں اور ان میں امامت کی شرطیں جمع ہوں اور اطاعت
انکی لوگوں نے تسلیم کرلی ہو اور بعض نے اطاعت مان لیا ہو تو یہ جائز
ہے اور یہ قول اجماع سلف کے خلاف ہے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ
جارودیہ معتزلہ اور خوارج اور اہل سنت کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں
کہ امامت اہل حل وعقد کے اختیار کر لینے سے بھی ثابت ہوجاتی ہے اور
ان کو ائمہ کی ترتیب اور توقف اور امام منتظر میں اختلاف ہے بعض کہتے

لہ ... فی اصول الدین میں لکھا ہے کہ ... دو امام ایک ... [illegible]
جبکہ دو شہر ہوں اور ایک سے دوسرے کی مدد ممکن نہ ہو تو اس وقت میں [illegible]
کیونکہ آدمی اسکی طرف محتاج ہیں اور کرامیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے ۱۲ منہ

ہیں۔ کہ حضرت علی سے امامت حضرت حسن کو پہنچی۔ اور حضرت حسن سے حضرت حسین شہید کربلا کو اور امام حسین سے امام علی زین العابدین کو اور ان سے زید شہید کو اور زید سے اول امام حسن کو اور اس سلسلے میں محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن سبط میں امامت کے تمام خصائل جمع تھے۔ وہی امام منتظر ہیں۔ یہ محمد منصور کے عہد میں دعوت امامت کی وجہ سے مدینے میں مقتول ہوئے۔ اور یہ لوگ انکے مقتول ہونے کے منکر ہیں۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ یہ محمد بن عبداللہ جلد ہی خروج کرینگے۔ اور زمین کو عدل سے بھر دینگے۔ اور بعض جارودیہ کی رائے یہ ہے کہ محمد واقعی مقتول ہو چکے ہیں۔ اور انکے بعد امامت محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی بن امام حسین بن علی بن ابی طالب کو پہنچی۔ جنہیں صاحب طالقان کہتے ہیں۔ انہوں نے معتصم کے زمانے میں خروج کیا۔ اور گرفتار ہوئے۔ معتصم نے انہیں قید خانے میں رکھا۔ وہیں انتقال کیا۔ پس یہ لوگ انکی موت کے منکر ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ امامت انکے بعد یحییٰ بن عمر بن یحییٰ کو پہنچی۔ جو حسین ذی الدمعہ بن زید شہید بن علی زین العابدین کی نسل سے تھے۔ ان یحییٰ نے مستعین باللہ کے عہد میں محمد بن عبداللہ بن طاہر حاکم عراق پر خروج کیا تھا۔ کتب تواریخ اور انساب کی کتابوں میں ان کا نام صاحب شاہی ذکر کرتے ہیں۔ یحییٰ مستعین کے عہد میں مارے گئے۔ مگر یہ لوگ انکی موت کے منکر ہیں۔ اور ملل ونحل شہرستانی میں جو یحییٰ کو عمر بن یحییٰ بن زید شہید کا فرزند لکھا ہے۔ یہ غلطی ہے اسلئے کہ نسابین کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ یحییٰ بن زید شہید نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی نامہ دانشوران میں ابن عقدہ جارودی کے حالات میں اسکی صراحت کی ہے یحییٰ چونکہ کوفہ میں خروج کیا تھا اسلئے صاحب کوفہ مشہور ہیں۔

دوسرا فرقہ سلیمانیہ۔ یہ سلیمان بن جریر کے پیرو ہیں۔ اور تمام باتوں میں جارودیہ کے موافق ہیں۔ مگر طلحہ اور زبیر اور ام المومنین عائشہ کو کافر بتا

ہیں۔ باقی صحابہ کو برا کہتے ہیں۔

تیسرا فرقہ سلیمانیہ ہے۔ جسے جریریہ بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ سلیمان
بن جریر کے متبع ہیں۔ اور غنیۃ الطالبین میں سلیمان کے باپ کا نام کثیر لکھا
ہے۔ اس فرقے کا اعتقاد یہ ہے۔ کہ امامت نام شورے کا ہے درمیان خلق
کے اور دو مسلمانوں کے مقرر کرنے سے بھی منعقد ہو جاتی ہے۔ کشکول بہائی
میں لکھا ہے۔ کہ انکے نزدیک امامت کا طریق بیعت ہے۔ اور بیعت و اجتہاد
کے ذریعہ سے حضرت ابوبکر و عمر کی امامت کے منعقد ہو جانے کا اعتراف کرتے
ہیں۔ پھر کبھی یہ لوگ اس اجتہاد کو صواب قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی خطا جانتے
ہیں۔ اور انکے نزدیک امامت مفضول کی فاضل کے موجود ہوتے صحیح ہے
اور سلیمان یہ کہتا تھا۔ کہ لوگ ترک بیعت حضرت علی سے کافر نہیں ہوئے بلکہ
خطا وار ہوئے۔ کہ افضل چھوڑ دیا۔ یہ جارودیہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ صحابہ
کی تکفیر کرتے ہیں۔ مگر سلیمانیہ طلحہ اور معاویہ اور بی بی عائشہ کو کافر جانتے ہیں
اس وجہ سے کہ انہوں نے حضرت علی سے جنگ کی تھی۔ اور حضرت
عثمان بن عفان کو بھی کافر بتاتے ہیں بسبب اُن خلاف امورات جاری کرنے
کے جو انہوں نے اپنی خلافت میں نکالے تھے۔ اور اہل سنت کہتے ہیں۔ کہ وہ
سارے فتور اُنکے اقارب بنی امیہ کے تھے۔ نہ حضرت عثمان کے اُن لوگوں
نے مخلوق پر دست درازی کرنا شروع کی تھی چھیڑ کرنے لگے وہ جبر ابن
آن پڑا۔ اختلاف کثیرہ پیدا ہو گئے۔ عثمان رضی اللہ عنہ پر مواخذات کیے گئے۔ اور
سلیمانیہ کے نزدیک حضرت علی نے کسی کی امامت پر نص نہیں کی بلکہ بعد انکے
امر شورے ہو گیا۔

چوتھا فرقہ بتریہ کہ ثومیہ بھی کہلاتا ہے۔ تحفہ اثنا عشری میں لکھا ہے
کہ مغیرہ بن سعد کے اصحاب ہیں۔ جو ابتر کے لقب سے مشہور تھا لب الالباب
فی تحریر الانساب اور اتحاف ذوی الالباب میں لکھا ہے کہ بتریہ بفتح بائے موحدہ

وسکون تائے فوقانی اور شرح مواقف میں ہے کہ بتیریہ بتیر ثومی کے اصحاب ہیں۔ اور تعریفات سید شریف اور تعریفات ابو نصر مکی میں بھی لکھا ہے کہ بتیریہ بتیر ثومی کی طرف منسوب ہیں۔ اور بتیریہ میں بائے موحدہ کے بعد تائے فوقانی اور اسکے بعد یائے تحتانی ہے۔ اور مرج الذہب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقے کا نام ابتریہ ہے۔ چنانچہ حالات ہشام میں ہے۔ ثم الفرقة السادسة المعروفة بالابترية وهم اصحاب كثير الابتر والحسن ابن صالح حيي اور ملل و نحل شہرستانی میں ہے البترية اصحاب كثير النومي الابتر اه

اور کشف الغمہ عن افتراق الامہ میں ہے۔ بتریہ اتباع ہیں حسن بن صالح بن کثیر ابتر کے اور ترجمہ ملل و نحل میں بتریہ کو اصحاب کثیر بن بتری لکھا ہے اور سمعانی نے تعلیقہ میں کہا ہے۔ البترية بضم الباء وقيل بكسرها منسوب الى كثير النومي لانه كان ابترا اليه وقيل الى المغيرة ابن سعيد یعنی بتریہ میں بائے موحدہ مضموم ہے اور بعض کے نزدیک مکسور ہے اور یہ فرقہ کثیر ثومی کی طرف منسوب ہے۔ چونکہ اسکا ہاتھ کٹا ہوا تھا اس لئے ابتر کہلاتا تھا۔ پس اسکے فرقے کو بھی بتریہ کہنے لگے۔ کیونکہ عربی میں ابتر مقطوع اور ناتمام کو کہتے ہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ فرقہ مغیرہ بن سعید کی طرف منسوب ہے۔ اور صواعق محرقہ کی یہ عبارت ہے البترية ويقال لهم التومية اصحاب بتير التومي والمغيرة بن سعد الملقب بالابتر یعنی بتیریہ کو ثومیہ بھی کہتے ہیں۔ اور یہ بتیر ثومی کے تبع ہیں جسکا نام مغیرہ بن سعد الملقب ابتر تھا۔ بہرصورت اس نام میں بڑا اختلاف ہے۔ کوئی بتیرہ لکھا ہے۔ کوئی بتیریہ بیان کرتا ہے۔ کوئی ابتریہ بتاتا ہے اسی طرح کوئی ثومیہ تحریر کرتا ہے۔ کوئی توميه اور کوئی نومیہ۔ یہ لوگ امامت میں سلیمانیہ کے موافق ہیں مگر کہتے ہیں کہ حضرت علی امامت کے لئے اولیٰ اور افضل تھے گو حضرت ابوبکر بھی امام تھے۔ اور انکی امامت میں خطا [illegible] حضرت

علی نے انکو امامت دیدی۔ اور حضرت عثمان کی تکفیر نہیں کرتے ہیں۔ اُن میں متوقف ہیں۔ اسواسطے کہ اُنکے حق میں جناب امیر کا سکوت اور رضامندی انکے خاطر خواہ ثابت نہوئی۔ اور کہتے ہیں کہ جناب امیر اپنی بیعت کے بعد سے امام ہوئے۔ توضیح المقال میں بعض فضلا سے نقل کیا ہے۔ کہ بتریہ کے نزدیک تقدیم مفضول کی فاضل پر جائز ہے۔

پانچواں فرقہ نعیمیہ ہے یہ نعیم بن یمان کے مقلد ہیں۔ اور غنیۃ الطالبین میں ابو نعیم بن یمان لکھا ہے۔ یہ سارے عقائد میں بتریہ کے موافق ہیں۔ مگر حضرت عثمان کو کافر جانتے ہیں۔ باقی صحابہ کو نیکی سے یاد کرتے ہیں۔

چھٹا فرقہ یعقوبیہ ہے یعقوب بن علی کوفی کے اصحاب ہیں۔ یہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی امامت کے قائل ہیں۔ اور رجعت کے منکر ہیں۔ مگر بعضے یعقوبیہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے تبرا کرتے ہیں۔ اور اموات کے دنیا میں قیامت سے پہلے رجوع کرنے کے قائل ہیں۔

ساتواں فرقہ خشبیہ صواعق محرقہ[1] میں لکھا ہے۔ کہ یہ لوگ خلف بن عبد الصمد کے اصحاب ہیں۔ خشبیہ ان کا اس وجہ سے نام ہے۔ کہ جب سلطان وقت پر انہوں نے خروج کیا تھا۔ تو انکے پاس اسباب جنگ اور ہتھیار نہ تھے صرف لکڑیاں اور لاٹھیاں لیکر مقابل ہوئے تھے۔ اور خشب زبان عربی میں لکڑی کو کہتے ہیں جیسا کہ نفائس اللغات میں لکھا ہے ان کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ امامت نام ہے شورے کا اولاد بی بی فاطمہ[2] میں اگر کوئی اور شخص امام بن جائے تو اسپر خروج کرنا واجب ہے۔ معارف میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ

[1] صواعق محرقہ میں ہے خشبیہ اصحاب خلف بن عبد الصمد قالوا الامامۃ شوریٰ بین اولاد فاطمہ ویجب الخروج علی من تقمص بالخلافۃ من غیرہم سموا بذلک لانہم خرجوا علی سلطان ولم یکن لہم سلاح غیر الخشب ۱۲ معارف کی عبارت یہ ہے الخشبیۃ من الرافضۃ کان ابراہیم بن الاشتر لقی عبید اللہ بن زیاد واکثر اصحاب ابراہیم معہم الخشب فسموا الخشبیۃ ۱۲ منہ

[2] سلام اللہ علیہا

جب ابراہیم بن اشتر نے عبید اللہ بن زیاد سے بغاوت کی۔ تو اسکے اکثر ساتھیوں کے پاس لکڑیاں تھیں۔ اس لئے خشبیہ کہلائے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ خشبیہ ابراہیم بن اشتر کے اصحاب ہیں۔ میرے نزدیک زیدیہ میں جو فرقہ خشبیہ لکھا جاتا ہے۔ وہ ابراہیم کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا اسلئے کہ ابراہیم پہلے کیسانی تھا۔ اور مختار کا معاون تھا جسکو محمد بن حنفیہ نے خون حسین کا معاوضہ لینے پر مامور کیا تھا۔ اور وہ کھلم کھلا محمد بن حنفیہ کی دعوت دیتا تھا۔ ابراہیم نے عبد اللہ بن مطیع کی جو عبد اللہ بن زبیر کیطرف سے کوفہ کا گورنر تھا تمام قوت پامال کر کے مختار کی حکومت جمائی تھی۔ اور اسی نے موصل میں ابن زیاد اور اہل شام کو زیر و زبر کیا تھا۔ اور اس وقت ابراہیم کے ساتھ زبردست لشکر اور بہت سا سامان جنگ اور نامی نامی شہسوار جنگ آور تھے۔ اور مختار کے مارے جانے کے بعد ابراہیم زبیری ہوگیا تھا۔ اور مصعب برادر عبد اللہ بن زبیر کے ساتھ عبد الملک بن مروان کے مقابلے میں مارا گیا۔

آٹھواں فرقہ صالحیہ[1] یہ حسن بن صالح بن حی کی طرف منسوب ہیں۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ جو کوئی فاطمی صفت شجاعت و سخاوت و علم کے ساتھ متصف ہو اور تلوار لیکر خروج کرے۔ وہ امام ہے۔ اور یہ لوگ حضرت ابوبکر کی امامت کو ثابت رکھتے ہیں۔ کیونکہ انکے نزدیک فاطمی اور علوی ہونا امامت کے شرائط سے نہیں یہ کہتے ہیں۔ کہ امام قریش میں سے کسی ایک خاندان کا آدمی ہونا چاہئے[2] اور حضرت علی کو تمام صحابہ پر تفضیل دیتے ہیں۔ اور حضرت عثمان کے حال میں متوقف ہیں۔ نہ انہیں مومن جانتے ہیں نہ کافر۔ اس لئے کہ حضرت علی کی زبان سے اُن کے حق میں فضائل بھی منقول ہیں اور رذائل بھی

---

[1] کشکول بہائی میں ہے الثالثۃ الصالحیۃ اصحاب الحسن بن صالح بن حی وکان فقیھا ۱۲ منہ

[2] دیکھو کتاب الازہار میں کتاب السیر ۱۲ منہ

امامیہ

اب غور سے سنو کہ امام کا مقرر کرنا زمانۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد واجب ہے۔ تو کیا خدائے تعالے پر واجب ہے یا خلق پر واجب ہے۔ اور ثبوت اس وجوب کا دلیل شرعی کے ساتھ ہے یا عقلی کے۔ خوارج[1] یہ کہتے ہیں کہ امام کا مقرر کرنا مطلقاً واجب نہیں۔ جائزات میں سے ہے۔ اور شیعۂ[2] اسماعیلیہ اور امامیہ اور غلاۃ کہتے ہیں۔ کہ امام کا مقرر کرنا اللہ پر واجب ہے۔ اور اس وجوب کے ثبوت پر عقل دلالت کرتی ہے۔ اور ملاحدہ[3] کا بھی یہی مذہب ہے۔ مگر شیعہ کے یہ فرقے اس بات میں باہم مختلف ہیں۔ کہ امام کا تقرر کس ضرورت کے لئے ہے۔ اسماعیلیہ کہتے ہیں۔ کہ امام اس غرض سے مقرر ہوتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالے کی ذات وصفات کی شناخت کرائے۔ اور جو باتیں اللہ کے حق میں جائز اور واجب ہیں۔ اور جو اسکے حق میں محال ہیں سب کی پہچان بتائے اور معرفت الہی کی تعلیم فرمائے۔ کیونکہ انکے نزدیک بغیر کسی معلم کے اللہ کی معرفت ناممکن ہے اور امامیہ کہتے ہیں کہ معصوم یعنی امام کی طرف حاجت معرفت الہی کی تعلیم کے لئے نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے۔ کہ وہ واجبات عقلی و شرعی کے ادا کرنے اور قبائح عقلی و شرعی سے بچنے میں لطف ہو۔ غرضکہ اسماعیلیہ کے نزدیک امام کا تقرر اللہ کی معرفت کے لئے واجب ہے۔ اور امامیہ کے نزدیک قوانین شرع کی محافظت کیلئے واجب ہے۔ اور اسماعیلیہ امام کو اللہ کی معرفت کا معلم قرار دیتے ہیں اور امامیہ اسے اللہ تعالے کی طرف سے بندوں کے حق میں لطف مانتے ہیں۔ امامیہ کے نزدیک امام ادائے واجبات میں لطف ہے۔ اسماعیلیہ کے نزدیک معارف میں لطف ہے اور غلاۃ کہتے ہیں۔ کہ امام کا تقرر لغات کی تعلیم کرنے اغذیہ اور ادویہ اور سموم اور حرف و صناعات کے احوال بتانے اور آفات و مصائب سے بچانے کے لئے ہے۔ اور یہ

---

[1] دیکھو شرح مواقف اور شرح تجرید کا ترجمہ اور شرح مقاصد اور نہایۃ العقول میں اس جگہ تجاوزات ہیں ۱۲ منہ

[2] دیکھو شرح تجرید کا مقصد خامس ۱۲ منہ [3] دیکھو اربعین امام رازی ۱۲ منہ

اہل سنت اور معتزلہ اور زیدیہ کی یہ رائے ہے کہ امام کا مقرر کرنا مخلوق پر واجب ہے۔ مگر بعض معتزلہ اور بعض زیدیہ کے نزدیک یہ وجوب دلیل عقلی سے ثابت ہے شرح مقاصد میں لکھا ہے۔ کہ ہشام بن عمرو غوطی معتزلی اور اسکے اصحاب کے نزدیک امن و امان کی حالت میں امام کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ شعائر اسلام کو ظاہر کرے اور فتنہ و فساد کی حالت میں واجب نہیں اسلئے کہ سرکش لوگ اسکی اطاعت نکرینگے تو خونریزی ہوگی ابوبکر اصم معتزلی اور اُسکے اصحاب کی یہ رائے ہے۔ کہ فتنہ و فساد کے وقت میں امام کا مقرر کرنا واجب ہے اور امن و اطمینان کی حالت میں واجب نہیں کیونکہ اس وقت میں امام کی کیا حاجت ہے انتہی شرح مواقف اور نہایۃ العقول میں لکھا ہے کہ جاحظ اور کعبی اور ابو الحسین بصری یہ کہتے ہیں کہ امام کا مقرر کرنا مخلوق پر عقلاً و شرعاً دونوں طرح واجب ہے، انتہی۔ اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک تقرر امام کا وجوب مخلوق پر دلیل سمعی و شرعی سے ثابت ہے، اور عامہ معتزلہ اور اکثر زیدیہ کا بھی یہی مشرب ہے[1] اور تمام

[1] شرح تجرید میں لکھا ہے۔ فذهب اهل السنة انه واجب علينا سمعاً وقالت المعتزلة والزيدية بل عقلاً اور شرح مواقف میں مذکور ہے۔ نصب الامام عندنا واجب علينا سمعاً وقالت المعتزلة والزيدية بل عقلاً اور شرح طوالع الانوار میں آیا ہے اوجبت المعتزلة والزيدية نصب الامام علينا بالدليل العقلي۔ ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ امام کا تقرر معتزلہ اور زیدیہ کے نزدیک مخلوق پر دلیل عقلی سے واجب ہے، اور کتاب الازہار سے معلوم ہوتا ہے کہ زیدیہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ وجوب امامت کا طریق شرع ہے۔ اور اس کتاب کا شارح کہتا ہے۔ کہ یہی مذہب جمہور معتزلہ کا ہے اور امام رازی نے بھی یہی کہا ہے۔ چنانچہ اُنکا قول اربعین میں یہ ہے۔ قالوا النصب واجب والطريق الى معرفة هذا الوجوب السمع دون العقل وهذا قول اصحابنا واكثر المعتزلة والزيدية بعد اسکے امام نے کہا ہے کہ متاخرین معتزلہ میں سے ابو الحسین بصری اور قدمائے معتزلہ میں سے جاحظ اور خیاط اور ابو القاسم کعبی کا قول یہ ہے کہ امام کا تقرر خلق پر عقلاً واجب ہے اور شرح مقاصد میں ہے واجب علينا سمعاً عند اهل السنة وعامة المعتزلة وعقلاً عند الجاحظ والخياط والكعبي وابي الحسين البصري اور تحقیق اس مقام کی یہی کہ زیادہ تر معتزلہ اس مذہب پر ہیں کہ امام کا مقرر کرنا خلق پر شرعاً واجب ہے چنانچہ کتاب الازہار کی شرح میں جمہور کا لفظ اور اربعین میں اکثر کا لفظ اور شرح مقاصد میں عامہ کا لفظ اس بات کی تنبیہ کے لئے معتزلہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور یہی مذہب مشہور زیدیہ کا ہے، اسی وجہ سے امام صاحب نے اربعین میں اكثر المعتزلة والزيدية کہا ہے اور مطلب انکا یہ ہے کہ جمہور معتزلہ اور جمہور زیدیہ کا ایک سا مذہب ہے، اور بعض معتزلہ اور بعض زیدیہ کا یہ مذہب ہے کہ امام کا مقرر کرنا خلق پر عقلاً واجب ہے فقط شارح مواقف اور شارح تجرید اور شارح طوالع الانوار وغیرہ صرف یہ لکھکر وقالت المعتزلة والزيدية بل عقلاً ساکت ہوگئے۔ اور اکثر معتزلہ اور اکثر زیدیہ کا مذہب ذکر نکیا۔ اور امام صاحب اور مصنف کتاب الازہار نے بعض زیدیہ کے مذہب کے ذکر کو چھوڑ دیا۔ ۱۲ منہ

امت کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ کوئی آدمی صرف امامت کی صلاحیت رکھنے سے
امام نہیں بن سکتا۔ بلکہ امام مقرر ہونے کے لئے کچھ اور بھی چیزوں کی ضرورت ہے
اور وہ چیزیں یہ ہیں (۱) اللہ اور رسول کی طرف سے نص وارد ہونا یا امام سابق
کا ولی عہد بنانا اور وصیت کرنا (۲) امامت کے لئے دعوت کرنا (۳) اعیان
و ارکان کا بیعت کرنا۔ پہلی چیز یعنی نص منصوص علیہ کے امام ہونے کا سبب
مستقل ہے۔ پچھلے دونوں طریق ایسے ہیں۔ کہ انکے سبب مستقل ہونے میں اختلاف
ہے۔ امامیہ ان دونوں طریق کو نہیں مانتے۔ مگر معتزلہ اور اہل سنت اور خوارج اور
زیدیہ میں سے صالحیہ کہتے ہیں۔ کہ اختیار کر لینا بھی امامت کے ثبوت کا طریق
ہے۔ اور صرف زیدیہ کا مذہب یہ ہے کہ دعوت بھی ثبوت امامت کا طریق ہے
شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ صالحیہ اسکے قائل نہیں مگر کتاب الازہار کا شارح صالحیہ کا بھی یہی مذہب
بتاتا ہے اور دعوت کے یہ معنی ہیں کہ جسمیں شرایط امامت کے جمع ہیں وہ مظلوموں کی مدد کرے امر معروف اور نہی منکر
بجا لائے اور اپنی متابعت کے لئے لوگوں کو بلائے۔ اسی لئے انکی رائے یہ ہے کہ جو فاطمی تلوار لیکر خروج کرے اور اللہ کی راہ
کیطرف دعوت کرے وہ امام ہے پس انکے نزدیک دعوت حصول امامت کا سبب ٹھیرا۔ اہل
مذاہب میں سے سوائے جبائی[۱] کے کسی نے انکی اس تجویز کے ساتھ موافقت
نہیں کی ہے[۲]۔ امامیہ کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی آدمی امامت کی دعوت کرے۔ اسکی
شوکت بڑھ جائے۔ امت اسکی دعوت قبول کرلے۔ مگر امامت اسکی صحیح نہیں
معتزلہ اور اہل سنت کہتے ہیں۔ کہ بیعت کا منعقد ہو جانا حصول امامت کا سبب
ہے۔ اور امامیہ کے نزدیک صرف بیعت سے امامت نہیں حاصل ہو سکتی۔
اور امامیہ بلکہ تمام شیعہ کہتے ہیں۔ کہ فاضل موجود ہوتے مفضول کی امامت
درست نہیں اور اہل سنت میں سے شیخ ابو الحسن کا میلان بھی اسی جانب
ہے۔ اور شیخ ابو المنصور کا مذہب یہ ہے کہ امامت مفضول کی فاضل کے موجود

---

[۱] شرح مقاصد میں ہے۔ قال بہ غیر الصالحیۃ من الزیدیۃ ۱۲ منہ

[۲] دیکھو شرح مقاصد و نہایۃ العقول ۱۲

ہونے ہوئے منحقق ہوجاتی ہے[1] اور امامیہ کہتے ہیں کہ خلافت جامع وشامل ہے
امامت اور سلطنت کو خواہ حقیت کے ساتھ ہو جیسے حضرت علی کی خلافت کہ
وہ امامت وسلطنت وحقیت تینوں باتوں کو جامع تھی یا صرف غلبے اور تسلط
کے ساتھ ہو جیسے خلافت خلفائے ثلثہ کی کہ وہ حقیت کے ساتھ نہ تھی۔ اور نہ
وہ امامت کو جامع تھی۔ اور امامت خاص ہے یعنی صرف نبی کی نیابت
بدون سلطنت وامارت وحکومت کے اسی لئے شیعہ خلفائے ثلثہ کو امام نہیں
جانتے۔ اور ائمہ اثنا عشر کو امام مانتے ہیں۔ اور محققین اہل سنت خلافت عامہ
اور امامت دونوں کو مترادف جانتے ہیں۔ اور دونوں کے معنی پادشاہی کے
لیتے ہیں جو واسطے انتظام دین اسلام کے پیغمبر علیہ السلام کی نیابت میں ہو
اور کہتے ہیں کہ جب خلیفہ میں دین اسلام کا انتظام کرنے کے صفات ہوں
اور حکم اسکا جاری ہو تو یہ بادشاہی اسکے لئے موجب گناہ نہیں۔ افضل
امت ہو یا نہ ہو اور امامیہ کہتے ہیں کہ افضل امت ہو کہ حکم الہی ہو اسکی اطاعت تمام امت پر واجب ہے بادشاہ
اور فرمانروا ہو یا نہ ہو شہید میں سالمی نے لکھا ہے کہ امامیہ کے نزدیک امام کا معصوم ہونا واجب ہے اور معتزلہ نے بھی
امام کا معصوم ہونا واجب قرار دیا ہے بلکہ معتزلہ کے نزدیک امام نماز کا بھی معصوم ہونا واجب ہے
اگر معصوم نہ ہوگا۔ تو اسکے پیچھے نماز ناجائز ہوگی۔ مگر سالمی کا یہ قول غلط ہے
نہایت العقول میں امام رازی نے لکھا ہے کہ تمام امت میں سوائے ملاحدہ اور
امامیہ کے کوئی بھی امام کے لئے عصمت شرط نہیں قرار دیتا۔ بلکہ اربعین میں تو
امام صاحب نے صاف الفاظ میں کہدیا ہے کہ اہل سنت اور معتزلہ اور زیدیہ
اور خوارج کے نزدیک امام کا معصوم ہونا واجب نہیں اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ
کے نزدیک معصوم ہونا واجب ہے۔ معارف شرح صحائف میں بھی کہا ہے کہ اہل
سنت اور معتزلہ اور زیدیہ عصمت امام کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک عدالت

[1] دیکھو اعتماد ۱۲ ؁ھ اتحاف المرید شرح جوہرۃ التوحید میں مذکور ہے ومتی اطلقت الامامۃ
انصرفت للخلافۃ وہی ریاسۃ عامۃ فی امور الدین والدنیا نیابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

ظاہری کافی ہے امامیہ کہتے ہیں کہ عصمت ایک ایسی صفت ہے کہ جس میں وہ ہوتی ہے اس شخص سے گناہ نہ عمداً سرزد ہوتے ہیں نہ سہواً نہ خطاءً اور نہ اس سے حکم شرعی میں خطائے اجتہادی واقع ہو سکتی ہے۔ اور اس وجہ سے ائمہ کا قول مثل قول انبیا کے واجب الاتباع ہے۔ اور انکا ارشاد عین اللہ کا فرمان ہے۔ اور انکی نسبت آنحضرت کے ساتھ ایسی ہے جیسے اور انبیا کی حضرت موسے کے ساتھ تھی۔ جو توارات پر عمل کرنے کے لئے منجانب اللہ مامور تھے اور اہل سنت کے نزدیک ایسی عصمت انبیا سے خصوصیت رکھتی ہے خاص ان امور میں جنکی خبر وحی کے ذریعہ سے اُنکو حاصل ہوتی ہے۔ اور اُنپر وہ مستقر ہوتے ہیں ائمہ اہل بیت کا حال دوسرے مجتہدین کا سا ہے۔ ان کے اجتہاد میں خطا جائز ہے۔ جبکہ انبیا سے اجتہادات میں خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ تو ان سے کیونکر سرزد نہیں ہو سکتیں [۱]۔ اور اہل سنت کے نزدیک مسئلہ افضلیت ظنی ہے اسکی قطعیت پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ اور مسئلہ ترتیب خلافت پہ متفرع نہیں اور نہ ترتیب خلافت پر موقوف ہے۔ اگر فرض کیا جائے۔ کہ خلافت اس ترتیب پر نہ ہوتی۔ تب بھی ترتیب افضلیت اُسی نہج پر ہوتی۔ کہ سب اصحاب رسول میں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم تمام اہل سنت وجماعت اور قدمائے معتزلہ اسی مذہب پر ہیں اور خوارج اور نواصب کے نزدیک بھی صرف حق شیخین میں یہی ترتیب ہے اور خطابیہ کے نزدیک سب سے افضل حضرت عمر ہیں۔ اور فرقۂ عباسیہ جو امامت حضرت عباس اور انکی اولاد کا قائل ہے افضل اصحاب عباس بن عبد المطلب کو جانتا ہے۔ اور شیعہ تمام علی الاتفاق حضرت علی کو سب سے افضل کہتے ہیں۔ اور معتزلہ متاخرین کا بھی یہی مذہب ہے

لوگوں نے امام میں بعد سرور کائنات کے اختلاف کیا ہے جمہور کا مذہب

---

[۱] دیکھو شرح مسلم الثبوت مولفہ بحر العلوم ۱۲

یہ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ عباسیہ کا مذہب یہ ہے کہ عباس بن عبد المطلب ہیں اسلئے کہ وہ حضرت کے چچا اور وارث تھے۔ تو وہ ابن عم سے زیادہ حقدار ہیں۔ اور کشف الغمہ عن افتراق الامہ میں لکھا ہے۔ کہ یہی مذہب ربوبدیہ کا ہے۔ جو ابو ہریرہ ربوبدی یا عباس ربوبدی کے اصحاب ہیں۔ اور شرح مقاصد میں ربوبدیہ کی جگہ روندیہ پیروان قاسم بن روند لکھا ہے۔ اور عثمانیہ اور بنو امیہ نے کہا حضرت عثمان بن عفان ہیں اور حشویہ نے کہا۔ کہ سوائے بنی امیہ کے اور کوئی امام نہیں۔ پھر اوروں نے کچھ اور کہا۔ شیعہ کا قول ہے۔ کہ حضرت علی بن ابی طالب امام ہیں پھر شیعوں کے یہاں امامت میں ایک بڑا اختلاف پڑا یہانتک کہ اس باب میں تین سو فرقے ہو گئے۔ شیعہ زیدیہ میں سے بعض فرقے امامت حضرت ابو بکر کے مقر ہیں۔ جمہور اہل سنت اور معتزلہ اور خوارج اور مرجیہ کا یہ مذہب ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنے بعد کسی کے امام ہونے کی نسبت نص نہیں کی تھی۔ انکے سوا اسلام کے اور فرقے قائل ہیں۔ اس بات کے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نص کی ہے پھر اس میں اختلاف ہے۔ کہ نص کس شخص کے لئے کی ہے بکریہ[۱] یا ابو بکریہ[۲] کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابو بکر کے لئے نص کی ہے پھر اس فرقے میں بھی باہم اس بات کا اختلاف ہے کہ بعضے حضرت سے نص خفی ثابت کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں حضرت ابو بکر کو امام نماز بنایا تھا۔ اور یہ حسن بصری کی رائے ہے۔ بعض اہل حدیث نص جلی کے قائل ہیں اور وہ یہ ہے ایتونی بقرطاس اکتب لابا بکر کتابا لا یختلف فیہ اثنان کذا فی نهایة العقول یعنی لاؤ کاغذ تاکہ میں لکھ دوں ابی بکر کے لئے ایک تحریر کردوں۔ کہ پھر اس میں دو شخصوں کو بھی خلاف کرنیکا موقع نہ ملے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ

[۱] یہ لفظ شرح عقائد جلالی میں لکھا ہے ۱۲ منہ [۲] یہ لفظ شرح الشرح عقائد جلالی میں ہے ۱۲ منہ

نے مرض الموت میں بی بی عائشہ سے فرمایا۔ ادعی لی ابابکر اباک و اخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی الله والمسلمون الا ابابکر کذا فی صحیح المسلم یعنی تم اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلالو تاکہ ایک کاغذ لکھدوں۔ کیونکہ میں اس سے ڈرتا ہوں۔ کہ آرزو کرنے والا یہ آرزو کرے۔ اور کوئی کہنے والا یہ کہے کہ میں مستحق ہوں۔ حالانکہ وہ مستحق نہ ہوگا۔ اللہ اور مسلمان انکار کرتے ہیں۔ مگر ابوبکر سے کسی کو انکار نہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے حق میں نص کی تھی۔ اور تمام شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جناب امیر کی امامت کے باب میں نص خفی ثابت ہے۔ اور نص خفی اسے کہتے ہیں۔ کہ جس سے مراد بالبداہت نہ معلوم ہوتی ہو۔ اور نص جلی جناب امیر کے حق میں وارد ہونے کے زیدیہ تو منکر ہیں۔ اور امامیہ اسکے قائل ہیں۔ وہ نص یہ ہے کہ آنحضرت نے صحابہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا تھا سلموا علی علی بامرۃ المومنین واسمعوا له واطیعوا له یعلموه ولا تعلموه۔ یعنی سلام کرو علی کو بطور امیر المومنین کے اور سنو اس سے اور اطاعت کرو اسکی اور سیکھو اس سے اور نہ سکھلاؤ اسے اور جناب رسالت مآب نے حضرت علی سے مخاطب ہوکر فرمایا یا علی انت اخی ووارثی وعلمی وانت الخلیفة من بعدی وانت قاضی دینی۔

یعنی اے علی تم میرے بھائی ہو۔ اور تم میرے علم کے وارث ہو۔ اور تم میرے بعد خلیفہ ہو۔ اور تم میرے قرض کے ادا کرنے والے ہو۔ اور جو لوگ عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے قائل ہیں۔ انہوں نے نص کا ذکر تو نہیں کیا۔ مگر انکے امام ہونے کے باب میں آنحضرت کے ایسے اقوال کا ذکر کرتے ہیں جن سے سمجھا جاتا ہے۔ کہ اوروں کی بہ نسبت خلافت کے لئے وہی حق ہیں سکتا ب بیسر میں لکھا ہے۔ کہ بعض اہل حدیث کا یہ قول ہے۔ کہ حضرت سرور عالم نے اپنے چچا عباس کی امامت کے لئے کہدیا تھا۔ اور عبدہ نسخی میں

مذکور ہے۔ کہ بعض راوندیہ یہ کہتے ہیں۔ کہ امامت کا ثبوت وراثت کے ساتھ ہے صناجۃ الطرب میں بیان کیا ہے کہ خراسانی بنی عباس کے شیعہ کا گروہ راوندیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے امامت کا استحقاق سب سے زیادہ انکے چچا عباس کو تھا کیونکہ وارث بھی وہی تھے۔ اور انکی وفات کے وقت زندہ بھی تھے۔ اور اپنی سند میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ والوالارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ ۃ جسکے معنی یہ ہیں۔ کہ بعض قرابت دار بعض قرابتداروں سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ مگر لوگوں نے انکو امام نہ ہونے دیا۔ اور انکا حق غصب کیا۔ یہانتک کہ خدا تعالیٰ نے وہی حق انکی اولاد تک پہنچا دیا۔ یہ لوگ ابوبکر اور عمر اور عثمان کو خلیفہ نہیں مانتے۔ اور بالکل ان سے بری ہوتے ہیں۔ مگر حضرت علی کی بیعت کو جائز سمجھتے تھے۔ اس سبب سے کہ عباس نے ان سے کہا تھا کہ اے میرے بھتیجے آؤ میں تم سے بیعت کروں۔ تاکہ کوئی شخص تمہاری امامت میں اختلاف نہ کرے۔

ہدایہ فی اصول الدین میں لکھا ہے کہ اکثر مشائخ نے کہا ہے۔ کہ طریق اثبات امامت کا ارشاد ہے۔ اور اہل سنت کہتے ہیں۔ کہ خلافت اور امامت کا وجود ان دو طور سے ہوا ہے ایک اہل حل وعقد کی بیعت سے دوسرے استخلاف سے انکے نزدیک امامت کا سارا مبحث مسائل فقہیہ سے ہے اس لئے کہ امام کا مقرر کرنا امت پر بدلیل سمعی واجب ہے۔ پس یہ حکم مکلف سے تعلق ہے۔ جو فقہ کا موضوع ہے۔ مگر اہل سنت اور غیر اہل سنت کا اختلاف کھول دینے کی غرض سے علم کلام میں لے آتے ہیں۔ اور امامیہ مسئلہ امامت کو اصول عقائد سے جانتے ہیں اسلئے اپنی جانوں کو امامیہ کہتے ہیں۔ اور انکا اعتقاد یہ ہے کہ زمان تکلیف امام فاطمی سے خالی نہیں ہوتا۔ اور امامت اولاد بی بی فاطمہ میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کی وجہ سے اور قدر مشترک انکے سارے فرقوں میں یہی

عقیدہ ہے۔ اور انکے نزدیک سارے صحابہ مرتد ہو گئے۔ مگر حضرت علی اور ان کے
دونوں صاحبزادے امام حسن و امام حسین اور ابوذر غفاری اور سلمان فارسی اور
کچھ اور تھوڑے سے لوگ ارتداد سے بچ گئے۔ ان کے نزدیک امام وہ شخص ہے
کہ معصوم ہو۔ گناہان صغیرہ وکبیرہ سے اور خطا وغلطی سے مثل نبی کے اور محدث
ہو یعنی ملک نے اس سے کلام کیا ہو۔ بغیر اسکے کہ ملک اسکے سامنے ظاہر ہوا ہو
ہاں پیام الہی اوسکو پہنچایا ہو۔ امامیہ کے نزدیک مثل پیغمبر کے امام کی اطاعت
خلائق پر واجب ہے۔ اور تحریم وتحلیل وغیرہ تمام امور دینی اُسی پر مفوض ہوتے
ہیں۔ جو چاہے کرے۔ اور جو تصرف چاہے عمل میں لائے۔ اور کسی کو اُس کے
قول وفعل پر مجال دم زدن نہیں ہوتی۔ نہ یارائے عدم فرماں بری چہ جائے
اعتراض ومحل سخن اور امام کے لئے دعوے امامت اور اظہار معجزہ مشروط گردانتے
ہیں۔ اور انکے نزدیک امام کا مقرر کرنا لطف ہے۔ اور لطف اللہ پر واجب ہے
پس امام کا مقرر کرنا اللہ پر واجب ہے۔ اور انکے نزدیک امامت کا ثبوت نص
سے ہوتا ہے۔ بدوں نص رسول کے یا نص امام سابق کے لاحق کے لئے امامت
مسلم نہیں۔ سب سے پہلے جس سے مذہب امامیہ میں کلام کیا۔ علی بن اسماعیل
بیثم تمار اور ہشام بن الحکم اور ہشام بن سالم جوالیقی ومحمد بن علی بن نعمان کوفی
و زرارہ بن اعین کوفی ہیں۔ کہ بعد قتل زید شہید کے ان لوگوں نے شیعہ کیسانیہ و
مختاریہ کو امام محمد باقر و امام جعفر صادق کی امامت کی طرف دعوت کرنا شروع کی
اور انکے گروہ بڑھ گئے۔ اور اپنے واسطے خاص امامیہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اور
زید شہید کے اتباع کو زیدیہ کہنے لگے۔ اور ان دعاۃ امامیہ نے اپنے نفسوں کو
امام زین العابدین اور انکی اولاد کی طرف منسوب کیا۔ اور محمد بن حنفیہ اور انکی
اولاد کی امامت سے انکار کرنے لگے جس قدر مختاریہ رہ گئے تھے۔ وہ اور جماعت
تفضیلیہ ان میں مل گئی۔ اور مذہب امامیہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ یہی لوگ مذہب
امامیہ کے پیشوا اور اسلاف ہیں۔ اور انکے مذہب کے راوی بھی یہی ہیں۔ انہیں سے

امامیہ نے اپنے دین و مذہب کو لیا ہے۔ اور انکے قول و فعل پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اور زرارہ بن اعین اور بکر بن اعین و سلیمان جعفری و محمد بن مسلم وغیرہ کو عیون الطائفہ و وجوہ الطائفہ کہتے ہیں حالانکہ یہ مجسمہ ہیں۔ کہ اپنے واسطے معبود موہوم ذہنی تراش کے اُسکے واسطے جسم اور صورت اور جہت ثابت کرتے ہیں چنانچہ علی بن اسماعیل میثم اور ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم اور محمد بن علی بن نعمان کوفی متفقاًیہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالے آسمان دنیا پر نزول کرتا ہے۔ تو ملائکہ آسمانہائے بالا اور حاملان عرش و کرسی اور ساکنان جنت اُسکے اوپر ہو جاتے ہیں۔ پس اُنکے مقابلے میں اللہ تعالے جہت تحت میں ہوتا ہے اور جن ائمہ کے یہ داعی بننے کے مدعی تھے۔ وہ ان باتوں سے متنفر تھے شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے۔ کہ امامیہ کے نزدیک حسن و قبح ہی اللہ کی طرف سے حکم کا موجب ہوتا ہے۔ پس اگر شرع نہوتی۔ اور اللہ افعال ایجاد کرتا۔ تو احکام اسی طرح واجب ہوتے۔ جیسا کہ اب شرع میں واجب کئے گئے ہیں۔ اور ان کے نزدیک اللہ تعالے کا ارادہ حادث ہے۔ اور اسکا ارادہ سارے موجودات پر عام و محیط نہیں۔ بلکہ بہت سے موجودات اُسکے بلا ارادہ پیدا ہو گئے ہیں جیسے شر اور آذیت اور کفر اور معصیت اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اللہ بعض بندوں کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے مگر شیطان و مغویان بنی آدم اُسے گمراہ کر دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالے کا ارادہ اُنکے سامنے نہیں چل سکتا۔ اور کہتے ہیں تکلیف اللہ تعالے پر واجب ہے۔ اور امامیہ اکثر صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے حق حضرت علی کو چھین لیا۔ اور چھپایا۔ اور ان فرقہائے امامیہ کی دو قسمیں ہیں۔ **ایک** قسم میں وہ فرقے ہیں جو جناب امیر کے بعد حضرت امام حسن اور انکی اولاد میں امامت کو منحصر سمجھتے ہیں **دوسری** قسم میں وہ فرقے ہیں جو حضرت امام حسن کے بعد حضرت امام حسین کو امام جانتے ہیں۔ اور ان کے بعد انکی اولاد کو

وہ فرقے جو حضرت حسن اور انکی اولاد میں امامت کو منحصر سمجھتے ہیں

ایک حسنیہ ان کا ظہور ۱۹۵ھ میں ہوا ان کا اعتقاد یہ ہے کہ جناب امیر کے بعد حضرت حسن مجتبے کو امامت پہنچی پھر انکے بیٹے حسن مثنےٰ کو امام حسن کی وصیت سے امامت پہنچی۔ ابونعیم نے روایت کی ہے کہ یہ حسن مثنے حدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" (یعنی میں جسکا ہوں۔ اسکا علی مولا ہے) کو حضرت علی کی خلافت پر نص نہیں مانتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قول سے خلافت کا ارادہ رکھتے۔ تو مسلمانوں کے سمجھنے کے لئے واضح کرکے بیان کرتے اس لئے کہ حضرت تمام آدمیوں سے زیادہ فصیح اور تمام آدمیوں سے زیادہ صاف بولنے والے تھے۔ تو ضرور تھا کہ فرماتے **یا ایہا الناس ھذا اولی امری والقائم علیکم بعدی فاسمعوا ولطیعوا** یعنی اے لوگو یہ والی میرے امر کا اور قائم مقام تمپر میرے بعد ہے۔ سو تم اسکے حکم کو سنو اور اسکی اطاعت کرو پھر انہوں نے کہا۔ کہ خدا کی قسم اگر اللہ اور اسکا رسول حضرت علی کو اس کام کے لئے اختیار کرتا۔ اور حضرت علی اُسکی تعمیل نکرتے۔ اور اس کام میں پیش قدمی نفرماتے تو ضرور فرمان الہی اور فرمان حضرت رسالت پناہی کے ترک کرنے کی وجہ سے بڑے خطاوار لوگوں میں ہوتے۔ ایک آدمی نے حسن مثنے کا یہ کلام سنکر کہا کہ کیا جناب سرور کائنات نے یہ نہیں فرمایا ہے من کنت مولاہ فعلی مولاہ حسن مثنے نے جواب دیا۔ آگاہ ہو۔ کہ خدا کی قسم رسول خدا اگر اس قول سے خلافت کا ارادہ کرتے۔ تو وہ اپنی مراد کو خوب کھولدیتے اور تصریح کردیتے جس طرح نماز اور زکوٰۃ کو صاف صاف بیان کیا ہے حسن مثنے کے بعد اُنکے بیٹے **عبداللہ محض** امام ہوئے۔ اور ان عبداللہ کے ساتھ امام جعفر صادق کا مناقشہ طول طویل اور اس میں بہت کچھ رد و بدل واقع ہوا تھا۔ جو کتب اثنا عشریہ میں مذکور ہے اور ایک تقریب سے ملا رفیع واعظ نے بھی ابواب الجنان میں کلینی سے نقل کیا ہے

منصور خلیفۂ بغداد نے عبد اللہ محض کو قید کر دیا۔ وجہ اسکی یہ ہوئی کہ انکے دو بیٹے محمد اور ابراہیم منصور سے چھپ گئے تھے منصور کو یہ خیال ہوا کہ کہیں یہ امامت کا دعوے کرکے خروج نکر دیں منصور نے عبد اللہ محض کو محمد کے حاضر کرنے پر مجبور کرنا شروع کیا۔ عبد اللہ نے سلیمان بن علی سے اسکی بابت مشورہ کیا۔ سلیمان نے کہا اگر منصور درگذر کرنیکا عادی ہوتا۔ تو اپنے چچا عبد اللہ بن علی سے درگذر کرتا۔ عبد اللہ یہ سنکر متنبہ ہوگئے۔ اور اس وقت سے برابر اپنے بیٹوں کے چھپانے میں سعی بلیغ کرنے لگے۔ منصور نے جاسوسوں کو حجاز کے تمام جنگلوں میں محمد کی جستجو کے لئے پھیلا دیا۔ کوئی چشمہ کوئی مقام ایسا نہیں تھا جہاں پر منصور کے جاسوس نہ بیٹھے ہوں۔ جب اس میں بھی منصور کو کامیابی نہوئی۔ ایکبار منصور نے عقبہ بن سالم ازدی کو بلا کے ایک خط محمد کے ہوا خواہان خراسان کی جانب سے لکھ کے دیا۔ اور بہت سا مال و اسباب دیکے عبد اللہ محض کے پاس روانہ کیا۔ جوں ہی عقبہ نے عبد اللہ کے پاس پہنچ کے ہوا خواہان خراسان کا جعلی خط اور مال و اسباب دیا۔ عبد اللہ نے خط پھینک دیا۔ جھڑک کے بولے میں ان لوگوں کو نہیں جانتا۔ تم میرے پاس سے چلے جاؤ۔ اس وقت تو عقبہ چلا آیا لیکن وقتاً فوقتاً آتا جاتا رہا۔ یہانتک کہ عبد اللہ اس سے مانوس ہوگئے۔ اور اپنے دلی حالات کہنے لگے۔ عقبہ نے عرض کیا اس خط کا جواب لکھ دیجئے۔ عبد اللہ نے جواب دیا۔ خط کا جواب تو نہ لکھونگا۔ مگر ان لوگوں سے میرا سلام کہدینا۔ اور یہ کہدینا کہ میرے دونوں بیٹے فلاں وقت خروج کرینگے۔ عقبہ لوٹ کے منصور کے پاس آیا کل حالات عرض کئے۔ منصور نے بقصد حج کوچ کر دیا۔ مکہ پہنچا۔ بنو حسن ملنے کو آئے عبد اللہ بھی انکے ساتھ تھے۔ منصور نے عبد اللہ سے خطاب کرکے کہا کہ کیوں صاحب آپ نے تو اقرار کیا تھا۔ کہ ہم کبھی مخالفت نکرینگے۔ عبد اللہ بولے میں اس وقت تک اسی اقرار پر ہوں۔ منصور نے عقبہ سے مقابلہ کرایا۔ عقبہ نے عبد اللہ کے سامنے ایک ایک بات بیان کی۔ منصور نے یہ باتیں سنکے عبد اللہ کے قید

کا حکم دیدیا۔ پھر سنہ ۱۴۰ھ میں منصور حج کرنے کو آیا۔ اور عبداللہ کو انکے دونوں بیٹوں محمدؒ و ابراہیم کے حاضر کرنے پر مجبور کیا۔ زیاد عامل مدینہ نے ضمانت کی تو غریب کی جان بچی۔ سنہ ۱۴۴ھ میں ریاح بن عثمان بن حیان مزنی کو مدینۂ منورہ پر مقرر کرکے روانہ کیا۔ اس نے مدینے میں پہنچ کے عبداللہ کو لڑکوں کے نہ حاضر کرنے پر دھمکی دی عتاب شاہی سے ڈرایا۔ عبداللہ نے کہا واللہ تو آج ایسا قسی القلب ہو رہا ہے۔ جیسا کہ قصاب بکری کے ذبح کرنے کے وقت ہو جاتا ہے

بعد اسکے ریاح نے بنو حسن کو گرفتار کراکے قید کر دیا۔ جنکے اسمایہ تھے عبداللہ بن حسن مثنی بن حسن سبط بن امیر المومنین علی حسنؑ ابراہیم و جعفر پسران حسن مثنی سلیمانؑ و عبداللہ پسران داؤد بن حسن مثنی محمد و اسمٰعیلؑ و اسحٰق پسران ابراہیم بن حسن مثنی عباس بن حسن مثنی موسیٰ بن عبداللہ محض بن حسن مثنی علی بن حسن بن حسن بن علی العابد نہ تھے۔ اگلے دن ریاح کے پاس گئے۔ فرمایا میں تیرے پاس اس غرض سے آیا ہوں۔ کہ تو مجھ کو بھی میری قوم کے ساتھ قید کر دے ریاح نے انکو بھی انہیں لوگوں کے ساتھ قید کر دیا۔ منصور کو اسکی اطلاع دیگئی تو اُس نے لکھا کہ انہیں لوگوں کے ساتھ محمدؒ بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان معروف بہ دیباج کو بھی قید کر دو۔ یہ عبداللہ محض کے اخیافی بھائی تھے کیونکہ ان دونوں کی ماں فاطمہ بنت الحسین ہیں۔ ریاح نے اس فرمان کے مطابق محمدؒ بن عبداللہ کو پکڑوا کے قید کر دیا۔ انہیں ایام میں گورنر مصر نے علی بن محمدؒ بن عبداللہ محض کو گرفتار کرکے منصور کے پاس بھیج دیا تھا۔ انکو انکے باپ نے دعوت دینے کی غرض سے مصر بھیجا تھا۔ بعض کا بیان ہے۔ کہ پہلے عبداللہ محض قید کئے گئے تھے۔ اور ایک مدت تک قید میں رہے۔ بعد چندے منصور کے مشیروں نے بقیہ اولاد حسن مثنے بن حسن سبط کے قید کر دینے کی رائے دی چنانچہ سب کے سب گرفتار ہو کے قید خانہ بھیج دئے گئے۔ اس واقعہ کے بعد سنہ ۱۴۴ھ میں منصور حج کرنیکو گیا۔ مکہ معظمہ پہنچا۔ عبداللہ محض نے حاضری کی اجازت طلب کی۔ منصور نے کہا واللہ میری آنکھیں اُسکو اس وقت تک نہ

دیکھینگی جب تک وہ اپنے دونوں بیٹوں کو میرے پاس حاضر نہ کریگا عبداللہ محض نہایت محسن مقبول خلائق اور بیحد خلیق تھے جس سے جو کچھ کہتے تھے وہ قبول کر لیتا تھا۔ ادائے حج کے بعد منصور ربذہ کی طرف روانہ ہوا۔ ریاح بھی بنظر مشایعت کے ساتھ ساتھ آیا منصور نے اولاد حسن کو مع ان لوگوں کے جو ان کے ساتھ تھے عراق بھیج دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ ریاح نے ان لوگوں کو قید خانے سے نکال کے ہتکڑیاں۔ طوق اور بیڑیاں پہناکے بغیر کجاوے کے اونٹوں پر سوار کرا کے عراق کی جانب روانہ کر دیا جعفر الصادق پردے کی آڑ سے یہ سب معاملات دیکھتے جاتے تھے۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دوران سفر میں محمد و ابراہیم بدوؤں کے لباس میں اپنے باپ عبداللہ کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔ اور خروج کی اجازت چاہتے تھے۔ عبداللہ محض کہا کرتے تھے۔ میرے نور نظر و عجلت نہ کرو۔ جب تک مناسب موقع ہاتھ نہ آئے اگر ابو جعفر منصور تمہاری کریمانہ زندگی کا مخالف ہو۔ تو تم لوگ اس سے باز نہ آنا۔ کہ کریمانہ موت مرو۔ ربذہ پہنچا۔ تو منصور کی خدمت میں محمد بن عبداللہ عثمانی پیش کئے گئے۔ منصور سخت کلامی سے پیش آیا گالیاں دیں۔ اس پر بھی صبر نہ آیا تو ایک سو پچاس درے لگوائے۔ بعضوں کا بیان ہے کہ ریاح نے منصور کو اس جبر و تعدی پر آمادہ کیا تھا۔ اور یہ ظاہر کیا تھا۔ کہ اہل شام انکے ایسے ہواخواہ ہیں۔ کہ اُن میں سے ایک بھی انکی مخالفت نکریگا۔ اس واقعہ کے بعد ابوعون گورنر خراسان نے منصور کے پاس ایک عرضداشت بایں مضمون روانہ کی۔ کہ اہل خراسان میں اندرونی سازشیں بہت ہو رہی ہیں۔ اور یہ لوگ محمد بن عبداللہ کے خروج کا انتظار کر رہے ہیں منصور نے اس مطلع ہوتے ہی محمد بن عبداللہ عثمانی کو قتل کی غرض سے جلاد کے حوالہ کر دیا۔ اور سر اتروا کے خراسان بھیج دیا اس سر کے ساتھ چند آدمی ایسے بھیجے گئے تھے جنہوں نے خراسان پہنچ کے قسم کھائی تھی۔ کہ یہ سر محمد بن عبداللہ محض کا ہے۔ اور انکی دادی کا نام

فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ پھر منصور ربذہ سے روانہ ہوکے کوفہ پہنچا اور بنو حسن کو قصر ابن ہبیرہ میں قید کردیا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ پہلے ان میں سے محمد بن ابراہیم بن حسن مثنے شہید کئے گئے۔ اس طرح پر کہ زندہ ستون میں چن دئے گئے۔ بعد ازاں عبداللہ محض بن حسن مثنے بعدہ علی بن حسن مثنے نے وفات پائی کہا جاتا ہے کہ منصور کے حکم سے یہ لوگ شہید کئے گئے۔ ان میں بجز سلیمان و عبداللہ پسران داؤد اور اسحاق و اسماعیل پسران ابراہیم بن حسن اور جعفر بن حسن کے اور کوئی جانبر نہوا۔ سب کے سب کمال بیکسی سے منصور کے پنجۂ ظلم کے نذر ہوگئے۔

عبداللہ محض کے بعد انکے بیٹے محمدؐ الملقب بہ مہدی جن کا عرف نفس زکیہ ہے۔ امام ہوئے۔ ریاح حاکم مدینہ انکی تلاش میں سرگرمی سے کام لینے لگا۔ اور یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں چھپتے پھرتے تھے۔ اس روپوشی اور اختفا کی نوبت اس حد تک پہنچ گئی تھی۔ کہ ایک دفعہ کنوئیں میں ڈول کی طرح لٹک کے جان بچائی۔ اسی تگ و دو میں ایک پہاڑ پر سے انکی بیوی گر پڑیں۔ جسکے صدمے سے حمل ساقط ہوگیا۔ غرض ریاح ہر وقت محمدؐ کی جستجو و تلاش میں رہتا تھا۔ اور یہ چھپتے پھرتے تھے۔ جب بھاگنے اور چھپنے سے تنگ آگئے تو بصلاح و مشورے اپنے ہمراہیوں کے خروج کا قصد کردیا۔ اور مذار مقام سے ایک سو پچاس آدمیوں کی جمعیت سے ۱۴۵ھ میں خروج کردیا۔ انکے ساتھی تکبیریں کہتے جاتے تھے۔ قیدخانے کی طرف آئے۔ قیدیوں کو رہا کیا۔ دار الامارت پر پہنچے اپنے ہمراہیوں کو ندا کرتے جاتے تھے۔ کہ کسی کو قتل نہ کرنا۔ وہاں داخل ہوکے ریاح اور اسکے بھائی عباس اور ابن مسلم بن عقبہ کو قید کردیا۔ بعد ازاں مسجد کی طرف آئے۔ منبر پر چڑھ کے خطبہ دیا۔ جس میں منصور کی اُن عادات و خصائل رذیلہ کا ذکر کیا جسکا وہ خوگر ہوگیا تھا۔ اور لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کے برتاؤ کرنیکا وعدہ کیا۔ اور ان سے امداد کے خواستگار ہوئے

مدینۂ منورہ کے انتظام سے فارغ ہو کے مکے کی جانب روانہ ہوئے۔ بوقت خروج اہل مدینہ نے امام مالک سے محمدؒ کے ساتھ خروج کرنیکی بابت باظہار اس امر کے استفسار کیا تھا۔ کہ ہماری گردنوں میں منصور کی بیعت کا ہار پڑا ہوا ہے۔ امام مالک نے جوابدیا۔ کہ منصور نے تم سے جبراً بیعت خلافت لی ہے۔ اور مجبور پر یمین نہیں ہے۔ اس سے لوگوں کے خیالات بدل گئے۔ اور بہ طیب خاطر محمدؒ کے اعوان و انصار میں شامل ہو گئے۔ منصور اس وجہ سے امام مالک سے ناراض ہو گیا۔ مگر امام مالک نے اپنا مکان نہ چھوڑا۔ اور امام ابوحنیفہ نے بھی مسلمانوں کو فتوے دیا۔ کہ اُنکے ساتھ خروج[1] کریں۔ محمدؒ مہدی نے اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر کو بھی بیعت کرنے کے لئے طلب کیا تھا۔ یہ ایک معمر شخص تھے انہوں نے کہلا بھیجا۔ اے بھتیجے واللہ تم مارے جاؤگے۔ میں تمہاری بیعت کیسے کروں۔ تھوڑے سے آدمی اس جواب کو سنکے پھر گئے۔ اور بنو معاویہ بن جعفر نے محمدؒ مہدی کا ساتھ دینے میں عجلت کی حمادہ بنت معاویہ نے اپنے چچا اسماعیل بن عبداللہ کے پاس حاضر ہو کے اپنے بھائیونکی شکایت کی۔ کہ اے چچا جان آپکے اس کلام سے کچھ لوگ محمدؒ سے جدا ہو گئے ہیں۔ اور ہنوز میرے بھائی انہیں کے ہمراہ ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ مبادا یہ لوگ بھی مارے نہ جائیں اسماعیل نے حمادہ کو ناکام لوٹا دیا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس سے حمادہ کو عداوت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ موقع پا کے اس نے اسماعیل کو قتل کر ڈالا۔ محمدؒ مہدی کے ظہور کے نویں دن ایک شخص آل اویس بن ابی سرح سے جسکا نام حسین بن صخر تھا طے مسافت کر کے منصور کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان واقعات سے اُس کو آگاہ کیا۔ منصور بولا تو نے اُسکو دیکھا ہے۔ عرض کیا۔ ہاں میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ ممبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میں نے اُن سے باتیں کی ہیں۔ منصور کو

---

[1] اسعاف الراغبین میں ابراہیم کے حالات میں لکھا ہے۔ وروی ان الامام ابا حنیفہ بایعہ وافتے الناس بالخروج معہ و مع اخیہ محمد ۱۲

اسکے کہنے کا یقین نہ آیا۔ اگلے دن سے مہدی کے خروج کی متواتر خبریں آنے لگیں۔ تب تو منصور کو خوف و ہراس پیدا ہوا اور کوفہ پہنچ کے قطع حجت کے خیال سے محمد مہدی کے پاس ایک خط مشعر امان لکھکے روانہ کیا۔ محمد نے اس کے اقوال کو رد کیا۔ اور اپنے شریف النسب ہونے پر فخر کیا۔ اور لکھا کہ ہمارا باپ علی وصی اور امام تھا۔ پس تم کیسے انکی ولایت کے وارث ہوگئے۔ حالانکہ ان کے بیٹے بقید حیات ہیں۔ میں اُسکا بیٹا ہوں جسکا جنت میں سب سے بڑا درجہ ہوگا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور بیٹا ہوں اُسکا جس پر دوزخ میں کمتر عذاب ہوگا (مراد اس سے ابو طالب ہے) منصور نے اُنکے خط کا جواب ویسا ہی ترکی بترکی دیا جیسا کہ انہوں نے لکھا تھا۔ جسکے بعض بعض فقرات کا ترجمہ یہ ہے۔ تمہارے فخر کا مدار عورتوں کی قرابت پر ہے جس سے جہال اور بازاری دھوکا کھا سکتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے عورتوں کو چچاؤں، باپوں، عصبہ اور ولیوں کی طرح نہیں بنایا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے چچا کو باپ کا قائمقام بنایا ہے۔ اور اگر اللہ تعالےٰ عورتوں کی قرابت کا لحاظ و پاس کرتا۔ تو آمنہ (مادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے نہایت قریب عزیز اور بڑی حق والی ہوتیں اور جنت میں داخل ہونے والوں سے اولے ہوتیں۔ اور تم نے جو فاطمہ ام ابو طالب اور اُس سے پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے۔ تو اسکی حالت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اُسکے کسی لڑکے اور کسی لڑکی کو اسلام نصیب نہیں کیا۔ اور اگر اللہ تعالےٰ مردوں میں سے کسی کو بوجہ قرابت دائرۂ اسلام میں داخل کرتا تو عبداللہ کو کرتا۔ اور وہ بیشک ہر طرح سے دنیا و آخرت میں بہتر تھے۔ اللہ تعالےٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ اور اس وقت آپکے چار چچا تھے۔ پس اللہ عزّ و جل نے آیۂ کریمہ وانذر عشیرتک الاقربین (یعنی ڈرا تو اپنے قریب ترین عزیزوں کو) نازل فرمائی۔ چنانچہ آپنے اُن لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ دین حق کی طرف بلایا۔ ان میں سے دو نے اس دین کو قبول کرلیا۔ از انجملہ ایک میرا باپ تھا

یعنی عباس اور دوسرے حمزہ اور دو نے دین حق قبول کرنے سے انکار کیا
ان میں سے ایک تمہارا باپ تھا یعنی ابو طالب اور دوسرا ابو لہب اس وجہ
سے اللہ تعالے نے ان دونوں کا سلسلہ ولایت آپ سے منقطع کر دیا۔ اور
آپ میں اور ان دونوں میں کوئی ذمہ و میراث نہ قائم کی۔ اور یہ کہنا کہ تم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکے ہو۔ سو اللہ تعالے تو اپنی کتاب میں یوں ارشاد
فرماتا ہے ماکان محمد ابا احد امن رجالکم۔ محمدؐ تم لوگوں میں سے کسی کے
باپ نہیں، لیکن تم لوگ انکی بیٹی کے بیٹے ہو۔ اور یہ بیشک قرابت قریبہ ہے
مگر اسکو میراث نہیں پہنچ سکتی۔ اور نہ یہ ولایت کی وارث ہو سکتی ہے۔ اور نہ
اسکو امامت جائز ہے۔ پس کیونکر اس قرابت کے ذریعہ سے تم وارث ہو سکتے ہو
اور تمہارے باپ نے ہر طرح اسکی خواہش کی تھی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو دن
میں نکالا۔ اور در پردہ انکو بیمار کیا۔ اور رات کے وقت دفن کیا۔ باوجود اس کے
لوگوں نے سوائے شیخین (ابوبکر و عمر) کے کسی کو منظور نہ کیا۔ اور جو تم نے علی
(رضی اللہ عنہ) اور انکے سابق الاسلام ہونے کی وجہ سے فخر کیا۔ تو اسکا جواب
یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات دوسرے کو نماز پڑھانے کا
حکم دیا تھا۔ بعد ازاں لوگ ایک کے بعد دوسرے کو امام بناتے گئے۔ اور ان کو
منتخب نہ کیا۔ حالانکہ یہ بھی اُن چھ بزرگوں میں تھے لیکن سبھوں نے اُن کو اس
امر کے قابل نہ سمجھ کے چھوڑ دیا۔ اور اُن لوگوں نے اس میں اُنکو حق دار خیال
کیا۔ اور عبد الرحمٰن نے تو انپر عثمان کو مقدم کر دیا۔ اور وہ اس معاملہ میں متہم بھی
ہیں۔ اور طلحہ و زبیر ان سے لڑے۔ اور سعد نے انکی بیعت سے انکار کیا۔ دروازہ
بند کر لیا۔ بعد ازاں معاویہ کی بیعت کی۔ بعد اسکے تمہارے باپ نے خلافت کی
پھر تمنا کی اور لڑے۔ اور ان سے انکے مصاحبین علیحدہ ہو گئے۔ اور قبل حکم مقرر
کرنے کے اُنکے ہوا خواہ اُن کے مستحق ہونے کی بابت مشکوک ہوئے۔ پھر انہوں
نے دو شخصوں کو برضا حکم مقرر کیا۔ اور اُنکو اللہ کا عہد و میثاق دیا۔ اُن دونوں

شخصوں نے انکی معزولی پر اتفاق کرلیا۔ پھر حسن خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے حکومت و خلافت کو معاویہ کے ہاتھ کپڑوں اور دراہم کے بدلے فروخت کر ڈالا اور حجاز چلے آئے۔ اور اپنے ہوا خواہوں کو معاویہ کے سپرد کردیا اور حکومت کو نااہل کے حوالے کردیا۔ پس اگر تمہارا کچھ حق بھی تھا۔ تو اُسکو تم نے فروخت کر ڈالا۔ اور قیمت وصول کرلی۔ شاید تم نے یہ گمان کیا ہے کہ تمہارے باپ کو حمزہ عباس اور جعفر پر مقدم ہونے کی وجہ سے ہم ذکر کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تمہارا گمان ہے۔ البتہ یہ لوگ دنیا سے ایسے صاف گئے ہیں۔ کہ سب لوگ انکے مطیع اور انکے افضل ہونے کے قائل تھے۔ اور تمہارا باپ جدال و قتال میں مبتلا گیا۔ بنو امیہ انپر لعنت ویسا ہی کرتے تھے جیسا کہ کفار پر نماز فرائض میں کی جاتی ہے۔ پس ہم نے جھگڑا کیا۔ ان کے فضائل بیان کئے۔ بنو امیہ پر سختی کی۔ اور بوجہ حرکات ناشائستہ کے ہم نے انکی گوشمالی کی

محمد بن عبد اللہ کو دعوے تھا۔ کہ وہ مہدی موعود ہیں۔ اور اپنے دعوے پر وہ اس حدیث کو سند سمجھتے تھے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا ہے ان المھدی من ولدی اسمہ اسمی واسم ابیہ ابی یعنی مہدی میری اولاد میں سے ہوگا۔ جسکا اپنا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور اسکے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق اور نفس زکیہ اُنکو اسلئے کہتے ہیں۔ کہ جب وہ فتح سے مایوس ہوئے تو وہ رجسٹر جس میں اُن سے بیعت کرنے والوں کے نام تھے جلوا دیا۔ تاکہ کوئی انہیں جان نہ لے۔ پس وہ اس حدیث رسول خدا کا مصداق ہوگئے۔ یقتل با حجار الزیت من ولدی نفس زکیہ یعنی میرے فرزندوں میں سے نفس زکیہ احجار زیت میں مقتول ہوگا۔ اور وہ قتل بھی اسی مقام پر ہوئے تھے کہتے ہیں۔ کہ نفس زکیہ امام جعفر صادق سے موافق نہ تھے۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ بن علی بن عبد اللہ بن عباس کو محمد سے جنگ کرنے کے لئے مدینے کو روانہ کیا۔ روانگی کے وقت منصور نے یہ ہدایت کی تھی۔ کہ اگر تم کو انپر کامیابی

حاصل ہو جائے، تو اپنی تلوار کو میان میں کر لینا۔ امان دیدینا۔ اگر محمدؒ روپوش ہو جائیں۔ تو اہل مدینہ کو گرفتار کر لینا۔ یہ انکے حالات کو جانتے ہیں۔ اور آل ابو طالب میں سے جو شخص تم سے ملاقات کرے۔ اُسکا نام میرے پاس لکھ بھیجنا اور جو شخص نہ ملے اسکا مال و اسباب ضبط کر لینا۔ چنانچہ جعفر صادقؑ منجملہ اُن لوگوں کے تھے۔ جو روپوش ہو گئے تھے۔ پس عیسے بن موسیٰ نے اُنکے مال و اسباب کو ضبط کر لیا۔ الغرض عیسےٰ نے مدینے کے قریب پہنچ کے چند لوگوں کی طلبی کے خطوط روانہ کئے۔ پس عبداللہ بن محمدؒ بن عمر بن علی بن ابی طالب مع اپنے بھائی عمر اور ابو عقیل محمدؒ بن عبداللہ بن محمدؒ بن عقیل کے مدینے سے نکل آئے۔ مہدی کو عیسیٰ بن موسیٰ کے آنے کی خبر لگی۔ تو مدینے میں قیام کر کے خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اور اسی خندق کو کھدوایا جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب میں کھدوایا تھا۔ پھر عیسیٰ نے مدینے سے چار میل کے فاصلے پر پہنچ کر پڑاو کیا۔ اور فوج کا ایک دستہ مکے کے راستے کی طرف بھیجا۔ تاکہ بوقت ہزیمت محمدؒ کو مکہ جانے سے مانع ہو۔ اور مہدی کے پاس کہلا بھیجا کہ خلیفہ منصور تم کو امان دیتے ہیں۔ اور کتاب و سنت کی طرف تم کو بلاتے ہیں اور انجام کار بغاوت سے ڈراتے ہیں۔ مہدی نے جواب دیا۔ میں ایک ایسا شخص ہوں۔ جس نے قتل کے خوف سے فرار کیا ہے۔ عیسیٰ یہ سنکر خاموش ہو رہا۔ سولہویں رمضان ۱۴۵ھ کو عیسےٰ نے بقصد جنگ اطراف مدینہ میں اپنے سپہ سالاروں کو پھیلا دیا۔ محمدؒ مہدی بھی مع اپنے ہمراہیوں کے میدان جنگ میں آئے۔ پھریرہ عثمان بن محمدؒ بن خالد بن زبیر کے ساتھ تھا۔ اور انکا شعار احد احد تھا۔ محمدؒ مہدی نے اس معرکہ میں بہت بڑی مردانگی سے کام لیا۔ بڑے بڑے نرغوں میں مبتلا ہوئے۔ ستر آدمی انکے ہاتھ سے مارے گئے۔ عیسیٰ کے حکم سے حمید بن قحطبہ ایک سو پیادوں کے ساتھ اترا پھر کر خندق کو طے کر کے محمدؒ کے ہمراہیوں سے لڑنے لگا۔ عصر کے وقت تک برابر لڑتا رہا۔ ہنوز جنگ کا

بازار گرم ہی تھا کہ عیسیٰ کی رکاب کی فوج بڑھی خندق اسباب سے پاٹ کر راستے بنا دئے سواران لشکر عبور کرکے محمد مہدی کے لشکر میں جا بھڑے گھمسان لڑائی ہونے لگی۔ محمد نے میدان جنگ سے واپس آکر غسل کیا پھر میدان جنگ کی طرف لوٹے۔ عبداللہ بن جعفر بولے آپ نے بڑی غلطی کی اس عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کرنا آپکی طاقت سے باہر ہے۔ کاش مکے چلے گئے ہوتے۔ جواب دیا میں اہل مدینہ کو اس حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ واللہ میں یہ فعل نہ کرونگا اس سے زیادہ نہیں کہ مارا جاؤنگا۔ اور تم کو بہ نسبت میرے آسانی ہے۔ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ عبداللہ بن جعفر تھوڑی دور تک ساتھ رہے پھر لوٹ آئے۔ اسی طرح تقریباً کل ہمراہی منتشر و متفرق ہوگئے۔ صرف تین سو آدمی باقی رہگئے۔ ہمراہیوں میں سے کسی نے کہا آج ہم لوگوں کی وہی تعداد ہے جو اہل بدر کی تعداد تھی عیسیٰ بن حضیر مہدی کے ہمراہیوں میں سے بصرہ یا اور کسی شہر کی طرف چلے جانے کو بار بار کہتا تھا۔ اور مہدی یہی جواب دیتے تھے۔ واللہ تم لوگ میرے ساتھ بتلائے بلا نہو جسطرف تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ بعد اسکے مہدی نے ظہرین ادا کیں عیسیٰ بن حضیر دیوان کی طرف چلا گیا اور اس رجسٹر کو جلا دیا جس میں بیعت کرنے والوں کے اسماء تھے محمد بطن سلع کی طرف بڑھے۔ انکی رکاب میں بنو شجاع کی جماعت تھی۔ ان لوگوں نے اپنی سواریوں کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ اور تلواروں کے میان توڑ کے مرجانے پر عہد و پیمان کرکے بھڑ گئے۔ عیسیٰ کی فوج کو دو یا تین بار ہزیمت دی۔ کچھ لوگ اسکے ہمراہیوں میں سے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اور دوسری جانب سے اُتر کے مدینے میں آئے۔ اور ایک عباسی عورت کی سیاہ اوڑھنی لیکر منارہ مسجد پر پھریرے کی طرح سے اُڑا دیا۔ محمد کے ہمراہیوں کے جو اس وقت کمال مردانگی سے لڑ رہے تھے اس واقعہ کے دیکھنے سے چھکے چھوٹ گئے۔ اور یہ سمجھ کے کہ عیسیٰ کے لشکر نے مدینے پر قبضہ کرلیا بھاگ کھڑے ہوئے طرہ اسپر یہ ہوا کہ بنو غفار نے بھی عیسیٰ کے ہمراہیوں کو اپنی جانب سے

راستہ دیدیا۔ عیسیٰ کے لشکری مدینہ ہوکے محمدؐ کے لشکریوں کے سامنے سے آپہنچے
محمدؐ نے حمید بن قحطبہ کو للکارا۔ حمید نے مقابلے پر آنے سے انکار کیا۔ اور عیسیٰ بن
حضیر کو پکارکے بولا تم جنگ نہ کرو میں تم کو امان دیتا ہوں۔ ابن حضیر اس پر
ملتفت نہ ہوا۔ برابر لڑتا رہا۔ یہانتک کہ لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہوکے گرپڑا
محمدؐ اسی کے لاشے پر لڑ رہے تھے عیسیٰ کے لشکری چاروں طرف سے انپر حملہ
کر رہے تھے۔ اور محمدؐ کمال استقلال سے للکار للکارکے ان حملوں کا جواب
دیئے جاتے تھے۔ ایک شخص نے انکے پشت پر نیزہ مارا۔ صدمہ زخم سے جوں
ہی جھکے حمید بن قحطبہ نے بڑھکر سینے پر ایک برچھا رسید کیا۔ تیورا کے گر پڑے
ابن قحطبہ نے گھوڑے سے اترکے سر اتار لیا۔ اس وقت محمدؐ کی عمر ۵۴ سال
کی تھی۔ عیسیٰ نے محمدؐ کے سر کو منصور کے پاس بھیجدیا۔ اور بنامہ بشارت فتح قاسم
بن حسن بن علی بن ابی طالب کے گئے۔ اس واقعہ محمدؐ مہدی کے قبضہ میں
ذوالفقار علی تھی جسکو انہوں نے بعوض ایک مطالبے کے جو انپر واجب الادا
تھا۔ ایک تاجر کو دیدیا تھا۔ پس جب جعفر بن سلیمان والی مدینۂ منورہ ہو کے
آیا۔ تو اُسنے اس مطالبے کو ادا کرکے ذوالفقار علی تاجر سے لے لی۔ خلیفہ مہدی
کو اسکی اطلاع ہوگئی۔ تو اس نے جعفر بن سلیمان سے لے لی۔ چونکہ اُسکی پشت
مہروں کی قطار بنی ہوئی تھی۔ اسلئے ذوالفقار کہتے تھے۔ یہ مہرے ابھرے ہوئے
نہ تھے۔ اور تعداد میں اٹھارہ تھے۔ اور اُس زمانے میں جو ذوالفقار کی نقل
دوزبان والی شمشیر کی اُتارتے ہیں یہ تحقیق کے خلاف ہے۔ بعض متاخرین
نے اپنے تخیلات سے یہ بات پیدا کر لی ہے۔ محمدؐ مہدی کے ساتھ اس جنگ
میں مشاہیر بنی ہاشم سے محمدؐ کا بھائی موسیٰ بن عبداللہ۔ حمزہ بن عبداللہ بن
محمد بن علی بن حسین۔ اور حسین و علی پسران زید بن علی بن حسین تھے منصور
حسین و علی کے نام پر کہا کرتا تھا کہ میں نے تو انہیں دونوں کے باپ کا بدلہ لیا
ہے۔ پھر انہوں نے کیوں محمدؐ کی اعانت کی۔ علی و زید پسران حسن بن زید بن

حسن تو محمدؐ کے ساتھ تھے۔ اور ان دونوں کے باپ حسن بن زید منصور کے ہمراہ تھے۔ اور حسن و یزید و صالح پسران معاویہ بن عبداللہ بن جعفر قاسم بن اسحاق بن عبداللہ بن جعفر اور علی بن جعفر بن اسحاق بن علی بن عبداللہ بن جعفر محمدؐ کے معین و مددگار تھے۔ اور ان کا باپ منصور کے لشکر میں تھا۔

محمدؐ نفس زکیہ کے ظہور کے بعد انکے بھائی ابراہیم نے جنکا عرف امیر المومنین تھا علم امامت بلند کیا۔ انکی جستجو پانچ برس سے برابر ہو رہی تھی۔ اور ابراہیم ہمیشہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہتے تھے گاہے فارس گاہے کرمان گاہے جبل گاہے حجاز گاہے یمن اور کبھی شام میں بھی جا پہنچتے تھے۔ ایک بار موصل میں منصور کے دسترخوان پر حاضر ہوئے تھے۔ اور دوبارہ بغداد میں منصور کو اس کی خبر لگ گئی۔ فوراً آدمیوں کو انکی گرفتاری پر مامور کر دیا۔ ابراہیم لوگوں میں لیسے چھپ رہے۔ کہ وہ لوگ بے نیل مرام واپس گئے۔ یحییٰ بن زیاد بن حیان نبطی نے انکو بصرے میں بلایا۔ اور اپنے مکان میں ٹھیرایا۔ اور لوگوں کو انکے بھائی کی بیعت کی طرف بلانے لگا۔ لوگوں میں انکی دعوت پھیل گئی۔ ایک جماعت کثیر قضاۃ و اہل علم کی مجتمع ہو گئی۔ چار ہزار آدمیوں نے بیعت کر لی۔ بصرے کے ہر گلی کوچے میں ابراہیم کے کام کی شہرت ہو گئی۔ ان دنوں منصور کوفے کے باہر پڑا ہوا تھا۔ اور چند سپہ سالاروں کو سفیان کے پاس بھیجدیا تھا۔ اور یہ ہدایت کر دی تھی۔ کہ بروقت ظہور ابراہیم سفیان کی مدد کرنا۔ پہلی رمضان ۱۴۵ھ کو ابراہیم نے بقصد خروج ظہور کیا۔ جامع مسجد میں آئے نماز صبح ادا کی پھر مسجد سے نکل کے دار الامارت میں داخل ہوئے سفیان کو مع اُن سپہ سالاروں کے جنکو منصور نے اسکی کمک پر بھیجا تھا قید کر دیا۔ جعفر و محمدؐ پسران سلیمان بن علی یہ خبر پا کے چھ سو آدمیوں کی جمعیت سے دوڑ پڑے۔ ابراہیم نے معین بن قاسم جزری کو پچاس آدمیوں کے ساتھ مامور کر دیا۔ اس نے اُن دونوں کو بھگا دیا۔ جعفر و محمدؐ کی ہزیمت اور دار الامارت

پر قبضہ کرنے کے بعد ابراہیم نے امان کی منادی کرادی۔ اور بیت المال سے
بیس لاکھ درم برآمد کرکے پچاس پچاس اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کردئے بعد اسکے
اہواز اور فارس اور واسط کی طرف فوجیں بھیجیں۔ اہواز اور فارس پر
قبضہ حاصل ہو گیا۔ اور واسط پر پوری پوری کامیابی کا پھریرا نہیں اڑ سکا
اسکے بعد ہی محمد مہدی کے مارے جانے کی خبر ابراہیم کے پاس قبل عید الفطر
پہنچی۔ لوگوں کے ساتھ نماز عید ادا کی۔ اور ان لوگوں کو اس حادثہ جانکاہ
سے مطلع کیا لشکریوں اور عوام الناس کو منصور سے اور زیادہ نفرت بڑھ گئی
ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے
انکی دعوت خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفے
میں کم و بیش لاکھ آدمی انکے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے۔ اور پیشوایان مذہب
کے ساتھ امام ابو حنیفہ نے بھی انکی تائید کی۔ اور امام صاحب علانیہ ابراہیم کے
طرفدار تھے۔ اور بجز اسکے کہ خود شریک جنگ نہو سکے اور ہر طرح پر انکی مدد کی
اور انکی بیعت کی۔ اور مسلمانوں کو انکی شرکت کے لئے فتوے دیا۔ امام ابو حنیفہ
نے ابراہیم کو خط باین الفاظ لکھا تھا۔ اما بعد فانی قد ارسلت الیک اربعۃ
الاف درہم لم یکن عندی غیرھا ولولا امانات للناس عندی للحقت
بک فاذا لقیت القوم وظفرت فافعل کما فعل ابوک فی اھل السفین اقتل
مدبرھم فاجھز علی جریحھم ولا تفعل کما فعل ابوک فی اھل الجمل فان القوم لھم فئۃ
یعنی چار ہزار درم حاضر تھے۔ وہ تمہارے واسطے بھیجتا ہوں۔ اس وقت اس
سے زیادہ پاس نہ تھا۔ اگر میرے پاس لوگوں کی امانتیں نہوتیں۔ تو خود بھی
تمہارے لشکر میں پہنچتا۔ اور جبکہ تم سپاہ دشمن کو دیکھو اور اسپر فتح پالو تو انکے
ساتھ وہ کام کرنا جو تمہارے باپ حضرت علی نے اہل صفین کے ساتھ کیا تھا۔
مدبر کو مار ڈالیو۔ اور زخمی کو بھی زندہ نہ چھوڑیو۔ اور ایسا مت کیجیو جیسا کہ تمہارے

[1] اسعاف الراغبین ۱۲ منہ

باپ نے جنگ جمل میں کیا تھا کہ انہوں نے اپنے لشکر کو حکم دیدیا تھا کہ زخمیوں تکلیف نہ دیں۔ اور مقتولین کی عیال کو قید نہ کریں۔ اور انکا مال نہ لوٹیں اسلئے کہ یہ قوم لایق ایسے ہی معاملے کے ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ یہ مکتوب منصور کے ہاتھ لگ گیا۔ اور اُسکو امام ابوحنیفہ کی طرف سے بیحد عداوت پیدا ہو گئی۔ نامۂ دانشوراں میں ابراہیم کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ وہ اصول عقائد میں معتزلہ کے آئین پر تھے۔ اور جلد پنجم ناسخ التواریخ حالات حضرت امام حسن میں بھی یہی لکھا ہے۔

کوفیوں کے اصرار سے ابراہیم نے کوفے پر چڑھائی کی۔ منصور نے انکے مقابلے کے واسطے عیسیٰ بن موسیٰ کو عجلت کے ساتھ بلالیا۔ اور کئی سپالاروں کو ابراہیم کی طرف بڑھنے کو تحریر کیا۔ منصور نے نہایت حزم و احتیاط سے ہر سمت کی محافظت پر فوجیں روانہ کیں۔ اور ہر فساد کے دروازے کو نہایت ہوشیاری سے بند کیا۔ پچاس روز تک مصلے پر بیٹھا رہا۔ اور اس اضطراب میں دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرہانے سے تکیہ اٹھالیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا۔ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔ جب کسی ضرورت سے باہر آتا تھا۔ تو شاہی سیاہ کپڑے پہن لیتا تھا۔ اور جس وقت اندر پہنچتا تھا۔ اتار ڈالتا تھا۔ انہیں دنوں مدینۂ منورہ سے دو عورتیں فاطمہ بنت محمد بن عیسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ اور امتہ الکریم بنت عبداللہ (خالد بن اسید کی نسل سے) تحفتہً بھیجی گئی تھیں۔ مگر منصور نے ان کے ساتھ خلوت نکی۔ اور یہ کہا کہ یہ ایام عورتوں کے ساتھ لہو ولعب کرنے کے نہیں ہیں۔ جب تک میں ابراہیم کا سر اپنے روبرو نہ دیکھ لوں۔ یا ابراہیم کے سامنے میرا سر نہ دیکھا جائے۔ جوں ہی عیسیٰ بن موسیٰ دارالخلافت میں حاضر ہوا۔ پندرہ ہزار فوج کے ساتھ ابراہیم کی جنگ پر بھیج دیا۔ لشکر کے مقدمتہ الجیش پر حمید بن قحطبہ تین ہزار کی جمعیت سے تھا ابراہیم بصرے سے ایک لاکھ فوج لے کے آئے ہوئے تھے۔ اور عیسیٰ بن موسیٰ

کے مقابلے پر کوفے سے سولہ فرسنگ کے فاصلے پر پڑاؤ کئے ہوئے تھے مسلم بن قتیبہ نے کہلا بھیجا کہ اپنے ارد گرد خندق کھود لو۔ ابراہیم کے ہمراہیوں نے نہ مانا۔ اور کہا بفضلہ ہم غالب ہیں۔ اور ابوجعفر گویا ہمارے قبضے میں ہے اگلے دن بہ قصد جنگ صف آرائی شروع کی۔ لڑائی تیزی کے ساتھ شروع ہو گئی حمید بن قحطبہ مع اپنی رکاب کی فوج کے بھاگ کھڑا ہوا۔ اسکے ساتھ اکثر لشکری بھاگ گئے۔ عیسیٰ کے پاس ایک جماعت قلیل باقی رہ گئی۔ مگر یہ سب نہایت استقلال کے ساتھ مرنے پر تیار ہو کے لڑ رہے تھے۔ کہ اس اثنا میں جعفر و محمد پسران سلیمان بن علی ایک لشکر لئے ہوئے ابراہیم کے لشکر کے پیچھے سے آپہنچے۔ ابراہیم کے ہمراہی اس اچانک حملے سے گھبرا کے انکی جنگ و مقاومت کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو عیسیٰ کے لشکریوں نے ان کا تعاقب کیا منہ میں یہ رنگ دیکھ کے سب کے سب لوٹ پڑے درمیان میں ابراہیم کا لشکر تھا۔ نہ تو آگے بڑھ سکتا تھا۔ اور نہ چاروں طرف سے گھر جانے کی وجہ سے جی کھول کے مقابلہ کر سکتا تھا۔ مجبور ہو کے بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف چھ سو یا چار سو فوج باقی رہ گئی حمید برابر حملے پر حملہ کر رہا تھا۔ اتفاق سے ایک تیر ابراہیم کے گلے میں آ کے ترازو ہو گیا ہمراہیوں نے گھوڑے سے اُتار لیا۔ اور چاروں طرف سے حلقہ کر کے اپنے حریف کے حملوں کا جواب دینے لگے۔ حمید نے اپنی رکاب کی فوج کو مجموعی حیثیت سے حملہ کرنیکا حکم دیا۔ ان لوگوں کا حملہ کرنا تھا۔ کہ ابراہیم کے ہمراہی بدحواس ہو کے منتشر ہو گئے۔ حمید کے لشکریوں نے ابراہیم کا سر اُتار کے عیسیٰ کے روبرو لا کے رکھ دیا۔ یہ واقعہ پچیسویں ذیقعدہ ۱۴۵ھ کا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ذی‌حجہ میں مارے گئے۔ ۴۸ برس کی عمر تھی۔ اور یہ فرقہ حسنیہ کے چھٹے امام تھے۔ امام اول حضرت علی امام دوم حضرت حسن امام سوم حسن مثنیٰ امام چہارم عبداللہ محض امام پنجم محمد نفس زکیہ امام ششم ابراہیم۔

منصور نے بعد اسکے یہ ارادہ کرلیا۔ کہ جہانتک ہو سکے علویوں کو ذلیل کرو۔ اور جو کوئی جاندار اور جیالا نظر آئے۔ اُسکو مار ہی ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ میری سلطنت میں مزاحمت کرے۔ منصور کے بعد جتنے خلفا ہوئے۔ اُن سب نے یہی رسم جاری رکھی۔ کہ جہانتک ہو سکے سیدوں کو قتل کرو

جب منتصر کی خلافت کا زمانہ آیا۔ تو اس نے اپنے گورنر مصر کو لکھ بھیجا کہ خبردار کوئی سید علوی کسی کا ہدیہ نہ قبول کرنے پائے۔ نہ کبھی گھوڑے پر سوار ہو۔ نہ اپنے خیمے سے کسی طرف سفر کرنے نکلے۔ ایک غلام سے زیادہ غلام نہ خریدے اگر کسی قسم کا جھگڑا سید و غیر سید میں ہو تو غیر سید کو ترجیح دیجائے۔ اور جو کوئی رسول کے نواسوں کا نام لیکر فریاد کرے۔ اُسے سخت سزا دو۔ اور بہت بری طرح مارو۔

دوسرے **نفسیہ**۔ یہ فرقہ بھی حسنیہ میں سے ہے۔ مگر اس بات میں اُس سے جدا ہے کہ اسکا اعتقاد یہ ہے۔ کہ نفس زکیہ مارے نہیں گئے۔ بلکہ غائب اور مخفی ہیں۔ اور عرصے کے بعد ظہور کرینگے۔ اسی لئے ان لوگوں کا نام نفسیہ مشہور ہے

تیسرے **محمدیہ**۔ اس فرقے کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ امام قائم محمد معروف بہ نفس زکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنے بن امام حسن بن علی بن ابی طالب ہیں۔ اور انہوں نے ابو منصور کی طرف امامت کی وصیت کی تھی۔ نہ بنی ہاشم کی طرف جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون کے لئے وصیت کی تھی۔ اور اپنے بیٹے اور بھتیجے کے لئے وصیت نہ کی تھی[1]

چوتھے **حسینیہ**۔ یہ فرقہ کہتا ہے۔ کہ نفس زکیہ کی وصیت سے ابو منصور کو امامت پہنچی اور ابو منصور نے اپنے بیٹے حسین کے لئے امامت کی وصیت کی تھی۔ اسلئے ابو منصور کے بعد وہ امام ہوئے[2]۔

فائدہ۔ جناب محمد نفس زکیہ اور انکے بھائی ابراہیم فرقہ زیدیہ کے ائمہ میں بھی شمار پاتے ہیں۔ اسلئے کہ زیدیہ کا ایک گروہ کا اعتقاد یہ ہے۔ کہ

[1] دیکھو غنیۃ الطالبین ۱۲ [2] دیکھو غنیۃ الطالبین ۱۲ منہ

یحییٰ بن زید شہید سے جو زیدیہ کے چھٹے امام ہیں۔ اپنے بعد نفس زکیہ کی امامت کے لئے وصیت کی تھی۔ اور نفس زکیہ نے ابراہیم کی امامت کے لئے وصیت کر دی تھی۔

وہ فرقے جو حضرت حسن مجتبیٰ کے بعد حضرت حسین شہید کربلا اور ان کی اولاد میں امامت مانتے ہیں

وہ امامیہ جو حضرت علی کے بعد حضرت حسن کو اور اُن کے بعد حضرت حسین کو اور انکے بعد انکی اولاد کو امام مانتے ہیں۔ ان سب کا طریقۂ امامت میں امام محمد باقر تک اتفاق ہے پھر بعد اُنکے اختلاف کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض فرقے امام جعفر صادق تک امامت کو نہیں پہنچاتے ہیں۔ باقی سب فرقے جعفر صادق کی امامت کے معاملے مشترک ہیں۔

وہ فرقے جو محمد باقر کے بعد جعفر صادق کو امام نہیں مانتے

اول باقریہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امام حسن کے بعد امام حسین کو امامت پہنچی۔ انکے بعد علی زین العابدین کو اُنکے بعد محمد باقر کو۔ اور محمد باقر مرے نہیں زندہ ہیں۔ اور مہدی منتظر ہیں۔

دوم حاضریہ۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ محمد باقر کے بعد اُنکے بیٹے ذکریا امام ہیں۔ اور وہ کوہ حاضر میں چھپے ہوئے ہیں۔ جب اُنکو اللہ حکم دیگا تو نکلینگے۔

وہ فرقے جو جعفر صادق تک امامت کے معاملے میں مشترک ہیں اور جو انکے بعد امام میں اختلاف کرتے ہیں

(۱) میثمیہ۔ یہ فرقہ علی بن اسماعیل میثم تمّار کی طرف منسوب ہے جو حضرت علی کے اصحاب سے تھا جیسا کہ مجمع البحرین کی جلد دوم میں لکھا ہے کتاب خرائج الجرائح میں ہے کہ میثم تمار ایک عورت کا اہل کوفہ میں سے غلام تھا جناب امیر نے اُسے خرید کر کے آزاد کر دیا۔ اور علی نے اُسے کتاب خلاصہ

لہ اس لفظ میں اول میم ہے۔ اسکے بعد یائے تحتانی ساکن اسکے بعد ثائے مثلثہ ۱۲ کذا فی منتہی المقال

میں متقدمین میں ذکر کیا ہے۔ اور مختار کشی میں مذکور ہے۔ کہ اُسکا خاندان بیت التمارین کے نام سے مشہور تھا اس فرقے کا قول یہ ہے۔ کہ حضرت علی کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ کو امامت پہنچی پھر امام حسین کو پھر علی بن حسین کو پھر محمد باقر کو پھر جعفر صادق بن محمد کو پھر اُنکے بیٹے موسیٰ کاظم کو اور ہشام کا قول یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے۔ اور اُس کے لئے اعضا ہیں[1]۔

(۲) حکمیہ ہشام بن حکم کندی شیبانی کوفی کے اصحاب ہیں۔ انکو ہشامیہ بھی کہتے ہیں ہشام کا قول ہے کہ صانع اور مصنوعات کے درمیان کوئی مشابہت ضروری ہے ورنہ مصنوعات صانع پر دلالت نہیں کرسکتے۔ اور اسکا قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے۔ اور چاندی کے ٹکڑے کی طرح سفید اور صاف اور ستھرا ہے۔ اور ہر طرف سے چمکتا اور روشن ہے اور انسان کی صورت پر طویل و عریض و عمیق ہے طول اسکا مثل عرض کے اور عرض اسکا مثل عمق کے ہے اور اپنے بالشت سے سات بالشت ہے۔ اور رنگ اور مزہ اور بو رکھتا ہے۔ اور یہ تمام صفات اُسکی ذات کے مغائر نہیں ہیں۔ اور وہ کھڑا ہوتا اور بیٹھتا اور ہلتا اور ٹھیرتا اور چلتا پھرتا بھی ہے۔ اور ما تحت الثریٰ کو بذریعہ شعاع نوری کے جانتا ہے جو اُس کے جسم سے نکل کر اس طرف پڑتی ہے۔ اور عرش پر رہتا ہے جب اُس سے لوگوں نے پوچھا تیرا اللہ بڑا ہے یا کوہ احد تو کہا کہ وہ اسکے مقاتل بن سلیمان پر طعن کرتے ہیں کہ وہ اس بات کا قائل ہے کہ اللہ گوشت و خون رکھتا ہے۔ اور ہشام کہتا ہے۔ ارادہ الٰہی ایک حرکت ہے۔ جو نہ اسکی عین ہے اور نہ غیر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا علم اُنکے پیدا ہو جانے کے بعد حاصل ہے قبل اُنکے وجود کے وہ انہیں نہیں جان سکتا۔ اور اسکا علم نہ قدیم ہے اور نہ حادث ہے۔ اور کلام اسکی صفت ہے جو نہ مخلوق ہے۔ اور نہ غیر مخلوق اور اللہ تعالیٰ پر اعراض دلالت نہیں کرسکتے۔ بلکہ اجسام اُس پر دلالت کرتے ہیں

[1] دیکھو صواعق محرقہ ۱۲

کیونکہ اجسام کے ساتھ اُسکو مشابہت ہے۔ اور یہ شخص اللہ تعالے پر بدا بھی تجویز کرتا تھا اور اسکے زعم میں امام پر معصیت جائز نہیں ہے۔ اور انبیا پر جائز ہے اور کہتا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لینے میں اسیران بدر سے عصیان خدا کا کیا تھا۔ مختار کشی میں ہشام کے چچا عمر بن یزید سے منقول ہے کہ وہ اوئل میں جہم بن صفوان کے مذہب پر تھا۔ پھر امام جعفر صادق کی ہدایت سے شیعہ جعفریہ میں داخل ہو گیا[له] ہشام کی تالیفات سے بہت سی کتابیں ہیں مختلف بیانوں میں جیسے توحید اور حدوث اجسام اور جبر و قدر اور امامت اور ابطال امامت مفضول اور رد معتزلہ اور رد زنادقہ اور رد طلحہ و زبیر اور استطاعت وغیرہ میں اور اس نے ایک کتاب اللہ تعالے کی جسمیت کے بیان میں لکھی ہے[ٹه] ہشام کا قول یہ بھی ہے کہ اہل جنت و دوزخ کی یہ نوبت پہنچے گی کہ وہ اپنی حالت میں مدہوش اور بیہوش ہو جاینگے۔ اپنی جانوں پر انکو قابو نہ رہیگا۔ جیسے کسی کو نشہ ہوتا ہے۔ ایسے متوالے ہو جاینگے[ٹه] فرقہ حکمیہ کا ظہور ۱۹۰ھ میں ہوا تھا۔ ابن حزم وغیرہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اول دین اسلام میں یہ بات کہی وہ یہی ہشام بن حکم ہے[ھه]

(۳) جوالقیہ ہشام بن سالم جوالقی جوزجانی کوفی کی طرف منسوب ہیں جو بشر بن مروان بن حکم کا غلام تھا۔ اسکا قول یہ تھا کہ اللہ انسان کی صورت پر ہے نصف اعلے اُسکا مجوف ہے یعنی خالی اور نصف مصمت ہے یعنی ٹھوس اللہ کے سر کے بال کالے ہیں۔ اور وہ گوشت اور خون نہیں رکھتا ہے بلکہ ایک چمکتا نور ہے اسکے حواس خمسہ مثل حواس انسان کے ہیں۔ اور حواس اسکے باہم جدا نہیں ہیں۔ اس طرح کہ جس حس سے مثلاً سنتا ہے۔ وہ وہ نہیں ہے جس سے

له دیکھو مجالس المومنین ۱۲ ٹه دیکھو غنیۃ الطالبین ۱۲ ٹه دیکھو میسر ۱۲ - ھه یہ بات جلد اول مختصر منہاج السنۃ میں لکھی ہے کتاب مذکور کی عربی عبارت یہ ہے وقال ابو محمد بن حزم وغیرہ اول من قال فی الاسلام ان اللہ جسم ہشام بن الحکم ۱۲ منہ

دیکھتا ہے[1] ہاتھ پاؤں منہ آنکھ کان سب کچھ رکھتا ہے۔ مگر شرمگاہ اور داڑھی نہیں ہے۔ اس فرقے کا ظہور سنہ ۱۱۳ھ میں ہوا۔ خلاصہ میں مذکور ہے۔ کہ وہ امام جعفر صادق اور موسیٰ کاظم کے اصحاب سے تھا[2]۔ اور اس فرقے کو سالمیہ بھی کہتے ہیں۔ اور کبھی ہشامیہ بھی انکو بولتے ہیں

(۴) زراریہ۔ زرارہ بن اعین شیبانی کوفی کے متبع ہیں۔ یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالےٰ کی صفات حادث ہیں۔ اور قبل حدوث کے اللہ نہ عالم تھا۔ اور نہ سمیع اور نہ بصیر اور نہ قادر اور نہ حی۔ یہانتک کہ اُس نے اپنے لئے یہ سب کچھ اکتساب کیا۔ اس فرقے کا ظہور سنہ ۱۴۵ھ میں ہوا زرارہ مسئلہ امامت میں عمائیہ کے قدم بہ قدم ہے۔ جنہیں فطحیہ بھی کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ اُس نے یہ رائے ترک کردی تھی۔ اُس نے عبداللہ بن جعفر صادق سے مسائل دریافت کئے۔ جب نہ بتائے۔ تو موسیٰ بن جعفر کے پاس چلا گیا۔ یہ مشبہ بھی تھا کتاب ابن داؤد میں مرقوم ہے۔ کہ زرارہ امام محمد باقر و امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم کے راویوں میں سے ہے سنہ ۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔ اُس نے ایک کتاب استطاعت اور جبر کی تحقیق لکھی ہے[3]۔ میزان ذہبی میں مذکور ہے۔ کہ ابن ابی حاتم نے کہا ہے۔ کہ زرارہ نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے۔ اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اس نے باقر کو نہیں دیکھا۔

(۵) یونسیہ یونس بن عبدالرحمٰن قمی کے پیرو ہیں۔ اسکا اعتقاد یہ تھا کہ اللہ عرش پر ہے جسکو ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور اسکی قوت ملائکہ کی قوت

۱؎ جلد اول مختصر منہاج السنۃ کی عبارت یوں ہے المشامیۃ اصحاب ہشام ابن سالم الجوالیقی یزعمون ان ربہم علی صورۃ الانسان وینکرون ان یکون لحماً ودماً ویقولون ہو نور ساطع یتلألأ ضیاء وانہ ذو حواس خمس کحواس الانسان لہ ید ورجل وانف واذن وفم وعین وانہ یسمع بغیر ما یبصر وکذالک سائر حواسہ متغایرۃ عندہم ۱۲ ۲؎ دیکھو مجالس المؤمنین ۱۲ ۳؎ دیکھو مجالس المؤمنین ۱۲

سے زیادہ ہے۔ منتہی المقال میں لکھا ہے کہ یونس امام جعفر سے کوہ صفا و مروہ میں ملا تھا۔ مگر ان سے روایت نہیں کی ہے۔ ابوالحسن موسیٰ کاظم اور انکے بیٹے علی رضا سے روایت کی ہے۔ اور امام رضا کا وکیل اور مخلص دوست تھا۔ اور کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ امام رضا اسے اہل علم و فتوے سے شمار کرتے تھے۔ فرقہ واقفیہ نے اسکو بہت کچھ مال و اسباب دینا چاہا کہ ان سے اس بات میں اتفاق کرے کہ امام موسیٰ کاظم پر امامت منتہی ہوگئی۔ مگر اس نے قبول نہ کیا۔ اور مختار میں مذکور ہے۔ کہ فضل شاذان کہتا ہے۔ کہ یہ جو مشہور ہے۔ کہ یونس آل یقطین کا غلام ہے۔ یہ غلط ہے۔ اسلئے کہ یونس ہشام بن عبدالملک کے آخر عہد میں پیدا ہوا تھا اور آل یقطین اس عہد میں نہ تھے۔ بلکہ بنی عباس کے زمانے میں گذرے ہیں ۲۰۸ھ میں یونس فوت ہوا۔ علت متعہ کے باب میں یونس نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اور یہ بڑا بھاری مشبہ تھا۔ اور بدء کا قائل تھا۔ بدء کے بیان میں اسکی کتاب ہے۔ اور ایک کتاب غلاۃ کے رد میں ہے۔

(۹۱) مفوضہ یا تفویضیہ اس فرقے کا ظہور ۱۴۵ھ میں ہوا تھا۔ انکا قول یہ ہے کہ اللہ تعالے نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کر کے خلق عالم و تدبیر عالم کو انکے سپرد کر دیا ہے۔ اور جو کچھ دنیا میں ہے۔ ان کے لئے مباح کر دیا ہے پس تمام عالم انہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اور ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کے سپرد فرمایا ہے۔ اور ایک فرقہ ان میں سے یہ کہتا ہے۔ کہ دونوں کے سپرد کیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ سب ائمہ کے سپرد کیا ہے مفوضہ جب بادلوں کو دیکھتے ہیں۔ تو اُسے سلام کرتے ہیں۔ اس گمان سے کہ اس میں علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ دمع الھتون ترجمۂ اردو جلاء العیون میں لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا۔ کہ خدا غالیوں پر لعنت کرے۔ کہ ہم اہل بیت کے حق میں غلو کرتے ہیں۔ اور حد سے گذر جاتے ہیں۔ اور خدا مفوضہ پر لعنت کرے جو کہتے ہیں۔ کہ خدا نے عالم کو ائمہ کے مفوض کیا ہے۔ واضح ہو کہ مفوضہ نے

معصیت خدا کو صغیر جانا۔ اور اپنے خدا سے کافر ہو گئے۔ اور شریک خدا کے لئے
قرار دیا ہے اور گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا ہے کہ فرائض خدا پر
اقامت نہ کریں۔ اور حقوق خدا و خلق خدا کو ادا نہ کریں۔ اور ابو ہاشم جعفری کہتا ہے
کہ امام رضا نے غالیوں کو کافر اور مفوضہ کو مشرک کہا ہے ارشاد دیہ میں بیان کیا
ہے کہ مفوضہ عبید اللہ [illegible] شیخ ہیں جو سب سے پہلے تفویض کا قائل
ہوا تھا یعنی کہتا تھا کہ خدا تعالے نے اپنے سب کام پیغمبر خدا اور حضرت
علی کے سپرد کر دئے ہیں۔ اور آپ معطل ہو گیا ہے۔ یہی حضرات پیدا کرتے
ہیں اور یہی مارتے ہیں اور یہی رزق بانٹتے ہیں۔ غرض جو کام کہ خدا کے ہیں
وہ سب عبید اللہ اور اسکے تابعوں کے نزدیک پیغمبر خدا اور حضرت علی کرتے
کرتے ہیں۔ اور خدا تعالے کچھ نہیں کرتا۔ درحقیقت [illegible] اسی
سبب صاحب ملل و نحل نے مفوضہ کو غلات میں شمار کیا ہے مگر چونکہ غالیوں
اور مفوضہ میں اتنا فرق ہے کہ غالی جناب امیر کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور انکو
خدا جانتے ہیں۔ اور مفوضہ انکی الوہیت کے قائل نہیں مگر تفویض کے قائل
ہیں۔ اور اسی سبب سے بعض روایات میں ذکر مفوضہ کا مقابل غلات کے کیا
ہے پس اس وجہ سے قسیم یعنی مقابل غلات کے ہو گئے بہرحال یہ دونوں فرقے
حد شرع سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور معنی غلو کے کسی کام کے کرنے میں حد سے
گذر جانے کے ہیں۔ مفوضہ اور غلات کہتے ہیں کہ علمائے قم نے جناب امیر کی
محبت میں بہت کمی کی ہے

(۵۹) شیطانیہ۔ یہ محمد بن علی بن نعمان کوفی صیرفی کی طرف منسوب ہیں جسکو
اہل سنت شیطان الطاق اور شیعہ مومن الطاق کہتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ
کوفے میں ایک مقام طاق کے نام سے مشہور ہے وہاں اسکی دوکان تھی
جس میں بیٹھا ہوا درہم و دینار پرکھا کرتا تھا۔ اور اہل سنت کی کتب میں یہ
فرقہ شیطانیہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے مگر شہرستانی وغیرہ نے نعمانیہ کے نام

سے لکھا ہے کنیت اسکی ابوجعفر اور لقب احول ہے اسی لئے ابوجعفر احول
کہلاتا ہے اسکی تالیف سے کئی کتابیں ہیں۔ ایک حضرت علی کی امامت کے
بیان میں احتجاج نام کتاب ہے اور دوسری خوارج کے رد میں یہ شخص معتزلہ
و شیعہ دونوں کے مذاہب میں ملا جلا رہا کرتا تھا۔ اس کا مذہب یہ تھا کہ اللہ
کو اشیا پیدا کرنے سے قبل اسکا علم نہیں ہوتا۔ اگر اللہ بندوں کے افعال کا
عالم ہوتا۔ تو یہ بات مستحیل ہوتی۔ کہ بندوں کا امتحان اختیار کرتا۔ اور اسکا
یہ حکم تھا۔ کہ اللہ تعالے ایک نور ہے بصورت انسانی اور باوجود اسکے اس بات کا قائل تھا
کہ اللہ تعالے انسان کی ہی شکل پر ہے اور یہ شخص رجعت کا قائل تھا اس فرقہ کا ظہور سنہ ۱۳۱ھ میں ہوا ہے
(۴) بدائیہ۔ یہ لوگ اسکے قائل ہیں۔ کہ بدا اللہ پر جائز ہے یعنی جائز ہے یہ
کہ اللہ تعالے کسی شئے کا ارادہ کرے۔ اور پھر اس سے پشیمان ہو جائے اسلئے کہ اسپر
وہ چیز ظاہر ہوئی جو پہلے سے اسپر ظاہر نہ تھی جس طرح کہ آدمی میں تبدیل رائے
ہوتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی بھی اسی طرح پر ہوئی
کہ اللہ تعالے انہیں خلیفہ بنا کر پشیمان ہوا۔ اور انکی تعریف میں جس قدر آیات
نازل کیں۔ وہ سب آخر کار انکے واسطے موجب ندامت کا ہوئیں صواعق محرقہ
سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا ظہور سنہ ۲۵۵ھ میں ہوا اور یہ قول مسامحت سے خالی
نہیں اسلئے کہ اس سے قبل شیعہ کے بعض فرقے بدا کے قائل ہو چکے تھے
چنانچہ کیسانیہ کا یہ عقیدہ ہے۔ حالانکہ اس فرقے کا ظہور سنہ ۶۶ھ میں ہوا تھا
اور فرقہ مغیریہ بھی جسکا دوسرا نام سالمیہ ہے اس امر کا اعتقاد رکھتا تھا۔ اس
فرقے کا ظہور سنہ ۱۱۹ھ میں ہوا صواعق محرقہ میں ان فرقوں کے سنہائے ظہور
کی نسبت بہت کچھ تسامح ہوا ہے چنانچہ لکھا ہے۔ ثم ظهرت الزيدية والامامية
والمغيرة والكيسانية والبدائية والمنصورية منهم ولم يظهروا في عهد سنة
خمس واربعين ومائة۔ حالانکہ انکے بعد اسکے ظہور کے سنین میں بڑا تفاوت ہے

له دیکھو مجالس المومنین ۳۱۲ صفحہ

حکمیہ اور زراریہ اور دوسرے امامیہ جیسے مالک جہنی و دارم بن حکم و ریان بن صلت بھی اللہ تعالٰے پر بدء کے قائل ہیں۔ امامیہ اپنے اوپر سے اعتراض اٹھانے کے لئے بدء کے معنی میں تاویلیں کرنے لگے ہیں۔ اور کہتے ہیں جو کچھ اہل سنت نے سمجھا ہے۔ بدء کے امامیہ کے نزدیک وہ معنی نہیں۔ بلکہ اسکے اور معنی ہیں۔ جو لائق انکار نہیں۔ ابوالفتوح نے کنز الفوائد میں اسکی تحقیق و تفصیل کی ہے۔ امامیہ کہتے ہیں۔ کہ خدائے تعالٰے کی رائے اور تجویز میں کبھی خطا اور غلطی واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ عواقب امور اور مصالح امور سے بخوبی آگاہ ہے۔ اور کوئی شے اسپر مجہول نہیں۔ سب حال اسپر ظاہر اور ہویدا ہے جو وہ کرتا ہے سمجھکر کرتا ہے نہ خطا سے کہ پشیمان ہوکر رائے اول سے رائے دوسری کی طرف عدول کرے۔ بدء باین معنی شیعوں کے نزدیک خدائے تعالٰے پر محال ہے۔ بلکہ شیعہ کی اصطلاح میں بدء عبارت ہے۔ تغیر و تبدل سے احکامات میں بسبب اختلاف مصالح اور اوقات کے یعنی ایک وقت میں باعتبار ایک مصلحت کے ایک حکم دیا۔ دوسرے وقت میں باعتبار دوسری مصلحت کے اُس حکم کو بدل ڈالا۔ اسکو نسخ تشریعی کہتے ہیں۔ اور تغیر عالم کون میں یعنی وہ تغیرات جو دنیا میں ہوتے ہیں جیسے موجود کرنا اور معدوم کرنا اور زندہ کرنا اور مردہ کرنا اسکو نسخ تکوینی کہتے ہیں۔ پس بدء باین معنی فرقہ شیعہ کے نزدیک خدائے تعالٰے پر جائز ہے اسلئے کہ خدائے تعالٰے ہر وقت ایک شان میں ہے۔ جو مصلحت دیکھتا ہے وہ کرتا ہے۔ اور جس میں مصلحت نہیں دیکھتا اُسکو نہیں کرتا۔ کبھی مارتا ہے کبھی جلاتا ہے۔ کبھی بیمار ڈالتا ہے۔ کبھی صحت دیتا ہے۔ غرض ہر وقت موافق مصلحت کے کام کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے آگاہ ہے۔ پس یہ معنی صحیح ہیں کہ ان میں کسی طرح کا فساد نہیں۔ اور بدء اس معنی میں آیات اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ اور یہ آیات اور اخبار اسکی دلالت کرتے ہیں۔ کہ خدا نے دو لوحیں پیدا کی ہیں۔ اور ان میں جمیع کائنات اور

حوادثات کو لکھا ہے۔ ایک کا نام لوح محفوظ ہے۔ پس اس لوح میں جو کچھ
خدا کے حکم سے لکھا جاتا ہے اس میں کسی طرح کا تغیر واقع نہیں ہوتا۔ اور
مطابق علم الہی کے ہوتا ہے۔ اور دوسری لوح کا نام لوح محو و اثبات ہے کہ
اس میں موافق مصلحت کے خدا کے حکم سے بعض چیزیں لکھی جاتی ہیں۔ اور بعض
محو کی جاتی ہیں جیسا کہ خدائے تعالے فرماتا ہے یمحو اللّٰہ ما یشاء و یثبت و
عندہٗ ام الکتاب۔ توضیح اسکی یہ ہے کہ پہلے مثلاً اس لوح میں لکھا کہ زید کی
عمر پچاس برس کی ہے یعنی مقتضائے حکمت یہ ہے کہ عمر اسکی اس قدر ہو
جب تک کہ کوئی سبب زیادتی اور نقصان کا اُس سے عمل میں نہ آئے پس
جس وقت کہ اس سے کوئی عمل نیک مثل صلۂ رحم یا صلۂ عترت طاہرہ اور
ذریت اخیار رسول مختار یا تصدق مساکین مومنین ابرار پر عمل میں آیا اور
ان چیزوں میں سے کسی کو بجا لایا۔ تو پچاس سال عمر اسکی محو ہو جاتی ہے اور
اسکی عمر ساٹھ برس کی لکھی جاتی ہے۔ اور اگر اُس سے خلاف ان امور کے کوئی
عمل بد مثل قطع رحم یا ترک صلۂ سادات مومنین کے ظہور میں آیا۔ تو اُسکی عمر
پچاس برس کی جگہ چالیس برس لکھی جاتی ہے۔ اور دس برس کم ہو جاتے
ہیں۔ اور لوح محفوظ میں اول امر سے لکھا جاتا ہے کہ زید صلۂ رحم بجا لاویگا
اور عمر اسکی اس وجہ سے ساٹھ برس کی اللہ کی طرف سے متعین ہوتی ہے۔ یا
اُسکی عمر اس وجہ سے کہ وہ قطع رحم یا اسی طرح کا کوئی اور برا کام کریگا چالیس
برس کی مقرر ہوتی ہے جیسا کہ طبیب حاذق کو کسی شخص کے مزاج کا حال معلوم
ہو جائے۔ تو وہ حکم کر سکتا ہے کہ عمر اسکی ساٹھ برس کی ہوگی پس اگر اس نے زہر کھا لیا
یا کسی نے اسکو قتل کر دیا اور عمر اُسکی ساٹھ برس سے کم ہو گئی یا مثلاً اُس نے
کوئی دوائے مقوی کھائی۔ اور اسکی عمر ساٹھ برس سے بڑھ گئی۔ تو یہ نہ کہینگے کہ
طبیب نے غلطی کی۔ پس بدو عبارت بے تغیر تقدیر سے لوح محو و اثبات میں اور
غرض لوح محو و اثبات سے یہ ہے کہ بندے بسبب خبر دینے انبیا اور اوصیا

اس لوح سے یہ جان لیں کہ اعمال حسنہ اُنکے کاموں کی اصلاح میں تاثیر رکھتے ہیں تاکہ اعمال نیک کی طرف راغب ہوں اور اعمال بد سے باز رہیں۔ کتاب توحید اور عیون اخبار الرضا میں روایت کی ہے کہ امام رضا نے فرمایا کہ اے سلیمان تو کیوں بدء کا انکار کرتا ہے حالانکہ خدائے تعالے نے فرمایا ہے

اولم یر الانسان انا خلقناہ من قبل ولم یک شیئا

کیا نہیں دیکھتا انسان کہ ہم نے پیدا کیا اُسکو پہلے سے اور وہ کوئی چیز نہ تھا مخفی نہ رہے کہ بدء شیعہ کے نزدیک محو و اثبات ہے نہ بدلنا رائے کا دوسری رائے کی طرف پشیمان ہو کر اما میہ کہتے ہیں کہ یہ امر محال ہے کہ خدا اول کسی امر کو نہ جانے اور پھر اُسپر ظاہر ہو جائے یا اپنے ارادے سے پشیمان ہو امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایسا اعتقاد کرے کہ خدائے تعالے نے کل ایک کام کیا اور کل اُسکی برائی کو نہ جانا اور آج اسکی برائی کو جانا کہ یہ کام جو میں نے کیا تھا برا تھا اور اسکام کے کرنے سے آج پشیمان ہوا۔ تو ہم ایسے شخص سے بیزار ہیں اور اس قسم کے اعتقاد کرنے والے کو آپنے کافر فرمایا ہے۔ رسالہ اعتقادیہ میں بیان کیا ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے کو کبھی ایسا بدء نہیں ہوا جیسا کہ میرے بیٹے اسماعیل کے باب میں اُسکو بدء ہوا آپ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کو کوئی امر کسی شے میں ایسا ظاہر نہیں ہوا جیسا کہ میرے بیٹے اسماعیل کے باب میں ظاہر ہوا کہ اُنکو مجھ سے پہلے مارا تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ میرے بعد امام نہیں ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ بدء امور تکوینی میں مثل نسخ کے ہے احکام شرعی میں۔ اور نسخ یہ ہے کہ شارع کا ایک حکم پہنچا اور ہم نے گمان کیا کہ وہ ہمیشہ رہیگا اور بعد اسکے وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور دوسرا حکم مقرر ہوا اور یہی حال امور تکوینی میں ہے مثلاً ایک کام علل اور اسباب اور قرائن حال کی وجہ سے ایسا معلوم ہوا کہ ہمیشہ رہیگا اور بعد اسکے وہ امر جاتا رہا اور دوسری طرح پر ہوا اُسکو بدء کہتے ہیں جیسے اسماعیل

کہ امام جعفر صادق کے بڑے بیٹے تھے۔ اور آدمیوں کو بظاہر حال یہ گمان تھا کہ امام موصوف کے بعد وہی امام ہونگے پھر جبکہ انہوں نے وفات پائی۔ تو آدمیوں نے جانا کہ امامت انکی جو گمان کیگئی تھی بے طرف ہوئی۔ اور امامت موسی کاظم کے لئے ثابت ہوئی۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اسکو بداء اسلئے کہتے ہیں۔ کہ اسپر وہ امر ظاہر ہوا کہ پہلے اس سے ظاہر نہ تھا۔

نور اللہ شوستری نے جو اس باب میں مجالس المومنین میں لکھا ہے انکے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ظاہر میں لفظ بدء سے یہ مفہوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالے اپنے حکم دیے کے بعد اسکے وقت مقررہ پر واقع ہونے سے قبل ممانعت کردے۔ اور اس سے جہل و پشیمانی اللہ پر لازم نہیں آتی۔ اور نہ اسکی خطا ثابت ہوتی ہے۔ اسلئے مطلب اس قول سے یہ ہے۔ کہ کبھی آقا کو اپنے نوکر کی اطاعت وتابعداری دوسروں پر ظاہر کرنی ہوتی ہے۔ تو ایک مشکل کام کا حکم فرماتا ہے۔ اور جب یہ شخص وہ کام شروع کرتا ہے تو منع کر دیتا ہے مصداق اسکا ابراہیم کا قصہ ہے۔ کہ انکو اپنے بیٹے اسماعیل کے ذبح کرنیکا حکم دیا اور جب وہ تعمیل کو آمادہ ہوئے۔ اور دونوں نے حکم الہی پر صبر و رضامندی رکھی۔ تو منع کر دیا۔ اور اجر انکا المضاعف کر دیا۔

(۵) ناؤسیہ۔ یہ عبد اللہ بن ناؤس بصری کے تابع ہیں۔ یہ چھ شخصوں کی امامت کا قائل ہے۔ حضرت علی سے جعفر صادق تک اسکا عقیدہ یہ تھا۔ کہ امام جعفر صادق زندہ ہیں اور غائب ہو گئے ہیں۔ اور وہی مہدی موعود ہیں۔ اور بعض ناؤسیہ کہتے ہیں۔ کہ بعض شیعہ صادق کبھی کبھی خلوت میں انکو دیکھ بھی لیتے ہیں۔ انکا ظہور ۱۴۵ھ میں ہوا۔ یہ لوگ بغداد میں تھے ماصار سنہ ۵ھ میں۔ پھر تاتاریوں کی یورش کی وجہ سے تباہ ہوگئے ناؤسیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جو اپنے نفس کو غیر پر فضیلت دے وہ کافر ہے[۲]

[۱] دیکھو صواعق محرقہ ۱۲ [۲] دیکھو موید الاماضل ۱۲ منہ

(۱۰) عماریہ کہ عمار کے متبع ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امام جعفر صادق نے وفات پائی۔ تو انکے بیٹے محمدؐ نامی امام ہوئے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ عماریہ میں سے ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت بعد محمدؐ بن جعفر کے انکی اولاد میں رہی۔ اس گروہ کو شمیطیہ کہتے ہیں

(۱۱) عماشیہ یہ لوگ عبداللہ بن عماد کے یار ہیں۔ اور سات شخصوں کی امامت کے مقر ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب سے جعفر صادق تک۔ اور ان کے عبداللہ بن جعفر صادق کو امام جانتے ہیں۔ ان عبداللہ کا لقب افطح تھا۔ الف کے فتح اور فا کے سکون اور طاء حطی کے فتح اور حاء حطی کے سکون سے انکو افطح اسلئے کہتے تھے۔ کہ انکے دونوں پاؤں چوڑے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سر چوڑا تھا۔ اور یہ افطح اسماعیل بن جعفر کے حقیقی بھائی تھے۔ عماشیہ کہتے ہیں کہ افطح چونکہ لاولد مرے ہیں۔ اور امامت کا سلسلہ انکی نسل میں جاری نہیں ہوا ہے۔ اسلئے پھر دنیا میں آئینگے۔ اور صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ افطحیہ نہیں عماشیہ بھی کہتے ہیں عبدالرحمن بن عمر کے اصحاب ہیں۔ حبیب السیر میں بیان کیا ہے۔ کہ عبداللہ بن جعفر سب بھائیوں میں بڑے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد امامت کے مدعی ہوئے۔ بہت سے شیعہ نے انکی متابعت کی لیکن بالآخر ان میں سے بہت سے منحرف ہو کر امام موسیٰ کاظم کی امامت کے قائل ہو گئے اور جو لوگ عبداللہ کی امامت کے معتقد رہے۔ وہ افطحیہ مشہور ہو گئے اسلئے کہ انکا داعی عبداللہ بن افطح تھا اور بعض کہتے ہیں۔ کہ خود عبداللہ بن جعفر کا عرف افطح تھا۔ اور منتہی المقال سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ افطح کی امامت کے جو لوگ قائل ہیں۔ وہ فطحیہ کہلاتے ہیں۔ اور یہ فطحیہ ائمہ اثنا عشر کی امامت کے مقر ہیں۔ اور شہید سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ افطح کی امامت کے امام موسیٰ کاظم اور امام علی رضا کے درمیان میں قائل ہیں۔ توضیح المقال میں لکھا ہے کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ فرقہ فطحیہ اسلئے کہلاتا ہے۔ کہ سر گروہ اسکا عبداللہ فطیح

کوئی تھا۔ احسنی کی طرف یہ منسوب ہیں۔ نامۂ دانشوراں میں ابن قتیبہ کے حالات میں ہے کہ زید علوی کا قول ہے کہ اب فرقہ فطحیہ کو اسماعیلیہ کہتے ہیں اسلئے کہ اُن لوگوں میں سے جو عبد اللہ افطح کی امامت کے معتقد تھے۔ کوئی باقی نہیں رہا۔ یہ عبد اللہ بن جعفر کم علم تھے۔ کتاب جمہرۃ النسب میں مذکور ہے کہ زرارہ بن اعین کوفی بھی اول اول عبد اللہ افطح کی امامت کا معتقد تھا جب مدینے کو گیا۔ تو عبد اللہ افطح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اُن سے مسائل فقہ کا سوال کیا۔ عبد اللہ نے جو جواب دئیے اُن سے نہایت جہل ثابت ہوا۔ بعض کتب میں لکھا ہے۔ کہ سائل نے عبد اللہ سے دریافت کیا۔ کہ دو سو درہم پر کس قدر زکوۃ واجب ہے۔ بولے پانچ درہم پھر سائل نے کہا سو درہم پر کس قدر ہے قیاس لگا کر کہا اڑھائی درہم اور یہ امامیہ کے مذہب کے خلاف ہے اسلئے کہ سو درہم پر زکوۃ نہیں۔ چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے۔ اس سے کم پر زکوۃ نہیں الغرض زرارہ افطح کی امامت سے پھر گیا۔ اور جب کوفے کو واپس آیا۔ تو اُسکے دوست ملنے کو آئے۔ اور امام کا حال دریافت کیا۔ اس وقت زرارہ کے پاس قرآن رکھا ہوا تھا۔ اس نے قرآن کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ میرا تو یہ امام ہے۔ اسکے سوا میرا کوئی امام نہیں۔ پس شیعہ افطحیہ اپنے امام سے پھر گئے۔

(۱۳۱) اسحاقیہ۔ یہ کہتے ہیں۔ کہ اسحاق بن جعفر اپنے باپ کے بعد امام ہیں۔ اور یہ اسحاق نہایت متقی اور اعلے درجے کے عالم تھے۔ ثقات محدثین نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ جیسے سفیان بن عیینہ وغیرہ۔

(۱۳۲) یعفوریہ۔ یہ مصنوافق فرقہ میں اسحاقیہ اور مفضلیہ کے درمیان میں اس فرقے کو لکھا ہے۔ یہ ابن ابی یعفور کے اصحاب ہیں۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ انبیا سے گناہ ہونیکا صدور جائز ہے۔

(۱۳۳) مفضلیہ۔ یہ اصحاب ابوالمفضل بن عمر کے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ جعفر صادق کے بعد موسی کاظم امام ہیں۔ کیونکہ جعفر نے اُنکے واسطے نام لیکر

نص کر دی تھی۔ اس طرح کہ ساتواں تمہارا کہ قائم وامام تمہارا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں یوں کہا تھا کہ صاحب کہ قائم تمہارا ہے آگاہ ہو کہ وہ ہمنام صاحب توریت ہے۔ اور یہ لوگ انکی وفات کے قائل ہیں۔ انکو قطعیہ بھی کہتے ہیں۔ اسلئے کہ انکی موت کو قطعی جانتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ منجملہ وہ فرقہ ہی جسکا اعتقاد یہ ہے کہ امام موسی کاظم مر گئے۔ اور امامت انکے بیٹے محمدؒ کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور قطعیہ ایک جداگانہ فرقہ ہے جسکا اعتقاد یہ ہے کہ موسی کاظم کے بعد امامت علی رضا کو پہنچی۔ پھر انہیں امامت کو قطع کر دیا اور انکے بیٹے کی امامت کو بیان نہ کیا اسلئے انکا نام قطعیہ قرار پایا اور قطعیہ کے رئیس کا نام یونس بن عبدالرحمن ہے۔

(۱۵) موسویہ۔ انکو امام موسی کاظم کی موت وحیات میں شک ہے اسی واسطے امامت کو انہیں پر منحصر سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان کے بعد سلسلہ امامت بند ہو گیا۔ اور کہتے ہیں کہ اگر امامت غیر موسی کاظم کے لئے صحیح ہو۔ تو وہ نافذ ہے

(۱۶) ممطوریہ۔ یہ لوگ موسی کاظم کی حیات کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ نہیں مرے۔ انہیں کو مہدی موعود امام منتظر جانتے ہیں۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ممطوریہ کو امام موسی کاظم کی موت میں توقف ہے۔ انکو ممطوریہ اسلئے کہتے ہیں کہ ایکبار قطعیہ کے ساتھ انہوں نے مناظرہ کیا تھا قطعیہ کے رئیس نے جسکا نام یونس بن عبدالرحمن ہے انکو کہا انتم اھون عندنا من الکلاب الممطورۃ یعنی تم ہمارے نزدیک بارش کے بھیگے ہوئے کتوں سے زیادہ حقیر ہو اس وقت سے یہ لوگ ممطوریہ مشہور ہو گئے۔

(۱۷) راجعیہ انکو کاظمیہ بھی کہتے ہیں۔ ان کا قول یہ ہے۔ کہ موسی کاظم کا انتقال ہو گیا۔ لیکن وہ پھر دنیا میں لوٹ کر آئینگے۔ اور چونکہ یہ تینوں فرقے امامت موسی کاظم پر موقوف رکھتے ہیں۔ اور انکو ہی لا یموت سمجھتے ہیں اسلئے

واقفیہ بھی کہلاتے ہیں۔ نامۂ دانشوران میں ابن قبہ کے حالات میں بیان
کیا ہے۔ کہ واقفیہ بھی مختلف طور پر ہیں بعضے جناب ابو عبداللہ جعفر صادق
پر توقف کرتے ہیں۔ اور ایک گروہ موسیٰ بن جعفر پر توقف کرتا ہے علمائے
رجال و محدثین امامیہ کی اصطلاح میں غالباً واقفیہ کو پچھلی قسم پر اطلاق
کرتے ہیں۔ توضیح المقال میں اختیار سے سلسلہ وار ابوالقاسم حسین محمد بن
عمر بن یزید کے چچا تک روایت کی ہے۔ کہ واقفیہ کی ابتدا کی یہ صورت ہے
کہ اشاعشہ کے پاس تیس ہزار دینار بابت زکوۃ وغیرہ کے جو کچھ انپر واجب
تھا جمع ہوگئے۔ انہوں نے وہ دینار امام موسیٰ کاظم کے وکلاء کے پاس
بھیجدئے جو کوفے میں موجود تھے۔ اور یہ دو شخص تھے جنمیں ایک کا نام حیان
سراج ہے۔ اور موسیٰ کاظم اُس زمانہ میں ہارون الرشید کے حکم سے بغداد میں
محبوس تھے۔ ان وکیلوں نے اُن دیناروں سے مکانات اور غلہ وغیرہ
اشیا خرید لیں۔ جب موسیٰ کاظم کا ۱۸۳ھ میں انتقال ہوگیا۔ تو یہ وکلاء
انکی موت کے منکر ہوگئے۔ اور واسطے دبالینے اس اموال کے شیعوں میں
یہ بات مشہور کردی کہ وہ نہیں مرینگے۔ فرماتے تھے کہ میں حی لایموت ہوں
کیونکہ وہی مہدی ہیں پس بہت سے شیعہ کا اسی پر عقیدہ جم گیا۔ کہ امام
موسیٰ کاظم زندہ ہیں۔ اور وہ مال اُن دونوں وکیلوں کے پاس دم آخر تک
رہا۔ پھر انتقال کے وقت انہوں نے وصیت کردی۔ کہ امام موسیٰ کاظم کے ورثاء
کو دیدیا جائے۔ تب شیعہ واقف ہوئے کہ انہوں نے مال کی حرص سے یہ فقرہ
گانٹھا تھا۔ اور کتاب فوائد میں یہ ہے۔ کہ واقفیہ کا اطلاق ان لوگوں پر کرتے
ہیں جنہوں نے موسیٰ کاظم کے غیر کی امامت پر توقف کیا۔ اور اُنکے بعد پھر کسی
کو امام نہ مانا۔ اور جب مطلق واقفیہ استعمال کرتے ہیں۔ تو یہی فرقہ مراد ہوتا
ہے جو موسیٰ کاظم پر امامت کو موقوف رکھتا ہے۔ اور جب کہیں واقفیہ اور
معنی میں آتا ہے۔ تو وہ کسی قرینے کے ساتھ ہوتا ہے جن میں سے ایک قرینہ

یہ ہے کہ جس نے موسی کاظم کو نہ پایا۔ اور ان سے قبل یا انکے زمانے میں مر گیا تو یہ واقفی اس وجہ سے ہے کہ امام موسی کاظم کی امامت کا مقر نہیں ہوا جیسے سماعہ بن مہران اور علی بن حنان اور یحیی بن القسم اور تحقیق یہ ہے کہ واقفیہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو امامت کو موسی کاظم پر موقوف رکھتے ہیں دوسرے وہ ہیں جنہوں نے خود موسی کاظم کی امامت میں انہیں کے وقت میں کسی شبہ کی وجہ سے توقف کیا۔ انہیں امام تسلیم نہ کیا

(۱۸) احمدیہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ موسی کاظم کے بعد انکے بیٹے احمد امام ہوئے

(۱۹) جعفریہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جعفر صادق کے بعد موسی کاظم بن جعفر امام ہیں۔ پھر علی رضا بن موسی پھر محمد التقی بن علی رضا پھر علی نقی بن محمد تقی پھر حسن عسکری بن علی نقی اور حسن عسکری لاولد فوت ہوئے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اور نہ انکے کوئی بیٹا محمد نامی پیدا ہوا پس یہ محمد مہدی کی ولادت کے منکر ہیں۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جعفریہ انکا نام اسلئے ہے۔ کہ انکے نزدیک حسن عسکری کے بعد انکے بھائی جعفر امام ہیں۔ بعضوں نے توقف کیا ہے۔ اور محمد تقی کے حال میں شک کرتے ہیں۔

(۲۰) اثنا عشریہ جب لفظ امامیہ مطلقاً بلا قید بولتے ہیں۔ تو یہی فرقہ مراد ہوتا ہے۔ ابن اثیر نے شرح کتاب جامع الاصول کی بحث نبوت میں کہا ہے کہ مذاہب مشہورہ اسلام میں جن پر تمام عالم کے مسلمانوں کا مدار ہے۔ مذہب شافعی اور ابو حنیفہ اور مالک اور احمد رضی اللہ عنہم کا اور مذہب امامیہ ہے۔ اور اس بات کی تعیین کی ہے کہ مذہب امامیہ کے مجدد دوسری صدی ہجری کے اوائل میں امام علی رضا بن موسی کاظم تھے اس لئے کہ گمان اسکا یہ ہے۔ کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ اللہ تعالے ہر صدی کے آغاز میں ایک ایسا شخص بھیجتا ہے جو امت مذکورہ کے لئے دین کی تجدید کرتا ہے۔ یعنی دین کو روشن اور زندہ کرتا ہے پس ایسا مجدد کسی ایک مذہب سے خصوصیت

نہیں رکھتا ہے۔ بلکہ ہر ایک مذہب کا ہر صدی کے اول میں ایک مجدد ہوتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ اثنا عشریہ کا ظہور ۲۵۶ھ[1] میں ہوا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب امام حسن عسکری بن علی نقی نے وفات پائی۔ تو پانچ[2] برس کا ایک لڑکا محمد[3] نامی سوسن[4] یا نرجس[5] کنیز کے شکم سے جو ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ[6] میں شب کے وقت جیسا کہ عبدالوہاب شعرانی نے کتاب یواقیت وجواہر میں بیان کیا ہے پیدا ہوا تھا مہدی موعود اور خاتم الائمہ یہی ہیں۔ خلیفہ معتمد علے اللہ عباسی کے عہد میں بقول ابن وردی نو برس کی عمر میں تہ خانہ سامرہ میں جو ایک بڑا شہر ہے تکریت اور بغداد کے درمیان شرقی دجلہ پر آباد کیا ہوا معتصم کا چھپ گئے۔ اور وقت مخفی ہونیکا ۱۵ شعبان ۲۶۶ھ ہے۔ اور یافعی کے نزدیک ۲۶۵ھ ہے۔ شیخ عبدالحق نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔ اول اصح ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے[7] میں ذکر کیا ہے۔ کہ میں نے اُس تہ خانے کے دروازہ پر سواری اور سواروں کو کھڑے دیکھا ہے۔ اور تحفہ احمدیہ میں لکھا ہے کہ اول امامت میں کہ سن شریف محمد بن حسن کا پانچ یا چار برس کا تھا خوف سے حکام کے وقت کے غائب ہوئے۔ وہ **غیبت صغریٰ** تھی۔ سفیر اور نائب حضرت کا ظاہر رہتا تھا۔ پہلے سفیر عثمان بن سعید تھے۔ بعد اُنکے بیٹے اُنکے محمد ہوئے پھر حسین بن روح ہوئے۔ پھر علی بن محمد سمیری۔ اُنکے بعد **غیبت کبرےٰ** ہوئی نائب ظاہر کوئی نہ رہا۔ مدت غیبت صغریٰ کی چوہتر برس تقریباً رہی۔ محمد

---

[1] صواعق محرقہ میں مرقوم ہے وبدء ظہورہم کان فی حدود سنۃ ست وخمسین ومائتین ۱۲ منہ [2] دیکھو مقدمہ اولیٰ کتاب منتہی المقال فی اسماء الرجال ۱۲ منہ

[3] دیکھو تقصار جیود الاحرار [4] دیکھو عمدۃ الطالب در انساب آل ابی طالب ۱۲

[5] کتاب اصول کافی کلینی کے مولد صاحب الزمان میں بھی یوں ہی ہے۔ اور کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں لکھا ہے کہ ۱۳ رمضان ۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲ منہ

[6]

[7] ابن بطوطہ کا سفر ۲ رجب ۷۲۵ھ سے شروع ہو کر ۳ ذیقعدہ ۷۵۶ھ کو ختم ہوا۔ ۱۲ منہ

بن حسن عسکری کے ماننے والے کہتے ہیں۔ کہ امام بارہ ہیں۔اسی لئے اُن کا لقب اثنا عشری ہو گیا ہے۔ انکے نزدیک ایمان لانا رجعت پر واجب ہے یعنی جناب محمد مہدی صاحب الامر ظہور او رخروج فرمائینگے۔ اس وقت مومن خاص اور کافر و منافق مخصوص سب زندہ ہونگے۔ عالم کو پُر از عدل و داد کرینگے۔ ہر ایک اپنی داد و انصاف کو پہنچیگا۔ اور ظالم سزا پائینگے۔

یاد رکھو کہ چہاردہ معصوم کی ترتیب اس طرح مشہور ہے۔ محمد۔ علی فاطمہ۔ حسن۔ حسین۔ علی زین العابدین۔ محمد باقر۔ جعفر صادق۔ موسی کاظم۔ علی رضا محمد تقی۔ علی نقی۔ حسن عسکری۔ محمد مہدی علیہم السلام۔ ناسخ التواریخ کی کتاب دوم کی جلد پنجم میں جہاں چہاردہ معصوم کے کفن و دفن میں ملائکہ کے مدد دینے کا ذکر کیا ہے۔ اس بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ چہاردہ معصوم انہیں سے مراد ہے۔ اور تحفتہ العوام میں لکھا ہے کہ جناب علی بن ابی طالب سے حضرت امام محمد مہدی تک یہ بارہ امام معصوم ہیں۔ اور جناب رسالت مآب اور جناب فاطمہ زہرا دو معصوم ہیں۔ انہیں کو چہاردہ معصوم کہتے ہیں۔ لیکن مولوی قدرت اللہ نے جام جہاں نما میں لکھا ہے۔ کہ عوام کے نزدیک چہاردہ معصوم بارہ اماموں اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بی بی فاطمہ زہرا سے عبارت ہے۔ اور یہ غلط ہے صحیح یہ ہے۔ کہ چہاردہ معصوم یہ ہیں (۱) محسن بن علی کرم اللہ وجہہ جو بی بی فاطمہ علیہا السلام سے ہیں۔ انکی قبر جنت البقیع میں ہے۔ مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے۔ کہ محسن ایام حمل میں شکم سے ساقط ہو گئے تھے۔ حضرت رسالت پناہ نے ساقط ہونے سے قبل انکا نام محسن رکھا تھا۔ (۲) عبداللہ بن امام حسن یہ سات برس کی عمر میں طلحہ بن عامر کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ انکی قبر جنت البقیع میں ہے (۳) جعفر بن حسین یہ تین برس کی عمر میں تشنگی سے جان بحق تسلیم ہوئے انکی قبر کربلا میں ہے (۴) قاسم بن امام حسن انکی قبر کربلا میں ہے (۵) حسین بن امام زین العابدین

یہ تین برس کی عمر میں حجاج کے ہاتھ سے شہید ہوئے انکی قبر رے میں ہے (۶) صالح بن امام محمد باقر اور بعض نزدیک قاسم بن امام زین العابدین یہ تین برس کی عمر میں حجاج کے ہاتھ سے شہید ہوئے انکی قبر بھی رے میں ہے (۷) علی اکبر بن امام محمد باقر آٹھ برس کی عمر میں احمد بن منصور کے ہاتھ سے شہید ہوئے قبر انکی شام میں ہے (۸) عبد اللہ بن امام جعفر صادق یہ دو برس کی عمر میں خلیفہ بغداد کے سامنے عبد اللہ بن محمود کوفی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ انکی قبر بغداد میں ہے (۹) یحییٰ بن امام جعفر صادق تین برس کی عمر میں باسلطان کے درمیان شہید ہوئے قبر انکی باسلطان میں ہے (۱۰) صالح بن امام موسیٰ کاظم تین برس کی عمر میں یوسف بن ابراہیم بن احمد دمشقی کے ہاتھ سے شہید ہوئے قبر انکی رے میں ہے (۱۱) طیب بن امام موسیٰ کاظم سات برس کی عمر میں یمن دمشقی کے ہاتھ سے شہید ہوئے قبر انکی شیراز میں ہے (۱۲) جعفر بن امام محمد تقی چار برس کی عمر میں یوسف بن ابراہیم دمشقی کے ہاتھ سے شہید ہوئے انکی قبر کوفے میں ہے (۱۳) جعفر بن امام حسن عسکری یہ بھی یوسف بن ابراہیم دمشقی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ ان کی قبر رے میں ہے (۱۴) قاسم بن محمد مہدی تین برس کی عمر میں منصور بن ناصر بن ابراہیم کے ہاتھ سے شہید ہوئے انکی قبر شیراز میں ہے۔ مرآت آفتاب نما میں بھی چہاردہ معصوم کی تفصیل اسی طرح لکھی ہے لیکن بعض باتوں میں اختلاف کیا ہے جسکی صورت یہ ہے (۳) عبد اللہ بن امام حسین یہ دو برس کی عمر میں عبید بن زیاد ازرق دمشقی کے ہاتھ سے شہید ہوئے (۴) قاسم بن امام حسن تین سال کی عمر میں تشنگی سے مرے قبر کربلا میں ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ وہ عمرو بن سعد بن نفیل کے ہاتھ سے میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ اور انکی عمر اس وقت نو سال کی تھی ناسخ التواریخ کی چھٹی جلد میں تذکرۃ الائمہ سے اسی طرح نقل کیا ہے (۵) حسن بن امام زین العابدین یہ چھ برس کی عمر میں منصور بن احمد کے ہاتھ سے شہید ہوئے قبر کوفے میں ہے (۶) قاسم بن امام زین العابدین یہ دو سال کی عمر میں عدوان بن زید

کے ہاتھ سے شہید ہوئے قبر بصرے میں ہے (۷) علی بن امام محمد بن باقر ۱۰ سال کی عمر میں منصور دمشقی کے ہاتھ سے شہید ہوئے قبر ساوہ میں ہے (۸) عبداللہ بن امام جعفر صادق یہ پانچ سال عمر میں دامغان و بسطام کے درمیان شہید ہوئے قبر بسطام میں ہے (۹) یحییٰ بن ہادی بن جعفر صادق دو سال کی عمر میں عبداللہ بن محمود کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ قبر بغداد میں ہے (۱۱) طیب بن موسیٰ کاظم عثمان بن محمود کے ہاتھ سے شیراز میں شہید ہوئے تھے (۱۲) جعفر بن تقی کی قبر قم میں ہے (۱۳) جعفر بن امام حسن عسکری ایک سال کی عمر میں منصور بن ناصر بن ابراہیم دمشقی کے ہاتھ سے شہید ہوئے قبر رے میں ہے (۱۴) قاسم بن محمد بن حسن عسکری یہ بھی منصور بن ابراہیم دمشقی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ قبر خراسان میں اور بعض کے نزدیک ہرات میں ہے۔

ائمہ کی ترتیب

شیعہ اثنا عشری کہتے ہیں کہ انبیا کی طرح امام بھی منصوص من اللہ ہیں۔ یعنی خدا کی جانب سے مقرر ہوتے ہیں۔ اور انکے ہاں ائمہ کی ترتیب اس طرح ہے۔

امام اول حضرت علی بن ابی طالب ہیں جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے جمعہ کے روز ۱۳ رجب کو اور بنا بر روایت جعفر صادق کے ساتویں شعبان کو ہجرت سے ۲۳ سال قبل بیت الحرام میں فاطمہ بنت اسد سے متولد ہوئے۔ اسعاف الراغبین اور ابوالفدا وغیرہ میں ہے کہ ۱۷ رمضان سنہ چالیس ہجری میں جمعہ کی صبح کو عبدالرحمن بن ملجم کے ہاتھ سے زخمی ہوئے۔ شب یکشنبہ کو ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ روضۃ الصفائے ناصری میں لکھا ہے کہ ارباب اخبار کی ایک جماعت کہتی ہے۔ کہ ۲۰ رمضان کو انتقال فرمایا۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ ۱۷ رمضان کو فوت ہوئے۔ اور ایک گروہ بیان کرتا ہے کہ ۱۲ ماہ مذکور کو رہگرائے عالم بقا ہوئے۔ مشہور یہی ہے۔ کہ تین کپڑوں کے اندر مقام غری یعنی نجف

ہیں یا مسجد کوفہ میں قبلہ رو یا قصر الامارۃ کوفہ میں دفن ہوئے ۔ اور بعض کہتے ہیں
کہ حضرت امام حسن نے انکو مدینے میں لیجا کر بقیع میں حضرت فاطمہ زہرا کی قبر کے پاس
دفن کیا ۔ قبر انکی خوارج کے کھودنے کے خوف سے مخفی رکھی گئی[1] ناسخ التواریخ کی
کتاب دوم کی جلد سوم کے صفحہ ۷۴۴ میں مذکور ہے ۔ کہ جب حضرت امام حسن نے انکے
دفن کرنے کے لئے زمین کھودی ۔ تو وہاں قبر اور لحد اور چند اینٹیں ملیں ۔ اور ایک
تختی بھی تھی جس میں بخط سریانی دو سطریں لکھی ہوئی تھیں جنکا ترجمہ یہ ہے
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ وہ قبر ہے ۔ جسکو نوح نے علی وصی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے
طوفان سے سات سو برس قبل کھودا ہے ۔ بہرصورت ہارون کے زمانے تک انکی
قبر کا حال سوائے ائمہ اہل بیت کے دوسرا شخص نہیں جانتا تھا ۔ آپکی مہر پر یہ
کندہ تھا ۔ الملک للہ الواحد القہار

امام دوم حضرت حسن بن علی علیہما السلام ہیں ۔ سہ شنبہ ۱۵ ماہ رمضان سنہ ۲ھ
یا سنہ ۳ھ میں پیدا ہوئے تھے ۔ انکی کنیت ابو محمد ہے ۔ اور لقب تقی اور زکی اور
سبط اور ولی ہے ۔ اور ان میں اشہر تقی ہے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
سید لقب عطا کیا تھا ۔ انکی عمر حضرت علی کی وفات کے وقت ۳۷ سال کی تھی صاحب
کشف الغمہ فی معرفت الائمہ نے لکھا ہے ۔ کہ ۶ ماہ اور تین دن تک کار خلافت میں
دخل دیا ۔ اور سنہ ۴۱ھ میں نصف جمادی الاول[2] کو معاویہ کو کار خلافت سپرد کر کے صلح
کر لی ۔ اور ایک لاکھ درہم سالانہ معاویہ نے انکے مقرر کر دیئے ۔ شیعہ کو اس سے رنجی
پیدا ہوئی ۔ خفیہ طور سے استحقاق اہل بیت اور انکی امداد کے مشورے کرنے لگے
اور امام حسن سے بھی اسی وجہ سے ناراض ہو گئے ۔ امام حسین کو طلبی کا خط لکھا ۔
آپنے سر دست آنے سے انکار کر دیا مگر یہ وعدہ کر لیا کہ معاویہ کے مرنے کے بعد اس
اقرار کو پورا کرونگا ۔ اعلام الوری میں طبرسی نے لکھا ہے ۔ کہ وہ صلح کے بعد مدینے
میں دس سال تک زندہ رہے ۔ پھر انکی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی

[1] دیکھو اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفےٰ و اہل بیت الطاہرین ۱۲ [2] دیکھو تاریخ ابن خلدون ۱۲

نے معاویہ کے کہنے سے اور بقولے مروان کی ترغیب سے زہر دیدیا جس سے پانچویں یا ساتویں ربیع الاول ۵۰ھ یا ربیع الاول ۴۹ھ یا ۲۸ صفر ۴۹ھ میں ۴۷ برس اور چند ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا۔ معاویہ نے یہ خبر سنی تو سجدے میں گر گئے۔[1] اور بعض کہتے ہیں۔ کہ یزید کے بہکانے سے کہ میں تجھ سے بعد امام حسن کے نکاح کراؤنگا۔ زہر دیا۔ مگر یزید نے بھی اس سے نکاح نہ کیا۔ امام حسن بقیع میں مدفون ہوئے۔ زمان امامت حقیقت میں ۹ سال ہیں خضاب سیاہ کرتے تھے۔ سلسلۂ حسنیہ انہیں سے مخصوص ہے۔ اور بعض اور سلسلے بھی حسن مثنیٰ کے ذریعہ سے ان سے ملتے ہیں۔ آپکی مہر پر یہ کندہ تھا "العزۃ للہ"

امام سوم حضرت حسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔ جو پنجشنبہ اور بقولے سہ شنبہ تیسری یا چوتھی یا پانچویں شعبان اور بقولے آخر ماہ ربیع الاول اور بقولے تیرہویں ماہ رمضان ۴ھ اور بقولے ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ انکی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور القاب رشید و طیب و زکی و وفی و سید و مبارک و تابع لمرضاۃ اللہ و سبط صغر ہیں۔ اور ان میں بہت مشہور زکی ہے۔ انکی عمر حضرت علی کی وفات کے وقت ۴۷ سال کی تھی۔ اور حضرت امام حسن کے انتقال کے وقت ۴۶ سال کی عمر تھی۔ کربلا میں دوشنبہ یا جمعہ یا شنبہ دہم محرم ۶۱ھ کو ۵۸ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ سنان بن انس نخعی خاص انکا قاتل ہے۔ انکی مہر پر یہ کندہ تھا۔ لکل اجل کتاب۔ دیگر ان اللہ بالغ امرہ .... نقش نگین تھا بھائی کے بعد کچھ کم دس سال تک امامت کی ناسخ التواریخ کی جلد حالات حسین علیہ السلام صفحہ ۱۵ سطر ۲ سطور عدا یران میں ذکر فضائل حسین و محبت رسول خدا با آنحضرت میں لکھا ہے۔ علی علیہ السلام سے فرمایا ان النبی کشف عن ابنہ الحسین فقبل زبیبہ وقام فصلی من غیر ان یتوضاء ۔

یعنی رسول خدا از فرو دناف تا زانوے حسین علیہ السلام را از جامہ باز کردرد

---

[1] دیکھو تاریخ ابو الفدا ۱۲ منہ

زبہ دہر ذکر، او را بوسید و بر خاست و نماز گذاشت بے آنکہ وضو سازد۔ اُن کے سر کے باب میں تین قول ہیں (۱) بعض کہتے ہیں کہ یزید نے حکم دیا کہ اسکو تمام ملکوں میں پھرانا چاہیئے۔ اُسکے حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور جب عسقلان میں پہنچا۔ تو وہیں دفن کرادیا گیا۔ پھر خلفائے فاطمیین کے ایک وزیر نے جسکا نام صالح ہے اُسے عسقلان سے مصر میں منگاکر دفن کرایا۔ قاہرہ میں خان خلیلی کے پاس وہ مقام ہے۔ جہاں یہ سر مدفون ہے۔ (۲) بقیع میں امام حسن کی قبر کے پاس مدفون ہے (۳) امامیہ کہتے ہیں کہ شہادت سے چالیس دن کے بعد کربلا میں اُسے جثۂ مبارک کے ساتھ دفن کیا تھا۔ بحار الانوار کی دسویں جلد میں علل الشرائع سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق نے عبد اللہ بن فضل ہاشمی سے فرمایا کہ ایک جماعت کا بیان ہے۔ کہ وہ ہمارے محب کہلاتے ہیں۔ اور وہ ہماری امامت پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ نظر مردم میں ایسا معلوم ہوا کہ وہ شہید ہوئے۔ جس طرح کہ عیسیٰ بن مریم نظر مردم میں قتل ہوتے دکھلائی دیئے۔ اور فی الواقع قتل نہیں ہوئے۔ پس اس قول کے بموجب چاہیئے۔ کہ کچھ عتاب وملامت وعذاب بنی امیہ پر نہو۔ اے پسر عم جو کوئی دعوے کرے۔ کہ امام حسین شہید نہیں ہوئے۔ پس اُس نے رسول خدا اور ائمہ کی تکذیب کی ہے جنہوں نے حضرت امام حسین کے شہید ہونے کی خبریں دی ہیں۔ اور جو کوئی رسول خدا اور ائمہ کی تکذیب کرے۔ وہ کافر ہے۔ جو کوئی جس شخص سے ایسا سنے اسکو اُس کا خون مباح ہے۔ پھر عبد اللہ بن فضل نے کہا یابن رسول اللہ آپ شیعوں کی اس جماعت کے باب میں کیا فرماتے ہیں۔ جنکو یہ اعتقاد ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ ہمارے شیعہ نہیں ہیں۔ میں اُن سے بیزار ہوں۔ دمع الہتون میں لکھا ہے کہ ابن بابویہ نے بہ سند معتبر روایت کی ہے۔ کہ ابو الصلت ہروی نے امام رضا کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک جماعت کوفے میں ہے۔ وہ دعوے کرتے ہیں کہ امام حسین شہید نہیں ہوئے۔ اور خدا نے مشابہ اُنکے حنظلہ بن اسعد شامی کو

سو دکھایا اور امام حسین کو آسمان پر لے گیا جس طرح عیسیٰ کو آسمان پر لے گیا۔

امام چہارم علی بن حسین شہید ہیں جنکا لقب زکی و امین و سجاد و زین العابدین ہے اور کنیت ابو الحسن و ابو محمد ہے اور علی اصغر نام ہے۔ ناسخ التواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُنکا نام علی اوسط ہے۔ اور علی اصغر معرکہ کربلا میں زخم تیر سے شہید ہوئے تھے۔ اور صحیح یہ ہے۔ کہ امام حسین کے تین بیٹوں کے نام علی ہیں اول علی اکبر شہید جو بیرہ دختر عروہ بن مسعود ثقفی سے پیدا ہوئے تھے دوسرے علی امام اور علی اوسط تیسرے علی اصغر ان دونوں کی ماں کا نام شہر بانوئے اور لقب شاہ زنان ہے۔ یزدجرد شاہ ایران کی بیٹی تھیں اسیر ہو کر آئی تھیں اسلئے بعض نے انہیں ام ولد کہا ہے۔ اور کنیزوں میں شمار کیا ہے۔ اور یہ شایاں نہ تھا۔ لواقح الانوار فی طبقات الاخیار میں امام حسین کے حالات میں لکھا ہے کہ اُنکے تین فرزند تھے۔ علی اکبر علی اصغر جنکی نسل سے یہ سارے سادات کے خاندان ہیں تیسرے جعفر اور دو دختر فاطمہ اور سکینہ اور اسعاف الراغبین میں لکھا ہے۔ کہ اُنکے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں (۱) علی اکبر (۲) علی اوسط (۳) علی اصغر (۴) عبد اللہ (۵) محمد (۶) جعفر (۱) زینب (۲) فاطمہ (۳) سکینہ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں بھی بیٹوں کے یہی چھ نام گنائے ہیں۔ ان میں سے علی اصغر و عبد اللہ معرکہ کربلا میں باپ کی گود میں زخم تیر سے شہید ہوئے۔ اور علی اکبر بھی اسی معرکے میں شہادت کو پہنچے۔ علی اوسط زین العابدین کے لقب سے ملقب ہوئے اور پھر یہی علی اکبر کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ناسخ التواریخ کی کتاب دوم کی چھٹی جلد میں لکھا ہے۔ کہ نہایت تحقیق کے بعد ثابت ہوا۔ کہ اُنکے چار بیٹے تھے علی اکبر علی اوسط جو زین العابدین کے لقب سے مشہور ہوئے اور علی اصغر اور عبد اللہ ماں کے نام میں اختلاف ہے کسی نے شہر بانو کسی نے شہربان کسی نے شاہ زنان اور کسی نے سلافہ اور کسی نے سلامہ اور کسی نے غزالہ اور کسی نے خولہ لکھا ہے بہر صورت

شاہ زنان اُنکا نام امیر المومنین نے رکھا تھا ۱۲

عبداللہ اور دو بیٹیاں تھیں۔ فاطمہ و سکینہ چونکہ علی اکبر علی اصغر و عبداللہ کربلا میں شہید ہو گئے اسلئے امام حسین کی نسل امام زین العابدین سے باقی ہے یہ شنبہ اور بقولے جمعہ اور بروائتی پنجشنبہ پانچویں شعبان اور بقولے پندرہویں جمادی الاخری اور بقولے پندرہویں جمادی الاولے ۳۸ھ میں شب کے وقت پیدا ہوئے تھے۔ اور بعض نے سال ولادت ۳۷ھ اور بعض نے ۳۶ھ لکھا ہے۔ اور واقعہ کربلا میں ۲۲[1] سال کی عمر رکھتے تھے۔ جیسا کہ مجمع البحرین میں مذکور ہے اور حبیب السیر میں ۲۳ سال کی عمر لکھی ہے۔ مریض ہونے کی وجہ سے قتل ہونے سے بچ گئے۔ اس حادثے کے بعد ۳۴ سال اور زندہ رہے۔ ایک بار محمد بن حنفیہ نے اُن سے کہا کہ میں حضرت علی کا صلبی بیٹا ہوں اسلئے بہ نسبت تمہارے امامت کا میں مستحق ہوں۔ پس حضرت رسول کے ہتیار میرے پاس رہنا چاہییں۔ زین العابدین نے فرمایا اے چچا خدا سے ڈرو۔ اور جو چیز آپکا حق نہیں۔ اُسے طلب نکرو۔ محمد بن حنفیہ نے اصرار کیا۔ زین العابدین نے فرمایا کہ آو حجر اسود کے پاس چلیں۔ اور اس سے دریافت کریں۔ کہ امام زمان کون ہے محمد اسپر راضی ہوئے۔ اور دونوں حجر اسود کے پاس گئے۔ زین العابدین کے کہنے سے محمد ابن حنفیہ نے اُس سے پہلے سوال کیا اور اللہ سے استدعا کی تاکہ حجر اسود انکی امامت پر شہادت دے لیکن اس سے جواب نہ ملا۔ پھر زین العابدین نے کہا اے حجر خدا کے واسطے تو ہم کو عربی میں خبر دے کہ وصی و امام بعد حسین کے کون ہے حجر ہلا اور نہایت فصیح عربی میں جواب دیا۔ کہ امام حسین کے بعد امامت اور وصیت علی بن حسین کا حق ہے۔ اور امام زمان وہی ہیں۔ محمد نے یہ دیکھکر انکی امامت تسلیم کرلی۔ بقول ابن صباغ مالکی صاحب فصول مہمہ ولید بن عبدالملک کے زہر دلوانے سے یوم شنبہ بائیسویں محرم اور بقولے بارہویں یا اٹھارہویں یا پچیسویں ماہ مذکور ۹۴ھ یا ۹۵ھ کو ۵۷ یا ۵۸ سال کی عمر میں

[1] مجمع البحرین میں ہے ان عمرہ علیہ السلام بعد قتل ابیہ کان اثنتین وعشرین سنۃ

فوت ہوکر اپنے چچا حسن سبط کی قبر کے پاس مدفون ہوئے۔ ۳۴ سال امامت کی مروان اور عبد الملک اور اُسکا بیٹا ولید اُنکے ہم عصر تھے۔ انکی مہر پہ یہ کندہ تھا۔ وما توفیقی الا باللہ اور بعض نے نقش نگین یہ لکھا ہے حسبی اللہ کل ہم۔

امام پنجم محمد بن علی ہیں۔ یہ ایسے ہاشمی ہیں کہ دو ہاشمی سے متولد ہوئے اور ایسے علوی ہیں کہ دو علوی سے متولد ہوئے۔ کیونکہ باپ امام زین العابدین بن حسین ہیں۔ اور ماں فاطمہ بنت امام حسن ہیں۔ مدینے میں سہ شنبہ یا جمعہ یا دوشنبہ پہلی ماہ رجب یا ۳ صفر ۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ غرہ رجب سنہ مذکور میں پیدا ہوئے۔ لقب اُنکے باقر و شاکر و ہادی ہیں اور کنیت ابو جعفر ہے۔ باپ کی وفات کے وقت ۳۸ سال کی عمر تھی۔ روز دوشنبہ تاریخ ساتویں ذیحجہ اور بقولے ربیع الاول ۱۱۴ھ میں انتقال فرمایا۔ اس روایت کے بموجب کہ نہایت صحیح ہے ۵۷ سال کی عمر پائی۔ اور ۱۹ برس امامت کی۔ اور بقول مولف نور الابصار تریسٹھ سال یا اٹھاون سال کی عمر میں ۱۱۸ھ میں فوت ہوئے درر الاصداف میں ہے۔ کہ انکو بھی زہر دیا گیا تھا۔ تاریخ گزیدہ میں مسطور ہے کہ ہشام بن عبد الملک بن مروان نے زہر دلوایا تھا۔ اور رسالہ اعتقادیہ میں ہے۔ کہ ابراہیم بن ولید نے زہر دلوایا تھا۔ مگر یہ قول تحقیق کے خلاف معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ بیسویں ذی حجہ ۱۲۶ھ کو یزید بن ولید نے انتقال کیا۔ تو اُس کا بھائی ابراہیم بن ولید خلیفہ مقرر ہوا تھا جس نے چار مہینے اور بعض کے نزدیک ستر دن تک خلافت غیر مستقل کی اور ۱۲۷ھ میں مروان بن محمد کے ہاتھ سے معزول ہوا۔ البتہ ہشام بن عبد الملک انکی وفات کے وقت سریر خلافت پر متمکن تھا جو ۱۰۵ھ میں یزید بن عبد الملک کے بعد مسند نشین ہوکر ۱۰ ربیع الاول ۱۲۵ھ میں فوت ہوا ہے۔ بقیع میں قبۃ العباس کے اندر دفن ہوئے۔ انکی مہر پر رب لا تذرنی فردا کندہ تھا۔

امام ششم جعفر بن محمد ہیں جنکے لقب صادق و فاضل و طاہر ہیں۔ اور

کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ اکثر علما نے کہا ہے کہ مدینے میں دوشنبہ سنہ ۸۳ھ میں
پیدا ہوئے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن پہلی رجب کو پیدا ہوئے تھے
اور بخاری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ میں ام
فروہ دختر قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق سے پیدا ہوئے۔ اور قاسم کی ماں عبد الرحمن
بن ابوبکر کی بیٹی ہیں۔ اسی لئے کہا کرتے تھے ولدنی صدیق مرتین۔ اور بعض
نے کہا ہے کہ یوں فرمایا کرتے تھے ولدنی ابوبکر مرتین علم حدیث اپنے باپ اور قاسم
بن محمد بن ابی بکر اور عروہ اور عطا اور نافع اور زہری سے حاصل کیا۔ اور ان
سے سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری اور مالک اور یحیی بن سعید انصاری
اور شعبی اور یحیی بن سعید القطان اور عیینہ نے سیکھا روایت اول کے بموجب
اپنے والد کی وفات کے وقت انکی عمر ۳۴ سال کی تھی اور دوسری روایت کے
بموجب ۳۱ سال کی انکی مہر پر کندہ تھا۔ ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ اور بعض
نے بیان کیا ہے کہ انکی مہر پر اللہ خالق کل شئی اور بعض نے کہا ہے انت ثقتی
فقنی شر خلقک کندہ تھا۔ ابو جعفر منصور انکا معاصر تھا بقول نور الابصار شوال
میں اور بقول بعض ۱۵ رجب روز دوشنبہ کو سنہ ۱۴۸ھ میں منصور کے عہد میں
وفات پائی۔ اور اپنے باپ دادا کے مقبرے میں مدفون ہوئے [illegible]
کی پہلی روایت کے بموجب اڑسٹھ سال کی عمر پائی۔ اور دوسری روایت کے
بموجب ۶۵ سال کی تاریخ گزیدہ میں مذکور ہے کہ [illegible] شیعہ کا عقیدہ
ہے کہ انکو منصور دوانیقی نے زہر دلوایا تھا۔

امام ہفتم موسی بن جعفر ہیں جنکا لقب صابر و صالح و امین ہے۔ اور
زیادہ مشہور کاظم ہے۔ اور کنیت ابو الحسن اور ابو ابراہیم ہے انکے معاصر منصور
دوانیقی اور مہدی اور ہادی اور ہارون الرشید تھے۔ اہل عراق انہیں باب
قضاء الحوائج کہتے تھے اسلئے کہ ان سے کام بہت نکلتے تھے [illegible]
مقام ابواء میں کہ مکے اور مدینے کے درمیان میں ہے۔ یکشنبہ [illegible]

لہ دیکھو طبقات مناوی ۱۲

سترہویں صفر سنہ ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بعض نے سال ولادت سنہ ۱۲۹ھ لکھا ہے جعفر صادق کی وفات کے وقت بیس سال کی عمر رکھتے تھے۔ ہارون جس سال حج کو گیا۔ تو مدینے کو بھی گیا۔ اور انکو قید کرکے بصرے کو بھیجدیا۔ عیسیٰ بن جعفر بن منصور وہاں کا حاکم تھا۔ اسکے پاس ایک سال تک محبوس رہے۔ پھر ہارون انکو بغداد کو لے گیا۔ اور سندھی بن شاہک یا یحییٰ بن خالد نے ہارون کے حکم سے انکو خرموں میں زہر دیدیا۔ اور تاریخ گزیدہ میں مذکور ہے۔ کہ گرم سیسہ اُن کے حلق میں پلایا۔ ۲۵ رجب یا ۵ یا ۶ یا ۲۳ یا ۲۴ ماہ مذکور سنہ ۱۸۳ھ یا سنہ ۱۸۱ھ یا سنہ ۱۸۶ھ میں ۵۵ سال اور چند ماہ کی عمر پاکر وفات پائی۔ بغداد میں باب التین کے اندر دفن ہوئے۔ ۳۵ سال امامت کی۔ انکی مہر پر یہ کندہ تھا الملک للہ وحدہ

امام ہشتم علی بن موسیٰ ہیں۔ اکثر علما کے نزدیک ۱۱ ذی حجہ سنہ ۱۵۳ھ کو پیدا ہوئے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ ۱۱ یا ۱۲ ذی قعدہ اور بعضوں نے ۱۱ ربیع الاول روز پنجشنبہ یا جمعہ سنہ ۱۵۳ھ یا سنہ ۱۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ انکی ماں کے نام میں اختلاف ہے۔ شواہد النبوۃ میں ہے۔ کہ اُنکے بہت سے نام ہیں اَرْوی اور نجمہ اور سمانہ اور ام البنین اور کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں ہے۔ کہ سکینۂ نوبیہ نام تھا۔ اور بعض کے نزدیک خیزران مرسیہ اور بعض نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ تکتم نام تھا۔ اور شقری لقب ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ اَرْوی نام تھا اور ام البنین کہا کرتے تھے یہ اروی ام ولد تھیں۔ اول روایت کے بموجب موسیٰ کاظم کی وفات کے وقت تیس سال کی عمر رکھتے تھے۔ رضا و صابر و ولی و مرتضےٰ و وفی اُنکے لقب ہیں مگر رضا زیادہ مشہور ہے۔ اور کنیت ابو الحسن ہے۔ ان کا رنگ سیاہ تھا مگر اعتدال کے ساتھ اسلئے کہ انکی ماں سیہ فام تھیں۔ انکی مہر پر حسبی اللہ اور بروایتی ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ کندہ تھا۔ امین اور مامون انکے معاصر تھے۔ سنہ ۲۰۱ھ میں جب انکی عمر ۴۸ سال کی تھی۔ انکو مامون نے اپنا ولیعہد بنایا۔ اور اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح انکے بیٹے محمد تقی کے ساتھ کردیا۔ مگر خلافت شیوۂ عباسیہ کو جنکا بغداد میں

نہایت غلبہ تھا۔ یہ بات ناگوار گذری۔ اور انہوں نے اس ولی عہدی کی خبر سنکر ماموں کو برا کہنا شروع کیا کہنے لگے کہ اگر وہ رشید کا فرزند ہوتا۔ تو اسکی اولاد کو خلافت سے کیوں محروم کرتا۔ کئی سال کے بعد ماموں نے علی رضا کو مروڈالا وجہ اسکی یہ ہوئی۔ کہ یہ ہمیشہ ماموں کو نصیحت کرتے رہتے تھے جو اسکو ناگوار ہوتی تھی۔ آخر کار اُسکا دل ان سے مکدر ہوگیا۔ اور یہ کدورت یہانتک ٹھہری۔ کہ سہ شنبہ یا جمعہ ۲۳ ذیقعدہ یا ۱۲ یا ۲۱ رمضان یا سترہ صفر ۲۰۳ھ میں اور بقول بعض ۲۰۲ھ میں اور بروایتی ۲۰۶ھ میں موضع سناباد علاقہ طوس ملک خراسان میں ماموں نے اُنکو زہر دلوایا۔ وہیں انتقال فرمایا۔ صحیح یہ ہے۔ کہ پچاس سال کی عمر پائی بیس سال امامت کی۔ موضع سناباد میں قبر ہارون الرشید کے پاس دفن ہوئے۔

امام نہم محمد بن علی رضا ہیں۔ جنکا لقب تقی (تائے فوقانی سے) جواد وقانع و مرتضے ہے۔ اور کنیت ابوجعفر ہے۔ اور اُنکو ابوجعفر ثانی بھی کہتے ہیں اکثر فضلا کی روایت کے موافق مدینے میں جمعہ کے دن ۱۷ رمضان کو ۱۹۵ھ میں سکینہ مریسیہ سے جو ام ولد تھیں پیدا ہوئے۔ اور بعض نے تاریخ ولادت ۱۵ رمضان اور بعض نے ۱۹ رمضان اور بعض نے ۱۰ رجب سنہ مذکور لکھی ہے بعض نے انکی ماں کا نام خیزران اور بعض نے ریحانہ اور بعض نے سبیکہ بھی لکھا ہے۔ اپنے والد کی وفات کے وقت سات برس اور چند ماہ کی عمر رکھتے تھے۔ نعم القادر بروایتی المہیمن عضدی انکی مہر پر کندہ تھا۔ ماموں و معتصم اُنکے معاصر تھے۔ بغداد میں ۱۰ رجب اور بقول بعض ۱۱ ذیقعدہ اور بروایتی ۶ یا ۵ ذیحجہ ۲۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ بنی ہاشم کے مقبرے میں موسیٰ کاظم کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔ اس مقام کو اب کاظمین کہتے ہیں ۲۵ سال کی عمر پائی ۱۷ سال امامت کی۔ بعض علمائے شیعہ اور اہل سنت کہتے ہیں۔ کہ معتصم خلیفہ بغداد نے زہر دلوایا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ اپنی اجل طبعی سے مرے۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اُنکی زوجہ ام الفضل بنت ماموں نے

اپنے باپ کے اشارے سے زہر دیا تھا۔ یہ اُنکی غلطی ہے اسلئے مامون سنہ ۲۱۸ھ
میں اٹھارہویں رجب کو فوت ہوا۔

امام دہم علی بن محمدؑ ہیں۔ جنکے لقب ہادی وطیب ہیں اور ابوالحسن
کنیت ہے اور عرف نقی دونوں سے ہے اور عسکری[1] بھی کہلاتے ہیں۔ جمعہ یا شنبہ
۲ یا ۱۳ رجب یا ۱۵ یا ۲۷ ذیحجہ سنہ ۲۱۴ھ میں مدینہ کے اندر سمانہ مغربیہ یا ام الفضل
بنت مامون سے پیدا ہوئے سمانہ مغربیہ ام ولد تھیں۔ اور بعض کے نزدیک
سنہ ۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ باپ کی وفات کے وقت چھ سال کے تھے۔ متوکل
نے اپنی حکومت کے زمانے میں یحییٰ بن ہرثمہ بن اعین کو بھیجکر اُنہیں مدینے
سے بلالیا اور سرمن رائے میں کہ اب سامرہ کے نام سے مشہور ہے رکھا۔ انکی
مہر پر اللہ ربی وہو عصمتی من خلقہ اور بقول بعض اخلاق المعبود و حفظ العہود منقوش تھا۔ سامرہ میں
برس رہکر روز شنبہ یا دوشنبہ ۳ رجب اور بروایتی ۲۶ یا ۲۷ جمادی الاخری
سنہ ۲۵۴ھ وفات پائی۔ ۴۰ سال کی عمر پائی۔ ۳۳ سال اور چند ماہ امامت کی اور
اپنے مکان ہی میں دفن ہوئے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ وہ اپنی اجل طبعی سے
مرے ہیں۔ اور شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اُنکو زہر دلوایا گیا تھا جس نے زہر دلوایا
اسکے نام میں اختلاف کرتے ہیں۔ اعتقادیہ میں لکھا ہے کہ متوکل عباسی نے زہر
دلوایا تھا۔ اور اعمال الصالحین میں بیان کیا ہے کہ زہر دلوانے والا معتز تھا
ان میں سے مولف اعتقاد کے قول کے غلط ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں اسلئے
کہ جب حضرت علی نقی نے انتقال فرمایا۔ تو متوکل زندہ نہ تھا کیونکہ وہ ۲ صفر
اور بقولے ۴ شوال سنہ ۲۴۷ھ کو مار ڈالا گیا تھا۔ البتہ معتز باللہ اس وقت برسر
حکومت تھا جو ۴ محرم سنہ ۲۵۲ھ کو مسند نشین ہوکر ۲۷ رجب سنہ ۲۵۵ھ کو معزول کیا گیا تھا
جیسا کہ تاریخ ابو الفدا حبیب السیر جنات الفردوس اور مفتاح التواریخ وغیرہ میں

[1] دیکھو کتاب سوانح اہل بیت مولفہ ابن خشاب اور غیاث اللغات میں لکھا ہے کہ عسکری کہنا امام
علی نقی عسکری اور امام حسن عسکری سے ہے سرمن رائے کو عسکر بھی کہتے ہیں کیونکہ وہاں لشکر رہتا تھا ۱۲

مذکور ہے۔ پس اگر زہر دلوایا ہے تو اسی نے دلوایا ہے۔

امام یازدہم حسن بن علی ہیں جنکا لقب خالص و زکی و سراج اور کنیت ابو محمد اور معروف عسکری ہے۔ مدینے میں جمعہ یا دوشنبہ یا سہ شنبہ ۴ یا ۸ یا ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ یا ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ماں انکی ام ولد تھیں حدیث یا سوسن یا عفان یا عرسنہ نام تھا۔ باپ کی وفات کے وقت ۲۳ یا ۲۲ سال کے تھے اور معتمد خلیفۂ بغداد کے عہد میں مقام سامرہ میں جمعہ اور بقولے دوشنبہ اور بروایتی شنبہ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو انتقال فرمایا۔ اور بعض علما کے نزدیک ماہ ربیع الثانی سنہ مذکور میں اور بعض کے نزدیک ۲۳ رمضان سنہ مذکور میں انتقال فرمایا۔ باپ کی قبر کے پاس مدفون ہوئے ۲۹ یا ۲۸ برس کی عمر پائی ۶ یا ۷ سال امامت کی سُبْحَانَ مَنْ لَّہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور بروایتی انا اللہ شہید انکی خاتم پر کندہ تھا۔ معتز اور مہتدی اور معتمد انکے معاصر تھے۔ طبرسی نے کہا ہے کہ ہمارے اکثر اصحاب کہتے ہیں کہ انکو زہر دیا گیا تھا رسالۂ اعتقادیہ میں ہے کہ انکو معتمد نے زہر دلوایا تھا۔

امام دوازدہم محمد بن حسن خالص ہیں جنکی کنیت ابو القاسم ہے۔ اور القاب مہدی و منتظر و خلف الصدق و صاحب الزمان و حجت و قائم ہیں اور مشہور زیادہ مہدی ہے۔ اور یہی امام منتظر ہیں۔ انکو پچھلی اور اگلی باتوں کا علم بخوبی حاصل ہے انکو زندہ غیر مردہ بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خوف اعدا سے غائب ہو گئے ہیں ظاہر ہو کر زمین کو عدل سے بھر دینگے جس طرح کہ جور سے بھر گئی ہے۔ مگر انکی غیبت کے وقت اور سنہ و سال میں بہت اختلاف کر کے چند فرقے بن گئے ہیں۔ بلکہ بعض کہتے ہیں۔ کہ وہ مر گئے ہیں۔ پھر لوٹ کر دنیا میں آئینگے کہتے ہیں۔ انکی مہر پر یہ کندہ تھا۔ انا حجۃ اللہ وخاصتہ

باب

حضرت محمدؐ مہدی کی غیبت صغرےٰ کے بعد دعاۃ کا سلسلہ بند ہوگیا۔ ہاں
بعض یہ دعوے کرتے کہ ہم امام غائب اور امامیہ کے درمیان میں سفارت کرتے
ہیں۔ اور پھر یہ سفیر اپنی وفات کے وقت جانشین کردیتے اور یہ سلسلہ ۲۶۶ھ
سے شروع ہوا۔ وکیل اول عثمان بن سعید عمری اسدی تھے۔ انکے بعد انکے
بیٹے ابو جعفر محمدؐ وکیل ہوئے۔ یہ قریب پچاس سال کے وکیل رہے۔ ان کے
بعد ابو القاسم حسین بن روح وکیل ہوئے۔ انھوں نے اپنے بعد علی بن محمد سمری
کے لئے وصیت کی۔ یہ علی بن محمد ۳۱۶ھ میں سفیر ہوئے۔ اور ۳۲۰ھ میں فوت
ہوئے۔ انکے بعد سے سفارت کا سلسلہ بند ہوگیا۔ اور وہ خاتم السفرا سمجھے
جاتے ہیں۔ اور انکے بعد امام کی جانب سے کوئی سفیر نہیں آیا۔ اور امام نے
غیبت کبرےٰ اختیار کرلی۔ شریف مرتضےٰ کہتے ہیں۔ کہ ابتدائے زمانہ غیبت
میں صاحب الزمان اپنے دوستوں پر ظاہر ہوتے اور دشمنوں سے مخفی رہتے
تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میری تلاش میں مخالفین ومعاندین نہایت
مصروف ہیں۔ تو دوستوں کی نظروں سے بھی غائب ہوگئے۔ اسلئے کہ نادان
دوست انکی خبر کو مشہور کردیتے۔ اور دشمن اس شہرت سے وغلا کر زیادہ درپے
ہوجاتے تھے۔ صاحب الزمان حضرت عیسےٰ کے نزول تک زندہ رہینگے۔ اور تمام
عالم کے مالک بنینگے۔ اور نماز میں حضرت عیسےٰ کی امامت کرینگے۔ اور آدمیوں کو
خدا کی عبادت پر طوعاً وکرہاً لائینگے۔ اور انتقام واجبی اپنے اور اپنے اسلاف
کے دشمنوں سے لینگے۔ بعد اسکے خود بخود مرجائینگے۔ اثنا عشریہ کہتے ہیں۔ کہ ائمہ
کا لوگوں سے مخفی ہونا اپنی جانوں کے خوف سے تھا۔ کہ لوگوں نے انکو اتنا
ڈرایا دھمکایا کہ وہ چھپ رہے۔ اور اظہار امامت سے جان چرائی۔ رفتہ رفتہ
امام وقت محمد ابو القاسم مہدی منتظر نے ۳۳۰ھ سے بالکل غیبت اختیار کرلی

پس غیبت کبرے کی ابتدا ۳۲۸ھ سے ہے جب تک اُنکے پاس سے سفیر آتے رہے۔ وہ غیبت صغرے کہلاتی ہے جسکی مدت ۷۴ سال ہے جیسا کہ صاحب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ نے تصریح کی ہے حبیب السیر میں لکھا ہے کہ غیبت قصری یعنی صغری محمد بن حسن کی ولادت کے زمانے سے اُنکی سفارت کے انقطاع تک ہے اور غیبت طول یعنی کبری سفارت کے انقطاع کے زمانے سے اسوقت تک ہے جب تک اللہ نے اُنکے ظاہر ہونے کو مقدر کیا ہے۔ امامیہ سفیر کو امام مخفی کا باب کہتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے کذب و افترا کے طور پر بھی بابیت اور سفارت کا دعوے کیا تھا جنکی تکذیب کے باب میں امام مخفی کی طرف سے فرمان کتب امامیہ میں مندرج ہیں۔ استرآبادی نے رجال کبیر میں ایسے سفیروں کی ایک مفصل فہرست لکھی ہے۔ اُن میں سے یہ ہیں۔ ابو محمد حسن شریعی اور محمد بن نصیر نمیری اور احمد بن ابی العزاقر اور احمد بن ہلال اور ابو طاہر محمد بن ہلال وغیرہ۔ مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ اُنکے زمانے میں ایک دیندار شیعہ جزیرۂ خضرا میں کہ دریائے اندلس میں واقع ہے اور صاحب الزمان مع اولاد و اصحاب کے وہاں رہتے ہیں پہنچکر اُنسے ملا تھا۔

فرقۂ اثنا عشریہ کے ترقی کرنیکی کیفیت

ابتدا میں شیعۂ اثنا عشری متفرق طور پر ملک عراق میں رہتے تھے اور اپنے آپکو اہل سنت میں ملائے ہوئے تھے اور تقیہ کی حالت میں بسر کرتے تھے جب خلفائے عباسیہ کے زوال اقبال کے آغاز سے قریب ۳۲۰ھ تمام سنہ ہجری میں عراقین اور خراسان میں سلاطین اثنا عشریہ کا ورود ہو گیا تھا تو اثنا عشریہ نے تقیہ چھوڑ دیا اور ظاہر ہو گئے چنانچہ ایک شخص بویہ نامی جسکی کنیت ابو شجاع ہے اور نسب اسکا یزدجرد آخری بادشاہ ملک فارس تک اور وہاں سے پشت بہ پشت بہرام گور تک پہنچتا ہے۔ وہ بلاد گیلان میں بحالت افلاس رہا کرتا تھا کہ ملک فارس کے انقلاب کے بعد اسکا خاندان

گیلان میں چلا آیا تھا۔ بویہ کے تین بیٹے تھے علی احمد حسن کہ پہلے
عماد الدولہ دوسرے کا رکن الدولہ تیسرے کا معز الدولہ ہوا۔ یہ مذہب
اثنا عشری تھے۔ انہوں نے آل زیار کے پاس رہکر جو مازندران میں اہل
عباسی کی طرف سے حکمران تھے امارت حاصل کی۔ اور قاہر باللہ بن معتضد
عباسی کے عہد سے جو سنہ ۳۲۰ھ میں بعد قتل مقتدر کے خلیفہ ہوا۔ انکی دولت کا
ظہور شروع ہوا۔ اور انہوں نے مذہب اثنا عشری کا اظہار کیا۔ تو شیعہ اثنا
عشری کو بڑی قوت ہاتھ آئی۔ اور عماد الدولہ نے ماہ ذیحجہ سنہ مذکور میں ارجان
اور اصفہان پر فتح پائی۔ پھر برابر سلسلہ فتوحات انکے ہاتھ میں جاری رہا۔
یہانتک کہ راضی باللہ کے عہد میں سنہ ۳۲۴ھ تک سارا فارس عماد الدولہ
بن بویہ کے ہاتھ میں آگیا۔ اور رے وغیرہ میں رکن الدولہ نے اپنا قدم جمایا
اور یہ تینوں یکے بعد دیگرے صاحب سلطنت ہوئے۔ اور یہانتک زور بانڈھا
کہ خلفائے بغداد پر غالب آگئے۔ اور خلفا کا عزل و نصب انکے اختیار میں
ہوگیا۔ اور تمام آذربائجان و خراسان و جرجان و مازندران و جیلان و دیلم
و اصفہان و رے و شیراز وغیرہ پر انہیں قبضہ رہا۔ اور ۱۲۷ برس تک انکی
سلطنت قائم رہی۔ اسلئے کہ آخری بادشاہ ان کا ملک الرحیم خسرو فیروز
رکن الدولہ بن بویہ کی اولاد میں سے جسکو سلطان طغرل بیگ نے سنہ ۴۴۷ھ میں گرفتار کیا تھا۔ تو یہ لوگ
غلاۃ اثنا عشری شیعہ تھے۔ انکے یہ حال تھا کہ سنہ ۳۵۱ھ میں جب رکن الدولہ بن بویہ نے طبرستان و جرجان فتح کیا تو
حکم دیا کہ تمام شیعہ اثنا عشری مساجد پر یہ لکھدیں لعن اللہ معاویہ بن ابی سفیان
ولعن من غصب فاطمۃ فدکا ومن منع ان یدفن الحسن عند قبر جدہ ومن نفی اباذر الغفاری ومن اخرج العباس من الشوریٰ
یعنی اللہ لعنت کرے معاویہ پر اور اس شخص پر لعنت کرے جس نے حضرت
فاطمہ سے ظلم کے ساتھ فدک کو چھین لیا۔ اور اوس پر جس نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی قبر کے پاس امام حسن کو مدفون ہونے سے روکا۔ اور اسپر جس نے
ابوذر غفاری کو شہر بدر کرایا۔ اور اسپر جس نے حضرت عباس کو شوریٰ میں

شریک کرنے سے چھوڑ دیا۔ اور جلد اول نزہت اثنا عشریہ میں من غضب
فاطمہ فدک کی جگہ من اغضب فاطمہ رضی اللہ عنہا واقع ہے۔ اس تقدیر پر معنی یہ
ہونگے۔ اللہ اس شخص پر لعنت کرے جس نے بی بی فاطمہ کو غصہ دلایا سو
اس کلام میں لعن حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان اور ام المومنین عائشہ اور
حضرت عمر پر بھی آگیا۔ اس واسطے کہ آنحضرت کے انتقال کے بعد حضرت
ابوبکر صدیق نے فاطمہ علیہا السلام کو باغ فدک میراث میں نہ دیا۔ اور یہ کہا کہ
آنحضرت کا مال میراث نہیں ہوسکتا۔ اسلئے کہ وہ فرما چکے تھے لا نورث ماترکناہ
صدقۃ متفق علیہ یعنی نہیں چھوڑتے ہم یعنی گروہ انبیا میراث۔ جو کچھ ہم
چھوڑتے ہیں صدقہ ہے۔ اور جبکہ بی بی صاحبہ نے یہ دعوے کیا کہ یہ باغ
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر ہبہ کرچکے ہیں۔ تو ان سے گواہ طلب کئے انکی
طرف سے حضرت علی اور ام ایمن یہ دو شاہد پیش ہوئے۔ تو انکی شہادت کو
اسلئے قبول نہ کیا۔ کہ ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت کافی نہیں۔ بلکہ
ایک اور عورت کی ضرورت تھی۔ اس کارروائی کے بعد فاطمہ علیہا السلام حضرت
ابوبکر سے ناخوش ہوگئیں۔ اور ان سے بولنا چالنا ترک کردیا۔ حالانکہ مسور
بن مخرمہ سے بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی یعنی فاطمہ میرا جز ہے
جس نے انکو غصہ دلایا اس نے مجھکو غصہ دلایا اور امام حسن نے وفات کے
قریب وصیت کی تھی۔ کہ مجھکو میرے نانا کی قبر کے پاس دفن کرنا۔ جب
انتقال ہوا۔ تو بنی ہاشم نے چاہا کہ نبی علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن کریں
معاویہ کی طرف سے مروان بن حکم مدینے کا فرمانروا تھا۔ اس نے منع کیا
قریب تھا کہ بنی امیہ وبنی ہاشم میں تلوار چلے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے
کہا کہ یہ مکان میرا ہے۔ میں اجازت نہیں دیتی اسلئے بقیع میں مدفون ہوئے
اور شیعہ کا قول یہ ہے کہ حضرت عثمان نے ابوذر کو مدینے سے ربذہ کو نکلوا دیا

تھا۔ اور جبکہ حضرت عمر کی موت کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے ان چھ شخصوں کو مشورۂ خلافت اور کار خلافت کے لیے منتخب کیا تھا۔ حضرت عثمان۔ علی زبیر طلحہ۔ سعد اور عبد الرحمن رضی اللہ عنہم اور حضرت عباس کو چھوڑ دیا تھا پس ہی اخرج العباس عن الشوریٰ سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ رات کو بعض لوگوں نے اس تحریر کو مٹا دیا تب وزیر مہلبی کے اشارے اور معز الدولہ کے اذن سے یوں لکھا گیا۔ لعن اللہ الظالمین لآل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حکم دیا کہ لعن میں سوائے معاویہ کے دوسرے کا ذکر نہ کیا جاوے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس معز الدولہ کو تشیع سے اتنی دلچسپی تھی کہ سنہ ۳۴۱ھ میں مہلبی نے ایک قوم تناسخیہ کی گرفتار کی۔ جس میں ایک نوجوان تھا کہ اسکو اس بات کا زعم تھا کہ حضرت علی کی روح نے مجھ میں حلول کیا ہے۔ اور اس قوم میں ایک عورت تھی کہ وہ کہتی تھی کہ مجھ میں بی بی فاطمہ کی روح نے انتقال کیا ہے اور ایک شخص یہ کہتا تھا کہ مجھ میں جبریل نے انتقال کیا ہے۔ جب ان لوگوں کے یہ کلمات سنکر پٹوایا تو کہنے لگے کہ ہم محبان اہل بیت ہیں معز الدولہ نے بوجہ اسکے کہ خود بھی شیعہ تھا انکو رہا کرا دیا[1] اثنا عشریہ کو آل بویہ کے عہد میں جنہیں ویالمہ بھی کہا کرتے ہیں بڑی قوت حاصل آئی بڑے بڑے علما جمع ہوئے تھے انہوں نے مذہب کی تائید کی۔ اور بغداد میں سنہ ۴۴۳ھ میں شیعہ سنی کے فتنے برپا ہوئے شیعہ نے الصلوٰۃ خیر من النوم کی جگہ کھلم کھلا حی علی خیر العمل شروع کیا۔ کرخ میں اسکا رواج ہوگیا۔

پھر چنگیز خاں تاتاری کی اولاد میں سے سلطان غازان بن ارغون بن ابقا بن ہلاکو بن تولی بن چنگیز خان شیخ صدر الدین ابراہیم خلف شیخ سعد الدین حموی کے ہاتھ پر مسلمان ہوکر سلطان محمود کے نام سے مشہور ہوا اور اس بادشاہ کے ساتھ ایک لاکھ فوج بھی مسلمان ہوگئی۔ اور اس نے

---

[1] دیکھو نجوم الزاہرہ جلد دوم صفحہ ۳۲۱۔

ایک اثنا عشری عالم مسمی تاج الدین کے سمجھانے سے یہ مذہب قبول کیا پھر تمام ملک میں یہ مذہب پھیل گیا۔ بڑے بڑے علما جمع ہوئے۔ چنانچہ ابن مطہر حلی بھی ان میں تھے۔ اور اس سلطان کی حیات تک اس فرقہ کا غلو بہت ہی بڑھا ابن مطہر نے بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں۔ یہ بادشاہ سنہ ۶۷۰ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور سنہ ۶۹۴ھ میں مسند نشین سلطنت ہوا اور اسی سال میں مسلمان ہوا تھا[۱]

سلاطین ترکمانیہ

پھر سلطنت ترکمانوں کی جنکی اصل فرقۂ اثنا عشری سے تھی دیار بکر اور اسکے گرد و نواح میں جو ولایت ایران میں داخل ہے۔ اور فی الحال سلطان روم کے ماتحت ہے۔ سنہ ۸۰۰ھ میں قائم ہوئی اور اس فرقے کو از سر نو رونق ہوگئی۔ اور پچاس برس تک اس ریاست میں تبرا و غلو کا غلبہ رہا۔ اور علما اثنا عشری آکر جمع ہوگئے۔ ترکمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد۔

سلاطین صفویہ

سلاطین حیدریہ نے جنہوں نے اپنا لقب صفویہ[۲] رکھا سلطنت ایران پر قبضہ کر لیا۔ انکی سلطنت کا بانی شاہ اسمٰعیل صفوی ہے جسکی شہرت اور ظہور سنہ ۹۰۷ھ میں ہوا۔ اور سنہ ۹۱۶ھ تک سب عراق عجم اور مازندران اور آذربائجان و خراسان و تبریز مفتوح ہوگیا۔ یہ شخص محض پیری و مریدی کی برکت سے اس شوکت و دولت کو پہنچا تھا۔ سلاطین صفویہ کو یہانتک غلو تھا کہ شاہ اسمٰعیل صفوی مروج طریقۂ اثنا عشری نے ایک ٹوپی سرخ رنگ ایجاد کی جسکے بارہ گوشہ ہوتے تھے۔ اور ہر ایک گوشہ میں ایک امام ائمہ اثنا عشر میں سے نام لکھا جاتا تھا۔ اور یہ ٹوپی خاص شیعہ اثنا عشری کے اوڑھنے کے واسطے بنوائی گئی تھی تاکہ شیعہ اور غیر شیعہ میں فرق رہے۔ اور چونکہ سرخ رنگ کو ترکی زبان میں قزل کہا کرتے تھے اسلیے اسکے اوڑھنے والے قزلباش مشہور ہوگئے۔ پھر فرقۂ اثنا عشریہ کا

---

[۱] دیکھو کتاب وصاف جلد سوم ۱۲ [۲] فتوحات اسلامیہ میں کہا ہے کہ شیخ صفی الدین جو جیلی کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے صفویہ کہتے ہیں جو سنی المذاہب اور مشائخ اہل ذکر میں سے تھے۔ انکے سلسلے کا طریق احمد غزالی برادر امام حجۃ الاسلام غزالی تک پہنچتا ہے ۱۲ منہ

زور و شور ایران میں یہانتک بڑھ گیا۔ کہ ان میں سے ایک بادشاہ کو علمائے اثنا عشری نے صاحب الزمان کا نائب قرار دیکر اُس کے لئے رسم سجدہ جاری کرائی اور اس بادشاہ نے زبردستی مخلوق کو اس مذہب میں ڈالا جس نے انکار کیا قتل کرایا۔ اہل سنت کے جمعہ و جماعات روکدے۔ اور خطبوں میں منبروں پر بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ اور بڑے بڑے صحابہ کی علانیہ مذمت بیان کرانا شروع کی۔ بلکہ کوچہ و بازار میں اُنپر لعنت کرائی۔ ہزارہا علمائے اہل سنت کو قتل کرایا۔ انکی مساجد خراب کرادیں۔ اور ان میں سے بڑے بڑے علماء کی قبریں اکھڑوا کر ہڈیاں جلوا دیں۔ جیسے عین القضاۃ ہمدانی اور قاضی ناصر الدین بیضاوی وغیرہ۔ اور ہزاروں اہل سنت خانہ بدوش و تباہ و برباد ہو کر توران میں بادشاہان ماوراء النہر کے پناہ گزین ہوئے۔ زوال دولت صفویہ کے بعد سلاطین زندیہ بھی اسی مذہب پر ہوئے۔ اور زندیہ سے سلاطین قاچاریہ نے یہ سلطنت چھین لی کہ فتح علی خان قاچار طہماسپ ثانی کا سپہ سالار تھا نادر شاہ نے اسے قتل کرادیا۔ اسکے دو بیٹے تھے۔ محمد حسین خان محمد حسن خان محمد حسن خان کے بیٹے آقا محمد خان نے لطف علی خان زند پر کہ سلاطین زندیہ کا آخری بادشاہ ہے غلبہ پاکر سلطنت ایران حاصل کی۔ اور سنہ ۱۲۱۰ھ میں مستقل طور پر سلطنت مذکور کا تخت نشین ہو کر آقا محمد شاہ کے نام سے مشہور ہوا اور ۲۱ ذیحجہ سنہ ۱۲۱۲ھ میں اسکے مقتول ہونے کے بعد اسکا بھائی فتح علی شاہ حکمران ہوا۔ اور ۱۹ جمادی الاولے سنہ ۱۲۵۰ھ کو اس نے انتقال کیا۔ تو محمد شاہ والی سلطنت ہوا۔ اور اس نے جب ۶ شوال سنہ ۱۲۶۴ھ کو وفات پائی۔ تو اسکا بیٹا ناصر الدین شاہ فرمان روا ہوا۔ اب اسکی اولاد میں سے احمد شاہ مالک سلطنت ایران ہے۔ اور ان تمام سلاطین قاچاریہ کا مذہب اثنا عشریہ ہے۔ انکے غلو کا یہ عنوان ہے کہ ناسخ التواریخ میں جہاں جہاں خلفائے ثلثہ اور بی بی عائشہ صاحبہ کے تاریخی حالات تمام کئے ہیں۔ وہاں اُنپر مطاعن بھی ضرور لکھدئے ہیں ادا

سلاطین زندیہ۔ سلاطین قاچاریہ

جوابوں کو چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ کسی جلیل القدر صحابی کو جو انکے نزدیک واجب التعظیم صحابہ سے باہر ہے طعن و تشنیع سے معاف نہیں رکھا ہے۔ کہیں رمز و کنایہ کے طور پر اور کہیں صاف لفظوں میں ہر ایک کو برا کہا ہے۔ اور عیب نکالا ہے۔

سر جان مالکم کی تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ مذہب شیعہ کا رواج ایران میں ان کے رہنے والوں میں اتفاق پیدا ہو جانیکا سبب واقع ہوا ہے۔ اور بقدر حب وطن کے دلوں میں راسخ ہو گیا ہے۔ اس زمانے میں ایرانیوں کو وہ تعصب مذہبی باقی نہیں رہا جو پہلے تھا۔ اور اسکا سبب یہ نہیں ہے کہ ان میں ترقی و تربیت آگئی ہے۔ بلکہ جوش دھیما ہو گیا ہے۔ اہل سنت و جماعت کو کافر نہیں قرار دیتے۔ کہتے ہیں یہ لوگ مسلمان ہیں۔ مگر مومن نہیں۔ اسلئے۔ کہ انہوں نے اُن لوگوں کی خلافت کو قبول کر لیا ہے۔ جنہوں نے آل رسول کا حق مار لیا اور جو کے ساتھ خلافت چلائی۔ پس یہ لوگ اس وجہ سے خطا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

سنہ ایکہزار ہجری میں دکن ملک ہندوستان میں سلاطین بہمنیہ اور عادل شاہیہ سلطنت کرتے تھے۔ اور ان سب لوگوں کا مذہب اثنا عشری تھا۔ اور تشیع میں بہت غلو رکھتے تھے۔

خاندان بہمنیہ — خاندان بہمنیہ کا بانی اول شاہ علاء الدین حسن کانگوی بہمنی ہے کہ چھٹی ربیع الاول ۷۴۸ھ میں ملک دکن کا فرمانروا ہوا۔ اور اس خاندان کا آخری شاہ کلیم اللہ بہمنی بن محمود شاہ بہمنی ہے۔ جو اپنے ملک سے بیدخل ہو کر ۹۳۳ھ میں برہان نظام شاہ کے پاس جا کر وہیں راہی ملک بقا ہوا۔ اس خاندان نے ملک دکن میں ایک سو بیاسی برس تک سلطنت کی۔ انکا دار السلطنت احمد آباد بیدر تھا۔

خاندان عادل شاہیہ — یوسف عادل شاہ جو ۸۹۵ھ یا ۸۹۶ھ میں بیجاپور واقع ملک دکن کا بادشاہ ہوا تھا۔ اسکی طبیعت میں بھی ایران کے رہنے سہنے اور شیخ صفی کے

خاص خاص معتقدوں کے ملنے جلنے سے تشیع کی گرمجوشی بیٹھ گئی تھی۔ اس نے اس مذہب کو اپنی سلطنت کا طریقہ ٹھیرایا یعنی اسی مذہب کی تائید وحمایت کرتا تھا۔ ان عادل شاہیوں سے چوتھا بادشاہ ابراہیم عادل شاہ ۹۴۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ تو اسنے اپنے اسلاف کے مذہب کو ترک کردیا۔ اور خطبے میں سے ائمہ اثنا عشر کے نام نکلوا دئیے۔ اور مذہب حنفیہ کو رواج دیا اور اس نے سرخ ٹوپی کا اوڑھنا موقوف کرا دیا جو کلاہ دوازدہ ترک[1] کہلاتی تھی۔ اور سپاہ شیعہ کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ ۹۶۵ھ میں ابراہیم عادل شاہ کے انتقال کے بعد اسکا بیٹا علی عادل شاہ مذہب اثنا عشری پر ہوا۔ اسکا مذہب باپ کے سامنے ہی سے یہ تھا۔ اس نے اپنے اجداد کا مذہب اوجالا اور غالی شیعوں کا طریقہ اختیار کیا۔ اور خطبے میں ائمہ اثنا عشر کا نام داخل کرا دیا۔ اور لفظ علی ولی اللہ کلمات اذان میں داخل کرادیا۔ اور ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں جو شیعہ تقیہ کرنے لگے تھے انکو حکم دیدیا کہ علی الاعلان کوچہ و بازار میں اپنے کام میں مشغول رہیں یہی حال ان فرمانرواؤں کی حکومت میں رہا۔ یہانتک کہ سکندر شاہ کے ہاتھ سے ۹۷۰ھ میں قلعہ بیجاپور نکل گیا۔ اور اسکو قلعہ دولت آباد میں عالمگیر شہنشاہ ہندوستان نے قید کر دیا۔ پس عادل شاہیوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس خاندان میں دس آدمی دو سو برس تک فرمان روا رہے۔

نظام شاہیہ خاندان میں جسکی بنیاد احمد شاہ نو مسلم نے ڈالی تھی اُسکا بیٹا برہان نظام شاہ تخت احمد نگر پر بیٹھا۔ تو اس نے ۹۴۴ھ میں شاہ طاہر کی ہدایت سے مذہب اثنا عشری کو رواج دیا۔ ائمہ اثنا عشر کے نام سکے اور خطبے میں ڈلوائے۔ اور باقی صحابہ کے نام خارج کر دئیے ۹۷۰ھ میں میراں حسین پانچویں بادشاہ کے مارے جانے سے مذہب کا تبدل واقع ہوا۔ اور سنی غالب آگئے۔

---

[1] ترک بالفتح گوشۂ کلاہ ۱۲ [2] دیکھو تاریخ فرشتہ ۱۲

قطب شاہیہ

ملک تلنگ واقع دکن میں قطب شاہی بھی اثنا عشری تھے۔ پہلا شخص جس نے یہ خود مختار حکومت قائم کی سلطان قلی ہے جو سلطان محمود بہمنی کے عہد میں مرتبۂ امارت کو پہنچا۔ اور قطب الملک خطاب پایا۔ اور ۹۱۸ھ میں امارت و سپہ سالاری سے نکل کر بادشاہت قائم کی۔ اور اپنا نام قطب شاہ رکھا۔ اس نے اپنی سپہ سالاری اور امارت کے زمانہ ہی سے ائمہ اثنا عشر کے نام خطبوں میں ڈلوا دئے تھے۔ اور جب بادشاہ بنا اور اسکو یہ خبر پہنچی کہ شاہ اسمٰعیل صفوی ایران کے تخت پر بیٹھا تو اسکی تقلید سے کیونکہ اُسکو اپنا مرشد زادہ جانتا تھا۔ اصحاب ثلثہ کے نام خطبوں میں سے نکلوا ڈالے۔ جبکہ برہان نظام شاہ نے شاہ طاہر کی ہدایت سے احمد نگر میں بطور شیعوں کے خطبہ پڑھا تو قطب شاہ نے بھی اُسکی حمایت کے بھروسے پر مذہب تشیع کے مراسم و احکام برملا جاری کر لئے۔ اور اب شیعہ اصحاب ثلثہ کو علانیہ بے ادبی کے ساتھ یاد کرنے لگے۔ اور قطب شاہ کی اولاد کے عہد میں یہ بات جاری رہی۔ ریاست حیدر آباد میں جو **نعل صاحب کی درگاہ** مشہور ہے۔ اور عشرہ محرم میں وہاں مجمع کثیر رہا کرتا ہے۔ اور ہر قسم کی نذر و نیاز اور چڑھاوے لوگ کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک گھوڑے کا نعل ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ حضرت امام حسین کے گھوڑے کا نعل ہے۔ یہ نعل قطب شاہیوں کے زمانے میں اس وقت کے بادشاہ نے ایک سوداگر سے تبرک سمجھکر خریدا تھا۔ اس نعل کو ایک لکڑی پر علم کی صورت نصب کر کے ایک خاص مکان میں رکھا گیا ہے جسے نعل صاحب کی درگاہ کہتے ہیں۔ نعل صاحب پر اس قدر اعتقاد ہے کہ شاید اتنا کسی دوسرے پر نہو گا۔ نعل صاحب کے گروہ معتقدان میں سب سے بڑا نمبر تمام شہر کے ساکنوں کا ہے۔ حیدر آباد کے سنی شیعہ شریف رذیل۔ امیر غریب غرض ہر جماعت اور ہر طبقے کے لوگ اور خاندان کے ممبر اسپر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اسکے نام سے نقیر بنتے ہیں۔ اور اس قسم کے معتقدوں اور عموماً نذر و نیاز چڑھانے والوں میں مسلمانوں سے ہندو اور مردوں سے زیادہ عورتوں کی تعداد ہوتی ہے۔ عشرہ محرم میں نویں تاریخ کی رات کو نعل صاحب کی سواری نکلتی ہے۔ جب سب تعزئے نکل جاتے ہیں۔ تو نعل صاحب

کی سواری کا شور وغل ہوتا ہے۔ اور بڑی دھوم سے نکلتی ہے۔ شہر کے تمام سائیس سواری کے جلو میں ہوتے ہیں۔ اور ہر سائیس ایک بڑی سی مشعل ہاتھ میں لئے ہوتا ہے اور گھماتا جاتا ہے۔ اور اُن سب کے ہاتھ میں لکڑیاں ڈنڈے اور لاٹھیاں رہتی ہیں۔ یہ جماعت کی جماعت مختلف فقرے چلاتی جاتی ہے۔ جنکا نمونہ یہ ہے (۱) دولہ دولہ (۲) دولہ یا علی (۳) نعل صاحب پتھر گھٹی (اس لحاظ سے کہ نعل صاحب کی درگاہ محلہ پتھر گھٹی میں واقع ہے (۴) کیا خوب چلی دستی (۵) جم جم کے لگا تیغہ اس طور پر اور بھی مہمل فقرے ہیں جنکا نہ سر معلوم ہوتا ہے نہ پیر۔ نعل صاحب کی سواری کے ساتھ سائیسوں کی مشعلوں کے علاوہ خاص ریاست کے صرف سے ہزار کے قریب مشعلیں روشن رہتی ہیں۔ سرکاری مشعلیں معمولی نہیں ہوتیں۔ بلکہ بڑے صرفے سے تیار ہوتی ہیں۔ اُنکا ہینڈل بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور اُسپر ابرک کے پھول پتے لگے رہتے ہیں۔ نعل صاحب کی مختلف جگھوں پر ڈھٹی بندھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک نہایت بیش قیمت کپڑا اُنکی نذر ہوتا ہے۔ وہ جگھیں یہ ہیں۔ (۱) نظام حیدرآباد (۲) وزیراعظم (۳) ڈیوڑھی سالار جنگ۔ نعل صاحب کا چکر صبح آٹھ بجے کے قریب ختم ہوتا ہے۔ نعل صاحب کا حال بطور جملہ معترضہ کے آگیا تھا۔ اب میں پھر مطلب اصلی کی طرف رجوع کرتا ہوں

ہمایوں بن بابر شہنشاہ ہندوستان شیعہ ترکمانوں کی بہت خاطر اور دلجوئی کرتا تھا۔ اور ہمایوں کے بیٹے اکبر کے عہد میں عبدالرحیم خاں خانخاناں وغیرہ امرا کا مذہب تشیع تھا۔ بلکہ اکبر خود بھی برملا تشیع کا اظہار کرنے لگا تھا۔ اور اُسکے بیٹے جہانگیر کے عہد میں اُسکی بیگم نور جہاں اور بیگم کے رشتہ دار جنکا یہی مذہب تھا سلطنت پر حاوی ہوگئے تھے۔ اور اُنکے پاس عراق اور ایران کے تمام شیعہ اثنا عشری بھرے پڑے تھے۔

بعض شاہان مغلیہ دہلی

تمام ملک اودھ میں شیعوں کی حکومت رہی۔ ابتدا والیان اودھ کی برہان الملک عرف میر محمد امین نیشاپوری سے ہوئی۔ جو امام موسی کاظم کی اولاد سے تھا اور محمد شاہ

والیان اودھ

شہنشاہ ہندوستان نے اُسے صوبہ دار اودھ کا کیا تھا۔ اور جب اُسکے جانشین مرزا مقیم المخاطب بہ نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نے احمد شاہ بن محمد شاہ سے سنہ ۱۱۶۶ھ میں بمقام دہلی بغاوت کی۔ تو فریقین کے قضیئے اختلاف مذہب کے غیظ و غضب سے جوگنے ہوگئے۔ چنانچہ سنی شیعوں کے لڑنے والوں کا لقب اور مابہ الامتیاز انکی ایک آواز تھی یعنی سنی دم چار یار اور شیعہ دم پنجتن کہتے تھے۔ اور صفدر جنگ کے جانشین نواب شجاع الدولہ نے سنہ ۱۱۸۰ میں قصبہ جلالی ضلع علیگڈھ میں جو کہ شیعوں کی بستی ہے۔ نواب مظفر جنگ ابن نواب احمد خاں بنگش والی فرخ آباد کو شیعہ کیا۔ اور شجاع الدولہ کے جانشین آصف الدولہ کی ہدایت سے سنہ ۱۲۰۱ھ میں نواب محمد علی خاں ابن نواب فیض اللہ خاں والی رام پور نے ملت اثنا عشری اختیار کر لی تھی۔ فقیر بیگ نام ایک شخص نواب آصف الدولہ کے عہد میں لکھنو میں تھا۔ اُس نے ایک علم دریائے گومتی کے کنارے پوشیدہ دفن کر دیا۔ اور شہر کے لوگوں سے یہ بات کہی کہ مجھکو خواب میں یہ الہام ہوا ہے۔ کہ حضرت عباس کے ہاتھ میں جو علم معرکہ کربلا میں تھا۔ وہ فلاں مقام پر دفن ہے۔ تو اُسکو نکال لے اور اپنے طریق کے چند رفیق جمع کر کے اس مقام پر گیا۔ اور جگہ کہ کھود کر وہ علم نکالا۔ اور اپنے گھر میں کہ محلہ رستم نگر میں واقع تھا نہایت تعظیم کے ساتھ رکھا۔ اس حکایت نے شہرت پائی۔ نواب آصف الدولہ ہزار جان و دل سے شہدائے کربلا کے جاں نثار تھے۔ اس علم کی زیارت کے لئے فقیر بیگ کے گھر پر گئے۔ اور علم کی زیارت کی۔ اب اہل شہر بھی جو اس طریق کے تھے۔ جوق جوق آنے لگے۔ شیرینیاں اور نیازیں حاجتمندوں نے حاضر کرنی شروع کیں۔ جب فقیر بیگ نے قضا کی۔ تو اُسکے بیٹے نے بھی جمعرات کے دن وہ طریقہ بدستور جاری رکھا۔ اور اُسکی آمدنی سے اوقات بسر کرتا تھا۔ عشرہ محرم میں زیادہ رونق ہوتی تھی۔ پہلے وہ مکان خام تھا۔ جس کی عوض کیپریل تھی۔ عمارت حالی نواب سعادت علی خاں کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ جیسا کہ مفتاح التواریخ میں لکھا ہے۔ اس مکان کا نام درگاہ حضرت عباس

اُسکی آمدنی کچھ خادموں کے حصے میں آتی ہے اور کچھ سرکار میں داخل ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ وہاں کی آمدنی لاکھوں روپیہ سالانہ کو پہنچی ہر جمعرات کو خصوصاً نوچندی جمعرات کے دن اس درگاہ میں بڑا جلسہ منعقد ہوتا تھا۔ زیارت کرنے والوں کے سوا ہزاروں تماشائی اور شہر کی پری پیکر طوائفیں بن ٹھن کر جمع ہوتی تھیں سلطنت کے قیام تک یہ جلسہ بڑی دہوم دہام سے رہا۔ اب باب شہر اب تک لکیر پیٹتے ہیں۔ اب نہ وہ آمدنی ہے نہ وہ آرایش و زینت۔ ریاست اودہ جب تک قائم رہی علانیہ تشیع میں بڑا غلو رہا۔ اسکا ادنے نمونہ یہ ہے کہ میر حیدر بخش نائب آفرین علی خاں نے صحابہ کے نام لکھکر فرش کے تلے بچھوائے تھے۔ تاکہ پائمال ہوں۔ لکھنو کی کربلائے تال کٹورہ میں اب تک یہ بات موجود ہے معتمد الدولہ وزیر اعظم غازی الدین حیدر کے ہاتھ سے میر حیدر بخش بہت خراب ہوا۔ وقائع دلپذیر میں مذکور ہے۔ کہ بادشاہ بیگم زوجۂ غازی الدین حیدر والی اودہ نے اپنی طبیعت سے ایک چھٹی صاحب الزمان کے واسطے ایجاد کی **چھٹی** یہ ہے۔ کہ عورت زچہ جننے سے چھ دن کے بعد مع بچہ غسل کرتی ہے۔ اور عمدہ لباس پہنکر جلسہ کرتی ہے۔ بادشاہ بیگم اس رسم کو اس امام عالی مقام کی طرف منسوب کرکے ہر سال ماہ شعبان میں ادا کرتیں اور بہت سا روپیہ خرچ کرتی تھیں۔ اور اشرافوں کی دوشیزہ اور خوبصورت لڑکیاں روپیہ خرچ کرکے یا کسی دوسری تدبیر سے بہم پہنچا کر ائمہ اثنا عشر کی انکو ازواج بناتیں۔ اور اُن ائمہ کی ازواج کا نام سنکر وہی نام اُن لڑکیوں کے رکھتیں۔ اور ان لڑکیوں کا لقب اچھوتی مقرر کیا تھا **اچھوتی** اس چیز کو کہتے ہیں جو چھونے کے قابل نہو۔ تاکہ آلودہ و نجس نہو جائے۔ مگر حضرت فاطمہ زہرا کی پاسداری کی وجہ سے حضرت علی کے لئے کوئی عورت تجویز نہیں کرتی تھیں۔ اگر ان میں سے کوئی جوان ہوجاتی۔ اور دل اُسکا مناکحت کو چاہتا [illegible] اور کہتیں کہ بعد زوجیت ائمہ اطہار کے دوسرے کے ساتھ تزویج اور عقد کرنا اور اس سے ہم بستر ہونا منافی پاس و ادب اور رعایت قانون اسلام میں حرام ہے غازی الدین حیدر

کے بعد جب نصیر الدین حیدر مسند نشین ہوئے۔ تو انہوں نے بھی گیارہ ازواج ائمہ احدی عشر کے لئے جمع کیں۔ اور دوسرے ائمہ کے واسطے بھی اچھوتیاں جمع کیں۔ جیسے حضرت قاسم اور حضرت عباس وغیرہ کے لئے اور جب کسی امام کی ولادت کا دن آتا۔ تو بادشاہ اپنے آپکو حاملہ عورتوں کی طرح بہ تصنع دردزہ اور نفاس وغیرہ میں مبتلا کرتے اور بچے کی جگہ ایک مرصع گڑیا بادشاہ کے سامنے رکھدی جاتی۔ اور بادشاہ خود ہی زچہ خانے میں رہتے۔ اور ویسے ہی کھانے کھاتے۔ جیسے زچہ کھاتی ہے اور چھٹا روز ہوتا۔ تو بادشاہ زچہ کی طرح غسل کرتے اور اُس مصنوعی بچے کو گود میں لیکر لنگڑاتے ہوئے صحن مکان میں نکلتے۔ تاکہ آسمان کے تاروں کو دیکھیں اس طرح چھٹی ہوتی۔ ائمہ احدے عشر میں سے ہر ایک امام کی زوجہ کو طلائی مورت بچے کی دیگئی تھی۔ اور دوسرے ائمہ کی زوجات کو نقرئی مورت دیگئی تھی اور جبکہ سوائے ائمہ احدے عشر کے دوسرے کسی امام کی ولادت کا دن آتا تو اسکی زوجہ خود بطرز معمولی زچہ خانے میں جاتی اور وہی مراسم ادا کئے جاتے تھے جو بادشاہ کے ساتھ کئے جاتے تھے۔ اور اصطلاح میں اس رسم کو اچھوتہ کہتے تھے۔ امجد علی شاہ ثریا جاہ کو مذہب اثنا عشریہ میں نہایت غلو تھا۔ انکے عہد میں مذہب شیعہ نے خوب رونق پائی تھی۔ سنت وجماعت کا شمار ہنود میں تھا[1]۔ اور انکے پچھلے بادشاہ واجد علی شاہ سے فروری ۱۸۵۶ء مطابق جمادی الآخرے ۱۲۷۲ھ میں انگریزوں نے ملک نکال لیا۔ شاہ معزول نے اپنی ایک تالیف کے صفحہ ۲۰۴ میں جسکا نام مجموعہ واجدیہ ہے لکھا ہے اسامی ملعونان وملعونات کہ تاقیامت برانہا لعنت باید کرد اور اسکے بعد تین صفحے اصحاب کبار وغیرہ کے ناموں سے بھرے ہیں۔ جن میں حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت [illegible]

بعض [illegible] اثنا عشریہ [illegible] ریت کا اثر تھا

چنانچہ نواب فیض اللہ خاں [illegible] نواب محمد سعید خاں ابن نواب غلام محمد خاں

---

[1] دیکھو طلسم ہند ۱۲

اُنکے جانشین نواب محمد سعید خاں یوسف علی خاں یہی مذہب رکھتے تھے، مگر اُن کے وقت میں بالکل غلو کو دخل نہ تھا، اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اہل سنت کے سامنے صحابہ کو برا کہہ سکے۔ نواب حامد علی خاں صاحب بہادر رئیس حال بھی یہی مذہب رکھتے ہیں۔ مگر ظہور اُسکا بنگاہ خوش محبت میں ہے نہ غلو اور تبرا و نفرت میں۔

عقائد اثنا عشریہ کی تفصیل

اصول دین پانچ ہیں (۱) توحید، اسی میں صفات ثبوتیہ و سلبیہ داخل ہیں (۲) عدل (۳) نبوت (۴) امامت (۵) معاد۔ **بیان توحید** معرفت اللہ تعالے کی واجب ہے ہر مکلف پر کیونکہ وہ منعم ہے تاکہ ہم اسکا شکر کریں۔ اللہ تعالے موجود ہے۔ اور واجب الوجود لذاتہ ہے۔ یعنی اپنے وجود میں غیر کا محتاج نہیں اور اس پر عدم جائز نہیں۔ **بیان صفات ثبوتیہ** اللہ تعالے قدیم ازلی ہے یعنی اسکے وجود پر عدم سابق نہیں باقی ہے ہمیشہ رہیگا یعنی اُسکے وجود کو عدم لاحق نہیں ہوتا۔ مختار ہے یعنی اگر چاہے کرے اور اگر چاہے نہ کرے۔ اور عالم ہے یعنی تمام چیزیں اُسکے نزدیک ظاہر اور حاضر ہیں۔ زندہ ہے یعنی صحیح ہے اُس سے کہ قادر ہووے اور جانے۔ اور ہر مقدور پر قادر ہے۔ اور ہر محکوم کا عالم ہے۔ اور متکلم ہے بغیر زبان کے اور اللہ کے متکلم ہونے سے یہ مطلب ہے کہ کسی جرم سماوی یا جسم ارضی میں کلام ایجاد کیا تاکہ اپنی غرض کو خلق کی طرف پہنچائے۔ پس اس قسم کے کلام کو اسکا اپنی ذات کیطرف نسبت دینا بھی اللہ تعالے کا کلام کرنا ہے اور اللہ تعالے سمیع و بصیر ہے بغیر کان اور آنکھ کے مطلب یہ ہے کہ مبصرات اور مسموعات کو جانتا ہے۔ اور اللہ تعالے بغیر اعضا کے مدرک ہے۔ یعنی اس چیز کو جانتا ہے جسکا ادراک حواس سے ہوتا ہے۔ اور صاحب ارادہ ہے یعنی ترجیح دیتا ہے فعل کی جو وقت جانتا ہے اُسکی مصلحت کو اور اللہ تعالے صادق ہے حق بات کہتا ہے۔ کذب سے منزہ ہے۔ اور کارہ ہے یعنی ترجیح دیتا ہے ترک فعل

الی جس وقت مفسدہ فعل کے ہونے میں جانتا ہے۔ اور واحد ہے۔ اُسکا کوئی شریک
الوہیت میں نہیں۔ **بیان صفات سلبیہ** اللہ تعالے نہ جسم ہے نہ عرض ہے
اور نہ جوہر ہے۔ اور نہ کسی جہت میں ہے۔ اور نہ کسی مکان میں ہے۔ اور وہ نظر
کے ساتھ نہیں دکھ سکتا دنیا میں نہ آخرت میں کیونکہ وہ مجرد ہے اور رویت کیلئے
جسم و جہت شرط ہے۔ اور وہ خود بھی کہتا ہے لن ترانی یعنی ہرگز نہیں دیکھیگا تو
مجھے اور لاتدرکہ الابصار نہیں پاسکتیں۔ اُسکو آنکھیں اور اللہ کے لئے نہ ولد
ہے نہ زوجہ اور متحد اپنے غیر سے نہیں ہوسکتا۔ اور مرکب کسی شے سے نہیں ہے۔ اور
نہ حلول کے ساتھ متصف ہے۔ اور نہ کسی ایسی صفت کے ساتھ جو اسکی ذات مقدس
پر زائد ہو متصف ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوگا۔ تو ذات الہی کا حدوث لازم آئیگا۔
اسلئے کہ محل حوادث ہوگی۔ اور اگر وہ صفت قدیم ہو۔ تو قدما کا تعدد لازم آئیگا۔ اور
یہ باطل ہے۔ پس صفات ثبوتیہ اُسکی عین ذات ہونگی۔ اور اللہ تعالے عالم بالعمل اور
قادر بالقدرۃ نہیں ہے۔ بلکہ علم اور قدرت عین ذات اُسکی ہیں۔ اور تعدد صفات
سے تعدد معنی کا نہیں ہوتا اگر عالم بالعمل اور قادر بالقدرت ہو۔ تو محتاجی اُسکی صفات
کی جانب لازم آئے اور یہ محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالے قادر و عالم بالذات
واحدی المعنی ہے اُس میں مجال تعدد نہیں ہے۔ **بیان عدل** اللہ تعالے عادل
اور حکیم ہے۔ نہ برائی کرتا ہے۔ نہ واجب میں خلل ڈالتا ہے۔ کیونکہ قبیح کا فعل قبیح ہی
اور واجب میں خلل ڈالنا اللہ تعالے کا نقصان ہے۔ اور اللہ تعالے اس سے منزہ
ہے۔ اور غیر سے غنی ہے۔ رضا بہ قضا و قدر واجب ہے۔ اور ہر چیز کہ ہے اور ہو
وہ قضا و قدر سے ہے۔ اور ان دونوں سے جبر و ظلم لازم نہیں آتا۔ اس لئے
کہ قضا و قدر علم اور بیان کے معنی میں ہے۔ یعنی ہر شے کو جانتا ہے جس حالت پر
کہ وہ ہے اور اُسکو ملائکہ سے بیان کرتا ہے۔ اور اللہ تعالے نے مکلفین کو جن چیزوں
کے ساتھ تکلیف دی ہے۔ انکا بدلہ ثواب ابدی کے ساتھ تکلیف کے مقابلہ میں
دیتا ہے۔ اور اُن آلام کا بھی عوض دیتا ہے۔ جو مکلفین کی ذاتوں پر زائد ہیں۔ اگر

ایسا نہ کرے۔ تو ظلم لازم آئیگا۔ اور اللہ تعالے عادل ہے۔ پس عوض پہنچانا واجب ہے
اور جو کچھ اللہ تعالے نے کیا ہے۔ وہ اصلح ہے۔ ورنہ عبث لازم آئیگا۔ اور اللہ تعالے
عبث سے بری ہے۔ اور اللہ تعالے کے لئے لطف ضروری ہے۔ کیونکہ خلق کو پیدا
کیا۔ اور اُس میں خواہش رکھی۔ پھر اگر لطف نہ فرماتا تو قبیح کام پر آمادہ کرنا لازم آتا
جو قبیح ہے۔ لطف سے مراد یہ ہے۔ ادلہ کا نصب کرنا اور عقل کامل کا دینا۔ اور
رسولوں کا بھیجنا اُنکے زمانے میں۔ اور انقطاع رسل کے بعد امام کا باقی رکھنا تاکہ
غرض فوت نہو جائے۔ **بیان نبوت** نبی ہمارے محمد ابن عبد اللہ بن عبد المطلب
بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ وہ رسول ہیں۔ از روئے حق و صدق کے اُنکا سب سے
بڑا معجزہ قرآن ہے کہ حق و باطل میں فارق ہے اور باقی ہے قیامت تک اور حجت ہے
خلق پر۔ اور وہ اعجاز بوجہ زیادتی فصاحت و بلاغت کے ہے۔ اس طرح پر کہ جب سے
آپنے تحدی فرمائی اس امر پر کہ اگر میں پیغمبر نہیں ہوں۔ اور یہ کلام الہی نہیں۔ تو
اسکی ادنے سی سورت کی مثل لاؤ کسی سے اُسکا جواب آجتک ممکن نہوا۔ اور
آپ بعثت کے قبل اپنے نفس پر نبی تھے۔ اور بعد اُسکے آپ کافہ خلق کیطرف رسول
ہوئے۔ اور تمام انبیا اپنے افعال و اقوال میں معصوم ہیں۔ تمام عیوب اور گناہ اور
سہو و نسیان سے اول عمر سے آخر عمر تک پس جہاں کلام مجید میں معصیت اور سہو کا
ذکر ہے۔ وہ واجب التاویل ہے اور انبیا کا اپنے اہل زمانہ سے افضل ہونا واجب ہے
اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہو گا۔ اور وہ تمام انبیا و مرسلین
سے افضل و اشرف ہیں۔ اُنکی معراج جسم عنصری کے ساتھ علانیہ بیداری میں حق ہے
اخبار صحیح متواتر سے ثابت ہے۔ منکر اسکا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ آپ دروازہا
آسمان سے تشریف لے گئے۔ اس میں حاجت خرق والتیام افلاک کی باقی نرہی۔ اُنکا
دین ادیان سابقہ کا ناسخ ہے۔ **بیان امامت** امام کا ہونا لطف الہی ہے جسطرح
نبی کا ہونا لطف ہے۔ پس نبی کے بعد امام کا وجود اللہ کی جانب سے اُسکے حکم سے
واجب ہے۔ ورنہ قبیح لازم آئیگا جو محال ہے۔ اور امام بعد جناب رسالت مآب کے

بلافصل علی بن ابی طالب ہیں۔ اور انکے بعد گیارہ امام انکی اولاد میں سے ہیں یعنی حسن پھر حسین پھر علی زین العابدین بن حسین پھر محمد باقر بن علی پھر جعفر صادق بن محمد باقر پھر موسی کاظم بن جعفر پھر علی رضا بن موسی کاظم پھر محمد تقی بن علی رضا پھر علی نقی بن محمد تقی پھر حسن عسکری بن علی نقی پھر محمد صاحب الزمان بن حسن عسکری یہ سب از روے حق کے ائمہ آدمیوں کے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرے کے ہر امام ان میں سے ایک کے بعد ایک کے از روے نصوص متواترہ خلافت کے منصوص ہے۔ اور انکا اپنے افعال و اقوال میں معصوم و مطہر ہونا واجب ہے تمام گناہ اور سہو سے خواہ صغیرہ ہوں خواہ کبیرہ عمدہً اور سہواً اور ائمہ کا اعلم اور افضل ہونا بھی واجب ہے۔ اور مہدی منتظر امام محمد بن حسن عسکری ہیں۔ کہ اپنے والد کے زمانہ میں پیدا ہوے اور غائب ہیں اور زندہ ہیں۔ اور باقی ہیں جب تک دنیا باقی ہے۔ اور غیبت انکی اپنی خواہش طبعی سے نہیں۔ کیونکہ وہ معصوم ہیں پھر کیسے واجب میں کمی اور خلل کرتے۔ اور نہ پروردگار کی جانب سے ہے۔ کیونکہ وہ عادل اور حکیم ہے۔ پھر قبیح کام کیسے کرتا۔ اور نظروں اور ارادات سے اخفا قبیح ہے۔ بلکہ انکی غیبت کافروں کی کثرت اور دوستوں کی قلت کی وجہ سے ہے۔ اور ان کا ظاہر ہونا ضرور ہے۔ اور امام کی غیبت میں خلق کو اس طرح فائدہ پہنچتا ہے جس طرح آفتاب سے فائدہ پہنچتا ہے جبکہ وہ بادل کی آڑ میں ہوتا ہے۔ **بیان معاد** اللہ تعالے اجسام فانی کا اعادہ کریگا۔ جیسے کہ دنیا میں تھے۔ تاکہ مستحقین کو حق پہنچے۔ انبیا نے اسکی خبر دی ہے پس اعتقاد معاد جسمانی پر واجب ہے۔ اور ائمہ معصومین زمانہ مہدی علیہ السلام میں جماعت امم سابقہ اور لاحقہ کے ساتھ رجع کرینگے تاکہ اپنی دولت اور حق کا اظہار کریں۔ اللہ نے جو قرآن میں فرمایا ہے

ویوم نحشر من کل امۃ فوجا یعنی وہ روز جس میں ہم ہر امت میں سے ایک گروہ اٹھائینگے اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ امامت حضرت علی اور انکی اولاد میں سے نہیں نکلتی ہے۔ اگر نکلی بھی تو غیروں کے ظلم سے اور بغیر

امیر کے یا انکی اولاد کے تقیہ کرنے سے۔ اور جن جن باتوں کی نبی علیہ السلام نے خبر دی
ہے۔ اور بتواتر ہم تک پہنچی ہیں۔ جیسے انبیائے سابقہ کی نبوت اور ارسال رسل اور
کتب منزلہ اور وجود ملائکہ اور احوال قبر اور ثواب قبر اور عذاب قبر اور سوال
منکر نکیر اور زندہ ہونا قبر میں اور احوال قیامت اور حساب اور سوال اور میزان
اور صراط اور بولنا اعضا کا اور شہادت اور اناعۂ اعمال کا اور جنت کا ساتھ نعیم اور حور
قصور اور غلمان کے اور دوزخ کا ساتھ عذاب سخت کے فی الحال موجود ہونا اور مظلوم
کا ظالم سے انصاف کرنا اور قعر ہائے جہنم اور حوض کوثر جسکے ساقی حضرت علی ہیں
کہ اس سے پیاسوں کو قیامت میں سیراب کرینگے۔ اور نبی اور ائمہ معصومین
کی شفاعت ان لوگوں کے حق میں جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور فرقہ
شیعہ میں سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا اہل قبور کو اٹھانا اور قیامت کے مواقف ان
سب کا اعتقاد واجب ہے۔ ان میں سے کسی بات میں شک نہیں۔ کیونکہ معصومین
نے انکی خبر دی ہے۔ اور کتاب اللہ میں بھی ان کا ذکر آیا ہے۔ منکر ان کا ملحد یا
منافق ہے[۱]

اثنا عشریہ قرآن میں کمی بیشی کے قائل نہیں۔ اور یہ جو مشہور ہے۔ کہ شیعہ اثنا
عشریہ کہتے ہیں۔ کہ صحابہ نے دس پارے قرآن مجید کے کم کر دیئے۔ اور بعض شیعہ سورۂ
حسنین اور سورۂ فاطمہ اور سورۂ علی پڑھا کرتے ہیں۔ یہ جہلا کی گپ ہے۔ آج تک
سلف سے لیکر خلف تک کوئی محقق اثنا عشری یہ عقیدہ نہیں رکھتا۔ چنانچہ علمائے
اثنا عشری اس خیال کی برات اپنی کتابوں میں بڑے شد و مد سے کرتے ہیں
شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ اپنے رسالہ عقائد میں کہتے ہیں۔ کہ جو قرآن
اللہ نے حضرت کو دیا تھا وہی ہے۔ کہ جو اب لوگوں کے پاس موجود ہے۔ نہ اس میں
کچھ کم ہوا ہے نہ زیادہ۔ تفسیر مجمع البیان میں کہ جو اثنا عشریوں کے نزدیک معتبر
تفسیر ہے۔ سید مرتضے کہتے ہیں۔ کہ جو قرآن عہد پیغمبر علیہ السلام میں تھا۔ وہی اب بھی

---

[۱] منقول از رسالہ اعتقادی شیخ ابو جعفر طوسی ۱۲

ہے۔ بالتفاوت قاضی نور اللہ شوشتری اپنی کتاب مصائب النواصب میں کہتے
ہیں۔ کہ یہ بات جو شیعہ کیطرف منسوب کی جاتی ہے۔ کہ وہ قرآن میں تغیر و تبدل
کے قائل ہیں۔ سو یہ غلطی ہے۔ محققین شیعہ میں سے کوئی بھی اسکا قائل نہیں
اور جو کوئی کہے۔ تو اُسکا کیا اعتبار ہے۔ ملا صادق شرح کافی کلینی میں لکھتے ہیں
کہ یہ قرآن اسی طرح امام مہدی تک سالم رہیگا۔ محمد بن الحسن آملی کہتے ہیں۔ کہ
جو روایات پر ذرا بھی نظر کریگا یقینی طور پر جان جائیگا۔ کہ قرآن میں چند وجوہ ث
کمی زیادتی ناممکن ہے۔ اور اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت کے آبائے کرام
آدم سے تا بہ عبد اللہ پدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ایمان تھے۔ اور یہ مسئلہ
مذہب امامیہ میں اتفاقیہ ہے۔ کہ کسی کو اس میں بحث و کلام نہیں۔ پس جس نبی یا
وصی کا ماں باپ مومن نہو گا۔ وہ نبی اور وصی نہو گا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ
کے باپ تارخ تھے۔ آزر بت تراش نہ تھے۔ اور حضرت علی کے باپ ابو طالب بھی
مسلمان تھے۔ مگر ہاں وہ جناب تقیہ کرتے تھے۔ جیسا کہ کلینی نے کافی میں لکھا ہے
کہ جناب صادق نے فرمایا ہے۔ کہ ابو طالب اصحاب کہف کی طرح تھے۔ کہ اپنے ایمان
کو چھپایا۔ اور شرک ظاہر کیا۔ پس اللہ نے اُنکو دو چند اجر عطا کیا۔ اور انکے ایمان کے
چھپانے کا سبب یہ تھا کہ اس پردے میں امداد اور کفالت آنحضرت کی خوبترین
وجہ پر ممکن ہو جائے۔ جیسا کہ فاضل کاشانی نے صافی میں لکھا ہے۔ اثنا عشریہ کہتے
ہیں۔ کہ جناب رسول خدا اور علی ایک نور تھے۔ جب حضرت آدم پیدا ہوئے۔ تو
اس نور کو اُنکی پشت میں جگہ دی پھر ہمیشہ خداوند تعالے اس نور کو ایک صلب پاک
سے دوسرے صلب پاک کیطرف منتقل کرتا رہا۔ پھر اس نور کے دو حصے کئے۔ ایک
حصے کو عبد اللہ کی صلب سے باہر لایا۔ اور دوسرے کو صلب عبد المطلب سے
اسی وجہ سے آنحضرت نے فرمایا تھا کہ علی مجھ سے ہے۔ اور میں علی سے ہوں۔
اسکا گوشت میرا گوشت ہے۔ اور اسکا خون میرا خون ہے[ل]۔ اور انکے نزدیک ائمہ کی

ل دیکھو ارشادیہ ۱۲ منہ

موت اُنکے قبضۂ و اختیار میں ہوتی ہے چنانچہ اس قاعدے کو کہ ائمہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں کلینی نے اصول کافی میں بہت سی روائتوں سے ثابت کیا ہے۔ اور اسکے واسطے علیحدہ باب باندھا ہے۔ اور انکے نزدیک متعہ کی حلیت کا اعتقاد لازم ہے اور تراویح رمضان اور موزوں پر مسح کرنے کے منکر ہیں[1] اور کہتے ہیں نماز پیچھے ہر مسلمان کے جائز نہیں۔ فروع میں اثنا عشریہ کی دو قسمیں ہیں اصولیہ اور اخباریہ

ضمیمہ

بحر المذاہب۔ تذکرۃ المذاہب۔ مولد الافاضل۔ خطط مقریزی اور ملل نحل شہرستانی میں شیعہ کے فرقوں کے یہ نام اور لکھے ہیں

شرکیہ انکا اعتقاد یہ ہے۔ کہ حضرت علی شریک ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

تناسخیہ یا متناسخیہ۔ انکا عقیدہ یہ ہے۔ کہ ارواح کو تناسخ ہوا کرتا ہے۔ اور بعض متناسخیہ یہ کہتے ہیں۔ کہ جب روح دنیا میں آتی ہے بعد اسکے کہ وہ موت اول کے ساتھ دنیا سے جا چکی تھی۔ تو بکری کے بچے میں داخل ہوتی ہے۔ پھر اُس سے بھی کسی حقیر چیز میں انتقال کرتی ہے۔ اسی طرح نقل کرتے کرتے گندگی و غلاظت کے کیڑوں میں نقل کرتی ہے۔ اور یہ آخری جسم ہوتا ہے۔ کہ اُسکو ملتا ہے بلکہ یہانتک ہوتا ہے کہ روح لوہے مٹی اور کچے برتنوں میں نقل کر جاتی ہے۔ اور آگ میں پکنے اور پامال ہونے اور گلائے جانے اور کٹنے پٹنے اور غبار و خراب رکھے جانے سے عذاب پاتی ہے۔ جس قدر گناہ روح کے ہوتے ہیں۔ اسی قدر اُس کو عذاب ہوتا ہے۔

مخطیہ۔ ان کا اعتقاد ہے۔ کہ جبریل علیہ السلام چوک گئے۔

---

[1] مولوی عصمت اللہ نے فقہ اکبر کی شرح میں کہا ہے چونکہ شیعہ تراویح رمضان کے منکر ہیں۔ اور مسح موزوں پر نہیں کرتے بلکہ پاؤں پر مسح بلا موزے کے کرتے ہیں اسلئے امام نے اُنکے رد کی نیت سے کہا ہے کہ مسح موزوں پر اور تراویح رمضان میں سنت ہے ۱۲ سلہ دیکھو مولد الافاضل ۱۲ منہ

خلفیہ۔ انکا قول یہ ہے کہ نماز غیر امام کے پیچھے جائز نہیں۔
رجعیہ یا راجعیہ انکا قول ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب عنقریب رجوع کرنیوالے ہیں۔ اپنے اعداسے انتقام لینگے (دیکھو خطط) اور بعض کہتے ہیں۔ کہ راجعیہ کی یہ رائے ہے۔ کہ حضرت علی ابر میں ہیں۔ اور دنیا میں قیامت سے قبل رجوع کرینگے۔ اور رعد انکے گھوڑے کی ڈپٹ کی آواز ہے۔ اور برق اُس گھوڑے کی نعل کی آگ ہے (دیکھو بحر)
متربصیہ تربص یعنی انتظار خروج امام کا کرتے ہیں
ابدیہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت علی نبوت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک ہیں
لاعنیہ یہ طلحہ اور زبیر اور معاویہ اور بی بی عائشہ پر لعنت کرتے ہیں
متراضفیہ۔ انکا قول یہ ہے کہ سلطان مسلم پر خروج جائز ہے
حزنیہ عبداللہ بن عمرو حزنی کے متبع ہیں۔ اور آمریہ اور جنبیہ اور جالیہ اور کشاف اصطلاحات الفنون میں کہا ہے کہ امامیہ میں ایک گروہ کا نام سلفیہ ہے اور قاضی عیاض نے شفا کے تیسرے باب میں کہا ہے۔ کہ شیعہ کے ایک فرقہ کا نام عنبریہ ہے۔ یہ لوگ عبیداللہ بن حسن عنبری کی طرف منسوب ہیں۔ یہ بصرے کا قاضی تھا اس نے عقائد اور عقلیات میں تقلید کو جائز کیا تھا۔ کہتا تھا کہ انبیا کا جھوٹ بولنا اُن باتوں میں جو خدا کی طرف سے لائے ہیں۔ کسی مصلحت کی وجہ سے جائز ہے۔ بعض نسخوں میں عبیداللہ کی جگہ عبداللہ ہے۔ اور عنبری قبیلۂ بنی عنبرہ کی طرف منسوب ہے۔
کیالیہ ملل ونحل میں شہرستانی نے لکھا ہے کہ یہ فرقہ احمد بن کیال کی طرف منسوب ہے۔ یہ ایک شخص کا اہل بیت میں سے داعی تھا۔ جو بعد جعفر صادق کے مخفی رہتا تھا اُس نے اپنے آپکو ظاہر نہ کیا۔ احمد نے مسائل علمیہ پر واقفیت حاصل کرکے اپنی رائے کے ساتھ ملایا۔ اور ہر ایک علمی مسئلے میں ایک نئی تحقیق پیدا کرلی۔ جو نہ سمعیات کے مطابق تھی نہ عقلیات کے بلکہ بعض قول اُس کے

حس کے بھی مخالف تھے۔ جبکہ اُسکی بدعت پر ائمہ کو اطلاع ہوئی۔ تو اُس سے
نفرت کرنے لگے اور اُسکو برا کہنے لگے۔ جب کیال کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو اُس نے
دعوے کیا کہ میں امام ہوں۔ اور دوبارہ یہ دعوے کیا کہ میں قائم ہوں اور منتظر ہوں
اُسکے معتقدوں نے اُسکے دعووں کو تسلیم کیا۔ احمد کے مذہب کی بنیاد اس بات
پر تھی۔ کہ جو کوئی آفاق کو نفوس کے ساتھ موافق کرسکے۔ اور ان عالم علوی اور
سفلی کے راستے بتا سکے۔ اور جسکی ذات میں تمام علوم جمع ہوں۔ اور اس بات
پر قدرت رکھتا ہو۔ کہ ہر کلی کو اُسکے شخص معین جزئی میں بیان کرسکے۔ وہی
قائم ہے۔ اور کہتا تھا۔ کہ دنیا میں کوئی شخص اس صفت کے ساتھ سوا میرے
پیدا نہیں ہوا۔ اور زبان عربی و عجمی میں بہت سی کتابیں ان مطالب کے بیان
میں احمد نے لکھ ڈالیں۔ اس عالم آفاق کو عالم علوی اور عالم نفوس کو عالم سفلی
قرار دیا تھا۔ کہتا تھا تین عالم ہیں۔ عالم اعلے عالم ادنے عالم انسانی۔ عالم اعلے
میں پانچ مکان تجویز کئے تھے۔ ایک مکان الاماکن جس میں کوئی چیز موجود
نہیں۔ اور وہ سب کو محیط ہے۔ اور شرع میں جو عرش وارد ہے۔ اس سے
یہی مکان الاماکن مراد ہے۔ اسکے تلے مکان نفس اعلے کا ہے۔ اسکے تلے مکان
نفس ناطقہ کا اُسکے تلے مکان نفس حیوانی کا۔ اسکے تلے مکان نفس انسانی کا
نفس انسانی عالم نفس اعلے پر چڑھ گیا تھا۔ اور مکان نفس ناطقہ اور نفس حیوانی
کے پھٹ گئے تھے۔ نفس انسانی وہاں جاکر گونگا متحیر حسرت زدہ محبوس ہوکر
رکھیا اور سڑ گیا اور اُسکے اجزا مستحیل ہوگئے۔ اس لئے عالم سفلی میں گر گیا۔ اور
اسی عفونت کی حالت میں مدتوں تک رہا۔ پھر نفس اعلے نے اپنے انوار اُس پر
ڈالے۔ پس اس عالم میں ترکیب پیدا ہوئیں۔ اور زمین و آسمان اور مرکبات
یعنی معدنیات و نباتات و حیوانات اور انسان بنے۔ اور اس ترکیب سے انسان
بلاؤں میں پھنس گیا۔ کبھی سرور کبھی غم کبھی آرام کبھی اندوہ و محنت اُس کو
پہنچنے لگی۔ یہانتک کہ قائم ظاہر ہوکر اُسکو حالت کمال کو پہنچائے اور ترکیب دفع

ہو جائے۔ اور مقتضیات باطل ہو جائیں اور روحانی جسمانی پر ظاہر ہو جائے اور وہ قائم احمدؐ ہے پھر احمد نے اپنے قائم ہونے پر اس طرح استدلال کیا تھا کہ کہتا اس نام میں چار حرف جمع ہیں۔ جو چاروں عالم کے مقابل ہیں۔ الف نفس اعلیٰ کے مقابل ہے اور حا نفس ناطقہ کے اور میم نفس حیوانیہ کے اور دال نفس انسانیہ کے اور عوالم علوی کے مقابلے میں عوالم سفلی جسمانی ثابت کرتا تھا۔ کہتا تھا کہ آسمان خالی ہے۔ اور وہ مقابل میں مکان الاماکن کے ہے اور آسمان کے تلے آگ ہے۔ اور آگ کے تلے ہوا اور ہوا کے تلے زمین اور زمین کے تلے پانی یہ چاروں اُن عوالم علوی کے مقابل ہیں پھر کہتا تھا کہ انسان آگ کے مقابلے میں ہے۔ اور پرند ہوا کے مقابلے میں اور حیوان زمین کے مقابلے میں اور پانی کے مرکز کو اسفل المراکز قرار دیا تھا۔ اور مچھلی کو اخس المرکبات بتاتا تھا اور انسان کا مقابلہ عالم روحانی و جسمانی سے اس طرح کیا تھا۔ کہ کہتا تھا۔ انسان میں جو پانچ حواس ہیں۔ ان میں سمع مکان الاماکن اور آسمان کے مقابل ہے اور بصر نفس اعلیٰ اور آگ کے مقابل ہے۔ اور قوت شامہ نفس ناطقہ اور ہوا کے مقابل ہے۔ اور قوت ذائقہ نفس حیوانی اور زمین کے مقابل ہے۔ اور قوت لامسہ نفس انسانی اور پانی کے مقابل ہے۔ اور کہتا تھا۔ کہ میرے حرفوں میں سے الف انسان پر دلالت کرتا ہے۔ اور حا حیوان پر اور میم طائر پر اور دال مچھلی پر اور کہتا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کی شکل اسم احمدؐ کے حروف کے مطابق بنائی ہے۔ قد مثل الف کے کیا ہے۔ دونوں ہاتھ حا کی طرح اور شکم مانند میم کے۔ اور دونوں پاؤں مثل دال کے اور کہتا تھا کہ انبیا اہل تقلید کے رہبر ہیں اور اہل تقلید اندھے ہیں اور قائم اہل بصیرت کا رہبر ہے۔ اور اہل بصیرت اولو الالباب ہیں اور بصیرت عالم علوی و سفلی کے مقابلہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے میزان اہل علم سے مراد بتاتا تھا۔ اور صراط اپنے نفس کو جانتا تھا۔ اور کہتا تھا جنت بصیرت حاصل کرلینے کا نام ہے۔ اور دوزخ اسکے خلاف پر پہنچ جانے سے مراد ہے۔

صحیفہ جَفْر جامعہ مصحف فاطمہ

ناسخ التواریخ کی دوسری کتاب کی چوتھی جلد میں بصائر الدرجات اور کتاب کافی سے نقل کیا ہے۔ کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق سے علم جَفْر کا حال دریافت کیا۔ تو آپنے فرمایا ہو جلد ثور مملو علماً یعنی وہ بیل کی کھال ہے علم سے بھری ہوئی۔ پھر سائل نے عرض کیا جامعہ کیا ہے۔ آپنے جواب دیا تلک صحیفۃ طولها سبعون ذراعاً فی عرض الادیم مثل فخذ الفالج فیها کل ما یحتاج الناس الیه ولیس من قضیة الا وفیها حتی ارش الخدش وہ ایک صحیفہ ہے جسکا طول ستر گز ہے اور عرض موافق اندازہ پوست ران شتر جسیم و کوہانہ کے ہے اُس میں تمام وہ چیزیں مندرج ہیں جنکی آدمیوں کو احتیاج پڑتی ہے۔ کوئی حکم اور کوئی بات اُس سے نہیں چھوٹی ہے حتیٰ کہ کسی چیز کے چھلنے کا بھی حال ہے۔ ناسخ التواریخ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جفر جامعہ ایک چیز ہے۔ چنانچہ اُسکے صفحہ ۱۰۳ میں عبارت کافی کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ فرمود کہ جفر جامعہ صحیفہ ایست کہ ہفتاد ذراع درازی آنست در عرض چرمے مانند ران شتر دو کوہانہ۔ مگر صناجۃ الطرب میں بیان کیا ہے کہ سید السند نے لکھا ہے۔ کہ جفر اور جامعہ دو کتابیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں علم الحروف کے قاعدے پر تمام حوادث جو قیامت تک ہوتے رہینگے بیان کئے ہیں۔ اور جتنے ائمہ اُنکی اولاد میں ہوئے ہیں اُنکو یہ علوم حاصل تھے۔

امام رضا نے قبول ولیعہدی کا خط مامون عباسی کو لکھا اُسکا مضمون یہ ہے اے مامون! تم نے ہمارے حقوق کو بہ نسبت اگلوں کے زیادہ پہچانا۔ میں تمہاری ولیعہدی قبول کرتا ہوں۔ مگر جفر اور جامعہ اس بات کو صاف بتا رہے ہیں۔ کہ یہ ولیعہدی اتمام کو نہیں پہنچیگی۔ اور ابن خلدون وغیرہ نے کہا ہے۔ کہ کتاب جفر کی اصل یوں ہے۔ کہ ہارون بن سعید عجلی فرقۂ زیدیہ کے راس رئیس

کے پاس ایک کتاب تھی اُسکے مطالب جعفر صادق سے مروی تھے۔ اس کتاب میں اہل بیت کے حالات عموماً اور بعض اشخاص کے حالات بالخصوص مذکور تھے۔ یہ نسخہ جعفر صادق کے پاس بیل کی کھال پر لکھا ہوا تھا۔ اسی سے ہارون عجلی نے نقل لی تھی۔ اور اس کا نام جفر رکھا تھا کیونکہ بکری کی کھال کو جفر کہتے ہیں۔ آخر یہی نام اُس کتاب کا پڑ گیا۔ اس کتاب میں قرآن مجید کے حل اور اسرار و رموز اور عجیب عجیب معنی حضرت جعفر صادق سے مروی ہیں۔ اور ابن خلکان لکھتا ہے۔ کہ شیعہ لوگ جس قدر قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔ اور اُسکے غوامض و مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ وہ سب اسی جفر سے ہے جسکو سعید بن ہارون عجلی نے اپنے اشعار ذیل میں ذکر کیا ہے ؎

الم تران الرافضین تفرقوا ؛ فکلهم فی جعفر قال منکرا

کیا تم نہیں جانتے کہ رافضیوں میں کیا اختلاف ہے۔ ہر ایک نے جعفر صادق کے حق میں بڑے بڑے قول کہے ہیں ؎ فطائفة قالوا امام ومنهم ؛ طوائف سمته النبی المطهرا

کسی نے تو اُنکو امام کہا۔ اور کسی نے اُنکو نبی معصوم سمجھ لیا ؎

ومن عجب لم اقضه جلد جفرهم ؛ برئت الی الرحمن ممن تجفرا

اور مجھے تو اُن کے جفر کے چمڑے سے نہایت تعجب ہوتا ہے۔ میں جفر جاننے سے برات چاہتا ہوں۔ اور خدا کی طرف پناہ لیتا ہوں۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں۔ کہ شیعوں کا خیال ہے کہ اُن کے امام نے جفر میں تمام ضروریات دین و مذہب کو لکھ دیا ہے۔ اور جو کچھ کبھی قیامت تک ہونے والا ہے۔ سب تحریر کر دیا ہے۔ شیعہ جب امام بولتے ہیں۔ تو مراد اُس سے جعفر صادق ہوتے ہیں۔ اسی مضمون کو ابوالعلاء معری نے اپنے ان شعروں میں باندھا ہے ؎

لقد عجبوا لاهل البیت لما ؛ اتاهم علمهم فی مسک جفر

لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ جب اہل بیت رسول کو پوست جفر کے ذریعے سے علم حاصل ہوا ؎

ومرآة المنجم وهی صغری ؛ ارته کل عامرة وقفر

اور مرآة المنجم نے اُن کو تمام دنیا کی آبادیاں اور ویرانے دکھا دیئے۔ حالانکہ وہ چھوٹا

سا ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد مذکورہ میں یہ بھی مسطور ہے کہ امام جعفر نے فرمایا۔ کہ مصحف فاطمہ کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاطمہ جناب رسول خدا کی وفات کے بعد پچھتر دن تک زندہ رہیں۔ اس عرصے میں نہایت غمگین رہتی تھیں۔ جبریل اُن کے پاس آتے اور تسلی اور تعزیت کر کے اُن کے دل کو بہلاتے۔ اور اُن کو رسول خدا کے مراتب و مقامات سے آگاہ کرتے اور اُنکو خبر دیتے۔ کہ اُن کے بعد اُن کی اولاد پر یہ یہ واقعات گذرینگے۔ حضرت علی اُن سب باتوں کو لکھ لیتے تھے۔ انہیں تحریرات کا نام مصحف فاطمہ ہے۔ بصائر الدرجات میں مروی ہے۔ کہ حماد بن عثمان کہتا ہے۔ کہ جعفر صادق نے فرمایا۔ کہ زنادقہ ۱۲۸ھ میں ظہور کرینگے۔ کیونکہ میں نے مصحف فاطمہ میں یہ بات لکھی ہوئی دیکھی ہے۔ اور حضرت جعفر نے فرمایا کہ یہ مصحف حلال وحرام کا ظاہر کرنے والا نہیں بلکہ اُس چیز کا علم بتانے والا ہے۔ جو آگے کو ہونے والی ہے۔

فرقہ خوارج

سب سے پہلے جو علی کرم اللہ وجہہ پر خروج کر کے اُن سے جدا ہو گئے اور تبرا کیا۔ یہی فرقہ ہے۔ جب ۳۷ھ ہجری میں معاویہ اور حضرت علی کے لشکروں میں بمقام صفین ماہ صفر سے جنگ شروع ہوئی۔ اور معاویہ کی فوج کے دل حضرت علی کی تلوار سے چھوٹ گئے۔ اس وقت معاویہ نے کلام مجید نیزوں پر رکھوا کر باآواز بلند کہلایا۔ کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ اس وقت مسعر بن تمیم فدکی تمیمی اور زید بن حصین طائی بیس ہزار شمشیر زنوں کے ساتھ حضرت امیر کی خدمت میں آئے۔ ان کی پیشانیوں پر سجدے کی نمایاں نشانیاں تھیں۔ اور ایک جماعت قاریان قدماں کی بھی۔ کہ جو بعد اس کے خوارج کہلائے۔ ان کے ساتھ تھی۔ اور عرض کیا

کہ آپ کو معلوم ہے۔ کہ ہم نے حضرت عثمان کو اس لئے قتل کیا تھا۔ کہ وہ کلام اللہ کے مطابق
کام نہیں کرتے تھے۔ جب اہل شام آپ سے یہ استدعا کرتے ہیں۔ کہ مطابق کتاب اللہ
کے تصفیہ کر لیا جائے۔ تو انکی رائے کو ماننا چاہئے۔ ورنہ ہم آپ کو مثل انہیں کے
قتل کر ڈالینگے۔ یا ہم آپ کو مخالفین کے سپرد کر دینگے۔ حضرت علی نے جواب دیا۔ کہ
تم اپنے حق وصدق پر دشمنوں سے لڑے جاؤ۔ یہ کام انہوں نے تمہارے فریب
دینے کے لئے کیا ہے۔ میں ان سے زیادہ مستحق ہوں۔ اس بات کا کہ کتاب اللہ کے
موافق احکام جاری کروں۔ معاویہ اور عمرو بن عاص اور ابن ابی معیط اور حبیب بن
مسلم اور ابن ابی سرح اور ضحاک بن قیس ایسے دیندار اور فرمان بردار قرآن کے
نہیں۔ میں انکو خوب جانتا ہوں۔ یہ شعبدہ انہوں نے اس لئے کھڑا کیا ہے۔ کہ ہمارے
ہاتھ سے مخلصی حاصل کرلیں۔ مگر اُن لوگوں نے حضرت امیر کے ارشاد کو نہ مانا۔
اشعث بن قیس نے حضرت امیر سے کہا۔ کہ تمام لشکر آپ کا قرآن پر رغبت رکھتا
ہے۔ اور جو امر معاویہ نے تجویز کیا ہے۔ اُس سے بدل راضی ہے۔ مجھے حکم ہو۔ کہ
معاویہ کے پاس جاکر اُن کا مافی الضمیر دریافت کروں۔ آپ نے اُس کو کہدیا۔ کہ تیری
خوشی وہ معاویہ کے پاس گیا۔ کہ تم نے کس لئے قرآن اُٹھائے ہیں۔ کہا میں یہہ
چاہتا ہوں۔ کہ ایک میری طرف سے اور ایک حضرت علی کی طرف سے حکم (ثالث)
مقرر ہو۔ اور وہ جو کچھ کتاب اللہ کی رو سے فیصلہ کردیں۔ اُس پر فریقین عمل کریں
پھر شامیوں نے کہا کہ ہم اپنی طرف سے عمرو بن عاص کو ثالث کرتے ہیں۔ اور
اشعث بن قیس اور بقایا یاں قرآن نے کہا۔ کہ حضرت علی کی طرف سے ابو موسیٰ
اشعری ثالث مقرر ہوں۔ حضرت علی نے کہا۔ کہ میں ابو موسیٰ سے راضی نہیں[1]

---

[1] دیکھو ناسخ التواریخ اور تذکرۃ الخواص الامہ میں ابن جوزی نے بھی حضرت علی کی زبانی ابو موسیٰ اشعری کے حق میں لکھا ہے وہو عندی غیر مامون وقد ہرب منی وخذل الناس عنی اور تاریخ الفی کی یہ عبارت ہے اشعث قیس و یزید بن حصین و عبداللہ بن کوا جماعۂ امیر المومنین علی رضی گفتند ابو موسیٰ لائق این کار است وا غیر او را نمی خواہیم چہ او قبل از وقوع این واقعہ مارا ازین امر ترسانید امیر المومنین علی فرمود من او را نیستم و او را درین واقعہ حکم نمی کنم چہ او از من بگریختہ است و مفارقت اختیار کردہ مردمان را از متابعت و مبایعت من منع نمودہ چندگاہ از من ہراساں بود تا من او را امن کردہ ام و باز خواندہ ام ۱۲ منہ

انہیں اس کام کے لایق نہیں جانتا۔ اس لئے کہ وہ کئی مہینے تک مجھ سے منحرف رہے تھے۔ اور لوگوں کو میری متابعت سے روکتے تھے۔ یہانتک کہ میں نے اُن کو امن دیا۔ اور اپنے پاس بلایا۔ اگر ثالث کا ہونا ضروری ہے۔ تو عبد اللہ بن عباس کو میری طرف سے ثالث مقرر کرنا چاہئے۔ عراقیوں نے کہا۔ کہ وہ آپ کے عزیز و قریب ہیں۔ کوئی غیر شخص ہو۔ حضرت علی نے کہا کہ اچھا مالک اشتر کو مقرر کرو۔ اشعث نے کہا کہ یہ سارا فتنہ انہیں کا تو پیدا کیا ہوا ہے۔ وہ گھوڑا دوڑانا جنگ کرنا جانتے ہیں۔ قرآن کے موافق حکم کرنا کیا جانیں۔ اور حضرت علی کو اس بات پر مجبور کیا۔ کہ انہوں نے ابوموسیٰ اشعری کے لئے ثالث مقرر ہونے کی اجازت دیدی۔ اور عمرو بن عاص معاویہ کی طرف سے پنچ قرار پائے۔ اور اقرار نامہ جانبین سے ۳ صفر سنہ ۳۷ھ[1] ہجری کو فیصلہ ہوا۔ اشعث نے اس خیال سے کہ تمام لشکر عراق و شام کو اس صلح کی خبر ہو جائے بعد اسکے کوئی شرائط صلح کے خلاف کام نکرے۔ اول اقرار نامہ لیجا کر شام کی صفوں میں سنایا۔ انہوں نے اُسے تسلیم کیا۔ اور خوش ہو گئے۔ پھر لشکر عراق کی صفوں میں سنانے کو آیا۔ لشکر حضرت علی میں جہاں چار ہزار آدمی جماعت بنی عنزہ کے کھڑے تھے۔ اُن کے پاس جا کر سنایا تو سعدان اور جعدان دو بھائی اُس کاغذ کا مضمون سنکر نہایت غضبناک ہو گئے۔ اور کہنے لگے "لاحکم الا اللہ" یعنی حکم و حکومت خاص اللہ کے لئے ہے۔ یہ کہکر تلواریں میان سے نکالکر لشکر شام میں گھس گئے۔ اور کشت و خون کے بعد مارے گئے۔ یہ کلمہ اول انہیں دونوں بھائیوں کے منہ سے نکلا۔ پھر اشعث قبیلہ مراد کے پاس آیا۔ اور وہ کاغذ سنایا۔ تو اس قبیلے کے سردار کو بہت ناپسند ہوا۔ اور کہنے لگا لاحکم الا اللہ ولو کرہ المشرکون۔ پھر اشعث قبیلہ بنی راسب میں آیا۔ تو انہوں نے کہا اقرار نامہ لاحکم الا اللہ لا نرضی ولا نحکم الرجال فی دین اللہ یعنی حکم سوا خدا کے نہیں۔ اور ہم کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ کہ دین الٰہی میں حکومت کرے۔ پھر قبیلہ بنی ربیعہ یا قبیلہ بنی یشکر بن وائل میں سے ایک جوان نے اشعث سے مضمون کاغذ کا سنکر انکار کیا اور اول

[1] ناسخ التواریخ میں حساب لگا کر بتایا ہے کہ سنہ ۳۷ھ کا ہونا غلطی سے مشہور ہو گیا ہے یہ اقرار نامہ سنہ ۳۸ھ میں لکھا گیا تھا ۱۲ منہ

لشکر شام میں گھس پڑا۔ وہاں لڑا پھر کر لشکر عراق میں آیا۔ اور یہاں لڑا۔ اور پکار پکار کر کہتا جاتا تھا کہ اے لوگو جس طرح میں معاویہ سے بیزار ہوں۔ اسی طرح حضرت علی سے بیزار ہوں اور مارا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ اول جس نے لاحکم الا اللہ کہا اور خارجی ہوا۔ وہ حجاج بن عبداللہ معروف بہ برک ہے۔ جو قبیلۂ بنی سعد بن زید بن مناۃ بن مرہ بن صریم سے تھا۔ پھر اشعث قبیلۂ تمیم میں آیا۔ انہوں نے بھی مضمون کا عذر شا کہا لاحکم الا اللہ یقضی بالحق و ہو خیر الفاصلین یعنی حکم خاص خدا کے لئے ہے جو حق کے ساتھ حکم دیتا ہے۔ اور حق کو باطل سے جدا کرتا ہے۔ عروہ بن ادیہ برادر مرداس تمیمی نے کہا اتحکمون الرجال فی امر اللہ لاحکم الا للہ یعنی کیا آدمی خدا کے حکم میں مداخلت کرتے ہیں۔ حالانکہ حکم سوا اللہ کے کسی کے لئے نہیں بعد اسکے اشعث حضرت علی کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کیا۔ کہ عہد نامہ سنکر سارے لشکر عراق نے سر تسلیم خم کیا۔ مگر تھوڑے سے بنی راسب کے آدمی اور کچھ قبیلوں کے آدمی اسکو ناپسند کر کے کہنے لگے لاحکم الا اللہ اور ہم شام و عراق دونوں کے آدمیوں سے بیزار ہیں۔ اور سب سے جنگ کرینگے۔ حضرت علی نے کہا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ یہ باتیں ابھی ہو ہی رہی تھیں کہ چاروں طرف سے لوگ جمع ہو گئے اور وہ یہ ہیں خوارج کہلائے۔ حضرت علی سے چلا چلا کر کہتے تھے۔ لاحکم الا اللہ الحکم للہ یا علی اے علی حکم اللہ کے لئے ہے۔ نہ تمہارے لئے ہم نہیں چاہتے۔ کہ آدمی اپنے اجتہاد سے دین الہی میں حکومت کریں۔ ہم اللہ کے حکم کے موافق معاویہ سے جنگ کر رہے تھے۔ تاکہ وہ اُس بات کو تسلیم کر لیں۔ جیسے ہم نے اختیار کیا ہے۔ اور ہم نے جو پہلے پنچ مقرر کر نے کے لئے رائے دی تھی۔ یہ ہم سے گناہ ہوا۔ اب ہم اُس گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔ تم بھی اے علی توبہ کرو اور پھر بدستور معاویہ سے جنگ شروع کر دو۔ حضرت علی نے اُن کو سمجھایا مگر خوارج نے آپ کا ارشاد نہ مانا۔ اور یہی کہتے رہے۔ کہ آپ اپنی اُس رائے کو بدل دیں۔ اور توبہ کر لیں۔ اور معاویہ سے جو معاہدہ کیا ہے۔ اُس سے

توڑ ڈالیں۔ اور مہمات جنگ کو موقوف کردیں۔ حضرت علی نے فرمایا۔ کہ جبکہ ہم نے معاہدہ اپنی مرضی سے کیا۔ اور عہدنامہ لکھا گیا۔ تو اب نقص عہد نہیں کر سکتے۔ خوارج نے دیکھا۔ کہ حضرت علی نے اُن کی بات کی وقعت نہ کی تو اُن سے منحرف ہوگئے۔ اور ان کے ہمراہ کوفے کو نہ گئے۔ موضع حروراء (بفتح حائے حطی وضم رائے مہملہ وسکون واو و رائے مہملہ والف ممدودہ) میں کہ کوفے سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے جاکر ٹھیر گئے۔ اس لئے ان کو حروریہ بھی کہتے ہیں۔ یہ چھ ہزار آدمی تھے۔ انہوں نے ان شعار و ندا لا حکم الا اللہ مقرر کرکے اپنا امیر القتال شبث بن ربعی کو اور امیر الصلوٰۃ عبداللہ بن الکوا الیشکری کو بنایا۔ اور حضرت علی کا نام مخطی[1] رکھ دیا اور کہتے تھے۔ کہ حضرت علی اگر خلیفہ برحق تھے۔ تو یہ تحکیم پہ کیوں راضی ہوئے۔ اور اگر خلیفہ برحق نہ تھے۔ تو خلافت کیوں قبول کی۔ اور مسلمانوں اور معاویہ سے کیوں جنگ کی۔ اور کس لئے اتنے مسلمانوں کا کشت و خون کیا۔ حضرت علی اُن کے پاس گئے۔ اور ان کو تپاک کر نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایک خطبہ کہا۔ اور اُن کو سمجھایا۔ کہ تم کو معلوم ہے۔ کہ میں ثالثی کو سب سے زیادہ مکروہ جانتا ہوں۔ میں نے کراہتہً اُسے قبول کیا ہے۔ خوارج نے کہا۔ کہ مقرر ایسا ہی ہوا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا۔ کہ تم نے پھر کیوں میرا ساتھ چھوڑا۔ بولے ہم سے گناہ ہوگیا تھا۔ کافر ہوگئے تھے۔ پھر پشیمان ہوئے۔ توبہ کرلی آپ بھی پشیمان ہوکر توبہ کرلیں۔ تاکہ ہم آپ کے ساتھ شریک ہوکر آپ کے دشمنوں سے جنگ کریں۔ حضرت علی نے کہا استغفر اللہ من کل ذنب۔ خوارج سمجھ لیا کہ حضرت علی نے قبول تحکیم سے توبہ کرلی۔ اور وہ سب اُن کے ہمراہ کوفے کو چلے گئے۔ اشعث بن قیس نے کہ منافق اور فتنہ انگیز تھا۔ ایک روز حضرت علی سے کہا کہ لوگ یہ بات مشہور کر رہے ہیں۔ کہ آپ تحکیم کو ضلالت جانتے ہیں۔ اور اُس سے پشیمان ہیں۔ اور جو اُسے اچھا جانتا ہے اُسے کافر سمجھتے ہیں۔ آپ نے لوگوں کے

---

[1] دیکھو تاریخ مولوی جامی بزبان فارسی ۱۲ منہ

اس گمان کے دفعیہ کی غرض سے مسجد میں خطبے میں کہا۔ کہ کوئی یہ نہ جانے کہ میں تحکیم سے پشیمان ہوں جس نے یہ خیال کیا اس نے غلطی کی۔ اور جو حکومت کو ضلالت جانتا ہے۔ وہ گمراہ ہے۔ جب خوارج نے آپ کی زبان سے یہ بات سنی تو دوبارہ یہ کہکر لاحکم الا اللہ لشکر میں سے نکل کر موضع حروراء میں چلے گئے۔ اور کہنے لگے ان علیا ومعاویۃ قد اشرکا فی حکم اللہ یعنی تحقیق حضرت علی اور معاویہ نے دین خدا میں شرک کیا ہے۔ اور انہوں نے خوارج بصرہ کو بھی لکھا۔ کہ مسلمانوں نے برخلاف کتاب اللہ کے دو آدمیوں کو ثالث مقرر کیا ہے۔ اور سب کافر ہوگئے ہیں۔ انہوں نے جواب بھیجا۔ کہ تمہاری رائے صحیح ہے۔ ہم بھی بہت جلد تم سے آکر ملتے ہیں۔ جب خوارج حروراء میں جمع ہوگئے۔ تو عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھ پر کہ ان میں بہت متقی تھا ان سب نے بیعت کی۔ اور یہ عہد باندھ لیا۔ کہ جن لوگوں نے حکم الہی کے برخلاف ثالث مقرر کئے ہیں۔ ان سے جنگ کرینگے۔ حروراء میں اول چار ہزار جمع ہوئے تھے۔ پھر ایک جماعت ان میں اور مل گئی جس سے سارے بارہ ہزار آدمی ہوگئے۔ عبداللہ بن عباس نے حضرت علی کے حکم سے حروراء جاکر ان سے مناظرہ کیا۔ مگر وہ راجع طرف حق کے نہوئے۔ اور نہروان کو چلے گئے۔ جو بغداد اور واسطہ کے درمیان میں دجلے کی شرقی جانب واقع ہے ان کو رستے میں جو مسلمان ملتا۔ اُسے مار ڈالتے۔ اور مال واسباب لوٹ لیتے۔ نہروان میں حضرت علی کی طرف سے عبداللہ بن خباب صحابی حکمران تھے۔ اتفاقاً خوارج اہل بصرہ اور ابن خباب سے نہروان کے قریب ملاقات ہوگئی۔ خوارج نے اُن سے ابوبکر عمر کی بابت دریافت کیا۔ کہ کیسے تھے عبداللہ بن خباب نے کہا دونوں بہت اچھے تھے پھر اول وآخر زمانہ خلافت عثمان بن عفان کی بابت دریافت کیا جواب دیا کہ وہ تم لوگوں سے زیادہ اللہ کے حکم سمجھنے اور جاننے والے اور دین حق پر چلنے والے ہیں۔ خوارج نے یہ جواب سُنکر کہا تم لوگوں کو اُن کے ناموں کی وجہ سے

اچھا کہتے ہو۔ اور ان کو ذبح کر ڈالا۔ اور اُن کی بیوی کا پیٹ پھاڑ کر مار ڈالا
حضرت علی معاویہ سے جنگ کے لئے ملک شام پر چڑھائی کی تیاری کر رہے تھے
کہ آپ کو یہ خبر پہنچی۔ کہ خوارج ملک میں فساد کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو جہاں پاتے
ہیں مار ڈالتے ہیں۔ اور اُن کا ارادہ یہ ہے۔ کہ حضرت علی شام کو چلے جائینگے
تو ہم کوفے کو لوٹ لینگے۔ اور رعایائے کوفہ کو مار ڈالینگے۔ آپ نے شام کا ارادہ
ملتوی کر کے خوارج کا تعاقب کیا۔ اور نہروان پہنچ کر خوارج کو بہت کچھ سمجھایا
تو آٹھ ہزار مان گئے۔ اور توبہ کر کے حضرت علی کی اطاعت قبول کر لی۔ مگر چار ہزار
نے نہ مانا۔ ان کے سردار عبد اللہ بن وہب راسبی اور حرقوص بن زہیر معروف
ذو الثدیہ تھے۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے مقابلہ کیا۔ اور دو ہزار آٹھ
چھ سو کو تہ تیغ کر ڈالا۔ وہ دونوں سردار بھی کام آئے۔ باقی بچ کر نکل گئے
اور حضرت علی کی طرف سے کل ستر آدمی مقتول ہوئے[1]۔ بعد ازاں خوارج
کے بقیۃ السیف میں سے ایک گروہ انبار کی طرف چلا گیا۔ امیر المومنین علی
نے انکی پامالی کے لئے ایک لشکر بھیجدیا جس نے انکو بھی صفحہ ہستی سے
ہٹا دیا۔ ان کے علاوہ ایک چھوٹا سا گروہ ہلال بن علیہ کے ساتھ میدان جنگ
سے جان بچا کے بھاگ گیا تھا۔ ان کے استیصال پر آپنے معقل بن قیس
کو مامور فرمایا۔ چنانچہ اس نے ہلال کے کل ہمراہیوں کو قتل کر ڈالا۔ تیسرے
گروہ کے ساتھ بھی یہی برتاؤ برتا گیا۔ چوتھے کے ساتھ مداین میں جنگ ہوئی
پانچویں کے ساتھ شہرزور میں۔ غرض یکے بعد دیگرے جہاں جہاں یہ گئے۔ ان کا
وہیں سر پٹک کے رگڑ دیا گیا۔ معدودے چند جن میں ذرا دم خم باقی تھا۔ ان کا شریح
بن ہانی نے خاتمہ کر دیا۔ باقی رہے ضعفا جن کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا تھا۔ اور
جو پچاس نفر سے زائد نہ تھے۔ اُنہوں نے امن حاصل کر لی[2]۔ اور مروج الذہب میں
لکھا ہے۔ کہ حضرت علی کے لشکر میں سے نو آدمی مارے گئے۔ اور خوارج تمام کام آگئے صرف دس

[1] دیکھو جلد سوم کتاب دوم ناسخ التواریخ ۱۲ [2] دیکھو تاریخ ابن خلدون ۱۲

زندہ بچے اور روضتہ الاحباب میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ ایک ہزار آٹھ خوارج رہ گئے تھے جو سب مارے گئے اور تاریخ طبری میں بیان کیا ہے کہ جنگ نہروان میں حضرت علی کیطرف سے سات آدمی مقتول ہوئے تھے اور تاریخ اعثم کوفی میں آیا ہے کہ خوارج کے چار ہزار آدمیوں میں سے صرف نو زندہ بچے کل مارے گئے۔ ان نو میں سے دو خراسان میں جاکر سجستان میں آباد ہوئے اور دو یمن کو چلے گئے۔ اور دو عمان میں جابسے۔ اور دو دریائے فرات کے کنارے پر مقام شن میں آباد ہوئے۔ اور ایک تل فافان میں آباد ہوا۔ اب سارے خوارج انہیں نو آدمیوں کی نسل سے رہیں ۔

خوارج گناہ پر تکفیر کرتے تھے۔ امام پر خروج و قتال روا رکھتے تھے۔ یہہ سب کے سب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی محبت اور حضرت علی بن ابی طالب کے بغض میں غالی ہیں۔ یہانتک کہ بعض خوارج نے ابن ملجم قاتل جناب امیر کی مدح میں قصائد اور ابیات لکھی ہیں۔ اور اہل سنت وجماعت نے اُنکا دندان شکن جواب دیا ہے۔ یہ سب کلام استیعاب میں موجود ہے۔ جلد دین خالص کے صفحہ ۳۶ میں نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے۔ لاحکم الا اللہ سے مراد خوارج کی یہ تھی کہ ہم کوئی چیز قبول نہیں کرتے مگر جو قرآن میں ہے۔ اور اس سے غرض اُنکی یہ تھی کہ ہم حدیث کا بھی اتباع نہیں کرتے۔ حالانکہ ایمان کامل نہیں ہوتا۔ جب تک سنت رسول کی اتباع نہ کی جائے۔ جس طرح قرآن کی اتباع کی جاتی ہے کیونکہ جس ذات نے ہم کو قرآن پہنچایا ہے اسی کا کلام حدیث ہے۔ قرآن تو ہم نے رسول ہی سے جانا ہے۔ پس جب رسول کے ایک بیان کو نہ مانا تو قرآن سے بھی انکار ٹھیرا۔ نہج البلاغت میں مرقوم ہے۔ کہ حضرت امیر المومنین علی نے جب ابن عباس کو خارجیوں کے مناظرے کے لیئے بھیجے تو فرمایا لاتخاصمہم بالقرآن فان القرآن حمال ذوجوہ تقول ویقولون ولکن حاجہم بالسنۃ فانہم لن یجدوا عنہا محیصاً یعنی قرآن کے ساتھ اُن سے بحث نکرنا اسلیئے کہ قرآن میں بہت سی وجہیں ہیں

تم بھی اس سے استدلال کروگے۔ اور وہ بھی اسکے ساتھ اپنی دلیل لائیں گے لیکن اُنکے ساتھ سنت سے گفتگو کرنا کہ اُنکو اس سے چھٹکا نہو سکیگا اور الزام پا جاینگے بہر صورت خوارج اہل تحکیم کے شرک پر اس آیت کے ساتھ استدلال کرتے ہیں ولا یشرک فی حکمہ احدا[1] یعنی خدائے پاک اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا

بعض کی رائے یہ ہے کہ حروریہ اور خوارج میں قدرے فرق ہے حروریہ کے نزدیک کبیرہ کا مرتکب مشرک ہوتا ہے۔ ورنہ عامہ خوارج کا یہ مذہب ہے۔ کہ وہ کافر ہے نہ مشرک اور بعض خوارج کے نزدیک وہ منافق ہے دوزخ کے تلے کے طبقے میں جسکا نام ہاویہ ہے رہیگا اور موئد الافاضل میں لکھا ہے۔ کہ خوارج کے نزدیک مرتکب صغیرہ وکبیرہ دونوں کافر ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ایمان جملہ طاعات کا نام ہے خرض ہوں یا نفل حروریہ کے نزدیک یہ بات ہے۔ کہ ایک کبیرہ کرنے سے نام مرتکب کا بدل جاتا ہے۔ نہ مومن کہلاتا ہے نہ کافر نہ مشرک اور حکم اُسکا یہ ہے۔ کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ انکو مرتکب کبیرہ کے واسطے وعید وخوف کے ثابت کرنے میں اور یہ ماننے میں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا بڑا غلو ہے اسلئے انکو وعیدیہ بھی کہتے ہیں یہ ان کا اتفاق ہے۔ اس بات پر کہ ایمان اجتناب کرنا ہے ہر معصیت سے۔ پس یہ قوم ضد ہے مرجیہ کی نفی واثبات وعدو وعید میں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حروریہ ایک قوم ہے خوارج کی جس طرح خوارج کے سات فرقے اور ہیں۔

بحر المذاہب میں لکھا ہے۔ کہ خوارج کو محکّمہ بھی کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے دونوں حکم (یعنی ابوموسیٰ اشعری وعمرو بن عاص) سے انکار کیا تھا

[1] ابو داؤد عمرو بن سلیمان افندی مولف صلح الاخوان نے خوارج کے حال میں کہا ہے ثم اول فرقۃ من ہذہ الطائفۃ خرجوا علےٰ سیدنا علی بن ابی طالب واکابر الصحابۃ فکفّروھم وشرکوھم واستحلوا دمائہم فی مسئلۃ التحکیم لما حکم علی رضی اللہ عنہ ابا موسی الاشعری ومعاویۃ عمرو بن العاص فقالوا لہما اشترکتما باللہ حیث حکمتما غیرہ استدلالا بقولہ تعالےٰ ولا یشرک فی حکمہ احدا ۱۲

اور مشہور یہ ہے کہ محکمہ ایک قسم ہے خوارج کی زائد اُن سات فرقوں پر اور محکمہ
انکو اسلئے کہتے ہیں کہ انہوں نے جناب امیر سے یہ بات کہی کہ حکم ثالث اُسکو
مقرر کرنا چاہیئے جو حکم کتاب اللہ کے موافق کرے۔ اور جب بوجہ فریب عمرو بن
عاص کے ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ جناب مرتضےٰ نے تحکیم ثالثی کو نامنظور
کیا۔ تو اس وجہ سے وہ لوگ خفا ہو گئے۔ اور جناب امیر کو چھوڑ دیا۔

خوارج کو **نواصب** بھی کہتے ہیں۔ مگر فتاویٰ عزیزی میں مذکور ہے۔ کہ
نواصب جدا فرقہ ہے اور خوارج جدا۔ نواصب مغرب اور شام میں بہت تھے
متوکل عباسی اور اسکا وزیر علی بن جہم ناصبی تھے سنہ ۲۳۶ھ میں متوکل نے امام
حسین کی قبر کے گرداگرد کی تمام عمارات توڑوا ڈالیں۔ اور حکم دیا کہ کوئی زیارت
کے واسطے نہ جائے۔ اور ابو یوسف یعقوب بن اسحاق معروف بہ ابن سکیت
کو جسکی تالیفات سے اصطلاح المنطق لغت میں مشہور کتاب ہے اپنے بیٹوں کے
مقابلے میں امام حسن و حسین کی تعریف کرنے پر مروڑ ڈالا۔ اور اسکے مصاحبوں
میں ایک ہیجڑا عبادہ نامی تھا۔ وہ مخنث اپنے پہننے کے کپڑوں کے نیچے کا
ایک گل تکیہ باندھکر توندیلا کر لیتا۔ اور اپنا سر کھولدیتا تھا کیونکہ اُسکی چندیا
پر بال نہ تھے۔ اور ناچتا تھا۔ اور کہتا تھا آیا توندیلا جسکے سر پہ بال نہیں مسلمانوں
خلیفہ علی اور متوکل بیٹھا ہوا شراب پیتا اور ہنستا کچھ اوپر دس برس حکومت
کرکے سنہ ۲۴۷ھ میں مارا گیا تعجب ہے کہ شیخ محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ
میں اُسکو اُن اقطاب میں شمار کیا ہے جنہیں ظاہر میں بھی حکومت اور
سلطنت حاصل ہوئی۔ سیر المتاخرین میں لکھا ہے۔ کہ محمد امین خاں وزیر محمد شاہ
شہنشاہ ہندوستان بھی اہل بیت رسالت کے ساتھ نہایت عداوت رکھتا
تھا۔ یہانتک کہ ایک مینا کی زبان صرف اس وجہ سے کاٹ لی۔ کہ علی ولی اللہ
کہا کرتی تھی۔ جب میر جملہ عظیم آباد کی صوبہ داری پر مقرر ہوا۔ تو امرا اُس سے
ملاقات اور رخصت کے لیئے آنے لگے۔ نعمت اللہ خاں خلف روح اللہ خاں ایام

عاشورہ اور مراسم تعزیہ داری کی وجہ سے ملنے نہ جاسکا جب تعزیے ختم ہوچکے تو ایک دن یہ میر جملہ کے پاس گیا۔ اتفاقاً محمد امین خاں بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا نعمت اللہ خاں نے دیر سے آنیکا عذر بیان کیا۔ اور کہا ماتم کی وجہ سے اس عرصہ تک حاضر نہ ہوسکا دیر سے آنے کی معافی چاہتا ہوں۔ محمد امین خاں نے کنائے کے طور پر کہا کیا آپکے دولت خانے پر کوئی صاحب مرگئے ہیں نعمت اللہ خاں نے کہا کہ موت تو کوئی واقع نہیں ہوئی سید الشہدا کا ماتم تھا۔ محمد امین خاں نے کہا کہ اے صاحب اسکے کیا معنی یزید اور حسین دو صاحبزادے تھے پس ہم کو یہ مناسب کب ہے کہ ایک کا ماتم کریں اور دوسرے کو برا جانیں۔ اور اُسکا اور اسکے رفیقوں کا ماتم نہ کریں۔ غرضکہ فرق ان دونوں فرقوں میں یہ ہے کہ خوارج اُن صحابہ کی جنہوں نے باہم لڑائیاں کیں جیسے طلحہ زبیر عثمان علی معاویہ۔ اور عمرو بن عاص تکفیر کرتے ہیں۔ اور نواصب صرف حضرت علی اور اُنکی اولاد سے بغض و عداوت رکھتے ہیں۔ متاخرین میں سے عبدالحمید مغربی بھی ناصبی ہے جس نے ایک کتاب تالیف کرکے اُس میں جناب امیر کی نسبت دو قسم کے مطاعن لکھے ہیں۔ ایک وہ کہ فقط نواصب ہی نے اُنکو بیان کیا ہے شیعہ اور اہل سنت اُنکا انکار کرتے ہیں اور اس قسم کا اعتبار نہیں۔ اسلیے کہ وہ محض افترا اور بہتان ہے ایسے مطاعن سے اُن جناب پر ذرا الزام عائد نہیں ہوسکتا اور وہ مطاعن یہ ہیں۔ مثلاً شرکت حضرت عثمان کے قتل میں اور شرکت بی بی عائشہ پر زنا کی تہمت میں وغیرہ وغیرہ اور دوسری قسم کے مطاعن وہ ہیں جنکی اصلیت کتب شیعہ اور کتب اہل سنت دونوں میں موجود ہے۔ اور دونوں فرقوں کے اہل سے اُنکی صحت ہوسکتی ہے۔ اس قسم کے مطاعن کا جواب اہل حق نے البتہ دیا ہے۔ اور اہل حق کو اُن مطاعن کا کوئی افسوس نکرنا چاہیے۔ اس لئے کہ کوئی آدمی دنیا میں ایسا نہیں ہوا۔ جسکے حق میں بدگو اور عیب جویوں نے طعن اور قدح نہ کیا ہو۔ خود جناب کبریائے الٰہی حرف گیریاں کی جاتی ہیں مصرع

قیل ان الالہ ذو ولد

حضرت آدم سے لیکر تا حضرت خاتم النبین فرقہ حشویہ نے بہ تقریب انکار عصمت انبیا علیہم السلام کے کیسے کیسے صغائر و کبائر کو جناب انبیا کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور آیات و احادیث سے بزعم خود ثابت کیا ہے۔ یہود نے انکار عصمت ملائکہ میں یہی چال چلی ہے رشید نے خلفاے ثلثہ اور ام المومنین عائشہ پر کتنے طعن کئے ہیں۔ لیکن دانشمند جانتے ہیں۔ کہ یہ باتیں انکی شان میں کوئی نقصان نہیں پیدا کر سکتیں سہ

واذا اتتک نقیصتی من ناقص ٭ فھی الشہادۃ لی بانی کامل

یعنی جب پہنچے تیرے پاس کوئی برائی میری کسی ناقص بدگو کی طرف سے تو یہی گواہی ہے میرے لئے اس بات کی کہ میں کامل ہوں

خوارج کا نام شراۃ بھی ہے۔ خوارج کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اپنی جانوں کو دین کے واسطے خرید کرلیا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے ائمہ ظالم کی رفاقت سے کنارہ کشی کی۔ اس وجہ سے ہم شراۃ ہیں۔ کسی نے کہا یہ نام انکا اسلئے ہوا کہ وہ مسلمانوں پر نہایت غضبناک تھے۔ اور خوارج کو مارقہ بھی کہتے ہیں۔ اور وجہ تسمیہ احادیث ذیل سے معلوم ہوگی۔ ابو سعید خدری سے بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ کہ رسول علیہ السلام مال غنیمت کہ حنین سے آیا تھا۔ ہر آدمی کو بقدر حاجت بانٹ رہے تھے کہ ایکے پاس قبیلہ بنی تمیم سے ایک آدمی آیا۔ جسے ذو الخویصرہ کہتے ہیں۔ آپ سے کہنے لگا۔ کہ تقسیم میں عدل کرو۔ اور سب کو برابر دو۔ آپ نے فرمایا افسوس تیرے حال پر جب میں نے ناانصافی کی۔ تو اور کون انصاف کریگا حضرت فاروق نے آپ سے عرض کیا کہ حضور حکم دیں۔ تو میں اسکی گردن مار دوں حضرت نے فرمایا کہ ایسا مت کرو اسلئے کہ اُسکے ایسے یار ہونگے جنکے نماز اور روزوں کے مقابلے میں تم لوگوں کو اپنے نماز اور روزے حقیر معلوم ہونگے۔ قرآن پڑھینگے۔ مگر قرآن اُن میں تاثیر نہ کریگا۔ دین سے ایسے نکلینگے جیسے

تیر شکار میں سے پیکان سے پرتاک نکل جاتا ہے۔ اور تیر میں کچھ اثر نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ تیر نجاست اور خون میں ہوکر نکلا ہے۔ اُسکے بعض اصحاب کی علامت یہ ہے کہ ایک مرد ہوگا سیاہ رنگ کہ اُسکے بازو میں افزونی ہوگی پستان عورت یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح کہ وہ ہلتی ہوگی۔ بغاوت کرینگے یہ لوگ اُن سے جو سب آدمیوں سے بہتر ہونگے۔ ابو سعید کہتے ہیں۔ کہ جب حضرت علی نے خوارج سے جنگ کی۔ تو میں اُنکے ہمراہ تھا جب فتح یاب ہوئے۔ تو حکم دیا کہ اُس شخص کو مقتولین میں سے تلاش کرو۔ جسکی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خبر دی تھی تلاش کیا تو اُسکی لاش ملی۔ اور دیکھا تو وہی علامت موجود تھی۔ جو آنحضرت نے بیان کی تھی۔ اُس شخص کو ذوالثُدَیَّہ بھی کہتے تھے ثائے مثلہ کے ضم اور دال مہملہ کے فتح اور تشدید یائے تحتانی سے یہی اُن خارجیوں کا سردار تھا۔ اور جنہوں نے کہا ہے کہ ذوالخویصرہ سردار خوارج تھا یہ سہو ہے۔ کیونکہ خوارج کا ظہور حضرت علی کے زمانہ میں ہوا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ ذوالخویصرہ کی اصل سے خوارج نکلینگے۔ اور حضرت علی اور انکے یاروں سے جو اپنے زمانے کے لوگوں سے بہتر ہیں۔ جنگ کرینگے۔ اور شریک بن شہاب سے نسائی نے روایت کی ہے۔ کہ ابو برزہ کہتے تھے کہ آنحضرت نے ذوالخویصرہ کے اُن گستاخانہ الفاظ کے بعد فرمایا یخرج فی آخر الزمان کانہ ہذا منہم یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیہم یمرقون من الاسلام کما یمرق السہم من الرمیۃ سیماہم التحلیق لا یزالون یخرجون حتی یخرج آخرہم مع المسیح الدجال اھ آخر زمانے میں ایک قوم نکلیگی۔ گویا یہ شخص اُنہی میں سے ہے۔ قرآن پڑھینگے۔ کہ اُنکے گلے کی ہنسلیوں سے نہیں بڑھیگا۔ اسلام سے نکل جائینگے۔ جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ اُنکی علامت یہ ہے کہ اُنکے سر منڈے ہونگے۔ وہ ہمیشہ خروج کرتے رہینگے۔ یہانتک کہ اُن میں سے پچھلا شخص مسیح دجال کے ساتھ نکلیگا۔ اور حدیث متفق علیہ میں حضرت علی سے مروی ہے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے حق میں بطور پیشنگوئی کے

فرمایا تھا یقولون من خیر قول البریۃ لا یجاوز ایمانہم حناجرہم یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ فاینما لقیتموہم فقتلوہم فانہ فی قتلہم اجر لمن قتلہم یوم القیامۃ
یعنی بہترین قول خلق کہینگے (مطلب یہ ہے کہ قرآن بیان کرینگے) ایمان اُنکا اُنکے گلوں سے تجاوز نکریگا۔ دین سے اس طرح نکل جائینگے۔ جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ تم اُنکو جہاں پاؤ مار ڈالو۔ قیامت کے دن اُنکے قاتل کو ثواب ملیگا۔ اُنہیں کے حق میں ابو سعید خدری سے مسلم نے روایت کی ہے۔ یکون امتی فرقتین فیخرج من بینہما مارقۃ یلی قتلہم اولاہم بالحق یعنی میری امت دو فرقے ہو جائیگی۔ اُن میں سے ایک اور جماعت نکلنے والی خروج کریگی۔ ان مارقہ کو وہ شخص قتل کریگا جسکو حق سے بہت قربت حاصل ہوگی۔ امت کے دو فریق ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ ایک جماعت امیر المومنین علی کی طرفدار ہو گئی۔ اور دوسری نے معاویہ کی جانب داری کی۔ اور ان میں سے تیسری جماعت نے خروج کیا۔ وہ مارقہ یعنی خوارج ہیں۔ حضرت علی مرتضے نے جنکو اس وقت حق کے ساتھ بہ نسبت تمام امت کے زیادہ قربت حاصل تھی۔ ان مارقہ کے ساتھ قتال کیا تھا

خوارج کے بعض عقائد

ایک بار عاصم حبشی (بنو بسطام کے آزاد غلام) سے جو خارجی تھا۔ اور عمر بن عبد العزیز سے گفتگو ہوئی تھی۔ وہ یہاں لکھی جاتی ہے۔ کہ سُننے کے قابل ہے عاصم کے ہمراہ ایک دوسرا خارجی بھی تھا۔

عمر بن عبد العزیز۔ تم لوگوں کو کس امر نے خروج اور انتقام پر مجبور کیا ہے

عاصم۔ ہم کو تمہاری سیرت سے کسی قسم کا اشتعال یا خیال انتقام نہیں پیدا ہوا۔ تم بیشک عدل و احسان سے کام لیتے ہو۔ لیکن تم یہ بتاؤ۔ کہ کرسی خلافت پر تم کس طرح متمکن ہوئے۔ لوگوں کے مشورے اور رضامندی سے یا بزور غلبہ۔

عمرو بن عبد العزیز۔ نہ تو میں نے اسکی خواہش کی۔ اور نہ میں نے بجبر و رضہ

غلبہ اسکو حاصل کیا مجھ سے پیشتر ایک شخص نے میری ولیعہدی کی لوگوں سے بیعت لی تھی۔ اس بنا پر میں نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لی اور کسی نے اس سے اختلاف نہ کیا۔ اور تمہارا مذہب بھی یہی ہے کہ امیر المومنین وہی ہے جو لوگوں کی رضامندی سے امیر بنایا جائے۔ اور عادل ہو اور اگر میں حق کا مخالف ہوں۔ تو میری اطاعت تم پر فرض نہیں ہے۔

عاصم اور اسکا ہمراہی۔ لیکن ایک بات باقی رہگئی اور وہ یہ ہے۔ کہ تم نے اپنے خاندان والوں کے افعال و حرکات سے مخالفت کی ہے۔ اور اس کو مظالم کے نام سے موسوم کرتے ہو۔ پس اگر تم ہدایت اور وہ ضلالت دے دینی پر رہے ہوں۔ تو اُن سے بیزاری ظاہر کرو۔ اور اُنپر لعنت بھیجو۔

عمر بن عبد العزیز۔ ہم کہ سکتے ہیں۔ کہ تم لوگوں نے بہ قصد آخرت خروج کیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اُسکا راستہ بھول گئے۔ ہرگز اللہ جلشانہ نے کسی پر لعن کرنا مشروع نہیں کیا۔ اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لعان مبعوث کیا ہے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کہا ہے۔ ومن عصانی فانک غفور الرحیم ۝ یعنی جو شخص میرا کہنا نہ مانے تو بیشک تو غفور و رحیم ہے۔ اور اللہ تعالے فرماتا ہے اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ یعنی یہی لوگ ایسے ہیں جنکو اللہ تعالے نے ہدایت کی ہے۔ پس انہی کی راہونکی پیروی کرو۔ میں نے اُنکے اعمال کو جو مظالم سے تعبیر کیا ہے۔ پس اس قدر اسکی مذمت کافی ہے۔ اور اگر گنہگاروں پر لعن کرنا واجب ہے تو بیشک تم پر واجب ہے۔ کہ فرعون پر لعن کیا کرو۔ حالانکہ تم اُسپر لعن نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ بدترین خلایق تھا۔ پس میں کیسے اپنے خاندان پر لعنت کروں۔ جبکہ وہ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے تھے۔ بیشک ظلم کرنے سے وہ کافر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایمان و شریعت کی طرف بلایا ہے۔ جو اسپر عمل کریگا اس سے یہ عمل قبول کیا جائیگا اور جو شخص کوئی نیا امر نکالیگا۔ اُسپر حد جاری کیجائیگی۔

عاصم اور اُسکا جواب ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو توحید اور اس چیز کے اقرار کی بھی تو دعوت دی ہے جو انپر نازل ہوئی ہے ۔

عمر بن عبد العزیز ان لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو کسیکا انکار کرتا ہو ۔ اور یہ کہتا ہو کہ میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل نہ کرونگا اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر اپنے کو ورطۂ گمراہی میں ڈال دیا ہے

عاصم تو تم ان سے بیزاری ظاہر کرو اور انکے احکام کو رد کردو

عمر بن عبد العزیز تم لوگ جانتے ہو کہ حضرت ابو بکر صدیق نے اہل ردّت سے جس وقت جنگ کی تھی انکی خونریزی بھی کی تھی ۔ اور انکی عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا تھا ۔ اور حضرت عمر فاروق نے ان کو فدیہ کے ساتھ واپس کر دیا تھا ۔ اور ابو بکر سے بیزاری نہیں ظاہر کی تھی اور تم لوگ بھی ان دونوں میں سے کسی ایک سے بھی بیزاری نہیں ظاہر کرتے ہو ۔ اچھا اہل نہروان کی بابت کیا جواب دو گے ۔ تم جانتے ہو کہ اہل کوفہ ان لوگوں کی گروہ سے نکل آئے تھے اور بصرہ نہ لڑے ۔ اور نہ اُن سے متعرض ہوئے تھے ۔ اور جو اہل بصرہ نے خروج کیا تھا ۔ تو ان لوگوں نے عبد اللہ بن خباب اور انکی بیوی کو جو حاملہ تھیں مار ڈالا تھا ۔ ان گروہوں میں جو نہیں لڑا تھا اُس نے قاتلین اور معترضین سے بیزاری نہیں ظاہر کی ۔ اور نہ تم ان میں سے کسی سے بیزاری ظاہر کرتے ہو ۔ تم لوگوں کو یہ امر کیونکر نفع بخش ہوگا ۔ جبکہ تم جانتے ہو کہ اُن کے اعمال میں اختلاف تھا ۔ اور تم مجھے میرے خاندان والوں سے بیزاری ظاہر کرنے پر مجبور کرتے ہو ۔ حالانکہ مذہب اور دین ایک ہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو مردود کو مقبول اور مقبول کو مردود نہ کرو ۔ بیشک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو امن دی ہے جس نے شہادت اسلام یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دی ہے ۔ اور اسکا مال و خون حرام فرمایا ہے ۔ اور تم لوگ ایسے شخص کو قتل کرتے ہو اور باقی مذہب والوں کو امن دیتے ہو ۔ اور انکے مال و خون کو

ناروا سمجھے۔

خوارج کا مذہب یہ ہے کہ ان چار حالتوں میں اہل قبلہ کا خون مباح و حلال ہے (۱) جب کبیرہ کا ارتکاب کرے (۲) کوئی بدعت اس سے حادث ہو (۳) سلطان سے بغاوت کرے (۴) فرائض کو ترک کرے۔ اور ترک کو حلال جانے۔ اور یہی مذہب معتزلہ کا بھی ہے۔ مگر اہل سنت کے نزدیک تین حالتوں میں اہل قبلہ کا خون مباح ہے (۱) اسلام کے بعد کافر ہو جائے (۲) محصن ہونے کے بعد زنا کرے (۳) کسی کو بغیر حق کے مار ڈالے اور باغی کا قتل کرنا اس وقت تک جائز ہے کہ وہ مقابلہ کرتا ہے اور جب دب جائے لڑائی چھوڑ دے تو اسکا قتل کرنا درست نہیں ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ امت محمدیہ میں جس نے اول تکفیر کی وہ معتزلہ اور خوارج ہیں[1]۔ اور اکثر خوارج کا یہ قول ہے کہ امام کا مقرر کرنا کسی حال میں اس کا زمانہ ہو یا فتنہ و فساد کا نہ امید پر واجب ہے نہ بندوں پر نہ شرعی طور پر نہ عقلی طور پر پھر اگر اسے مقرر کر دیں تو جائز ہے اور اگر نہ مقرر کریں تو بھی جائز ہے[2]۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں کہتے ہیں۔ کہ خوارج نے نصب امام کو واجب نہیں بتایا ہے مگر ان میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ حالت فتنہ میں امام کا مقرر کرنا واجب ہے۔ اور ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ امن کی حالت میں واجب ہے۔ انتہی شرح مقاصد اور نہایۃ العقول میں یہ دونوں مذہب ہشام بن عمرو غوطی اور ابوبکر اصم کی طرف منسوب کئے ہیں جو معتزلی ہیں۔ بعض کتب میں لکھا ہے۔ کہ خوارج کہتے ہیں۔ کہ معاویہ نے حضرت علی سے خلاف کیا۔ تو اس میں معاویہ حق پر

---

[1] رسالہ عقائد مولفہ سلیمان بن عبد الوہاب میں ہے وقد سئل شیخ الاسلام ابن تیمیہ عن التکفیر الواقع فی ہذہ الامۃ من اول احدثہ و ابتدأ بہ فاجاب اول من احدث فی الاسلام المعتزلۃ وعنہم تلقاہ من تلقاہ وکذا الخوارج ہم اول

[2] دیکھو اربعین فی اصول الدین مولفہ امام فخر الدین رازی اور شرح طوالع الانوار مولفہ عبد اللہ بن محمد فرغانی اور مطالع الانظار مولفہ ابو الثنا شمس الدین ۱۲ منہ

خوارج قیاس کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عقل کے لئے ایک نظیر کو دوسری نظیر پر حمل کر سکنے کی سبیل حاصل نہیں نہ احکام شرعیہ میں اور نہ غیر احکام شرعیہ میں از قبیل عقلیات و اصول دینیہ[1]۔ اور بعض خوارج فرضیت زکوۃ کے منکر ہیں۔ اور نماز کو سوا اپنے امام کے دوسرے کے پیچھے نہیں پڑھتے اور انکے نزدیک نماز کا وقت سے تاخیر کر کے پڑھنا اور روزہ رمضان کا ماہ رمضان کا چاند دیکھنے سے قبل رکھنا جائز ہے۔ اور نکاح کرنا ولی کی موجودگی کے بغیر صحیح ہے اور ایک درم کا دو درم کو دست بدست بیع کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ اور موزہ پہن کر نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں۔ اور انکے نزدیک موزے پر مسح کرنا درست ہے اور سلطان کی فرمان برداری انکے ہاں ضروری نہیں۔ انکے اعتقاد میں امام کا قرشی اور معصوم ہونا لازم نہیں۔ عادل ہونا کافی ہے۔ اور عادل ہونے سے یہ مراد ہے کہ متقی اور پرہیزگار اور بامروت ہو گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ اگر امام ظلم و جور کرے۔ تو اسکا معزول کرنا واجب ہے یا اسکو مار ڈالنا چاہئے اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی امامت کے لئے اپنے بعد نص نہیں کی تھی۔ اور انکے نزدیک کسی شے کا وجوب عقل کے ذریعہ سے ثابت نہیں ہوتا پس نہ ایمان باللہ کو عقل واجب کرتی ہے اور نہ عقل سے ایمان کی خوبی اور کفر کا قبح دریافت ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ سب باتیں شرع سے جانی جاتی ہیں۔ یہی رائے مشبہ کی ہے[2]

خوارج کے مصنفین سے عبداللہ بن زید اور محمد بن حرب اور یحییٰ بن کامل اور سعید بن ہارون ہیں۔ خوارج کا زیادہ مجمع عراق اور شام میں تھا۔ خوارج نے اجماع کا انکار کیا ہے[3]۔

منتخب تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ خوارج کی دو قسمیں ہیں (۱) خوارج کوفہ (۲) خوارج بصرہ۔ خوارج بصرہ کی تعداد خوارج کوفہ سے زیادہ ہے

---

[1] دیکھو شرح مسلم الثبوت مؤلفہ بحر العلوم ۱۲ [2] دیکھو شرح عمدۃ نسفی ۱۲ [3] دیکھو شرح مسلم الثبوت ۱۲

خوارج کوفہ بیس ہزار کے قریب تھے خوارج کوفہ کا رئیس نافع بن ارزق تھا اسلئے انکو ازارقہ کہا کرتے تھے علی العموم خوارج کا یہ مذہب ہے۔ کہ امام عادل ہو نبی علیہ السلام اور حضرت صدیق اور حضرت عمر کے مذہب پر پھر خوارج بصرہ کوفہ نے فروع میں اختلاف کیا ہے خوارج بصرہ کہتے ہیں۔ کہ امام قریش میں سے چاہئے۔ اُن میں سے کسی خاندان اور قبیلے کا ہو اور خوارج کوفہ کہتے ہیں۔ کہ ہاشمی ہو خصوصاً حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اہل بیت میں سے۔ اور وہ حضرت علی کی اولاد ہے نہ عباس اور حمزہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی اولاد انتہی ترجمہ کلامہ۔ مجھے اس کلام میں نظر ہے اسلئے کہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کی امامت کو عموماً خوارج مانتے ہیں۔ اور انکی سیرت اور انکے زمانہ خلافت کو سب سے اچھا جانتے ہیں۔ اور جبکہ امامت کے ساتھ ہاشمی اور علوی کی قید لگائی جائیگی۔ تو ان خلفا کی امامت باطل ٹھیریگی۔ کیونکہ یہ نہ ہاشمی ہیں نہ علوی یہ قید تو شیعہ مانتے ہیں۔

خوارج کے مختلف ممالک میں خروج کرنے پر ایک سرسری نظر

سنہ ۴۱ھ میں جماعت مسلمین نے متفق ہو کے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ انہیں دنوں فروہ بن نوفل اشجعی نے حضرت علی وحسن رضی اللہ عنہما سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ اور پانچ سو کی جمعیت سے شہر زور میں آٹھیرا تھا۔ جب معاویہ کی حکومت کی بیعت ہوگئی۔ تو فروہ نے زنپر خروج کیا معاویہ نے یہ خبر پاکے اہل کوفہ کو اس سے جنگ کرنیکا حکم دیدیا اسکے بعد خوارج نے طے سے عبداللہ بن ابو الحر لیشی کو امیر بنایا۔ اہل کوفہ سے ایک گھمسان لڑائی ہوئی۔ بعد ازاں خوارج نے حوثرہ بن وداع اسدی کے پاس اجتماع کیا۔ اور ڈیڑھ سو کی جمعیت سے نخیلہ کی طرف بڑھے۔ اس گروہ میں ابن ابوالحر لیشی کے باقی ماندہ ہمراہی بھی شریک تھے۔ معاویہ کے حکم سے عبداللہ بن عوف نے ان سے جنگ کی۔ اور اُس کے کل ہمراہیوں کو باستثنائے پچاس کے مار ڈالا۔ جو جان بچاکے کوفہ پہنچے اور متفرق

منتشر ہوگئے۔ یہ واقعہ جمادی الآخری سنہ ۴۱ھ کا ہے۔ معاویہ کوفے سے شام کو چلے
گئے۔ تو فروہ بن نوفل اشجعی نے پھر خروج کر دیا۔ شہر زور میں ابن ربعی کے ہاتھ سے
مارا گیا۔ بعد اسکے کوفے کے حاکم مغیرہ بن شعبہ نے شبیب بن ابجر کی طرف ایک
شخص کو روانہ کیا جس نے اُسکو قتل کر ڈالا۔ یہ شبیب ابن ملجم کے دوستوں سے
تھا۔ یہی معاویہ کے پاس حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت
کی خوشخبری لے کے آیا تھا۔ معاویہ نے اس خیال سے کہ یہ مبادا مجھ پر بھی اپنا
ہاتھ صاف نکرے شبیب کے قتل کا حکم دیدیا۔ یہ خبر پاکے کوفے کے اطراف وجوانب
میں چھپ رہا۔ اور لوگوں کو معاویہ کے خلاف ابھارنے لگا۔ بعد ازاں مغیرہ کو یہ
خبر لگی۔ کہ خوارج میں سے چند لوگ حملے کا قصد کر رہے ہیں۔ اور انکا سردار معن
بن عبد اللہ محاربی ہے۔ مغیرہ نے معن کو گرفتار کراکے مار ڈالا۔ بعدہ مغیرہ پر
ابو مریم نے جو بنی حرث بن کعب کا آزاد غلام تھا خروج کیا۔ اسکے ساتھ عورتیں
بھی لڑنے کو نکلی تھیں۔ مغیرہ کے حکم سے چند آدمیوں نے انکو قتل کر ڈالا۔ پھر
ابو لیلےٰ نے چند خدام کے ساتھ خروج کر دیا۔ سنہ ۴۲ھ میں معقل بن قیس ریاحی کے
ہاتھ سے مارا گیا۔ ان واقعات کے بعد عامر والی بصرہ پر بصرے میں سہم بن غالب
جہنی نے ستر آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ خروج کیا۔ جس میں حطیم یعنی یزید بن مالک
الباہلی بھی تھا۔ ابن عامر اور بعض صحابہ نے ان میں سے اکثر آدمیوں کو قتل
کر ڈالا۔ جو باقی رہ گئے انہوں نے امن حاصل کر لی۔ جب سنہ ۴۵ھ میں زیاد وارد
بصرہ ہوا۔ تو حطیم ایک گروہ مجتمع کر کے بصرہ پر چڑھا۔ بصرے کے قریب پہنچ کے
اسکے ہمراہی بخوف جان اس سے علیحدہ ہوگئے۔ زیاد نے حطیم کو گرفتار کرا کے
قتل کیا۔ پھر خوارج کا اجتماع کوفہ میں ہوا۔ یہ لوگ جنگ نہروان کے بقیۃ السیف
تھے جو کسی قدر زخمی ہو کے مقتولین میں دب دبا کے رہ گئے تھے۔ مستورد بن علفہ
تیمی انکا امیر تھا۔ مقام ساباط میں معقل بن قیس کے ہاتھ سے شکست پائی۔
مستورد اور معقل دونوں لڑ کر مارے گئے۔ بقیہ خوارج کا معقل کے جانشین عمر بن

محرز بن شہاب تیمی نے کام تمام کردیا۔ باستثنا پانچ چھ آدمیوں کے ایک شخص بھی جانبر نہوا۔ اب زیادہ خوارج کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے لگا اور ان میں سے ایک گروہ کثیر کو مار ڈالا۔ بعد اسکے ۵۲ھ میں ابن خراش عجلی نے تین سو آدمیوں کی جمعیت سے زیاد پر خروج کیا اور مارا گیا۔ پھر مقام بصرہ میں ۵۵ھ میں خوارج کے ستر آدمیوں نے عبدالقیس کے قبیلے سے خروج کیا اور طواف کے ہاتھ پر عبیداللہ بن زیاد کے قتل کرنے کی بیعت کی۔ ابن زیاد کو اسکی اطلاع اس نے فوج بھیجی سب کے سب لڑکے مارے گئے۔ اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے خوارج پر سختی شروع کی۔ ان میں سے ایک گروہ کو قتل کر ڈالا۔ اور خوارج کی جستجو و گرفتاری و قتل میں بڑی کوشش کی۔ زمان حکومت عبدالملک بن مروان میں کوفے سے ان لوگوں نے خروج کیا۔ انکا سردار نافع بن ازرق تھا۔ اور انکی بغاوت کا سیلاب بصرے تک پہنچ گیا۔ پھر نجدہ بن عامر نے جو نافع بن ازرق کے ہمراہیوں سے تھا زور باندھا۔ پھر خوارج نے ۷۵ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی گورنر بصرہ و کوفہ یعنی عراق پر چڑھائی کی۔ اور ۷۸ھ تک اسکو اپنی لڑائیوں میں مصروف رکھا۔ ۷۶ھ میں صالح بن مسرح تمیمی نے بنو امرالقیس بن زید مناۃ سے خروج کیا۔ یہ مارا گیا۔ تو خوارج نے شبیب کو اپنا سردار بنایا۔ بعدہٗ شبیب ڈوب گیا۔ تو خوارج میں نفاق پیدا ہوگیا۔ ایک گروہ کثیر مارا گیا۔ عہد حکومت عمر بن عبدالعزیز میں سرحدی پر شوذب خارجی نے دو سو آدمیوں کی جمعیت سے سرزمین خوخی میں خروج کیا تھا۔ یہ قبیلۂ بنی یشکر سے تھا اور اسکا نام بسطام تھا اور آخرکار لشکر شام کے ہاتھ سے مع اپنے کل ہمراہیوں کے قتل ہوا۔ اس واقعہ کے بعد خوارج نے ایک مدت مدید تک دم نہیں مارا۔ یہانتک کہ عہد حکومت ہشام بن عبدالملک ۱۲۰ھ میں بہلول بن بشر بن شیبان الملقب بہ کثارہ نے خروج کیا۔ اسکے ساتھ ستر آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ زیادہ عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ بہلول اور اسکے جانشین اور سب خوارج مار ڈالے گئے۔ اس واقعہ کے دو برس

بعد بختری صاحب اشہب نے خالد قسری پر خروج کیا۔ اور آخر کار اُسکی گروہ میں سے ایک بھی جانبر نہوا۔ اہل کوفہ کے ہاتھ سے سب مارے گئے۔ بعدہ وزیر سختیانی نے چند نفر کی جمعیت سے خالد پر حیرہ میں خروج کیا۔ لشکر خالد نے سب کو قتل کر ڈالا اسکے بعد صحاری بن شبیب بن یزید نے اطراف جبل میں خروج کیا۔ بالاخر صحاری اور اُسکے کل آدمی مارے گئے۔ ان واقعات کے بعد خوارج میں پھر ایک تازہ جوش اُن دنوں پیدا ہوا۔ جبکہ عراق و شام میں فتنہ و فساد برپا ہو رہا تھا اور مروان حمار اس بغاوت کے فرو کرنے میں مصروف تھا۔ سرزمین کفر توثا میں سعید بن بہدل شیبانی نے اہل جزیرہ کے دو سو آدمیوں کی جمعیت سے علم بغاوت بلند کیا۔ یہ حروریوں کے خیالات کا پابند تھا۔ انہی دنوں بسطام بیہسی نے ربیعہ کے اسی قدر آدمیوں کے ساتھ خروج کر دیا۔ اور یہ سعید کے خیالات کا مخالف تھا۔ اس کو سعید نے تباہ کرا دیا۔ اور خود سعید عراق میں جاکے مرگیا۔ ضحاک بن قیس اس کا جانشین ہوا۔ یہ مروان کے مقابلے میں کام آیا۔ اُسکے بعد خیبری خوارج کا سردار ہوا۔ اور مارا گیا۔ پھر شیبان بن عبد العزیز لشکری کو جسکی کنیت ابوالدلف تھی خوارج نے اپنا سردار بنایا۔ اسکو ابومسلم کے ایک افسر نے مار ڈالا۔ پھر ابوحمزہ خارجی و طالب الحق نے خروج کیا۔ اور مروان بن محمد کے لشکر سے شکست پاکے مارے گئے۔ ان حوادث کے بعد خوارج کی ایسی ہوا بگڑی۔ کہ تا زمان ظہور دولت عباسیہ کسی نے سر نہ اُٹھایا۔ پھر ۱۳۷ھ میں ملبد شیبانی خارجی نے جزیرہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ منصور عباسی کے حکم سے خازم بن خزیمہ اُس سے لڑا۔ اور ملبد کو مع اُسکے ساتھیوں کے قتل کر ڈالا۔ پھر ۱۴۸ھ عہد حکومت منصور ہی میں حسان ہمدانی نے اطراف موصل میں خروج کیا۔ اور آخر کار میدان جنگ میں اسیر ہو گیا۔ حسان نے خوارج کے عقائد اپنے ماموں حفص بن اشیم سے سیکھے تھے۔ حفص بن اشیم فقہائے خوارج سے تھا۔ منصور کو اُسکے خروج کی خبر پہنچی تو اُس نے تعجب سے کہا ہمدان سے خارجی؟ حاضرین نے عرض کیا۔ یہ حفص بن

ہشیم کا بھانجا ہے منصور بولا تب ہی منصور کو تعجب اس وجہ سے ہوا تھا کہ ہمدانی عام طور سے شیعان علی میں داخل تھے۔ ۱۶۰ھ میں مہدی عباسی کے عہد میں یوسف بن ابراہیم نے خراسان میں خروج کیا۔ ایک گروہ کثیر اُس کے پاس مجتمع ہو گیا۔ مہدی نے یزید بن مزید شیبانی برادر زادہ معن بن زائدہ کو اسکی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ایک بہت بڑی خونریز جنگ کے بعد یزید نے یوسف کو مع اُسکے چند ہمراہیوں کے قید کر لیا پھر ۱۶۹ھ میں خلیفہ مہدی ہی کے دور حکومت میں حمزہ بن مالک خزاعی نے جزیرہ میں علم بغاوت بلند کیا مگر اسکے بعض ہمراہیوں نے سازش کر کے اسکی پرحوصلہ زندگانی کا خاتمہ کر دیا بعد اسکے آخری زمانۂ مہدی میں بنو تمیم کے ایک خارجی یسین نامی نے سرزمین موصل میں خروج کیا۔ جسکے خیالات صالح بن مسرح سے بہت زیادہ ملتے جلتے تھے خلیفہ مہدی کے سپہ سالار کے مقابلہ میں مع اپنے چند ہمراہیوں کے مارا گیا اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے خلیفۂ رشید کے دور حکومت ۱۷۸ھ میں بنو تغلب سے ولید بن طریف خارجی نے جزیرہ میں سر اُٹھایا خلیفہ نے یزید بن مزید بن زائدہ شیبانی کی ماتحتی میں ایک عظیم الشان لشکر مقابلے پر روانہ کیا۔ رمضان ۱۷۹ھ میں جنگ ہوئی خوارج نے نہایت مردانگی سے مقابلہ کیا۔ آخر کار ولید مارا گیا۔ ان واقعات کے بعد خوارج کا دور دورہ عراق و شام سے جاتا رہا۔ اگر کسی نے کہیں پر متفرق طور سے شاذ و نادر سر اُٹھایا۔ تو مقامی حکام نے فوراً سر کچل دیا۔ باستثنائے خوارج بربر کے جو افریقہ میں تھے۔ دعوت خارجیہ ان میں اُس زمانہ سے شیوع پذیر ہوئی تھی جب سے کہ عکرمہ صفری ۱۲۳ھ میں افریقہ گیا تھا۔ بعد اسکے اباضیہ و صفریہ کی دعوت بربر میں سے ہوارہ اور لمایہ اور نفزہ اور مغیلہ میں اور زناتہ میں سے بنو مغراوہ و بنو یفرن میں پھیل گئی۔ خوارج میں سے بنو رستم کی ایک دولت مغرب اوسط میں تھی۔ لیکن انہی لوگوں میں سے عہد حکومت عبیدیین میں ابو یزید بن مخلد مغربی افریقہ چلا گیا تھا اس سے ادیا

خلفائے عبیدیین سے اکثر لڑائیاں ہوئیں پھر بعد اسکے یوماً فیوماً خوارج گرتے ہی گئے۔ یہانتک کہ انکے قوائے حکومت مضمحل ہوگئے۔ انکی جماعت منتشر ومتفرق ہوگئی۔ اب انکے آثار ان بربر کے اعقاب میں باقی ہیں جنکا زمانہ دور اول میں گذرا ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے۔ کہ اس وقت تک (یعنی آٹھویں صدی ہجری تک) صحرائے بلاد زناتہ میں انکا قصور ریغ وواد یہ اور شعوب زناتہ سے مغراوہ میں باقی ہے۔ جو راسبیہ کے نام سے موسوم اور عبداللہ بن وہب راسبی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ یہ پہلا شخص ہے جسکی عہد خلافت علی بن ابی طالب میں بیعت کیگئی تھی۔ اس زمانے تک بوجہ دوری عقائد اہل سنت وجماعت کے وہ لوگ اپنے انہی خیالات فاسدہ میں گرفتار ہیں۔ اور اسی طرح جبال طرابلس زناتہ میں اس مذہب کا بوجہ مجاورت بربر کے ایک اثر باقی ہے۔ اور لوگ اس مذہب کے پابند ہیں۔ ان بلاد سے اس وقت تک ہمارے پاس رسائل اور بڑی بڑی کتابیں انکی فقہ وعقائد وفروع کی آتی ہیں جنکا منشا سنت وطریق سنت کے مشابہ ہے۔ مگر باوجود اصول فاسد ہونیکے انکا طریقۂ تالیف وترتیب نہایت نفیس ہوتا ہے۔ اطراف بحرین وعمان میں بلاد حضرموت وشرقی یمن اور اطراف موصل میں بھی انکے آثار ہر دولت کے دور میں پائے جاتے تھے۔ یہانتک کہ علی بن مہدی نے خولان سے یمن میں خروج کیا۔ اور اس مذہب کی علانیہ دعوت دی۔ بالاتفاق ہیں اس وقت جو لوگ ملوک یمن میں تھے وہ انپر غالب آئے۔ اور بنو صلیحی نے انکو پامال کر ڈالا جو دعوت عبیدیین کے بانی تھے۔ اور یمن سے ان ممالک کو جو انکے قبضہ میں تھے چھین لیا زبید اور اطراف زبید پر بھی بنو نجاح وابن زیاد کے آزاد غلاموں سے قبضہ لے لیا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس وقت تک بلاد حضرموت وممالک یمن میں اس گروہ کے کچھ لوگ باقی ہیں۔ زنجبار وملک عمان کے سلطان فرقہ اباضیہ میں سے ہیں۔

خوارج کے فرقوں کی تفصیل یہ ہے

ایک بیہسیہ یہ لوگ بیہس بن ہیصم بن جابر کی طرف منسوب ہیں جو قبیلۂ بنی سعد بن ضبیعہ سے تھا شرح مواقف میں اسی طرح ہے۔ اور غنیۃ الطالبین اور ملل و نحل شہرستانی میں ابو بیہس لکھا ہے اور صحیح یہی ہے۔ اسلئے کہ تعریفات سید شریف میں لکھا ہے البیہسیۃ اصحاب ابی بیہس بن الہیصم بن جابر۔ اور نفائس الفنون میں بھی ابی بیہس ہے۔ اور شیخ ابو نصر مکی کی تعریفات میں ابو بیہس الہیصم بن جابر مرقوم ہے۔ اور ابن خلدون کی تاریخ میں بھی ابی بیہس ہیصم بیان کیا ہے۔ اس نے زمانۂ ولید بن ہشام میں شہرت حاصل کی تھی حجاج نے اس کے گرفتار کرنیکی کوشش کی۔ مگر ہاتھ نہ لگا۔ اور مدینے کو بھاگ گیا۔ وہاں عثمان بن حیان مزنی نے گرفتار کرلیا۔ ولید کو جب اسکی گرفتاری کی خبر پہنچی تو عثمان کو لکھا۔ کہ اسکے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹوا کر قتل کرا دو۔ عثمان نے حکم کی تعمیل کی۔ ابو بیہس نے ابراہیم اور میمون کی تکفیر کی ہے۔ اسلئے کہ بیعت امامت میں انکو اختلاف تھا۔ اسی طرح واقفیہ کی بھی تکفیر کی ہے۔ اسکا اعتقاد ہے کہ ایمان عبارت ہے اقرار اور معرفت خدا اور اس چیز کے علم سے جسکی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی ہے جو کوئی ایسی چیز کا ارتکاب کرے جسکی حلت و حرمت سے واقف نہو وہ کافر ہے۔ اور بعض بیہسیہ کی یہ رائے ہے کہ وہ شخص کافر نہیں ہوتا جب تک امام مطلع ہو کر اُس پر حد جاری نہ کرے۔ اور جس جس چیز پر حد جاری نہیں ہوتی۔ وہ معاف ہے۔ اور جس وقت امام سے کفر صادر ہوگا تو ساری رعیت بھی کافر ہو جائیگی۔ اور اطفال کا حال کفر و ایمان میں ان کے ماں باپ کا سا ہے اگر وہ کافر ہیں۔ تو یہ بھی کافر ہونگے۔ اور جو ماں باپ ایماندار ہیں۔ تو یہ بھی ایماندار ہونگے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں۔ کہ شراب کا نشہ حلال ہے اور نشے کی حالت میں آدمی کے قول پر مواخذہ نہیں۔ اور بعضوں کی رائے یہ

ہے کہ جب نشے کی حالت میں ارتکاب گناہ کبیرہ کا ہو تو وہ نشہ حرام ہو جاتا ہے
اور افعال عباد کو عباد کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس فرقے کو میمیہ بھی کہتے
ہیں۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ فرقہ بیہسیہ فرقہ اباضیہ سے ہے۔

دوسرے مرداسیہ۔ یہ فرقہ ابو بلال مرداس حنظلی کی طرف منسوب ہے۔ اسکی ماں
کا نام ادیہ اور باپ کا نام حدیر تھا اور قبیلہ بنی تمیم سے تھا اور نہایت عابد
اور پرہیزگار تھا۔ جنگ نہروان میں حاضر تھا۔ اسکی بیوی بنی یربوع کی عورت
تھی۔ اور اپنے زمانہ کی عابدہ عورتوں میں سے تھی۔ ابن زیاد نے اس عورت
کو گرفتار کرکے قتل کر ڈالا۔ اور تمام خوارج کے ساتھ مرداس کو قید کر دیا۔ مگر جیلر نے
اسکو عابد و زاہد پا کر اجازت دیدی کہ شب کو اپنے مکان کو چلا جایا کرے
ایک دن ابن زیاد نے تجویز کی کہ کل ان تمام محبوس خوارج کو قتل کر ڈالنا چاہئے
ابو بلال کے ایک دوست نے جو ابن زیاد کا مقرب تھا اُسکو امیر کے اس ارادے
سے اطلاع دیدی۔ مگر یہ اپنے معمول کے موافق مکان سے محبس کو چلا گیا داروغہ
نے ابو بلال سے کہا کہ امیر کا یہ ارادہ ہے کیا تم کو بھی اسکی خبر ہو چکی ہے۔ ابن
مرداس نے کہا ہاں مجھکو یہ حال معلوم ہے۔ داروغہ نے کہا کہ پھر تم موت کے منہ
میں کیوں چلے آئے۔ ابو بلال نے جواب دیا۔ کہ آپنے مجھ پر احسان کیا تھا پھر میں
کیسے روپوش ہو کر آپکو کشاکش میں ڈالتا۔ جب خوارج کو ابن زیاد نے قتل کرنا
شروع کیا۔ تو جیلر نے یہ سارا قصہ اس سے بیان کرکے سفارش کی۔ اور رہائی دلادی
ابو بلال مرداس خوف جان سے اہواز کی طرف چلا گیا۔ اور ابن زیاد سے متوحش
ہو کر سنہ ۶۱ھ میں چالیس آدمیوں کے ساتھ اہواز میں خروج کیا۔ جس طرف اس کا
گذر ہوتا تھا مسلمانوں کا مال و اسباب چھین کے اپنے ہمراہیوں کو دیدیتا تھا جو
کچھ باقی رہ جاتا۔ وہ صاحب مال کو واپس کر دیتا۔ ابن زیاد نے اس کی روک تھام
کرنے کو اسلم بن زرعہ کلابی کو دو ہزار پیادوں کی جمعیت سے روانہ کیا۔ لڑائی ہوئی
مرداس نے اتنی دلیری سے اسلم کی فوج کا مقابلہ کیا۔ کہ اسکو شکست فاش ہوئی

تب ابن زیاد نے عباد بن علقمہ مازنی کو روانہ کیا جس نے ایک مقام میں ان
کل خارجیوں کو بحالت نماز کسی کو رکوع میں کسی کو سجدے میں قتل کر ڈالا کسی
نے اپنی حالت تک نہ تبدیل کی۔ یہ واقعہ سنہ ۶۱ھ کا ہے عباد بن علقمہ مرداس کا
سر کاٹ کر بصرے کو لے گیا۔ یہ تمام خوارج جو اسکے ساتھ شریک تھے مرداسیہ ہیں
خوارج میں اسکو ورع کی وجہ سے بہت عظمت تھی۔ یہ شخص جنگ صفین میں
سیدنا علی کے ہمراہ تھا۔ اور بوجہ تحکیم کے اُن سے علیحدہ ہوگیا تھا۔ نہروان کی
لڑائی میں خوارج کے ساتھ شریک ہوکر جناب امیر سے جنگ کی تھی۔ اس کا
مذہب یہ تھا کہ عورتوں کا جہاد میں شریک ہونا حرام ہے۔ اور کہتا تھا جو ہم سے
جنگ نہ کریگا ہم اُس سے جنگ کرینگے۔ اور جو ہماری طرفداری کریگا ہم اُسکے دوست
ہیں۔ اور کہتا تھا جب تک لڑائی میں دشمن کی طرف سے ابتدا نہو اُس سے
نہ لڑنا چاہیے۔ ایک بار ابن عامر والی بصرہ کو اس نے قبا پہنے دیکھا۔ تو برا مانا
اور کہنے لگا یہ فساق کا لباس ہے ابو بکرہ نے اُسکو جواب دیا کہ سلطان کے حق
میں ایسے الفاظ نہ کہنا چاہئے۔ اسلئے کہ جو سلطان سے بغض رکھتا ہے۔ اللہ
اس سے بغض رکھتا ہے

تیسرے ازارقہ یہ ابی راشد نافع بن ازرق بن قیس بن نہار بن انسان
بن اسد بن صبرہ بن ذہل بن دول بن حنیفہ کی طرف منسوب ہیں جب ابوبلال
مرداس مارا گیا۔ اور ابن زیاد نے اُسکے اصحاب کو بہت تنگ کیا تو نافع نے
خوارج سے کہا۔ کہ اللہ نے تم پر جہاد فرض کیا ہے حکام ظالم تم پر ظلم کرتے ہیں
اسلئے مناسب ہے کہ مکے کو چلو اگر عبداللہ بن زبیر تمہارے مذہب کے موافق نکلیں
تو اُنکے ساتھ شریک ہوکر حکام ظالم پر جہاد کرو۔ اور اگر وہ تمہاری رائے سے
مخالف ہوں تو انکو حرم میں سے نکالدینا چاہئے چنانچہ یہ اُنکے پاس گئے
اور اُنکے شریک ہوکر فوج شام سے لڑے۔ فوج شام بوجہ انتقال یزید کے مکے
سے شام کو لوٹ گئی۔ تو انہوں نے عبداللہ بن زبیر کے سامنے حضرت عثمان کے

بہت سے مطاعن بیان کئے کہا کہ جو لوگ اُنکے قتل میں شریک تھے ہم انکو اچھا جانتے ہیں۔ اور جو لوگ انکے دوست ہیں ہم اُن سے بیزار ہیں تو آپکی رائے انکے حق میں کیا ہے۔ عبد اللہ نے کہا کہ جو حضرت عثمان کو برا جانتا ہے۔ میں اس سے بیزار ہوا، اور اُنکے دوست کا دوست ہوں۔ اُنکی خوبی میں کوئی کلام نہیں۔ تو نافع بن ازرق اور عبد اللہ بن صفار سعدی اور عبد اللہ بن اباض اور حنظلہ بن بیہس اور بنو ماخور اور بنو سلیط بن یربوع سے عبد اللہ و عبید اللہ و زبیر سرداران خوارج کہ سب بنی تمیم سے تھے اُنکو چھوڑ کر بصرے کو چلے آئے اور بکر بن وائل کے قبیلے سے ابو طالوت اور ابو فدیک عبد اللہ بن ثور بن قیس بن ثعلبہ اور عطیہ بن اسود یشکری یمامہ کو چلے گئے۔ جب ابن زیاد پر رعایا نے چاروں طرف سے بغاوت کر رکھی تھی تو نافع بن ازرق نے تین سو خوارج کی جمعیت کے ساتھ بصرے میں خروج کیا۔ اور جیل خانے کو توڑ ڈالا۔ مگر اہل بصرہ آمادگی کے ساتھ ان خوارج کے مقابلہ کو کھڑے ہو گئے۔ اس لئے نافع وہاں نہ ٹھیر سکا۔ اور شوال سنہ ۶۴ھ میں اہواز پہنچا۔ سجدہ بن عامر بھی اسکے ہمراہ تھا۔ بہت سے خوارج نے اسکا ساتھ نہ دیا اُن میں سے عبد اللہ بن صفار سعدی اور عبد اللہ بن اباض ہیں۔ نافع اور اسکے اصحاب ابو بلال کی رائے پر تھے[۵]۔ اور مولانا علی کو بوجہ ثالثی کے کافر کہتے تھے اور حضرت عثمان اور طلحہ اور زبیر اور بی بی عائشہ اور عبد اللہ بن عباس اور اُن مسلمانوں سے جو اُن کے ہمراہ تھے بیزار تھے۔ انکو برا کہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ سب ہمیشہ دوزخ میں رہینگے۔ اور کہتے تھے کہ ہمارے مخالفین کے شہر دار الکفر ہیں اور جو اُن میں سکونت اختیار کرے وہ بھی کافر ہے۔ اور اطفال ہمارے مخالفین کے دوزخ میں جائینگے۔ اور مخالفین کی اولاد و عورات کو قتل کرنا حلال جانتے تھے اور کہتے تھے کہ مشرکین کے اطفال اپنے ماں باپ کے ساتھ دوزخ میں جائینگے اور وہاں ہمیشہ دوزخ میں رہینگے اور مسلمانوں کی امانتوں کو جائز سمجھ کے صرف

[۵] دیکھو تاریخ کامل حالات ازارقہ ۱۲

کرنا انکے نزدیک روا تھا کیونکہ یہ انکو کفار میں شمار کرتے تھے ۔ اور تقیہ کو قول و فعل دونوں میں حرام بتاتے تھے ۔ اور رجم[1] زانی محصن کے منکر تھے اسلئے کہ قرآن میں مذکور نہیں کہتے تھے ۔ جو کوئی محصنہ عورت پر زنا کی تہمت کرے اُسکو حد مارنا چاہیئے ۔ اور جو کوئی محصن مرد پر تہمت کرے اسپر حد جاری نہیں ہوگی ۔ اور چور کا ہاتھ قلیل و کثیر میں کاٹنا چاہیئے ۔ اور انکے زعم میں مرتکب کبیرہ کافر ہے ۔ اور وہ ہمیشہ کفار کی طرح دوزخ میں رہیگا ۔ اور استدلال اس پر ابلیس سے کرتے تھے ۔ کہ شیطان نے جو گناہ کبیرہ کیا ۔ تو وہ کافر ہوگیا ۔ کیونکہ اُسکو خدا نے حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر اُس نے نافرمانی کی ۔ اور سجدہ نکرنا کبیرہ گناہ ہے ورنہ ابلیس اللہ کی وحدانیت کا عارف تھا ۔ یہی حال مسلمان کا ہے کہ وہ اللہ کی وحدانیت کا عارف ہوتا ہے ۔ مگر کبیرہ کرنے سے کافر ہوجاتا ہے اور کہتے تھے کہ نبی سے صدور گناہ جائز ہے ۔ اور ہر گناہ انکے نزدیک کفر ہے اور ہوسکتا ہے ۔ کہ اللہ تعالےٰ کوئی نبی مبعوث کرے ۔ اور اسکے علم میں یہ بات ہو کہ نبوت کے بعد کافر ہوجائیگا ۔ اور ابن ملجم قتل حضرت علی سے خطاوار نہیں ہوا بلکہ حق پر تھا کتاب[2] الاوائل میں ابوہلال عسکری نے کہا ہے ۔ کہ نافع بن ازرق جسکی طرف ازارقہ منسوب ہیں اس آیت میں رب لاتذر علے الارض من الکافرین دیارا انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرًا کفارا

---

[1] رجم کے معنی سنگسار کرنا اور محصن وہ ہے کہ عاقل اور بالغ مسلمان ہو کہ عورت سے نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کرے ۱۲ [2] منقول از تاریخ عربی نامعلوم الاسم موجودہ کتب خانہ ریاست رامپور ہے کرم خوردہ و ناقص ہونے کی وجہ سے اس تاریخ کا مفصل حال معلوم نہ ہوا اس کتاب میں نادر اور معتبر کتب عربی کا ہے اور روضۃ الشہداء سے بھی نقل کیا ہے ۱۲ [3] کتاب الاوائل کی اصل عبارت یہ ہے ۔ قد تاول نافع بن الازرق وھو الذی نسبت الیہ الازارقۃ قول اللہ تعالیٰ رب لاتذر علے الارض من الکفرین دیارا الی قولہ ولم یلدوا الا فاجرا کفارا علے ایی قتل الاطفال وافنی النساء عن الاجنبیۃ حلال فلما اظھر ذالک فارقہ طائفۃ من اصحابہ ثم نوستفاباذ

یعنی اے رب زمین پر کافروں کا ایک گھر بسنے والا نہ چھوڑ تا بتحقیق اگر تو ان کو چھوڑیگا تو وہ تیرے بندوں کو بہکا دینگے اور بدکار کفر کرنے والا جنینگے یہاں تاویل کرتا تھا کہ جو لوگ ہم سے مخالف ہیں اُنکے بچوں کو قتل کرنا اور ان کی عورتوں کو ہلاک کرنا حلال ہے۔ جب اُس سے یہ قول ظاہر ہوا تو اسکے اصحاب میں سے ایک گروہ اُس سے پھر گیا۔ پھر سنقا باذ میں نافع مارا گیا انتہی کلامہ ازارقہ کے نزدیک مومنین کے لئے رویائے صالحہ نہیں۔ بلکہ انکی خوابیں بھی ایک قسم کی وحی ہیں۔ جو حضرت سے صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سے منقطع ہو گئی ہے تاریخ کامل میں مذکور ہے۔ کہ نافع نے ازارقہ سے کہا۔ کہ جو ہمارے ہمدین جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ اُنکے ساتھ دوستی رکھنا حلال نہیں نہ اُنکے ساتھ مناکحت حلال ہے۔ نہ اُنکا ذبیحہ کھانا حلال ہے۔ اور نہ انکی شہادت قبول کرنا چاہئے نہ ان سے علم دین سیکھنا چاہئے۔ نہ اُنکو وراثت پہنچ سکتی ہے۔ ان کے اطفال کا قتل کرنا درست ہے۔ اُن سے نفرت رکھنا چاہئے۔ اور تمام مسلمان کفار ہیں۔ مثل کفار عرب کے پس اُنکے واسطے دو باتیں ہونا چاہئیں یا قتل کئے جائیں۔ یا اسلام قبول کریں۔ نافع کے کچھ اصحاب نے اُسکی اس رائے سے اتفاق کیا اور کچھ نے مخالفت کی۔ اُن مخالفین میں سے ایک نجدہ بن عامر ہے۔ یہ شخص یمامہ کو چلا گیا۔ نافع نے ابن اباض اور ابن صفار کو یہ سب اپنی رائے لکھ بھیجی ابن صفار نے نافع کا خط پڑھکر رکھ دیا۔ اور اپنے اصحاب سے اُسکا حال نہ بیان کیا اس خیال سے کہ مبادا انھیں تفرقہ اور اختلاف پڑجائے۔ مگر ابن اباض نے وہ خط لیکر پڑھا اور کہا اللہ نافع کو موت دے۔ یہ رائے اُسکی صحیح نہیں اگر قوم مشرک ہوتی۔ اس وقت یہ معاملات اسکے ساتھ کرنے کے قابل تھے۔ مگر وہ شرک سے بری ہیں۔ لیکن وہ کفار نعمت و احکام ہیں۔ ہمکو صرف یہ چاہئے اُنکو قتل کریں۔ جب تک وہ ہماری رائے نہ تسلیم کرلیں۔ اور سوا قتل کے کوئی اور معاملہ

لہ دیکھو سوئدالا فاضل ۱۲

اُنکے ساتھ نہ بڑھنا چاہئے۔ ابن صفار بولا اللہ تم دونوں سے بیزار ہوا اسلئے کہ تو نے نہایت قصر کیا۔ اور ابن ازرق نے غلو کیا۔ اور اسی طرح اور خوارج کہنے لگے۔ اور ان میں بڑا اختلاف پڑ گیا۔ ۶۵ھ تک نافع کو بڑی شوکت حاصل ہو گئی اسلئے کہ اس وقت ملک میں سازش و فساد کے جال پھیلے ہوئے تھے اور عبید اللہ بن زیاد سے نافع کا ابھی تدارک نہ ہو سکا تھا۔ کہ بصرہ سے شام کو بھاگ گیا۔ اور عبد اللہ بن زبیر کی طرف سے عبد اللہ بن حرث بن نوفل بن حرث بن عبد المطلب بصرے کا حاکم مقرر ہوا۔ تو اُس نے پانچ ہزار آدمی مسلم بن عبیس بن کویز بن ربیعہ کی ماتحتی میں مقرر کرکے ازارقہ سے جنگ کے لئے روانہ کئے۔ اہواز کے علاقے میں ماہ جمادی الاول ۶۵ھ میں دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی۔ اثنائے جنگ میں پہلے تو مسلم مارا گیا۔ بعد ازاں نافع بن ازرق اہل بصرہ نے حجاج بن باب حمیری کو اپنا امیر بنایا اور ازارقہ نے اپنا سردار عبد اللہ بن ماخور کو مقرر کیا تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد حجاج اور عبد اللہ بھی راہی عالم آخرت ہوئے۔ تب اہل بصرہ نے ربیعہ بن اخدم کو اور ازارقہ نے عبید اللہ بن ماخور کو امارت کی کرسی پر بٹھایا۔ لڑائی جاری رکھی یہانتک شام ہو گئی اتفاق سے ازارقہ کی کمک پر کچھ لوگ آگئے جس سے انہوں نے تازہ دم ہو کے اہل بصرہ پر حملہ کر دیا۔ اہل بصرہ اس ناگہانی حملہ سے گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے ربیعہ بن اخدم مارا گیا۔ اہل بصرہ نے بجائے اسکے حارثہ بن بدر کو امیر بنایا۔ حارثہ نہایت تیزی سے منہزمین کو لوٹا کے پھر میدان جنگ میں لایا۔ اور بکمال چستی سے لڑا کے ازارقہ کو پسپا کر دیا۔ اور اس خیال سے کہ مبادا ازارقہ پھر یورش نہ کریں۔ اہواز میں ڈیرے ڈالدئے۔ بعد اسکے عبد اللہ بن زبیر نے حکومت بصرہ سے عبد اللہ بن حرث کو معزول کرکے قباع یعنی حرث بن ربیعہ کو مامور کیا۔ ازارقہ نے فوراً بصرے پر حملہ کر دیا۔ احنف ابن قیس نے رائے دی۔ کہ ازارقہ کی جنگ پر مہلب بن ابی صفرہ کو متعین کرنا چاہئے

وہی کچھ انکے دانت کھٹے کریگا۔ اہل بصرہ نے بھی اسکی بابت عبداللہ بن
زبیر سے خط و کتابت کی۔ عبداللہ بن زبیر نے اسکو منظور فرمالیا۔ چنانچہ مہلب
لشکر اسلام سے بارہ ہزار فوج منتخب کرکے ازارقہ کیطرف براہ پل روانہ ہوا
اس اثنا میں حارثہ بن بدر مع اُن لوگوں کے جو جنگ ازارقہ میں اسکے ہمراہ
تھے آپہنچا۔ حرث بن ربیعہ نے انکو بھی مہلب کی طرف واپس کردیا اور حارثہ
کشتی پر سوار ہوکر بہ قصد بصرہ چلا۔ اتفاق سے کشتی نہر میں ڈوب گئی۔ مہلب کے
مقدمۃ الجیش پر اسکا بیٹا مغیرہ تھا اس سے اور ازارقہ کے مقدمے سے لڑائی
ہوئی۔ مغیرہ نے ازارقہ کے مقدمے کو سوق اہواز سے پسپا کرکے بادرتک پیچھے
ہٹا دیا۔ اس وقت مہلب سولاف میں ٹھیرا ہوا تھا۔ ازارقہ نے مغیرہ سے شکست
کھاکے مہلب کے لشکر پر ایک پر زور حملہ کردیا جس سے مہلب کے رکاب کی فوج
تتر بتر ہوگئی۔ لیکن شام ہوجانے کی وجہ سے لڑائی خود بہ خود رک گئی۔ اور
اگلے دن تک بلا کسی تحریک کے لڑائی موقوف رہی۔ اس اثنا میں مہلب
فرصت پاکے دجیل کو قطع کرکے عقیل میں آ اوترا۔ بعدہ وہاں سے کوچ کرکے
ازارقہ کے قریب پہنچ کے مورچہ قائم کردیا۔ اور اپنے لشکر کے اردگرد خندق
کھدوائی۔ پہرہ ول و جاسوس مقرر کردیئے۔ ایک روز شب کے وقت ازارقہ
کے لشکر سے عبیدہ بن ہلال و زبیر بن ماخور لشکر مہلب پر شب خون مارنے کو
آئے۔ ہشیار پاکے واپس چلے گئے۔ مہلب نے بہ قصد جنگ خروج کیا۔ ازد و تمیم
اسکے میمنہ میں تھے۔ قبیلہ بکر و عبدالقیس میسرہ میں اور اہل عالیہ قلب میں
ازارقہ کے میمنہ میں عبیدہ بن ہلال لشکری اور میسرہ میں زبیر بن ماخور تھا
فریقین نے نہایت استقلال سے لڑائی شروع کی۔ بعد ازاں لحظہ بہ لحظہ جنگ کی
سختی بڑھتی گئی۔ آخر الامر مہلب کے لشکر کے قدم استقامت میدان جنگ سے
اکھڑ گئے کمال ابتری سے گھبرا کے بھاگ کھڑے ہوئے منہزمین نے بھاگ کر
مربد میں دم لیا۔ مہلب نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہوکے اپنے بھاگے ہوئے

لشکر کو آواز دیا جس سے تقریباً تین ہزار آدمی ٹھیر گئے۔ جو اکثر قبیلہ ازد کے تھے مہلب انکو تسلی اور جوش مردانگی کی داد دیتا ہوا لشکر ازارقہ پہ لوٹ پڑا۔ اور شدت سے لڑائی کا آغاز کر دیا۔ ازارقہ جواب تک نہ دے سکے۔ عبید اللہ بن ماخور اور بہت سے سردار مارے گئے۔ باقی جو رہے۔ انہوں نے اطراف اصفہان و کرمان میں جاکے دم لیا۔ اور زبیر بن ماخور کو اپنا امیر بناکے اصطخر کی طرف چلے آئے۔ مصعب ابن زبیر نے جو اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر کی طرف سے والی عراق ہوکے وارد بصرہ ہوئے تھے۔ مہلب کو بلاد موصل و جزیرہ و ارمینیہ کی حکومت پہ بھیج کر حکومت فارس و جنگ ازارقہ پہ عمر بن عبد اللہ بن معمر کو مامور کر دیا۔ عمر نے حکومت فارس کے زینے پہ قدم رکھتے ہی اپنے بیٹے عبید اللہ کو ازارقہ کی جنگ پہ بھیجدیا۔ ازارقہ نے اسکو مار ڈالا۔ بعد ازاں زبیر امیر ازارقہ اور عمر بن عبد اللہ والی فارس سے چھڑ گئی۔ عمر بن عبد اللہ نے ازارقہ کو ہزیمت دیکے انکے ستر آدمیونکو مار ڈالا۔ قطری بن فجاءة و صالح بن مخراق محاصرہ توڑکے مع ازارقہ نیشاپور کی جانب چلے گئے۔ عمر بن عبد اللہ نے نیشاپور میں پہنچ کے لڑائی چھیڑ دی۔ ازارقہ نے نیشاپور سے ہزیمت اٹھاکے اصفہان کا قصد کیا۔ اصفہان میں اچھی طرح دم بھی لینے نہ پائے تھے۔ کہ تپ لرزہ نے مزاج پرسی کر لی۔ گھبرا کے عمر بن عبد اللہ کے لشکر کی گذرگاہوں سے بچتے ہوئے فارس کی طرف بڑھے۔ ساجو۔ اور ارجان ہوتے ہوئے بقصد عراق وارد اہواز ہوئے۔ چونکہ عمر بن عبد اللہ بھی انکے پیچھے پیچھے نہایت تیزی سے قطع منازل کر رہا تھا۔ اور مصعب کا لشکر پل پہ پڑاؤ ڈالے ہوئے پڑا تھا اس وجہ سے زبیر نے مع ازارقہ کے اہواز سے نکل کر سرزمین صرصر کو طے کیا۔ اور مداین پر متواتر شب خون مارنے لگا۔ اہل مداین کے لڑکوں اور مردوں کو قتل کر ڈالتا۔ اور حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ پھاڑ کے بچے نکال کے مار ڈالتا تھا۔ والی مداین مقاومت سے عاجز ہوکے بھاگ کھڑا ہوا۔ انہیں ازارقہ کا ایک

گروہ قتل و غارت کرتا ہوا کرخ تک پہنچ گیا۔ ابوبکر بن مخنف مقابلے پر آیا۔ لڑائی
ہوئی میدان جنگ ازارقہ کے ہاتھ رہا۔ ابوبکر بن مخنف عین معرکہ میں کام آیا۔ تب
والی کوفہ حرث بن ربیعہ قباع نے ازارقہ کی سرکوبی کی غرض سے کوچ کیا۔ ازارقہ
خبر پاکے بھاگ کر رے پہنچے۔ یزید بن حرث بن رویم شیبانی والی رے میدان
جنگ میں ہزیمت پاکے مارا گیا۔ بعد اسکے ازارقہ نے اصفہان کا رخ کیا۔ اصفہان
کا امیر عتاب بن ورقاء تھا۔ چند مہینے اصفہان کا محاصرہ کئے ہوئے شہر پناہ
کے دروازہ پر روزانہ جنگ کرتے رہے۔ عتاب بن ورقا طول محاصرہ سے
گھبرا کے شہر پناہ کا دروازہ کھول کے باہر نکل آیا۔ اور کھلے میدان لڑا کر ازارقہ
کو ہزیمت دی۔ زبیر امیر ازارقہ مارا گیا۔ عتاب نے ازارقہ کو چاروں طرف سے
گھیر لیا۔ ازارقہ نے قطری بن فجاءۃ مازنی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جسکی کنیت ابونعامہ
تھی۔ اور اس کے ہمراہ کرمان کی طرف چلے گئے۔ اور پھر وہاں سے مجتمع ہو کے
اصفہان کی جانب لوٹے اصفہان میں تو داخل نہ ہو سکے اہواز پہنچے اور
وہیں قیام کر دیا۔ اسی اثنا میں مصعب نے مہلب کو موصل و جزیرہ وغیرہ کی حکومت
سے واپس بلا کے جنگ ازارقہ پر مامور کیا۔ مہلب نے ایک باقاعدہ لشکر مرتب
کر کے خوارج کا قصد کیا۔ مقام سولاف میں مقابلے کی نوبت آئی۔ آٹھ ماہ تک
مسلسل لڑائی ہوتی رہی۔ مصعب کے مارے جانے کے بعد عبدالملک کے حکم سے
حجاج امیر عراقین ہو کے آیا۔ تو مہلب نے اسکے حکم سے ازارقہ سے لڑائی
چھیڑ دی۔ اور انکو ایک خفیف جنگ کے بعد کازرون کی طرف پسپا کر دیا۔ اور
مہلب نے بقصد جنگ ازارقہ نیشاپور میں قیام کیا۔ اور تقریباً ایک سال وہیں
ٹھیرا ہوا اٹکا رہا۔ کرمان ازارقہ کے قبضے میں تھا۔ اور فارس مہلب کے تصرف
میں جبکہ ازارقہ کی رسد فارس سے بند ہو گئی۔ تو مجبور ہو کے میدان جنگ
سے کرمان کی طرف لوٹے۔ اور مقام جیرفت میں پہنچ کے مورچہ قائم کیا۔ مہلب نے
وہاں لڑ کر انکو پسپا کر دیا۔ مہلب کا کل فارس پر قبضہ ہو گیا۔ اور وہ برابر اٹھارہ مہینے

تک ازارقہ سے جنگ کرتا رہا لیکن کبھی کسی قسم کی کامیابی اسکو حاصل نہ ہوئی بعد اسکے اتفاق وقت سے خود ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا بعض نے اس اختلاف کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ مقطر نامی ایک شخص قطری کی جانب سے کرمان کے کسی شہر کا عامل تھا اس نے ازارقہ میں سے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ ازارقہ نے قطری سے مقطر کے قصاص لینے کو کہا۔ قطری نے جواب دیا کہ مقطر سے غلطی ہوگئی۔ اس غلطی کی تاویل کر دینا چاہئے۔ اور یہ سابقین میں سے بھی ہے۔ میں اسکو قتل نکرونگا۔ ازارقہ میں اس جواب سے اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور بعض نے یہ سبب بیان کیا ہے۔ کہ ازارقہ کے لشکر میں ایک شخص تھا جو زہر آلود تیر بنا تا تھا جس سے مہلب کے لشکر کو بیحد نقصان پہنچتا تھا مہلب نے ایک خط لکھکر ایک شخص کے حوالے کیا۔ اور یہ سمجھا دیا کہ اس خط کو ازارقہ کے لشکر میں اس طرح پر چھوڑ آؤ کہ کوئی شخص تم کو نہ دیکھنے پائے۔ اتفاق سے یہ خط سردار لشکر ازارقہ کے ہاتھ پڑ گیا کھولا تو لکھا ہوا تھا۔ تمہارے زہر آلود تیر بھیجے ہوئے ہمارے پاس پہنچے۔ اسکے صلے میں ہم تم کو ایک ہزار درم بھیجتے ہیں۔ سردار لشکر نے تیر ساز کو بلایا اور دریافت کیا۔ تیر ساز نے انکار ہی جواب دیا سردار لشکر نے اسکے قتل کا حکم دیا۔ عبد ربہ الکبیر نے اس تیر ساز کے قتل سے ناراضگی ظاہر کی۔ اور یہی امر ازارقہ میں اختلاف کا باعث ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ مہلب نے ایک نصرانی کو قطری کے پاس بھیجا تھا۔ اور یہ ہدایت کر دی۔ کہ قطری کے روبرو جاتے ہی سجدہ کرنا جوں ہی اس نصرانی نے قطری کو سجدہ کیا۔ ازارقہ نے اسکو قتل کر ڈالا اور اس الزام کی پاداش میں قطری کو معزول کر کے عبد ربہ الکبیر کو امارت کی کرسی پر بٹھا دیا۔ ازارقہ کے گروہ کا جو تھایا پانچواں حصہ قطری کے ہمراہ ہوگیا۔ مہینوں قطری اور عبد ربہ الکبیر کے ہوا خواہوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ بعد ازاں قطری تو طبرستان چلا گیا اور عبد ربہ الکبیر کرمان میں ٹھیرا رہا مہلب نے قطری کے چلے جانے کے بعد

لڑائی چھیڑ دی اور جیرفت میں اسپر محاصرہ ڈالدیا۔ بالآخر عبدربہ الکبیر طول
محاصرہ سے گھبرا کے مع اپنے مال و حریم و اسباب کے نکل کھڑا ہوا۔ مہلب نے
نہایت سختی سے حملہ کیا۔ نامی نامی جنگ آور ازارقہ کے مارے گئے۔ لڑتے لڑتے
آلات حرب ٹوٹ گئے۔ ازارقہ کمال بے سروسامانی سے بھاگے۔ مہلب مظفر و
منصور جیرفت میں داخل ہوا اور چند ساعت آرام کرکے تعاقب کی غرض سے
سوار ہوگیا۔ جیرفت سے چار فرسنگ کے فاصلے پر عبدربہ الکبیر کو جا گھیرا۔ صبح سے
دوپہر تک کمال شدت سے لڑائی ہوتی رہی یہانتک کہ لڑنے والے لڑتے
لڑتے تھک گئے۔ مہلب نے لڑائی موقوف کردی محاصرہ ڈالے رہا۔ بعد ازاں ازارقہ
نے مرنے مارنے کا باہم عہد و پیمان کرکے دوبارہ لڑائی شروع کردی۔ اور اس
مردانگی سے لڑے کہ مہلب اور اسکے ہمراہیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ مگر آخرکار
مہلب کو فتحیابی ہوئی۔ ازارقہ میدان جنگ چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے
تقریباً چار ہزار ازارقہ مارے گئے۔ ازانجملہ خود عبدربہ الکبیر بھی تھا۔ اس معرکہ
خونریز سے ازارقہ کے گروہ کا کوئی متنفس جان بر نہیں ہوا۔ مگر معدودے چند
جنکا شمار انگلیوں پر ہو سکتا تھا۔

جن دنوں ازارقہ میں نزاع پیدا ہوگیا تھا۔ حجاج نے سفیان بن ابرد
کلبی کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ قطری کی سرکوبی کو طبرستان کی جانب
روانہ کردیا۔ اتفاق سے اسحاق بن محمد بن اشعث کندی لشکر کوفہ کو لئے ہوئے
اسی دن طبرستان کے قریب پہنچا۔ دونوں نے متفق ہوکر قطری سے طبرستان
کے ایک گھاٹے میں مقابلہ کیا۔ اثنائے جنگ میں قطری کے ہمراہی قطری سے
علیحدہ ہوگئے اور قطری خود گھوڑے سے گرکر ایک غار میں جا پڑا۔ اسی عرصے
میں ایک عجمی اس طرف سے ہوکے گذرا۔ قطری نے پانی کی خواہش ظاہر کی
عجمی نے خدمت کا معاوضہ طلب کیا۔ قطری نے اپنے آلات حرب دیدینے کا وعدہ
کیا۔ عجمی اس سے رخصت ہوکے غار کے اوپر چڑھ گیا اور اوپر سے ایک

تھا ہی پتھر گرا دیا قطری کا سر زخمی ہو گیا بھی فرط خوشی سے چلا اوٹھا۔ چند
لوگ اہل کوفہ کے دوڑ پڑے۔ اور قطری کو مار کر سر کاٹ لیا۔ قطری کے مارے
جانے کے بعد سفیان نے بلا جدال و قتال ازارقہ کا محاصرہ کر لیا۔ رسد اور غلے کی
آمد بند کر دی۔ شدت گرسنگی اس درجہ بڑھی کہ گھوڑوں کو ذبح کر کے کھا گئے
جب گھوڑوں اور چوپاؤں نے بھی کفایت نہ کی۔ تو مارنے اور مرنے کی قسمیں
کھا کے محاصرہ توڑ کے لڑتے ہوئے نکلے۔ سفیان نے سبھوں کو پامال کر ڈالا۔
بعض علمائے تاریخ کا یہ بیان ہے۔ کہ قطری اور عبد ربہ الکبیر کے مارے جانے
سے جو ازارقہ کے پچھلے رئیس تھے۔ ازارقہ کی حکومت منقرض ہو گئی۔ پہلا رئیس
انکا نافع بن ازرق تھا۔ تقریباً بیس برس تک انکا زور رہا۔

چوتھے نجدات۔ یہ لوگ نجدہ بن عامر بن عبداللہ بن سامر بن مفرج
کے متبع ہیں۔ خطط مقریزی وغیرہ میں نجدہ کے باپ کا نام عامر ہی لکھا ہے
اور امام رازی نے نہایۃ العقول میں کہا ہے۔ کہ نجدات نجدہ بن عمیر کے
متبع ہیں۔ اور شرح مقاصد میں نجدہ بن عویمر کے اصحاب بنایا ہے۔ ابن خلدون
نے نجدہ کے پردادا کا نام سیار بیان کیا ہے۔ اور تاریخ یافعی میں لکھا ہے کہ نجدہ
نون اور جیم اور دال مہملہ کے ساتھ ہے۔ یہ شخص بنی حنیفہ سے تھا۔ کہ ملک یمامہ
میں ایک قوم ہے قبیلہ تمیم سے نافع بن ازرق کے ہمراہ رہتا تھا جب اس نے
مذہب میں بعض باتیں اپنی طرف سے پیدا کیں۔ تو یہ اُس سے علیحدہ ہو گیا
اور یمامہ کو چلا گیا۔ اور وہاں ابو طالوت سے بیعت کر لی۔ اور بنو حنیفہ کے شہر
خضارم کو جس میں چار ہزار کے قریب رقیق (غلام) تھے لوٹ لیا۔ اور ان
سبھوں کو اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ واقعہ ۶۵ھ کا ہے۔ بعد اسکے ایک
قافلے سے تعرض کیا۔ جو بحرین یا بصرے سے مال وغیرہ لئے ہوئے عبداللہ بن زبیر
کے پاس جاتا تھا۔ نجدہ نے اُسکو لوٹ لیا۔ اور ابو طالوت کے پاس لے گیا۔ اور
کہا کہ مال تو تقسیم کر لو۔ اور ان آدمیوں سے زمین میں محنت و مزدوری کھیتی باڑی

کراؤ کہ یہ بات بہتر ہے خوارج نے اُسکے قول کے موافق تعمیل کی۔ اور کہا ابو طالوت سے نجدہ ہمارے لئے بہتر ہے۔ اور ابو طالوت کو چھوڑ کر نجدہ سے بیعت کر لی۔ ابو طالوت بھی اس بیعت میں شریک ہو گیا۔ یہ واقعہ ۶۶ھ کا ہے۔ اور نجدہ کی عمر اس وقت میں تیس سال کی تھی۔ اسکو لوگ امیر المومنین کہتے تھے اسکے اصحاب کو نجدیہ اسلئے نہیں کہتے کہ درمیان انکے اور نجد کے رہنے والوں کے فرق ہے بیعت لینے کے بعد نجدہ نے بنو کعب بن ربیعہ پر چڑھائی کی اور نہایت سختی کے ساتھ اُنکو پسپا کیا۔ بعدہ وہاں سے لوٹ کر یمامہ کی طرف آیا۔ اور تین ہزار آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ ۶۷ھ میں بحرین کی طرف کوچ کیا۔ اور عبد القیس کے قبیلے کو تباہ کر دیا۔ انکے جس قدر عورت مرد ہاتھ لگے اُنکو لونڈی غلام بنایا۔ نجدہ آپ عطیف میں ٹھیرا اور اپنے بیٹے مطرح کو قوم عبد القیس کے مفروروں سے لڑائی کے لئے توبر کی طرف روانہ کیا۔ مطرح اور بہت سے آدمی یہاں مارے گئے۔ نجدہ کے قدم بحرین میں جم گئے۔ مصعب بن زبیر حاکم بصرہ نے ۶۹ھ میں عبد اللہ بن عمیر لیثی اعور کی ماتحتی میں چار ہزار آدمیوں کا لشکر نجدہ کی سرکوبی کو روانہ کیا۔ نجدہ نے اس فوج کو شکست دی۔ پھر نجدہ نے عطیہ بن اسود کے ہمراہ ایک جماعت عمان کو بھیجی۔ عطیہ نے اس طرف کے شہر فتح کر لئے اور اپنی طرف سے اس مقام کا ابو القاسم کو افسر کر کے عطیہ چلا گیا اہل عمان نے ابو القاسم کو مار ڈالا اور عمان سے خوارج کو نکال دیا۔ اسکے بعد عطیہ و نجدہ میں مخالفت پیدا ہو گئی۔ عطیہ نجدہ سے علیحدہ ہو کے عمان چلا آیا۔ اہل عمان نے شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور عطیہ اُسے تسخیر نہ کر سکا۔ مجبور ہو کے براہ دریا کرمان کی طرف چلا گیا۔ اور یہاں اپنا مقام کر دیا۔ اور ایک ٹکسال درہموں کی جاری کی۔ اور ان دراہم کا نام عطویہ رکھا۔ اور کرمان میں عطیہ اتنا جا کر جب مہلب نے اسپر لشکر بھیجا۔ تو یہاں سے سیستان کو بھاگ گیا۔ اور پھر یہاں سے سندہ کی طرف چلا گیا۔ اور پھر مقام قندابیل میں سواران عبد اللہ کے

ہاتھ سے مارا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خوارج کے ہاتھ سے قتل ہوا جیسا کہ علامہ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں تصریح کی ہے اور الخطط والآثار میں مذکور ہے۔ کہ نجدہ نے عطیہ بن اسود کو سیستان کی طرف بھیجا تھا اُس نے اپنا مذہب وہاں ظاہر کیا پس اوسکے تبع عطویہ مشہور ہو گئے۔

نجدہ نے ابن عمیر کی شکست کے بعد بادیہ نشینوں سے صدقہ وصول کرنا شروع کیا۔ اور کاظمہ میں بہت سے بنی تمیم اسکے آدمیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور پھر اہل صنعا سے بیعت لی۔ پھر نجدہ نے اہل حضرموت پر ابو فدیک کو فوج دیکر بھیجا اُس نے اُن سے صدقہ وصول کیا۔ اور سنہ ۶۸ھ یا ۶۹ھ میں آٹھ سو یا دو ہزار چھ سو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ مکے کو گیا۔ اور عبداللہ بن زبیر سے ایک معاہدہ قرار پاکر حج کیا۔ پھر نجدہ مدینے کی طرف آیا۔ اہل مدینہ اس سے آمادہ بجنگ ہوئے۔ مجبور ہو کے طائف کی طرف چلا گیا۔ اثنائے راہ میں عبداللہ بن عمر بن عثمان کی ایک لڑکی سے ملاقات ہو گئی خوارج نے اس غریب لڑکی کو پکڑ کے نجدہ کے پاس پہنچا دیا۔ اور پھر بنظر امتحان نجدہ سے اس لڑکی کے فروخت کرنیکا سوال کیا۔ نجدہ نے کہا میں نے اسکو آزاد کر دیا۔ اسپر خوارج نے جواب دیا کہ اس سے نکاح کر لو نجدہ بولا یہ اپنے نفس کی مختار ہے۔ اور میں تو اس سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتا۔ نجدہ نے ابن عمر بن خطاب کو ایک خط لکھا اُس میں کئی چیزوں کے مسئلے دریافت کئے۔ ابن عمر نے جواب دیا کہ ابن عباس سے دریافت کرنا چاہئے۔ چنانچہ اُس نے ان سے دریافت کیا۔ جب نجدہ طائف کے پاس آیا۔ تو عاصم بن عروہ بن مسعود ثقفی اسکے پاس آئے۔ اور اپنی قوم کی طرف سے اس سے بیعت کی۔ اور اس طرح اہل طائف اُسکے شر سے محفوظ رہے یہاں سے نجدہ بحرین کو چلا آیا۔ اور یہ حکم دیا کہ کوئی تاجر یہاں سے اور یمامہ سے غلہ حرمین کیطرف نہ لیجائے۔ ابن عباس نے نجدہ کو ایک خط لکھا کہ جب ثمامہ بن اثال اسلام لایا۔ تو اُس نے غلہ کی روانگی اپنے ہاں سے اہل مکہ کی

طرف بند کر دی۔ حالانکہ اہل مکہ اس وقت میں مشرک تھے۔ حضرت سرور عالم نے اُسکو لکھا کہ اہل مکہ اہل اللہ ہیں۔ ان سے غلے کی رسد نہ بند کرنا چاہیے اس نے ارشاد کی تعمیل کی۔ باوجودیکہ ہم مسلمان ہیں۔ تو نے ہم سے غلہ روک دیا نجدہ نے یہ تحریر دیکھکر اپنے اُس امتناعی حکم کو منسوخ کر دیا۔ بعد اسکے نجدہ کے اصحاب اُسکی طرف سے بدظن ہو گئے۔ اور اُسکی مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ تو اُسکے نائبوں کو جا بجا رعایا نے اپنے ہاں سے نکالنا شروع کیا۔ اور وجہ اختلاف کی یہ ہوئی۔ کہ ابو سنان حی بن وائل نے نجدہ سے کہا۔ کہ جو شخص تم سے بیعت تقیہ کی راہ سے کرے اُسے قتل کر ڈالنا چاہیئے۔ نجدہ نے ابو سنان کو بہت سخت وسست کہا۔ اور کہا کسی کو اللہ نے علم غیب نہیں دیا ہے۔ اسلئے ہم کو چاہیئے کہ ظاہر پر حکم کریں۔ اور عطیہ بن اسود بھی نجدہ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا تھا کہ نجدہ نے ایک چھوٹا سا لشکر بحری مقامات کو بھیجا۔ اور ایک لشکر بری مقامات کو روانہ کیا۔ اور لشکر بحری کو لشکر بری سے زیادہ دیا۔ تو اس بات پر عطیہ نے نجدہ سے نزاع کیا۔ اور ناراض ہوا۔ نجدہ نے عطیہ کو ڈانٹا۔ اور لوگوں کو اشارہ کر دیا۔ کہ اُسے قتل کر ڈالیں۔ عطیہ نے اپنے غصے کو ضبط کر کے نجدہ کے سرداروں میں سے ایک شخص پر شراب نوشی کی حد جاری کرنے کی درخواست کی۔ کہ وہ شراب پیا کرتا تھا۔ نجدہ اُسکی نسبت کہنے لگا کہ اگرچہ وہ شراب پیتا ہے۔ مگر دشمنوں کے حق میں بلائے بے درمان ہے۔ اور تحقیق سرور عالم نے مشرکین سے مدد چاہی تھی۔ نجدہ کے اصحاب اس بات سے ناخوش ہوئے۔ اور اُنکی ناخوشی کا ایک اور سبب بھی پیدا ہو گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ عبد الملک نے نجدہ کو تحریر کیا۔ کہ جو کچھ تم نے آج تک مخلوق کی خونریزی کی ہے۔ اور مال چھینے ہیں۔ وہ تم کو معاف کئے جاتے ہیں۔ اور تم کو یمامہ کا مالک کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ تم ہماری اطاعت کر لو۔ خوارج کو اس خط کا کسی ذریعہ سے پتہ لگ گیا۔ عطیہ نے کہا۔ کہ یہ تحریر عبد الملک کی

ضرور یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس نے نجدہ کے دین میں کوئی خرابی اور کمزوری پائی ہوگی۔ اور عطیہ اُسے چھوڑ کر عمان کو چلا گیا۔ اسی طرح بہت سی باتیں جمع ہو گئیں کہ نجدات نے ابو فدیک عبد اللہ بن ثور کو اپنا رئیس مقرر کر لیا۔ جو بنی قیس بن ثعلبہ کے قبیلے سے تھا۔ اور اب نجدات فدیکیہ کہلانے لگے۔ نجدہ علاقہ ہجر کے ایک گاؤں میں چھپ گیا۔ ابو فدیک نے اسکی تلاش کے لئے آدمی متعین کئے۔ فدیکیہ نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم نجدہ کو تلاش کر کے قتل نہ کرو گے۔ تو ہم سب تم کو چھوڑ دینگے۔ فدیکیہ نے ۷۲ھ میں نجدہ کو تلاش کر کے قتل کر ڈالا۔ نجدہ نہایت بہادر اور سخی تھا۔ نجدہ کے مارے مارے جانے سے کچھ فدیکیہ قاتلوں سے ناراض بھی ہوئے۔ اور ابو فدیک کو چھوڑ دیا۔ بلکہ مسلم ابن جبیر نے ابو فدیک پر چھری سے حملہ کیا۔ اور بارہ زخم پہنچائے مسلم کو فدیکیہ نے قتل کر ڈالا۔ اور ابو فدیک کو اُسکے مکان میں اٹھا کر لے گئے تھے اور علاج کے بعد اُسے آرام ہو گیا۔ ابو فدیک نے بحرین پر قبضہ کر لیا۔ اور خالد بن عبد اللہ کو جو عبد الملک کی طرف سے بصرے کا حاکم تھا۔ اور بہ تعمیل حکم عبد الملک کے خوارج کی لڑائی پر مامور تھا ہزیمت دیدی۔ عبد الملک نے عمر بن عبید اللہ بن معمر کے نام ایک فرمان بایں مضمون بھیجا کہ اہل کوفہ و بصرہ کو جنگ ابو فدیک پر آمادہ کر کے ایک لشکر مرتب کر لو۔ چنانچہ عمر بن عبید اللہ کی تحریک سے دس ہزار آدمی مجتمع ہو گئے۔ عمر بن عبید اللہ نے انکو آلات حرب سے مسلح کر کے ۷۳ھ میں ابو فدیک کی طرف کوچ کر دیا۔ اہل کوفہ میمنہ میں تھے۔ اور اہل بصرہ میسرہ میں۔ رفتہ رفتہ یہ لشکر بحرین پہنچا۔ اور صف آرائی کر کے ابو فدیک اور اُسکے ہمراہیوں پر حملہ کر دیا۔ پہلے ہی حملے میں ابو فدیک کا میسرہ پیچھے ہٹا اور یہ لوگ جوش کامیابی میں بڑھتے چلے گئے۔ مگر مغیرہ بن مہلب اور مجاعہ اور عبد الرحمن اور لشکر سواران اہل کوفہ بطرف میمنہ آ ملے۔ اس اثنا میں اہل بصرہ واپس ہوئے۔ اور اہل میمنہ نے خم ٹھونک خوارج پر حملہ کر دیا۔ خوارج کے

قدم استقامت میدان جنگ سے اوکھڑ گئے۔ اہل میمنہ اُنکے لشکرگاہ میں گھس پڑے جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ ابو فدیک کو قتل کر ڈالا اور اُسکے ہمراہیوں کو ایک خندق میں گھیر لیا۔ یہانتک کہ مجبور ہوکے نکلے۔ پس اُن لوگوں نے ان میں سے چھ ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ اور آٹھ سو کو گرفتار

میر سید شریف نے شرح مواقف میں لکھا ہے کہ نجدات میں ایک فرقے کا نام عاذریہ ہے۔ اور انکو عاذریہ کہنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ نجدہ نے ایک بار اپنے بیٹے کو قوم قطیف کی مہم پر بھیجا۔ اس نے وہاں کے لوگوں کو قتل کیا۔ اور انکی عورتوں کو پکڑ لیا۔ اور قبل تقسیم کے ان سے نکاح کرلیا۔ اور تقسیم سے قبل مال غنیمت میں سے خرچ کر ڈالا جب نجدہ کے پاس آئے۔ اور اُسے ان معاملات کی خبر ہوئی۔ تو اس نے کہا تم کو یہ مناسب نہ تھا انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ ایسا کرنا ہم کو مناسب نہیں۔ نجدہ نے بوجہ جہل کے اُن کے عذر کو مان لیا۔ نجدہ کے اصحاب میں بعد اسکے اختلاف پڑگیا۔ جن لوگوں نے اسکے اس حکم کو تسلیم کیا اُنکا یہ مذہب ٹھیر گیا۔ کہ دین دو باتوں کا نام ہے ایک اللہ اور رسول کی معرفت اور حرام جاننا اُن مسلمانوں کے قتل کرنے کو جو اپنے موافق ہیں۔ دوسرے اقرار کرنا ساتھ اُس چیز کے جو اللہ کے پاس سے آئی ہی بالاجمال کہ ان باتوں کی عدم واقفیت سے معذور نہیں اسکے سوا جو تحریم و تحلیل اور تمام شرائع و فروع ہیں۔ ان میں بسبب جہل کے لوگ معذور رکھے جاتے ہیں اسلئے انکو عاذریہ بھی کہتے ہیں۔ باقی تمام باتوں میں سارے نجدات سے متفق ہیں اور نجدات کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ مجتہد خطا کرنے سے گناہگار نہیں ہوتا ہے اور جو کوئی برخلاف اسکے مجتہد کو معذب جانتا ہے۔ وہ کافر ہے۔ اور بعلئے تقیہ کے خون اہل ذمہ کے حلال ہیں۔ اور جس نے نظر حرام کی یا جھوٹ بولا یا کسی صغیرہ پر اصرار کیا۔ اور اس سے توبہ نکی۔ تو وہ کافر ہے۔ اور جس نے زنا کیا چوری کی شراب پی بغیر اصرار کے ان افعال پر وہ مومن ہے کافر نہیں۔ اور انکا زعم یہ ہے

کہ آدمیوں کو امام کی حاجت نہیں مگر جبکہ وہ دیکھیں۔ کہ انصاف وعدل کی آپس میں رعایت نہو سکے گی۔ تو اس وقت امام کا مقرر کرنا جائز ہے۔ اور واجب العمل صرف کتاب اللہ ہے۔ اور نجدات سارے احکام میں ازارقہ سے خلاف رکھتے ہیں۔ ایک تکفیر صحابہ میں اُنکے موافق ہیں۔ لیکن غنیۃ الطالبین میں مذکور ہے۔ کہ تمام خوارج جناب امیر کو بوجہ تحکیم کے اور اُن لوگوں کو جو گناہ کبیرہ کرتے ہیں۔ کافر قرار دیتے ہیں۔ لیکن نجدات کا یہ مذہب نہیں ہے

پانچویں **صفریہ**۔ زیاد بن اصفر کی طرف منسوب ہیں بعضوں نے لکھا ہے صفریہ بفتح صاد مہملہ نعمان بن صفر کے اصحاب ہیں۔ کسی نے کہا کہ یہ منسوب ہیں طرف عبداللہ بن صفار کے وہ ایک شخص بنی مقاعس میں سے تھا۔ نام اسکا حارث بن عمر بن کعب بن سعد بن زید بن مناۃ بن تمیم بن ادّ بن طانجہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہے۔ کسی نے کہا۔ یہ نام اُنکا بسبب صفرت یعنی زردی۔ مرض کے ہوا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ کثرت عبادت کی وجہ سے وہ زرد رنگ ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے انکو صفریہ کہنے لگے۔ بعض نے کہا صفر بکسر صاد ہے۔ بہرحال یہ سارے اقوال میں ازارقہ کے موافق ہیں مگر زانی سے رجم ساقط نہیں بتاتے اور نہ اطفال مشرکین کو کافر و دوزخی جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جو شخص ہمارے عقیدے میں موافق ہے۔ اور وہ قتال میں شریک نہو۔ تو کافر ہے۔ اور کہتے ہیں تقیہ قول میں جائز ہے نہ عمل میں ان کا اعتقاد یہ ہے۔ کہ جس گناہ پر حد جاری ہو سکتی ہے مثلاً چوری اور زنا کاری اُسکے مرتکب کو کافر نہ کہنا چاہیئے۔ اور جس گناہ میں بوجہ اسکی عظمت کے حد نہیں ہے۔ جیسے ترک نماز اور ترک روزہ اسکا مرتکب کافر ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جو عورت ہمارے دین میں موافق ہے اسکا نکاح کر دینا اُس شخص سے جو اُسکے دین میں نہیں۔ اسی جگہ جائز ہے۔ جہاں تقیہ کے سوا چارہ نہو۔ اور جہاں علانیہ رہتے ہوں۔ وہاں ناجائز ہے۔ صفریہ کو زیادیہ بھی کہتے ہیں

ایک نام اُنکا نکاریہ بھی ہے اسلئے کہ نصف حضرت علی وثلث حضرت عثمان
وسدس بی بی عائشہ کو ناقص کرتے ہیں۔ خلافت عبدالملک بن مروان کے عہد
میں فرقۂ صفریہ میں سے صالح بن مسرح تمیمی نے (بنو امرء القیس بن زید مناۃ کی)
خروج کیا۔ یہ شخص عقائد کا پابند اور عابد و زاہد تھا سرزمین موصل و جزیرہ
میں اکثر قیام پذیر رہتا تھا۔ اسکے تلامذہ بھی تھے جنکو یہ قرآن و فقہ کی تعلیم دیتا
تھا۔ کبھی کوفہ میں اپنے احباب اور شاگردوں سے ملنے کو آجاتا تھا۔ وہ لوگ
اسکی ضروریات مہیا کردیتے تھے۔ حجاج کو اسکی خبر لگی۔ گرفتاری پر لوگوں کو مامور
کیا۔ صالح کوفہ چھوڑ کے اپنے شاگردوں کے پاس موصل چلا آیا۔ اور ان لوگوں کو
خروج پر اُبھارنے لگا۔ اس اثنا میں شبیب بن یزید بن نعیم شیبانی کا ایک خط
آپہنچا جس میں اس نے جنگ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ صالح نے جواب دیا۔ میں
تمہارے ہی انتظار میں ہوں جس قدر جلد ممکن ہو آجاؤ۔ میں ہمہ تن خروج پر
آمادہ ہوں۔ شبیب مع اپنے چند دوستوں کے جس میں اسکا بھائی مصاد
اور محلل بن وائل یشکری تھا آپہنچا۔ اور صالح کے اتفاق رائے سے ماہ صفر
۷۶ھ میں خروج کردیا۔ لشکریوں کو قبل جنگ دعا کرنیکی ہدایت کی۔ اور خونریزی
اور مال و اسباب کے لوٹنے کا انکو اختیار دیدیا۔ اتفاق سے جزیرے میں محمد
بن مروان کی سواری کے جانور مل گئے جنکو ان لوگوں نے گرفتار کرکے
اپنے ہمراہیوں کو سوار کرادیا۔ محمد بن مروان والی جزیرہ کو خوارج کے خروج اور انکی
اس بیجا حرکت کی اطلاع ہوئی۔ تو اُس نے سرکوبی کو ایک ہزار کی جمعیت سے
عدی بن عدی کندی کو مامور کیا۔ پس اس نے حران سے نکل کے خوارج کا
قصد کیا۔ چونکہ صلح پسندی مزاج میں زیادہ تھی۔ اس وجہ سے جنگ خوارج کو پسند
نہ کرتا تھا۔ قبل آغاز جنگ ایک قاصد خوارج کے پاس روانہ کیا۔ اور لوگوں نے
قاصد کو قید کردیا۔ اور خود مسلح و مرتب ہوکے عدی کے سر پر آپہنچے۔ عدی اُس وقت
نماز چاشت پڑھ رہا تھا۔ جیوں تیوں نماز پوری کرکے بہ قصد جنگ اپنے گھوڑے

پر سوار ہوگیا۔ اور اُسکی رکاب کی فوج بھی بے ترتیبی کے ساتھ میدان میں
آگئی۔ خوارج کے میمنہ پر شبیب تھا۔ اور میسرہ پر سوید بن سلیم خوارج نے حملہ کیا
عدی کو شکست ہوئی۔ خوارج نے عدی کے لشکرگاہ کو لوٹ لیا۔ اور آمد تک تعاقب
کرتے چلے آئے۔ محمد بن مروان نے یہ خبر پاکے خالد بن جز سلمی اور حرث بن
جعونہ عامری کو ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار فوج کے ساتھ دو مختلف راہوں سے روانہ
کیا۔ اور یہ ہدایت کردی کہ تم میں سے جو شخص میدان جنگ میں کامیاب
ہوگا۔ وہی اپنے دوسرے ہمراہی کا امیر اور سردار لشکر سمجھا جائے۔ صالح کو
اسکی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے شبیب کو حرث کی طرف روانہ کیا۔ اور خود خالد
پر حملہ آور ہوا۔ بازار کارزار نہایت سختی سے گرم ہوگیا۔ محمد بن مروان کے
لشکر نے پہلے سے خندق کھود لی تھی۔ اور مورچہ قائم کر رکھا تھا۔ خواہ مخواہ
خوارج کو پسپا ہونا پڑا۔ سرزمین جزیرہ و موصل کو دسکرہ تک طے کر گئے۔ حجاج
نے اس ہزیمت سے آگاہ ہوکے حرث بن عمیرہ بن الشعار کو تین ہزار فوج
کوفہ کی جمعیت سے روانہ کردیا۔ مابین موصل و صرصر کے ملاقات ہوگئی۔ خوارج
کے ہمراہ اس وقت صرف نوے آدمی تھے۔ سوید بن سلیم کو ہزیمت ہوئی۔ صالح
بن مسرح مارا گیا۔ شبیب زمین پر گر پڑا۔ پھر سنبھل کر اُٹھا۔ اور صالح کی لاش
پر کھڑے ہوکے اپنے ہمراہیوں کو پکارنے لگا۔ ستر آدمی کے قریب مجتمع ہوگئے
شبیب مع اُن لوگوں کے ایک قلعہ میں جو اس مقام پر تھا۔ جاکے پناہ گزین
ہوگیا۔ حرث نے قلعہ کا محاصرہ کرکے دروازے کو جلادیا۔ اور اس قصد سے کہ
صبح ہوتے ہی جنگ چھڑ جائیگی۔ اپنے لشکرگاہ میں لوٹ آیا۔ شبیب نے اپنے
ہمراہیوں سے کہا تم اپنے دوستوں سے جسکے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو۔ اور ہمارے
ہمراہ خروج کرو۔ خوارج نے اسی کی بیعت کی۔ اور آگ کو مشتعل ہونے کے خیال
سے بجھاکے رات ہی وقت خروج کردیا۔ حرث اس اچانک حملہ سے گھبرا کے
اُٹھا۔ اور اپنے ہمراہیوں کو تیاری کا حکم دیا۔ ہنوز وہ تیار ہونے پائے تھے کہ

لشکر کا ایک حصہ پسپا ہو کے مدائن کی جانب بھاگا۔ ابو شبیب انکے مال و اسباب کو لوٹتا ہوا سرزمین موصل کی جانب چلا گیا۔ اسکا باقی حال فرقہ شبیبیہ میں آئیگا۔ صالح کی قبر وہیں ہے جو خارجی اسکے پاس سے گذرتا وہ ضرور سر منڈاتا تھا۔

ابو یزید پسر کنداد ساکن شہر توزر علاقہ قسطیلیہ نے کہ نہایت بدصورت تھا مذہب نکاریہ اختیار کرکے لوگوں کو اس مذہب کی طرف وعظ و نصیحت کرنا شروع کی۔ جب اسکی جماعت بھاری ہوگئی، تو ۳۳۲ھ میں قسطیلیہ مسخر کیا پھر تبسہ اور سبتہ اور ضاب اور اریس کو فتح کرلیا۔ قائم بامر اللہ علوی اسماعیلی والئے افریقہ جو ائمہ مہدویہ میں سے ہیں فوج تیار کرکے قیروان اور رقادہ کی حفاظت کو بڑھے۔ ابو یزید نے انہیں شکست دی۔ اور تونس اور قیروان اور اور رقادہ بھی فتح کرلیا۔ یہانتک کہ قائم بھی شکست پاکر مہدویہ میں محصور ہوگئے روضۃ الصفائے ناصری میں ذکر کیا ہے۔ کہ ابو یزید نے جب قیروان میں قتل و غارت کا حکم دیا۔ تو مشائخ اور سادات اور اعیان و اشراف شفاعت کے لئے نکلے۔ اور اس سے کہا۔ کہ باشندوں کو قتل و غارت سے معاف رکھا جائے ابو یزید نے جواب دیا کہ قیروان بیت المقدس سے زیادہ بزرگ نہیں ہے وہ شہر قتل و غارت سے خراب ہوا۔ اگر قیروان کو خرابی پہنچے۔ تو کیا مضائقہ ہے قائم کے انتقال کے بعد انکے بیٹے اسمعیل منصور نے ابو یزید پر چڑھائی کی اور ۳۳۵ھ میں ابو یزید کو پوری شکست دی۔ اور اسکا بہت تک پیچھا کیا اور کئی برس تک یونہی ابو یزید سوڈان کے شہروں کی طرف بھاگا پھرا منصور نے بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ یہانتک کہ اسکا قلع و قمع کردیا۔ اور ۳۳۶ھ میں وہ گرفتار ہوا۔ اور اسکی کھال نکلوا کے بھس بھروا دیا گیا۔

چھٹے اباضیہ۔ یہ عبداللہ بن اباض کے اصحاب ہیں۔ اسکا نام حارث

لہ دیکھو معارف ابن قتیبہ ۱۲

بن عمر بھی لکھا ہے۔ بعض نے عبد اللہ بن یحییٰ اباضی لکھا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ فرقہ منسوب ہے طرف اُباض (بضم الف) کے اُباض ایک گاؤں ہے یمامہ کے علاقے میں مراصد الاطلاع علیٰ اسماء الامکنۃ والبقاع میں لکھا ہے اباض الف کے ضمے اور بائے موحدہ کی تخفیف اور اُسکے بعد الف اور ضاد معجمہ سے ایک گاؤں ہے یمامہ کے علاقے میں اس مقام پر خالد بن ولید اور مسیلمہ سے جنگ ہوئی تھی اور اتحاف ذوی الالباب بشوار دلب الالباب میں رضی الدین نے اباضی الف کے کسرے سے لکھا ہے۔ اور کہا ہے کہ اباضی فرقہ اباضیہ میں کا ایک شخص اور اباضیہ کا پیشوا حارث اباضی ہے یہ منسوب ہے طرف عبد اللہ اباض کے اور معارف[1] ابن قتیبہ میں مذکور ہے کہ عبد اللہ بن اباض قبیلہ بنو مرہ سے ہے جو عبید سے ہے اور وہ تمیم سے کہ احنف بن قیس کا ایک گروہ ہے۔ اس شخص نے مروان بن محمد کے عہد میں خروج کیا تھا۔ مروان کے حکم سے عبد اللہ بن محمد بن عطیہ نے اُس سے جنگ کر کے قتل کیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عبد اللہ تمام معاملات میں اُسکا رفیق تھا تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب خوارج نے عبد اللہ بن زبیر سے مفارقت کی۔ تو یہ بھی اس گروہ کے ہمراہ تھا۔ اور بصرے میں چلا آیا۔ اور نافع بن ازرق کے ساتھ خروج نکیا اور جب نافع نے اس مضمون کا خط اسکو لکھا کہ جو شخص اہل قبلہ میں سے ہمارا مخالف ہے۔ وہ کافر ہے اُسکے ساتھ مناکحت ناجائز ہے اُسکے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا نادرست ہے اسکو وراثت نہیں پہنچ سکتی۔ اسکے بچوں کو قتل کرنا چاہیے۔ اس سے نفرت کرنا چاہیے۔ تو عبد اللہ بن اباض نے اس رائے سے نافع کی اختلاف کر کے کہا۔ کہ جو اہل قبلہ میں سے ہمارا مخالف ہے۔ وہ کافر نعمت والاحکام ہے مشرک نہیں اور اُسکا حکم منافق کا ہے۔ اور اسکے ساتھ مناکحت اور اُسکی وراثت جائز ہے اور ہتھیار اور گھوڑا مخالفوں کا جنگ میں لے لینا جائز ہے۔ اور اسکے علاوہ

---

[1] ہو من بنی مرۃ من عبید من تمیم رہط الاحنف بن قیس

ناجائز ہے۔ اور کہا ہے ہمارے مخالفین کے شہر دار الاسلام ہیں۔ مگر جو پایہ تخت سلطان کا ہے وہ دار الکفر ہے۔ اور مخالفوں کی گواہی ہم پر مقبول ہے۔ اور اسکے نزدیک ایمان تمام نہیں بغیر عمل صالح کے اور اسکے زعم میں مرتکب کبیرہ موحد ہے مومن نہیں۔ اسلئے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ اور یہ مرتکب کبیرہ کو کافر نعمت جانتا ہے نہ کافر ملت اور اسکے اعتقاد میں استطاعت قبل فعل کے ہے اور بندوں کے افعال کا خالق خدا ہے۔ اور تمام عالم اصل تکلیف کے فنا ہونے کے ساتھ فنا ہو جائیگا۔ اور اولاد کفار کی تکفیر و تعذیب میں متوقف ہے۔ اور وقف اسمیں بھی ہے نفاق شرک ہے یا نہیں۔ اور اس بات میں متردد ہے۔ کہ کوئی ایسا رسول ہونا جائز ہے یا نہیں۔ جسکے ساتھ صدق دعوے نبوت پر کوئی معجزہ نہ ہو۔ اور جن احکام کو اسپر وحی آتی ہو۔ انکی تعمیل کا اسکے امتیوں پر حکم نہ ہو۔ اور امیر المومنین علی اور اکثر صحابہ کو کافر کہتا ہے۔ اور یہ اباضی چار فرقے ہوگئے ہیں

(۱) حفصیہ۔ یہ ابوحفص بن ابی مقدام کے تبع ہیں۔ شرح مواقف اور تعریفات سید شریف میں اسی طرح لکھا ہے اور شہرستانی کی ملل ونحل میں صرف حفص واقعہ ہے۔ یہ شخص عبداللہ بن اباض کا ایک پیرو تھا۔ اور منفرد تھا ساتھ اس قول کے کہ معرفت الہی ایمان و شرک میں متوسط ہے پس جس نے اللہ کو پہچانا۔ اور رسول اور بہشت و دوزخ وغیرہ کا انکار کیا۔ یا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔ وہ کافر ہے مشرک نہیں۔ باقی اباضیہ نے اسکا انکار کیا۔ اور کہا کہ وہ مشرک ہے۔ حفصیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں کالذی استہوتہ الشیاطین فی الارض حیران یعنی مانند اس شخص کے ڈالدیا ہے اسکو شیطان نے زمین میں حیران لفظ حیران سے مراد حضرت علی ہیں۔

(۲) یزیدیہ۔ یزید بن انیسہ کے اصحاب ہیں۔ یہ اباضی کہتا تھا۔ کہ قریب ہے اللہ ایک رسول عجم سے مبعوث کریگا۔ اور اس پر یک دفعہ ہی پوری کتاب اتریگی جس سے شریعت محمدی منسوخ ہو جائیگی۔ اور اس پیغمبر کا دین صابیانی

ہوگا جسکا قرآن میں ذکر ہے۔ اور انکے زعم میں ہر گناہ صغیرہ کبیرہ شرک ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنے اوپر حد جاری ہونے کے کام کئے وہ مشرک ہیں۔

فائدہ ۔ ابو القاسم نے طبقات[۱] الامم میں کہا ہے کہ صابئین ہندوستان کے بڑے گروہوں میں سے ہیں مگر یہ قول غلط ہے۔ قرآن شریف میں دو جگہ انکا ذکر آیا ہے۔ حالانکہ اہل ہند میں سے کسی قوم کا اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام میں ذکر نہیں کیا۔ لفظ صائبین صَبَءَ سے مشتق ہے جن میں دوسرا حرف بائے موحدہ ہے۔ اور تیسرا حرف ہمزہ صبء کہتے ہیں۔ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونے کو صابی وہ شخص ہے۔ جو ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہو۔ آنحضرت کو بھی کفار عرب صابی کہا کرتے تھے۔ اس لئے کہ آپنے دین ظاہر کیا تھا جو ان کے دین کے خلاف تھا۔ اور مفسرین کے صابئین کے مذہب کے بیان میں کئی قول ہیں (۱) مجاہد اور حسن کہتے ہیں۔ کہ وہ مجوس میں سے ایک گروہ ہے۔ اور یہود نہ انکا ذبیحہ کھاتے ہیں۔ نہ انکے ساتھ نکاح بیاہ کرتے ہیں۔ (۲) قتادہ کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اور سورج کی طرف دن میں پانچ بار نماز پڑھتے ہیں (۳) صحیح یہ ہے کہ وہ کواکب پرست ہیں۔ اور دو قسم کے اعتقاد رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالےٰ نے عالم کو پیدا کیا۔ اور یہ حکم دیا کہ کواکب کی تعظیم کرنا۔ اور انکو اپنی نماز اور دعا کا قبلہ بنانا چاہئے۔ دوسرا یہ کہ اللہ افلاک و کواکب کا خالق ہے۔ پھر عالم کے تمام معاملات برائی بھلائی صحت مرض کو کواکب نے پیدا کیا ہے۔ اور سب چیزونکے مدبر یہی ہیں اسلئے بشر کو انکی تعظیم کرنا چاہئے اور یہ کواکب اللہ کی عبادت کرتے ہیں کذا فی مفاتیح الغیب

[۱] طبقات الامم کی عبارت یہ ہے جمہور الهند و معظمها نقول بازل العالم وانه معلولة بذات علة العالم التی هی الباری جل و عز و تعظم الکواکب و تصودا لها صورا تمثلها بها و تتقرب الیها بانواع القرابین علی حسب ما علموا من طبیعة کل کوکب منها لیستجلبوا بذالک قواها و یصرفوها فی العالم السفلی علی اختیارهم تدبیر ها ویسمون کلام موسیٰ هذه الصواب تربرله ۱۲ منہ

(۳) حارثیہ ۔ (برائے مہملہ) ابو الحارث اباضی کے پیرو ہیں۔ شرح مواقف و تعریفات سید شریف اور کشاف اصطلاحات الفنون میں اسی طرح لکھا ہے اور ملل و نحل شہرستانی اور اتحاف ذوی الالباب میں ابو الحارث کی جگہ حارث ذکر کیا ہے۔ کہتا تھا۔ کہ بندوں کے افعال مخلوق الٰہی نہیں ہیں۔ بندے خود اُن کے خالق ہیں۔ اور استطاعت قبل فعل کے ہوتی ہے۔ جیسا کہ مذہب معتزلہ کا ہے۔

(۴) عبادیہ ۔ یہ فرقہ ایک بدعت قبیحہ کے ساتھ متفرد ہوا ان کا مذہب یہ ہے کہ جو عبادت ریا کے ساتھ کی جائے۔ اور خدائے تعالےٰ کی رضامندی اُس سے مقصود نہ ہو وہ بھی طاعت ہے

اباضیہ میں سے ایک شخص جسکا نام مختار بن عوف ازدی تھا اور ابوحمزہ کہلاتا تھا۔ ہر سال موسم حج میں آتا۔ اور برخلاف مروان بن محمدؐ کے لوگوں کو ابھارتا تھا۔ سنہ ۱۲۸ھ میں عبداللہ بن یحیٰی معروف بہ طالب الحق حضرموت سے آیا۔ ابوحمزہ کے کلام سنکے بولا تم میرے ساتھ چلو میں اپنی قوم کا سردار ہوں چنانچہ ابوحمزہ طالب الحق کے ساتھ حضرموت گیا۔ اور اوسکی بیعت کرلی۔ اگلے سال سنہ ۱۲۹ھ میں طالب الحق نے ابوحمزہ کو مع بلخ بن عقبہ ازدی کے سات سو کی جمعیت سے موسم حج میں مکے کی جانب روانہ کیا۔ موقف میں پہنچ کے ان لوگوں نے اپنے قصد کو ظاہر کیا۔ ان دنوں مکہ و مدینہ کا عامل عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک تھا اس نے ابوحمزہ سے تا انقضائے ایام حج و واپسی حجاج مصالحت لکھنے کی درخواست کی۔ ابوحمزہ و بلخ بن عقبہ اس امر پر راضی ہو گئے۔ عبدالواحد نے مقام منےٰ میں قیام کیا۔ اور ابوحمزہ قرن الثعالب میں خیمہ زن ہوا۔ عبیداللہ بن حسن مثنےٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ محمدؐ بن عبداللہ بن عمر بن عثمان بن عفان عبدالرحمن بن قاسم بن محمدؐ بن ابی بکر صدیق۔ عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر خطاب اور ربیعہ بن عبدالرحمن کو مع چند ایسے ہی بزرگوں کے

ابوحمزہ کے پاس مصالحت کی مضبوطی کی غرض سے بھیجا۔ ابوحمزہ کا علوی ہاشمی کا نام سنتے ہی چہرہ بگڑ گیا۔ مگر بکری (صدیقی)، عمری (فاروقی)، کا نام سنتے ہی بشاش ہوکے بولا ہم نے تمہارے ہی دونوں کے باپوں کی سیرت کے پھیلانے اور انہی کی اقتدا کے خیال سے خروج کیا ہے۔ عبید اللہ بن حسن نے کہا ہم اس غرض سے تمہارے پاس نہیں آئے۔ کہ تم ہمارے آباد و اجداد کے بارے میں تفضیل بیان کرو۔ بلکہ ہم امیر کی طرف سے سفیر ہوکے آئے ہیں۔ اور یہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن اس سفارت کو ادا کرینگے۔ غرض ربیعہ اور ابوحمزہ میں مصالحت تا انقضائے میعاد مقررہ قائم رکھنے کا باہم عہد و پیمان ہوگیا۔ مگر عبدالرحمن پہلے قافلے کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ چلا گیا۔ اور اہل مدینہ کو ابوحمزہ کے آنے سے خبردار کرکے اسکی جنگ پر ابھار دیا۔ روزینہ میں بھی دس دس درہم کا اضافہ کردیا۔ پس لشکر کو ابوحمزہ کی جنگ کے لئے مرتب کیا۔ اسپر عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن عثمان کو مقرر کرکے کوچ کا حکم دیدیا۔ مقام قدید میں جس وقت یہ لشکر پہنچا۔ ابوحمزہ کے سفیر امن حاصل کرکے اہل مدینہ کے لشکر میں آئے۔ اور یہ درخواست پیش کی کہ تم ہم سے جنگ نہ کرو۔ ہم کو اور ہمارے دشمن کو چھوڑ دو ہم اور وہ نبٹ لینگے۔ اہل مدینہ نے اسکو منظور نہ کیا۔ اس اثنا میں ابوحمزہ بھی مع اپنے ہمراہیوں کے مدینے میں آ اترا۔ یہ لوگ بظاہر آلات حرب سے آراستہ نہ تھے۔ اور نہ انکی شکل و صورت سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ لوگ لڑینگے۔ مگر جس وقت اہل مدینہ کے انکار کا حال معلوم ہوا۔ ابوحمزہ کے ہمراہی کمر بستہ باندھ کے نکل پڑے۔ اور نہایت بیرحمی سے قتل کرنا شروع کردیا۔ تقریباً سات سو آدمی قبیلہ قریش کے مارے گئے۔ اسکی خبر عبدالواحد تک پہنچی۔ تو وہ مدینہ منورہ چھوڑ کر شام چلا گیا۔ اور ابوحمزہ نصف ماہ صفر سنہ ۱۳۰ھ میں داخل مدینہ ہوا۔ لوگوں کو جمع کرکے ممبر پر گیا۔ خطبہ دیا اور علے الاعلان اپنی دعوت کا اظہار کیا۔ وعظ کہا اور ان لوگوں کے اقوال کو رد کیا۔ اور انکی رائے کی برائی بیان کی جو اسکے

معائب بیان کرتے تھے۔ اور ایسے حسن سلوک اور اخلاق سے پیش آیا کہ کل اہل
مدینے نے بطیب خاطر اسکی تقریر سنی کہتا من زنیٰ فھو کافر ومن سرق
فھو کافر (جس شخص نے زنا کیا وہ کافر ہے۔ اور جس نے چوری کی وہ کافر
ہے) تین ماہ تک مدینے میں ٹھیرا رہا۔ بعد ازاں اُن لوگوں سے رخصت ہو کے
شام کی طرف روانہ ہوا۔ اسکی روانگی سے پیشتر مروان نے خوارج سے جنگ
کرنے کو عبدالملک بن محمد بن عطیہ بن ہوازن کو چار ہزار کی جمعیت سے
روانہ کر دیا۔ جو رفتہ رفتہ یمن پہنچ گیا۔ وادی القرے میں خوارج سے مڈبھیڑ ہوئی
خوارج شکست کھا کے بھاگے۔ ابوحمزہ مارا گیا۔ بقیۃ السیف نے بھاگ کے مدینے
میں جان بچائی۔ ابن عطیہ بھی انکے تعاقب میں مدینے تک پہنچ گیا۔ ایک ماہ قیام
کر کے یمن کی طرف روانہ ہوا۔ عبداللہ طالب الحق کو اسکی روانگی کی خبر لگی
اسوقت وہ صنعا میں تھا۔ اس نے اپنے ہمراہیوں کو جمع کر کے بارادۂ جنگ
خروج کر دیا۔ طالب الحق اور ابن عطیہ سے لڑائی ہوئی۔ طالب الحق مارا گیا
اور ابن عطیہ نے صنعا پر پہنچ کے کامیابی کے ساتھ قبضہ کر لیا ۔ ۔

ساتویں عجاردہ۔ یہ عبدالرحمن بن عجرد کی طرف منسوب ہیں۔ شرح
مواقف وکشاف اصطلاحات الفنون وارشاد المسلمین وخطط مقریزی میں
اسی طرح لکھا ہے اور ملل ونحل شہرستانی میں عبدالرحمن کی جگہ عبدالکریم ہے
اور تعریفات سید شریف میں عبداللہ بن عجرد مرقوم ہے۔ اور نفائس الفنون میں
عبدالکریم تحریر کیا ہے۔ انکو عجردیہ[1] بھی کہتے ہیں۔ یہ گروہ نجدات کے موافق
ہے۔ مگر دو شئے میں منفرد ہے۔ ایک یہ کہ اطفال مشرکین دوزخ میں جائینگے۔
دوسرے اطفال سے بری رہنا تا بلوغ وصفائی اسلام واجب ہے۔ اور جب وہ
بالغ ہو جائیں۔ تو اونکو اسلام کی دعوت کی جائے۔ انکے نزدیک مرد کو اپنی بیٹی نواسی
پوتی اور بھائی بہن کی بیٹی نواسی پوتی سے نکاح کرنا جائز ہے[2]۔ اور یہ دس گروہ ہیں

---

[1] لسان العرب میں لکھا ہے۔ عجرد اسم رجل من الحروریہ والعجردیۃ من الحروریۃ ینسبون الیہ ۱۲ منہ [2] دیکھو غنیۃ الطالبین ۱۲

(۱) میمونیہ میمون بن عمران کے اصحاب ہیں۔ شرح مواقف کشاف اصطلاحات الفنون۔ اور تعریفات سید شریف میں اسی طرح ہے۔ اور ملل ونحل میں میمون بن خالد ہے۔ انکا قول یہ ہے۔ کہ خدائے تعالے خیر کا ارادہ کرتا ہے۔ گناہ و شر کا ارادہ نہیں کرتا۔ جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ اور مشرکوں کے اطفال جنت میں داخل ہونگے۔ اور کہتے ہیں کہ استطاعت قبل فعل کے ہوتی ہے۔ اور افعال عباد کا اللہ خالق نہیں ہے۔ اور یہ اپنے مخالفین کے اموال کو حلال نہیں کہتے جب تک کہ مالک مقتول نہ ہو جب مارا جائیگا۔ تو اسکا مال غنیمت ہو جائیگا۔ اور ان کے اعتقاد میں سورۂ یوسف قرآن میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک فحش اور عشقیہ قصہ ہے۔ انکے نزدیک ایمان بالغیب باطل ہے۔ انکے نزدیک مرد کا اپنی حقیقی پوتیوں اور نواسیوں اور حقیقی بھتیجیوں اور بھانجیوں کو نکاح میں لانا جائز ہے۔

(۲) حمزیہ حمزہ بن ادرک شامی کے متبع ہیں۔ اس نے خراسان میں عہد خلافت ہارون الرشید میں خروج کیا تھا۔ خراسان میں ہارون کی طرف سے علی بن عیسے بن ماہان گورنر تھا۔ حمزہ بوشنج کی طرف بڑھا۔ عمرویہ بن یزید ازدی حاکم ہرات نے چھ ہزار فوج کے ساتھ اُس سے جنگ کی۔ اور شکست پائی۔ پھر علی نے دس ہزار فوج اپنے بیٹے حسین کی ماتحتی میں حمزہ سے جنگ کے لئے بھیجی۔ مگر اسپر حمزہ کا ایسا رعب چھایا کہ مقابل نہ ہوسکا۔ علی نے اپنے دوسرے بیٹے عیسے کو اُس فوج کا افسر کرکے جنگ کے لئے متعین کیا۔ مگر اس فوج کو بھی شکست ہوتی۔ علی نے حمزہ کے مقابلے کے لئے دوبارہ عیسے کو بھیجا۔ باخرز میں حمزہ کے اصحاب سے لڑائی ہوئی۔ حمزہ نیشاپور میں مقیم تھا۔ تمام حمزیہ مارے گئے۔ صرف چالیس آدمی زندہ بچے۔ حمزہ قہستان کی طرف چلا گیا۔ عیسیٰ نے فوجوں کو اوق اور جوین کی طرف بھیجا۔ اور یہاں جو حمزیہ دستیاب ہوئے قتل کئے گئے۔ اور ان دیہات کو تباہ و برباد کیا۔ اور جلا دیا۔ جو حمزہ کو مدد دیتے تھے

حاکم زرنج عبداللہ بن عباس نسفی مال لدوا کر علی کے پاس لئے جاتا تھا حمزہ نے اسفرایین اُسے گھیر لیا۔ عبداللہ نے ایسا جم کر مقابلہ کیا۔ کہ حمزہ پسپا ہوا اور حمزہ کے منہ پر زخم آیا۔ حمزہ مع اپنے اصحاب کے کردم میں چھپ گیا اور تھوڑے عرصے کے بعد طاہر بن حسین حاکم بوشنج پر یورش کی۔ ایک مکتب میں تیس لڑکے پڑھ رہے تھے۔ انکو مع معلم کے مار ڈالا۔ طاہر نے یہ خبر سنکر حمزیہ کی تادیب کے لئے فوج چڑھائی کی۔ اور ایک مقام پر انکو گھیر کر بڑی سختی سے سر وڈالا اور تمام مال و اسباب انکا ضبط کرلیا۔ الخطط والآثار میں لکھا ہے۔ کہ حمزہ کرمان کے ایک جنگل میں غرق ہو گیا حمزیہ تمام باتوں میں میمونیہ کے ساتھ موافق تھے۔ مگر اطفال مشرکین کو دوزخ میں بتاتے تھے اسلئے قدریہ نے انکی تکفیر کی۔ اور مسئلہ قدر میں قدریہ کے ساتھ موافق تھے اسلئے ازارقہ انکو کافر کہتے تھے۔ اپنے مخالفین کے غنائم کو حلال نہ جانتے تھے۔ بلکہ حکم کل مال غنیمت کے جلا دینے کا دیتے تھے۔

(۳) شعیبیہ شعیب بن محمد کے پیرو ہیں۔ یہ گروہ میمونیہ کے ساتھ انکی ساری باتوں میں موافق ہے۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہے۔ کیونکہ میمونیہ اس بارے میں قدریہ کی طرف مائل ہیں[۵]۔ نفائس الفنون میں لکھا ہے۔ کہ شعیب میمون کے ساتھ رہتا تھا جب وہ قدر کا قائل ہوا۔ تو اُس نے اس سے تبرا کی۔

(۴) حازمیہ اصحاب حازم بن عاصم۔ شہرستانی کی ملل و نحل میں حازم کے باپ کا نام علی لکھا ہے۔ اور شرح مواقف۔ کشاف اصطلاحات الفنون اور ارشاد المسلمین میں حازم بن عاصم ہے۔ حازمیہ شعیبیہ کے ساتھ موافق ہیں مگر علی کرم اللہ وجہ کے حق میں متوقف ہیں۔ اور تصریح انکی بریت کی نہیں کرتے۔ جس طرح کہ دوسروں کی بریت کی تصریح کرتے ہیں۔ اور انکا قول مسئلہ قدر و مشیت میں مثل قول اہل سنت کے ہے۔ ولایت و عداوت میں مخالف خوارج کے ہیں

[۵] شعیبیہ وھو شعیب بن محمد وھم کالمیمونیۃ الا فی القدر ۱۲ تعریفات شیخ ابو نصر کی

کہ اللہ ہمیشہ محب اپنے اولیا کا اور دشمن اپنے اعدا کا ہے۔ ان کے نزدیک ایمان فرض مجہول ہیں۔ اس کیلئے کوئی دلیل قاطع نہیں ہے۔

(۵) خلفیہ خلف خارجی کی طرف منسوب ہیں۔ یہ لوگ کرمان و مکران کی طرف رہتے تھے۔ انکا اعتقاد یہ ہے کہ خیر و شر دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اطفال مشرکین دوزخ میں رہینگے۔ بلا اس کے کہ انہوں نے کوئی عمل شرک کیا ہے۔ انکے نزدیک تارک غزا کا کافر ہے۔

(۶) اطرافیہ غالب بن شاذل سجستانی کے متبع ہیں۔ یہ گروہ حمزیہ کے موافق ہے۔ مگر اس بات میں منفرد ہے کہ اطراف ملک کے رہنے والے جن احکام شرعی سے واقف نہ ہونگے۔ وہ اُس میں معذور ہیں۔ ایسے احکام کی عدم تعمیل سے اُنپر مواخذہ نہیں ہوتا۔ اور ان لوگوں کے بہت سے عقائد اہل سنت وجماعت کے بھی موافق ہیں۔ اور مسئلہ قدر میں قدریہ کے مخالف ہیں۔ اور اہل سنت وجماعت کے موافق اور واجبات عقلی ثابت کرتے ہیں۔

(۷) معلومیہ یہ اپنے مقالات میں حازمیہ کے موافق ہیں۔ مگر دو مسئلوں میں باہم متبائن ہیں۔ ایک یہ کہ جس نے اللہ کو مع جمیع اسماء و صفات کے نہ پہچانا وہ کافر ہے مومن نہیں۔ دوسرے قدر و مشیت میں موافق اہل سنت کے ہیں۔

(۸) مجہولیہ یہ بھی تمام عقائد میں حازمیہ کے موافق ہیں۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ کہ اللہ کو بعض اسماء و صفات کے ساتھ جاننا بھی مومن ہونے کے لئے کافی ہے اور یہ مسئلہ قدر و مشیت میں موافق قدریہ کے ہیں۔

(۹) صلتیہ۔ یہ عثمان بن ابی الصلت[۱] کے متبع ہیں۔ اور بقولے عثمان بن صلت بن صامت[۲] کے اور بقولے صلت[۳] بن صامت کے اور بروایتی صلت بن ابی[۴] صامت

---

[۱] دیکھو تعریفات وارشاد المسلمین و نفائس الفنون اور شرح مواقف کی عبارت یہ ہے۔ الصلتیہ ھو عثمان بن ابی الصلت وقیل الصلت بن عثمان ۱۲ [۲] دیکھو کشاف اصطلاحات الفنون ۱۲ [۳] دیکھو شرح مواقف و کشاف اصطلاحات الفنون ۱۲

[۴] ملل و نحل شہرستانی میں مرقوم ہے کہ صلتیہ تبع ہیں عثمان بن صلت یا صلت بن ابی صامت کے ۱۲

کے اصحاب ہیں۔ یہ گروہ عقائد میں عجاردہ کے موافق ہے۔ اور اس قول میں منفرد ہے کہ جو اسلام لائیگا ہم اُسکے دوست دار ہیں لیکن اُسکے اطفال سے ہم بری ہیں۔ اسلئے کہ اطفال کے لئے اسلام نہیں ہے جب تک کہ بالغ نہوں بلوغ کے بعد انکو اسلام کی طرف دعوت کرنا چاہئے۔ اور بعض صلتیہ سے منقول ہے کہ اطفال خواہ مسلمانوں کے ہوں یا مشرکوں کے اُنکے ساتھ عموماً نہ دوستی ہے نہ دشمنی جب تک کہ بالغ نہوں بلوغ کے بعد انکو دعوت اسلام کرنا چاہئے۔

(۱۰) ثعالبیہ یا ثعلبیہ۔ یہ ثعلبہ بن عامر کی طرف منسوب ہیں۔ یہ عبدالرحمن بن عجرد کے موافق تھے۔ مگر اس بات میں مختلف ہوگئے کہ اطفال کے متولی و دوستدار رہنا چاہئے جب تک کہ وہ بلوغ کو پہنچیں۔ پس اگر بعد بلوغ کے وہ انکار حق کریں۔ تو اُن سے عداوت رکھنا چاہئے۔ اور اُن سے یہ بھی منقول ہے کہ اطفال سے نہ دوستی رکھنے کا حکم ہے نہ دشمنی جب تک کہ بالغ نہ ہوں۔ اور انکا ایک قول یہ ہے کہ غلام سے مال کی زکوۃ لینا چاہئے اور جب اُسکے پاس مال نہ ہو۔ تو اُسکو زکوۃ دینا بھی چاہئے۔ ان کا قول ہے کہ ہر کام اللہ کی مشیت سے ہے نہ اُسکی قضا و قدر سے اور بوجہ اختلاف باہمی کے ثعالبہ کے پانچ فرقے ہوگئے ہیں۔ اور ان میں ہر ایک فرقے نے دوسرے کی تکفیر کی ہے

(الف) اخنسیہ رفقائے مفجر سے۔ یہ اخنس بن قیس کے متبع ہیں۔ اور عقائد میں ثعالبہ کے موافق مگر کئی ایک باتوں میں اُن سے خلاف کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی ایسے شہر میں رہے جہاں بوجہ خوف کفار کے اپنے دین اسلام کو ظاہر نہ کرسکے۔ تو وہ مومن نہیں۔ بلکہ کفر و ایمان میں متوقف سمجھا جائیگا۔ اور انکا قول یہ ہے کہ ہم متوقف ہیں۔ اُن سب لوگوں میں جو دار تقیہ میں رہتے ہیں۔ مگر جسکو ہم مومن پہچانینگے۔ اُسکو دوست رکھینگے۔ اور جس سے کفر کو دیکھینگے اس سے بیزار ہونگے ہم کو جائز نہیں۔ کہ ہم کسی اپنے مخالف سے ابتدا قتال کریں۔ اور اسکا مال چرائیں۔ اور مومن عورت کا نکاح اُنکے ہم قوم مشرک کے

ساتھ انکی رائے میں جائز ہے۔

(ب) معبدیہ۔ یہ معبد بن عبد الرحمن کے اصحاب ہیں۔ انکے نزدیک مومن عورت کا نکاح ہم قوم مشرک مرد کے ساتھ ناجائز ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ نہ غلام سے زکوۃ لینا چاہیئے۔ اور نہ اُسکو دینا چاہیئے۔

(ج) رشیدیہ۔ رشید طوسی کے یار ہیں۔ انکو عُشریہ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ ثعالبہ نے کہا کہ جس زراعت کو نہر اور کول وغیرہ سے پانی لگے۔ اُسکا حاصل نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لینا چاہیئے۔ مگر زیاد بن عبد الرحمن نے اُن سے کہا نہیں بلکہ اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے۔ مگر جو شخص یہ کہے کہ بیسواں حصہ لو۔ تو اس سے بھی بیزاری ضرور نہیں۔ اسپر رشید نے کہا کہ جب یہ ٹھیرا۔ کہ ایسے شخص سے بیزاری ضرور نہیں۔ تو ہم اُسی کے مطابق عمل کرینگے جیسا کہ انہوں نے کہا۔ پس اس کام میں دو فرقے بن گئے۔

(د) شیبانیہ۔ شرح مواقف میں میر سید شریف نے اور تعریفات میں شیخ ابو نصر نے کہا ہے۔ کہ یہ لوگ شیبان بن سلمہ کے متبع ہیں۔ غنیۃ الاکوان اور الخطط والآثار میں لکھا ہے کہ اس نے ایام ابو مسلم خراسانی میں خروج کیا تھا۔ ابو مسلم لوگوں کو حلقۂ اطاعت خلفائے عباسیہ میں لاتا تھا۔ یہ اسکی اور علی بن کرمانی کی مدد اور معاونت بمقابلہ نصر بن سیار کے کرتا۔ اس لئے ثعالبہ اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ جب شیبان مارا گیا۔ تو بعض لوگ کہنے لگے کہ اس نے توبہ کر لی تھی۔ ثعالبہ نے جواب دیا کہ اُسکی توبہ نامقبول ہے۔ کہ اس نے ہمارے موافقین فی المذاہب کو قتل کیا۔ اور ان کا مال و اسباب چھین لیا۔ اور توبہ قتل مسلمان کے بعد مقبول نہیں۔ جب تک قصاص جاری نہوا اور مال نہ پھیرا جائے یا اُسکو بخشا نہ جائے۔ سب سے پہلے اسی نے تشبیہ کا قول ظاہر کیا۔ اور اسکا اعتقاد یہ ہے کہ بندے کو کچھ اختیار نہیں اُسکے سارے افعال اللہ تعالے کے مخلوق ہیں۔

یاد رکھو کہ جب ضحاک خارجی کا جانشین ابن خیبری جسکا بیان آگے آتا ہے

مارا گیا۔ تو خوارج نے شیبان حروری کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ابن خلدون نے لکھا
ہے کہ اسکے باپ کا نام عبدالعزیز یشکری تھا۔ ابوالدلف اسکی کنیت تھی مروان
کی فوجوں سے اسکی ایک مدت تک لڑائی جاری رہی۔ اکثر خوارج شیبان کی
ہمراہی سے علیحدہ ہو کے اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے گئے۔ شیبان بقیہ
خوارج کو بایمائے سلیمان بن ہشام موصل کیطرف لیکے گیا۔ وہاں سے شکستیں کھاکے
خراسان کو چلا گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ ابو مسلم نے علانیہ خراسان میں خلافت عباسیہ
کا اظہار کر دیا تھا۔ نصر بن سیار اور علی بن جدیع کرمانی بن علی اور حرث بن شریح
میں باہم نزاع ہو رہی تھی۔ شیبان نے بھی ابن کرمانی سے جنگ نصر پر ساز
کر لیا۔ نصر نے شیبان کے پاس کہلا بھیجا کہ آؤ ہم تم صلح کر کے ابو مسلم سے جنگ
کریں۔ اور اگر یہ منظور نہو۔ تو سردست ہم سے جنگ موقوف کر دو۔ یہانتک کہ
ہم اس سے نپٹ لیں۔ بعد ازاں جو جھگڑا ہمارے اور تمہارے درمیان پڑا ہے
اسکو طے کر لینگے۔ شیبان خارجی ان امور کو منظور کرنے ہیں پس و پیش کر رہا
رہا تھا کہ ابو مسلم کو اس پیام کی اطلاع ہو گئی۔ فوراً ایک خفیہ پیام علی بن کرمانی
کے پاس بھیجدیا کہ دیکھو شیبان خارجی کو نصر سے صلح نکرنے دینا۔ ہم کو معلوم
ہے کہ تم اسکے ساتھ اسکی ہمدردی کی وجہ سے نہیں ہو۔ تم اپنے باپ کا بدلہ لے
رہے ہو۔ اگر صلح ہو جائیگی۔ تو یہ مقصود فوت ہو جائیگا۔ ابن کرمانی اس دم پٹی
میں آکے شیبان خارجی کے پاس گیا۔ اور اسکی ثنا و صفت کر کے نصر سے
صلح نہ کرنے پر آمادہ کر دیا۔ جب ابو مسلم نے ہرات پر قبضہ کر الیا۔ یحییٰ بن نعیم
بن ہبیرہ شیبانی یہ سنکے ابن کرمانی اور شیبان کے پاس گیا۔ اور انکو نصر سے
مصالحت کرنے کی ہدایت کی۔ اور یہ فقرہ دیا کہ اگر تم نے نصر سے مصالحت نکی
تو ابو مسلم اس سے مصالحت کر کے تم سے صف آرائی کریگا میرے نزدیک
بہتر یہ ہے کہ نصر ہی کو آگے بڑھا دو۔ شیبان خارجی کے ذہن میں یہ باتیں منقش
ہو گئیں۔ نصر کے پاس صلح کا پیام بھیجدیا۔ نصر تو اسکا منتظر ہی تھا منظور کر لیا

ابومسلم کو اس سے آگاہی ہوگئی تو اُس نے نصر و شیبان میں نفاق پیدا کرنیکی غرض سے کہلا بھیجا کہ تین ماہ کی میعاد بہت ہوتی ہے۔ تم نے نصر سے اتنی بڑی مدت کیوں مقرر کی۔ ابن کرمانی بولا میں نے نصر سے مصالحت نہیں کی مصالحت کی ہے تو شیبان نے کی ہے۔ میں تو اپنے باپ کا عوض لینا چاہتا ہوں شیبان نے اسکا کچھ جواب نہ دیا۔ اور ابن کرمانی نے دوبارہ لڑائی کا دروازہ کھولدیا شیبان خارجی نے یہ کہکے کہ میں بدعہدی نکرونگا اسکا ساتھ نہ دیا۔ بالآخر نصر کو ہزیمت ہوئی۔ اور وہ بھاگ کر نیشاپور کو چلا گیا۔ اور ابومسلم کی حکومت کو خراسان میں ایک گونہ استقلال حاصل ہوگیا۔ اس وقت اُس نے شیبان سے کہلا بھیجا کہ تم خلیفہ سفاح کی خلافت کی بیعت کرلو۔ اگر بیعت کرنا نہیں چاہتے تو یہاں سے کوچ کرجاو۔ شیبان نے یہ سنکے ابن کرمانی سے امداد طلب کی۔ اُس نے انکار کردیا۔ تب شیبان سرخس چلا گیا۔ ایک گروہ بکر بن وائل کا مجتمع ہوگیا۔ ابومسلم کو اسکی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے شیبان کے پاس کہلا بھیجا کہ تم اس فعل سے باز آو۔ شیبان نے قاصدوں کو قید کرلیا۔ ابومسلم نے بسام بن ابراہیم بنی لیث کے آزاد غلام کو جسکی کنیت ابوورد تھی شیبان خارجی پر حملہ کرنیکو لکھ بھیجا غرض بسام اور شیبان میں لڑائی ہوئی۔ شیبان شہر میں بھاگ آیا۔ بسام نے اسکا تعاقب کیا۔ بکر بن وائل نے اُن قاصدوں کو قتل کردیا جنکو ابومسلم نے شیبان کے پاس پیام لیکے بھیجا تھا۔ اور بسام نے شیبان کی زندگی کا خاتمہ کردیا اور بعض کہتے ہیں کہ ابومسلم نے اپنے پاس سے ایک لشکر جنگ شیبان پر بھیجا تھا

(۱۸) بکریہ۔ یہ بکر بن عبد اللہ عجلی کی طرف منسوب ہیں۔ اسکا قول یہ تھا کہ تارک نماز کافر ہے۔ اُسکا کفر سمجھے ترک نماز کے سبب سے نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اللہ سے جاہل ہے۔ اگر وہ جانتا کہ اللہ میرے پوشیدہ اور علانیہ حالات سے مطلع ہے اور طاعت اسکی بہتر ہے۔ اور نافرمانی بری ہے۔ تو وہ کبھی نماز کو ترک نکرتا۔ یہی قول اُسکا تمام کبائر میں تھا یعنی مرتکب انکا اللہ سے جاہل ہونے

کی وجہ سے کافر ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی دشمنی اور دوستی اُسکے بندوں کے ساتھ وقت موت کے معتبر ہے پس جو شخص مرتے وقت مومن مرا وہ اللہ کا دوست ہے اور جو کافر مرا وہ دشمن ہے۔ اور اُن اعمال کا اعتبار نہیں جو موت سے قبل کئے جائیں۔ اسلئے کہ دوامی طور پر اُنکا وثوق نہیں کیونکہ کبھی آدمی سے ادا ہوتے ہیں۔ اور کبھی فوت بھی ہو جاتے ہیں۔ کہتا تھا یہی حال ہماری دوستی اور دشمنی کا ہے۔ پس جو شخص مرتے وقت مومن دنیا سے گذرا وہ دوست ہے اور جو کافر اُٹھا وہ دشمن ہے۔

آٹھویں ضحاکیہ الخطط والاثار میں مُقریزی نے اس فرقے کو سب فرقوں سے علاحدہ مانا ہے۔ بہرصورت یہ فرقہ ضحاک بن قیس خارجی کا پیرو ہے اس نے مروان بن محمد کے زمانے میں کوفے میں خروج کیا تھا۔ اور اپنا لقب امیر المومنین رکھا تھا۔ اور کوفے پر قابض ہو گیا تھا۔

مجالس المومنین میں مذکور ہے۔ کہ جب اس ضحاک نے لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دینا شروع کی۔ تو مومن الطاق ایک دن اُسکے پاس گئے۔ اور کہا میں ایک شخص ہوں۔ اپنے دین سے بخوبی واقفیت رکھتا ہوں میں نے تمہارے عدل و انصاف کی بہت شہرت سنی ہے اسلئے میں چاہتا ہوں کہ تمہاری صحبت میں رہا کروں۔ ضحاک اس بات سے خوش ہوا۔ پھر مومن الطاق نے اُس سے کہا کہ تم کو حضرت علی سے کیوں بغض ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ انہوں نے دین میں ثالث کا تقرر قبول کیا۔ اور جو شخص دین الٰہی میں ثالثی جائز رکھے اُس سے دشمنی رکھنا۔ اور جنگ کرنا حلال ہے۔ مومن الطاق نے کہا کہ تم مجھے اپنے دین کے اصول سے آگاہ کرو۔ تاکہ میں تمہارے ساتھ مناظرہ کروں۔ اور جب تمہاری حجت مجھ پر غالب آجائے۔ تو میں تمہاری اتباع اختیار کروں۔ اور مناسب یہ ہے۔ کہ صواب و خطا کے امتیاز کے لئے دونوں طرف سے ایک آدمی ثالث مقرر ہونا چاہئے۔ جو یہ بات بتائے کہ یہ شخص مصیب ہے یہ مخطی ہے

ضحاک نے اپنے یاروں میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہہ شخص علم و فضل میں پایہ رکھتا ہے۔ یہ دونوں کے درمیان میں ثالث ہے مومن الطاق نے کہا کہ تم اس شخص کو اس دین میں جس میں تم سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں ثالث مقرر کرتے ہو۔ ضحاک نے کہا۔ ہاں مومن الطاق نے اُسکے متبعوں سے کہا کہ تمہارے سردار نے دین الٰہی میں ثالث مقرر کیا تم جانو صحاب ضحاک نے یہ بات سنتے ہی اتنا مارا کہ وہ مرگیا انتہی۔ یہ بیان قاضی نور اللہ صاحب کا صحیح نہیں تحقیق یہ ہے کہ ضحاک خارجی امام ابوحنیفہ کے پاس آیا۔ اور تلوار دکھا کر کہا۔ کہ توبہ کرو۔ انہوں نے پوچھا کس بات سے ضحاک نے کہا تمہارا عقیدہ ہے۔ کہ حضرت علی نے معاویہ کے معاملہ میں ثالثی مان لی تھی حالانکہ جب وہ حق پر تھے۔ تو ثالثی ماننے کے کیا معنی امام صاحب نے کہا کہ اگر میرا قتل مقصود ہے۔ تو اور بات ہے۔ ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے۔ تو مجھ کو تقریر کی اجازت دو ضحاک نے کہا۔ کہ میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے کہا کہ اگر بحث آپس میں نہ طے ہو تو کیا علاج۔ ضحاک نے کہا کہ ہم دونوں ایک شخص کو منصف قرار دیں چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتخاب کیا گیا۔ کہ دونوں فریق کی صحت غلطی کا تصفیہ کرے امام صاحب نے فرمایا۔ کہ یہی تو حضرت علی نے بھی کیا تھا پھر انپر الزام کیا۔ ضحاک دم بخود ہوگیا اور چپکا اُٹھ کر چلا گیا[۱]۔

تاریخ کامل و ابن خلدون وغیرہ میں لکھا ہے۔ کہ ۱۲۷ھ میں ضحاک بن قیس شیبانی نے کہ بنی بکر بن وائل کے خاندان سے تھا مروان حمار پر خروج کیا۔ اور عراق کی طرف بڑھا سبب اسکا یہ تھا کہ جب ولید بن یزید بن عبدالملک مارا گیا۔ تو مقام حروراء میں ایک خارجی نے خروج کیا جسکا نام سعید بن بہدل شیبانی تھا۔ اور اس نے سنا کہ عراق کی رعایا میں بڑا اختلاف اور شورش

---

[۱] سیرۃ النعمان ۱۲

ہے۔ تو عراق کی تسخیر کے ارادے سے اُدھر چلا۔ اور راستے میں مر گیا۔ اور اس نے ضحاک کو اپنا قائمقام کردیا۔ یہ بھی حروراء کا باشندہ تھا۔ تمام شراۃ نے اُس سے بیعت کرلی۔ اور ضحاک شہر موصل کو گیا۔ پھر یہاں سے شہرزور میں آیا۔ جو فرقہ صفریہ کے فسادات کا مرکز ہورہا تھا۔ تو اس نے یہاں فتوحات حاصل کرنیکا ارادہ کیا۔ چار ہزار یا اس سے کچھ زیادہ آدمی صفریہ میں سے اسکے پاس مجتمع ہوگئے۔ جب ضحاک نے یہ سنا کہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز اور نضر بن سعید حریشی میں لڑائی ہورہی ہے۔ تو عراق کا رخ کیا۔ عبداللہ اور نضر نے خط وکتابت کرکے ضحاک سے مقابلہ کرنے کے لئے سازش کرلی۔ اور دونوں نے متفق ہوکے کوفے میں لشکر مرتب کیا۔ ضحاک نے قریب کوفہ پہنچ کے نخیلہ میں پڑاو کیا۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز اور نضر مقابلے پر آئے۔ لڑائی شروع ہوئی۔ صبح سے عصر کے وقت تک شدت سے لڑائی ہوتی رہی۔ قریب مغرب عبداللہ اور نضر کو ہزیمت ہوئی۔ خوارج نے انکے مورچے تک انکا تعاقب کیا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی پھر لڑائی چھڑ گئی۔ اور یہی واقعہ پیش آیا۔ تیسرے دن کی لڑائی میں اکثر سرداران لشکر میدان جنگ سے منہ چھپاکے بھاگ گئے۔ ازانجملہ نضر بن سعید حریشی منصور بن جمہور اور اسماعیل برادر خالد قسری وغیرہ تھے۔ مجبور ہوکے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز واسط میں وارد ہوا۔ نضر سے لڑائی چھڑ گئی۔ ضحاک یہ خبر پاکر دوڑ پڑا۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز اور نضر نے گھبراکے موافقت کرلی منصور بن جمہور اپنے گروہ سے علٰحدہ ہوکے ضحاک وخوارج سے آملا۔ اور اسکی بیعت کرلی۔ بعد ازاں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز بھی خوارج میں چلا آیا ضحاک کے پیچھے نماز ادا کی۔ اور اُسکے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اسکے ساتھ سلیمان بن ہشام بھی تھا۔ یہ مصالحت اس غرض سے کیگئی تھی۔ کہ خوارج اُسکو چھوڑ کے مروان سے مصروف بجنگ ہوجائیں۔ چنانچہ سلیمان نے ضحاک کو جنگ مروان پر اُبھارا۔ اور شیبان حروری کی بہن سے عقد کرلیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ضحاک نضر

پر محاصرہ ڈالے تھا مصالحت کرنیکے بعد ضحاک کوفے میں واپس آیا۔ اور اہل موصل سے سازش کر کے موصل کیطرف بڑھا۔ ان دنوں موصل میں مروان کی جانب سے قطران بن اکمہ شیبانی والی شہر تھا اہل شہر نے شہر پناہ کے دروازے کھولدیئے ضحاک گھس پڑا قطران مع اپنے ہمراہیوں کے مقابلے پر آیا لڑائی ہوئی آدمی قلیل تھے سب کے سب مارے گئے ضحاک نے موصل اور اسکے مضافات پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ کی خبر مروان کو اس وقت پہنچی جبکہ وہ حمص کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ اپنے بیٹے عبداللہ کو نصیبین کی جانب روانہ ہونے کو لکھ بھیجا تاکہ ضحاک کو جزیرے کے مابین حائل ہونے سے روکدے چنانچہ عبداللہ آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت سے نصیبین کی جانب روانہ ہوا۔ اور ضحاک کے پہنچنے سے پہلے نصیبین میں پہنچ گیا ضحاک نے آ کر محاصرہ ڈالدیا اسوقت اسکے ہمراہ ایک لاکھ فوج تھی مروان تک یہ خبر پہنچی۔ تو وہ نصیبین کے بچانے کی غرض سے ضحاک کی طرف روانہ ہوا۔ اطراف کفر توثا میں ضحاک سے صبح سے شام تک جنگ ہوا کی۔ بعد مغرب کے ضحاک نے چھ ہزار کی جمعیت سے پیادہ پا ہوگئے میدان جنگ کا راستہ لیا۔ اور اس بے جگری سے لڑے کہ قریب عشاء کے سب کے سب مارے گئے ضحاک کی نعش مقتولین میں چھپ گئی۔ بہت تلاش کے بعد دستیاب ہوئی ضحاک کے مارے جانے کے بعد اسکے اصحاب نے ابن خیبری سے جو ضحاک کے لشکر کا ایک سپہ سالار تھا بیعت کر لی۔ اور مروان کے ساتھ میدان جنگ میں مصروف جدال وقتال ہوگئے۔ قریب دوپہر کے مروان شکست کھا کے بھاگ کھڑا ہوا خوارج نے اسکے خیمے تک پہنچ کے خیمے کی طنابیں کاٹ دیں خیبری اسکے فرش پر بیٹھ گیا۔ اسکے دونوں بازوؤں کا لشکر بدستور لڑ رہے تھے۔ لشکر مروان نے خیبری کے ساتھ جمعیت کم دیکھکر مروان کے خیمہ گاہ میں انکا محاصرہ کر لیا۔ لشکریوں کے غلام اور اہل خدمت خیموں کی چوبیں لیکے جٹ گئے۔ اور سبھوں کو بات کی بات میں قتل کر دیا۔ انہیں لوگوں میں ابن

خیبری بھی تھا۔ باقی جو ہے وہ بھاگ کھڑے ہوئے مروان اس خوشخبری کو سنکے تقریباً چھ میل سے اپنے لشکرگاہ میں واپس آیا۔ خوارج نے لوٹ کے شیبان حروری کے ہاتھ پر بیعت کر لی جسکے فرقہ شیبانیہ کا حال ثعالبہ کے ضمن میں مذکور ہو چکا۔

نومین شبیبیہ۔ یہ فرقہ منسوب ہے طرف شبیب خارجی بن یزید بن نعیم شیبانی کے یہ شخص صالح بن مسرح کے ہمراہ رہتا تھا جو فرقہ صفریہ کا ایک سرغنہ تھا جب مقام موصل و صرصر کے درمیان صالح مارا گیا۔ تو خوارج نے شبیب کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خود صالح نے وفات کے وقت شبیب کیلئے وصیت کر دی تھی۔ یہ شخص نہایت شجاع تھا عراق میں اس وقت حجاج بن یوسف ثقفی حکمران تھا اُس نے حرث بن عمیرہ بن الشعار کو اُس سے جنگ کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ جسکے مقابلہ میں صالح مارا گیا تھا۔ مگر شبیب حرث کو شکست دیکر اُسکا مال و اسباب لوٹتا ہوا موصل کی جانب چلا گیا۔ اور ملک موصل میں پہنچ کے سلامہ بن سنان تمیمی سے ملاقات کی۔ اور اُسکو خروج کرنے پر ابھارا اُس نے یہ شرط لگائی کہ تیس سواروں کو منتخب کر کے میرے ہمراہ بنو غزہ پر حملہ آور ہو۔ اور اُن سے میرے بھائی کے خون کا بدلہ لو۔ شبیب نے یہ شرط منظور کر لی۔ بنو غزہ پر چڑھ گیا۔ اور نہایت سختی و بیرحمی سے یکے بعد دیگرے اکثر بنو غزہ کو قتل کیا۔ بعد ازاں ستر آدمیوں کے ساتھ داران پہنچا۔ بنو شیبان کا ایک گروہ جو تعداد میں تین ہزار کا تھا بھاگ کھڑا ہوا۔ اور انکو مطیع کر کے انہی میں سے ایک منتخب گروہ کے ساتھ آذربیجان کا قصد کیا۔ حجاج کے حکم سے سفیان بن ابی العالیہ شبیب کی جنگ کے لئے آیا۔ مقام خانقین میں مڈبھیڑ ہو گئی۔ اور سفیان شکست پاکر بھاگ گیا۔ شبیب مدائن ہوتا ہوا نہروان پہنچا۔ اور اپنے ہمراہیوں کے حق میں دعا خیر کر کے قیام کر دیا۔ سورہ بن الحر نے اس مقام پر شبیب پر شبخون مارا۔ لیکن شبیب کے ہمراہیوں کے ہوشیار رہنے کی وجہ سے

اپنے ارادے میں کامیاب نہوا۔ اور خود ہزیمت اُٹھا کے مدائن کی جانب بھاگا
شبیب نے تعاقب کیا۔ مگر شبیب مدائن کو فتح نہ کرسکا۔ تکریت کو چلا گیا۔ اس ناکامی کے
بعد حجاج نے عثمان بن سعید بن شرجیل کندی ملقب بہ جنزل کو چار ہزار فوج کے
ساتھ جنگ شبیب پر روانہ کیا۔ شبیب کے دل میں جنزل کی جوانمردی جنگ
آوری اور مردانگی سے خوف پیدا ہوا۔ ایک مقام سے دوسرے مقام پر بلا ترتیب
لشکر بھاگتا پھرتا تھا۔ اسکے ہمراہیوں کی تعداد ایک سو ساٹھ سے زیادہ نہ تھی
پھر حجاج نے سعید بن مجالد کو لشکر جنزل کا امیر مقرر کرکے روانہ کردیا۔ سعید
نے قطیطیا میں شبیب سے لڑائی کی سعید مارا گیا۔ اور اسکی سپاہ بھاگ نکلی۔ مگر
جنزل نے اپنے پرزور حملوں سے شبیب کو پسپا کردیا۔ شبیب اس ہزیمت کے
بعد کرخ چلا گیا۔ اور بقصد بازار بغداد دجلہ عبور کیا۔ اور امن حاصل کرکے بازار
بغداد میں گیا۔ اور جن جن چیزوں کی ضرورت تھی۔ انکو خرید کے کوفے کی جانب
روانہ ہوگیا۔ حجاج نے یہ سنکے سوید بن عبدالرحمن سعدی کو دو ہزار کی جمعیت
سے شبیب کے مقابلے پر مامور کیا۔ شبیب نے کوفے کو چھوڑ کے حیرہ کا راستہ اختیار
کرلیا۔ شبیب دوسرے مقامات کو ہو کے پھر کوفے کو لوٹا۔ حجاج بھی دو منزلیاں
کرتا ہوا کوفہ پہنچ گیا۔ اور شبیب بھی بازار کوفہ میں داخل ہوگیا۔ اور اسی وقت
خوارج نے مسجد اعظم پر حملہ کردیا۔ چند صالحین کو بحالت نماز قتل کیا۔ اور پھر
شور و غل مچاتے ہوئے مسجد بنی ذہل میں پہنچے۔ اور ذہل بن حرث کو نماز پڑھنے
کی حالت میں قتل کرکے کوفے سے نکل کھڑے ہوئے اتفاق سے نضر بن قعقاع
ذہلی آگیا۔ جب اس نے شبیب کو دیکھا۔ تو بے ساختہ بول اُٹھا السلام علیک
یا ایہا الامیر شبیب نے کہا تجھ پر تف ہو امیر المومنین کیوں نہیں کہتا۔ نضر نے کہا
بہتر یہی کہونگا۔ پھر شبیب اس وجہ سے کہ نضر کی ماں ناجیہ ہانی بن قبیصہ شیبانی
کی بیٹی تھی۔ اپنے مذہب کی تعلیم دینے کے قصد سے مخاطب ہو کے بولا۔ اے
نضر لا حکم الا اللہ نضر یہ سمجھ کے کہ یہ خارجی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا

اٹھا، شبیب کے ہمراہی یہ سنتے ہی اُس پر ٹوٹ پڑے اور بات کی بات میں قتل
کر ڈالا، شبیب نے قادسیہ کی راہ اختیار کی۔ حجاج نے یہ خبر پاکر اپنے سر برآوردہ
اور چنے ہوئے سواروں سے ایک ہزار آٹھ سو آدمیوں کو منتخب کرکے زحر بن
قیس کی ماتحتی میں شبیب کے تعاقب پر روانہ کیا، شبیب نے ایک مقام پر انکو
شکست دی۔ زحر زخمی ہوکر کوفہ کو چلا گیا۔ زحر کی ہزیمت کے بعد شبیب نے
کوفے کا قصد کیا۔ حجاج نے یہ سنکے لشکر کوفہ کو بقصد جنگ روانہ کیا، شبیب کے
ہاتھ سے تمام افسران لشکر کوفہ نے ہزیمت پائی۔ اور موسیٰ بن محمد بن طلحہ مارا
گیا، شبیب کے ہمراہیوں نے کوفہ پر قبضہ کرنیکی رائے دی لیکن شبیب نے کسی مصلحت
سے کوفے کا رخ نکیا، اور وہاں سے روانہ ہوکر خانیجار میں جا اُترا۔ حجاج نے چھ
ہزار سپاہ کوفہ کے ساتھ عثمان بن قطن کو شبیب کی لڑائی پر روانہ کیا، عثمان کو
ایک طرف سے شبیب نے اور دوسری جانب سے اسکے سردار سوید بن سلیم نے گھیر کر
قتل کر ڈالا۔ لشکر بھاگ کھڑا ہوا، شبیب نے قتل وغارت سے ہاتھ اُٹھا کے بیعت
کی دعوت دی، لشکریوں نے بیعت کرلی، اور آٹھ سو آدمیوں کی جمعیت سے
مدائن کا قصد کیا، اہل کوفہ اسکے مقابلے سے جی چھپاتے تھے۔ اس وجہ سے کہ اُس
نے اُنکے لشکر کو پیہم ہزیمت دی تھی، اور اُنکے اکثر امراکو قتل کر ڈالا تھا۔ اب
حجاج نے عبدالملک سے بھی مدد مانگی۔ جس نے دو ہزار فوج روانہ کی۔ اور حجاج
نے عتاب کو لشکر کی سرداری پر مقرر کرکے شبیب سے جنگ کے لئے روانہ کیا
اس وقت عتاب کے ساتھ پچاس ہزار سپاہ تھی، شبیب اسکی آمد کی خبر سنکے
ایک ہزار کی جمعیت سے ساباط میں آگیا، نماز ظہر ادا کی، بعد ازاں اپنے لشکر
کو مرتب کرکے مغرب کے وقت عتاب کے لشکرگاہ کے قریب آپہنچا، چار سو
آدمی اُسکے ہمراہیوں میں سے اس سفر میں اُس سے علیحدہ ہوکے بیٹھ
رہے تھے۔ بقیہ چھ سو کے ساتھ نماز مغرب پڑھکے لشکر مرتب کیا، دو سو آدمیوں کی
جمعیت سے سوید بن سلیم کو میسرہ میں رکھا، اور اسی قدر فوج کو میمنہ میں محلل

بن وائل کی ماتحتی میں متعین کیا۔ بلہ رخود دو سو کی جمعیت سے قلب میں رہا
عتاب مارا گیا۔ اسکے مارے جانے کے بعد اسکے لشکری بھاگنے لگے۔ فتح مند گروہ
اپنی تلواروں سے انکی جان و تن کا فیصلہ کر رہا تھا۔ شبیب نے یہ حالت دیکھ
قتل و غارت کی ممانعت کر دی۔ لوگوں سے بیعت کرنے کو کہا۔ سبھوں نے بیعت
کر لی۔ شب آئی تو موقع پا کے بھاگ گئے۔ خاتمہ جنگ کے بعد شبیب کا بھائی
مصاد مداین سے آگیا۔ دو روز تک میدان معرکہ میں ٹھیرا رہا۔ تیسرے روز
کوفے کی طرف کوچ کر دیا۔ اس اثنا میں سفیان بن ابرد کلبی مع لشکر شام کے
حجاج سے آملا۔ شبیب نے قریب کوفہ پہنچ کے حمام اعین میں پڑاو کیا۔ حجاج
نے حرث بن معاویہ ثقفی کو ایک ہزار جنگی پولیس کے ساتھ مقابلے کی غرض
سے بھیجا۔ شبیب نے یہ خبر پا کے نہایت تیزی سے حملہ کر کے حرث کو مار ڈالا
پھر حجاج کے دو آزاد غلام یکے بعد دیگرے مقابلے کو آئے اور مارے گئے۔ حجاج
جھلا کر اہل شام کو ساتھ لیکر خود بقصد جنگ اوٹھ کھڑا ہوا۔ اور اہل شام کے
استقلال و ثابت قدمی سے شبیب کو ہزیمت ہوئی۔ مصاد برادر شبیب اور
اسکی بیوی غزالہ مارے گئی۔ حجاج نے حبیب بن عبدالرحمن حکمی کو تین ہزار
سواروں کی جمعیت سے شبیب کے تعاقب پر روانہ کیا۔ حبیب حجاج سے رخصت
ہو کے انبار پہنچا۔ تو معلوم ہوا کہ شبیب اسی گرد و نواح میں ہے۔ اس وقت
اسکے اکثر ہمراہی اس سے جدا ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے کہ حجاج نے عام طور
سے امان دینے کا اعلان کر دیا تھا۔ اتفاق سے بوقت غروب آفتاب حبیب
کے لشکر کے پاس آ پہنچا۔ اور پہنچنے کے ساتھ ہی لڑائی کا بازار گرم کر دیا۔ یکے
بعد دیگرے گروہ سے لڑنے لگا۔ رات کا وقت اور لڑائی کا یہ عالم تھا۔ کہ جو
جہاں تھا وہیں پر کوہ کی طرح استقلال کے ساتھ کھڑا لڑ رہا تھا۔ لڑتے لڑتے
ہاتھ شل ہو گئے مجبور ہو کے فریقین نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ خود بخود لڑنے
والوں کے ہاتھ لڑنے سے رک گئے تیس آدمی شبیب کے اور ایک سو آدمی لشکر

شام کے معرکۂ کارزار میں کام آئے۔ شبیب نے مع اپنے بقیہ ہمراہیوں کے دجلے کو عبور کرکے اہواز و فارس کا راستہ اختیار کیا تاکہ کرمان میں پہنچ کے چندے جنگ و گردش زمانہ سے آرام حاصل کرے۔ شبیب نے کرمان میں چندے آرام کرنے کے بعد بہ قصد جنگ مراجعت کی اہواز میں سفیان بن ابرد کلبی سے جو عبدالملک کے حکم سے لشکر شام کے ساتھ حجاج کی مدد کو آیا تھا مڈبھیڑ ہوگئی۔ شبیب نے پل کے ذریعہ سے دجلے کو عبور کیا۔ اور اپنے ہمراہیوں کو تین گروہ پر منقسم کرکے پیہم تین حملے کئے۔ لیکن سفیان اور لشکر شام نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے اور موقع پاکے خود بھی حملہ کر دیتے تھے۔ بالآخر خوارج نے گھبرا کے بہ قصد عبور پل کا رخ کیا۔ شبیب ایک سو کی جمعیت سے میدان جنگ میں گھیرا ہوا لڑتا رہا جب شام ہوگئی۔ اور رات نے اپنے سیاہ دامان سے آفتاب عالمتاب کو چھپا لیا۔ تو شبیب اور اسکے حریف خود بخود جنگ سے دستکش ہوگئے شبیب نے اس موقع کو غنیمت سے شمار کرکے مراجعت کی پل کی طرف آیا۔ اس کے ہمراہی آگے آگے تھے۔ اور یہ سب کے پیچھے آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا گھوڑے پر سوار تھا۔ پل کو عبور کرنے لگا۔ ایک گھوڑی آگے آگے جا رہی تھی گھوڑا اسکا اس گھوڑی کی وجہ سے بگڑا اور یہ اسکی پشت سے علیحدہ ہوکر دریا میں گر پڑا اس وقت اسکے منہ سے یہ کلام نکلا لیقضی اللہ امراً کان مفعولا " اور غوطہ کھایا جب پانی کی سطح پر آیا تو کہا ذالک تقدیر العزیز العلیم اور غرق ہوگیا۔ لاش اسکی پانی سے نکالکر سفیان کے پاس لے گئے۔ چاک کرا کر دل نکالا۔ تو مثل سنگ کے سخت نکلا جب اسکی ماں سے بیان کیا کہ شبیب مارا گیا تو اس نے یقین نہ کیا جب کہا کہ وہ ڈوب گیا ہے۔ تو اس بات کا یقین کر لیا۔ کہنے لگی کہ جب وہ پیدا ہوا تھا تو میں نے دیکھا تھا۔ کہ میرے شکم سے آگ کا شعلہ نکل رہا ہے۔ سمجھ گئی کہ اسے کوئی چیز نہیں بجھا سکتی

سوائے بانی کے یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے۔

خطط مقریزی اور بغیۃ الاکوان اور کشف الغمہ عن افتراق الامہ میں لکھا ہے۔ کہ شبیب کا فرقہ انہیں فرقہائے خوارج کے ساتھ عقائد میں موافق ہے لیکن اُن سے اس بات میں متفرد ہے کہ عورت کی امامت وخلافت کو جائز بتاتا تھا۔ اس شبیب نے اپنی ماں غزالہ نام کو اپنا خلیفہ کیا تھا۔ اُس نے کوفے میں داخل ہو کر خطبے پڑھا اور نماز صبح مسجد جامع میں جا کر ادا کی پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران پڑھی۔ مگر مجھے اس کلام میں نظر ہے۔ اسلئے کہ یہ قول کتب تواریخ کے خلاف ہے صحیح یہ ہے کہ غزالہ شبیب کی منکوحہ تھی۔ اور اُس نے جامع مسجد کوفہ میں دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر کی تھی جس میں سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھتی۔ جب شبیب نے کوفہ کے قریب پہنچ کے حمام اعین میں پڑاؤ کیا۔ اور یہاں حرث بن معاویہ ثقفی کو شکست دیکر حمام اعین سے بھی کوچ کر کے کوفہ کے قریب مقام سبخہ میں چلا آیا۔ تو شبیب شب کے وقت کوفے میں داخل ہوا۔ اور اُسکی زوجہ نے ایفائے نذر کی۔ بعد ازاں شبیب کا اہل کوفہ سے مجادلہ ہوا۔

فائدہ۔ صحاری بن شبیب بن یزید نے بھی اطراف جبل میں خروج کیا تھا۔ اور خروج سے قبل یہ شخص خالد قسری کے پاس آیا تھا۔ فریضہ کا سوال کیا۔ خالد نے جواب دیا تم کو اس سے کیا حاصل ہے۔ صحاری یہہ جواب پاکے جبل کی طرف چلا گیا۔ خالد کو اپنے اس جواب دینے سے ندامت ہوئی تلاش کرایا دستیاب نہوا صحاری نے جبل میں پہنچ کے جہاں پر چند لوگ تیم اللات بن ثعلبہ کے خاندان کے تھے۔ انکو اس واقعہ سے مطلع کیا اور یہ ظاہر کیا کہ میں نے خالد کے پاس جانیکا یہ حیلہ نکالا تھا تاکہ فلاں شخص جو تعدۂ صفریہ سے تھا اُسکے بدلے میں اسکو مارڈالوں۔ خالد نے اس شخص کو ظلماً مارڈالا تھا۔ تیم اللات کے تیس آدمیوں نے اس کے ساتھ خروج کیا۔ الطاف

منادر میں مقابلہ ہوا فریقین نے سختی سے ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ بالآخر صحابی اور اُسکے کل ہمراہی مار ڈالے گئے۔

دسویں کوزیہ۔ اس فرقے کے خوارج طہارت میں مبالغہ کرتے ہیں کہتے ہیں کہ بدن کی مالش غسل کے وقت فرض ہے (مستفاد از بحر المذاہب و مویدالافاضل وغیرہ)

گیارہویں کنزیہ۔ یہ لوگ مال جمع کرتے ہیں۔ زکوۃ کی فرضیت کے منکر ہیں (منقول از تذکرۃ المذاہب و مویدالافاضل و بحر المذاہب وغیرہ)

بارہویں شمراخیہ۔ یہ فرقہ عبداللہ بن شمراخ کی طرف منسوب ہے اُس کے نزدیک ماں باپ کا مار ڈالنا حلال ہے۔ جب اُس نے یہ حکم دیا دار التقیہ میں رہتا تھا اُسکے اس حکم سے خوارج بیزار ہوگئے۔ اور اس فرقے کے نزدیک وطی بلا نکاح حلال ہے (منقول از غنیۃ الطالبین بحر المذاہب و مویدالافاضل) توضیح المذاہب میں لکھا ہے۔ کہ شمراخیہ صوفیان مبطل میں سے بھی ایک گروہ کا نام ہے۔

تیرہویں بدعیہ۔ یہ فرقہ تمام مقالات میں ازارقہ کے موافق ہے مگر اس بات میں متفرد ہے کہ نماز میں صرف دو رکعت فجر کو پڑھنا چاہئے۔ اور دو رکعت رات کو۔ اور اس قول پر استدلال اس آیت سے کرتے ہیں اقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل ان الحسنٰت یذھبن السیأٰت یعنی دن کے دونوں طرف اور رات کی ساعتوں میں نماز پڑھا کرو۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ کم سے کم نماز کی دو گھڑیاں اور وقت اُسکا دن کے ان دونوں طرفوں میں مذکور ہے۔ جو شب کے نزدیک ہیں۔ اور یہ فرقہ ازارقہ کے ساتھ اس بات پر متفق ہے کہ جب کفار پر فتح حاصل ہو تو اُنکی عورتوں کو قید کر لینا۔ اور اُنکے اطفال کو مار ڈالنا چاہئے۔ اور اپنے اس قول پر استدلال اس آیت سے کرتے ہیں رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا

اے رب زمین پر کافروں کا ایک گھر بسنے والا نہ چھوڑنا[1]

تتمہ

الخطط والآثار میں خوارج کے فرقوں کے یہ نام اور لکھے ہیں **اصومیہ** یہ یحییٰ بن اصوم کے متبع ہیں **یعقوبیہ** یہ یعقوب بن علی کوفی کے اصحاب ہیں **فضلیہ** یہ فضل بن عبداللہ کے پیرو ہیں۔

فرقۂ مُرجیَہ

مرجیہ لفظ ارجا سے نکلا ہے جو مشتق ہے رجا بمعنی امید سے اسلئے کہ مرجیہ کو یہ امید ہے کہ اہل معاصی کو اللہ ثواب دیگا اسی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت ضرر نہیں کرتی ہے جس طرح کہ ہمراہ کفر کے کوئی طاعت نفع نہیں دیتی ہے یا یہ لفظ مشتق ہے ارجاء بمعنی تاخیر سے اسلئے کہ انہوں نے حکم اصحاب کبائر کو آخرت تک مؤخر رکھا ہے۔ پس دنیا میں صاحب کبیرہ پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا کہ دوزخی ہے یا جنتی ہے۔ اس صورت میں مرجیہ وعیدیہ کی ضد ٹھیرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ارجاء بمعنی تاخیر سے مرجیہ اسلئے بنا ہے کہ وہ حضرت علی کی تاخیر درجۂ اول سے درجہ چہارم پر کرتے ہیں اس صورت میں مرجیہ شیعہ کے مقابل ٹھیرینگے۔ اور اہل سنت وجماعت بھی اس میں داخل ہوجائینگے پہلی صورت میں مرجیہ یائے تحتانی سے ہوگا۔ اور دوسری صورت میں ہمزہ کے ساتھ مرجئۃ اور اس شخص کو جو اس مذہب پر ہو مُرجیِ بغیر ہمزہ اور کبھی مُرجیئ ہمزہ کے ساتھ بروزن مُرجِعیِ کہتے ہیں مستفاد از منتہی الارب فی لغات العرب لسان العرب کی فصل را حرف ہمزہ میں لکھا ہے کہ ارجاء تاخیر کے معنی میں ہے اور اسکے آخر میں ہمزہ ہے۔ اسی سے مرجئۃ فرقے کا نام بنا ہے۔ جو اس مذہب پر ہو عرب

---

[1] دیکھو ترجمہ فارسی غنیۃ الطالبین از مولوی عبدالحکیم بن شیخ شمس الدین ۱۲

ہیں وہ شخص رجل مرجیٔ بروزن مرجع کہلاتا ہے۔ جب یائے نسبت اس کے آخر میں لگاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں مُرجئی بروزن مُرجعی اور یہ اس صورت میں ہے کہ اس کے آخر میں ہمزہ رکھی جائے۔ اور جب ہمزہ نہ قرار دیجائے تو کہتے ہیں رجل مرج بروزن مُعطٍ اور اس صورت میں مُرجیّہ یائے تحتانی کی تشدید کے ساتھ ہے چنانچہ بعض عرب کہتے ہیں اَرجَیتُ و اَخطَیتُ و تَوضَیتُ پس ہمزہ نہیں دیتے۔ اور ہمزہ نہ دینے کی صورت میں عرب یائے نسبت مرجی کے آخر میں لگا کر مُرجیّ تشدید آخر کے ساتھ کہتے ہیں۔ اور مرجیہ ایک فرقہ ہے مسلمانوں کا انکا قول ہے۔ ایمان قول ہے بلا عمل کے یعنی صرف کلمہ شہادت کے اقرار کا نام ہے۔ گویا انہوں نے کلمہ شہادت کے اقرار کو عمل پر مقدم کیا ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ اگر بندے نہ نماز پڑہیں نہ روزہ رکھیں۔ تب بھی ایمان اُن کو نجات دیدیگا۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ حدیث میں مرجیہ کا ذکر آیا ہے۔ اور وہ ایک فرقہ ہے جسکا یہ اعتقاد ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت ضرر نہیں پہنچا سکتی ہے جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی طاعت نفع نہیں دیسکتی ہے اور وہ مرجیہ اسلئے کہلاتے ہیں۔ کہ اللہ نے اُن سے تعذیب معاصی کو موخر کردیا ہے انتہی۔ حقیقت مرجیہ کی یہ ہے کہ انکو اثبات وعد اور نفی وعید و خوف ہیں مومنین سے غلو ہے۔ اور سارے مرجیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ کسی گناہگار کا کوئی گناہ معاف کردے۔ تو پھر اس پر یہ لازم ہوگا۔ کہ اُس قسم کے گناہ سارے گناہگاروں کے معاف کرے۔ اور جس قسم کے گناہگار دوزخ سے نکالے تو پھر اس پر یہ لازم ہوگا۔ کہ اس قسم کے سارے گناہگاروں کو دوزخ سے نکالے۔ اور مجمع البحرین میں لکھا ہے۔ کہ بعض ماہرین مذاہب نے کہا ہے کہ مرجیہ فرقہ جبریہ ہے جنکا یہ قول ہے کہ بندے کو کسی کام کی قدرت نہیں۔ کسی کام کو اسکی طرف منسوب کرنا اور اسکی قدرت سے سمجھنا بطور مجاز کے ہے۔ حقیقت میں بندے کا کوئی کام نہیں۔ سب کا صانع اللہ ہے۔ اور یہ جو اختیار میں مذکور ہے کہ مرجیہ کا قول ہے

کہ کوئی شخص نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے نہ غسل کرے۔ اور کعبہ کو توڑ ڈالے اور اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے۔ پھر بھی وہ جبرئیل ومیکائیل کے ایمان پر ہے۔ اور کبھی مرجیہ کی تفسیر اشعریہ کے ساتھ کی جاتی ہے انتہی۔ یہ سراسر تعصب ہے۔ مرجیہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا۔ ایک شخص دل سے اگر توحید اور نبوت کا معترف ہے۔ اور فرایض نہیں ادا کرتا۔ تو وہ مواخذے سے بری ہے اور مرجیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ دوزخی جب آگ میں ڈالے جائینگے۔ تو وہاں بلا عذاب کے رہا کرینگے جس طرح مچھلیاں پانی کے اندر رہتی ہیں۔ اسی طرح اہل نار بھی نار میں رہا کرینگے۔ اور فرق جنتیوں اور دوزخیوں میں اس طرح سے ہے۔ کہ مومن جنت کے اندر کھانے پینے کے ساتھ نفع اٹھایا کرینگے۔ اور کافروں کو دوزخ کے اندر کھانا پینا میسر نہ آئیگا[1]۔ اور مرجیہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص اس مضمون کی ثابت نہیں۔ کہ فلاں میرے بعد امام ہو ابن جوزی کہتے ہیں کہ عبدالواحد اسدی معروف بہ ابن برہان کا قول ہے کہ اللہ تعالے کفار کو ہمیشہ دوزخ میں نہ رکھیگا اس لئے کہ ہمیشہ عذاب دینا مخلوقات کی شان سے ہے۔ اور طلب انتقام اسکی علت ہے۔ جو غضبناک کو عارض ہوتا ہے۔ اور دل میں غضب پیدا ہونے کی علت خون کا جوش مارنا ہے اور یہ باتیں اللہ تعالے کے حق میں محال ہیں۔ سب سے پہلے جس نے یہ مذہب نکالا ابو محمد حسن بن محمد معروف بہ ابن حنفیہ بن حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی۔ لیکن یہ عمل کو ایمان سے خارج نہیں

[1] کتاب تمہید میں معین نسفی نے لکھا ہے۔ قالت المرجیہ لعنہم اللہ اذا دخل اہل النار النار فانہم یکون فی النار بلا عذاب کالحوت فی الماء الا ان الفرق بین الکافر والمومن ان للمومن استمتاعاً فی الجنۃ باکل وشرب واہل النار فی النار لیس لہم استمتاع اکل وشرب ۱۲ منہ

کرتے ہیں جس طرح کہ اور مرجیہ نے کیا ہے۔ بلکہ یوں کہتے تھے۔ کہ صاحب کبیرہ کافر نہیں ہوتا اسلئے کہ ادائے طاعات اور ترک معاصی اصل ایمان سے نہیں ہیں انکے زوال سے ایمان زائل نہیں ہوتا ہے۔ پھر مرجیہ کئی طرح پر ہوگئے۔ قسم اول مرجیہ خالص یہ قائل صرف ارجا کے ہیں۔ اور یہ یونسیہ و عبیدیہ و غسانیہ و ثوبانیہ و مریسیہ ہیں۔ قسم دوم مرجیہ قدریہ یہ قسم جامع ہے۔ درمیان مذہب مرجیہ و قدریہ کے ان لوگوں کے سرگروہ محمد بن شبیب اور صالحی اور خالدی اور ابو شمر ہیں قسم سوم مرجیہ جبریہ یہ قسم جامع ہے درمیان مذہب مرجیہ و جبریہ کے جیسے جہم بن صفوان قسم چہارم مرجیہ خوارج یہ خوارج بھی ہیں۔ اور مرجیہ بھی ہیں جیسے ثوبانیہ شہرستانی اپنے ملل و نحل میں لکھا ہے۔ کہ مرجیہ نے بعض ان مسائل میں خوارج کے ساتھ اتفاق کرلیا ہے۔ جو امامت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ابن قتیبہ نے کہا ہے۔ کہ اول موجد ارجا کا بصرے میں حسان بن بلال بن حارث مزنی ہے۔ اور بعض نے یوں ذکر کیا ہے۔ کہ موجد اول ارجا ابو سالت سمان ہے اس نے ۱۵۲ھ میں وفات پائی ہے۔

تفصیل مرجیہ خالص کے فرقوں کی

پہلا فرقہ یونسیہ ہے۔ یونس بن عمر نمیری کے متبع ہیں۔ بعض نسخوں میں یونس کے باپ کا نام عمران لکھا ہے۔ اسکا اعتقاد یہ ہے۔ کہ ایمان اللہ کا پہچاننا اور اسکے سامنے عاجزی اور ترک گردن کشی اور اسکی دوستی دل میں رکھنا ہے اور ان میں سے علیحدہ ہر خصلت نہ ایمان ہے نہ ایمان کا حصہ ہے جس شخص میں یہ تمام خصلتیں جمع ہوں وہ مومن ہے۔ اور اسکو ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت ضرر نہیں کرتی۔ نہ کسی گناہ پہ اسکو عذاب ہوگا۔ اور نہ کسی طاعت کے ترک کرنے سے سزا پائیگا۔ کیونکہ سوائے معرفت الٰہی کے اور طاعات ایمان کے قبیل سے نہیں۔ ابلیس اللہ کی وحدانیت کو پہچانتا تھا۔ مگر بوجہ تکبر اور سرکشی کے کافر ہوگیا۔ چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے ابیٰ واستکبر وکان من الکٰفرین

یعنی شیطان نے نہ مانا اور تکبر کیا۔ اور وہ تھا کافروں سے۔ جسکے دل میں اللہ کی
محبت اور خوف بیٹھ گیا۔ اور اُسکے ساتھ دل سے دوستی رکھی اور عاجزی کی
پھر اُس نے خدا کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ تو وہ اس سے گناہگار نہیں ہوتا۔ اور
اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہوا تو اُسکے اخلاص و یقین میں فرق نہیں آتا۔ اور
محبت و اخلاص کی وجہ سے جنت میں جائیگا نہ طاعت و اعمال کے سبب سے۔

دوسرا فرقہ عبیدیہ۔ یہ عبید المکذب کے اصحاب ہیں۔ شرح مواقف و ارشاد المسلمین
اور میر سید شریف محمد اکبر کے الہامیہ میں مکذب ہی ہے۔ مگر ملل و نحل میں اسکی
جگہ مکتب لکھا ہے۔ انکا اعتقاد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی ساری صفات اسکی ذات
کی غیر ہیں۔ اور وہ ذات مقدس آدمی کی صورت پر ہے۔ اور باقی عقائد میں یونسیہ
کے ہم مشرب ہیں۔

تیسرا فرقہ غسانیہ ہے۔ یہ غسان بن ابان کوفی کے متبع ہیں۔ یہ شخص
محمد بن حسن شیبانی کا شاگرد تھا۔ اور نبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منکر تھا۔
اسکا مذہب ایمان میں یہ تھا۔ کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے لیکن کم نہیں ہوتا۔ اور
یہ کہتا تھا۔ کہ ہر خصلت کا خصال ایمان میں سے بعض ایمان (یعنی حصۂ ایمان
و جزو ایمان) نام ہے۔ اور اُسکا یہ اعتقاد بھی تھا۔ کہ ایمان نام ہے خدا اور
رسول کی معرفت کا اور اجمالاً اُن چیزوں کی معرفت کا جو شارع سے پہنچی ہیں
اور تفصیل کی ضرورت نہیں اور معرفت اجمالی سے مراد یہ ہے۔ کہ اعتقاد رکھے
کہ اللہ نے حج فرض کیا ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ کعبہ کہاں ہے۔ اور ہوسکتا ہے
کہ وہ مکے میں نہ ہو اور کسی جگہ ہو۔ اور اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول
بنا کر بھیجا مگر یہ یقین نہیں۔ کہ جو محمد مدینے میں تھے وہی محمد ہیں۔ یا انکے
سوا کوئی اور ہیں۔ اور سور کا گوشت اللہ نے حرام کیا ہے۔ مگر یہ تحقیق نہیں
کہ جس جانور کو عرف میں سور قرار دیکر حرام جانتے ہیں یہ وہی ہے یا غیر۔ واضح
رہے کہ اس قول سے مراد غسان کی یہ ہے۔ کہ احکام حقیقت ایمان میں داخل

نہیں ہیں اور کچھ یہ نہیں ہے۔ کہ اُسکو ان چیزوں کے باب میں شک تھا۔ بلکہ وہ جتاتا ہے۔ کہ اگر مومن یہ سمجھ لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہیں۔ یا کوئی اور ہیں۔ اور کعبہ یہی ہے یا کوئی اور ہے۔ تو اُسکے ایمان میں فرق نہیں آسکتا۔ کیونکہ ایمان کی حقیقت میں انکو دخل نہیں ہے۔ ان میں شک کرنے سے۔ اور انپر اعتماد نہ رکھنے سے ایمان باطل نہیں ہوتا۔ شرح مواقف میں لکھا ہے۔ کہ غسان اپنے مذہب کے رواج دینے کے لئے لوگوں سے یہ کہا کرتا تھا۔ کہ یہی رائے امام ابو حنیفہ کی ہے۔ حالانکہ یہ محض افترا تھا۔ بلکہ معتزلہ نے بھی امام ابو حنیفہ اور انکے تابعین کو مرجیہ کہا ہے۔ اور وجہ شاید اسکی یہ ہوگی۔ کہ جو لوگ مسئلہ قدر میں معتزلہ سے مخالفت کرتے تھے۔ وہ اُنکو مرجیہ مشہور کر دیتے تھے یا امام صاحب نے جو فرمایا ہے۔ کہ ایمان تصدیق کا نام ہے۔ اور تصدیق نہ زیادہ ہوتی ہے نہ کم تو معتزلہ کو اس سے یہ خیال پیدا ہو گیا ہوگا۔ کہ امام صاحب نے جو عمل کو حقیقت ایمان سے خارج کر دیا ہے۔ تو انکے نزدیک مغفرت کے لئے ایمان کافی ہے۔ اُسکے ہوتے ہوئے کسی عمل مفروضہ کا ترک اور گناہ ضرر نہیں کرتا۔ کیونکہ اعمال ایمان میں داخل نہیں بلکہ زمخشری نے بوجہ تعصب مذہب اعتزال و قدر کے سارے اہل سنت کو کشاف میں مرجیہ و جبریہ کہدیا ہے اس لئے کہ وہ عمل کو حقیقت ایمان میں داخل نہیں کرتے۔ اور نہ یہ کہتے ہیں۔ کہ بندہ افعال کا خالق ہے۔ اور یہ صاحب کشاف کی غلطی ہے۔ اسلئے کہ اہل سنت جماعت کہتے ہیں۔ کہ ایمان عبارت ہے تصدیق اور اقرار سے اور عمل سبب ہے کمال ایمان کا مذہب یہ کہ ایمان قول ہے بلا عمل پس انکا مذہب توسط ہے جبر و قدر میں دین خالص میں سید صدیق حسن کہتے ہیں۔ کہ یہ قول بھی صحیح نہیں کہ سارے اہل سنت حقیقت ایمان میں عمل کو داخل نہیں کرتے۔ . . . .

. . . .

اسلئے کہ حنابلہ و شافعیہ کل اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان کی حقیقت میں

اعمال داخل ہیں۔اور یہی رائے بعض حنفیہ کی بھی ہے۔اور یہی قول مالکیہ کا ہے۔اور اسی کو معتبر جانا ہے۔جیسا کہ مالابد منہ میں مذکور ہے۔ہاں یہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے۔کہ عمل ذات ایمان میں داخل نہیں۔مگر یہ ضعیف ہے۔اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تفہیمات میں اسکی تاویل یوں کی ہے کہ امام صاحب مجتہد ہیں۔اور مجتہد خطا بھی کرتا ہے۔اور ثواب پر بھی ہوتا ہے اور خطا پر اوسکے لئے ایک اجر ہے۔جیسا کہ ثواب پر دو اجر ملتے ہیں۔فقیر مولف اس رسالے کا کہتا ہے۔کہ جمہور معتزلہ وخوارج کا یہ مذہب ہے۔کہ عمل بھی ایمان کا جزو اور رکن ہے۔اور مشہور یہ ہے کہ تمام محدثین شافعیہ و مالکیہ وحنبلیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔حالانکہ انکے اور معتزلہ وخوارج کے مذہب میں بڑا فرق ہے معتزلہ کے نزدیک تارک طاعات کو کافر نہیں بتاتے۔مگر مومن بھی نہیں جانتے اور خوارج تارک طاعات کو کافر سمجھتے ہیں۔اور محدثین انکے تارک کو دائرہ ایمان سے خارج نہیں جانتے۔کیونکہ انکے نزدیک عمل ایمان کامل کی شرط ہے مگر بعض آدمیوں نے جو دیکھا کہ بظاہر محدثین ایمان تصدیق اور اقرار اور عمل کو بتاتے ہیں۔اور احادیث سے اسکا ثبوت دیتے ہیں۔تو یہ خیال کیا۔کہ انکا مذہب جمہور اہل سنت کے خلاف ہے۔اور فرقہ معتزلہ وخوارج کے موافق ہے حالانکہ یہ خیال سراسر غلط ہے۔کسی طرح محدثین کے نزدیک عمل اصل ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں بلکہ ایمان کامل کی شرط ہے۔اور صاحب تصدیق و اقرار بوجہ ایمان کامل کے اگرچہ مومن ہے لیکن ناقص الایمان ہے۔اور ایسے شخص کو مومن فاسق کہتے ہیں جمہور اہل سنت یعنی اشاعرہ و ماتریدیہ کے نزدیک اعمال حقیقت ایمان کا نہ جزو ہیں نہ رکن ہیں۔اور نہ شرط ہیں۔ایمان دوسری چیز ہے عمل دوسری چیز اور بڑی دلیل اعمال کے ایمان میں داخل نہ ہونے پر یہ ہے کہ اللہ نے ایمان کو عمل صالح کے ساتھ ذکر کیا ہے۔چنانچہ سورہ کہف میں ہے ان الذین

امنوا وعملوا الصلحت کانت لھم جنت الفردوس نزلا

یعنی جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ اور اچھے کام کئے ہیں۔ اُن کیلئے جنات فردوس
مہمانیاں ہیں۔ اور معاصی کے ساتھ بھی چنانچہ اس آیت میں ان طائفتان
من المومنین اقتتلو اگر دو فرقے مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں اور دوسری جگہ
ہے الذین اٰمنو ولم یلبسو ایمانہم بظلم یعنی جو لوگ ایمان لائے۔ اور اپنے
ایمان میں کچھ ظلم نہیں لائے۔ اور سورۂ انفال میں ہے والذین اٰمنو ولم یھاجروا
یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہ کی۔ پہلی آیت میں ایمان کو قتال کے ساتھ
اور دوسری میں ظلم کے ساتھ جمع کیا ہے۔ اور تیسری میں عدم ہجرت کے ساتھ
حالانکہ شے اپنی ضد یا اپنے جز کی ضد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اس سے
ثابت ہوتا ہے کہ ایمان فعل اعضا کا نام نہیں ہے۔ اور نہ اعمال نیک اُس
میں داخل ہیں اور نہ اعمال بد ایمان کے برباد کرنے والے ہیں۔ کیونکہ ایمان
ضد اور مقابل کفر کے ہے۔ اور عمل نیک مقابل ہے گناہ سے پس اگر عمل ایمان
میں داخل ہو تو چاہئے گناہ کفر ہو جائے۔ حالانکہ یہ بات سب کے نزدیک ہے
کہ عبادت اور طاعت نکرنے سے بندہ گناہگار ہوتا ہے کافر نہیں ہوتا۔ پس
اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمل ایمان میں داخل نہیں ہے

طرفہ یہ ہے کہ غنیۃ الطالبین میں جہاں تہتر فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ وہاں
مرجیہ کے بارہ فرقے شمار کئے ہیں۔ ان میں حنفیہ کو بھی مرجیہ کہا ہے۔ ان الفاظ
کے ساتھ اما المرجیہ ففرقہا اثنی عشر فرقۃ الجہمیۃ وفلانۃ وفلانۃ و
الحنفیۃ واما الحنفیۃ فہم اصحاب ابی حنیفہ النعمان بن ثابت زعموا ان الایمان
ہو المعرفۃ والاقرار باللہ ورسولہ وبما جاء من عندہ جملۃ الخ
مگر اس میں علمائے محققین کو کلام ہے۔ یہانتک کہ شیخ القطب عبدالوہاب شعرانی
قدس سرہ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اس عبارت کو معاندین نے غنیہ میں اپنی
طرف سے داخل کر دیا ہے۔ بلکہ محققین کو تو اس میں بھی کلام ہے کہ غنیۃ الطالبین
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی

لکھتے ہیں۔ ہرگز ثابت نہ شدہ کہ ایں از تصنیف آں جناب است اگرچہ انتساب
آں بآں حضرت شہرت دارد نظر بریں کہ شاید در آں حرف از آں جناب
بود ترجمہ کردم۔ اور غنیہ میں یہ غلطی لکھا ہے۔ کہ حنفیہ کے نزدیک ایمان معرفت
ہے۔ اسلئے کہ امام صاحب اور تمام حنفیہ نے تصریح کردی ہے۔ کہ ایمان کی
حقیقت تصدیق ہے۔ اور معرفت کا قول کسی سے منقول نہیں۔ اور معرفت
کے ابطال پر دلیل یہ ہے۔ کہ یہ ایمان کے لغوی معنی کے مغائر ہے۔ جب یہ
معنی لئے جاوینگے۔ تو نقل لازم آئیگی جو اصطلاح میں اسے کہتے ہیں۔ کہ لفظ
کے اصل معنی موضوع لہ بالکل متروک الاستعمال ہو کر دوسرے معنوں کیلئے
لفظ کا استعمال کیا جائے۔ ایسے استعمال کو نقل اور لفظ کو منقول کہتے ہیں
مثلاً کوفتہ کے معنی کوٹے ہوئے کے ہیں۔ اب کوفتہ خاص اُن کبابوں کو کہتے ہیں
جو گوشت کو کوٹ پیس کر بنالیتے ہیں۔ اور تصدیق اور معرفت میں بڑا فرق ہے
اسلئے کہ تصدیق کے لئے دل کا قصد اور کسب اور تحصیل شرط ہے۔ اور معرفت
کبھی بلا کسب بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کی نگاہ بلا ارادہ کسی
جسم پر پڑ جائے۔ تو اُسے اس بات کا یقین ہو جائیگا کہ یہ جسم دیوار ہے یا دیوار
نہیں پتھر ہے یا پتھر بھی نہیں درخت ہے وغیرہ وغیرہ پس اگر کوئی مُصدِّق
صدق کو اپنے اختیار سے مخبر کی طرف منسوب کر دے۔ تو اسکا نام تصدیق ہوگا
اور اگر یہ بات خود بخود اس کے دل میں آجائے۔ کہ یہ مخبر صادق ہے۔ اور
ارادے اور اختیار کو کام میں نہ لایا ہو۔ تو یہ معرفت ہوگی نہ تصدیق

بہرصورت امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو مرجیہ کا ہم اعتقاد خیال
کرنا درست نہیں۔ اسلئے کہ ارجاء تو یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ عذاب و عقاب اور
مواخذہ کسی طرح نہ ہوگا۔ اور ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہ
پہنچا سکیگا۔ سو یہ عقیدہ حنفیہ کا کب ہے۔ بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ
کی مشیت وارادے میں ہے۔ جسے چاہے معاف کرے۔ جسے چاہے عذاب دے

اور گناہگار کے واسطے عذاب بھی ثابت کرتے ہیں۔ اور اسکے ضرر سے خائف رہتے ہیں۔ ہاں لطف پر انکی نظر بھی ہے۔ اسلئے جانب معرفت و امیدواری کی رعایت رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اگر اللہ چاہے تو بغیر توبہ کے تمام گناہ بخشدے اور فاسق کو دوزخ میں نہ ڈالے۔ امام ابو حنیفہ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقے کا ہے۔ وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے۔ اور مغز سخن کو پہنچتے تھے۔ جب یہ بحث اُنکے سامنے پیش کیگئی۔ تو انہوں نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ اور دونوں کا حکم مختلف ہے اسپر بہت لوگوں نے اُنکو بھی مرجیہ کہا۔ لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے۔ محدثین اور فقہا میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہمزبان تھے۔ اُنکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا۔ محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہا اور محدثین کے نام گنائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ ابراہیم تیمی اور عمرو بن مرہ اور طلق الحبیب اور حماد بن سلیمان اور عبد العزیز بن ابو داؤد اور خارجہ بن مصعب اور عمر بن قیس الامر اور ابو معاویۃ الضریر اور یحیی ابن زکریا اور مسعر بن کدام۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں۔ اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں وغیرہ جو اسپر عش عش ہیں۔ کہ امام صاحب کو حضرت پیران پیر نے یا بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے۔ تو شاید اُنکو ندامت ہوتی۔ اس بحث کے متعلق امام ابو حنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے۔ جسکے طرز استدلال و استنباط نتائج سے امام صاحب کی وقت نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور اصل مسئلے کی حقیقت کھلتی ہے۔ اس لئے اس موقع پر ہم اُسکا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے۔ جو انہوں نے امام صاحب کو لکھا تھا۔ عثمان اُس زمانے کے ایک مشہور محدث تھے۔ عام لوگوں میں جب امام ابو حنیفہ

لوگوں میں جب امام ابو حنیفہ کے ان خیالات کے چرچے ہوئے۔ تو انہوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا۔ کہ لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہیں۔ اور بیان کرتے ہیں۔ کہ آپ مومن کا گمراہ ہونا جائز قرار دیتے ہیں۔ مجھکو ان باتوں کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے۔ کیا یہ باتیں صحیح ہیں اس خط کے جواب میں امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جسکو قلائد العقیان میں چھٹے باب کے اندر ایک علیحدہ فصل میں پورا نقل کیا ہے۔ اسکے فقرے کہیں کہیں سے ہم انتخاب کرتے ہیں۔ حمد و نعت کے بعد عثمان بتی کی دوستانہ نصیحت اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اس طرح شروع کیا ہے میں آپکو بتاتا ہوں۔ کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے رسول اللہ جب مبعوث ہوئے۔ تو لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانیں۔ اور رسول اللہ جو کچھ لائے اُسکو تسلیم کریں۔ پس جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا۔ اور شرک چھوڑ دیتا تھا۔ اُسکی جان و مال حرام ہوجاتا تھا۔ پھر خاص اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاچکے تھے۔ فرایض کے احکام آئے پس اُسکا پابند ہونا عمل ٹھیرا۔ اور خدا نے اسی طرف اشارہ کیا ہے الذین آمنوا وعملوا الصلحت ومن یومن باللہ یعمل صالحا۔ اس قسم کی اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہونے سے ایمان جاتا نہیں رہتا البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ تصدیق کا دور جانا گانہ جیز ہونا اس سے ہی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے کیونکہ دین مذہب سبکا ایک ہی ہے کیونکہ خدا نے خود کہا ہے۔ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ یعنی تمہارے لئے اسی دین کو مشروع کیا جسکی وصیت نوح کو کرگئے تھے۔ اور جو تجھپر وحی بھیجی۔ اور جسکی وصیت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کو کی۔ وہ یہ ہے کہ دین قائم رکھو۔ اور اُس میں متفرق نہو۔ آپکو جاننا چاہئے۔ تصدیق میں ہدایت اور

اعمال میں ہدایت یہ دونوں دو چیز ہیں۔ آپ ایک شخص کو جو فرائض
سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں۔ پس ایسا شخص فرایض کے لحاظ سے جاہل
اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے۔ خود خدا نے قرآن میں یہ اطلاقات کئے
ہیں۔ کیا آپ اُس شخص کو جو خدا کے اور رسول خدا کے پہچاننے میں گمراہ ہو
اُس شخص کی برابر قرار دینگے جو مومن ہو لیکن اعمال سے ناواقف ہو۔ خدا نے
جہاں فرائض بتائے ہیں۔ اُس موقع پر ارشاد فرمایا ہے یبین اللہ لکم ان تضلوا
یعنی خدا نے اسلئے بیان کیا۔ کہ تم گمراہ نہو۔ دوسری آیت میں ہے ان تضل
احدٰہما فتذکر احدٰہما الاخریٰ یعنی ایک گمراہ ہو تو دوسرا یاد دلادے۔ حضرت موسیٰ
کی زبان سے فرمایا فعلتہا اذاً وانا من الضالین یعنی جب میں نے وہ کام کیا
تب میں گمراہ تھا۔ ان آیتوں کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں۔ جو اس دعوے
کے ثبوت کے لئے دلائل قاطع ہیں۔ اور حدیثیں تو اور بھی واضح اور صاف
ہیں۔ اور حضرت علی امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ تو کیا
اسکے یہ معنی تھے۔ کہ وہ صرف اُن لوگوں کے امیر تھے۔ جو فرائض اور اعمال
کے پابند تھے۔ حضرت علی نے شام والوں کو جو اُن سے لڑتے تھے مومن کہا
کیا قتل سے بڑھکر کوئی گناہ ہے۔ پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے کیا آپ
قاتلین اور مقتولین دونوں کو برسر حق قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ صرف ایک کو
یعنی حضرت علی اور طرفداران حضرت علی کو برسر حق تسلیم کرینگے۔ تو دوسرے
فریق کو کیا کہینگے اس سے خوب سمجھ لیجئے اور غور کیجئے میرا یہ قول ہے۔ کہ
اہل قبلہ سب مومن ہیں۔ اور فرایض کے ترک سے کافر نہیں ہوسکتے۔ جو شخص
ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجا لاتا ہے۔ وہ مومن اور جنتی ہے۔ جو ایمان
اور اعمال دونوں کا تارک ہے۔ وہ کافر دوزخی ہے۔ جو شخص ایمان رکھتا
ہے اور فرائض اُس سے ترک ہوجاتے ہیں۔ وہ مسلمان ضرور ہے۔ لیکن
گناہگار مسلمان ہے۔ خدا کو اختیار ہے اسپر عذاب کرے۔ یا معاف کردے

امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعوے کو ثابت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے
کہ اس سے بڑھکر نہیں ہو سکتا۔

چوتھا فرقہ تومنیہ ہے۔ یہ لوگ ابو معاذ تومنی فیلسوف کے متبع ہیں
اسکا اعتقاد تھا۔ کہ ایمان عبارت ہے۔ تصدیق اور محبت اور اخلاص اور
اُس چیز کے اقرار سے جسکی پیغمبر خدا نے تبلیغ کی ہے۔ اور ان سب کے یا بعض
کے ترک کرنے سے کافر ہوتا ہے۔ اور کہتا تھا کہ جس معصیت کے کفر ہونے
پر اتفاق نہو۔ تو اُسکے کرنے والے کو کافر نہ کہنا چاہئے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے
کہ وہ گناہگار ہوگیا اور فسق کیا۔ اور ترک کرنا نماز کا حلال جانکر کفر ہے
اور قضا کی نیت سے ترک کرنا کفر نہیں فسق ہے۔ اور یہ سارے خصائل
جنکو ایمان کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض خصلت نہ ایمان ہے نہ ایمان کا حصہ
ہے۔ کہتا تھا کہ کوئی نبی کو مار ڈالے۔ یا اُسکے طمانچہ مار دے۔ تو وہ کافر
ہوتا ہے۔ لیکن نہ اس لئے کہ اس نے پیغمبر کو قتل کیا تھا یا طمانچہ مارا بلکہ
اس لئے کہ اُس نے پیغمبر کی تکذیب کی۔ اور ہتک کیا ہے۔ اور اس کو دشمن
رکھا ہے۔

پانچویں فرقہ مریسیہ ہے شذرات الذہب میں ابن اہدل سے
نقل کیا ہے کہ مریسیہ مرجیہ کا فرقہ بشر بن غیاث بن عبدالرحمن مریسی کی
طرف منسوب ہے۔ اور علامہ کفوی نے طبقات حنفیہ میں بشیر بن غیاث بن
عبدالرحمن مریسی معتزلی لکھا ہے۔ بعض مولفین نے اسکے فرقہ کو معتزلہ میں
شمار کیا ہے۔ اسکا باپ یہودی تھا۔ اور قوم کا رنگریز تھا۔ کوفہ میں رہتا
تھا۔ بشر مریسی نے امام اعظم کی صحبت حاصل کی۔ اور ان سے تھوڑا سا اخذ
بھی کیا۔ پھر ابو یوسف تلمیذ امام اعظم کی صحبت اختیار کرکے اُن سے فقہ
سیکھا۔ اور حدیث کو سنا۔ اور نیز حماد بن سلمہ اور سفیان بن عُیَینہ وغیرہ سے حدیث
کو سماعت کیا۔ یہانتک کہ فائق ہو کر امام یوسف کے اخص اصحاب سے ہوا

کہتا تھا کہ مشائخ صوفیہ کی باتوں میں سے کسی بات نے میرے دل میں قرار نہیں
پکڑا۔ جب تک کہ میں نے دو گواہ نہایت عادل کتاب و سنت سے اُسپر ناطق
نہیں پائے۔ مگر چونکہ یہ شخص اخیر میں علم کلام اور فلسفہ میں مصروف ہو گیا تھا
اسلئے لوگ اس سے پھر گئے۔ اور امام ابو یوسف اکثر اُسکی مذمت کرتے اور جب
سامنے آتا تو منہ پھیر لیتے تھے۔ اس نے امام ابو یوسف سے بہت سی روایتیں
اور مذہب میں اقوال بیان کئے ہیں۔ جن میں سے غریب قول یہ ہے۔ کہ
گدہے کا گوشت کھانا جائز ہے۔ نفی صفات الٰہی اور خلق قرآن کا قائل تھا
جیسا کہ عقیدہ معتزلہ کا ہے۔ اسپر اہل سنت نے اُسکی تکفیر کی ہے۔ اور اُس کا
اعتقاد یہ تھا۔ کہ بندوں کے کام مخلوق خدا ہیں۔ استطاعت[1] فعل کے ساتھ
ہے۔ جیسا کہ عقیدہ اہل سنت کا ہے۔ اسلئے معتزلہ نے اُسکو کافر ٹھہرا دیا۔ دوسرا
عقیدہ اسکا یہ تھا۔ کہ ایمان نام ہے۔ تصدیق قلبی اور اقرار زبانی دونوں کا اور
کفر انکار کا نام ہے۔ اور اسکے نزدیک سجدہ کرنا چاند سورج اور بت کو کفر
نہیں لیکن کفر کی علامت ہے۔ بشر کا ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ کسی پیغمبر کو
قتل کر ڈالنا یا اُسکے طمانچہ مار دینے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اور کفر کی
وجہ یہ ہے۔ کہ اُس نے پیغمبر کی تکذیب کی۔ اُس سے بغض رکھا نہ اس وجہ سے
کہ اُسکو قتل کیا یا طمانچہ مارا۔ اسی طرح اور بہت سے اقوال شنیع اس سے
صادر ہوئے۔ جنکے سبب سے عہد خلیفہ رشید میں سزایاب بھی ہوا[2]۔ مگر صحیح
یہ ہے۔ کہ رشید کو جب یہ خبر پہنچی۔ کہ بشر مریسی کہتا ہے۔ کہ قرآن مخلوق ہے۔ تو
کہنے لگا کہ اگر وہ میرے ہاتھ آیا۔ تو اس سختی سے قتل کراونگا۔ کہ آج تک اس

[1] ضبیۃ الکیان میں کہا ہے زعم ان افعال العباد مخلوق اللہ تعالیٰ و ان الاستطاعۃ
مع الفعل اور کشف الغمہ عن افتراق الامہ میں ترجمہ کیا ہے۔ اسکا اعتقاد یہ تھا کہ افعال
عباد مخلوق خدا ہیں۔ استطاعت ساتھ فعل کے نہیں ہے۔ انتہی یہ سہو و غلطی ہے ۱۲ منہ۔

[2] دیکھو الخطط والآثار جلد دوم ۱۲

طرح کوئی نہ مارا گیا ہے۔ بشر چھپ گیا۔ اور عرصہ بیس سال تک کہ رشید زندہ رہا وہ مخفی رہا[1]۔ نحو کا علم نہیں جانتا تھا۔ آواز اسکی بہت بڑی تھی۔ امام شافعی سے اکثر مناظرہ رکھتا تھا۔ امام شافعی نے جب اُس سے مسئلہ خلق قرآن و نفی صفات الٰہی میں مناظرہ کیا۔ تو اُس سے یہ بات کہی۔ کہ تو آدھا کافر ہے اسلئے قائل خلق قران کا ہے۔ اور صفات الٰہی کی نفی کرتا ہے۔ اور آدھا مومن ہے کہ قائل قضا و قدر و خلق اکتساب عباد کا ہے۔ بشر مریسی نے کچھ اوپر ستر برس کی عمر پائی۔ اور ۲۱۸ھ میں اسکا انتقال ہوا ہے[2] اور بعض کہتے ہیں۔ کہ ۲۱۹ھ میں فوت ہوا۔ مریس جسکی طرف یہ منسوب ہے۔ فتح رائے مہملہ اور یائے تحتانی اور سین مہملہ کے ساتھ ایک قصبہ ہے۔ جو ملک مصر میں واقعہ ہے[3]۔

مرجیۂ غیر خالص

ایک غیلانیہ۔ یہ لوگ منسوب ہیں طرف مروان بن غیلان یا ابو مروان غیلان دمشقی کے اس گروہ میں تین خصلتیں جمع تھیں۔ ارجا۔ قدر۔ خروج قدریہ ہونے کی وجہ سے کہتے تھے کہ فاعل خیر و شر کا بندہ ہے۔ اور خارجی ہونے کی وجہ سے کہتے تھے۔ کہ امام کا غیر قریشی ہونا بھی جائز ہے۔ جو کوئی کتاب و سنت کے مطابق عمل کرے وہ قابل امامت ہے۔ اور امامت اجماع امت سے ثابت ہوتی ہے۔ انکے نزدیک ایمان نام ہے معرفت ثانی کا اور وہ اللہ تعالےٰ کا پہچاننا۔ اور اُسکے ساتھ محبت رکھنا۔ اور اللہ تعالےٰ کے حضور میں عاجزی اور لاچاری کرنا۔ اور اس بات کا اقرار ہے کہ رسول اللہ کی جانب سے ہے۔ اور جو کچھ اللہ کی جانب سے وہ لایا ہے۔ حق ہے۔ غیلانیہ کی اصطلاح میں اس تفصیل کا نام معرفت ثانی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں۔ کہ معرفت اول فطری ضروری ہے۔ اور وہ جاننا اس بات کا ہے۔ کہ کوئی عالم کا بنانے والا اور میری ذات کا پیدا کرنے والا ہے۔ سو معرفت اول کو ایمان میں دخل نہیں معرفت ثانی کا نام ایمان ہے

[1] دیکھو حدائق الحنفیہ ۱۲ [2] دیکھو شذورات الذہب ۱۲ [3] دیکھو حدائق الحنفیہ ۱۲

اور غیلانیہ کے نزدیک سارے اعمال ایمان سے خارج ہیں۔ اور انکا قول ہے کہ
حدوث اشیا کا علم ضروری ہے۔ یعنی بالبداہت ثابت ہے غور و تامل کا محتاج نہیں
دوسرے شبیبیہ۔ یہ محمد بن شبیب مرجی قدری کے متبع ہیں۔ اسکے نزدیک
ایمان نام ہے معرفت و اقرار اللہ اور اسکے رسول کا اور اُن چیزوں کا جنکا
کرنا عند العقل ناجائز ہے۔ اور جن چیزوں کا کرنا عقل کے نزدیک جائز ہے
اُنکا اعتقاد ایمان نہیں۔ اور کہتا تھا۔ کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں۔ اور سارے
افعال اختیاریہ کا خالق بندے کو جانتا تھا
تیسرے ثوبانیہ۔ یہ ثوبان کے متبع ہیں۔ یہ پہلے مرجی تھا پھر خارجی معتزلی
ہو گیا۔ اُسکا قول یہ تھا۔ کہ ایمان عبارت ہے اللہ اور اوس کے رسولوں کو پہچاننے
سے اور اُنکا اقرار کرنے سے اور اُن کاموں کے اعتقاد سے جنکا کرنا عقل کے
نزدیک ناجائز ہے[1]۔ اور جنکا کرنا عقل کے نزدیک جائز ہے۔ اُنکا اعتقاد کرنا
ایمان نہیں۔ گویا اس نے ایمان کو واجب بالعقل قبل ورود شرع کے ٹھیرایا
تھا۔ اس قول میں غسانیہ اور یونسیہ سے علیحدہ تھا۔ اور مومنین کے عذاب دوزخ
سے نجات پانے پر اُسکو یقین نہ تھا۔ اور اعمال کو ایمان میں داخل نہیں کرتا تھا
چوتھے شمریہ۔ یہ فرقہ ابو شمر مرجی قدری کی طرف منسوب ہے۔ وہ کہتا تھا
کہ ایمان عبارت ہے۔ خدائے تعالے کو پہچاننے۔ اور اس سے محبت رکھنے اور
اُسکے سامنے عاجزی کرنے اور اس بات کا اقرار کرنے سے کہ وہ یکتا ہے کوئی
اُسکی مثل نہیں۔ اور ان چیزوں کو ایمان جب کہتے ہیں۔ کہ انبیا انپر حجت

---

[1] نواب صدیق حسن خاں نے خبیئۃ الاکوان میں کہا ہے والایمان فعل ما یجب فی العقل فعلہ
اور کشف الغمہ عن افتراق الامہ میں اُسکا یوں ترجمہ کیا ہے۔ ایمان بجا لانا اسکا کام ہے جسکا کرنا نزدیک
عقل کے واجب ہے۔ اور شرح مواقف میں یوں لکھا ہے الایمان ھو المعرفۃ والاقرار باللہ و
برسلہ وبکل ما لا یجوز فی العقل ان یفعلہ واما ما جاز فی العقل ان یفعلہ فلیس الاعتقاد بہ من الایمان
غرض اس سے یہ ہے۔ کہ نواب صاحب نے غلط فہمی کی ہے ۱۲ منہ

اور دلیل لائیں۔ اور جب وہ حجت لائیں۔ تو انبیا کا اقرار اور اُسکی تصدیق بھی ایمان اور معرفت سے ہے۔ اور اقرار اُن احکام کا جو انبیا اللہ کے پاس لائے ہیں ایمان میں داخل نہیں اور خصال ایمان میں سے ہر خصلت نہ پورا ایمان ہے نہ ایمان کا حصہ بلکہ جب ساری خصلتیں جمع ہوجاتی ہیں۔ تو وہ مجموعہ ایمان ہوتا ہے۔ اور خصلتہائے ایمان کے لئے عدل کی شناخت ضرور ہے۔ اور شناخت عدل سے مراد قدر ہے یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ تمام خیر و شر کا بندہ آپ خالق ہے۔ نہ خدائے تعالیٰ اور یہ شخص اعمال کو ایمان میں داخل نہیں کرتا تھا۔ اور اسکا قول ہے۔ کہ جو شخص گناہ کبیرہ کرے تو اسکو علی الاطلاق فاسق نہ کہنا چاہئے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ کہ یہ فلاں بات میں فاسق ہے۔

تکملہ

غنیۃ الطالبین میں مرجیہ کے ذیل کے تین فرقوں کو بھی لکھا ہے۔

معاذیہ۔ یہ لوگ منسوب ہیں طرف معاذ کے اسکا قول ہے۔ جس نے طاعت الٰہی کو ترک کیا۔ اُسکے حق میں کہنا چاہئے۔ کہ اس نے فسق کیا۔ یوں نہ کہنا چاہئے کہ وہ فاسق ہے۔ کیونکہ اسم فاعل کا صیغہ دوام پر دلالت کرتا ہے۔ اور فاسق اللہ کا نہ دوست ہے نہ دشمن ہے۔ اسلئے کہ دوست مومن ہے اور دشمن کافر اور وہ ان دونوں سے علیحدہ ہے۔

یونانیہ۔ یہ فرقہ منسوب ہے یونان کی طرف انکا اعتقاد یہ ہے کہ ایمان صرف اس بات کا نام ہے کہ خدا اور اُسکے رسول کو پہچان لے۔ اور زبان سے اقرار کرے۔ اور جس کام کا کرنا روا نہیں اُسے نہ کرنے۔

صالحیہ۔ اس فرقے کا نام صالحیہ اسلئے مقرر ہوا کہ انھوں نے ابو الحسین صالحی کے مذہب کو اختیار کیا ہے۔ صالحی کہتا ہے۔ کہ ایمان نام ہے معرفت خدا کا علی الاطلاق یعنی یہ جان لے کہ عالم کا کوئی صانع ہے۔ اور کفر جہل ہے اس

معرفت ہے اور تثلیث کا قائل ہونا کفر نہیں مگر یہ کافر ہی سے ظاہر ہوتا ہی سوائے ایمان کے اور کوئی چیز عبادت نہیں اور خطط مقریزی نے مرجیہ کے ضمن میں لکھا ہے۔ کہ صالحیہ صالح بن عمرو بن صالح کی طرف منسوب ہیں اور شہرستانی نے ملل و نحل میں فرقہ مرجیہ کے بیان میں کہا ہے۔ کہ صالحیہ صالح بن عمر وصالحی کے متبع ہیں۔ اور جو عقیدہ انکا غنیہ میں ذکر ہوا ہے۔ اُسکے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ صالح کے نزدیک اللہ کی معرفت عبارت ہے۔ اُسکی دوستی رکھنے اور اسکے سامنے خضوع کرنے سے اور خدا کی معرفت تو ہو۔ اور رسول کا منکر ہو۔ تو یہ بات جائز ہے۔ اور عقل کے نزدیک روا ہے کہ خدا پر ایمان لائیں اور رسول پر ایمان نہ لائیں اسلئے کہ رسول نے اپنی زبان سے یہ بات کہی ہے کہ جو مجھ پر ایمان نہ لایا وہ کافر ہے۔ اور کہتا تھا کہ نماز اللہ کی عبادت نہیں۔ اسکی عبادت یہی ایمان ہے۔ اور ایمان معرفت الٰہی کا نام ہے۔ اور ایک خصلت ہے نہ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے۔ اسی طرح کفر بھی ایک خصلت ہے نہ بڑھے نہ گھٹے۔ اور یہ شخص اس بات کا معتقد ہے۔ کہ فاعل خیر و شر کا بندہ ہے۔ اور کہتا ہے کہ امام قریش کے سوا اور شخص بھی ہو سکتا ہے۔ جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق عمل کرے۔ وہ امامت کے قابل ہے۔ اور امامت اجماع امت سے ثابت ہوتی ہے۔ شرح مواقف میں لکھا ہے۔ کہ بعض وہ مرجی ہیں۔ جنہوں نے قدر کو ارجا کے ساتھ جمع کیا ہے۔ جیسے صالحی اور ابو شمر اور محمد بن شبیب اور غیلان مگر فرقہ صالحیہ کو جو صالحی کے اصحاب ہیں معتزلہ کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ اور غنیہ اور ملل و نحل وغیرہ میں کوئی فرقہ صالحیہ معتزلہ میں نہیں بیان کیا۔

تذکرۃ المذاہب و مؤید الافاضل وغیرہ میں مرجیہ کے اتنے نام اور فرقے اور لکھے ہیں۔ تارکیہ۔ شاملیہ۔ راجیہ۔ شاکیہ۔ بہمیہ۔ عملیہ۔ منقوصیہ۔ مستثنیہ۔ اشعریہ۔ بدعیہ۔ مشبہ۔ حشویہ۔

تارکیہ کہتے ہیں ایمان صرف فرایض ہیں اور سوا فرائض کے کوئی عبادت فرض نہیں۔
راجیہ۔ کہتے ہیں جس نے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہا۔ تو اسے طاعت نفع پہنچاتی ہے۔ اور معصیت ضرر نہیں دیتی۔
شنا ملیہ۔ کہتے ہیں۔ کہ بندہ جب طاعت بجالاتا ہے۔ تو اسکا نام مطیع ہوجاتا ہے۔ اور جب عصیان کرتا ہے۔ تو اسکا نام عاصی ہوتا ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ اسکے خلاف بھی ہو۔ یاد رکھو۔ کہ شاملیہ تذکرۃ المذاہب کے مطابق ہے۔ اور مؤید الافاضل میں اسکی جگہ سانیہ ہے۔
شاکیہ ان کو ایمان پر یقین نہیں ہوتا شک میں ہیں۔
نہمیہ۔ کہتے ہیں کہ ایمان کا بنا عمل پر ہے۔ پس جو امر و نہی کی تعمیل نہیں کرتا وہ کافر ہے
عملیہ کہتے ہیں کہ ایمان عمل اعضا کا نام ہے۔
منقوصیہ۔ کہتے ہیں کہ ایمان بڑھتا ہے اور گھٹتا نہیں
مستثنیہ اسلئے کہلاتے ہیں کہ انکے نزدیک ایمان میں استثنا کرنا یعنی یہ کہنا کہ میں مومن ہوں انشاء اللہ جائز ہے۔
اشتبہیہ۔ کہتے ہیں کہ قیاس باطل ہے دلیل ہونا اسکا صحیح نہیں۔
بدعیہ کہتے ہیں کہ سلطان کی اطاعت واجب ہے اگرچہ گناہ پر ہو۔
مشبہہ۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت بنایا ہے
حشویہ۔ کہتے ہیں کہ واجب اور سنت اور نفل کے درمیان کوئی فرق نہیں۔
خطط مقریزی میں مرجیہ کے اتنے فرقوں کے صرف نام اور لکھے ہیں جحدریہ اصحاب جحدر بن محمد بن تمیمی زیادیہ اتباع محمد بن زیاد کوفی اور ناقصیہ اور

فرقہ نجاریہ

یہ حسین[1] بن محمد ابن عبداللہ نجار کی طرف منسوب ہے۔ عبداللہ کا باپ جولاہہ تھا۔ اور بعضوں نے کہا ہے۔ کہ ترازو بناتا تھا۔ قم کا رہنے والا تھا۔ اسکے مناظرات نظام کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک بار مناظرے میں جب کچھ حجت نہ لا سکا۔ تو نظام نے اسکو دھتکار کر کہا اٹھ جا رسوا کرے تجھکو اللہ تجھ کو کون عالم اور ذی فہم جانتا ہے۔ وہاں سے تپ میں مبتلا ہو کر اٹھا بیمار پڑا کر مر گیا۔ اسکے متبع اس اعتقاد میں کہ خالق افعال اللہ ہے اور بندہ کاسب ہے۔ اور استطاعت فعل کے ہمراہ ہوتی ہے۔ اور مسئلہ قضا و قدر اور وعدہ وعید اور امامت حضرت ابو بکر میں موافق اہل سنت کے ہیں۔ اور نفی صفات الٰہی یعنی علم و قدرت و ارادہ و سمع و بصر و حیات و خلق قرآن یعنی حدوث کلام الٰہی اور انکار رویت حق تعالے میں ساتھ نظر کے موافق معتزلہ کے ہیں۔ نجار کہتا تھا کہ اللہ آخرت میں بندوں کے دلوں میں ایک قوت پیدا کردیگا جس سے اسکو پہچان لینگے پھر وہ قوت دونوں آنکھوں کی طرف منتقل ہو جائیگی جسکی وجہ سے آنکھوں کو بھی شناسائی اللہ کی حاصل ہو جائیگی۔ اسی شناسائی کا نام رویت ہے۔ اور اللہ ارادہ کرنیوالا خاص اپنے نفس کے ساتھ ہے۔ اور جاننے والا بھی خاص اپنے نفس کے ساتھ ہے۔ ارادہ و علم صفت علیحدہ اسکی ذات سے نہیں۔ اور اللہ نفع و ضرر و خیر و شر کا ارادہ کرتا ہے۔ اور اسکے صاحب ارادہ ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ وہ کسی

---

[1] النجاریۃ اصحاب محمد بن الحسین النجار یہ الفاظ شرح مواقف اور بحر المذاہب اور تعریفات کے ہیں اور ملل و نحل شہرستانی میں یوں ہے النجاریۃ اصحاب حسین بن محمد نجار اور غنیۃ الطالبین میں یوں ہے النجاریۃ اتباع الحسین بن محمد بن عبداللہ النجار اور غنیۃ الطالبین میں ہے کہ نجاریہ حسین بن محمد نجار کی طرف منسوب ہیں ۱۲ منہ

کا مغلوب و مطیع نہیں ہے۔ اُسکو مجبور کرکے اپنی خواہش پوری نہیں کراسکتے
اور قدرت حادثہ کے لئے بھی تاثیر ثابت کرتا ہے۔ اور اسکا نام کسب رکھا ہے
جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ اور اسکا عقیدہ یہ تھا۔ کہ اللہ کی ذات ہر
مکان میں موجود ہے۔ اور اس سے یہ مراد نہیں۔ کہ اسکا علم یا قدرت ہر مکان
میں موجود ہے۔ اور کہتا تھا کہ اللہ کا پہچاننا عقلاً واجب ہے کچھ شرع پر موقوف
نہیں اور کہتا تھا کہ مرتکب کبیرہ بقدر اپنے گناہ کے دوزخ میں عذاب پا کر اس
سے نکلیگا۔ ہمیشہ دوزخ میں کفار کی طرح رہنا عدل کے خلاف ہے۔ اور سارے
نجاریہ اللہ کے لئے ایک ارادہ ثابت کرتے ہیں۔ جو کچھ پیدا ہوتا ہے۔ اُن کے
خیر و شر اور ایمان و کفر اور طاعت و عصیان کا اسی ایک ذریعہ سے ارادہ کرتا ہے
اور عامہ معتزلہ کی رائے اسکے خلاف ہے۔ اور قبر کے عذاب و ثواب و سوال
منکر و نکیر کا منکر تھا۔ اور کہتا تھا ایمان زائد ہوتا ہے کم نہیں ہوتا[1]۔ اور کہتا تھا
اعراض مجتمع ہو کر جسم بنتا ہے۔ نجاریہ تین فرقے بن گئے ہیں۔

ایک برغوثیہ۔ یاران محمد بن عیسے الملقب بہ برغوث انکا اعتقاد یہ ہے
کہ کلام الٰہی جس وقت پڑھا جائے تو عرض ہے۔ اور جس وقت کسی شے کے ساتھ
لکھا جائے تو وہ جوہر ہے

دوسرے زعفرانیہ بعین مہملہ و فا کے ساتھ۔ انکا اعتقاد یہ ہے۔ کہ
کلام الٰہی غیر ہے ذات الٰہی سے اور جو چیز ذات الٰہی سے غیر ہے۔ وہ مخلوق
ہے۔ پس کلام الٰہی بھی مخلوق ہے۔ اور جو یہ کہے کہ مخلوق نہیں وہ کافر ہے۔

تیسرے مستدرکہ۔ ان کا قول یہ ہے کہ کلام الٰہی مخلوق ہے مطلقاً لیکن
ہم متابعت سنت و اجماع کی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ مخلوق نہیں ہے۔ یعنی
اس وجہ سے کہ سنت سے ثابت ہوا ہے۔ اور اجماع اسپر ہوگیا ہے۔ کہ کلام
الٰہی مخلوق نہیں [illegible] ہم کو بھی اسکا قائل [illegible] ہے کہ مخلوق نہیں ہے

[1] دیکھو [illegible] ۱۲

مگر رائے انکی یہ ہے کہ کلام الہی کے غیر مخلوق ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسکی جو ترتیب و عبارت ہے حروف و اصوات مخصوص کے ساتھ یہ مخلوق نہیں ہے جو مخلوق ہے اسکی ترتیب اور عبارت اسکے خلاف ہے جسپر یہ ترتیب خاص دلالت کرتی ہے اور اُس محکی عنہ کی یہ حکایت ہے اور اس تاویل کے ساتھ انہوں نے کلام الہی کی نسبت مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کے تعارض اقوال کو دفع کیا ہے۔ اور انکا زعم یہ ہے کہ جو کوئی دین میں ہمارا مخالف ہے اسکی ساری باتیں غلط ہیں۔ یہانتک کہ اسکا لا الہ الا اللہ کہنا بھی کذب ہے۔

فرقہ جبریہ

لفظ جبریہ کو بائے موحدہ کے فتح کے ساتھ قدریہ کی مناسبت سے استعمال کر لیتے ہیں۔ ورنہ دراصل بائے موحدہ کے سکون سے ہے۔ کیونکہ جبر کی طرف منسوب ہے۔ انکو مجبرہ بھی کہتے ہیں۔ رسالہ جبر و اختیار میں ملا باسو جانسی نے لکھا ہے کہ بندہ بعض افعال اختیاریہ کا مجاز ہے اور معنی اس قول کے یہ ہیں کہ افعال اختیاریہ کو اسکی طرف نسبت کرنا ایسا ہے جیسے مرتعش کیطرف حرکت ارتعاشی کا منسوب کرنا جبکہ رعشہ پایا جاتا ہے جو بندے کے اختیار میں نہیں ہے تو بطریق وجوب کے دل کی حرکت ارتعاشی صادر ہوتی ہے اسی طرح جبکہ وہ شرطیں پائی جاتی ہیں جو بندے کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ تو بطریق وجوب کے اُس سے حرکت اختیاری سرزد ہوتی ہے۔ جیسے کاغذ میں حروف لکھے ہوتے ہیں۔ تو اُسکو اُن حرفوں کے حاصل کر لینے کا اختیار نہیں ہوتا بجز اسکے کہ وہ کاغذ ان حرفوں کا محل ہوتا ہے۔ غرضکہ معنی اس قول کے کہ بندے کو بعض فعلوں کا اختیار بھی ہے یہ ہیں کہ جب تین یا چار باتیں پائی جاتی ہیں تو فعل ضرور پایا جاتا ہے (۱) قدرت جسکی وجہ سے فعل کے اقدام پر جرأت ہوتی ہے (۲) اس بات کا تصور یا اعتقاد کہ یہ فعل اچھا ہے ہو بھی جائیگا۔ کوئی حارج موجود نہیں (۳) شوق جو اس تصور یا اعتقاد کے بعد پورے طور پر پیدا ہوتا ہے (۴) ارادہ بعض کہتے ہیں کہ شوق مؤکد

لہ مجمع البحرین میں ہے الجبریۃ بالسکان الباء خلاف القدریۃ وفی عرف اهل الکلام

کا نام ارادہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک دونوں میں فرق ہے پس ایسا اختیار ثابت کرنا ضروری ہے۔ اسی کے اشاعرہ معتقد ہیں۔ بلکہ ماتریدیہ جو اختیار ثابت کرتے ہیں۔ اُسکو بھی اس معنی پر حمل کیا جائے۔ جیسا کہ بعض مواضع سے سمجھا جاتا ہے۔ تو اس صورت میں اشاعرہ وماتریدیہ کے مطلب میں خلاف نرہیگا۔ مگر جبریہ ایسے اختیار کے بھی منکر ہیں۔ ان کے غلاۃ کا قول ہے۔ کہ بندے میں قدرت قبل اور بعد اور ہمراہ فعل کے نہیں۔ اور نہ اُسے اپنے کاموں میں کسی طرح اختیار حاصل ہے۔ اور نہ کاموں میں اُسکے کسب کو دخل ہے۔ وہ مجبور محض ہے۔ اُسکے کاموں کو اُسکی ذات کی طرف نسبت کرنا ایسا ہے جیسے جمادات کی طرف کسی کام کی نسبت کی جاتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں۔ چکی چلتی ہے۔ پرنالہ بہتا ہے نہر جاری ہے۔ اس بیان سے جبریہ اور اہل سنت کا فرق ظاہر ہو گیا اہل سنت کا مذہب جبر وتفویض میں متوسط ہے۔ کیونکہ انکے نزدیک بندوں کے افعال اختیاریہ کا خالق اللہ تعالےٰ ہے۔ اور بندے کاسب ہیں۔ مگر اُن کے کسب وعمل کو فعل کے پیدا کرنے میں کوئی اثر نہیں۔ مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ ائمہ کے کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جبریہ سے مراد اشاعرہ ہیں۔ اور قدریہ سے مراد معتزلہ ہیں۔ اور علی بن ابراہیم نے کہا ہے۔ کہ مجبرہ وہ ہیں جنہوں نے کہا ہے۔ کہ ہمارے لئے کچھ کرنے کی قدرت نہیں ہم مجبور رہیں۔ جب ہم کوئی کام کرتے ہیں۔ تو اللہ اس وقت اُس کام کو ہمارے لئے پیدا کر دیتا ہے۔ اور بندوں کی طرف کام بطور مجاز کے منسوب کر دئیے جاتے ہیں۔ نہ حقیقۃً جیسے کہتے ہیں۔ نہر جاری ہے چکی چلتی ہے۔ اور اپنی اس رائے کے اوپر قرآن کے ساتھ استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ اُسکے معنی بالکل نہیں سمجھتے ہیں۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ مجبرہ کو مرجیہ بھی کہتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ امر الٰہی کو مؤخر کرتے ہیں۔ اور کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جبریہ کی دو قسمیں ہیں ایک جبریہ خالص کہ بندے کے لئے فعل کی قدرت بالکل ثابت نہیں کرتے۔ دوسرے جبریہ متوسط

کہ بندے کے لئے قدرت غیر مؤثر ثابت کرتے ہیں۔ مگر جو لوگ قدرت حادث کیلئے فعل پیدا کرنے میں اثر ثابت کرتے ہیں۔ اور اس اثر کو کسب و عمل کہتے ہیں وہ جبری نہیں معتزلہ و شیعہ کی یہ زیادتی ہے۔ کہ ا ونہیں بھی جبری قرار دیتے ہیں یونتو ان معتزلہ پر بھی جو افعال مؤلدہ کے قائل ہیں جبریہ کا اطلاق صادق آتا ہے۔ شرح مواقف میں لکھا ہے۔ کہ نجاریہ و ضراریہ بھی جبریہ متوسط میں سے ہیں۔ اور شہرستانی نے انکو جبریہ خالص کے ذیل میں لکھا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مجبرۂ خالص کے کئی گروہ ہیں

اول جہمیہ یہ لوگ جہم بن صفوان ترمذی کے متبع ہیں جو راسب کا آزاد غلام تھا۔ ابن ابی حاتم کی کتاب میں مذکور ہے۔ کہ جہم کوفے کا رہنے والا اور فصیح تھا۔ مگر کم علم تھا۔ اور ابن خزیمہ بھی کہتے ہیں کہ جہم کوفی الاصل تھا۔ اور ترمذ میں گھاٹ پر رہتا تھا صرف فصیح تھا۔ مگر اعلٰے درجے کا عالم نہ تھا۔ امام احمدؒ حنبل نے جہمیہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں کہتے ہیں ہم کو معلوم ہوا ہے کہ جہم کی ابتدا اس طرح ہوئی۔ کہ وہ اکثر اللہ تعالٰے کی نسبت بات حیت کرتا تھا۔ ایک جماعت کفار کی اسکو ملی جو سمنیہ کہلاتے تھے۔ یہ لوگ سومنا کی طرف منسوب ہیں۔ کہ جس میں ایک بت تھا۔ سمنیہ نے جہم سے کہا۔ کہ ہم تم سے گفتگو کرتے ہیں۔ اگر تمہاری حجت غالب آئے۔ تو ہم تمہارا دین اختیار کر لینگے۔ اور اگر ہماری حجت تم پر غالب آئے۔ تو تم ہمارے دین میں آجانا پھر ان میں اس طرح گفتگو ہوئی تھی۔

سمنیہ تم کو اس بات کا یقین ہے کہ ہمارا اللہ ہے۔

جہم ہاں مجھکو اسکا یقین ہے۔

سمنیہ تم نے اللہ کو کبھی اپنی آنکھ سے دیکھا ہے

جہم میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

سمنیہ۔ تم نے کبھی اللہ کی زبان سے کلام سنا ہے۔

جہم۔ میں نے کبھی اللہ کی زبان سے کلام نہیں سنا۔

سمنیہ۔ کبھی تم نے اسکی بو سونگھی ہے

جہم۔ جی نہیں۔

سمنیہ۔ کبھی تم نے اُسکو چھو لیا ہے۔

جہم۔ کبھی نہیں۔

سمنیہ۔ کبھی تم کو اللہ نے چھوا ہے۔

جہم۔ مجھکو بھی نہیں چھوا۔

سمنیہ۔ پھر تم نے کیسے جانا کہ وہ ہمارا اللہ ہے

جہم یہ بات سنکر متحیر ہو کر رہ گیا۔ اور چالیس دن تک اس فکر میں مبتلا رہا۔ کہ کس کی عبادت کروں۔ اور چالیس دن بوجہ شک کے نماز نہ پڑھی۔ پھر اس نے ایک دلیل مثل نصارے کے پیدا کی۔ نصارے کا زعم یہ ہے کہ جو روح حضرت عیسیٰ میں ہے۔ یہی اللہ کی روح ہے۔ اور اللہ میں سے ہے۔ پس جب اللہ یہ ارادہ کرتا ہے۔ کہ کوئی چیز پیدا کرے۔ تو وہ اپنی بعض مخلوق میں داخل ہوتا ہے۔ اور اسکی زبان سے کلام کرتا ہے۔ اور جس بات کو چاہتا ہے۔ اس کا حکم دیتا ہے جسکو نہیں چاہتا۔ اُسکی ممانعت کرتا ہے۔ اور وہ نظروں سے غائب ہے جہم نے بھی اس طرح ایک حجت پیدا کی۔ اور سمنی سے یوں ہمکلام ہوا۔

جہم۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ کی روح تم میں ہے۔

سمنیہ۔ ہاں یہ ضرور معلوم ہے کہ اللہ کی روح مجھ میں داخل ہے

جہم۔ تم نے وہ روح کبھی اپنی آنکھ سے دیکھی ہے

سمنی۔ نہیں دیکھی۔

جہم تم نے کبھی اسکا کلام اپنے کانوں سے سنا ہے۔

سمنی نہیں۔

جہم تم نے کبھی اُسکو یا اُس نے تم کو کبھی چھوا ہے

سمجھی جاتی کبھی نہیں

جہم۔ یہی حال اللہ تعالے کا ہے کہ وہ نہ ان آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ نہ اسکی آواز سنی جاتی ہے۔ نہ اُسکی بو سونگھی جاتی ہے۔ اور وہ نظروں سے غائب ہے اور نہ وہ کسی خاص مکان میں رہتا ہے۔ اور جہم نے اپنے کلام کی بنا اُن آیات پر قائم کی۔ جو متشابہات میں جیسے لیس کمثلہ شیء یعنی اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وھو اللّٰہ فی السموٰت والارض یعنی اللہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار یعنی اُسکو نہیں دیکھ سکتیں آنکھیں۔ اور وہ دیکھتا ہے آنکھوں کو۔ اس حکایت کو ابن ابی حاتم نے بھی کتاب الرد علی الجہمیہ میں خلف بن سلیمان بلخی سے اور ابن خزیمہ نے بھی توحید میں قدامہ سے روایت کیا ہے۔ جہم نے اپنے مذہب کا اظہار ترمذ میں کیا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ اللہ کے سوا کوئی فاعل نہیں ہے۔ مجازاً بندے کو فاعل کہدیتے ہیں۔ بندے کو نہ قدرت مؤثرہ حاصل ہے نہ کاسب یعنی نہ وہ فعل ایجاد کرسکتا ہے۔ نہ فعل کا کسب کرسکتا ہے۔ بلکہ وہ جمادات کی طرح ہے۔ جو کچھ اُس سے صادر ہوتا ہے وہ اس طرح صادر ہوتا ہے۔ جیسے جمادات سے۔ اور نہ اس بات کو مانتا تھا کہ ایک شے دو قادروں کی قدرت کا مقدور واقع ہوتی ہے[1]۔ جہم کو جبر میں اس قدر تشدد ہے۔ کہ ثواب و عقاب کو بھی جبر کہتا ہے۔ اور تکلیف کو بھی جبر خیال کرتا ہے۔ اُس نے اہل اسلام پر بہت سے شکوک ڈالے جنکا اثر مات اسلامیہ میں بہت برا ظاہر ہوا۔ اور بہت سے آدمیوں نے اُسکی متابعت کی فلاسفہ یونان کی طرح اُس کے قول کا انجام بھی تعطیل تھا۔ سارے صفات الٰہی کا منکر تھا۔ معتزلہ بھی اس نفی صفات میں جہم کے موافق ہیں۔ اور یہ سب

---

[1] ایثار الحق علی الخلق کی عبارت جہمیہ کے حق میں یہ ہے۔ فانہم زعموا ان للعبد قدرۃ غیر انہ لا تاثیر لہا البتۃ و افعالہ مخلوقۃ للّٰہ وحدہ ولم یثبتوا الکسب بالعبد ولا مقدورا بین القادرین ۱۲ منہ

معطلہ کہلاتے ہیں۔ اور جہم کہتا تھا اللہ کا اُس چیز کے ساتھ وصف کرنا جس کے ساتھ مخلوق موصوف ہوتی ہے جائز نہیں۔ پس اللہ کے لئے کوئی صفت مثلاً عالم یا حی یا مرید وغیرہ ہونے کی اسکے نزدیک ثابت نہ تھی۔ اسمائے حُسنیٰ کی حقیقتوں کا منکر تھا۔ کہتا تھا۔ کہ اللہ کا نام اُنکے ساتھ مجازاً رکھا گیا ہے یا مقصود ان سے کچھ اور ہے مغائر ان کے یا انکے معنی نہیں معلوم ہو سکتے۔ اور استوے علی العرش کا منکر تھا۔ کہتا تھا اللہ ہر مکان میں ہے۔ ابو شکور سالمی نے تمہید میں لکھا ہے۔ کہ اُس نے ایک بار امام مالک سے سوال کیا۔ کہ یہ جو قرآن میں ہے الرحمن علی العرش استوی تو اللہ تعالے عرش پر کیونکر قائم ہے۔ انہوں نے جواب دیا الاستوا غیر مجہول والکیف غیر معقول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ اور اسکے بعد یہ کہا کہ تو مجھے گمراہ معلوم ہوتا ہے۔ دیدار الہی کا بھی قائل نہ تھا اور قبر کے عذاب و ثواب اور سوال منکر و نکیر اور پل صراط اور حوض کوثر اور ملک الموت کا انکار کرتا تھا۔ اور یہ بھی مثل شیعہ اور معتزلہ کے کرامات اولیا کو باطل کرتا تھا۔ اور معجزات انبیا کو ثابت و صحیح مانتا تھا۔ کہتا تھا اگر کرامات کی تصدیق کی جائیگی۔ تو معجزات کا ابطال لازم آئیگا۔ اور انبیا اور اولیا میں مابہ الامتیاز کچھ نہ رہیگا۔ اور قرآن کو مخلوق بتاتا تھا۔ اور کہتا تھا جنت و دوزخ جنتی اور دوزخیوں کے اُن میں داخل ہونے اور اُنکے جنت و دوزخ سے متلذذ و متالم ہو جانے کے بعد فنا ہو جائینگی۔ اور سوائے ذات باری کے کچھ باقی نہ رہیگا۔ قرآن میں جہاں خلود کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ حقیقت پر محمول نہیں۔ بلکہ مبالغہ و تاکید پر محمول ہے۔ اسکا مذہب یہ ہے۔ کہ ایمان قلب کے ساتھ ہے۔ نہ زبان کے ساتھ اور جس نے اللہ کو پہچان لیا۔ اور زبان سے ایمان کا اقرار نہ کیا تو وہ کافر نہیں ہوتا ہے۔ اسلئے کہ علم خاموشی سے زوال نہیں پاتا ہے۔ اور کہتا تھا۔ کہ جہاں ایمان ہوتا ہے۔ وہاں کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مرد مومن گناہوں کی سزا سے ایمن ہے۔ اور جو شخص دل سے ایمان لایا۔ وہ کافر نہ ہوگا

بلکہ مومن ہے اسلئے کہ علم و معرفت انکار سے زائل نہیں ہوتے۔ معتزلہ نے استطاعت کی نفی کرنے کی وجہ سے اسکی تکفیر کی ہے ....

....

...... اور اہل سنت نے صفات الہی کی نفی کرنے اور قرآن کو مخلوق ماننے اور دیدار الہی کا انکار کرنے کی وجہ سے اُسکی تکفیر کی ہے۔ جہم اس بات میں متفرد تھا۔ کہ سلطان ظالم پر خروج کرنا جائز ہے۔ اور اُس کے نزدیک سب علوم خواہ تصوری ہوں یا تصدیقی نظری ہیں یعنی عقل سے غور اور فکر کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔ اور اُسکا قول ہے کہ ایمان نام ہے اللہ کی معرفت کا اور بعض جہمیہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالٰی کی اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے لائے ہیں۔ ان دونوں باتوں کی معرفت کا نام ایمان ہے جہم کہتا تھا۔ کہ اللہ تعالٰی کا علم حادث ہے۔ لیکن نہ ایسی صفت سے جسکے ساتھ غیر اللہ موصوف ہوتا ہے۔ اسی طرح کہتا تھا۔ کہ کلام الہی بھی حادث ہے۔ اور اللہ کو اسکا متکلم نہ سمجھنا چاہئے۔ اور کہتا تھا۔ کہ یہ بات جائز نہیں۔ کہ اللہ تعالٰی کسی شے کو قبل اُسکے پیدا ہونے کے جانے اسلئے کہ اگر اسکو پہلے سے علم تھا پھر اس نے پیدا کیا۔ تو اسکا علم بدستور باقی رہا یا نہ باقی رہا۔ اگر باقی رہا تو یہ جائز تھیرا اس لئے کہ علم اس امر کا کہ یہ چیز عنقریب پیدا ہو گی مغائر ہے اس علم سے کہ یہ چیز پیدا ہو چکی۔ اور اگر باقی نہ رہا تو یہ متغیر ہو گیا۔ اور متغیر مخلوق ہے۔ قدیم نہیں ہے۔ اور جب حدوث علم کا ثابت ہوا۔ تو پھر اس بات سے خالی نہیں کہ اُسکی ذات میں حادث ہو گا جس سے ذات محل حوادث ہو جائیگی۔ یا ذات باری میں تو نہیں۔ بلکہ کسی محل میں حادث ہو گا اس صورت میں محل اوسکے ساتھ موصوف ہوا نہ باری تعالٰی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ علم کے لئے محل نہیں ہے۔ کتاب الاوائل میں ابو ہلال عسکری نے لکھا ہے۔ کہ جس نے اول یہ کہا۔ کہ اللہ تعالٰی نے کبھی کلام نہیں کیا وہ جہم ہے۔ اور یہ قول اُس سے

خصوصیات میں سے ہے انتہی۔ مگر تحقیق یہ ہے۔ کہ جس نے دین اسلام میں
اول یہ کہا۔ کہ اللہ نے کلام نہیں کیا۔ وہ جعد بن درہم ہے۔ اور اسی نے اول
یہ بھی کہا تھا۔ کہ قرآن مخلوق ہے۔ جعد کا قول یہ تھا۔ کہ اللہ نے موسی علیہ السلام
سے خود کلام نہیں کیا تھا۔ بلکہ کلام اور آواز کو درخت میں پیدا کر دیا تھا۔ موسیٰ
نے اُسی درخت سے وہ کلام سنا تھا۔ اسی طرح جعد یہ بھی کہتا تھا۔ کہ جبریل نے
خدائے پاک سے قرآن نہیں سنا تھا۔ بلکہ جبریل نے لوح محفوظ میں سے پڑھ
لیا تھا۔ جب خالد بن عبداللہ قسری گورنر عراق نے اُسکی یہ بات چیت سنی تو
پکڑ لیا۔ اور عید الضحے کے دن خاص اسی بات کی سزا میں ذبح کر ڈالا۔ اول خالد
نے ممبر پر چڑھکر مسلمانوں سے خطبے میں بیان کیا۔ کہ تم قربانی کرو۔ اللہ اُسے
قبول کریگا۔ اور میں آج جعد بن درہم کو قربان کرتا ہوں۔ اسلئے کہ وہ کہتا ہے کہ
اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل نہیں بنایا اور نہ حضرت موسیٰ کے ساتھ کلام کیا
خالد یہ کہکر ممبر پر سے اُترے اور جعد کو ذبح کر ڈالا۔ یہ واقعہ تابعین کے زمانے کا
ہے۔ ابن تیمیہ نے کتاب العقل والنقل میں لکھا ہے۔ کہ جہمیہ اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ
کہ قرآن اللہ تعالےٰ سے مبائن ہے۔ یہی حال اسکے سارے کلاموں کا ہے۔ اور
اللہ تعالےٰ نے درخت میں کلام پیدا کر دیا تھا۔ اُسی کو حضرت موسیٰ نے سنا
تھا۔ اور اللہ کا کوئی ایسا کلام نہیں جو اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہوا ہو۔ تفسیر
جامع البیان مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی کے آخر میں ایک عربی کا رسالہ لگا ہوا
ہے۔ اُس میں بیان کیا ہے۔ کہ جہمیہ اور معتزلہ کے مذاہب میں فرق یہ ہے
کہ معتزلہ کہتے ہیں۔ اللہ نے حضرت موسیٰ سے حقیقت میں کلام کیا۔ اور بولا
تھا۔ مگر یہ کلام اس طرح کا تھا۔ کہ اللہ نے کسی بخیر چیز میں پیدا کر دیا تھا۔

[1] کتاب العقل والنقل کی عبارت یہ ہے۔ ان الجہمیۃ واشباہہم من المعتزلۃ قالوا
ان القرآن بائن من اللہ وکذالک سائر کلامہ وزعموا ان اللہ خلق کلاما
فی الشجرۃ فسمعہ موسی وخلق کلاما فی الہواء فسمعہ جبرئیل الخ

اُس سے حضرت موسیٰ نے سن لیا۔ اور وہ غیر چیز یا تو کوئی درخت تھا یا ہوا یا اور دوسری چیز۔ اللہ کی ذات کے ساتھ کلام قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نہ کوئی دوسری صفت جیسے قدرت مشیت رحمت حیات وغیرہ۔ اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہو سکتی ہے۔ اور جہمیہ کبھی تو یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کسی طرح کلام نہیں کیا۔ اور کبھی یہ بات صاف طور پر تو منہ سے نہیں نکالتے۔ کیونکہ اس میں صریح دین اسلام اور دین نصاریٰ اور یہود سے خلاف لازم آتا ہے۔ بلکہ بظاہر اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا۔ مگر ساتھ ہی اتنی تاویل کر دیتے ہیں۔ کہ اللہ نے اپنے کلام کو غیر چیز میں پیدا کر دیا تھا۔ اور دلیل اپنے مطلب پر یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ کلام کی حقیقت حروف و آواز ہیں۔ اور یہ دونوں محدث ہیں۔ اور حروف و آواز اُسی چیز کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ جو متغیر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ متغیر نہیں پس اللہ کے ساتھ کلام قائم نہیں ہو سکتا۔ اُسی رسالۂ عربی میں ذکر کیا ہے کہ جہمیہ کو اس بات کا جو جواب دیا ہے۔ اُسکی تین قسمیں ہیں۔ یہ جواب تین گروہوں نے دئیے ہیں (۱) کلابیہ اور اشاعرہ اور ماتریدیہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ کے کلام کی حقیقت حروف و آواز نہیں۔ بلکہ وہ تو ایک معنی اور مفہوم ہے۔ جو متکلم کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ حروف اور آواز تو اس معنی کے بیان کرنے کے لئے ہیں۔ اور وہ معنی مامور کے اعتبار سے امر ہے۔ اور بہ نسبت منہی عنہ کے نہی ہے اور مخبر بہ کے اعتبار سے خبر ہے۔ جبکہ اس معنی کو عربی الفاظ میں ادا کیا۔ تو قرآن کہلایا۔ اور عبرانی میں ادا کیا۔ تو توریت نام پایا۔ اور سریانی میں ادا کیا تو انجیل نام ہوا۔ پس کلام ایک ایسی چیز ہے۔ جو اپنی دونوں قسموں میں حقیقۃً مشترک ہے یا ایسا ہو کہ کلام خالق پر کلام کا اطلاق مجازی طور پر ہے۔ اور کلام مخلوق پر اسکا اطلاق حقیقۃً ہے۔ یہ رائے متاخرین اصحاب مالک اور شافعی اور احمد اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کی ہے (۲) اگرچہ کلام کی حقیقت حروف اور

آواز ہی ہیں۔ لیکن یہ دونوں چیزیں محدث نہیں۔ یہ مذہب سالمیہ کا ہے جو ابوالحسن بن سالم کے اصحاب ہیں۔ انکی رائے یہ ہے کہ قرآن مع حروف و آواز کے قدیم ہے۔ اور اللہ اسی کے ساتھ متکلم ہے۔ پہلا گروہ جس طرح کلام نفسی کو قدیم مانتا ہے۔ یہ دوسرا گروہ برخلاف اُسکے کلام لفظی کو قدیم کہتا ہے۔ انکی دلیل یہ ہے۔ کہ بغیر حروف و آواز کے کلام کا ہونا عقلاً ممنوع ہے کوئی معنی امر و نہی اور خبر نہیں ہو سکتا جس نے یہ دعوے کیا ہے۔ کہ توریت اور انجیل اور قرآن ایک ہی معنی ہے۔ اختلاف صرف عبارات میں ہے۔ جو اُس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ اُسکی غلطی ہے۔ اس تقدیر پر آیت کرسی اور قل ہو اللہ احد اور تبت یدا ابی لہب اور توریت اور انجیل ایک ہی چیز قرار پا جائینگے۔ اس گروہ نے ابن کلاب کے قول کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ یہ گروہ قرآن لفظی کو قدیم بتلاتا ہے۔ اور اس صورت میں حروف اور آواز کی قاتول کا قدیم ہونا لازم آتا ہے۔ کہ یہ دونوں اللہ کی ذات کو لازم ہیں اور با و سین و میم وغیرہ ہمیشہ سے موجود ہیں اور موجود رہینگے۔ کوئی شے اُن سے سابق نہیں یہ سب اللہ کی ذات کے ساتھ ازل سے قائم ہیں۔ یہ دوسرا مذہب بعض اصحاب امام مالک اور امام شافعی اور امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہ کا بتایا ہے (۳) تیسرا گروہ کہتا ہے کہ ہم نے مانا کہ کلام کی حقیقت حروف و آواز ہیں۔ اور حروف و آواز محدث بھی ہیں۔ مگر انکے محدث ہونے سے اگر یہ مراد ہے کہ انکا مخلوق ہونا اور اللہ سے منفصل ہونا واجب ہے۔ تو یہ بات ممنوع ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے۔ کہ وہ قدیم نہیں ہیں۔ تو یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ہم ایسے کلام کو جو قدیم نہو محدث بھی نہیں قرار دیتے۔ یہ گروہ اس بات کا قائل ہے۔ کہ اللہ تعالے نے حضرت موسیٰ سے جو کلام کیا نہ وہ قدیم تھا۔ نہ محدث اس فرقے کی یہ رائے ہے۔ کہ اللہ کی شان یہ ہے۔ کہ جب چاہتا ہے۔ کلام کرتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے نہیں کرتا۔ یہ بات بھی اُسی قبیل سے ہے جس طرح اُس نے اپنے

اپنے کلام میں فرمایا ہے خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یعنی اللہ نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر عرش پر قرار پکڑا۔ اور ثم استوے علے السماء وہی دخان پھر چڑھا۔ آسمان کثیف اور وہ دھواں تھا۔ اور ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملٰئکۃ۔ یعنی اُنکے پاس اللہ اور فرشتے ابر کے سائبانوں میں آویں۔ ایسی باتیں قرآن میں بہت ہیں۔ اور حدیث میں اکثر مقامات پر آیا ہے۔ کہ اللہ جب چاہتا ہے۔ اپنے افعال اور کلام کو جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہیں واقع کرتا ہے۔ پس جو اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ وہ اُسی کا کلام ہے نہ کسی غیر کا۔ اور مخلوق خالق کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتا۔ اور نہ رب مخلوق کا محل بن سکتا ہے۔ اللہ کی ذات پاک کے ساتھ وہی کلمات اور افعال قائم ہوتے ہیں۔ جنکو وہ چاہتا ہے۔ اور یہ چیزیں مخلوق نہیں ہوتیں۔ مخلوق وہ ہے۔ جو مبائن ہو۔ اور اللہ کا کلام اُس سے مبائن نہیں۔ وہ اسی سے موجود ہے۔ اسی کے ساتھ قائم ہے۔ یہ مذہب محدثین اور صوفیہ اور فقہا کا ہے۔ حافظ نے فتح میں کہا ہے۔ کہ جہمیہ کی جو مذمت اہل سنت نے کی ہے۔ تو وہ صرف مذہب جبر ہی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ سلف نے اُنکی مذمت پر اس وجہ سے بھی اتفاق کیا ہے۔ کہ صفات الٰہی کے منکر ہیں یہانتک کہ کہتے ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام نہیں۔ اور وہ مخلوق ہے۔ استاد ابو المنصور ابو القاہر بن طاہر تمیمی نے کتاب الفرق بین الفرق میں کہا ہے۔ کہ مبتدعہ کے رئیس چار ہیں۔ ان میں سے ایک جہم ہے۔ جو اللہ کے اوصاف کا منکر تھا اور بندے کو مجبور محض بتاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اللہ کا علم حادث ہے۔ اور اللہ کو متکلم نہ کہنا چاہیے۔ اور وہ اپنے بندوں سے کلام نہیں کرتا۔ امام ابو حنیفہ سے منقول ہے۔ کہ جہم نے نفی تشبیہ میں یہانتک مبالغہ کیا۔ کہ کہنے لگا اللہ تعالےٰ کچھ چیز نہیں۔ بخاری نے عبد العزیز بن ابی سلمہ کے طریق سے روایت کی ہے۔ کہ جہم کا کلام ایک صفت بے معنی ہے۔ اور ایسا مکان ہے۔ جسکی بنیاد نہیں۔ ابن

ابی حاتم نے معتمر بن سلیمان کے ذریعہ سے خلاد طفاوی سے روایت کی ہے کہ سلم بن احوز مازنی کو جو خراسان میں تھا خبر پہنچی۔ کہ جہم اس بات کا منکر ہے کہ اللہ تعالے نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا۔ تو اُسے قتل کر ڈالا۔ اور یہ واقعہ سنہ ۱۳۱ھ کا ہے۔ اور ابوالقاسم لالکائی کا قول کتاب السنۃ میں یہ ہے کہ جہم سنہ ۱۳۲ھ میں مارا گیا۔ اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں کہا ہے۔ کہ جس وقت مروان بن محمد کے قبضے میں زمام حکومت آگئی۔ اور اُس نے اپنی جانب سے عراق کی گورنری پر یزید بن عمر بن ہبیرہ کو مامور کیا۔ تو ابن ہبیرہ نے خراسان کی نیابت پر نصر بن سیار کو بحال رکھا۔ نصر نے مروان کی بیعت کی حرث بن شریح کو اس سے خطرہ پیدا ہوا۔ کہ مجھے یزید بن ولید نے امان دی تھی نہ کہ مروان نے ذہن میں یہ آنا تھا۔ کہ نکل کھڑا ہوا۔ اور اپنے ہوا خواہوں کو مجتمع کر کے ایک لشکر مرتب کر لیا۔ نصر سے تحریک کی۔ کہ شریک جماعت رہو جو کام کیا جائے۔ شورے سے کیا جائے۔ نصر نے منظور نہ کیا۔ تب حرث کے کہنے سے جہم بن صفوان نے کھڑے ہو کر نصر کے عادات وخصائل بیان کر کے لوگوں پر اُس امر کو جسکی اُسکو دعوت دیگئی ظاہر کر دیا (اور وہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث پر عمل کرو) اس سے عوام الناس پر بہت بڑا اثر پڑا یوماً فیوماً جماعت بڑھتی گئی۔ نصر نے حرث کو کہلا بھیجا میں تم کو ماوراء النہر کی حکومت دئے دیتا ہوں۔ ساتھ ہی اسکے تین لاکھ درم بھی دونگا۔ حرث نے اس سے انکار کیا۔ ان واقعات کے بعد نصر و حرث نے متفق ہو کر جہم بن صفوان و مقاتل بن حیان کو حکم مقرر کیا۔ ان دونوں نے باتفاق رائے یہ فیصلہ کیا کہ نصر معزول کر دیا جائے۔ اور حکومت خراسان کی بابت شورے ہونا چاہئے اور اہل خراسان جس سے راضی ہوں وہی اُنکا امیر مقرر ہو۔ کہ ان میں حکم عدل کے ساتھ کرے۔ مگر نصر نے اس تجویز کو نامنظور کیا۔ حرث نے اس انکار سے مخالفت کی راہ اور اعلان جنگ کر کے لڑائی کی تیاری کر دی۔ مگر شہر مرو پر

سالم بن احوز مازنی کے ہاتھ سے شکست پاکر بھاگا۔ یہ سالم نصر کا ایک سردار تھا۔ بعد ازاں نصر نے جدیع بن علی کرمانی کو بلا بھیجا۔ یہ اُس وقت ازد وریہ میں موجود اور حرث کا بہی خواہ تھا۔ کرمانی بن علی امن حاصل کرکے نصر کے پاس آیا۔ باتوں باتوں میں نصر کے مصاحبین نے کرمانی سے سخت کلامی کی جس سے اُسکو نصر کی طرف سے بدظنی پیدا ہوئی اُٹھ کر چلدیا لیکن اُسکے ہمراہیوں میں سے جہم بن صفوان کو گرفتار کرکے ان کو لوگوں نے مار ڈالا اور طبری نے واقعات ۱۲۸ھ میں ذکر کیا ہے۔ کہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے نصر بن سیار خراسان کا گورنر تھا حرث بن شریح نے اسپر خروج کیا۔ اور جہم اس وقت حرث کا میر منشی تھا۔ اور جب نصر نے جہم اور مقاتل کے فیصلے کو نامنظور کیا۔ تو حرث اور نصر میں مدت تک لڑائی رہی یہانتک کہ حرث ۱۲۸ھ میں مارا گیا۔ جہم کی نسبت بعض کا قول یہ ہے کہ وہ بھی میدان جنگ میں کام آیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ پکڑا گیا۔ اور نصر نے سالم بن احوز کو حکم دیا کہ اسکی گردن مار دے۔ جہم نے معافی چاہی مگر سالم نے قتل کئے بغیر نہ چھوڑا۔ اور وہ مقام مرو میں قتل کیا گیا۔ اور ابن ابی حاتم نے سعید بن رحمہ کے طریق سے روایت کی ہے۔ کہ جہم ۱۳۰ھ میں مارا گیا۔ اور ممکن ہے۔ کہ حرث سے دو برس کے بعد جہم کا قتل واقع ہوا ہو۔ پس کرمانی نے جو یہ کہا ہے۔ کہ ہشام بن عبدالملک کے ایام خلافت میں جہم مارا گیا یہ صحیح نہیں۔ شاید اُسکو سہو ہو گیا ہے۔ کہ اسکا ذہن جعد بن درہم سے جہم کی طرف منتقل ہو گیا۔ جعد ہشام کے عہد میں خالد قسری امیر عراق کے حکم سے مارا گیا۔ جعد یہ کہتا تھا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل نہیں بنایا۔ اور نہ حضرت موسیٰ سے کلام کیا۔ یہ مقالہ خاص جعد ہی نے اول مرتبہ سے نکالا ہے۔ جہم نے اُسکی تقلید کی ہے۔ اس لئے اسکا نام مقالہ جہمیہ مشہور ہو گیا۔ اور بخاری نے کتاب خلق الافعال میں لکھا ہے۔ کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جہم جعد بن درہم کا

شاگرد تھا۔ اور جہم کا واقعہ قتل جعد کے واقعہ سے بہت بعد ظہور میں آیا ہے کہ وہ عہد ہشام بن عبد الملک کا نہ تھا۔ شاید کرمانی کو یہ دھوکا اس روایت سے ہوا ہے جو ابن ابی حاتم نے صالح بن احمد بن حنبل کے طریق سے روایت کی ہے۔ اُنہوں نے کہا ہے۔ میں نے ہشام بن عبد الملک کے دفتر میں نصر بن سیار حاکم خراسان کے نام اس مضمون کا حکم دیکھا کہ ایک آدمی نے جسکا نام جہم ہے تجھ پر شورش کر رکھی ہے۔ اگر تو اس پر فتح یاب ہو تو اُسکو قتل کر ڈالیو۔ کرمانی نے اس سے یہ خیال کر لیا ہوگا کہ ہشام کے عہد میں جہم مارا گیا ہے حالانکہ اس حکم سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ ہشام کے وقت میں مارا گیا ہو اسلیے کہ جہم نصر سے لڑتا رہا ہو اور ہشام کے عہد میں نصر اُسپر کامیاب نہوا ہو بعد انتقال ہشام کے جہم کو شکست دیکر اسکو قتل کیا ہو۔

تذکرۃ المذاہب وغیرہ میں جہمیہ کے اتنے نام اور فرقے لکھے ہیں۔ معطلیہ۔ مرابضیہ۔ مترافیہ۔ واردیہ۔ حرقیہ۔ مخلوقیہ۔ نمیریہ۔ فانیہ۔ زنادقیہ قبریہ۔ واقفیہ۔ لفظیہ۔

معطلیہ۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی صفات مخلوق ہیں۔

مرابضیہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علم و قدرت اور مشیت مخلوق ہیں۔

واردیہ کہتے ہیں کہ جو دوزخ میں داخل ہوگا پھر وہ اُس سے باہر نہ نکلیگا۔ اور مومن دوزخ میں داخل نہونگے۔

حرقیہ کہتے ہیں کہ دوزخی جلینگے مگر نہ اس طرح کہ انکا اثر باقی نہ رہے

مخلوقیہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے

نمیریہ کہتے ہیں کہ حضرت سرور عالم حکیم ہیں نہ رسول

فانیہ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ فنا ہو جائینگی۔

زنادقیہ۔ کہتے ہیں کہ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو ہوا تھا۔ نہ جسم کو اور اللہ نہ قیامت میں دکھ سکتا ہے۔ نہ خواب میں اور یہ قیامت کے

منکر ہیں۔ اور عالم کو قدیم جانتے ہیں۔
قبریہ عذاب قبر کے منکر ہیں۔
واقفیہ کہتے ہیں کہ یہ معلوم نہیں کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔
لفظیہ کہتے ہیں کہ قرآن قاری کا کلام ہے نہ اللہ کا مہر انور مصنفہ مولوی وکیل احمد سکندرپوری سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے تھے۔ کہ ہم جو قرآن کا تلفظ کرتے ہیں۔ تو یہ لفظ جو ہمارے منہ سے نکلتے ہیں مخلوق ہیں۔ ان کو وہ لوگ جو الفاظ قرآن کو بھی قدیم سمجھتے تھے۔ مبتدع کہتے تھے۔ اور ان کا نام لفظیہ رکھا تھا۔ چونکہ محمد بن اسمٰعیل بخاری کا بھی یہی مذہب تھا اسلئے انکو محمد بن یحییٰ بن عبداللہ خالد بن فارس ذہلی لفظیہ کہتے تھے۔ اور ذہلی ایک ایسے جلیل الشان محدث ہیں۔ جنھیں ابن داؤد امیر المومنین فی الحدیث اور ابو حاتم امام اہل زمان کہتے تھے۔ اور جن سے بخاری ایسی احادیث کی روایت کرتے ہیں۔ جنکو بخاری نے اپنے مشائخ سے نہیں پایا اور سوائے انکے کسی سے وہ روایت نہیں ملی۔ ذہلی محمد بن اسماعیل بخاری کو مبتدع کہتے تھے۔ اور قابل مجالست نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ذہلی نے یہ حکم دیا کہ جو شخص بخاری کے پاس جائے۔ اُسکو متہم سمجھنا چاہیئے۔ اسلئے کہ بخاری کی مجلس میں ایسا ہی شخص حاضر ہوگا۔ جو اُنکے مذہب پر ہوگا۔ جب بخاری نیشاپور میں رہنے لگے۔ تو مسلم بن الحجاج بخاری کے پاس زیادہ آتے جاتے تھے جب ذہلی و بخاری میں مسئلہ لفظ میں اختلاف ہوا۔ تو لوگوں کو منع کیا۔ کہ وہ بخاری کے پاس نہ جائیں۔ چنانچہ لوگوں نے بخاری کے پاس جانا چھوڑ دیا مگر مسلم نے نہ مانا۔ اور برابر بخاری کے پاس جاتے تھے۔ ذہلی نے ایک دن کہا کہ جو شخص لفظ کا قائل ہو کسے یہ حلال نہیں کہ ہماری مجلس میں حاضر ہو چونکہ مسلم قائل بہ لفظ تھے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور چادر عمامے پر ڈال لی اور چلے گئے۔ اور احمد بن سلمہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تب ذہلی نے یہ کہا کہ یہ

شخص میرے شہر میں نہ رہے۔ تو بخاری ڈرے۔ اور انہوں نے سفر اختیار کیا۔ چنانچہ اس قصے کو ذہبی نے سیر اعلام النبلا میں لکھا ہے۔ ذہبی اُس میں لکھتے ہیں قال الحاکم انبا ابو عبد اللہ محمد بن یعقوب الاخرم سمعت ابن علی المخلدی سمعت محمد بن یحیی یقول قد اظہر ھذا البخاری قول اللفظیۃ واللفظیۃ عندی شر من الجہمیۃ۔ یعنی محمد بن یحیی کہتے تھے کہ اس بخاری نے لفظیہ کا قول ظاہر کیا۔ اور میرے نزدیک لفظی جہمیہ سے برے ہیں۔

ابن تیمیہ نے اپنے رسالے میں جو خاص اللہ کے کلام کرنے کی بحث میں لکھا ہے۔ یہ چار نام بھی ذکر کئے ہیں خلقیہ اور حدوثیہ اور اتحادیہ یا اقترانیہ بعض رسائل میں لکھا ہے۔ کہ جہمیہ اتحادیہ جنکو اپنے مذہب میں نہایت غلو ہے۔ اس بات کے مدعی ہیں کہ جو کچھ ہم کو الہام حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس چیز سے افضل ہے جو حضرت موسیٰ کو حاصل ہوئی تھی (مراد اس سے اللہ کا حضرت موسیٰ سے کلام کرنا ہے)

دوم بکریہ۔ یہ بکر بن اخت عبد الواحد کے اصحاب ہیں۔ یہ شخص اس عقیدے میں نظام کے موافق تھا کہ انسان صرف روح ہے۔ اور یہ بھی زعم کرتا تھا کہ اللہ قیامت کے دن ایک ایسی صورت میں دکھائی دیگا جسکو وہ پیدا کریگا۔ لوگ اُسی صورت سے بات چیت کرینگے۔ صاحب کبیرہ منافق ہے۔ دوزخ کے سب سے تلے کے طبقے میں ہوگا۔ اسکا حال کافر کے حال سے بھی بدتر ہے۔ پیاز اور لہسن کے کھانے کو حرام بتاتا تھا۔ وضو کو قرقر شکم سے واجب کہتا تھا۔ اور حضرت ابوبکر کی خلافت پر نص ہونیکا قائل تھا۔

سوم ضراریہ۔ یہ ضرار بن عمرو کے اصحاب ہیں۔ یہ معتزلہ تھا ساتھ کئی مقالات کے کہتا تھا۔ اللہ کی رویت قیامت دن ایک اور حاسے سے ہوگی جو ان حواس خمسہ سے زائد ہوگا۔ اور ابن مسعود اور ابی بن کعب کی قراءت

کا منکر تھا۔ اور کہتا تھا۔ انکی قراءت کے مصحف وہ قرآن نہیں جسکو اللہ نے
نازل کیا ہے۔ اور عامۂ مسلمین کے دین میں شک کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ یہ
یہ لوگ کفار ہیں جسم کو اعراض مجتمعہ بتاتا تھا۔ شہرستانی ملل و نحل میں کہتا
ہے کہ حفص فرد بھی مسئلہ تعطیل میں ضرار کے موافق ہے۔ کیونکہ دونوں کا قول یہ
ہے۔ کہ باری تعالے کو جو عالم اور قادر کہتے ہیں۔ اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ
وہ جاہل اور عاجز نہیں۔ اور اُسکے واسطے ایسی ماہیت ثابت کرتے ہیں۔
جسکو سوا اسکے کوئی نہیں جانتا۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ قول امام ابو حنیفہ اور اُن
اصحاب کے رائے کے مطابق ہے۔ اسکے تابعین نے اُسکے قول کی یوں تاویل
کی ہے۔ کہ مراد اس قول سے کہ اللہ کے لئے ایک ماہیت ہے۔ اُسکی ذات
سے علیحدہ یہ ہے۔ کہ اللہ پر اُسکا نفس ظاہر ہے۔ وہ اُسے بخوبی جانتا ہے
کسی قسم کی دلیل اور خبر کی اُسکو ضرورت نہیں ہے۔ اور ہم اُسکو دلیل اور
خبر سے جانتے ہیں۔ اور بندے کے کام اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ بندہ
انکا کاسب ہے۔ اور جائز ہے کہ ایک فعل دو فاعلوں میں مشترک ہو۔ اور
اہل سنت کا یہ قول ہے۔ کہ ایک چیز دو قدرت موثرہ کا مقدور نہیں بن سکتی
بلکہ دو قدرت کا سبب بھی ایک مقدور سے متعلق نہیں ہو سکتیں۔ پس زید کو
خالد کے کام پر قدرت حاصل نہوگی۔ اور ضرار کہتا تھا۔ کہ جائز ہے کہ اللہ
اعراض کو اجسام سے بدل دے۔ اور کہتا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
بعد صرف اجماع صحابہ کا حجت ہے۔ پس احکام دین میں خبر آحاد نامقبول ہے
کہتا تھا۔ کہ اللہ کا پہچاننا عقلاً واجب نہیں جب تک رسول نہ آئیں۔ اور
حرام و حلال کو نہ بتائیں اُسکی معرفت واجب نہیں۔ اسکے نزدیک امامت
غیر قریشی کی بھی جائز ہے۔ بلکہ جب قریشی اور گنوار مسلمان جمع ہوں۔ تو گنوار
کو اس منصب کے لئے منتخب کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اُسکے طرفدار کم ہونگے۔ پس کوئی
کام شریعت کے خلاف کریگا۔ تو اُسکا معزول کرنا آسان ہوگا۔ اگرچہ معتزلہ بھی امامت

غیر قریشی کی جائز رکھتے ہیں۔ مگر قریشی پر اسکو تفوق نہیں دیتے۔
مؤید الافاضل اور تذکرۃ المذاہب وغیرہ میں جبریہ کے اتنے نام اور فرقے
لکھے ہیں۔ مضطریہ۔ افعالیہ۔ معیہ۔ مفروغیہ۔ متمنیہ۔ کسلیہ۔ سابقیہ۔ حبیبیہ۔ خوفیہ
فکریہ۔ حسبیہ۔

مضطریہ اسلئے کہتے ہیں۔ کہ انکے نزدیک خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے
بندے کو انکے صدور میں اختیار نہیں

افعالیہ۔ اسلئے کہتے ہیں کہ انکے نزدیک بندے سے افعال صادر ہوتے
ہیں۔ مگر انپر بندے کو قدرت نہیں۔

معیہ۔ یہ نام انکا اسلئے ہوا کہ انکا قول ہے کہ فعل و قدرت دونوں
بندے کو حاصل ہیں۔

مفروغیہ اس لئے کہلاتے ہیں۔ کہ جو کچھ واقع ہوتا ہے۔ وہ بغیر اختیار
کے ہوتا ہے۔

بجاریہ۔ یہ کہتے ہیں۔ کہ بندوں کو جو اللہ پاک سزا دیتا ہے۔ وہ اپنے
افعال کی وجہ سے دیتا ہے نہ بندوں کے افعال پر۔

متمنیہ اسلئے کہتے ہیں۔ کہ انکے نزدیک یہ بات مقرر ہے۔ کہ جس چیز پر
نفس ٹھیر جائے۔ اور اُسے اختیار کرلے وہ خیر ہے۔ اور جسکو نفس چھوڑ دے
اور مکروہ جانے وہ شر ہے۔

کسلیہ یوں کہلاتے ہیں۔ کہ انکے نزدیک ثواب و عذاب نیک و بد کام کے
سبب سے نہیں حاصل ہوتے۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لفظ کسبیہ ہے
اور بحر المذاہب میں یوں ہی ہے۔

سابقیہ۔ یہ نام انکا اسلئے مقرر ہوا کہ انکا زعم یہ ہے کہ سعادت و شقاوت
بندوں کی تقدیر میں ازل سے مقرر ہو چکی ہیں۔ نہ انہیں طاعت سے نفع پہنچیگا
نہ گناہ سے ضرر ہو۔

حبیبیہ۔ انکو اسلئے کہتے ہیں۔ کہ انکا قول ہے۔ کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا۔ اور اللہ ہمارا حبیب ہے
فکریہ۔ اس لئے مشہور ہوئے کہ انکے نزدیک فکر عبادت سے افضل ہے جسکے جتنے عمل زیادہ ہوتے ہیں۔ اُسکی اُتنی ہی تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں اور خلق پر اُسکی احتیاج کا پورا کرنا واجب ہے۔ اور وہ مسلمانوں کے مال میں شریک ہے۔ سو جو اُسے منع کرے وہ ظالم ہے۔
خوفیہ اسلئے کہتے ہیں۔ کہ انکا عقیدہ یہ ہے۔ کہ حبیب سے حبیب کو خوف نہ کرنا چاہیئے۔ اور اللہ ہمارا حبیب ہے۔
حسبیہ یہ توریث اور وراثت کے منکر ہیں۔
انہی جبریہ میں سے ایک فرقے کا نام بطیخیہ ہے۔ یہ اسماعیل بطیخی کے متبع ہیں۔ اور دوسرے کا صباحیہ کہ ابو صباح بن معمر کی طرف منسوب ہیں

فرقہ قدریہ

قدریہ بفتح دال اور کبھی سکون دال سے بھی استعمال کرتے ہیں۔ کذا فی المرقاۃ اور یہ قدریہ منسوب ہیں۔ قدر کی طرف کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ بندوں کے تمام افعال میں بندوں کی قدرت جو اللہ کی پیدا کی ہوئی ہوتی ہے موثر ہے پس بندہ اپنے افعال کا آپ خالق ہے۔ قضاء و قدر الہی کو اس میں دخل نہیں۔ اور اپنے کاموں میں بندہ محتاج خدا کا نہیں ہے۔ قدریہ اور جبریہ فرقے دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کیونکہ یہ عبد کو قادر و مختار کہتے ہیں۔ اور جبریہ بالکل عاجز و مجبور بتاتے ہیں۔ ابو المنتہی نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے۔ کہ قدریہ عام ہے۔ اور معتزلہ خاص ہے۔ اسلئے کہ تمام معتزلہ قدریہ ہیں۔ اور بعض دوسرے فرقے بھی قدریہ ہیں۔ پس کل معتزلہ قدریہ ہوئے اور کل قدریہ معتزلہ نہیں ہوئے۔ پہلی جو بدعت زمانہ صحابہ میں نکلی۔ وہ یہی

مذہب قدریہ کا ہے۔ سب سے پہلے جس نے اس مسئلے کو چھیڑا معبد بن خالد جہنی ہے۔ جب بصرے میں اُس نے اس مسئلے میں گفتگو شروع کی تو بہت سے اہل بصرہ اُسکی رائے پر چلنے لگے معبد نے اس رائے بدعت انگیز کو ایک شخص سے لیا تھا۔ اُسکا نام **ابو یونس سنسویہ** تھا۔ اُسکو **اسواری** کہتے تھے۔ جب یہ فتنہ بڑھا تو حجاج نے بہ حکم عبد الملک بن مروان سنہ ۸۰ھ میں اسکو عذاب دیکر سولی پر چڑھایا۔ یہ خبر جب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو پہنچی۔ اور انہوں نے بات چیت معبد جہنی کی سنی۔ تو قدریہ سے بیزاری ظاہر کی۔ ایک جماعت اس بدعت میں معتقد معبد کی ہو گئی تھی۔ اور ابن سیار نظام اور ہشام بن عمرو فوطی اور اصم کو قدر میں بڑا مبالغہ تھا۔ قاضی عطا بن یسار بھی معتقد قدر کے تھے۔ وہ اور معبد دونوں حسن بصری کے پاس آتے جاتے اور کہتے کہ یہ لوگ خونریزی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہمارے اعمال اللہ کی تقدیر پہ جاری ہیں۔ حسن نے کہا۔ یہ اعداء اللہ جھوٹے ہیں۔

شبہہ قدریہ کی منشا اس قول سے کہ بندہ خالق افعال ہے یہ نہیں ہے۔ کہ وہ صفت خالقیت میں اللہ تعالےٰ کی مثل ہے۔ اور جو قوت و استقلال اللہ تعالےٰ کو اس صفت میں حاصل ہے۔ ویسے ہی بندے کو بھی حاصل ہے۔ بلکہ وہ بندے کی خالقیت کو غیر مستقل جانتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اپنے افعال کے پیدا کرنے میں ان اسباب اور آلات کا محتاج ہے۔ جو باری تعالےٰ نے پیدا کئے ہیں۔ پس بندے کی اور خدا کی خالقیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قدریہ جو بندے کو خالق اسکے افعال کا جانتے ہیں۔ اُنکے مذہب پر دو گنتی خدا لازم آتے ہیں۔ اسی طرح جنہوں نے یہ کہا۔ کہ مجوسیوں اور قدریوں میں یہ فرق ہے۔ کہ مجوس خالق شرور و قبائح کو سوائے ذات یزدان کے جانتے ہیں۔ اور اسے شریک الوہیت بتاتے ہیں سگر ایک ہی

شریک مانتے ہیں۔ زیادہ کی شراکت کے قائل نہیں۔ اور قدریہ ہر موذی ضعیف اور سگ وگربہ کو خدا کا شریک خلق وایجاد میں جانتے ہیں۔ یہ سراسر تعصب ہے۔ چونکہ ہمارے علمائے ماتریدی کو انکی رائے کے ابطال میں بہت کچھ اصرار تھا اس واسطے بیانات میں بڑا مبالغہ کیا ہے۔ اور انکی گمراہی کے اثبات میں دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہیں۔ اور یہانتک کہہ دیا ہے کہ قدریہ مجوس سے بھی بدتر ہیں۔ کہ ہر بشر کو خالق اپنے افعال کا جانتے ہیں۔ مجوس تو خدا کا ایک ہی شریک بتاتے ہیں۔ اور یہ بے تعداد شرکا ثابت کرتے ہیں۔ لیکن قدریہ کو مشرک کہنا جائز نہیں۔ اسلئے کہ شرکت یا الوہیت میں ہوتی ہے۔ یا عبادت میں الوہیت میں خدا کا شریک مجوس ثابت کرتے ہیں۔ اور عبادت میں بت پرست قدریہ بیچارے تو بندے کو خالق یا مخترع غیر مستقل بتاتے ہیں۔ مگر حدیث میں جو وارد ہے۔ القدریة مجوس هذه الامة قدری اس امت کے مجوس ہیں اسلئے بعض علما کہتے ہیں۔ کہ قدریہ کافر ہیں۔ بعد اسکے اختلاف ہے۔ کہ کفر انکا تاویلی ہے یا ارتدادی مگر قول مختار یہ ہے کہ کافر نہیں بلکہ فاسق ہیں کیونکہ یہ بھی قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ پس جو علما انکو کافر کہتے ہیں۔ وہ تو انکے حق میں رعایت حقوق اسلام سے منع کرتے ہیں۔ اور جو فاسق کہتے ہیں وہ جائز رکھتے ہیں۔ اور اس حدیث کو زجر و تغلیظ اور انکے اعتقاد کی برائی بیان کرنے پر حمل کرتے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ قدریہ کو جو مجوس کہا ہے۔ سو مراد اس سے صرف تشبیہ ہے۔ جس میں یہ ضرور نہیں۔ کہ مشبہ سب طرح کی مماثلت و مشابہت میں مشبہ بہ کا مساوی ہو۔ اور تمام احکام میں دونوں شریک ہوں۔ بلکہ نسائی کہتا ہے۔ کہ اس حدیث کا مصداق قدریہ میں صرف وہ فرقہ ہے جسے شیطانیہ کہتے ہیں۔ اور محمد بن نعمان شیطان الطاق کی طرف منسوب ہے۔

فرقہ مشبہ

بیان کرتے ہیں۔ کہ جس نے سب سے پہلے تشبیہہ کا قول ظاہر کیا وہ شیبان خارجی ہے۔ جسکے متبعوں کو شیبانیہ کہتے ہیں۔ اس نے مروان بن محمدؒ کے عہد میں خروج کیا تھا۔ اور سنہ ۱۳۰ھ میں جستان میں جاکر مر گیا اور بعض کہتے ہیں۔ کہ خلیفہ سفاح کے سپہ سالار کے ہاتھ سے شکست پاکر ۱۳۳ھ میں والی عمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ ابو مسلم خراسانی کے ایک افسر کے مقابلے میں کام آیا۔ مشبہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ مخلوق کے ساتھ مشابہ ہے اسی لئے جناب باری کی تمثیل محدثات کے ساتھ دیتے ہیں۔ اللہ کی صفات ثابت کرنے میں انکو بڑا غلو ہے یہ معتزلہ کی ضد ہیں۔ جو اللہ کے لئے صفات ثابت نہیں کرتے۔ کیونکہ اثبات صفات میں اللہ تعالےٰ کی تشبیہہ لازم آتی ہے اور جس نے اللہ کو اُسکی مخلوق کے ساتھ تشبیہہ دی وہ مشرک ہے اسی طرح یہ لوگ اور جو انکی طرح اللہ کے لئے صفات ثابت نہ کریں وہ معطلہ کہلاتے ہیں۔ اور اہل سنت یہ کہتے ہیں۔ کہ تعطیل اور تشبیہ دونوں کی نفی کی جائے **تعطیل** یہ ہے کہ اس ذات مقدس کے لئے صفات کمال ثابت نہ کریں اور **تشبیہ** اسے کہتے ہیں۔ کہ اُسکے واسطے صفات کمال اس نہج سے ثابت کریں۔ کہ مخلوق کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جائے۔ اور مثال دونوں قسموں کی اس طرح ہے۔ کہ جب کہیں کہ خدا عالم نہیں ہے یا عالم کا اطلاق خدا پر نہ کرنا چاہئے یہ تعطیل ہوگی۔ اس لئے کہ صفت علم سے کہ جو صفت کمال ہے اُسکو معطل اور معرا کر دیا۔ اور اگر یوں کہیں۔ کہ جس طرح ہم عالم ہیں خدا بھی عالم ہے یہ تشبیہ ہے اسلئے کہ خدا کو صفت علم میں مخلوق سے مشابہ کر دیا ہے۔ اور اگر کہیں کہ خدا کو علم حاصل ہے۔ اس طرح کہ ہمارے علم سے اُس کے علم کو کسی طرح مشابہت نہیں۔ یہ صورت علم کے اثبات اور تشبیہ کی نفی کی ہے

اسی طرح سمع اور بصر اور تمام صفات کو خیال کر لینا چاہئے۔ اور توضیح اسکی یہ ہے
کہ ہم اشیاء کو اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ اور اس دیکھنے میں ہم کو کمال حاصل
ہوتا ہے۔ مگر یہ کمال نقصان سے خالی نہیں اسلئے کہ ہم کو یہ کمال قوت باصرہ اور
عضو مخصوص کی اعانت کے بدوں حاصل نہیں ہوتا۔ یہی بہت بڑا نقصان
ہے۔ کہ ہمارے عجز کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور خدا پاک ہے اس سے کہ کوئی
عضو یا جزو رکھتا ہو یا کسی چیز کے ادراک میں کسی عضو کی طرف احتیاج پڑے
اور ہمارا علم عدم کے بعد حاصل ہوا ہے۔ اور خدا اس سے منزہ ہے کہ اس کو
علم جہل کے بعد حاصل ہوا ہو۔ اور ہم کو کسی شے پر علم جب آتا ہے۔ کہ اس کا
مفہوم خاطر نشین ہو جائے۔ اور یہ بھی ہمارے نقصان کی وجہ سے ہے۔ اور خدا
محل حوادث ہونے سے منزہ ہے۔ اور جب چیز غائب ہو جاتی ہے۔ تو ہمارا
علم بھی زائل ہو جاتا ہے۔ اور خدا میں علم کا زوال محال ہے۔ اور ہمارا علم
علتوں کا معلول ہے۔ اور خدا کے علم کے واسطے علت کی ضرورت نہیں۔
حاصل یہ ہے کہ خدا کے لئے اشیا کا علم اس طرح ثابت کرنا چاہیے جس میں
کمال پیدا ہو۔ اور نقصان کے وجوہات جو ہمارے علم میں لازم ہیں۔ انکی نفی
کرنا چاہئے۔ شہرستانی ملل ونحل میں کہتا ہے کہ امام مالک بن انس اور
امام احمد بن حنبل اور داؤد بن علی بن محمد اصفہانی المعروف بہ داؤد
ظاہری نے باوجودیکہ متشابہات کو انکے معانی ظاہری پر حمل کیا اور تاویل کی
طرف متوجہ نہوئے لیکن کہا کہ ہم کو یقین ہے۔ کہ اللہ کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے
اور نہ کوئی چیز مخلوق میں سے اسکے مشابہ ہو سکتی ہے۔ اور تشبیہ سے احتراز
کیا۔ اور داؤد جوار بی اور نعیم بن حمدان مصری وغیرہ اصحاب حدیث
کہتے ہیں۔ کہ اللہ ذی صورت ہے۔ اس کے لئے اعضاء ہیں۔ اور بعض[۱] نے یہ کہا ہے
کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم اور داؤد ظاہری اور ابن حزم اور شوکانی یہ پانچوں

[۱] دیکھو نظم الفرائد حاشیہ شرح العقائد زیر شرح ولا یجری علیہ زمان ۱۲

بڑے بھاری مجسمہ ہیں اور اس ملت کے خلفا ہیں۔ کتاب ہیسر میں حنابلہ کو بھی مجسمہ میں شمار کیا ہے۔ اور مجسمہ کو اہل بدعت قرار دیا ہے۔ یہ یاد رہے کہ بعض آیات و احادیث میں ایسے الفاظ ہیں جنکے ظاہری معانی اللہ تعالے کی جسمیت پر دلالت کرتے ہیں مثلاً الرحمن علی العرش استوے یعنی وہ بڑے مرتبے والا عرش پر قائم ہوا وجاء ربك والملك صفا صفا یعنی جبکہ آویگا تیرا پروردگار اور آوینگے فرشتے صفوں کی صفیں ثم دنے فتدلے فکان قاب قوسین او ادنے پھر نزدیک ہوا پس اُتر آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کی برابر یا اس سے بھی نزدیک ید الله فوق ایدیهم یعنی اللہ کا ہاتھ اُنکے ہاتھ کے اوپر ہے ویبقی وجه ربك یعنی باقی رہیگا منہ تیرے رب کا یوم یکشف عن ساق جس دن کھولی جائیگی پنڈلی۔ اور ابو ہریرہ سے صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ ومن اہل النار فلا تمتلی حتی یضع الله رجله یعنی دوزخ نہیں بھریگی یہانتک کہ اللہ تعالے اُس میں اپنا پاؤں رکھیگا۔ اور ابو ہریرہ سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے لما قضی الله الخلق کتب کتابا فهو عنده فوق عرشه جبکہ مقدور کیا اللہ تعالے نے پیدا کرنا مخلوق کا تو ایک کتاب لکھی پس وہ کتاب اللہ تعالے کے پاس اُسکے عرش پر ہے اور ابو ہریرہ سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے ینزل ربنا تبارك وتعالى الى السماء الدنیا نزول فرماتا ہے رب ہمارا ہر رات میں طرف آسمان دنیا کے۔ اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا وعدنی ربی ان یدخل الجنة من امتی سبعین الفا بلا حساب علیهم ولا عذاب مع کل الف سبعون الفا وثلاث حثیات من حثیات ربی وعدہ کیا ہے مجھ سے پروردگار میرے نے کہ داخل کریگا بہشت میں میری امت سے ستر ہزار بلا حساب و عذاب کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر اور تین لپیں میرے رب کے لپوں سے ہونگے۔ اور عبد اللہ بن مسعود سے بخاری و مسلم نے

روایت کی ہے ان اللہ یمسک السموات یوم القیامۃ علی اصبع والارض علی اصبع الخ
یعنی اللہ تعالیٰ تھامے گا قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمین کو دوسری
انگلی پر اور عبداللہ بن عمر سے مسلم نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے
ان قلوب بنی آدم بین اصبعین من اصابع الرحمن تمام بنی آدم کے دل اللہ
تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں۔ اور مسلم نے روایت کی ہے یمین اللہ ملئی
یعنی اللہ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ یہ کلام ظاہری اور
ظنی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا جسمیت سے منزہ ہونا یقینی ہے اور یقینیات کے
مقابلے میں ظنیات کا اعتبار نہیں۔ اور یہ بھی مسلمات سے ہے کہ جبکہ دو دلیلیں
آپس میں مخالف ہوں۔ تو انپر اس طرح عمل کرنا چاہیئے۔ کہ ظواہر کی تاویل
کردینا چاہیئے اور اس تاویل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تاویل اجمالی وہ
یہ ہے۔ کہ اعتقاد کرے۔ کہ جو کچھ ان سے مراد ہے۔ وہ حق ہے۔ اور انکی کیفیت
کو معلوم کرنے کے درپے نہو۔ اور تفصیل انکی اللہ تعالیٰ کے تفویض کردے
پس استواے حق تعالیٰ عرش پر اور اسی طرح ید و وجہ و ساق و قدم و اصبع
و حثیات وغیرہ کہ قرآن و حدیث اسپر ناطق ہیں خبر متواتر اور اجماع سلف سے
ہم کو پہنچا ہے۔ کہ یہ الفاظ اپنے معانی ظاہری پر محمول ہیں۔ مذہب اسلم یہی ہے۔
اور سلف نے یہی اختیار کیا ہے۔ اور صحابہ کا سارا عصر اسی حالت پر گذرا
تھا۔ یہانتک کہ اکثر متکلمین متاخرین نے دوسری راہ تاویل تفصیلی کی
اختیار کی مثلاً مراد استوا سے استیلا اور ید سے قدرت اور وجہ سے ذات
ہے۔ اور مراد قدم سے حدیث نار میں قدم بعض مخلوقات الٰہی کا ہے۔ اور
رب کے نزول فرمانے سے مراد یہ ہے کہ حکم اسکا اور رحمت اسکی یا ملائکہ اسکے
اترتے ہیں اور حثیات یعنی لپیں یا مٹھیاں کنایہ ہے کثرت اور مبالغہ سے
اور اصبع کنایہ ہے۔ تصرف اور غلبۂ قدرت اور عظمت الٰہی سے اور اصلی معنی
مراد نہیں۔ ذہبی نے سیر النبلا میں قتیبہ اور علی بن مدینی اور اسحاق بن راہویہ

اور مزنی اور ابو حاتم رازی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس قسم کے الفاظ کی تاویل
نہیں کرتے تھے ظاہری معنی پر حمل کرتے تھے۔ اور بھی ذہبی نے کتاب العرش
میں اس قسم کے اقوال کہ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حق جل شانہ عرش پر ہے
بلا کیف صدہا صحابہ اور تابعین اور فقہا اور محدثین سے نقل کئے ہیں۔ اور
احادیث نبویہ بھی جو اللہ تعالےٰ کے عرش پر ہونے پر دلالت کرتی ہیں ذکر کی
ہیں۔ اور کتاب فقہ مالکی میں لکھا ہے۔ کہ اللہ کی ذات عرش پر ہے۔ اور اسکا علم
ہر مکان میں ہے۔ اور ملا علی قاری کی شرح قصیدہ بدء الامالی اور ابن ہمام حنفی
مولف فتح القدیر کی مسائرہ اور ابن عبد العزیز بخاری حنفی کی کتاب کشف الاسرار
شرح اصول بزدوی اور ابو شکور حنفی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب
صحابہ وغیر صحابہ و ائمہ وغیر ائمہ حنفیہ وغیر حنفیہ سب کا یہ ہے۔ کہ حق جل شانہ
کی فوقیت عرش پر وید و وجہ وغیرہ صفات بلا کیف ہیں۔ اور تاویل کرنا ان
سب کی صحیح نہیں تاویل کا منشا صرف اسی قدر ہے۔ کہ جب مجسمہ نے اس قسم
کی احادیث و آیات سے تجسیم کا خیال کیا۔ تو علما نے انکے الزام و اسکات کے
واسطے تاویل کرنا شروع کیا نہ اس غرض سے کہ یہ معانی ماول مراد ہیں بلکہ
اس غرض سے کہ تجسیم کا شبہ دفع ہو جائے۔ ورنہ یہ الفاظ سب معانی ظاہرہ پر
محمول ہیں۔ اور کیفیات ان سب کی مجہول ہیں۔ اور اس میں تجسیم بھی لازم
نہیں آتا ہے۔ کیونکہ جب کیفیت مجہول کی گئی۔ اور اس بات کا بھی خیال رکھا
کہ اللہ کی مثل کوئی شے نہیں ہے۔ اور تنزیہ پورے طور پر کیگئی۔ تو تجسیم کسی طرح
لازم نہ آئیگا۔ پس مراد الہی پر ایمان لانا چاہیئے۔ اور انکی تاویلات سے سکوت
اولےٰ ہے۔ اور یہ شبہ جو اس قول کے رد میں کہا ہے کہ اگر اسی طرح ہو تو قرآن
معلوم المعنی نہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ قرآن کے نزول کا فائدہ صرف فہم
معانی میں منحصر نہیں۔ کہیں مجرد ایمان ہی مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ متشابہات

لہ دیکھو تفسیر عزیزی پارہ الم ۱۲۔

ہیں یہی منظور رہے۔ تاویل الاحادیث میں شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ صفات تشبیہی باریتعالے مثل ہاتھ پاؤں وغیرہ میں احاستقیم یہی ہے۔ کہ انکے ظواہر پر چھوڑا جائے۔ اور انکی کیفیت وجود سے بحث و تفتیش نکی جائے۔ اور اجمالاً یہ اعتقاد رکھے کہ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ سے ارادہ کیا ہے۔ وہی حق ہے۔ اور باوجود ظاہر پر چھوڑنے کے یہ نہ کہے۔ کہ یہ ارادہ کیا ہے۔ اور وہ ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسائل کی تحقیق کیفیت میں بحث کی۔ اور نہ انکے اصحاب نے اور نہ تابعین نے ایسی تدقیقات میں اول معتزلہ مشغول ہوئے۔ کہ انہوں نے فلاسفہ سے جو اسلام کے مخالف تھے ایسی باتیں چرائیں۔ پھر بعض اہل سنت نے بھی ایسی تدقیقات میں معتزلہ کی موافقت کی۔ شرح عمدۂ نسفی میں لکھا ہے۔ کہ مشبہ کے نزدیک کسی شے کا وجوب عقل کے ذریعہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس نہ ایمان باللہ کو عقل واجب کرتی ہے۔ اور نہ عقل سے ایمان کی خوبی اور کفر کا قبح دریافت ہو سکتا ہے بلکہ یہ سب باتیں شرع سے جانی جاتی ہیں

مشبہ کے مختلف فرقے ہیں۔ بعض تو اتنا ہی کرتے ہیں۔ کہ اللہ کو مخلوق کے ساتھ مشابہ کرتے ہیں۔ اور حادثات کے ساتھ اسکی تمثیل بیان کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ مانند اجسام کے ہے۔ اور گوشت اور خون کی مثل ہے۔ اور بعض یہانتک غلو کرتے ہیں۔ کہ اسکو مخلوق اور حادث بنا دیتے ہیں۔ اسلئے کہتے ہیں وہ جسم ہے۔ اور خون ہے۔ اور گوشت ہے ایسے فرقے مجسمہ کہلاتے ہیں۔ اور ان میں سے سب ایک ہی طریقے پر نہیں ہیں۔ کوئی شیعہ غلاۃ میں داخل ہے۔ کوئی امامیہ ہے۔ کوئی کرامی ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر سب خاص اس بدعت میں مشترک ہیں۔ چنانچہ تھوڑا سا بیان انکا غلاۃ شیعہ امامیہ کے فرقہائے ہشامیہ وجوالقیہ و بنانیہ ومغیریہ و شیعہ یونسیہ میں ہو چکا۔ اور جو صرف مشبہ ہیں انکا ذکر یہاں ہوتا ہے۔

ایک مشبہ مقاتلیہ ہیں۔ یہ ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر ازدی کی طرف منسوب ہیں۔ شہرستانی نے ملل ونحل میں لکھا ہے کہ سرخیل مثبتین صفات الٰہی میں سے مقاتل بن سلیمان ہیں۔ اور شیعہ وکرامیہ نے انہی کی اتباع کی ہے ان لوگوں نے یہانتک مبالغہ کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ کو خلق کے مشابہ کردیا۔ غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ انکا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جسم ہے اور جثہ ہے۔ انسان کی صورت پر وہ گوشت اور خون اور اعضا سر زبان گردن رکھتا ہے۔ مگر یہ چیزیں اُسکی مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں۔ نہ مخلوق میں سے کوئی اُسکے مشابہ ہے یعنی اگرچہ اللہ اسم اعضا کے اطلاق میں اشیا کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ مگر حقیقت میں دونوں باہم مخالف ہیں۔ تاج المکلل میں لکھا ہے کہ مقاتل سنہ ۱۵۰ھ میں بصرے میں فوت ہوئے تھے۔ اصل انکی بلخ سے ہے۔ علامہ عصر تھے۔ علما ان کے باب میں مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ بعض انکی روایات کو قابل وثوق سمجھتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کذاب ہیں۔ ابوحاتم محمد بن حبان بستی نے کہا ہے۔ کہ مقاتل علم قرآن کو یہود ونصاریٰ سے سیکھا کرتے تھے۔ جو کچھ انکی کتب توریت وانجیل کے مطابق ہوتا اخذ کرتے اور یہ مشبہ تھے۔ رب العالمین کو مخلوقات کے مشابہ کرتے تھے۔ میزان الاعتدال کی جلد ثانی میں ذہبی لکھتے ہیں۔ کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے۔ کہ جہم نے نفی تشبیہ میں یہانتک مبالغہ کیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کوئی چیز نہیں۔ اور مقاتل نے اثبات صفات الٰہی میں اتنی افراط کی کہ اللہ کو مثل مخلوق کے بنادیا تاریخ ابن خلکان میں مذکور ہے۔ کہ مقاتل نے بغداد میں علم حدیث حاصل کیا۔ تفسیر قرآن میں یکتائے عصر تھے۔ ایک تفسیر انکی مشہور ہے۔ شافعی سے حکایت کیگئی ہے۔ کہ تمام آدمی تین چیزوں میں تین شخصوں کی عیال ہیں مقاتل بن سلیمان کے تفسیر میں اور زہیر بن ابی سلمیٰ کے شعر میں اور امام ابوحنیفہ کے کلام میں۔ ابراہیم حربی نے کہا ہے کہ مقاتل دعوے کرتے تھے

کہ عرش کے تلے جو کچھ ہے اُسکا حال مجھ سے دریافت کرو۔ایک آدمی نے یہ بات سنکر اُن سے سوال کیا کہ جب آدم علیہ السلام نے حج کیا تھا تو کس نے اُنکا سر مونڈا تھا۔مقاتل نے کہا کہ یہ بات تمہارے علم سے نہیں۔اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے اِس دعوے میں نیچا دکھانا چاہا۔اور سفیان بن عُیینہ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے دعوے کیا۔تو ایک شخص نے اُن سے دریافت کیا کہ چیونٹی کو آپ جانتے ہیں۔بھلا فرمائیے تو اُسکی آنتیں حصہ مقدم میں ہوتی ہیں۔یا مؤخر میں مقاتل اِس سوال سے متحیر ہوکر رہ گئے۔سفیان کہتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ یہ اُن کو اُس تعلی کی اللہ نے سزا دی ہے۔اور مقاتل کا میلان ارجا کی طرف تھا۔اُن کا قول ہے۔کہ قیامت کے دن اللہ دوزخ کے اوپر ایک راستہ بچھائیگا۔اور مومن گنہگاروں کو اُسپر سے گذرنے کا حکم ہوگا۔پس اُنکو دوزخ کی آنچ اور حرارت بمقدار گناہ کے پہنچیگی۔اور اِس الم میں اُنکا عذاب پورا کرلیا جائیگا پھر بہشت میں داخل کیئے جائینگے۔

دوسرے مشبہ حشویہ ہیں۔یہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ جسم ہے[1] کہ طول وعرض وعمق اور گوشت وخون رکھتا ہے۔اُسکے اعضا بھی ہیں۔مگر یہ سب چیزیں اُسکی مخلوق سے مغائر ہیں۔اور کعبی نے بعض حشویہ سے حکایت کی ہے کہ اُنکا زعم یہ ہے کہ اللہ کا دیدار دنیا میں ہوجانا بھی جائز ہے اور کہتے ہیں۔کہ عرش اللہ کے چاروں طرف سے چار چار انگل زیادہ بڑھا ہوا ہے[2]۔اُن کے نزدیک سوا بنی امیہ کے کوئی اور امام نہیں۔اولاد رسول خدا میں سے کسی کو امام نہیں مانتے۔اسمائے الٰہی کے اُنکے نزدیک تین مراتب ہیں اسمائے ذات اسمائے صفات۔اسمائے افعال[3]۔شہرستانی نے ملل ونحل میں حشویہ کے

[1] جلد اول مختصر منہاج السنتہ کی یہ عبارت ہے وقالت الجماعۃ الحشویۃ ان اللہ تعالیٰ جسم لہ عرض وطول وعمق وحکے الکعبی عن بعضہم انہ یجوز رویتہ فی الدنیا وان یفضل العرش عنہ من کل جانب اربع اصابع ۱۲ منہ [2] دیکھو جلد پنجم از کتاب دوم ناسخ التواریخ صفحہ ۲۸۹

[3] دیکھو تحفہ عبد الشکور رسالہ نمبر ۱۲

ذکر نہیں بیان کیا ہے کہ اشعری نے محمد بن عیسے سے حکایت کی ہے کہ وہ کہتا ہے
کہ مضر اور کہمش اور محمد ہجیمی کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ اللہ کے دوستوں کو اُسکے ساتھ مصافحہ
و معانقہ کرنا۔ اور اللہ کو چھونا جائز ہے۔ اور اللہ کے دوستان صادق دنیا و آخرت
میں اُس سے گلے ملتے ہیں۔ اور اُنکو یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ انسان
بہت سی ریاضات کر کے حد اخلاص و اتحاد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور داؤد جواربی سے
حکایت کی ہے۔ کہ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ مجھے اللہ کی داڑھی اور شرم گاہ کے سوال
سے تو معاف رکھو۔ کیونکہ خبر میں یہ دو چیزیں ثابت نہیں ہوئیں۔ باقی اور سب
چیزوں سے سوال کرو۔ اور کہا اللہ تعالے جسم اور گوشت اور خون ہے۔ اُس کے
لئے اعضا ہیں۔ ہاتھ پاؤں سر زبان دو آنکھیں دو کان رکھتا ہے۔ مگر اُس کی
یہ چیزیں ایسی نہیں جیسی مخلوقات کی ہوتی ہیں۔ اللہ کی اور مخلوق کی یہ
چیزیں باہم مشابہ نہیں۔ اور داؤد کا یہ بھی عقیدہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالے
سر سے سینے تک کھوکھل ہے۔ باقی ٹھوس ہے اُسکے بال سیاہ اور سیدھے
ہیں۔ اور اسکے بال گھونگر والے بھی ہیں۔ اور جو کچھ قرآن و حدیث سے ثبوت
کو پہنچتا ہے۔ مثلاً ہاتھ منہ پہلو آنا جانا فوقیت وغیرہ یہ سب الفاظ اپنے معانی
ظاہری پر جاری ہیں یعنی جب انکو اجسام پر اطلاق کرتے ہیں اور جو کچھ ان
سے مفہوم ہوتا ہے وہی اللہ تعالے کے حق میں بھی مراد ہے۔ اور اس قسم کی
باتیں اس نے اللہ تعالے کے لئے بہت کچھ ثابت کی تھیں۔ اور احادیث میں بہت
سی باتیں اپنی طرف سے لگا کر انکو پیغمبر علیہ السلام کی طرف منسوب کیا تھا۔ اور
یہ تمام باتیں یہود کے ہاں سے لی تھیں۔ اسلیئے کہ اللہ کے لئے تشبیہ اُنہی میں بہت
ہے۔

حشویہ کے نزدیک انبیا معصوم نہیں۔ اُن سے عمدہ گناہ کبیرہ کا صدور
ممکن ہے۔ اور بہت سے دلائل اس بات پر ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض دلائل
ان کے یہ ہیں۔ **اول** حضرت آدم کی نسبت قرآن وارد ہے وعصیٰ ادم ربہ

یعنی آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی (۲) فتلقٰی آدم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ
پھر آدم نے اپنے رب سے کئی باتیں سیکھ لیں پس اللہ نے اُسکی توبہ قبول کی
اور ظاہر ہے کہ توبہ گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے (۳) آدم کی زبانی قرآن میں آیا ہے
ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین
یعنی اے پروردگار ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمارے گناہ نہ بخشے گا تو ہم
زیان کاروں میں سے ہو جائینگے ظلم سے مراد گناہ ہے۔ اور یہ جو آدم نے کہا کہ
اگر تو نہ بخشیگا۔ تو ہم زیان کاروں میں سے ہونگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ
گناہ کبیرہ تھا۔ (۴) قرآن میں ہے۔ فازلہما الشیطان عنہا فاخرجہما مما کانا فیہ
یعنی آدم وحوا کو شیطان نے لغزش دی اور اُنکو وہاں کے آرام سے نکال دیا
لغزش دینے سے جنت سے نکالا جانا صاف دلالت کرتا ہے۔ کہ آدم علیہ السلام سے
گناہ کبیرہ صادر ہوا۔ (۵) آدم وحوا کے حق میں اللہ فرماتا ہے فلما اٰتٰہما صالحا
جعلا لہ شرکاء فیما اٰتٰہما یعنی جب اُنکو صحیح وسالم لڑکا دیا۔ تو اللہ کیلئے
شریک اُس چیز میں مقرر کرنے لگے کہ اُنکو دیا تھا۔ اور شرک اکبر الکبائر ہے
دوم حضرت ابراہیم کے حق میں قرآن میں وارد ہے فلما جن علیہ اللیل رأ کوکبا قال ھذا ربی
جب ڈھانک لیا اُسکو رات نے ایک تارے کو دیکھا کہا یہ میرا پروردگار ہے۔
پس اگر حضرت ابراہیم نے اپنے سچے اعتقاد سے تارے کو پروردگار کہا تو شرک
کیا۔ اور اگر سچے اعتقاد سے نہیں کہا۔ تو جھوٹ بولے (۲) قرآن میں ہے۔
اذ قال ابراہیم رب ارنی کیف تحیی الموتی یعنی جس وقت حضرت ابراہیم نے کہا
اے رب میرے تو مجھکو دکھا۔ کہ کیونکر تو مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا
کہ حضرت ابراہیم کو شک تھا۔ کہ اللہ تعالے کو مردے کے زندہ کرنے کی قدرت ہے
یا نہیں۔ اور یہ شک ہی کفر ہے سوم حضرت موسی علیہ السلام نے ایک بنی
اسرائیل کی حمایت میں ایک قبطی کے مُکا مارا جس کے صدمے سے وہ مر گیا
اور قبطی کا مار ڈالنا محض ناحق تھا۔ اور اس کو امر اتفاقی نہیں کہ سکتے۔ اسلئے

کہ حضرت موسیٰ نے اُس کے مرجانے کے بعد خود کہا ھذا من عمل الشیطن انہ عدوٌ مضل مبین ہ یہ حرکت شیطان کی ہوئی۔ تحقیق وہ دشمن گمراہ کرنے والا ہے۔ پس قتل عمد تھا کہ محض خصومت کی راہ سے وقوع میں آیا چنانچہ اسی واسطے حضرت موسیٰ نے پروردگار کے آگے استغفار کیا (۲) سورۂ اعراف میں ہے لما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی اعجلتم امر ربکم والقی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ یعنی جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹ کر آیا۔ غصے سے افسوس کرتا ہوا بھائی کو کہا کیا بری نیابت کی تم نے میری بعد میرے تم نے کیوں جلدی کی اپنے رب کے حکم سے اور تختیاں ڈالدیں اور بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ظاہر ہے۔ کہ حضرت ہارون برادر موسیٰ پیغمبر تھے اب یہاں دو صورتیں ہیں کہ یا موسیٰ نے کسی گناہ کی پاداش میں انکو یہ تضیحت کی یا ناحق انکو ستایا۔ اگر پہلی صورت صحیح ہے تو ہارون کا گناہ لازم آتا ہے۔ اور دوسری صورت کی صحت میں موسیٰ گناہگار ٹھیرتے ہیں۔ اور بہر صورت نتیجہ یہہ ہوتا ہے۔ کہ انبیا سے صدور معصیت جائز ہے چہارم حضرت داؤد اپنے کوٹھے پر کھڑے تھے۔ کہ ایک عورت پر نظر جا پڑی جو نہا رہی تھی۔ وہ نہایت خوبصورت تھی۔ پسند آئی۔ حضرت داؤد نے اُسکا حال دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ عورت اوریا کی منکوحہ یا منگیتر ہے۔ اور اوریا اُن دنوں حضرت داؤد کے بھانجے یواب نامی کے ہمراہ بلقا کی طرف قلعہ کے محاصرے میں مشغول تھا۔ حضرت داؤد نے اپنے بھانجے کو کہلا بھیجا۔ کہ اوریا کو تابوت سکینہ دیکر اعدائے دین سے لڑنے کو بھیجے۔ اور اُس زمانے میں حال یہ تھا۔ کہ جو کوئی تابوت سکینہ لیکر لڑائی میں جاتا تھا۔ اتنا لڑتا تھا۔ کہ فتحیاب ہوتا تھا یا مارا جاتا تھا۔ چنانچہ اوریا بھی ایک لڑائی میں مارا گیا حضرت داؤد نے اُس عورت سے نکاح کرلیا۔ اور حضرت داؤد کے نکاح میں ۹۹ عورتیں پہلے سے تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے دو فرشتے اُنکے پاس بھیجے۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کرکے کہا:-

ان ھذا اخی لہ تسع وتسعون نعجۃ ولی نعجۃ واحدۃ فقال اکفلنیھا وعزنی فی الخطاب۔ یعنی یہ شخص میرا بھائی ہے اسکے پاس ننانویں بھیڑیں موجود ہیں۔ اور میرے پاس ایک بھیڑ ہے۔ مجھ سے کہتا ہے۔ کہ وہ ایک بھیڑ بھی مجھکو دیدے۔ تاکہ سو پوری ہو جائیں۔ اور مجھ سے سختی کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ سو یہ فتوے اس امر کا تھا۔ کہ جب انبیاسے ایسا فعل وقوع میں آئے۔ کہ کسی عورت شوہر دار کے خاوند کو قتل کراکر اُسکی بی بی نکاح میں لائے۔ تو اوروں سے کیا بعید ہوگا۔

پنجم۔ حضرت سلیمان کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اذعرض علیہ بالعشی الصافنات الجیاد جس وقت کہ پیش کئے گئے سلیمان کے سامنے تیسرے پہر کو عمدہ عمدہ گھوڑے۔ حضرت سلیمان کے سامنے یہ گھوڑے پچھلے دن میں پیش ہوئے تھے بعد نماز عصر وہ اُنکے دیکھنے مصروف ہوئے۔ اخیر دن میں ورد پڑھا کرتے تھے وہ فوت ہوگیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اُس تماشے کی وجہ سے عصر کی نماز قضا ہوگئی اور آفتاب غروب ہوگیا۔ اور وہ نماز اُنپر فرض تھی فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب حضرت سلیمان نے کہا تحقیق میں نے مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے دوست رکھا۔ یہانتک کہ سورج اوٹ میں چھپ گیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ گھوڑوں کی دل لگی میں نماز کا فوت کر دینا اور یاد الٰہی سے غافل ہوجانا گناہ ہے (۲) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ولقد فتنا سلیمان والقینا علے کرسیہ جسدا ثم اناب قال رب اغفرلی یعنی ہم نے حضرت سلیمان کو جانچا۔ اور ہم نے اسکے تخت پر ایک بدن ڈال دیا۔ پھر اس نے رجوع کیا حق کی طرف بولا اے میرے رب معاف کر مجھکو کیفیت اس واقعہ کی یہ ہے۔ کہ حضرت سلیمان نے ایک بت پرست کافر کی بیٹی سے نکاح کیا تھا۔ اُسکا باپ انکے لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ وہ لڑکی رات دن اپنے باپ کے غم میں روتی تھی۔ حضرت سلیمان نے اُسکے کہنے سے ایک سنگی تصویر اُسکے باپ کی تیار کرادی تاکہ اُسکو دیکھکر اپنے دل کو تسلی کرتی رہے۔ لڑکی اپنی سوروثی عادت کے موافق اُسکی پرستش کرنے لگی۔ چالیس

دن کے بعد حضرت سلیمان کو صورت واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ تو اُس بت کو توڑا
اور اُس لڑکی پر خفا ہوئے۔ اور خلوت خانے میں بیٹھکر استغفار میں مشغول ہوئے
جب استنجے کو جاتے تو انگشتری ایک خادمہ کو سپرد کر جاتے اس میں اسم اعظم لکھا تھا
ایک جن اس خادمہ کو بہکا کر انگشتری لے گیا۔ اپنی صورت حضرت سلیمان کی سی
بنالی۔ جب اُنکو یہ حال معلوم ہوا۔ تو اُسکے خوف سے نکل گئے۔ جب اُنکا قصور
خدا نے معاف کیا۔ تو چھ مہینے کے بعد شراب کے نشے میں وہ انگشتری اُس جن
کے ہاتھ سے دریا میں گر پڑی مچھلی نگل گئی۔ وہ شکار ہوئی۔ اُسکے پیٹ میں سے
وہ انگشتری نکلی۔ اور حضرت سلیمان کو ملی۔ وہ لیکر اپنے تخت سلطنت پر پھر آئے
پس جسد ملقےٰ عبارت اس جن سے ہے **ششم** حضرت یونس نے بادشاہ ملک
نینوا و موصل کو نصیحت کی۔ جب اُس نے نہ مانا۔ تو اُس سے کہا کہ اگر میری بات
پر ایمان نہ لائیگا۔ تو تجھ پر چالیس دن میں عذاب الہی نازل ہوگا۔ اور جناب
الہی میں عرض کی۔ کہ میرے اس وعدے کو پورا کر ورنہ میں خفیف ہونگا۔ حق
تعالےٰ نے فرمایا کہ تم نے عذاب کا وعدہ دینے میں جلدی کیوں کی۔ اب صبر کرنا
چاہئے۔ ایمان انکا مقدر ہے۔ راہ راست پر آجائینگے۔ حضرت یونس اس بات
سے بہت غمگین ہوئے۔ اور ایک مہینے کے بعد مع قبائل اُس شہر سے نکلے راستے
میں دریا میں گرائے گئے۔ مچھلی اُن کو نگل گئی۔ وہاں استغفار کیا سو باہر آئے
اسی طرف اشارہ ہے اس آیت میں **وذوالنون اذ ذھب مغاضبا فظن
ان لن نقدر علیہ** یعنی یونس جب خفا ہو کر چلا گیا اور سمجھا کہ ہم اسکو پکڑ نہ سکینگے
حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت یونس نے ایک تو بے حکم الہی ان لوگوں سے عذاب
آنے کا دن مقرر کر دیا۔ دوسرے غضب کی حالت میں وہاں سے کہیں چل دئے
اور غضب گناہ ہے تیسرے گمان کیا۔ کہ اللہ قادر نہیں ہے۔ اور قدرت الہی میں
شک کرنا کفر ہے **ہفتم** یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا نے خلوت خانے میں
لے جا کر اصرار کیا۔ کہ مجھ سے صحبت کرو۔ تو آپنے بھی زلیخا پر قصد بد کر لیا تھا کہ

اس سے اُنکی عصمت رہی کما قال اللہ تعالےٰ لقد ہمت بہ وہم بہا لولا ان رای برہان ربہ یعنی زلیخا نے حضرت یوسف کا قصد کیا۔ اور حضرت یوسف نے زلیخا کا قصد کیا اگر وہ اپنے رب کی قدرت نہ دیکھ لیتا ہشتم محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے میں جب دیکھا۔ کہ میری قوم دین اسلام کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ تو اللہ سے یہ خواہش کی۔ کہ کوئی ایسی چیز نازل کرے جس سے اُنکا دل میری بات کے سننے کی طرف مائل ہو۔ تو اللہ تعالےٰ نے سورۂ والنجم نازل کی۔ پس جب مسجد الحرام میں حضرت اُسکو پڑہنے لگے۔ اور اس مقام پر آئے افرئیتم اللات والعزیٰ ومنات بھلا تم دیکھو تو لات اور عزے کو اور منات تیسرا پچھلا ان الفاظ کے بعد آپنے کہا تلک الغرانیق العلی وان شفاعتہن لترتجی یہ بہت بہت معزز ہیں۔ اور انکی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔ جب مشرکوں نے یہ الفاظ سنے تو بہت مسرور ہوئے اور جب حضرت آیت سجدہ پر پہنچے اور سجدہ کیا۔ تو انہوں نے بھی کیا۔ یہاں تک کہ ولید بن مغیرہ وابی احیحہ سعید بن العاصی بسبب کبر سن کے سجدہ نہ کر سکے تو دونوں نے مٹھی میں مٹی لیکر اور پیشانی کے پاس لاکر اُسی پر سجدہ کیا۔ اور آپس میں بولے کہ محمدؐ نے ہمارے معبودوں کا ذکر خوبی کے ساتھ کیا۔ اور ان کے واسطے شفاعت ثابت کی۔ اور ہم کو بھی اُنکے حق میں اسی قدر اعتقاد ہے۔ نہ یہ کہ ہم اُنکو پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا اور زندہ کرنے والا یا مارنے والا جانتے ہیں اور جبکہ محمدؐ نے بھی ہمارے ساتھ اس امر میں اتفاق کر لیا ہے۔ تو اب ہم بھی اُن سے صلح کرتے ہیں۔ اور آئندہ اُنکو اور اُنکے یاروں کو ایذا و تکلیف نہ دینگے جبرئیل حضرت کے پاس آئے۔ کہ آپنے کیا کیا جو چیزیں نے آپکو نہ بتائی تھی۔ وہ آپنے لوگوں سے بیان کی۔ حضرت غمگین ہوئے اور اللہ کے غصے سے ڈرے۔ تو آپکی تسلی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ واللہ علیم حکیم۔ ہم نے تجھ سے پہلے جو رسول یا نبی بھیجا جب اُس نے تلاوت کی شیطان نے

اُسکی تلاوت میں کچھ اپنی طرف سے ملا دیا پھر اللہ شیطان کا ملایا مٹاتا ہے۔ پھر
اللہ اپنی باتیں پکی کرتا ہے۔ اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا جب یہ آیت
مشرکوں نے سنی۔ تو آپس میں کہنے لگے کہ محمدؐ نے جو ہمارے معبودوں کی وہ منزلت
خدا کے نزدیک ہونا بیان کی تھی۔ اب اُس قول سے پشیمان ہو گئے۔ ہم بھی اس
صلح کو قائم نہیں رکھتے (۲) قرآن میں ہے واستغفر لذنبک معافی مانگ
اپنے گناہ کی اس سے بالبداہت ظاہر ہے۔ کہ حضرت سے گناہ سرزد ہوئے
تھے جنکی معافی چاہنے کے لئے اللہ نے ارشاد کیا۔ اور یہ عصمت کے خلاف ہے
(۳) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضی الہی کے خلاف اسیران بدر کو فدیہ لیکر رہا
کر دیا۔ اسپر اللہ تعالےٰ نے یہ آیات عتاب نازل کیں ماکان لنبی ان یکون لہ اسریٰ
حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم لولا کتاب
من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب الیم نبی کے لئے یہ لایق نہ تھا۔ کہ اُسکے ہاں قیدی
آئیں۔ یہانتک کہ خونریزی کریں۔ ملک میں تم دنیا کا اسباب چاہتے ہو۔ اور اللہ
آخرت چاہتا ہے۔ اور اللہ زورآور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے لکھا ہوا
نہ ہوتا کہ پہلے گذرا تو تم پر اُس لینے میں بڑا عذاب آپڑتا۔ (۴) آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ایک بار زید کے مکان میں آئے۔ وہ تو نہ تھے۔ مگر انکی منکوحہ زینب
سامنے بیٹھی تھی۔ اُسے دیکھا تو پسند آگئی۔ اور کہنے لگے سبحان اللہ مقلب القلوب
زینب نے اپنے خاوند سے آپکا کلام بیان کیا۔ زید اپنے دل میں سمجھ گئے۔ کہ زینب
رسول اللہ کو اچھی معلوم ہوئی۔ اور اس سے مواصلت چاہتے ہیں۔ زید نے
زینب سے کہا کہ شاید رسول اللہ کی تجھ پر طبیعت آگئی ہے۔ اگر تو بھی راضی ہے
تو میں تجھے طلاق دیدوں۔ تاکہ وہ تجھ سے نکاح کر لیں۔ زینب بولی مجھے اس
بات کا اندیشہ ہے۔ کہ تم نے طلاق دیدی۔ اور انہوں نے نکاح نہ کیا۔ تو پھر میں
کہیں کی نہ ہونگی۔ زید آپکے پاس آئے۔ اور کہا کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ اپنی زوجہ
کو طلاق دیدوں۔ حضرت کے دل میں اگرچہ زینب کا عشق تھا۔ مگر کچھ سوچ کر منع کر دیا

لیکن زید نے طلاق ہی دیدی۔ جب عدت کے دن پورے ہو چکے۔ تو حضرت نے اُسکو زوجہ بنالیا۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کیسی تھی کہ پرائی عورت کو دیکھکر عاشق ہو گئے۔ عشق عصمت کے خلاف ہے۔ اور زید کو زینب کے طلاق دینے سے منع کرنا حضرت کے دلی منشاء کے خلاف تھا۔ اسلیئے اللہ تعالے نے بطور عتاب کے فرمایا تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ و تخشی الناس و اللہ احق ان تخشاہ یعنی تو اپنے جی میں وہ بات چھپاتا تھا جسکو اللہ ظاہر کرنے والا ہے۔ اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا۔ حالانکہ اللہ سے تجھکو زیادہ ڈرنا چاہیئے تھا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ جو بات چھپاتے تھے یعنی تعلق قلب وہ دراصل بری بات تھی۔ کیونکہ وہی بات چھپائی جاتی ہے۔ جو عقل و عادت دونوں کے نزدیک قبیح ہوتی ہے۔ اور جائز بات کے چھپانے میں نبی علیہ السلام نے کبھی کسی سے حیا نہیں کی (۵) خدا تعالے فرماتا ہے۔ لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین۔ اگر تم شرک کروگے۔ تو تمہارے عمل اکارت جائینگے۔ اور تم خاسر ہو جاؤگے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سے شرک بھی ظہور میں آیا تھا جس سے بچنے کے لئے جناب باری نے اُنکو تنبیہہ کی (۶) حق تعالے حضرت سے فرماتا ہے ووجدک ضالا فهدی یعنی تجھکو راہ بھولا ہوا پایا۔ پھر راہ سوجھائی۔ یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ حضرت ابتداء سے حال میں گمراہی میں مبتلا تھے جسکو حق تعالے نے اپنی ہدایت سے دور کیا (۷) اللہ تعالے فرماتا ہے یا ایها النبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنافقین اے نبی پرہیز کر اور ڈر خدا سے اور اطاعت و فرمان برداری کفار و منافقین کی مت کر اس آیت سے عدم تقوے اور اطاعت کفار نافرمانی الٰہی میں آپکی نسبت ظاہر ہے

تنبیہہ حشویہ کے ان دلائل کا جواب اہل سنت نے نہایت کافی طور پر دیا ہے۔ اور یہ تمام جواب ہم نے اپنی کتاب کلامیہ میں بالتفصیل ذکر کئے ہیں چونکہ ہم نے اس رسالے میں صرف ہر فرقے کے عقائد کو ذکر کیا ہے۔ ان کے جوابات

کے بیان کرنے کا التزام نہیں کیا ہے اسلئے وہ جواب یہاں نہیں لکھے۔

تیسرے مشبہ کرامیہ۔ یہ فرقہ ابوعبداللہ محمد بن کرام بن حراق بن خرابہ سجستانی کی طرف منسوب ہے لفظ کرام میں کاف مفتوح اور رائے مہملہ مشدد ہے لد بعض کہتے ہیں۔ کہ کاف کے کسرے اور رائے مہملہ کی تخفیف سے ہے۔ یہ شخص بعد سنہ دوسو ہجری کے گذرا ہے۔ کم علم تھا۔ ہر ایک مذہب سے اُس نے تھوڑے بہت مسائل رطب ویابس لے لئے تھے۔ اور اُنکو اپنی کتاب میں لکھکر رواج اُسکا ممالک اغنام وغرجہ وغور وعلاقہ خراسان میں دیا تھا۔ اسی لئے اُسکا نام ہوگیا اور ایک مذہب ٹھیر گیا۔ سلطان محمود بن سبکتگین اُسکے مذہب کے ناصر ومددگار تھے۔ اُن کی طرف سے اہل حدیث وشیعہ پر آفت رہی۔ محمد بن کرام نے اثبات صفات میں یہانتک غلو کیا۔ کہ نوبت تجسیم وتشبیہ کی پہنچی حج سے پھر کر شام میں آیا۔ زغرہ میں ماہ صفر ۲۵۵ھ مر کر بیت المقدس میں مدفون ہوا۔ وہاں اُسکے متبع بیس ہزار سے زیادہ تھے۔ اُن شہروں میں انکے سوا اور بہت لوگ تھے جنکا شمار نہیں ہوسکتا ہے۔ اور کرامیہ کئی گروہ ہیں۔ ایک عابدیہ دوسرے اسحاقیہ تیسرے تونیہ چوتھے زرینیہ پانچویں واحدیہ چھٹے ہیصمیہ وغیرہ لیکن یہ سب ایک ہی فرقہ گنا جاتا ہے۔ اس لئے کہ بعض انکے تکفیر بعض کی نہیں کرتے۔ یہ سب کے سب مجسمہ ہیں۔ اتنی بات ہے۔ کہ ان میں بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ قائم بنفسہ ہے۔ اور بعض اسکو اجزائے موتلفہ کہتے ہیں۔ اور اُسکے لئے جہات ونہایات بتلاتے ہیں۔ انکے اعتقاد میں اللہ جسم ہے۔ اور اسکی حد ونہایت ہے اسفل کی طرف اور اس کا ملاقات کرنا اجسام ما تحت سے جائز ہے۔ اور وہ عرش پر ہے۔ اور عرش جانب بالا سے اسکا مماس ہے۔ اور جائز ہے یہ بات کہ اللہ تعالیٰ حرکت اور نزول کرے۔ اور ان میں باہم اس امر میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عرش پر ہے یا عرش کے بعض حصے پر۔ متاخرین کرامیہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اس میں اور عرش میں متناہی دوری ہے۔ اور محمد ابن

ہیصم کہتا ہے کہ نامتناہی دوری ہے۔ اور وہ عالم کے مباین ہے۔ یہ شخص تحیز و محاذات کی نفی کرتا ہے۔ فوقیت و مباینت کو ثابت کرتا ہے۔ جو کرامیہ باری تعالےٰ کو فوق کی جہت میں کہتے ہیں نہایت کی بابت ان میں اختلاف ہے۔ بعض نہایت کو جہات ستہ میں ثابت کرتے ہیں۔ بعض جہت تحت میں اور جو نہایت کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ باری تعالےٰ عظیم ہے۔ ان میں سے بعض عظمت کے یہ معنی کہتے ہیں۔ کہ وہ باوجود وحدت کے جمیع اجزائے عرش پر ہے عرش اسکے نیچے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عظمت کے یہ معنی ہیں۔ کہ وہ جمیع اجزائے عرش سے ملا ہوا ہے۔ اور کرامیہ کا اعتقاد یہ ہے۔ کہ اللہ محل حوادث ہے۔ یعنی قول و ارادہ و ادراکات و مرئیات و مسموعات کا محل ہے۔ اور یہ سب حادث ہیں۔ اور جو حوادث اسکی ذات میں حلول کئے ہوئے ہوتے ہیں انہیں پر قدرت رکھتا ہے۔ اور جو اس میں حلول کئے ہوئے نہیں بلکہ اسکی ذات سے الگ ہیں انپر اسکو قدرت نہیں۔ اور کرامیہ کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات کے ساتھ حادث اس وقت قائم ہوتا ہے۔ جبکہ خدا کو مخلوق کے ایجاد کرنے میں اسکی احتیاج پڑے۔ پھر کرامیہ کے فرقوں میں باہم اختلاف ہے۔ بعض کی یہ رائے ہے۔ کہ جس حادث کی اللہ تعالےٰ کو احتیاج ہوتی ہے۔ وہ ارادہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ وہ قول کن ہے۔ دکہ امر ہے بمعنی ہو) پس جب ضرورت ہوتی ہے۔ تو قدرت الہی اس قول کو یا ارادے کو ذات الہی میں پیدا کر دیتی ہے۔ اور وہ قدرت قدیم ہے۔ پھر باقی مخلوقات اس ارادے یا قول کن کے ذریعہ سے ظہور میں آتی ہے۔ کرامیہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ جو حادث خدا کی ذات سے قائم ہوتا ہے۔ اسکا نام حادث ہے۔ اور جو اسکی ذات سے قائم نہیں ہوسکتا اسے محدث کہا کرتے ہیں۔ حادث نہیں کہتے۔ کرامیہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اسمائے صفات و افعال توقیفی ہیں۔ اور انکا قول ہے۔ کہ حسن و قبح اللہ کی طرف سے حکم کا موجب ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ ہی حاکم ہے۔ پس اگر فرض کر لیا جائے

کہ رسول نہ آتے اور شرع نہ ہوتی۔ اور اللہ تعالےٰ افعال ایجاد کرتا۔ تو افعال
اسی طرح واجب ہوتے جس طرح شریعت حقہ میں اب واجب ہوئے ہیں۔
اور انکا اعتقاد یہ ہے کہ اگر اللہ کسی کو اپنے بندوں میں ایسا جانتا کہ وہ ایمان
نہ لائیگا۔ تو اُسکا پیدا کرنا ہی عبث ہوتا۔ اور نبوت اور رسالت دو صفتیں ہیں
جو نبی کی ذات کے ساتھ قائم ہوتی ہیں۔ اور اُسکی ذات سے مخصوص ہوتی ہیں
مگر وحی اور کار تبلیغ اور معجزہ اور عصمت اُسکی ذات کے ساتھ مختص نہیں دوسرے
لوگ بھی ان سے متصف ہو سکتے ہیں۔ اور جس کسی میں یہ اوصاف موجود ہوں
وہ رسول ہے۔ خواہ اُسکو رسول بنا کر بھیجا ہو یا نہ بھیجا ہو۔ اور اللہ تعالےٰ پر
ایسے ہی آدمی کا رسول بنانا واجب ہے۔ اور جس میں ایسے اوصاف نہ ہوں
اُسکا رسول بنانا جائز نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کرامیہ کے نزدیک بہتیرے آدمی
رسول ہیں۔ اس وجہ سے کہ اُن میں رسالت کی صفات موجود ہیں۔ مگر انکو اللہ
تعالےٰ نے مخلوق کی طرف واسطے ہدایت اور دعوت کے بھیجا نہیں ہے اسلئے
وہ نبی نہیں۔ نبی وہی رسول ہیں جنکو خاص اس کام کے واسطے مبعوث کیا
ہے جس رسول کو اللہ نبی بنا کر بھیجتا ہے۔ اُسے اُنکی اصطلاح میں مرسل کہتے
ہیں۔ اور جسے نہیں بھیجتا وہ رسول تو ہے۔ مگر مرسل نہیں۔ اور اللہ کو کسی مرسل
یعنی کسی نبی کا انبیا میں سے معزول کرنا جائز ہے۔ مگر رسول معزول نہیں ہو سکتا
اور انکے نزدیک انبیا سے ہر ایسے گناہ کا سرزد ہونا جائز ہے۔ جو حد واجب کرتا
ہو۔ اور اس سے عدالت جاتی رہے۔ اور اللہ پر واجب ہے کہ لگاتار رسول
بھیجتا رہے۔ اور نبی جب تک معجزہ نہ دکھائے حجت نہیں ہو سکتا۔ اور انبیا سے
کفر کا صادر ہونا جائز ہے۔ اور دو امام کا ایک وقت میں ہونا جائز ہے۔ حضرت
علی و معاویہ دونوں کو وقت واحد میں امام بتلاتے ہیں۔ مگر اتنی بات کہتے ہیں
کہ جناب امیر سنت پر تھے اور معاویہ خلاف سنت پر۔ مگر فرماں برداری انکی
بھی رعیت پر واجب تھی۔ ہدایہ فی اصول الدین میں لکھا ہے۔ کہ کرامیہ کے

نزدیک دو اماموں کا ایک جگہ میں ہونا بھی جائز ہے۔ بعض کرامیہ کا یہ زعم تھا
کہ اللہ کے دو علم ہیں۔ ایک علم سے وہ سارے معلومات کو جانتا ہے اور دوسرے
علم سے علم اول کو پہچانتا ہے۔ اور کرامیہ کے نزدیک ایمان وہ اقرار ہے جو اللہ
تعالیٰ نے ازل میں اپنی مخلوقات سے لیا تھا جبکہ فرمایا تھا "الست بربکم" کیا میں
میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو سب نے کہا "بلے" یعنی ہاں تو ہمارا رب ہے۔ سو یہ
قول یعنی "بلے" کا کہنا ایمان ہے۔ اور یہ ایمان یعنی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار
سب آدمیوں میں سادیانہ موجود ہے۔ مگر مرتدین میں نہیں۔ انکے نزدیک
منافق کا ایمان باوجود اسکے کہ اُسکے ساتھ کفر بھی موجود ہے۔ نبی کے ایمان کی
برابر ہے۔ اس وجہ سے کہ اس ایمان یعنی اقرار ازلی میں سب برابر ہیں۔ اور کلمۂ
شہادت ردّت کے وقت مرتد کے واسطے ایمان ہے۔ اوروں کے واسطے ایمان
نہیں۔ غیر مرتد کے واسطے وہ اقرار ازلی ایمان ہے۔ حاصل کلام یہ ہے۔ کہ
انکے نزدیک ایمان کی حقیقت صرف اقرار زبانی ہے۔ اور اقرار کی دو صورتیں
ہیں۔ غیر مرتدین کا خواہ وہ مومن ہوں یا کافر وہی اقرار ازلی ایمان ہے۔ اور
مرتدین کا ایمان قول مفرد ہے یعنی کلمہ شہادت کا زبان سے کہنا تعریفات شیخ
ابونصر بکی وغیرہ میں لکھا ہے کہ بعض علمائے کرامیہ کی رائے یہ ہے۔ کہ تعذیب
وتنعیم بلا زندہ کرنے میت کے واقع ہوگی

ابن کرام فقہ میں کئی مسائل کے ساتھ متفرد ہے۔ کہتا تھا کہ مسافر کو
بعوض نماز خوف کے دو تکبیریں کہنا کفایت کرتا ہے۔ اور ایسے کپڑے میں جو
بالکل نجاست میں ڈوبا ہوا ہو نماز کو جائز بتاتا تھا۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا
کہ نماز روزہ۔ زکوۃ۔ حج اور ساری عبادات بغیر نیت کے صحیح ہوتی ہیں۔ فقط
نیت اسلام کی کفایت کرتی ہے۔ ہاں نیت نوافل میں واجب ہوتی ہے۔ اور نماز
سے باہر آنا کھانے یا پینے یا جماع کے ساتھ عمداً جائز ہے پھر اسی پر باقی نماز کو
بنا کر سکتا ہے۔

تاریخ ابو الفدا میں حالات ۵۹۵ھ میں مذکور ہے۔ کہ امام فخر الدین رازی غیاث الدین سلطان غور کے پاس گئے۔ تو اُس نے بہت تعظیم و تکریم کی۔ اور ایک مدرسہ ہرات میں اُنکے لئے تیار کر دیا۔ کرامیہ ہرات میں کثرت سے تھے انپر یہ بات شاق گذری۔ اور غوریہ عموماً اسی مذہب پر تھے۔ امام فخر الدین شافعی تھے۔ اور کرامیہ کے مذہب پر مناقضہ بھی کرتے رہتے تھے۔ علمائے کرامیہ و حنفیہ و شافعیہ نے جمع ہوکر سلطان سے عرض کیا کہ امام سے ہمارا مناظرہ کرا دینا چاہئے۔ سلطان کے حکم سے مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ سلطان اُس مجلس میں تشریف لایا۔ قاضی عبد المجید بن عمر المعروف بابن القدرۃ نے جو کرامیہ۔ ہیصمیہ کے طریقے پر تھا امام سے بحث کی۔ جب سلطان اُٹھ گیا۔ تو امام نے قاضی کو بہت کچھ ملامت کی۔ کرامیہ کو قاضی نے اشتعال طبع دلاکے غدر کی صورت پیدا کر دی۔ سلطان نے اُنکو سمجھا کر شورش دفع کی۔ اور امام کو وہاں سے رخصت کر دیا۔

چوتھا فرقہ مشبہ منہالیہ یہ منہال بن میمون کے متبع ہیں

اختلاف تاریخ و سال میں معذوری

اگر کسی مقام پر کسی تاریخ یا مہینے یا سال میں اختلاف اس رسالے کا اور کتب کے ساتھ پایا جائے۔ تو اُسپر گرفت نکرنا چاہئے معذوری کے قابل ہے اسلئے کہ اس فن کی کتب میں نہایت اختلاف سالہائے ولادت و وفات و مدت عمر وغیرہ کی بابت پایا جاتا ہے۔ کہ بعضوں نے ایک واقعہ میں بعض سنوں کی اور بعضوں نے اسی واقعہ میں دوسرے سنوں کی تصحیح کی ہے۔ اور اس وجہ سے دل کو اطمینان کسی پر بخوبی نہیں ہو سکتا۔ اور بعضوں نے سنوں کو عبارت عربی میں لکھا ہے۔ اور بعضوں نے عبارت فارسی میں اور بعضوں نے ہندسوں میں درج کیا ہے۔ اور ایسے مقامات تصحیف کا موجب ہیں۔ اسلئے

بہت سے مصنفوں نے اُنکے بیان کرنے میں مسامحت کی ہے۔ اور جیسا اتفاق واقع ہوا۔ ایک دو روائتوں کی نقل پر اختلاف کے ساتھ یا بدوں اختلاف کے قناعت کرلی ہے۔ اس لئے کہ مقصود اہل علم و مذاہب اور ائمہ وغیرہ کے ترجموں سے یہ ہے کہ اُنکا حال معلوم ہوجائے۔ اور یہ کھل جائے۔ کہ فلاں شخص کونسی صدی کے قرن میں تھا۔ اور یہ غرض نہیں کہ مہینے اور دن اور سال بھی معلوم ہوں۔ اسی لئے اکثر مقامات پر لکھ دیتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں سال کے حدود میں تھا۔ اگر کسی کو طبقات وغیرہ کے چند نسخے جمع کرنے سے اور ایک کی تطبیق دوسرے کے ساتھ دینے سے کسی سال کا رجحان معلوم ہوجائے۔ تو یہ نہایت خوبی کی بات ہے۔

دوسرا حصہ متفرق فرقوں کے بیان میں

یہ جتنے فرقے ہم نے بیان کئے انکے سوا اور بہت ایسے فرقے ہیں۔ جو دین اسلام میں پیدا ہوئے۔ انکا ذکر متفرق کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ میں بھی انکو یہاں ذکر کرتا ہوں۔

فرقہ اول سالمیہ

یہ ابوالحسن بن سالم کی طرف منسوب ہیں۔ یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ کے کلام کی حقیقت حروف اور آواز ہیں۔ لیکن یہ چیزیں محدث نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن مع حروف اور آواز کے قدیم ہے۔ اور اللہ اسی کے ساتھ متکلم ہے۔ پس یہ کلام لفظی کو قدیم مانتے ہیں۔ کیونکہ بغیر حروف اور آواز کے کلام کا ہونا عقلاً ممنوع ہے۔ کوئی معنی امر و نہی اور خبر نہیں ہو سکتا۔ غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ ابن سالم کا قول ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ قیامت میں امت محمد علیہ السلام کے ایک آدمی کی صورت میں نظر آئیگا۔ اور وہ قیامت میں انس و جن اور ملائکہ اور حیوانات سب خلق پر ظاہر ہوگا۔ اور اللہ تعالےٰ کا ایک بھید ہے۔ کہ اگر اُسے ظاہر کردے

تو تدبیر عالم میں خلل آجائے۔ اور انبیا کے لئے ایک راز ہے۔ اگر وہ اُسے ظاہر کردیں۔ تو انکی نبوت باطل ہوجائے۔ اسی طرح علما کے لئے ایک بھید ہے۔ کہ وہ اگر اُسے ظاہر کردیں۔ تو انکا علم جاتا رہے۔ اور اللہ کو قیامت میں کفار دیکھینگے۔ اور وہ ان سے حساب لیگا۔ اور ابلیس نے حضرت آدم کو دوسری مرتبہ سجدہ کرلیا تھا۔ اور شیطان جنت میں کبھی داخل ہونے نہیں پایا۔ اور جبرئیل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ حالانکہ اپنی جگہ سے دور نہیں ہوتے تھے اور جب اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا۔ تو انکے نفس کو اس سے تعجب پیدا ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے وحی کی کہ اے موسیٰ تجھکو تیرے نفس نے تعجب میں ڈالا نظر اُٹھا کر آگے کو دیکھ موسیٰ نے دیکھا۔ تو انکو سو کوہ طور نظر آئے۔ کہ ہر ایک پر ایک موسیٰ تھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے بندوں سے طاعات چاہتا ہے گناہ نہیں چاہتا۔ اور اللہ نے اُنکے گناہوں کو اُنکے ساتھ چاہا ہے اُنسے نہیں چاہا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبل حصول نبوت و نزول جبرئیل علیہ السلام سے قرآن حفظ کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی قاری قرآن کو پڑھتا ہے۔ تو اللہ قرآن کو اُسکی زبان سے ادا کرتا ہے۔ جو لوگ قرآن کسی کی زبان سے سنتے ہیں۔ تو وہ درحقیقت اللہ سے سنتے ہیں۔ اور اللہ ہر مکان میں ہے۔ عرش اور ماسوائے عرش میں کوئی امتیاز نہیں۔

فرقہ دوم واحدیہ

انکو محمودیان بھی کہتے ہیں اس فرقے کا پیشوا محمود ہے۔ محمود اپنی ذات کو شخص واحد کہتا تھا۔ اور مہدی موعود جانتا تھا۔ اور اسکا دعوےٰ یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین منسوخ ہوگیا۔ اب یہ محمود کا دین ہے ؎

رسید نوبت رندان عاقبت محمود گذشت آنکہ عرب طعنہ بر عجم مے زد

گیلان کے علاقہ میں ایک گاؤں ہے مسجو آن محمود وہاں کا رہنے والا تھا۔ سنہ چھ سو ہجری میں اس نے ظہور کیا تھا۔ کہتا تھا کہ جسد محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کامل ہوا تھا تو میں پیدا ہوا عسی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً
یعنی جلدی بھیجے گا تجھ کو پروردگار تیرا مقام محمود میں اس سے یہی مراد ہے
ہے۔ توضیح اس بیان کی یہ ہے۔ کہ عناصر میں میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ تو اسکو
صورت معدنی حاصل ہوتی ہے۔ پھر استعداد اسکی اور ترقی کرتی ہے۔ تو صورت
نباتی اُسپر فائض ہوتی ہے۔ پھر قوت میں اور ترقی آتی ہے۔ تو صورت حیوانی
اُسکو ملتی ہے۔ پھر ان عناصر کی قوت اس سے بھی زیادہ ترقی کرتی ہے۔ تو
صورت انسانی پاتی ہے۔ ان عناصر نے جنکو انسانی صورت حاصل ہو چکی تھی
ایسی ترقی کی۔ کہ اُس سے انسان کامل ظہور میں آیا۔ اسی طرح جسد انسانی کے
اجزا حضرت آدم کے وقت سے ترقی میں تھے۔ یہانتک کہ رتبہ محمدی اُسکو عطا
ہوا۔ اور جب یہ اجزا باکمل کمال کو پہنچ گئے۔ تو محمود ظہور میں آیا۔ اور یہ کہ
حضرت سرور عالم نے حضرت علیؑ سے فرمایا تھا انا وعلی من نور واحد
یعنی علی اور میں دونوں ایک نور سے ہیں ولحمک لحمی وجسمک جسمی
یعنی علی کا گوشت میرا گوشت ہے۔ اور علی کا جسم میرا جسم ہے۔ یہ اشارہ ہے
اس بات کی طرف کہ تمام انبیا و اولیا کے اجزائے اجساد کی صفوت و قوت
مل گئی۔ تو اُس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم و علی کرم اللہ وجہ کا جسم تیار ہوا۔ پھر
ان دونوں بزرگوں کے جسد کے اجزا جمع ہوئے۔ تو اُن سے جسد محمود بنا۔ خاک
کو نقطہ کہتا تھا۔ اور تمام عناصر اسکے نزدیک خاک سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور
نقطہ خاک ہی واجب اور مبدا اول ہے۔ محمود کہتا ہے۔ کہ سورج آگ ہے۔ اور
چاند پانی ہے اور آسمان ہوا ہے۔ اور تناسخ کا قائل ہے۔ اس طور پر کہ جب ہی
روح مرتا ہے۔ اور مٹی میں مل جاتا ہے۔ تو اسکے بدن کے اجزا جمادات یا نباتات
کی صورت میں ظہور کرتے ہیں۔ اور وہ نباتات انسان یا جانور کی غذا ہو کر
پھر وہی انسان یا حیوان پیدا ہوتا ہے۔ اور نفس ناطقہ مجرد کے وجود کا قائل نہیں
اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ اس نے استعین بنفسک الذی لا الہ الا ھو

مقرر کیا تھا۔ محمود کی بہت سی تصنیفیں ہیں۔ اسکا اعتقاد تھا کہ آدم اور
عالم کے دورے ۶۴ ہزار سال میں تمام ہونگے۔ اور اپنے معتقدوں پر اس
بات کی تاکید رکھتا تھا کہ ہمیشہ پارسائی اور درویشی کے ساتھ رہنا چاہیے
یہ کہتا تھا کہ جب کوئی شخص بالکل تعلقات کو چھوڑ دے اور کسی چیز کی طرف
رغبت نہ رکھے صرف اس قدر غذا کی ضرورت رکھے۔ جو انفاس کے باقی رکھنے
کے لئے کافی ہو۔ تو ایسا شخص ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور یہ واحد ہو جاتا ہے
اور اللہ کے مرتبے کو پہنچ جاتا ہے۔ اگر کسی امین کو عورت کی خواہش ہو تو چاہیے
کہ عمر میں ایک بار اس سے صحبت کرے۔ اور اگر زیادہ خواہش ہو تو سال میں دو
بار ایسا کرے۔ اور اگر اتنا صبر نہ کر سکے۔ تو چالیس دن کے بعد صحبت کیا کرے
اور انتہا یہ ہے۔ کہ ہفتے میں ایک بار ایسا کر لیا کرے۔ اور کہتا تھا کہ جب کوئی
جسم انسانی سے حیوانی میں اور جسم حیوانی سے نباتی میں اور نباتی سے جمادی
میں یا برعکس اسکے تناسخ کرتا ہے۔ تو اسکے اگلے جنم کی باتیں دوسرے جنم میں
پہچان لی جاتی ہیں۔ اور قاعدہ اس شناخت کا یہ ہے کہ اس پچھلے جسم میں جو
اسکے عادات ہوتے ہیں۔ اُن سے اگلے جسم کے عادات معلوم ہو جاتے ہیں
اور واحدیہ کی اصطلاح میں ایسی شناخت کرنے والے آدمی کو کشفی کہتے ہیں
اور اسی بنیاد پر انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے۔ کہ جب کوئی آدمی کسی مجلس
میں آئے۔ اور اس شخص کے منہ سے اول جس چیز کا موالید ثلاثہ میں سے نام
نکلے۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس پیدائش سے پہلے وہ یہی چیز تھا جس کا نام
اسکے منہ سے نکلا۔ واحدیہ کہتے ہیں کہ عنقریب ہم حاجی عباس گیلانی کو ایک
قسم کا دھاریدار کپڑا پہنے پھرتے ہیں۔ اور دیگر فرقے سے کام لیتے ہیں۔ جب
یہ مرینگے تو آئندہ جنم میں اگر جسم حیوانی میں انتقال کیا۔ تو
[illegible] بنائے جاینگے۔ اور اگر جسم نباتی میں انتقال کیا۔ تو [illegible]
[illegible] اور اگر [illegible] جسم میں انتقال کیا تو [illegible] بنائے جاینگے

ان باتوں سے خوب واقفیت رکھتا ہے۔ اور کرم شب تاب یعنی جگنو شعلہی ہے
کہ بتدریج نزول کرکے اس جسم میں آیا ہے۔ اور کتا اگلی پیدائش میں ترک قزلباش
تھا۔ اور اُسکی ٹیڑہی دم تلوار ہے جسکی صورت یہ ہو گئی ہے۔ اور لوہے کا
کمال کو پہنچ جانا یہ ہے کہ اُس سے کوئی نبی یا ولی مارا جائے۔ اور انکا قول یہ
ہے کہ پیدائش اول میں امام حسین حضرت موسیٰ تھے۔ اور یزید فرعون تھا۔
اُس پیدائش میں حضرت موسیٰ نے فرعون کو دریائے نیل میں ڈبو دیا تھا۔ اس
پیدائش میں حضرت موسیٰ امام حسین ہوئے اور فرعون یزید بنا۔ اور یزید نے
امام حسین کو فرات کا پانی ندیا اور انہیں ہلاک کیا۔ اور کہتے ہیں جو کوئی
حیوانات و نباتات و جمادات میں سے جواب سیاہ ہیں۔ وہ پہلے سیاہ رو
آدمی تھے۔ اور جو اب سفید ہیں۔ وہ گورے آدمی تھے۔ اور یہ تمام فرقہ آفتاب
کی تعظیم کرتا تھا۔ اور اُسے قبلہ جانتا تھا۔ اور ان کے یہاں ایک دعا رائج تھی
کہ آفتاب کی طرف منہ کرکے پڑہتے تھے۔ اس فرقے کے خواص اور ممتاز آدمی
امین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ درویش صفا اور درویش بقائے وحد
اور درویش اسماعیل اور میرزا النقی اور شیخ لطف اللہ اور شیخ شہاب اور
تراب اور کمال اس فرقے کے امین تھے۔ بلکہ جتنے علما اور اولیا محمود کے عہد میں
تھے یا جنہوں نے اسکے بعد ظہور کیا ہے۔ سب کو واحدیہ محمود کا متبع قرار دیتے
ہیں۔ ایک واحدی کا قول ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی کا بھی یہ مذہب تھا
اور چونکہ محمود زیادہ تر ساحل رُودِ ارس[1] پر رہتا تھا۔ اسلئے خواجہ نے اپنے اس شعر
میں فرمایا ہے ؎

اے صبا گر بگذری ساحل رود ارس ٭ بوسہ زن بر خاک آں وادی و مشکیں کن نفس

واحدیہ فرقے کے آدمی تمام ایران میں پھیل گئے تھے۔ مگر اپنے مذہب کو کسی پر ظاہر

---

[1] ارس بروزن جرس مشہور ندی ہے آذربائیجان میں اور آذربائیجان شہر تبریز کا نام ہے۔ اور
اس ملک کو بھی کہتے ہیں جسکا دار الامارۃ تبریز ہے ۱۲ انجمن آرائے ناصری

نہیں ہونے دیتے تھے اسلئے کہ شاہ عباس بن شاہ خدابندہ صفوی نے ان
میں سے ہزارہا آدمیوں کو مروا ڈالا تھا۔ واحدیہ کہتے ہیں۔ کہ شاہ عباس نے بھی
شراب اور کمال سے یہ مذہب حاصل کرلیا تھا۔ مگر پھر دنیاداری اور شہرت کی غرض
سے انکو مروڈالا۔ اور بعض واحدیہ یہ کہتے ہیں۔ کہ شاہ عباس اہل کامل تھا۔ ایسے
جسکو اس مذہب میں کامل نہ پاتا تا اسے مروا ڈالتا۔ اور انکی اصطلاح میں مومنیہ
اُن لوگوں کو کہتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی ذکاوت سے دین محمود میں ترقی نہیں
کی ہے۔ واحدیہ کہتے ہیں۔ کہ یہ بھی دینہ نے عداوت کی وجہ سے مشہور کردیا ہے
کہ محمود نے اپنے آپکو تیزاب میں ڈالدیا تھا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ محمود نے
تمام قرآن کی اپنی رائے کے موافق تاویل کے اپنے مذہب پر آیات سے استدلال
کیا تھا[1]

فرقۂ سوم روشنیاں

یہ فرقہ بایزید بن عبداللہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ شخص غالباً سنہ ۹۳۱ء میں
ابراہیم خاں افغان لودھی کے عہد میں شہر جالندھر صوبہ پنجاب میں پیدا ہوا تھا
بایزید سراج الدین انصاری کی ساتویں پشت میں ہے۔ حیات افغانی میں لکھا
ہے۔ کہ اومڑ ایک قوم ہے۔ پٹھانوں کی بایزید اُس میں سے تھا۔ اسکی ماں کا نام
بنین بنت محمد امین تھا۔ بایزید کو طفلی سے تحقیق کا شوق تھا۔ اور ہمدردی اسکے
خمیر میں پڑی ہوئی تھی۔ اگر اپنی زراعت کو رکھانے جاتا۔ تو دوسرے کاشتکاروں
کی زراعت کو بھی رکھاتا۔ اور اکثر دریافت کیا کرتا۔ کہ زمین و آسمان تو موجود ہے
مگر خدا کہاں ہے۔ بلوغ کو پہنچنے پر اپنا مرزبوم چھوڑ کر اپنی ماں کے ساتھ اپنے
باپ عبداللہ کے پاس کانی گرم واقعہ کوہ ہائے روہ کو چلا گیا۔ حیات افغانی میں
اخون درویزہ کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ کہ جب بایزید کو کچھ زر نقد ہاتھ لگا۔ تو
گھوڑوں کی تجارت کے لئے سمرقند کو گیا۔ اور وہاں سے دو گھوڑے خرید کرکے

[1] دیکھو دبستان المذاہب ۱۲

ہندوستان میں آیا۔ اور کالنجر میں پہنچکر ملا سلیمان کالنجری کی صحبت میں رہا
ملائے مذکور سے مسئلہ تناسخ سنا۔ تو بایزید کا عقیدہ تناسخی ہوگیا۔ اور جبکہ کالنجر
سے پلٹکر کالی گرم میں آیا۔ تو اپنے عقیدۂ تناسخی سے مذہبی فساد شروع کیا
عبد اللہ کو بیٹے کی یہ بات ناگوار گذری۔ یہانتک کہ فرزند کو چھری سے مجروح
کیا۔ بعد اسکے بایزید کالی گرم سے ننگرہار کو چلا گیا۔ اور مہمندوں کے ملک سلطان احمد
کے گھر رہنے لگا۔ ننگرہار کے علما نے سب کو اُسکی بات قبول کرنے سے روکدیا
اس لیئے کسی نے اُسکی متابعت نکی۔ اس وجہ سے بایزید یہاں بھی نہ ٹھیرا۔ پشاور پہنچکر
غوریا خیلوں میں مقیم ہوا۔ ان لوگوں میں علم کم تھا۔ اکثر اُسکی پیروی کرنے لگے۔ بایزید
نے شہرت پیری و پیشوائی کے طریق میں کرکے عوام الناس سے کہدیا۔ کہ
خدا کی طرف بجز پیر کامل کے رسائی نہیں۔ میں تم کو رہنمائی اور ہدایت
کرونگا۔ اس طرح اُس نے بہت سے لوگ اپنے گرد جمع کرلئے اور شہوت پرستوں
کے مطیع و منقاد اور خوش کرنے کے لئے عورت و مرد غیر محرم کو یکجا رہنے کھانے
پینے کی اجازت دیدی۔ بایزید جو کچھ کہتا۔ مرید وہی کرتے۔ قوم خلیل کا بہت سا
حصہ اُسکا مرید ہوگیا۔ پھر محمدزئی ہشت نگر میں گیا۔ اور وہاں بھی اسی طرح کہا
افغانوں میں جو زیادہ جاہل تھے۔ وہ اُسکے زیادہ معتقد تھے۔ ہشت نگر میں اُسکی
پیری کو بہت رونق ہوگئی۔ عالموں سے مباحثہ کرنیکا قصد کیا۔ اخوند درویزہ نے
اُس سے مباحثہ کیا۔ اور اس میں بایزید مغلوب ہوگیا۔ مگر اُسکے مرید ایسے طاقتور
تھے۔ کہ اخوند درویزہ کی کوئی نصیحت اُسپر نہ چل سکی۔ بایزید نے اپنا لقب
پیر روشن رکھا۔ اُس نے مریدوں پر ظاہر کیا۔ کہ غیب سے مجھکو ندا ہوئی
ہے۔ کہ تم کو سب آدمی میاں روشن کہا کریں۔ اور تم کو حیات جاودانی عطا ہوگی
مگر یہ لقب اُسکے مریدوں ہی میں رہا۔ دوسرے لوگوں نے پیر تاریک مشہور کردیا
محسن خان صوبہ دار کابل جو اکبر بادشاہ کی طرف سے حکمران تھا۔ وہ اسکا حال سنکر
ہشت نگر آیا۔ اور گرفتار کرکے کابل کو لے گیا۔ مدت تک وہاں قید رہا۔ پھر رہا ہوکر

ہشت نگر واپس آیا اور اپنے تمام اصحاب کو جمع کرکے طوطی کے پہاڑوں میں گھس گیا۔ پھر وہاں سے تیراہ کو آیا۔ آفریدی اور ارکزئی فرقہ بھی اس کا مرید ہوگیا۔ اس طاقت وری کے بعد اس نے برملا اکبر بادشاہ سے بغاوت کرکے لوگوں کو عام بلوے کی اس طرح ترغیب دی کہ وعظ میں بیان کرنا شروع کیا کہ مغل ظلم پیشہ ہیں۔ انہوں نے افغانوں پر حد سے زیادہ ظلم ڈہائے ہیں۔ اُن کی اطاعت نکرنا چاہئے۔ اس شہرت سے اکثر سرحدی قومیں بادشاہ سے باغی ہوگئیں۔ اور اس کے وعظ سے بڑا فساد پھیل گیا۔ بادشاہی فوج جو اُسکی سرکوبی کو آئی تھی خود ہی سرکوب ہوکر پیچھے کو ہٹ گئی۔ اس آسان فتح سے اُسکے ہمراہیوں کو زیادہ تقویت ہوگئی۔ تیراہ کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ ظاہر میں بایزید کے مطیع تھے مگر باطن میں سلطنت مغلیہ کے خیر خواہ تھے۔ بایزید بھی یہ بات خوب جانے ہوئے تھا۔ اسلئے اس نے ایسے لوگوں سے اس ملک کو اس طرح پاک کیا کہ بعضوں کو قتل کرایا۔ اور بعضوں کو ملک سے خارج کیا۔ اور اُسکے اصحاب و مریدین نے تیراہ پر بخوبی قبضہ کرلیا۔ اور ورکزئیوں کی مضبوط جماعت کے ساتھ ننگرہار پر بھی قبضہ کرلیا اور بہت سے گاؤں بھی لوٹ لاٹ کر برباد کردیئے۔ محسن خاں صوبہ دار کابل جلال آباد سے تیاری کرکے بایزید پر چڑھ گیا اور شبخوں مارا بھاری لڑائی کے بعد بایزید کے ساتھیوں نے پوری شکست پائی۔ بعض مارے گئے۔ بعض دشوار گذار پہاڑیوں پر چڑھ گئے اور بایزید ہشت نگر کو چلا گیا۔

یہ تو بایزید کے دنیوی کارنامے تھے۔ اب اُسکے عقائد اور اعمال کی باتیں سنو۔ بایزید ابتدا سے ریاضت شاقہ کرنے لگا تھا۔ اہل علم و ادب کی بہت خاطر کرتا تھا۔ ایک عامی آدمی تھا مگر قرآن کا مطلب خوب بیان کرتا تھا اور حقایق و معارف ذکر کرتا۔ مرزا محمد حکیم خلف ہمایوں بادشاہ صوبہ دار کابل کے دربار میں خروج سے قبل اس کا مناظرہ علما کے ساتھ کرایا گیا۔ اسکی تقریر علما کے بیانات پر غالب آئی پھر اُس نے نبوت کا دعوے کیا۔ اور کہتا تھا کہ مجھکو الہام ہوتا ہے

جبریل میرے پاس رب العالمین کی طرف سے پیغام لاتے ہیں۔ بلکہ اسکا یہ دعوے
تھا کہ میں علانیہ خدا کو دیکھتا ہوں۔ اور بغیر توسط جبریل کے بالمشافہ اس سے
بات چیت کرتا ہوں۔ اور کہتا تھا کہ مجھ سے اللہ تعالے نے فرمایا کہ تو انبیا کی نماز
پڑھا کر یہ نماز چھوڑ دے۔ اور انبیا کی نماز معبود کی صفت ہے۔ اور زیادہ تر ذکر
خفی کیا کرتا تھا۔ بایزید کہتا تھا کہ مسلمانوں کا اشہد ان لا الہ الا اللہ کہنا صحیح
نہیں۔ اسلئے کہ یہ خدا سے واقف نہیں۔ اور جس نے اللہ کو نہیں دیکھا۔ وہ اس سے
کیا جانے پس ایسے آدمی کی گواہی کذب ہے۔ مولانا زکریا نے ایک بار اس سے
یہ کہا۔ کہ تمہارا یہ دعوے ہے کہ میں دلوں کی خبر رکھتا ہوں۔ بھلا بتلاؤ تو میرے
دل میں کیا ہے۔ اگر تم یہ بتادو گے۔ تو میں تمہارا معتقد ہو جاؤنگا میاں روشن بایزید نے
کہا۔ کہ تم میں دل کب ہے۔ اگر تم میں دل ہوتا تو بیشک اسکی خبر دیتا۔ مولانا زکریا
نے کہا۔ کہ اول مجھکو قتل کرنا چاہئے اگر میرے بدن میں سے دل نکلا۔ تو بایزید کو
مار ڈالنا چاہئے۔ اور اگر دل نہ نکلے۔ تو بایزید سے کوئی تعرض نہیں۔ بایزید نے کہا
کہ یہ دل جسکو تم دل سمجھے ہو۔ یہ تو کتے بکری اور گائے میں بھی ہوتا ہے اس
گوشت کے ٹکڑے سے دل مراد نہیں۔ دل وہی چیز ہے اس میں عرش کرسی
دونوں کی سمائی ہے۔ پھر مولانا زکریا کہنے لگے۔ کہ تم دعوے کرتے ہو کہ مجھے
قبروں کے حالات معلوم ہیں۔ مردے مجھ سے کلام کرتے ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ
قبرستان کو چلتے ہیں۔ دیکھیں۔ تو مردے تم سے کس طرح باتیں کرتے ہیں۔ بایزید
نے کہا کہ اگر تم میں انکی آواز سننے کی قابلیت ہوتی۔ تو میں تم کو کیوں کہتا
بایزید سے جو عقیدت نرکھتا اُسے کافر و گمراہ جانتا۔ اور جو اسکو نہ پہچانتا۔ اور
وحدت وجود کے طریقے پر نہ ہوتا اُسکے ہاتھ کا ذبیحہ نکھاتا۔ بایزید بہت سے
قول عربی زبان میں بیان کرتا۔ اور انہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
منسوب کرتا۔ بایزید کا قول ہے کہ زبان سے کلمہ شہادت کہنا۔ اور اسکی تصدیق
کرنا شریعت کا فعل ہے۔ اور تسبیح وتہلیل اور مدام زبان کے ساتھ ذکر کرنا اور

دل کو وسوسے بری رکھنا طریقت کا فعل ہے۔ اور رمضان کے روزے رکھنا
اور کھانا پینا چھوڑنا۔ عورت کے ساتھ مجامعت کو ترک کرنا شریعت کا فعل ہے
اور روزۂ نفل رکھنا رزق کم کھانا۔ اور بدی سے باطن کو پاک رکھنا طریقت کا
فعل ہے۔ مال کی زکوۃ اور عشر دینا شریعت کا فعل ہے۔ اور فقیر و محتاج اور
روزہ دار کو کھانا دینا عاجز کی دستگیری کرنا طریقت کا فعل ہے۔ کعبہ کا طواف
کرنا۔ لڑائی اور گناہ سے حرم میں بچنا شریعت کا فعل ہے۔ اور دل کا طواف کرنا
اور نفس کے ساتھ لڑائی کرنا اور فرشتوں کی طاعت کرنا طریقت کا فعل ہے
ہمیشہ حق تعالے کی یاد میں رہنا اور ماسوائے اللہ کا پردہ دل سے مٹانا اور دوست
کے جمال کا نظارہ کرنا حقیقت کا فعل ہے۔ ذات حق کو چشم دل کے ساتھ دیکھنا
اور نور عقل کے ذریعہ سے اسکو ہر جگہ معلوم کرنا۔ اور کسی مخلوق کو ایذا نہ پہنچانا
معرفت کا فعل ہے۔ اور حق کو پہچاننا اور تسبیح کی آواز کو سننا اور اسکو سمجھنا
قربت کا فعل ہے۔ اور اپنے وجود کو ترک کرنا اور تمام کام اللہ کے وجود سے
سمجھنا اور فضولیات سے بچنا وصلت کا فعل ہے۔ اور اپنی ذات کو حق مطلق
میں فانی کرنا۔ اور باقی مطلق ہو جانا۔ اور احد کے ساتھ موحد ہونا اور شر سے
پرہیز کرنا توحید کا فعل ہے۔ اور مسکن اور ساکن ہونا۔ اور حق مطلق کی صفت
اختیار کرنا۔ اور اپنے وصف کو چھوڑ دینا سکونت کا فعل ہے۔ اور سکونت سے
بالاتر کوئی مقام نہیں۔ قربت اور وصلت اور وحدت اور سکونت یہ اصطلاحیں
خاص اسکی تراشی ہوئی ہیں۔ وہ ان مراتب کو شریعت اور طریقت اور معرفت
سے اعلے جانتا تھا۔ اور آدمیوں پر ریاضت کرنے کی تاکید کرتا تھا نماز بھی پڑھتا
تھا۔ مگر قبلے کے تعین کا مقید نہ تھا۔ جدھر چاہتا پڑھ لیتا۔ اور اس بات پر
اس آیت کے ساتھ استدلال کرتا تھا اینما تولوا فثم وجہ اللہ یعنی جدھر کو
تم منہ کرو وہاں ہی اللہ متوجہ ہے۔ کہتا تھا۔ کہ پانی کے ساتھ غسل کرنے کی
ضرورت نہیں ہے۔ ہوا لگنے سے بدن پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ چاروں عنصر پاک

کرنے والے ہیں۔ اُسکا قول تھا۔ کہ جو کوئی خدا کو اور اپنی ذات کو نہ پہچانتا ہو
تو وہ آدمی نہیں پس اگر ایسا آدمی شریر ہے۔ تو وہ بھیڑیے اور شیر اور سانپ
بچھو کے حکم میں ہے اُسکا مار ڈالنا واجب ہے۔ اور اگر نیک اور بے آزار ہے۔ تو
وہ گائے بکری کے حکم میں ہے۔ اُسکا مار ڈالنا جائز ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے
متبعون کو حکم دیدیا تھا۔ کہ ایسے آدمیوں پر جہاں قابو پاؤ مار ڈالو۔ اور دلیل
اس پر یہ آیت لاتا تھا۔ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل سبیلا ٥ یعنی وہ
چوپائیوں کی طرح ہیں۔ بلکہ اُن سے زیادہ گمراہ ہیں۔ اور کہتا تھا۔ کہ جو کوئی خود شناس
نہیں زندگی جاوید سے بے خبر ہے۔ وہ مردہ ہے۔ ایسے شخص کے مال کے
وارث بھی ایسے شخص نہیں ہو سکتے۔ جو خود بھی مردہ ہیں۔ بلکہ اُسکی میراث
زندہ کو پہنچتی ہے۔ اسلئے نادان کے مار ڈالنے کا بھی حکم دیدیا تھا۔ اگر ہندو کو
خود شناس پاتا۔ تو مسلمان خود ناشناس پر اُسکو ترجیح دیتا۔ برسوں تک اُس نے
اور اُسکے بیٹوں نے راستوں میں لوگوں کو لوٹا۔ ڈاکہ زنی کی اور مسلمانوں وغیرہ
سے مال چھینا۔ ایسے مال میں سے خمس نکالکر بیت المال میں جمع کرتا۔ جب
حاجت ہوتی۔ تو اہل استحقاق کو اُس میں سے دیتا۔ وہ اور اسکے تمام بیٹے زنا
اور فسق و فجور سے محترز رہتے تھے۔ موحدوں اور خود شناسوں کے مال سے بچتے
اور اُنپر ظلم نکرتے تھے۔ بایزید کہتا تھا۔ کہ خدا ناشناسوں کے قتل کے لئے میں
منجانب اللہ مامور ہوں۔ یعنی حق تعالےٰ نے مجھ سے یہ فرمایا۔ کہ ان لوگوں کو
قتل کر مگر میں نے ہتیار نہ اُٹھائے۔ جب مکرر یہی حکم ہوا۔ تو مجبور ہو کر جہاد کو
مستعد ہوا۔ اسکی تصنیف سے بہت سی کتابیں ہیں۔ عربی فارسی ہندی اور
پشتو میں۔

مقصود المومنین ایک کتاب اسکی عربی میں ہے۔ اور اسکی ایک کتاب
کا نام خیر البیان ہے۔ جسکو چار زبانوں میں لکھا ہے۔ عربی فارسی ہندی اور
پشتو۔ اسکا دعوے یہ ہے۔ کہ خیر البیان کی ساری باتیں وہ ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے

نے مجھے مخاطب کر کے کہی ہیں۔اسی وجہ سے روشنیاں اسکو صحیفۂ الٰہی اعتقاد کرتے ہیں۔اور حالنامہ اُسکی ایک کتاب ہے جس میں اُس نے اپنی سوانح عمری لکھی ہے۔افغانستان کے پہاڑوں میں ایک مقام ہے بھشتہ پور وہاں پہاڑی پر بایزید کی قبر ہے۔اسکے پانچ بیٹے تھے۔شیخ عمر۔کمال الدین۔خیر الدین۔جلال الدین اور نور الدین اور ایک بیٹی تھی جسکا نام کمال خاتون تھا۔بایزید کے بعد شیخ عمر باپ کا جانشین ہوا۔پیر روشن کے جتنے اصحاب تھے۔وہ اُسکے پاس جمع ہوگئے کچھ دنوں کے بعد شیخ عمر کا اور یوسف زئیوں کا بگاڑ ہوگیا۔یوسف زئیوں کے پیشوا اخوند درویزہ تھے۔یوسف زئیوں نے جمع ہوکر دریائے سندہ کے کنارے اپنے مخالفوں پر حملہ کیا۔اس لڑائی میں شیخ عمر اور اسکے اکثر ساتھی کام آئے ان میں سے دو شخصوں کو یوسف زئیوں نے آگ میں بھی جلا دیا۔اور اس معرکہ میں شیخ عمر کا بھائی خیر الدین مارا گیا۔نور الدین میدان جنگ سے نکل کر بھاگ گیا مگر ہشت نگر کے گوجروں نے اسکا بھی کام تمام کردیا۔اور جلال الدین یوسف زئیوں کے ہاتھ آکر قید ہوا۔اکبر بادشاہ نے اُسکو مع تمام متعلقین کے یوسف زئیوں سے لیکر رہا کر دیا۔اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے۔کہ جلالہ چودہ برس کی عمر میں اکبر کے دربار میں آیا تھا کچھ دنوں کے بعد بھاگ کر تیراہ کے پہاڑوں میں گھسکر رہزنی جاری کردی۔قافلوں کو لوٹنے لگا۔راجہ مان سنگھ اور اُسکی مدد کو دوسرے افسران شاہی پہاڑوں میں جلال الدین سے لڑنے کو سنہ ۹۹۴ھ میں گئے۔مگر وہ مغلوب نہو سکا۔کسے اکبر بادشاہ جلالہ کہا کرتا تھا۔کابل اور پشاور کا راستہ اس وقت کبھی محفوظ نرہا۔کمال الدین اسکا بھائی پکڑا گیا۔اور اکبر نے دم واپسیں تک اُسکو قید رکھا۔چند لڑائیوں کے بعد جب راجہ مان سنگھ نے زیادہ تعاقب کیا۔تو جلالہ غزنی کی طرف بھاگ گیا۔اور وہاں قوم ہزارہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔اسکا سر اکبر کے حضور میں بھیجا گیا۔اکبر نامے کی جلد سوم میں حالات سنہ ۳۲ و سنہ ۳۳ جلوس اکبری کے ضمن میں اس معرکے کو ذکر کیا ہے جب

جلالہ مارا گیا۔ تو احداد بن شیخ عمر بن بایزید کو خلافت ملی۔ یہ بھی اپنے اسلاف کے طریقے کا بڑا پابند تھا۔ جو کچھ مال جہاد میں ہاتھ لگتا۔ اُسے بانٹ دیتا۔ اور خمس بیت المال میں جمع کرتا۔ اور پھر ضرورت کے وقت اُسے غازیوں پر تقسیم کرتا۔ جو مسلمان اس کے طریقے کے پابند نہوتے اُنپر جہاد کرنا جائز جانتا۔ ۱۰۳۵ھ میں جہانگیر کے لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسکے معتقد کہتے تھے کہ قل ہو اللہ احد اسی احداد کی شان میں ہے۔ ہزاروں افغان اسکے مرید تھے۔ اور اسکو احد کہتے تھے۔ پھر اسکا بیٹا عبد القادر اسکا قائمقام ہوا۔ اور یہ شاہجہان کے دربار میں حاضر ہوکر امرائے شاہجہانی میں داخل ہوگیا۔ اور ۱۰۴۳ھ میں مرگیا۔ جلالہ کا بیٹا الہ داد نامی رشید خانی خطاب اور منصب چار ہزاری تک سرفراز ہوکر ۱۰۵۸ھ میں دکن میں فوت ہوا۔ اور مئو میں مدفون ہوا۔ یہ قصبہ اسی کا بسایا ہوا شمس آباد کے قریب ہے۔[۱]

الہداد

چہارم دین الہی

موجد اسکا جلال الدین اکبر شہنشاہ ہندوستان ہے۔ مآثر الامرا میں مذکور ہے۔ کہ اکبر جو کچھ ایجاد کرتا اُسکو دین الہی کہتے۔ اور اس نے ہر مذہب اور ہر طریقے کا خلاصہ ملاکر اسکا نام دین الہی رکھا تھا۔ اور خوشامدی کہتے تھے۔ کہ یہ جو کچھ اُس نے چھانٹا ہے اللہ کے حکم سے تھا۔ اور یہ لوگ اکبر کو خلیفۃ اللہ کہتے تھے منتخب التواریخ میں مولوی عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے۔ کہ ماہ رجب ۹۸۷ھ میں ایک محضر علما سے بادشاہ مذکور نے تیار کرایا جسکا مضمون یہ تھا۔ کہ امام عادل مطلقاً مجتہد پر فضیلت رکھتا ہے۔ اور وہ مجاز ہے اس بات کا کہ کسی مسئلہ مختلف فیہ میں روایت مرجوح کو ترجیح دیدے۔ معاملات شرعی میں کسی کو اُسکی رائے سے انکار کرنیکی مجال نہیں۔ کیونکہ امام عادل معاملات کو مجتہدین سے زیادہ سمجھتا ہے۔ پس جو اُس سے مخالفت کرے۔ وہ دنیا

---

[۱] دیکھو تاریخ فرخ آباد مؤلفہ ولیم آروِن ۱۲

وعقبےامیں مستوجب عذاب ہے۔ بلکہ امام عادل کو اختیار ہے۔ کہ حکم ایسا بھی اپنی
طرف سے جاری کردے جو نص کے مخالف ہو۔ مگر اُس میں خلائق کی رفاہیت
مد نظر ہو اور امام عادل کے ایسے مسائل کی تعمیل سب پر واجب ہے۔ اور
مراد اس امام عادل سے اکبر کی ذات تھی اس محضر پر مخدوم الملک اور شیخ
عبد النبی صدر الصدور اور قاضی القضاۃ قاضی جمال الدین ملتانی اور صدر
جہان مفتی کامل ممالک ہندوستان اور شیخ مبارک ناگوری اور غازیخاں بدخشی
کی مہریں اور دستخط تھے۔ ان میں سے بعض نے بہ طیب خاطر اور بعض نے
طوعاً و کرہاً دستخط اور مہر کی تھی۔ اس فتوے کے حاصل ہونے کے بعد اکبر نے
اپنے اجتہادات جاری کئے۔ اور تمام تحریم و تحلیل کی موقوفی پر نوبت پہنچی۔
اور اپنی عقل سے دین میں باتیں کرنے لگا۔ اسلام کا نام تقلید رکھدیا تھا۔ کہتا
تھا۔ کہ قرآن مخلوق ہے۔ وحی محال ہے۔ اور امامات و نبوات میں تشکیک کرنے
لگا۔ جنوں اور فرشتوں اور تمام مغیبات اور معجزات و کرامات سے انکار صریح
کردیا۔ اور قرآن کے تواتر اور اُسکے کلام الہی ہونے کے ثبوت کو محال قرار دیا
کہتا تھا۔ کہ بدن کے فنا ہو جانے کے بعد روح کا باقی رہنا۔ اور ثواب و عذاب
کا بغیر تناسخ کے ہونا محال ہے۔ اور پھر علانیہ حکم دیدیا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ
اکبر خلیفۃ اللہ بھی کہا کریں۔ مگر جب دیکھا کہ عوام کے مزاجوں میں اس سے ایک
قسم کی برہمی آگئی ہے۔ تو اس حکم کی تعمیل صرف ان لوگوں کے ساتھ مخصوص
کردیگئی جو اسکے درباری تھے۔ اور علمائے دنیا طلب نے اُسکے راضی کرنے کے
واسطے یہانتک کیا۔ کہ کتابوں کے دیباچے لکھتے تو ان میں حمد کے بعد نعت پیمبر
کی جگہ اکبر کا ذکر کرتے۔ اگرچہ ان باتوں سے اُسکی دور دور بدنامی ہوگئی۔ مگر ہزاروں
آدمی اُسکی تقلید بھی کرنے لگے۔ اور یہ لوگ اپنی جانوں کو بادشاہ کا مرید کہتے
تھے۔ اور بیربر وغیرہ سے آفتاب کے فضائل سنکر اُسکی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ اور
نوروز جلالی مقرر کرکے اُس دن بڑا جشن کیا جاتا۔ اور دعا تسخیر آفتاب کی جو ہی

رات کو اور طلوع کے وقت پڑھا کرتا یہ دعا ہندوؤں سے اسکو پہنچی تھی جہانگیر اپنے تزک میں لکھتا ہے کہ اکبر یک شنبہ کی اس وجہ سے بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا کہ یہ دن آفتاب کی طرف منسوب ہے اور حکم دیدیا تھا کہ تمام ملک میں اس دن کوئی جانور ذبح نہ کیا جائے۔ اگرچہ بعض دوسرے دنوں میں بھی ذبح کی ممانعت تھی۔ مگر یکشنبہ کو ممالک محروسہ میں اس حکم کی سختی سے پابندی کرائی جاتی تھی۔ اور آفتاب کو حضرت نیر اعظم کہتا تھا۔ گاؤکشی اور اسکا گوشت کھانا حرام کردیا۔ آتش پرستوں سے آتش کے فضائل معلوم کرکے آگ کی تعظیم کرنے لگا۔ اور حکم دیا کہ بطور آتشکدوں کے محل میں آگ روشن کیجائے۔ اور وہ ہمیشہ روشن رہے کیونکہ آگ اللہ کی ایک آیت اور اسکا نور ہے۔ اور جلوس کے پچیسویں سال میں نوروز کے دن اس نے آگ اور سورج کو سجدہ کیا۔ اور یہ مقرر کردیا تھا کہ جب شام کو شمعیں اور چراغ روشن ہوں۔ تو ہمارے مرید سروقد تعظیم کو کھڑے ہوجایا کریں۔ اور ایک زنار مرصع بہ جواہر تیار کراکے تبرکا برہمنوں کے ہاتھ سے پہنی اور راکھی بندھوائی اور قشقہ ماتھے پر کھچوایا۔ پھر علما نے بادشاہ سے عرض کیا۔ کہ صاحب الزمان جو خلاف و اختلاف ہندو مسلمانوں میں سے دور کرنے والے ہیں وہ حضور ہیں۔ اور انہوں نے بیان کیا۔ کہ محمود بسجوانی نے اپنے رسائل میں صاف تصریح کردی ہے۔ کہ ۹۹۰ھ میں باطل کا مٹانے والا شخص ظاہر ہوگا۔ اور اس نے ہر جگہ صاحب دین کو شخص کے ساتھ تعبیر کیا ہے جسکے بہ حساب جمل نوسو نوے عدد ہوتے ہیں۔ اور خواجہ مولانا شیرازی مکہ معظمہ سے بعض شرفا کا رسالہ لایا جس میں مرقوم تھا کہ بموجب احادیث صحیح کے سات ہزار سال مدت دنیا کی ہے پوری ہوچکی۔ اور اب وقت مہدی موعود کے ظہور کا آپہنچا ہے۔ اور اس قسم کی باتیں شیعہ نے بھی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے بادشاہ کے سامنے نقل کیں۔ اور یہ سب باتیں جمع ہوکر اکبر کو نبوت کا دعوے ہوا۔ مگر صاف لفظ نبوت کا نام نہ لے سکا۔ بلکہ دوسرے پہلو میں اسکو ظاہر کیا

اور سب مریدوں نے یہ مقرر کر لیا۔ کہ بادشاہ کی محبت کے سامنے مال و جان و
ناموس اور دین ہیچ ہے۔ جب ہزار سال ہجری پورے ہوگئے۔ تو اکبر نے خیال
کیا۔ کہ ہزار سال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے گذر گئے۔ اسی قدر اس دین
کے باقی رہنے کی مدت تھی۔ اب اس دین کے احکام و ارکان کا باقی رکھنا بھی
ضرور نہیں۔ اسلیئے اپنی طرف سے نئے قواعد وضوابط ایجاد کرنے لگا۔ حکم دیا۔ کہ
سکے میں تاریخ الفی رحلت سے لکھی جاوے۔ علمانے بادشاہ کے لیئے رسم سجدہ جاری
کی۔ اور اُسکا نام زمین بوس رکھا۔ اور یہ حکم دیا گیا۔ کہ کوئی شراب رفاہیت اور
معالجے کی غرض سے پیئے تو یہ مباح ہے۔ اور بادشاہ نے داڑھی منڈوانے کے
لیئے لوگوں کو حکم دیا۔ اسکے سارے اہل دربار نے داڑھیاں منڈوادیں مصاحبوں
نے اکبر سے داڑھی منڈانے کے باب میں دلائل بھی بیان کیئے۔ کہ اگلی مرتاضوں
نے جو داڑھیاں رکھیں۔ تو یہ ایک قسم کی ریاضت تھی۔ اور وہ اس کام میں ملامتی
تھے۔ اور اب ملامت اور ریاضت داڑھی کے صفا رکھنے میں ہے اسلیئے کہ اب
داڑھی کے منڈانے کو فقہائے نادان عیب قرار دیتے ہیں۔ اور بعض مفتیوں نے
ایک مجہول روایت بھی نکال دی۔ اور وہ یہ ہے۔ کما یفعلہ بعض القضاۃ اور لفظ
عصاۃ کو تحریف بتاتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ قاضیان عراق کا عمل داڑھی کے
منڈانے پر تھا۔ حاجی ابراہیم سرہندی نے ایک پرانی کرم خوردہ کتاب میں
ایک عبارت لکھکر پیش کی جسکو شیخ اکبر محی الدین بن عربی کی طرف منسوب
کیا تھا۔ مفاد اُس عبارت کا یہ تھا کہ صاحب الزمان بہت سی عورات رکھیگا
اور داڑھی منڈاتا ہوگا۔ اور اُسکی چند صفتیں اور ایسی بتائی تھیں جو شہنشاہ
میں موجود تھیں۔ اور ایک حدیث موضوع علمائے اکبری نے اس کے حضور میں
پیش کی کہ ایک صحابی کے فرزند داڑھی منڈائے ہوئے تھے۔ حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اُنکو دیکھکر کہا کہ اہل بہشت کی یہ وضع ہوگی۔ پھر یہانتک نوبت
پہنچی کہ مرزا جانی حاکم ٹھٹہ اور اکثر امرانے اقرار نامے اپنی طرف سے اس مضمون

کے گذرانے کہ دین اسلام حجازی تقلیدی جسکو باپ دادوں سے سنتے آئے تھے ہم نے چھوڑا۔ اور دین الہی اکبر شاہی میں داخل ہوئے اور مراتب چارگانہ خلوص یعنی ترک مال ترک جان ترک ناموس ترک دین ہم نے قبول کیا۔ اکبر ایسے لوگوں پر زیادہ اعتبار کرکے انکی تربیت کرتا فرضیت غسل جنابت کو موقوف کردیا۔ اور دلیل اسپر یہ بیان کی۔ کہ انسان کا خلاصہ نطفہ منی ہے۔ جو نیک و بد کی پیدائش کا تخم ہے۔ پھر اسکے کیا معنی کہ پیشاب و پاخانہ پر تو غسل واجب نہیں۔ اور اس لطیف چیز کا خروج غسل کا موجب ہے۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ اول غسل کیا جائے۔ اور بعد اسکے جماع کیا جائے۔ اور کہا مردے کے لئے کھانا پکا کر فاتحہ دینا بیکار ہے۔ کیونکہ مردہ جماد ہے اُسے اس سے کیا حظ حاصل ہوگا۔ بلکہ جس دن بچہ پیدا ہو۔ اس دن ایک جشن ترتیب دیا جائے۔ اور اس جشن کا نام جشن حیات رکھا تھا۔ سور اور شیر کا گوشت مباح کردیا تھا۔ تاکہ جو اسکو کھائے اس میں صفت شجاعت آجائے۔ اور حکم دیا کہ چچا پھوپھی ماموں خالہ وغیرہ کی بیٹیوں سے جن سے قریب کا رشتہ ہو نکاح نہ کیا جائے۔ کہ اولاد کمزور ہوتی ہے۔ اور اور بی بی عائشہ صدیقہ کے زفاف کا حضرت سرور کائنات سے جو بی بی صاحبہ کی ۹ سال کی عمر میں واقع ہوا تھا منکر تھا۔ اور سونا اور ریشم پہننا مرد کے لئے جائز قرار دیا۔ نماز اور حج اور زکوۃ ساقط کردیا۔ اخذ تاریخ عربی کو تغیر دیکر ابتدا اسکی سال جلوس سے مقرر کی۔ اور عربی مہینے اڑا کر ملوک عجم کے طور پر مہینے مقرر کئے اور زردشتیوں کے آئین کے موافق سال میں چودہ عیدیں مقرر کیں اسلام کی عیدوں کو بیرونق کردیا۔ اور اپنے جدید سنہ کا سال و ماہ الہی نام رکھا۔ اور سکوں اور مہروں پر تاریخ الفی قائم کی۔ تاکہ اس سے ظاہر ہو کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم ہوچکا۔ آگے کو نہ چلیگا۔ اور حکم دیا کہ چونکہ ہزار سال ہجری ختم ہوچکے لہذا ایک تاریخ ایسی تصنیف ہو جس میں بجائے ہجرت کے رحلت کا لفظ سنوات میں لکھا جائے۔ اور اسکا نام تاریخ الفی رکھا۔ اس تاریخ کے کچھ حصے میں نے

کتب خانۂ ریاست رامپور میں دیکھے ہیں۔ عربی کا پڑھنا لکھنا اور اُسکی اصطلاحوں کا استعمال کرنا غیب میں داخل ہوگیا حکم دیدیا کہ فقہ و حدیث و تفسیر کا پڑھانا موقوف کر کے نجوم حکمت طب حساب شعر اور تاریخ کے فن پڑھائے جائیں۔ اور حروف مخصوصۂ عربی یعنی ثا۔ حا۔ صاد۔ ضاد۔ طا۔ ظا۔ عین۔ قاف کا تلفظ میں گرانا شروع کیا۔ جو کوئی اکبر کے سامنے عبداللہ کو ابداللہ اور احدی کو اہدی کہتا تو بہت مسرور ہوتا۔ نبوت اور کلام الٰہی اور رویت الٰہی اور تکوین اور حشر و نشر میں طرح طرح کے شبہات پیدا کئے۔ اور تشیع کا برملا اظہار کرتا۔ اور خلفائے ثلٰثہ کے حق میں جس قدر مطاعن ہوتے اُسکے دربار میں بیان کئے جاتے۔ جنگ صفین اور قضیۂ فدک وغیرہ معاملات میں صحابہ کا ذکر نہایت برائی کے ساتھ بیان کیا جاتا۔ بلکہ تمام انبیا کی زلات کو اُنکی نبوات سے انکار کا ذریعہ قرار دیا خصوصاً حضرت داؤد اور زوجۂ اوریا کے قصے کو نہایت برائی کے ساتھ بیان کرتا۔ اور حضرت داؤد کو اس وجہ سے اچھا نہ جانتا۔ اکبر کے نام کی رعایت کی وجہ سے تحریروں کے عنوان پر اللہ اکبر لکھا جانے لگا۔ بلکہ عوام کی زبانوں پر سوا اس کلمے کے کوئی چیز باقی نہ رہی۔ ملا شیرازی نے اس طوفان بے تمیزی میں دس شعر کا ایک قطعہ کہا تھا۔ جسکے یہ اشعار ہیں ؎

تا نہ پنداید ہر زبان کشور برند از آفتے — فتنہ در کوئے حوادث کد خدا خواہد شدن

با عقاب قرض خواہ تیغ او ارباب عشق — بار سر از ذمۂ گردن ادا خواہد شدن

فیلسوف کذب را خواہد گریبان پارہ شد — خرقہ پوش زہد را تقوے ادا خواہد شدن

شورش مغز است اگر در خاطر آرد جاہلی — کز خلایق مہر پیغمبر جدا خواہد شدن

خندہ مے آید مرا زین بیت لیس کز ظریفگی — نقل بزم منعم و دزد و گدا خواہد شدن

پادشہ امسال دعوائے نبوت کردہ است — گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

نوروز کے جلسوں میں اکثر علما اور صلحا کو شراب کے جام پلوا دیئے۔ نوروز کے پچھلے دن کی بڑی تعظیم کرتا۔ محمد اور مصطفےٰ اور احمد الفاظ اسکو ایسے گراں

معلوم ہوتے کہ جن مقربین کے ناموں میں یہ الفاظ موجود تھے انکے نام بدلے
محمد یار اور محمد خاں کی جگہ رحمت لکھتے اور بولتے ایک دن راجہ بیربر اور
فتح اللہ شیرازی وغیرہ اہل دربار کے سامنے کہنے لگا کہ عقل یہ بات کسی
طرح گوارا نہیں کرتی کہ ایک شخص خوابگاہ سے آسمان پر چلا جائے اور
خدا سے باتیں کر کے اپنے مکان پر لوٹے تو اُسکا بستر بدستور گرم ہو اور
اُسکے اس دعوے کی لوگ تصدیق کرلیں اور ایک پاؤں کو اٹھا کر کہنے
لگا کہ ممکن نہیں کہ جب تک دوسرا پاؤں زمین پر نہ ہے ہم کھڑے رہ سکیں
اور معجزہ شق قمر کا بھی منکر تھا قمر کے شق ہونے کو محال جانتا تھا آفتاب
کی عبادت چار وقت کرتا سحر شام دوپہر آدھی رات کو پنڈتوں نے ایک
ہزار ایک نام آفتاب کے سنسکرت میں اُسکو سکھا دیے تھے انہیں ہر روز
بطور ورد کے پڑھتا ہندوؤں کے طور پر ریاضت کرتا جوگیوں سے خلوت
میں صحبت رکھتا اُن سے اعتقادات اور مراقبہ اور خلع بدن وغیرہ کے
طریق سیکھتا سر پر چند بال بالکے منڈاتا اور باقی آس پاس رکھتا اس
اعتقاد سے کہ کامل مکمل کی روح اس راہ سے کہ قوت وہم کا منفذ ہے خروج
کرتی ہے اور اُس وقت رعد اور صاعقہ کی سی آواز کرتی ہے اور یہ دلیل
ہے اس بات پر کہ میت گناہوں سے پاک وصاف ہے صاحب نجات و
سعادت ہے اور اس بات کی بھی علامت ہے کہ روح نے کسی بادشاہ
ذی شوکت میں حلول کیا ہے اور اپنے طریق کا توحید الٰہی نام رکھا
تھا اور جسکا یہ اعتقاد نہ ہوتا اُسے مردود واجب القتل جانتا اور اپنی
جماعت خاص اور مریدوں کے نام جوگیوں کے چیلوں کی مثل رکھے تھے
اکبر روز صبح کے وقت سورج کے نام پڑھتا اور اُس کی پرستش کرتا جن
لوگوں کو اس وقت پہنچنے کی دسترس نہ ہوتی وہ باہر کھڑے رہتے اور
جب بادشاہ اپنے اس وظیفے سے فارغ ہو کر باہر آتا تو تعظیم لوگ سجدہ کرتے

میں گر جاتے بعض آدمی ایسے تھے۔ کہ جب تک وہ صبح کو بادشاہ کی زیارت نکر لیتے کھانا پینا منہ دھونا انپر حرام تھا یہ درشنیہ کہلاتے تھے ہندوؤں نے اکبر پر ظاہر کیا تھا۔ کہ آپ میں ایک ہندو اوتار کی روح نے حلول کیا ہے اور ہندو اکبر کو رام اور کرشن کی مثل سمجھتے تھے اور پرانے پرانے کاغذوں پر یہ باتیں لکھکر اُسکے سامنے پیش کرتے کہ ایک بادشاہ عالمگیر ہند میں پیدا ہوگا۔ جو برہمنوں کی عزت اور گائے کی محافظت کریگا۔ دنیا میں عدل و انصاف جاری کریگا۔ سلطان خواجہ مرا۔ تو اکبر نے اسکی قبر میں روزن رکھوائے۔ جنکے ذریعہ سے سورج کی شعاعیں اُسکے جسد پر پڑتی تھیں۔ کہا سورج کی روشنی گناہوں کو پاک کرتی ہے حکم دیا کہ کوئی مرد اپنے نکاح میں دو عورتیں جمع نکرے۔ مگر جبکہ عورت اسکی بانجھ ہو اور حیض اُس سے منقطع ہوجائے اولاد جننے کی عمر نرہے۔ اور حکم دیا کہ جب مرید ہمارے آپس میں ملیں۔ تو ایک اللہ اکبر کہے اور دوسرا جل جلالہ یہ سلام اور جواب سلام کی جگہ تجویز کیا تھا غرض انہی باتوں میں اکبر مبتلا رہا اور اپنے متبعوں کو مبتلا رکھا۔ ۱۳ جمادی الاخرے ۱۰۱۴ھ میں ۵۱ برس حکومت کرکے اس دنیا سے انتقال کیا۔

تذکرہ اکبر کے عہد میں کچھ لوگ پکڑے گئے تھے وہ الہی مشہور تھے کہتے تھے ہم روزی رساں ہیں۔ اور خدا کے سب اختیار اپنے لئے ثابت کرتے تھے۔ جب اُن سے کہا گیا۔ کہ اس خرافات سے توبہ کرو۔ تو جواب دیا توبہ داھا[۱] راست اسی طرح شریعت اور دین اسلام اور نماز و روزہ وغیرہ کے جدا جدا نام انہوں نے اپنی طرف سے اختراع کئے تھے۔

فرقہ پنجم فربود

عالمگیر شہنشاہ ہندوستان کے آخر عہد میں میر محمد حسین نام ساکن مشہد

[۱] اس لفظ کے معنی منتخب التواریخ کے مصنف نے بھی کچھ نہیں لکھے ۱۲۔

مقدس رضوی جو علم عربیت و منطق میں دستگاہ رکھتا تھا عمدۃ الملک امیر خاں صوبہ دار کابل کے زمانہ میں کابل میں آیا اور امیر خاں کے میر منشی کا بیٹا اسکا شاگرد ہو گیا اس ذریعہ سے امیر خاں کے حضور میں محمد حسین کی رسائی ہوئی۔ امیر خاں نے اُسے لایق فایق شریف پا کر اپنی لے پالک لڑکی کے ساتھ شادی کر دی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد شاہی خوشبو خانہ کا داروغہ کرا دیا۔ یہ شخص نہایت جاہ طلب تھا۔ عمدۃ الملک کے بیٹوں کو کئی طرح کے شعبدے دکھلا کر اپنا معتقد کر لیا۔ خاصکر ہادی علی خاں پسر عمدۃ الملک اُس سے بہت عقیدت رکھنے لگا۔ جب عمدۃ الملک اور عالمگیر کا انتقال ہو گیا۔ تو تمام عطر اور گلاب کو جو بادشاہ کے لیے خریدا تھا ساٹھ ستر ہزار روپے کو لاہور میں فروخت کر کے اور وہ روپے قبضے میں لا کر فقیری لے لی۔ چونکہ طامع اور جاہ طلب تھا۔ پرانی تقلید پسند نہ آئی۔ اسلیے ایک نئی راہ نکالنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اپنے شاگرد قدیم یعنی اس منشی زادے کو موافق کر کے صلاح کی۔ کہ ہم تم ایک نیا مذہب نئے قواعد اور نئی زبان میں ایجاد کر کے الہام اور نزول وحی کا دعوے کریں۔ تاکہ اولیا انبیا کی شان پائی جانے اول عوام کو پھانس کر کسی قدر ہجوم خلایق کریں۔ بعدہ مرجع انام ہو جاینگے پس ایک کتاب عمدہ دلچسپ نئی زبان اور قواعد کے ساتھ بناکر آفوزہ مقدس اسکا نام رکھا۔ تیز تو تھا ہی اکثر الفاظ غیر مانوس اور پرانی فارسی کے بھی کسی قدر بطور عربی کے ترخیم کر کے جو صاف طور پر صرف و نحو قواعد عربی کے مناسب نہ تھے درج کیے اور بیگوکیت کا دعوے کیا۔ اور کہا یہ رتبہ مابین امامت او نبوت کے ہے کہا کہ ہر پیغمبر اولوالعزم کے نو بیگوک ہوے ہیں اسی طرح حضرت خادم الانبیا کے نو بیگوک تھے۔ اول بیگوک حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے دوسرے امام حسن تیسرے امام حسین چوتھے زین العابدین۔ پانچویں محمد باقر چھٹے جعفر صادق ساتویں موسی کاظم آٹھویں علی رضا اور امام علی رضا

تک امامت اور بیگوکیت دونوں رتبے جمع تھے۔ پھر محمد تقی بن علی رضا سے یہ دونوں منصب جدا جدا ہو گئے۔ امام علی رضا کے بعد بیگوکیت مجھے ملی اور امامت محمد تقی کو اور میں خاتم بیگوکیت ہوں۔ اور تعداد بیگوکیت کی اس خاص ترتیب کے ساتھ امامیہ مذہب والوں کے سامنے بیان کرتا تھا اور جس وقت اہل سنت سے ملتا۔ تو خلفائے اربعہ و چار خلفائے بنی امیہ و خاندان بنی عباس کو جنکی بنگی مشہور ہے بیگوک گن کر تو ان بیگوک اپنی ذات کو بتاتا۔ اور کہتا کہ مجھے کسی مذہب سے غرض نہیں۔ میں ہر مذہب کا چراغ روشن کرنے والا ہوں۔ اور وحی کے نزول کا بھی مدعی تھا۔ اور کچھ قاعدے مقرر کر کے بعض دنوں کو مثل عیدہائے اسلام کے محترم سمجھتا تھا اور اپنے مریدوں کو جنکا لقب شبرود رکھا تھا۔ یہ ہدایت کی تھی۔ کہ ان دنوں کی عزت کیا کریں۔ اور کہتا تھا۔ کہ مجھ پر وحی دو طور سے نازل ہوتی ہے ایک اس طرح کہ ایک قرص نورانی مثل آفتاب کے سامنے آتی ہے اور اسپر کلمات منقش ہوتے ہیں میں انہیں سمجھ لیتا ہوں۔ اور وہی قرص نورانی پھر مجھ پر محیط ہو کر بیہوش کر دیتی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ ایک آواز آتی ہے اور کلمات جنہیں مریدوں سے بیان کرتا ہوں۔ اس آواز سے سنتا ہوں۔ اور اسلام علیک کے آخر میں اپنی رائے سے کلمہ خشتان نمود بود ال بڑھا دیا تھا۔ اور جس روز کہ اول اول اسکے اعتقاد کے بموجب وحی اسپر نازل ہوئی تھی اسکا نام روز جشن رکھا تھا۔ اس روز بھاری جشن ہوا کرتا تھا۔ اسکے مرید عبیر وغیرہ خوشبویات آپس میں اڑاتے اور خوشیاں مناتے اور وہ بکلم ہمراہ لیکر ایک اونچی سی ٹوپی اوڑھکر اپنے مریدوں کے ساتھ ان کوہستان کی جانب جہاں دیول رانی کی عمارات ڈھولی کھنیاری کے کھنڈروں کے نام سے مشہور ہیں جاتا۔ اور یہ ظاہر کرتا کہ اول بار وحی خاص اسی مقام میں مجھ پر نازل ہوئی تھی۔ اور روز جشن سے چھ یوم پیشتر سے روزہ رکھتا

ساتویں ذی حجہ کو روز جشن مقرر تھا۔ اور یکم ذی حجہ سے روزہ رکھا کرتا تھا
اور روزوں کے دنوں میں کسی سے کلام نہ کرتا۔ اور ایک دن کا نام روز
رسولان رکھا تھا۔ اس دن بھی بڑا اجتماع اور اژدہام ہوتا تھا۔ اور ہر
روز سوائے نماز پنجگانہ کے مریدوں پر یہ بھی مقرر کیا تھا۔ کہ تین بار میری زیارت
کیا کریں۔ پہلا وقت زیارت کا طلوع آفتاب بعد نماز صبح مقرر کیا تھا۔ اور
دوسرا دن دوپہر کا وقت اور تیسرا غروب آفتاب کا وقت کہ ہنوز شفق کی
سرخی مغرب میں ہو۔ اور آداب زیارت کے یہ تھے کہ خود مع خلفا کے درمیان
میں کھڑا ہوتا اور مریدوں کو حکم تھا کہ اسکے گرد بطور چار دیوار مربع کے
صفیں باندھکر کھڑے ہوں۔ پھر ہر صف اسکی طرف منہ کرکے چند کلمے
جو اسکے اختراعی تھے پڑھتی اور اسکے بعد سر جھکا کے اسکے بائیں جانب
پھر جاتی تاکہ صف شمال رویہ مغرب رویہ ہو جائے۔ اور مغربی جنوبی اور
جنوبی مشرقی اور مشرقی شمالی ہو جائے۔ جب مقابلہ چاروں سمت کا چاروں
صفوں کے آدمی تمام کر چکتے تو زمین کی طرف دیکھتے پھر آسمان کو پھر شش
جہت کو اسکے بعد زیارت تمام ہو گئی۔ اور سب آدمی چلے جاتے۔ ایک دعوے
اسکا یہ بھی تھا۔ کہ میں وہی محسن ہوں جو بچہ حضرت فاطمہ زہرا کے شکم سے
ساقط ہوا تھا۔ اور اپنے چار خلفا بنائے تھے۔ ایک وہی شاگرد دبستی خلیفہ
تھا۔ اور اسکا نام اپنی مخترع زبان میں دوجی بار رکھا تھا۔ اور دوسرا خلیفہ
اسکا سالا میر باقر تھا۔ اور دو خلیفہ اور تھے۔ اور اپنا نام نمود الہ اور نمود اور
انمود رکھا تھا۔ اور اسی ڈھب کے نام اپنے مریدوں کے اپنی طرف سے مقرر
کرتا۔ اور انکے نشان کہتا۔ اور اسکے تین بیٹے تھے اول شانمود دوم فغار
سوم دیبار اور دو دختر تھیں شمامہ کلاں اور شمامہ خورد اور اقربائے زوجہ کے نام
شابار اور نمود بار اور شادو وغیرہ تجویز کئے تھے۔ اور فغار کے بیٹے کے نام نمود یال
تھا چونکہ مالدار تھا اسلئے اپنی بے پروائی ظاہر کرتا۔ اور لوگوں کو ہدایا واپس

کردیتا۔ یہ حالت دیکھکر عوام اور زیادہ گرویدہ ہوتے۔ پھر لاہور سے بہادر شاہ کے عہد میں دلی آیا۔ ہادی علی خاں بن امیر خاں جو بادشاہ کا مقرب تھا۔ اُسکا بہت معتقد تھا۔ اسلئے اُسکے کام نے قوت پکڑی۔ اور اسی طرح اور بھی کئی امیر اُسکے مرید ہوگئے۔ اور اُسکے پیروؤں کی ترغیب سے آہستہ آہستہ اور دوسرے آدمی بھی اُسکے حلقۂ اطاعت میں داخل ہونے لگے۔ اور لوگ کثرت سے اُسکی طرف رجوع کرنے لگے۔ اور عوام کو اُسکا استغنا نہایت پسند آیا جبکہ بہادر شاہ نے لاہور میں انتقال کیا۔ اور شاہزادوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ تو اُسکو یہ اچھا موقع اور فرصت ملی۔ اور اب تک جو کسی قدر اپنی اپنی باتوں کو در پردہ بیان کرتا تھا۔ اور اپنے مخترعات کو علانیہ ظاہر کرنے سے ڈرتا تھا۔ اب بے خوفی کے ساتھ سب باتیں بیان کرنے لگا۔ اور اپنی بنائی ہوئی کتابوں کو رواج دیا۔ اور سرعام اپنے دعاوی کا اظہار کیا اگر عوام میں سے کوئی اُس سے بحث کر بیٹھتا۔ تو بوجہ اسکے کہ کچھ علم معقول و منقول جانتا تھا۔ بیچارے کو مکابرے اور مجادلے کے ساتھ ہرا دیتا تھا اور یہ حال دیکھکر عوام کا اعتقاد اسکی جانب اور بڑھتا۔ جب فرخ سیر بادشاہ بادشاہ ہوا۔ تو یہ بدبر اور تجربہ کار نہ تھا۔ اسلئے اسکے حال سے متعرض نہوا اور امیر الامرا حسین علی خاں زیادہ تر لڑائیوں اور سفروں میں مصروف رہتا تھا۔ اور قطب الملک عیش و عشرت کا بندہ تھا۔ یہ تمام اسباب ایسے جمع ہوگئے کہ نمود کے کام نے خوب ہی ترقی کی۔ اور ہادی علی خاں کو بھی بہت بڑی حمایت اُسکی تھی۔ یہ شخص امیر کبیر اور نہایت نامور تھا۔ ہادی علی خاں کی عقیدت نے اُسکے کام کو دوبالا کر دیا تھا۔ فرخ سیر بھی بعض امرائے نادان کی ترغیب سے شب کے وقت چند خواجہ سرا ہمراہ لیکر اسکی ملاقات کو گیا۔ اس نے دانائی یہ کی۔ کہ بادشاہ سے بے اعتنائی کی۔ حجرے کا دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ اور تھوڑی دیر نہیں کھولا۔ فرخ سیر نے نہایت الحاح و

خوشامد کی۔ اور ہنود کی اولاد اور بادشاہی خواجہ سرا بھی منت وسماجت
کرنے لگے۔ اس وقت دروازہ کھولا۔ بادشاہ نے نہایت ادب کے ساتھ
سلام عرض کیا۔ اُس نے بادشاہ کے واسطے مرگ چھالا بچھوا کر کہا ؎

پوست تخت گدائی و شاہی   ہمہ داریم آنچہ مے خواہی

فرخ سیر پر اُسکے استغنا کا گہرا اثر ہوا۔ کئی ہزار روپے اور اشرفیاں پیش
کیں اُس نے قبول نہ کیا۔ اور ایک قرآن اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا بادشاہ
کو دیا۔ کتابت کی اجرت کے ستر روپئے اس میں سے لے لئے۔ بادشاہ قرآن کو
سر پر رکھکر رخصت ہوا۔ اور حجرے سے نکل کر اسکے مریدوں پر وہ زر نقد تقسیم
کر دیا۔ بادشاہ کی حاضری کی شہرت نے اُسکا اور اعتبار بڑھا دیا۔ اور اب وہ
تجمل و شان کے ساتھ رہنے لگا۔ اپنی عیدوں کے ایام میں نہایت تجمل و
احتشام کے ساتھ نکلتا بازاروں میں سے یہ اژدحام لیکر گذرتا۔ اسکے مرید وغیرہ
زور سے اُسکے اختراعی کلمات کہتے جاتے۔ فرخ سیر کے بعد محمد شاہ کے عہد
میں محمد امین خاں وزیر کو جب اسکا مفصل حال معلوم ہوا۔ تو اس نے اسکی
گرفتاری کا حکم دیا۔ اور یہ وہ وقت تھا۔ کہ کچھ عرصہ سے وزیر کو مرض قولنج
شروع ہو چکا تھا۔ سپاہی دوپہر کے وقت اُسکے مکان پر پہنچے کھانا کھا رہا
تھا۔ اگرچہ اس خبر سے بہت پریشان ہوا۔ مگر حواس درست کرکے یہ تدبیر
کی۔ کہ اپنے چھوٹے بیٹے کے ہاتھ جسکا نام دیدہ تھا۔ اور بہت خوبصورت تھا
گیہوں اور جو کی چند روٹیاں اور تھوڑا سا فقیرانہ سالن جو تیار رکھا تھا سپاہیوں
کے پاس بھیج کر کہلایا۔ کہ چونکہ تم اس فقیر کے ہاں آئے ہو۔ اور یہ وقت کھانیکا
ہے۔ اس لئے یہ ماحضر کھالو۔ اور اس عرصے میں فقیر بھی حاضر ہو جائیگا۔
سپاہیوں نے اس لڑکے کی صورت جمیل پر رحم کھا کر قدرے توقف کیا
اُدھر محمد امین خاں پر قولنج نے شدت کی۔ جب یہ خبر ان سپاہیوں کو پہنچی
تو سب متحیر ہو کر واپس چلے گئے۔ محمد امین خاں شدت مرض سے بیہوش تھا

جب ذرا افاقہ ہوا۔ تو دریافت کیا۔ کہ اُسکو پکڑ کر لائے۔ لوگوں نے بیان کیا۔ کہ آپکی بیماری کی وجہ سے اسکی گرفتاری میں توقف ہوا۔ محمد امین خاں نے کہا۔ کہ کل ضرور اُسکو لانا چاہئے۔ مگر رات میں محمد امین کے مرض نے ایسی شدت کی۔ کہ مرنے کے قریب ہوگیا۔ ہادی علی خاں وغیرہ نمود کو محمد امین خاں کی خبریں بار بار پہنچاتے تھے۔ یا تو وہ بھاگنے والا تھا۔ یا جب یہ سنا۔ کہ محمد امین خاں اب جانبر نہ ہوسکیگا۔ تو صبح کو بہت سے اپنے متبعے اور فقرا شہر جمع کرکے باطمینان تمام مکان سے باہر نکلا اور دروازے کے پاس کی مسجد میں جاکر بیٹھ گیا۔ لوگ محمد امین خاں کے واقعہ کو نمود کی بددعا کا اثر سمجھے۔ محمد امین خاں کے بیٹے قمرالدین خاں کو بھی تشویش پیدا ہوئی۔ اور اپنے باپ کی حالت ردی دیکھکر پانچہزار روپے اپنے دیوان کے ہاتھ اسکے پاس بھیجکر معذرت کی۔ اور تعویذ طلب کیا۔ نمود نے جان کنی کی خبر سن لی تھی۔ اُسلیئے اپنے معتقدین سے کہتا تھا۔ کہ میں نے ایک تیر اُسکے جگر میں مارا ہے۔ ہرگز جانبر نہوگا۔ اور میں بھی شہادت کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ میرا دادا بھی مسجد ہی میں شہید ہوا تھا۔ مگر میں اس وجہ سے کہ ایک مرتبہ شہید ہوچکا ہوں۔ اب شہید نہیں ہونیکا۔ اور مراد اسکی اپنی ابن شہادت سے وہی اسقاط حمل حضرت محسن ہے۔ قمرالدین کا بھی آدمی جا پہنچا۔ اور نہایت سماجت کی۔ کہ آپ محمد امین خاں کا قصور معاف کریں۔ اور ایک تعویذ لکھدیں۔ نمود نے بڑے تکلف کے ساتھ اپنے ایک مرید سے یہ آیت لکھوادی وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظالمین الا خسارا۔ یعنی ہم اُتارتے ہیں قرآن میں سے وہ چیز جس سے مرض دفع ہوں۔ اور مہر ہے ایمان والوں کے لئے اور نہیں زیادہ کرتا ظالموں کو مگر نقصان اور دیوان کو دیدیا۔ اور یہ کہا۔ کہ مجھے یقین ہے۔ کہ تیرے پہنچنے تک وہ زندہ نرہیگا۔ اور خود اُن روپیوں کے لینے سے انکار کیا۔ اور کہا میں تو اسکو نہیں

منحرف ہو گئے۔ تھوڑے سے نادان اور جاہل اس مسلک پر باقی رہے تھے
فغار کے انتقال اور دلی کی خرابی کے بعد نمائش نمود یار اپنے چند اقربا کو جو
باقی رہ گئے تھے ہمراہ لیکر بنگالے میں میرن ولد جعفر علی خان کے پاس چلا
گیا۔ اُس نے اخراجات کے واسطے پانچ روپیہ یومیہ مقرر کر دیا۔ اور قدم
رسول کا متولی بنا دیا۔ یہ شخص مع چند عورات کے ۱۱۹۴ھ تک زندہ
تھا

فرقۂ ششم وہابیہ

لفظ وہابی کے لفظی معنی وہاب والا یا بندۂ خدا ہیں۔ مگر دو معنی اسکے
برے بھی ہیں جن میں اب وہ عموماً استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک
معنی کو تو مذہبی محاورے میں برا سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے معنی کو پولیٹیکل اصطلاح
میں برا سمجھتے ہیں۔ مذہبی محاورے میں اسکے معنی محمد بن عبد الوہاب
نجدی کے پیرو سمجھے جاتے ہیں جسکو اکثر مسلمانان ہند عرب روم مصر ازحد
اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور اُسکے عقائد و اعمال یہ بیان کرتے ہیں
کہ وہ معجزات انبیا و کرامات اولیا کا منکر تھا۔ اور تمام مسلمانوں کا جو اُسکے
عقائد سے مخالف تھے، قاتل و مکفر تھا۔ پولیٹیکل محاورے میں اسکے معنی
باغی و بدخواہ سلطنت کے لئے جاتے ہیں جسکی مناسبت پہلے معنی مذہبی
سے یہ بیان کی جاتی ہے کہ محمد بن عبد الوہاب ایسا ہی تھا۔ سلطنت روم کا
وہ باغی رہا۔ اور بارہا اس سے لڑا۔ اور مکہ مکرمہ پر متغلب ہو گیا جسکو آخر کار
محمد علی پاشائے مصر نے مغلوب کیا۔

یہ محمد بن عبد الوہاب قوم بنی تمیم سے ہے۔ سنہ ۱۱۱۵ھ میں مقام عیینہ میں
جو ایک مقام ہے ملک نجد میں پیدا ہوا۔ اسلئے اسکے مقلد نجدیہ بھی
کہلائے۔ اسکے باپ نے بڑی کوشش سے شریعت اسلام کی تعلیم دی۔ بعد
اس نے مکہ معظمہ اور بصرہ میں علوم دین تحصیل کیا۔ اور کتب احادیث

صحاح ستہ کا عالم ہوا۔ پھر اپنے والد کے ساتھ مکہ معظمہ کا حج کیا۔ اور مدینہ طیبہ
میں زیارت کر کے شیخ عبداللہ بن ابراہیم کا مرید ہوا۔ بہ سول اس نے فقر
میں تعلیم حاصل کی۔ بعدہ یہ اپنے وطن کو گیا۔ اس نے ظاہر اشریعت اسلام
کی پابندی اور اس کے اصول میں فرق نہ کیا۔ یعنی جو لوگ فال دیکھتے
یا شگون مانتے یا مزارات کی تعظیم کرتے یا مزارات کو آراستہ کرتے یا مسکرات
کو استعمال کرتے یا ریشمی کپڑے پہنتے انکو برا کہتا کہ یہ باتیں شریعت رسول
کے خلاف ہیں۔ قرآن شریف اور احادیث کو پڑھکر اس نے خیال کیا۔ کہ
اصول شریعت اسلام میں حال کی آمیزشات کی وجہ سے بڑا تفاوت پیدا
ہو گیا ہے۔ تب یہ آمادہ ہوا کہ لوگوں کو خاص احکام اور شریعت اسلام
اس کے قاعدے پر سکھاوے۔ اور رواج دیوے۔ جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے اور عمل کیا ہے۔ اور خیال کیا۔ کہ دنیا کے مسلمان بھٹک
گئے ہیں۔ جو پیر اور اولیا کے قول کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ رواج انہوں
نے اپنے فائدے کی غرض سے نئے ہیں۔ اس نے صرف قرآن مجید اور احادیث
کو اپنا ہادی اور رہنما قرار دیا۔ اور بہت سے رسالے اپنے عقائد میں تالیف
کئے۔ اسکے کئی قلمی رسالے بحث توحید اور ترک بدعت و شرک میں کتب خانہ
ریاست رام پور میں میری نظر سے گذرے ہیں۔ غرضکہ لوگوں نے اس کا
کہنا مانا۔ اور اس طریقے کو تسلیم کیا۔ جلد دوم فتوحات اسلامیہ میں شیخ احمد
دحلان نے لکھا ہے کہ اسکے معتقدوں کو یہانتک خیال تھا کہ جو کچھ محمد
بن عبدالوہاب کہتا ہے جو شخص اُسے نہ مانے وہ کافر مشرک حلال الدم
والمال ہے۔ جو آیات قرآنی مشرکین کے حق میں اتری ہیں انہیں مسلمانوں
کے حق میں حمل کیا جیسے ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی
یوم القیامۃ وہم عن دعائہم غافلون۔ اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے
سوا اس شخص کو پکارتا ہے۔ کہ جو اسکو قیامت تک جواب نہ دیگا۔ اور وہ پکارنے

اسکے ... فرمایا ہے وایضاً، ولا تدع من دون اللہ مالا ینفعک ولا یضرک
یعنی اللہ کے سوا اُس چیز کو مت پکار جو نہ تجھکو نفع دے اور نہ تجھکو ضرر پہنچا سکے
محمد بن عبد الوہاب نے کہا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی
یا ولی صالح کو پکارے یا اُس سے شفاعت کا سوال کرے، سو وہ انہیں
مشرکین کی طرح ہے۔ اور ان آیات کے عموم میں داخل ہے اور آنحضرت
اور انبیا و اولیا و صلحا کی زیارات کو جانا شرک قرار دیا۔ اور کہا۔ کہ کسی نبی
یا ولی کو وسیلہ سمجھکر پکارنا شرک ہے۔ اور کسی کام کو سوا اللہ کے کسی دوسرے
کی طرف منسوب کرے گو بطور مجاز عقلی کے ہو۔ یہ بھی کفر ہے۔ جیسے مجھے
اس دوا نے نفع پہنچایا۔ یا اس ولی کی وجہ سے میرا یہ کام ہو گیا۔ اور اللہ
نے جو مشرکین کی زبانی فرمایا ہے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ
یعنی ہم اُنکی عبادت اسلئے کرتے ہیں۔ کہ وہ ہم کو اللہ کے پاس پہنچا دیں۔
سو جو کوئی وسیلہ کسی بزرگ سے ڈھونڈھتا ہے۔ وہ مثل انہی مشرکین کے
ہے جو کہتے تھے کہ ہم بتوں کی پرستش صرف تقرب الی اللہ کیلئے کرتے
ہیں۔ کیونکہ مشرکین بھی خالق اُن بتوں کو نہیں جانتے تھے جیسے کہ مسلمان
ان اہل قبور کو خالق نہیں جانتے ہیں۔ بلکہ کہتے تھے خالق وہی اللہ ہے چنانچہ
اللہ تعالے خود فرماتا ہے ولئن سألتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ
یعنی جو تو ان سے پوچھے۔ کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو۔ تو
کہیں گے اللہ۔ پس اللہ نے جو اُنکو کافر و مشرک کہا۔ وہ صرف اس وجہ سے
کہ وہ کہتے تھے۔ کہ ہم اصنام کی عبادت تقرب الی اللہ کے لئے کرتے ہیں
علی ہذا یہ مسلمان بھی انہی مشرکین کی طرح ہیں۔ اہل سنت نے بھی اُسکے
رد میں بہت سے رسالے لکھے۔ اور اسکے شکوک کا بخوبی جواب دیا۔ یہاں
تک کہ اُسکے بھائی شیخ سلیمان نے بھی اُسکے اقوال کا رد کیا۔ اس شخص کا
بھی ایک رسالہ کتب خانہ ریاست رامپور میں میری نظر سے گذرا ہے

احادیث اور آیات سے اسی بات پر زور دیا ہے۔ کہ مسلمان ایسی باتوں سے مشرک نہیں ہو سکتے۔ اور جن باتوں کو محمد بن عبدالوہاب نے ناجائز اور ممنوع قرار دیا ہے۔ ان کے جواز پر شیخ سلیمان نے دلائل لکھے ہیں۔

سر جان مالکم نے اپنی تاریخ کے باب ۱۹ میں وہابیوں کے عقائد بیان کئے۔ وہ لوگ وحدانیت واجب الوجود اور رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقر ہیں لیکن کہتے ہیں۔ کہ خالق اور مخلوق کے درمیان کسی طرح نسبت نہیں انکا اعتقاد یہ ہے کہ کسی پیغمبر یا امام یا ولی کو کسی قسم کا تصرف بندوں کے معاملات میں حاصل نہیں۔ اور نہ بعد وفات کے آخرت میں انکو کوئی مدد دہی یا فائدہ رسانی کا منصب حاصل ہو سکتا ہے۔ اور جو مسلمان قرآن کی تاویل کرتے ہیں انہیں یہ کافر جانتے ہیں۔ اور ایسے مسلمانوں کے ساتھ غزا اور جنگ کرنا لازم جانتے ہیں۔ اور جو القاب عزت و احترام پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ انکے نزدیک سوا اللہ کے اور پر اطلاق کرنا مکروہ ہے۔ وہی اکیلا تقدیس اور تمجید کے لائق ہے۔ اور نص قرآن سے ثابت کرتے ہیں کہ ان فرقہائے اسلام کے ساتھ جو ہمارے طریق پر نہیں محاربہ کرنا لازم ہے اور ان سے یہانتک جنگ کرنا چاہئے کہ یا اس طریق کو اختیار کرلیں۔ یا مثل کفار کے جزیہ دیا کریں۔ اور جب لوگ ہمارے طریق کو اختیار نہ کریں بلکہ جزیہ اپنی جانوں پر لازم کر لیں۔ تو لباس ممتاز پہنیں گھوڑے پر سوار نہوا کریں۔ رہنے کے لئے مکانات عالی شان نہ بنائیں۔ اور انکا یہ بھی عقیدہ ہے۔ کہ جو خراج اس طرح نہیں لیا جاتا کہ جیسے پیغمبر علیہ السلام لیا کرتے تھے۔ مثلاً خمس اور زکوٰۃ وغیرہ غیر مشروع ہے۔ اور محمد و علی کی قسم کھانا حرام ہے۔ اسلئے کہ قسم عبارت ہے اس سے کہ جو کچھ دل میں مخفی ہے۔ اوسپر شہادت طلب کرے۔ اور امورات مخفی کا جاننے والا سوائے ذات پاک رب العالمین کے کوئی اور نہیں ہے۔ اور قبر ولی پر

گنبد وغیرہ عمارات بنانا ایک قسم کی بت پرستی جانتے ہیں۔ اسی طرح مزارات اولیا اور انبیاء وغیرہ کو عین بت پرستی سمجھتے۔ اسی لئے کہتے کہ مزارات اولیا کو توڑ ڈالنا چاہئے۔ اور اُنکے اسباب وسامان آرایش کا دنیا کے مشروع کاموں میں صرف کرنا اللہ پاک کی خوشنودی کا باعث جانتے۔ اور مُردوں کی تعزیت کو حرام جانتے۔ اسلئے کہ مسلمان پاک کی روح جنت میں جاتی ہے اور یہ مسرت کا موجب ہے نہ سوگ کا۔ اخبار کو قابل عمل نہیں سمجھتے کتاب اللہ کو کافی جانتے۔ اور انکا یہ اعتقاد ہے۔ کہ قرآن خدا کی کتاب ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نیک آدمی جانتے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ دوست رکھتا ہے۔ جن استعمالات اور رسوم کا مثل ختنہ وغیرہ کے قرآن میں ذکر نہیں مگر اسلام میں جاری ہیں۔ انہیں قابل عمل درآمد قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ کہتے ہیں۔ کہ انکو رسوم عادات سمجھکر انکی متابعت کرنا چاہئے۔ عبادات مذہب میں انکا شمار نہیں ہوسکتا بڑا اصول انکا یہ ہے کہ جو لوگ انکے طریقے پر نہیں۔ انکو قتل کرنا اُن کے مالوں کو لوٹنا درست ہے۔ اور اس معاملے میں مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ سے بھی بدتر خیال کرتے ہیں۔

ہم آگے چل کر وہابیوں کے ایک رسالے سے مضامین کا اقتباس کرینگے۔ اُن سے اندازہ ہو جائیگا۔ کہ یہ باتیں جو اُنکی نسبت بیان کی گئی ہیں کہانتک صحیح اور کہانتک غلط ہیں۔ کہتے ہیں۔ اصل مذہب اُن نجدیوں کا حنبلی تھا۔ اس مذہب کے لوگ حجاز و یمن وغیرہ میں بہت ہیں۔ اور نیا مذہب نکالنے کی نسبت اُنکی طرف بظاہر غلط ہے۔ اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ جب محمد بن عبد الوہاب کے ہاں اور جماعت کا مجمع ہوا۔ تو شہر کے حاکم سے مخالفت ہوئی بمقتضائے اس کیفیت کے محمد بن سعود زبردست رئیس درعیہ کے پاس پہنچکر جو بنی حنیفہ سے تھا پناہ چاہی۔ اس حمایت

کی بوجہ حمایت رئیس درعیہ کے وہابی سلسلہ قائم ہوا۔ اور رئیس درعیہ نے
اس جدید مذہب والے سے خاندانی رشتہ و قرابت قائم کرکے اسکو تقویت
دی۔ محمد بن عبد الوہاب کے کاموں کے ظہور کی ابتدا سنہ ۱۱۴۳ھ سے
ہوئی تھی۔ اور انتشار کی ابتدا سنہ ۱۱۵۰ھ سے ہے۔ اس رئیس درعیہ کا فرزند
عبد العزیز مشہور وہابی ہوا۔ جب سنہ ۱۲۰۶ھ میں ابن عبد الوہاب اور محمد
بن سعود رئیس درعیہ کا بھی انتقال ہوا تو عبد العزیز اسکا قائم مقام ہوا
اس نے فوج وہابی کو آگے بڑھایا۔ اور دور دور گوشہائے ملک کو فتح کیا۔
اس نے کربلائے معلی پر بھی چڑھائی کی۔ یہ فوج سعود بن عبد العزیز کی ماتحتی
میں تھی۔ ۱۷ ذی الحجہ سنہ ۱۲۱۶ھ مطابق سنہ ۱۸۰۲ء[1] کو صبح کے وقت جب فوج وہاں
پہنچی تو حکم دیا کہ کافروں مشرکوں کو مارو اور قتل کرو چھ گھڑی تک قتل عام
کیا۔ سات ہزار آدمی کربلا کے مارے گئے جن مقتولوں میں سے مولانا فخر الدین
عبد الصمد ہمدانی مولف بحر المعارف بھی ہیں۔ روضۂ اقدس امام ہمام سید
الشہدا علیہ السلام کا کچھ ادب نہ کیا۔ جو کچھ نقد و جنس خزانۂ درگاہ میں جمع
تھا۔ وہ سب وہابیوں نے لے لیا اور درعیہ کو لے گئے۔ عبد العزیز نے ایک
جماعت علما کی مکہ معظمہ کو بھی بھیجی تھی۔ کہ وہاں کے لوگوں کو طریقہ محمد بن
عبد الوہاب پر لائیں۔ مگر علمائے حرمین نے انکے رد پر کمر باندھی۔ اور انکی بات نہ
چلنے دی۔ یہ واقعات شریف مسعود بن سعید بن زید کے وقت میں جس نے
سنہ ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا واقع ہوئے۔ اور شریف نے ان علمائے وہابیہ کو

[1] آثار الادہار میں عبد العزیز کے حالات میں لکھا ہے کہ اس نے سنہ ۱۸۰۱ء میں کربلا پر فوج کشی کی
تھی۔ مگر ہمارے حساب سے سنہ ۱۸۰۲ء ہوتے ہیں۔ کیونکہ یکم محرم سنہ ۱۲۱۶ھ کو ۵ مئی سنہ ۱۸۰۱ء واقع ہوئی
ہے۔ اصل عبارت عربی اس مقام کی یہ ہے۔ وسار الی کربلا فنازلها ودخلها عنوة وبذل
السیف فی اهلها واطلقها للنهب واستباح اموال المشهد
قبر الحسین رضی الله عنه وخربه ودوخ تلك البلاد ثم عاد الی درعیة ۱۲

قید کر دیا بعض درعیہ کو لوٹ لے گئے پھر عبدالعزیز نے بارہ ہزار فوج اپنے فرزند
کلاں سعود کو دیکر یمن پر چڑھائی کرائی سعود نے خوب معرکہ آرائیاں کیں
اور فتح حاصل ہوئی۔ اس نے تمام ترک کی سلطنت فتح کر لینے کا ارادہ کیا تھا۔
لکھتے ہیں یہ نہایت خوش رو عقلمند ہونہار اور تدبیر جنگ میں یگانہ تھا چونکہ
اسکی مونچھیں اور داڑھی گھنی تھی۔ اسلئے درعیہ کے لوگ ابو الشوارب کہتے تھے
تمام مقامات سے عرب جوق جوق آکر اسکے گرد جمع ہوگئے سعود نے سنہ ۱۲۱۷ھ
میں طائف کو گھیر لیا۔ اور وہاں قبضہ کرکے ہزارہا آدمیوں کو تہ تیغ کیا۔ اہل
مکہ نے یہ کیفیت دیکھکر سنہ ۱۲۱۸ھ میں اطاعت کر لی ۱۴ روز تک لشکر وہابیہ نے
وہاں مقیم رہکر مسلمانوں کو اپنے طریقے کے موجب ہدایت کی۔ اور اس طریقے
کا برتاؤ ہوا۔ حقے اور تسبیح اور تعویذ اور ریشمی کپڑے سب سے زبردستی
چھین لئے۔ اور انکو سب کے روبرو آگ میں جلا دیا۔ جب نماز کا وقت آیا تو
شرعی لوگ ڈرے لیکر نکلتے اور نمازیوں کی کثرت سے مسجدیں بھر جاتی تھیں
اور تمام آدمی پنجگانہ نماز مسجد میں ادا کرتے تھے۔

سعود اور اسکے ساتھی اپنی جانوں کو غازی اور موحد قرار دیتے ہیں
چنانچہ فتح مکہ معظمہ کے حالات میں انکا ایک رسالہ ہے جسکو حمد و نعت کے
بعد ان الفاظ کے ساتھ آغاز کیا ہے و بعد فانا معاشر غزو الموحدین
اس رسالے میں لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان کیا۔ کہ ہم مکے
میں ہفتے کو دوپہر کے وقت ماہ محرم سنہ ۱۲۱۸ھ میں داخل ہوئے۔ اہل مکہ نے
اگرچہ ہم سے مخاصمت کی۔ مگر اللہ نے انکے دلوں میں ہمارا رعب پیدا کر دیا
کہ آخرکار دب گئے۔ اور انہوں نے امیر سعود سے امان چاہی ہم نے مکے میں
داخل ہوکر اس شخص کو امن دی جو حرم میں تھا۔ اور ہم حرم میں لبیک کہتے
ہوئے داخل ہوئے تھے ہمارے لشکر نے حرم شریف کا بڑا پاس و لحاظ رکھا

لہ دیکھو کتاب مرآۃ العرضیہ فی کرۃ الارضیہ فصل چہارم ذکر بلاد عرب صفحہ ۲۲۶

نہ کوئی درخت کاٹا نہ کوئی جانور شکار کیا نہ کسی ذی روح کو مارا سوائے
ہدی کے یا اُن جانوروں کے جو اللہ نے ہمارے لئے حلال کئے ہیں جب
ہم عمرہ تمام کر چکے تو امیر سعود کے حکم سے میدان احد میں باشندگان مکہ
جمع کئے گئے۔ اور اُس وقت علمائے مکہ سے وہ باتیں بیان کی گئیں جنکی وجہ
سے ہم اُن سے قتال کرتے ہیں۔ اور اُنکو جتایا کہ تمہارے اور ہمارے درمیان
دو باتوں کی وجہ سے خلاف ہے (۱) اخلاص توحید اور اقسام عبادات کی شناخت
اور یہ کہ کسی سے دعا کرنا اُسے پکارنا یہ بھی اقسام عبادات میں سے ہے اور
معنی شرک کی تحقیق جسپر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین پر جہاد کیا
تھا۔ اور شرک کا ترک کرنا باقی چاروں ارکان اسلام پر مقدم رکھا گیا تھا
(۲) امر معروف ونہی عن المنکر جسکا اب تم لوگوں میں نام کے سوا اثر باقی نہیں
رہا۔ سب نے ان باتوں کو تسلیم کیا۔ اور امیر سعود سے کتاب وسنت پر بیعت
کی۔ امیر نے اُن سب کے قصور معاف کر دئیے۔ اور پھر کوئی مشقت اُنپر
باقی نہ رہی۔ اور اُن کے ساتھ نرمی کا برتاو ہونے لگا۔ اور اُن سب کو جتا دیا
گیا کہ ہم وہی بات دین میں قبول کرتے ہیں جو کتاب وسنت سے ثابت ہے
یا سلف صالح کے آثار سے ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے خلفا اور ائمہ اربعہ مجتہدین
اور یا وہ لوگ جنہوں نے ائمہ اربعہ سے حاصل کیا ہے۔ غرض کہ قرن ثالث
تک کے آثار سے جو بات ہم پر ظاہر ہوتی ہے۔ ہم اُسی کو قبول کرتے ہیں
کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم
ثم الذین یلونهم یعنی تمام امت سے بہتر میرا قرن ہے پھر وہ لوگ بہتر ہیں
جو انکے متصل ہیں۔ پھر وہ لوگ کہ اُنکے متصل ہیں۔ اور ہم ہر وقت حق
بات کے شریک ہیں۔ اور جو بات روشن ہے۔ اسی کی متابعت کرتے ہیں اور
اس باب میں ہم کو ان لوگوں سے مخالفت واقع ہونے سے کوئی پروا نہیں
جو آگے گذر چکے ہیں۔ اور ہم نے سب کو یہ سمجھا دیا کہ اموات سے طلب حاجات

کرنا شرک ہے اور ہمارے اس قول پر جس نے کوئی شبہ وارد کیا ہم نے اسکو
دلائل قاطع قرآن و حدیث سے بخوبی دفع کر دیا یہانتک کہ سب کو ہمارے
اقوال پر یورا الیقین حاصل ہوگیا اور اُنکے خاطر نشین یہ امر ہوگیا کہ جو
شخص سوائے اللہ کے کسی اور سے اُسکی مخلوق میں سے دعا کرتا ہے اور
اُسے پکارتا ہے یہ کہکر یا رسول اللہ یا ابن عباس یا عبد القادر اور یہ سمجھتا
ہے کہ اُنکے پکارنے سے مجھے نفع پہنچے گا ہم سے شر دفع ہوگا مریض کو آرام
ہو جائیگا دشمن پر فتح حاصل ہوگی وغیرہ وغیرہ یہ شرک اکبر ہے ایسا شخص
مشرک ہے۔ اُسکا قتل حلال ہے۔ اور ہم نے سب کو یہ بتا دیا کہ قبروں پر
جو گنبد بنائے جاتے ہیں۔ یہ اس زمانے میں بمنزلے بت پرستی کے ہوگیا ہے
اس سے غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ صاحب مقبرہ سے حاجت طلب کرینگے اور اسکے
سامنے گریہ و زاری کرینگے۔ اور وہ ہماری مشکلات کو حل کریگا جیسا کہ زمانہ
جاہلیت میں دستور تھا۔ ان سب لوگوں میں مفتی حنفیہ شیخ عبد الملک قلعی
اور حسین مغربی مفتی مالکیہ اور عقیل بن عمر علوی اور محمد الشبی بھی حاضر تھے
بعد اسکے ہم نے تمام مقبرے اور گنبد توڑوا ڈالے جن میں لوگ جمع ہوکر دعائیں
کیا کرتے تھے۔ اُن منہدمہ عمارات میں مکان بی بی خدیجہ اور قبۃ المولد بھی
شامل ہیں تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ کسی شخص کی شان کی تعظیم
ضرور نہیں یہانتک کہ اس بقعۂ پاک میں ان طاغوت کا نام باقی نہ رہا اور
تمام رسوم جاہلانہ رہ گئے تمباکو پینے کے تمام آلات دھقے تلف کرائیے۔ اور
منادی کرا دی گئی۔ کہ یہ حرام ہے۔ اور بھنگ کے مساکن اور اُن لوگوں
کے مکانات جو فسق و فجور میں نامزد تھے جلوا دئیے۔ اور حکم عام سنا دیا گیا کہ
تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہوکر جماعت کے ساتھ نماز ادا کیا کریں۔ اور ایک
ہی امام کے پیچھے نماز پڑھا کریں۔ وہ امام ائمہ اربعہ کے مذہب میں سے کسی
کا مقلد ہو۔ پس اس کارروائی سے ایک عمدہ حالت توحید کی پیدا

ہوگئی۔ اور سب رعایائے مکہ متفق ہوکر رہنے لگی۔ اور امیر شریف عبدالمعین کو حاکم کر دیا اور رعایائے مکہ معظمہ کو رسائل شیخ محمد دیدئے گئے۔ جن میں ان مطالب کو عمدہ تقریروں کے ساتھ قرآن و احادیث سے ثابت کیا ہے اور ایک رسالہ اُن سب رسائل سے منتخب کرکے عوام کے لیے تیار کر دیا گیا۔ کہ اُن کی مجلسوں اور محفلوں میں پڑھا جایا کرے اور علما ان لوگوں کو معانی سمجھا دیا کریں مطالب اُس رسالہ منتخب کے یہ ہیں۔ عبادت کا نام اُس وقت تک عبادت نہیں ہوسکتا۔ جب تک توحید کے ساتھ نہ ہو جیسے کہ نماز جب تک طہارت کے ساتھ نہ ہو نماز نہیں کہلاتی۔ پس جبکہ شرک عبادت میں داخل ہوا۔ تو عبادت فاسد ہوگئی۔ جیسے کہ حدث سے طہارت فاسد ہوجاتی ہے۔ پس جو شخص یا رسول اللہ یا ابن عباس یا عبدالقادر کہے وہ مشرک ہے۔ جب تک توبہ نہ کرے اسکا قتل حلال ہے۔ اسی طرح جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر ذبح کرے یا اللہ کے سوا دوسرے کی نذر مانے ایسے لوگوں پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا ہے۔ پھر چار قاعدے لکھکر رسالے کو ختم کرکے کہا کہ حسین بن محمد بن حسن ابریقی حضرمی ثم الجہانی نے امیر سعود اور اسکے دوستوں سے بہت سے مسئلے دریافت کیے جس کے جواب میں ہم نے اُس سے بیان کیا کہ ہمارا مذہب اصول دین وہی ہے جو اہل سنت و جماعت کا ہے۔ اور ہم طریقہ سلف پر چلتے ہیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ ہم اس بات کے مقر ہیں۔ کہ آیات و احادیث میں جو صفات الٰہی وارد ہوئے ہیں۔ وہ اپنے ظاہر ہی پر محمول ہیں۔ اور معانی اُنکے اللہ جانتا ہے اور خیر و شر جملہ اللہ کی مشیت سے ہیں۔ جو وہ چاہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے بندے کو افعال کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں۔ بندہ کاسب ہے جسکی وجہ سے اللہ اُسکو ثواب از راہ فضل دیتا ہے۔ اور عذاب اُسپر بوجہ عدل کے کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ پر کوئی شے واجب نہیں۔ اور اللہ کا دیدار قیامت میں

بلاکیف اور بے احاطے کے ہوگا۔ اور ہم فروع میں امام احمد بن حنبل کے متبع ہیں۔ اور ائمہ اربعہ کے مقلدوں کو ہم برا نہیں جانتے۔ ہاں جو انکے سوا اسلام میں مذاہب ہیں۔ اُنکے ہم منکر ہیں۔ جیسے زیدیہ اور امامیہ وغیرہ کیونکہ انکا مذہب منضبط نہیں۔ سو ہم ایسے لوگوں کو ائمہ اربعہ کی تقلید پر مجبور کرتے ہیں۔ اور نہ ہم اجتہاد مطلق کو برا جانتے ہیں۔ ہاں ہم بعض اُن مسائل اجتہادیہ کے مخالف ہیں جنکے خلاف ایسی نص جلی قرآن و حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ جو نہ منسوخ ہے نہ مخصص نہ اسکے معارض کوئی قوی نص موجود ہے۔ پس ایسی صورت میں ہم مذہب کی تقلید نہیں کرتے۔ جیسے ارث جد کا اور اخوت پس ہم ارث جد کو مقدم رکھتے ہیں۔ یعنی میراث جد کو دلواتے ہیں۔ بھائی کو نہیں دلواتے۔ اگرچہ یہ بات مذہب حنابلہ کے خلاف ہے۔ ہم اُن باتوں کے کرنے کے لئے حکم دیتے ہیں جو ظاہر شرع سے مفہوم ہوتی ہیں اُن باریکیوں پر عمل نہیں کرتے جو علما نے پیدا کی ہیں۔ اور ہم قرآن کے سمجھنے کے لئے تفاسیر متداولہ معتبرہ سے مدد لیتے ہیں۔ اور ایسی تفاسیر ہمارے نزدیک یہ ہیں۔ تفسیر ابن جریر اور اسکا مختصر جو ابن کثیر شافعی نے کیا ہے بغوی بیضاوی۔ تفسیر خازن۔ تفسیر حداد۔ جلالین وغیرہ اور احادیث کے سمجھنے کے لئے انکی شروح ذیل ہمارے نزدیک معتبر ہیں۔ عسقلانی و قسطلانی شروح بخاری اور نووی شرح مسلم اور مناوی شرح جامع صغیر اور ہم کتب احادیث رسول خصوصاً صحاح ستہ اور انکی شروح سے زیادہ رغبت رکھتے ہیں۔ اور مذاہب میں جس قدر علوم و فنون کی کتب موجود ہیں مثلاً اصول و فروع اور قواعد و سیر و نحو و صرف وغیرہ ہم انہیں اچھا جانتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے تلف ہونے پر ہماری مرضی نہیں۔ ہاں جس سے شرک پیدا ہونیکا اندیشہ ہے۔ وہ کتاب ہمارے نزدیک بری ہے۔ جیسے روض الریاحین یا جس سے عقائد میں خلل آتا ہے۔ جیسے علم منطق اسکو ہم حرام جانتے ہیں۔ اور جو

بعض بدوؤں نے رعایائے طائف کی بعض کتابیں تلف کر دی تھیں۔ یہ
انکی حماقت اور جہل کی وجہ سے واقع ہوا۔ نہ ہمارے حکم سے اور ہم نے اس
فعل پر انکو سزا بھی دی۔ اور ہم جنگ میں عورتوں اور بچوں کا قتل کرنا جائز
نہیں سمجھتے۔ اور ہم پر لوگ یہ بہتان کرتے ہیں کہ ہم حق بات کو مٹاتے ہیں
اور لوگوں کو داؤں دیتے ہیں۔ اس طرح کہ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں
اور جس قدر ہمارے فہم کے موافق ہوتا ہے۔ اسی قدر حصہ حدیث کا لیتے ہیں
اور انکی شرحوں کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اور ہم آنحضرت کے رتبے کو گھٹاتے
ہیں۔ اس طرح کہ انکو کہتے ہیں کہ وہ قبر میں گل گئے ہیں۔ اور انکو رتبہ شفاعت
حاصل نہیں۔ اور انکی قبر کی زیارت کرنا مستحب نہیں۔ اور وہ معنی لا الہ الا اللہ
کے نہیں جانتے تھے۔ یہانتک کہ انپر یہ آیت اتری فاعلم انہ لا الہ الا ھو۔
یعنی تو جان لے نہیں کوئی معبود سوا اسکے اور ہم علما کے اقوال پر اکتفا
نہیں کرتے اور مولفات اہل مذاہب کو تلف کراتے ہیں۔ اور ہم مجسمہ
ہیں۔ اور ہم اپنے زمانے کے لوگوں کو اور چھٹی صدی کے بعد کے لوگوں کو
عموماً کافر جانتے ہیں۔ سوا اس شخص کے جو ہمارے عقائد پر ہو۔ اور جن سے
ہم بیعت لیتے ہیں۔ تو پہلے انکو یہ سنا دیتے ہیں کہ وہ مشرک ہیں۔ اور انکے ماں
باپ بھی اگر مر گئے ہیں۔ تو مشرک مرے ہیں۔ اور ہم نبی علیہ السلام پر درود
بھیجنے کی ممانعت کرتے ہیں۔ اور قبور مشروعہ کی زیارات مطلق حرام جانتے ہیں
اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جو ہماری چال ڈھال پر ہے۔ اس سے سارے
تکالیف حتی کہ فرض بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اور ہم اہل بیت نبوی کا حق نہیں
سمجھتے ہیں۔ اور ہم انپر جبر کرتے ہیں۔ اس بات کے لئے کہ اپنے غیر کفو سے
بھی نکاح کر لیں۔ اور ہم بعض بوڑھے مردوں پر جبر کرتے ہیں کہ اپنی جوان
عورتوں کو طلاق دیدیں۔ تاکہ وہ نوجوانوں سے نکاح کر لیں۔ یہ سب باتیں
دروغ ہیں۔ جو ایسی باتیں ہماری طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ مفتری ہے۔

جو ہم سے ملے اور ہماری مجلس میں آئے۔ تو اُسے قطعاً یقین ہو جائے کہ ایسی باتوں کی کوئی اصل نہیں۔ دشمنان دین نے ہم پر انکو باندھ لیا ہے تاکہ لوگ ہم سے نفرت کرنے لگیں۔

بیان عقائد

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوسکتا اور نہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا جبکہ وہ اللہ تعالے کی وحدانیت میں شریک نہ کرتا ہو۔ اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام کا رتبہ تمام مخلوق الٰہی سے افضل و اعلے ہے۔ اور اپنی قبر میں حیات ہیں۔ اور انکی حیات شہدا کی حیات سے ابلغ ہے اسلئے کہ وہ سب سے افضل ہیں۔ اور وہ سنتے ہیں سلام اُسکا جو انپر سلام بھیجے۔ اور اُنکی زیارت مسنون ہے۔ مگر خاص اسی قصد سے سفر کرنا نہ چاہئے بلکہ مسجد نبوی کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کا قصد کرنا چاہئے۔ اور جب مسجد کے قصد کے ساتھ اُنکی زیارت کا بھی قصد کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ اور جو کوئی انپر درود بھیجنے میں مشغول ہوتا ہے یہ اُسکے لیئے عین سعادت ہے۔ اور ہم کرامات اولیا کے منکر نہیں ہمارے نزدیک وہ حق ہے۔ اور اولیا پر اللہ کی ہدایت اور مہربانی ہوتی ہے جبکہ وہ طریقۂ شرعیہ کی بھی پابندی رکھتے ہیں۔ مگر اوروں کو انکی حیات و ممات میں اُنکی عبادت کرنا جائز نہیں۔ اور اُنکی زندگی میں اُن سے دعا لینا چاہئے۔ اور ہم اس بات کو ثابت رکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیا و ملائکہ اور اولیا اور اطفال قیامت میں شفاعت کرینگے۔ اور مخلوق میں سے کسی کی عظمت مثل اللہ تعالے کے سمجھکر اسکے نام کے ساتھ قسم کھانا۔ اور اس قسم کو خدا کی قسم کا قائم مقام سمجھنا شرک اکبر ہے۔ اور جو کوئی قسم کسی کی تعظیم کی راہ سے نہ کھائے۔ بلکہ یوں ہی اسکی زبان سے سرزد ہو جائے۔ تو یہ شرک اکبر نہیں مگر گناہ ہے اس کام سے اُسکو روکنا چاہئے۔ اور درگاہ الٰہی میں

کسی کو اپنا وسیلہ بنانا۔ اس طرح کہنا اللهم انی اتوسل الیک بجاہ نبیک محمد یا بحق نبیک یا بجاہ عباد اللہ الصالحین یا بحق عبد القادر یہ بدعت مذموم ہے۔ اور سب امت پر اہل بیت کے ساتھ محبت رکھنا ضرور ہے۔ کیونکہ یہ حکم قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ ہاں اسلام نے سب مسلمانوں میں مساوات قائم کر دی ہے۔ اور اس نے تو یہ بتایا ہے۔ کہ جو زیادہ متقی ہے۔ وہی زیادہ محترم ہے جب اہل بیت میں یہ وصف موجود ہو۔ تو وہ بدرجۂ اولے تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں اسی طرح اور علما بھی اسکے مستحق ہیں۔ اور کسی کے ہاتھ پر بوسہ دینا اگر اس لحاظ سے ہے۔ کہ یہ شخص سفر سے آیا ہے یا استاد ہے یا مدت کے بعد ملا ہے تو مضائقہ نہیں۔ اور تعظیم کی راہ سے جیسا کہ جاہلیت میں دستور تھا ممنوع ہے۔ اور اعتقاد کی راہ سے ایسا کرنا شرک میں داخل ہے۔ اور نکاح فاطمیہ عورت کا غیر فاطمی مرد کے ساتھ اجماعاً جائز ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کیا تھا۔ اور سکینہ بنت امام حسین کا نکاح چار شخصوں سے ہوا تھا۔ کہ ان میں سے بعض ہاشمی بھی نہ تھے۔ بلکہ نکاح غیر کفو کے ساتھ بھی جائز ہے۔ دیکھو زید کے ساتھ کہ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ زینب ام المومنین کا نکاح ہوا تھا۔ جو قرشی عورت تھیں۔ حالانکہ اہل مذاہب جانتے ہیں کہ غلام حرہ کا کفو نہیں اور معاویہ اور ان کے ہمراہی جناب امیر کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنے سے خطا وار ہوئے۔ اس پر اجماع ہے۔ اور ہمیشہ اسی خطا پر رہے۔ اور اسی پر مرے مگر سلف نے کسی کو کافر نہیں بتایا۔ اور نہ انکو فاسق کہا۔ بلکہ اجتہاد کا اجر انکے لئے ثابت کیا ہے یہی حال ہے۔ اُن لوگوں کا جنکی دیانت صحیح ہے۔ اور انکی نیکی و پرہیزگاری مشہور ہے۔ اور عادت اچھی ہے۔ اور مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ اور علوم نافع سکھاتے ہیں۔ اور ایسے علوم میں کتابیں بناتے ہیں اور پھر کسی مسئلے میں خطا کرتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک جو کچھ قرون ثلثہ کے

بعد نئی بات نکلی ہے۔ وہ مطلقاً مذموم ہے۔ بدعت حسنہ و قبیحہ کی تقسیم درست نہیں۔ ہاں اگر یوں جمع کرنا ممکن ہو کہ حسن سے مراد وہ ہے جس پر سلف صالح تھے۔ اور وہ شامل ہے واجب اور مندوب اور مباح کو اور اسکو بدعت مجازاً کہتے ہیں۔ اور قبیح سے مراد وہ ہے۔ جو اُن کے خلاف ہے اور شامل ہے محرمات اور مکروہات کو تو اس جمع کرنے میں مضائقہ نہیں۔ ہم جن کاموں کو بدعت مذموم جانتے ہیں۔ اور ان سے منع کرتے ہیں۔ یہ ہیں۔ کہ مقامات اذان میں اذان کے بعد زور سے اور کوئی چیز نہ پڑہنا چاہئے۔ خواہ وہ قرآن کی آیات ہوں یا نبی علیہ السلام پر درود وغیرہ وغیرہ اسی طرح جمعہ کی رات کو یا رمضان میں یا عیدین میں کیونکہ یہ سب بدعات مذموم ہیں۔ ہم نے ایسی باتیں سارے ملکے سے مٹا دی ہیں۔ اور علمائے مذاہب نے بھی انکے بدعت ہونیکا اعتراف کرلیا ہے۔ اور وقت محفل میلاد کے لئے مقرر کرنا یا یہ اعتقاد کرنا کہ ذکر مولد رسول عبادت ہے۔ یہ بھی بدعت مذموم ہے اگر سیرت رسول کی اطلاع حاصل ہونے کی نیت سے ذکر مولد رسول کیا جائے۔ تو مضائقہ نہیں اور تسبیح رکھنا بھی بدعت ہے۔ اور مشائخ و اولیا کے عرس کرنا اور زور سے وہاں کچھ پڑہنا یا فاتحہ خوانی آواز بلند کے ساتھ کرنا ایسی باتیں شرک اکبر ہیں ایسے لوگوں کے ساتھ ہم قتال کرتے ہیں۔ اور جس قدر علمانے درود و ظائف میں رسائل قرآن و احادیث سے استنباط کرکے لکھے ہیں۔ انکا پڑہنا مضائقہ نہیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالے کا ذکر و شغل اور پیغمبر علیہ السلام پر درود بھیجنا ہے۔ اور چلا چلا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں اشعار پڑہنا بھی ہم جائز نہیں رکھتے۔ اور نماز تراویح سنت ہے۔ اور اسکو جماعت سے ادا کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور ماہ رمضان میں آخری جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد پانچوں وقت کی نماز بہ نیت قضائے عمری پڑہنا ممنوع ہے۔ اور جنازے کے ساتھ زور سے ذکر کرنا بھی ممنوع ہے۔ اور طبل جنگ کے سوا سارے باجے لہو و لعب میں داخل ہیں۔ اور بیاہ میں

دف بجانا مضائقہ نہیں اور پنجگانہ نماز کے بعد مشائخ کے لئے فاتحہ پڑھنا بدعت
ہے۔ اور ہمارے نزدیک ابن قیم اور انکے استاد ابن تیمیہ اہل سنت کے امام ہیں
لیکن ہم ہر مسئلے میں اُن کے مقلد نہیں کئی مسائل میں ہم انکے مخالف ہیں۔
مثلاً ہمارا یہ مذہب ہے کہ تین طلاق ایک لفظ سے ایک ہی مجلس میں واقع
ہو جاتی ہیں۔ اور وقف صحیح ہے اور نذر ماننا جائز ہے۔ اور جو نذر گناہ نہ ہو
اسکا پورا کرنا واجب ہے اور اُن دونوں کا یہ مذہب نہیں۔ یہانتک اُس
رسالے کا بیان تھا۔

اب سننا چاہئے کہ جب سعود مکے میں اپنی کارروائی کامل کر چکا۔ اور
پورا پورا تسلط ہو گیا تو اُس نے سلطان روم کو اپنی کامیابی کا خط اس
عبارت سے لکھا۔ از جانب سعود سلطان قسطنطنیہ کو ظاہر ہو کہ میں تاریخ
۴ محرم ۱۲۱۸ھ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ باشندوں میں امن رکھی میں نے
تمام وہ چیزیں اس مقام متبرک سے دور کیں جنکی پرستش بتوں کی مانند
یہاں کے لوگ کرتے تھے۔ میں نے تمام محصولات جو خلاف شرع تھے دور کئے
میں نے اُس قاعدے کو حسب احکام نبوی کل مقرر کیا جسکو تم نے مقرر
کیا تھا میں چاہتا ہوں کہ تم حکام دمشق و قاہرہ کو حکم دو کہ شہر میں وہاں کے لوگ
وطبول و قرنا بجاتے نہ آئیں۔ کہ ان چیزوں سے مذہب کو کچھ فائدہ نہیں ہے
خدا تم پر اپنا فضل و کرم رکھے۔ بعد اسکے سعود نے جدے کا محاصرہ کیا۔
شریف غالب بن مساعد بن سعید بن سعد بن زید کہ وہاں موجود تھا جواب
دیتا رہا۔ ۱۲۱۸ھ میں عبد العزیز حالت نماز میں ایک جیلان کے باشندے
کے ہاتھ سے جسکا نام عبد القادر اور مذہب شیعہ تھا مقتول ہوا سعود جدے
کا محاصرہ اُٹھا کر درعیہ کو چلا گیا۔ اور باپ کا قائم مقام ہوا۔ شریف غالب نے
میدان خالی پاکر مع فوج سلطانی جو شریف پاشا کے ماتحت تھی مکے کو کوچ
کیا۔ اور وہاں پر از سر نو قبضہ کر کے جو وہابی وہاں موجود تھے اُنکو نکال دیا

مگر وہابیوں کے قبضے میں طائف بدستور رہا جہاں پر عثمان مضائقی انکی طرف سے منتظم تھا۔ سعود درعیہ سے اپنی فوج لیکر حرمین کی طرف روانہ ہوا۔ اور بتدریج تمام حکومت شریف پر قبضہ کر کے سنہ ۱۲۲۰ھ میں پھر مکے کا رخ کیا۔ اور اسکا ایسا سخت محاصرہ کیا کہ باشندگان مکہ بھوکوں مرنے لگے۔ اور کتے حلال کر کے کھانے لگے۔ آخر کار شریف غالب نے مجبور ہوکر سعود کی اطاعت کر لی۔ پھر وہابیوں نے فتوحات مدینہ منورہ میں حاصل کیں۔ اور ایسی کامل کارروائی کی۔ کہ کسی چیز کو اپنا تسلط کئے بغیر باقی نہ چھوڑا۔ اور اولیاء کی قبور کے گنبد توڑ وا ڈالے۔ اور حجرہ مبارک کا تمام مال اسباب لوٹ لیا[1] سعود نے چاہا کہ مرقد منور رسول مقبول سے چادر اٹھالے۔ مگر خواب میں بشارت ہوئی اور حضور رحمت گنجور نے فرمایا کہ خبردار اس حرکت سے باز رہنا۔ تب یہ باز رہا۔ اور اپنی طرف سے مدینہ منورہ کے باشندوں میں سے ایک شخص کو جسکا نام مبارک بن مضیان ہے۔ مدینے کا حاکم مقرر کر دیا۔ غرضکہ سنہ ۱۲۲۳ھ تک اچھی طرح ان وہابیوں کا حجاز پر تسلط ہو گیا۔ ان مقامات میں نو برس کامل اس سعود وہابی کی حکومت رہی۔ جلد دوم فتوحات اسلامیہ مولفہ شیخ احمد دحلان و اقعات سلطان سلیم ثالث بن مصطفے ثالث میں لکھا ہے۔ کہ عثمانیہ سلطنت سے وہابیوں کا انتظام اسلیئے نہ ہوسکا۔ کہ وہ نصاریٰ کی جنگ میں مصروف تھی۔ اور نہایت کمزور ہو رہی تھی۔ فوج وہابی اس قدر کثیر و زبردست ہوگئی۔ کہ سلطان ترکی کو اپنی سلطنت جاتی رہنے کا خوف پیدا ہوا۔ تب محمد علی پاشا والی مصر کو حکم دیا۔ کہ وہابیوں کے تسلط کو مقامات متبرک سے دور کرنے کے واسطے زبردست فوج سے چڑھائی کی جائے بموجب حکم سلطانی پاشائے مذکور نے فوج جمع کی۔ اور اسے اپنے بیٹے طوسون پاشا کی ماتحتی میں بھیجا۔ مگر صفرا اور حدیدہ کے مقام پر اس لشکر نے عربوں سے جو

[1] دیکھو نزہتہ الناظرین فی مسجد الاولین والآخرین تالیف جعفر بن اسماعیل حسنی مدنی ۱۲ منہ

وہابیوں کی مدد کو جمع ہوئے تھے۔ ذیحجہ ۱۲۲۶ھ میں ایسی شکست فاش پائی
کہ بہت کم لوگ بچ کر گرتے پڑتے مصر کو واپس ہو سکے۔ اور تمام مال واسباب
وہابیوں کے ہاتھ لگا۔ پھر محمد علی پاشا نے دوسرا لشکر تیار کرکے بذات خود
۱۲۲۷ھ میں وہابیوں پر چڑھائی کی۔ اور یہ فوج تمام مقبوضات وہابیہ کو فتح
کرتی ہوئی صفرا اور جدیدہ تک پہنچ گئی۔ اور آگے بھی ماہ رمضان میں
نہایت حسن تدبیر کے ساتھ عربوں کو ملا کر بلا مقابلہ فتح کرلیا۔ سپہ سالار لشکر
وہابیہ کو ایک لاکھ ریال رشوت میں دیئے۔ اور دوسرے افسروں کو اٹھارہ
اٹھارہ ہزار ریال دیئے۔ اور انکے واسطے وظیفے مقرر کئے۔ یہ سارا کام شریف
غالب کی پیروی اور کوشش سے ہوا۔ شریف مذکور بظاہر وہابیوں کے
ہمراہ تھا۔ مگر درپردہ یہ کارروائیاں کرکے انکی بیخ کنی کرتا تھا۔ پھر عسکر
سلطانی ماہ ذیقعدہ میں مدینے میں داخل ہوا۔ اور اوائل محرم ۱۲۲۸ھ
میں دریا کے رستے سے جدے پہنچکر اسپر قبضہ کرلیا۔ یہ سارے کام خفیہ طور پر
شریف غالب کی رائے سے ہوئے۔ پھر وہ چھپکر فوج وہابیہ سے نکل کر سلطانی
لشکر میں چلا گیا۔ مکہ اور جدہ میں سلطانی فوج کے داخل ہوتے ہی عثمان مضائفی
طائف سے فرار ہوگیا۔ مگر آخر کار گرفتار ہو کر قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔ اور وہاں
قتل ہوا۔ پھر محمد علی پاشا نے تمام وہابیوں کو حجاز میں سے چن چن کر قتل
کرایا۔ ۸ جمادی الاولی ۱۲۲۹ھ کو ۶۸ برس کی عمر میں سعود بن عبد العزیز بن
محمد بن سعود مرا۔ تو درعیہ میں اسکا بیٹا عبد اللہ جانشین ہوا۔ یہ اگرچہ جری
تھا مگر جنگی داؤں گھات سے محض بیخبر تھا۔ محمد علی پاشا اپنے بیٹے ابراہیم
کو اسکے تباہ کرنے کیلئے فوج دیکر روانہ کیا۔ اس نے ۱۲۳۲ھ میں درعیہ
پہنچکر محاصرہ شروع کیا۔ شوال کے بعد ذیقعدہ ۱۲۳۳ھ میں عبد اللہ بن سعود کو مع امرا
کے قید کرلیا۔ جو قسطنطنیہ میں بحکم سلطانی قتل ہوا۔ اسکے بیٹے ترکی عبد اللہ
کو شیال حکومت ہوا۔ گو وہ بہ سیاست سلطان محمد خان والی قسطنطنیہ سے

زباد کو بھاگا اور مارا گیا۔ بعدہ اسکے بیٹے فیصل نے زباد میں اپنی حکومت
قائم کی۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں پالگریو سیاح اور سنہ ۱۸۶۵ء میں سر لوئس پیلی اس سے
ملاقی ہوئے۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں فیصل نے انتقال کیا۔ تو اسکا بیٹا عبد اللہ
قائممقام ہوا۔ ہر چند کہ وہابیوں کی فوجی قوت نابود ہو گئی تھی تاہم محمد بن
عبد الوہاب نے جو اصول قائم کئے تھے بعض مذہبی رہنما اسکی تقلید کرتے تھے

ہندوستان میں وہابیت کا شیوع

اگر کوئی شخص ملک ہندوستان سے حج بیت اللہ کو جاتا تو اسکو وہابی حالات
کے مولوی ملتے۔ چنانچہ سید احمد صاحب ساکن رائے بریلی سنہ ۱۸۲۲ء
میں بعد انفراغ حج ہندوستان کو آئے۔ تو ارادہ کیا کہ شمالی ہندوستان کا
اسلام درست کریں۔ لوگوں نے سادات جانکر تعظیم کی اور اپنا مقتدا تسلیم
کیا۔ یہ تمام شمالی ہند میں اپنے مقلدین بنانے کے لئے پھرتے تھے پٹنہ میں
اپنا نائب مقرر کیا۔ اور دہلی پہنچے مولوی محمد اسماعیل انکے بہت بڑے معتقد
ہوئے۔ سید احمد صاحب واعظ نہ تھے۔ واعظ مولوی محمد اسماعیل صاحب
تھے۔ جنکی نصیحتوں سے مسلمانوں کے دلوں میں ایک ایسا ولولہ اثر خیز
پیدا ہو جاتا تھا جیسا کہ کسی بزرگ کی کرامت کا اثر ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ
وہ کلکتہ میں سکھوں پر جہاد کا وعظ فرما رہے تھے۔ اثنائے وعظ میں کسی شخص
نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کا وعظ کیوں نہیں کہتے
وہ بھی تو کافر ہیں۔ اسکے جواب میں مولوی اسماعیل صاحب نے فرمایا۔
کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی۔ اور چونکہ ہم
انگریزوں کی رعایا ہیں۔ اپنے مذہب کی رو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر
جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔

سید احمد صاحب نے سنہ ۱۸۲۳ء اور سنہ ۱۸۳۰ء کے درمیان سکھوں پر
جہاد اس خیال سے کیا کہ وہ مسلمانوں کو حد سے زیادہ حیران اور

دق کرتے تھے۔ سنہ ۱۸۲۴ء میں وہ پشاور کی سرحد پر یوسف زئی فرقوں میں
گئے۔ اور انہوں نے سکھوں پر جہاد کا اشتہار دیدیا۔ کوہستانی قومیں سب
حنفی مذہب رکھتی تھیں۔ اور بہ نسبت ہندوستان کے سارے مسلمانوں
کے اُنکو اپنے مذہب کا عقیدہ زیادہ تر مستحکم اور استوار ہے۔ اور وہ اُن
مسلمانوں سے کہ اُنکا سا عقیدہ نہیں رکھتے ہیں۔ دوستانہ نہیں پیش آتے
ان قوموں کو مذہب ان وہابیوں کا پسند نہ تھا۔ نہ اُنکے مسائل کو اچھا جانتے
تھے۔ مگر اس سبب سے کہ وہ سکھوں کے جور و ستم سے نہایت تنگ و حیران
تھے۔ وہابیوں کے اس منصوبے میں شریک ہوگئے کہ سکھوں پر حملہ کیا
جائے۔ اور انہوں نے ان قوموں کی مدد سے پشاور فتح کرلیا۔ اور بعد فتح
کے دوست محمد خان والی کابل کے بھائی سلطان محمد خان کے حوالے کردیا
تا سلطان محمد خان نے فریب سے تھوڑے عرصے کے بعد پشاور کو گورنمنٹ
سکھ کو دیدیا۔ جب اس طرح سنہ ۱۸۲۹ء میں سکھوں کے ہاتھ پھر پشاور لگ
گیا۔ اور پٹھانوں میں آپس میں فساد عظیم برپا ہوا۔ اور اُن وہابیوں کے
بہت سے ہمراہیوں کو انہوں نے قتل کرڈالا۔ تو وہ مجبور ہوکر ہزارہ چلے
آئے۔ اس وقت سید احمد صاحب اور مولوی اسمٰعیل دونوں کے دل چھوٹ
گئے۔ اور ان کے پیروؤں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ انکو معلوم ہوگیا کہ سرحد
کے پٹھان ہمارے مذہب کے باعث ہم سے دلی عداوت رکھتے ہیں۔ اب ہم کو
ان سے کسی قسم کی امداد کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ اور ہماری قلیل
جماعت کسی طرح سکھوں پر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ان سے مقابلہ
نہیں کرسکتی۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا۔ کہ اب ہمارے مذہب کے موافق
جہاد جائز نہیں رہا۔ پھر ہندوستانیوں میں خود اختلاف آ پڑا کہ
آیا سید احمد صاحب ہمارے امام ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ
ان میں سے اکثر کی تو یہ رائے تھی۔ کہ وہ اس کام کے لائق نہیں ہیں۔ اور

بعض نے اسکے خلاف بیان کیا۔ مگر مولوی اسماعیل صاحب نے اس حالت
میں بھی ان جھگڑوں کے دفعیہ کے واسطے حتی الامکان کوشش کی۔ اور
ایک کتاب موسوم بہ منصب امامت لکھی جو ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء
کلکتہ میں طبع ہوئی تھی۔ لیکن انکی یہ تمام کوششیں بے فائدہ ہوئیں۔ سید
احمد صاحب کے پیرو بہت ہی کم ہو گئے۔ اور آخر کار ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء
میں خادی خاں کی دغابازی سے سکھوں کے مقابلہ میں جسکا سپہ سالار
شیر سنگھ تھا لڑکر سید احمد صاحب میدان جنگ میں کام آئے۔ سید احمد
صاحب نے شاہ عبد القادر صاحب سے علم حاصل کیا تھا۔ مگر علم صرف و نحو
اور قراءت پڑھکر تصوف کی طرف متوجہ ہو گئے۔ علم ظاہر میں سید صاحب
کو پوری قدرت حاصل نہ تھی۔ گو بعض کتب اوراد جیسے حصن حصین وغیرہ
پڑھی تھیں۔ مگر علم باطن میں بہت محنت کی تھی۔ مولوی اسماعیل صاحب
بھی اُنکے ہمراہ شہید ہوئے تھے۔ اور مولوی عبد الحی اس واقعہ سے
قبل کابل کے رستے میں عارضۂ تپ و لرزہ سے فوت ہو چکے تھے۔ سید صاحب
کی شہادت کے بعد اور بہت لوگوں نے جہادیوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ مگر
اور لوگوں نے انکا دل تھامنے کے مصلحتًہ یہ خبر مشہور کر دی ہے کہ سید احمد اب
تک زندہ ہیں۔ صرف بطور کرامت غائب ہو کر کسی پہاڑ کی کھوہ میں پوشیدہ
ہو گئے ہیں۔ مگر آخر کار جب اس دھوکے کا حال کھل گیا۔ تو سید احمد کے پیرو
اپنے گھروں کو ہندوستان واپس چلے آئے۔ اور کچھ تھوڑے سے مسلمان
پہاڑ میں جاکر ستانہ میں آباد ہوئے۔ یہ گاؤں سید اکبر شاہ کا تھا جو سید احمد
صاحب کا مشیر اور خزانچی تھا۔ اور اخوند سوات نے وادی پشاور کا حاکم
بھی مقرر کیا تھا۔ ان میں سے اکثر مسلمان پٹنہ اور دیگر اضلاع بنگالہ کے
رہنے والے تھے مولوی عنایت علی اور مولوی ولایت علی زیادہ برگزیدہ تھے
یہ دونوں پٹنہ کے رہنے والے تھے ۱۸۵۷ء میں باغیوں کی وجہ سے

۱؎ دیکھو جلد سوم تاریخ ہندوستان مولفہ شمس العلماء ذکاء اللہ صاحب نمبر ۲۸۴

انکی تعداد بڑھ گئی۔ انگریزی سرکار نے جنگ انبیلہ میں انکو شکست دی
آخر سنہ ۱۳۰۱ھ تک بمقام ملوسی قریب ۳۰۰ کے آباد تھے۔ اور وہی شیخ عبداللہ
بن فیصل حاکم نجد کا داماد انکا حاکم تھا۔ اس حاکم کی بیٹی کی شادی امام محمد صدیق
پشاوری سے ہوئی تھی۔ تاکہ وہابی لوگ نجد اور ہندوستان میں بڑھیں۔

سعود نجدی اور سید احمد صاحب نے جو کام تلوار سے نہیں کیا تھا
وہ بوجہ ارزانی چھاپہ کے لوگوں نے قلم سے کیا۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے
جو صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان میں لکھا ہے۔ اسکا اثر لوگوں پر پڑتا ہے
مولوی صاحب رد شرک و بدعت کے جوش میں بعض باتیں ایسے لہجے میں
لکھ گئے ہیں جنکی وجہ سے وہ لوگ جو انکے طریق پر نہیں۔ انکو مطعون کرتے
ہیں مثلاً تقویۃ الایمان میں ان الشرک لظلم عظیم کے فائدے میں لکھتے ہیں کہ
ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے اور
اسی کتاب میں حدیث اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم کے فائدے میں لکھتے ہیں
کہ اولیا و انبیا امام و امام زادے پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے
ہیں۔ وہ سب انسان ہی ہیں۔ اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو
اللہ نے بڑائی دی۔ وہ بڑے بھائی ہوئے۔ ہم کو انکی فرمانبرداری کا حکم ہے
ہم انکے چھوٹے ہیں اور اکثر مقامات میں اولیا و انبیا جن اور شیطان اور
بھوت اور پری کو شامل اس طرح پر ذکر کیا ہے۔ کہ حفظ مراتب بیدا نہیں ہے
احکام شرعیہ بیان کرنے میں نہایت آزادی سے کام لیا ہے۔ اور لکھتے ہیں
کہ کسی کو پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور اسکو اپنا وکیل و سفارشی
سمجھنا کفر ہے گو اسکو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے۔ اور گو وہ ولی و نبی
ہو یا جن یا شیطان یا بھوت و پری اور ایسا شخص مشرک ہے ابوجہل کی
برابر ہے۔ اور کسی پیر و پیغمبر کی قبر کو دور دور سے قصد کرکے جانے۔ یا
وہاں روشنی کرے۔ غلاف ڈالے چادر چڑھائے۔ انکے نام کی چھڑی کھڑی

کرے رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلے تاکہ قبر کو [illegible] پچھلے
اسپر شاہ اسمٰعیل نے لکھا ہے چوکھٹ کو بوسہ دیوے ہاتھ باندھکر التجا کرے
مراد مانگے مجاور بنکے بیٹھ رہے۔ تو اسپر شرک ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ شخص جو
یہ کہتے ہیں یا عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یعنی اے شیخ عبدالقادر دو تم اللہ کے واسطے تا شیخ ہے اُنکا
قائل ہیں لکھا ہے کہ امتناع نظیر خاتم النبیین کے مسئلہ میں مولانا اسمٰعیل شہید کی یہ رائے تھی
کہ خاتم النبیین کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے یعنی آنحضرت کا مثل اسلئے
پیدا نہیں ہوسکتا کہ اسکا پیدا ہونا آپکی خاتمیت کے منافی ہے نہ اس لئے
کہ خدا اسکے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ بخلاف اسکے مولانا فضل حق خیرآبادی
کی جنکو وہابیوں سے سخت مخالفت تھی یہ رائے تھی کہ خاتم النبیین کا مثل
ممتنع بالذات ہے اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کرسکتا اسی طرح
خاتم النبیین کا مثل بھی پیدا نہیں کرسکتا۔ اعلام الناس کے حصہ چہارم میں
جسکا لقب تحذیر المومنین من اکفار المسلمین لکھا ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل
شہید فی سبیل اللہ کی تکفیر کے فتوے مکہ مبارک کے مفتیوں سے لکھوا کر
لائے گئے۔ اور انتہا نا انصافی مولوی اس بزرگ اعلائے کلمۃ اللہ میں نہایت فنا
کرنیوالے اور آخر اسی راہ پر اپنی جان فدا کرنے والے کے کفر پر اصرار
کرتے ہیں۔

سالہا سال سے آمین بالجہر کے باب میں حنفیہ اور وہابیوں
جھگڑے چلے آتے ہیں جو مختلف شہروں ہندوستان و پنجاب (لاہور امرتسر
لودھیانہ میرٹھ تاجپور ضلع دربھنگہ وغیرہ وغیرہ) میں مختلف صورتوں
اور عدالتوں (دیوانی فوجداری) میں پیش ہوچکے ہیں کسی عدالت سے
ان مقدمات کی نسبت کبھی کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہوا جو قطعی اور حکم اخیر
سمجھا جاتا۔ اور ان مقدمات کا دروازہ بند کردیتا۔ دلی میں دونوں فریق
کے علمبرداروں نے مسائل فرعیہ اختلافیہ مثلاً نجاست آب چہ نیز آمین بالجہر

اور رفع یدین اور رفع سبابہ اور قراءت خلف امام اور قیام میں دونوں
ہاتھوں کو سینے پر رکھنے اور بعد پیشاب کے پانی لیسے استنجا کرنے
میں تنازعات برپا کئے بعض نے انکو حرام سمجھا۔ اور بعض نے مشغول ہو کر
نزاع کی بادہ اعتدال سے گذر گئے ہر فریق اپنے مخالف فریق کو گمراہ اور خارج
از اہل سنت وجماعت تقریر و تحریر میں کہنے لگا۔ اور طرح طرح کے اشتہار اور
رسائل مشتہر کئے۔ یہاں کے فساد سے اور شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں
میں نزاع و تکرار واقع ہوئی۔ اور نوبت بہ فوجداری پہنچی۔ اس لئے صاحب
کمشنر دہلی نے ایک معاہدہ علمائے اہل حدیث دہابیہ اور علمائے فقہ
(حنفیہ) سے لکھوا کر کمشنری قسمت دہلی میں داخل کرایا جسکی نقلیں تمام
ہندوستان میں مشتہر ہوئیں۔ اس پر دہلی لکھنؤ عظیم آباد وغیرہ کے ۸۳ علماء
کی مہریں اور دستخط ہیں جن میں مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی اور
مولوی عبد الحلیم صاحب لکھنوی بھی ہیں۔ یہ معاہدہ ۲۱ ذیقعدہ روز جمعہ
۱۲۹۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔ خلاصہ مضمون اسکا یہ ہے۔ کہ ایک فریق دوسرے
فریق کے افعال نماز میں طعن و توہین سے پیش نہ آئے۔ اور نماز ایک فریق
کی دوسرے کے پیچھے بشرط رعایت عدم مفسدات جائز ہے پس جو شخص کسی
اسکو منع نہ کیا جائے۔ اور اسکے پیچھے بلا شبہ نماز پڑھنی چاہئے۔ اور جو نہ کرے
اسپر اعتراض نہ ہو۔ اور عامل افعال مذکورہ اسکے پیچھے نماز پڑھے کوئی کسی
کو برا اور بد مذہب نہ جانے مساجد میں کسی فریق کا کوئی فریق فریقین میں
سے مانع اور مزاحم نہ ہو عامل بالحدیث اپنے طور پر عمل کرے اور عامل بالفقہ
اپنے طور پر ہر ایک مسجد میں ہر ایک اپنے عمل بجالانے کا مجاز ہے
پس ہم سب کو اس بات کا اشتہار دیتے ہیں کہ ہر واعظ اپنے وعظ میں دلائل
تکراری و مسائل اجتہادی وغیرہ بیان نہ کرے۔ البتہ وقت تدریس حدیث
شریف کے اسکے دلائل اور کتب فقہ کی تدریس کے وقت اسکے دلائل بیان

کیے جاویں۔ اور طعن و تشنیع نہ کیا جائے علی ہذا القیاس ہر موقع تحریر پر سوائے
دلائل کتب کوئی بات خلاف تہذیب نہ لکھی جائے۔ اور اب جو شخص کوئی
اشتہار یا کتاب ایسے مضمون کی شائع کرے جس میں مذاہب ائمہ اربعہ یا
محدثین علیہم الرضوان کی توہین شرعی ہو۔ اسکے تدارک کی حکام سے استدعا
کی جائے۔ الیٰ آخرہ

مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی

اس فرقے کے سرگروہ مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی نے
۱۳۰۰ھ میں جب بعزم حج حرمین کو گئے۔ تو وہاں انکو بعض ہندوستانیوں نے
عقیدہ وہابیہ کی وجہ سے گرفتار کرا دیا۔ انہوں نے سید عثمان پاشا گورنر حجاز
و کمانڈر انچیف عربستان کے اجلاس میں عین مکہ مکرمہ میں وہابیت سے جسکو
اعتزال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انکار کیا۔ گورنر حجاز نے ترکی زبان میں ان کے
انکار کی تصدیق میں ایک روبکار محافظین مدینہ منورہ کے نام جاری کیا
جسکا ترجمہ یہ ہے۔ بہ جناب محافظین مدینہ منورہ سعادت مآب حضرت
صاحب من ہندوستانی مولویوں میں سے نذیر حسین اور ایک شخص انکے
شاگردوں سے ان دونوں پر انکے ہموطنوں کی طرف سے جو معتزلہ ہونے
کی تہمت لگائی گئی تھی۔ اسلیئے ان دونوں پر مواخذہ کر کے ضروری تحقیقات
کی گئی۔ اس تہمت سے ان دونوں کا بری ذمہ ہونا ثابت ہوا۔ وہاں بھی اگر
انکے حق میں کوئی الزام لگایا جائے۔ تو اس سے انکی براءت ذمہ معلوم ہونے
کے لئے یہ تحریر کی جاتی ہے۔ از مکہ تاریخ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ

نواب مولوی سید محمد صدیق حسن خاں بن سید اولاد حسن

بریلوی مولد قنوجی موطن بھی اس طریقے کے بہت معاون تھے۔ یہ یکشنبہ
۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ کو پیدا ہوئے۔ اور چہارشنبہ ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ
کو بعارضہ استسقا مقام بھوپال میں انتقال کیا۔ اور ۱۲۸۸ھ میں نواب
شاہ جہان بیگم صاحبہ رئیسہ بھوپال کے ساتھ عقد نکاح ہو جانے سے مرتبہ

نوابی و امارت کو پہنچے۔ سنہ ۱۳۰۷ھ میں بیگم صاحبہ کی استدعا کے بموجب
اُن کا خطاب نواب دولہ مرحوم برٹش گورنمنٹ نے منظور کرکے حکم دیدیا کہ
کہ تمام تحریرات قلمرو بھوپال اور برٹش گورنمنٹ کے مراسلات میں یہی خطاب
لکھا جایا کرے۔ انکا نسب امام زین العابدین تک منتہی ہوتا ہے۔ مفتی محمد
صدرالدین خاں دہلوی اور مولانا شیخ حسین بن محمد انصاری قاضی حدیدہ
اور مولانا یعقوب دہلوی برادر مولانا محمد اسحٰق اور مولوی عبدالحق بن فضل اللہ
نیوتنی سے کتب علوم فنون کی تحصیل و تکمیل کی اور سند حاصل کی۔ اور احمد
بن عبدالحلیم بن عبدالسلام حرانی اور محمد بن ابی بکر بن قیم جوزی اور سید محمد اسمٰعیل
بن امیر یمانی اور محمد بن علی شوکانی کی مصنفات سے بہت استفادہ کیا اور
انکی راسے کی اتباع کی۔ اپنے کو محمدی مشرب سنی مذہب نقش بندی طریقہ
لکھتے حالانکہ کسی سے بیعت نہ کی تھی[1]۔ انہوں نے علم حدیث و تفسیر و عربیت
وغیرہ میں بزبان فارسی و عربی و اردو بہت سی تالیفات کیں۔ اور لاکھوں
روپیے کے صرف سے چھپوا کر اُنکو شائع کیا۔ اور علما نے اُنپر تقریظیں لکھیں
ہندوستان بلکہ عرب و روم و مصر میں کوئی ایسی جگہ نہو گی یا ہو گی جہاں
کوئی اہل علم یا علم کا ذکر و اثر ہو۔ اور اُنکی تالیف وہاں نہ ہو۔ اسی وجہ سے
اُنکو بعض علما نے جو اس طریقے کے پابند ہیں اس صدی کا مجدد قرار دیا
ہے۔ اُنکی عربی انشا پردازی کی میرے سامنے جناب مولوی عبدالحق صاحب
مرحوم خیرآبادی کہ میرے استاد ہیں تعریف فرماتے تھے۔ مگر باوجود اس کمال
کے نواب صاحب کی تالیفات میں بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ اُنکو اپنی تالیفات
میں تحقیق و تنقید کا التزام نہیں۔ صرف جمع و تالیف اُنکو پیش نظر رہتی
تھی لہذا وہ ہر قسم کے مسائل کو محقق ہوں خواہ غیر محقق مناسب ضروری
ہوں خواہ غیر مناسب و غیر ضروری اپنی تالیفات میں اکثر بلفظہ نقل کر دیتے

---

[1] دیکھو تذکرہ شمع انجمن ۱۲

تحقیق یہی وجہ ہے کہ اُنکے ہمعصروں اور ہمچشموں (مولوی عبدالحی صاحب
وغیرہ علما) نے انکی تالیفات پر نکتہ چینی کی ہے۔ اور انکے بعض مسائل میں
غلطی و تحقیق سے مخالفت ایسی ثابت کر دکھائی ہے کہ اُسکو نواب صاحب
نے بھی مان لیا ہے۔ اور صاف لکھدیا ہے کہ ہم صرف ناقل ہیں ہم کو اس
سے بحث نہیں کہ فلاں امر میں حق و تحقیق کون قول ہے۔ نواب صاحب
کی غرض مضامین کو اپنی کتاب میں درج کرنے سے اپنی جمعیت اور ہمہ دانی
اور ہر مسئلے میں حاضر جوابی کا اظہار تھا۔ بطور نمونے کے عرض کرتا ہوں۔
کہ کتاب البلغہ فی اصول اللغہ میں جو قسطنطنیہ میں طبع کرائی ہے کتب علم لغت
کے ذکر میں باب سیم میں کہا ہے مصدر فیوض اللہ نذیر الدین شایق فی
زبان دولت الامیر نواب احمد یار خاں سابقہ بانس بریلی انتہی۔ یہ رسالہ
قلیل الحجم زبان اردو میں قواعد فارسی میں ہے نہ علم لغت میں چنانچہ اسکا
مولف دیباچے میں کہتا ہے۔ بعد حمد او صلوۃ کے یہ نالایق نذیر الدین حسن
شائق قریشی ہاشمی ابن شاہ غلام محی الدین اویسی التماس رکھتا ہے کہ یہ
رسالہ کہ نام اسکا مصدر فیوض ہے۔ اور تاریخ اسکی تصنیف کی اس نام
سے حاصل ہوتی ہے۔ واسطے فارسی سیکھنے والوں کے شہر بریلی میں بحکم رفاقت
اور بملازمت امیر عالی مقام سردار والا احتشام سخن سنج معنی شناس کریم
نفس نفیس اساس نواب عالی جناب احمد یار خاں خلف نواب ذوالفقار الدولہ
ذوالفقار خاں بہادر دلاور جنگ کے جمع کیا گیا انتہی۔ اور نواب صاحب
کی طرز تحریر سے پایا جاتا ہے کہ احمد یار خاں کوئی والئے بانس ہونگے حالانکہ
ایسا نہیں ہے حافظ رحمت خاں والی بریلی کے پوتے ہیں جنکی ریاست
۱۱۸۸ھ میں شجاع الدولہ کے ہاتھ سے برباد ہوگئی تھی۔ ناسخ الشعرا مہدی علی
ذکی مرادآبادی کا شعر ہے ؎

دل [illegible] ۔۔۔ گویا وہ شہر مشتعل ہے

نواب صاحب نے اسکو اس طرح اپنا کرلیا ہے سے

دل اند زمن جدا ہمیشہ — گوئی کہ ضمیر منفصل ست

جس زمانہ سے نواب صاحب نے بیگم صاحبہ کے کاروبار میں شراکت یا
مددگاری کی تھی گورنمنٹ کے افسر برابر خوش انتظامی کے مداح رہے اور
گورنمنٹ نے بیگم صاحبہ کی تحریک سے اُن کے لئے خطاب نواب والاجاہ
امیر الملک اور اتواپ سلامی وغیرہ مقرر کئے۔ نواب صاحب نے ایک
بات بہت ہی فتوت اور اخلاق کے خلاف کی کہ بیگم صاحبہ کا دل اُنکی
ولیعہد نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ کی طرف سے ناخوش کردیا۔ اور اُنکو
رنج پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جسکا انتقام منتقم حقیقی کی طرف سے یہہ
ہوا کہ ۱۸۸۵ء میں سر لیپل گریفن ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا نے
لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند کے سامنے نواب صاحب کو گورنمنٹ کا مخالف اور
مخالفین گورنمنٹ کا خیرخواہ ثابت کرکے نواب صاحب کا خطاب نوابی اور
سارے اعزاز جو گورنمنٹ نے اُنکو دئے تھے سلب کرا دئے مگر بیگم صاحبہ
والیہ بھوپال نے جنکو اپنی طرف سے عطائے خطاب نوابی کا اختیار حاصل
ہے ان سے یہ خطاب واپس نہیں لیا اور اس سلب اعزاز و واپسی خطاب
کا سبب یہ الزامات ہیں جو نواب صاحب پر لگائے گئے تھے (۱) خرابی
انتظام ریاست (۲) عام رعایا پر ظلم (۳) ملازمت میں مذہبی رعایت (۴)
مذہب رعایا (ہنود و شیعہ وحنفیہ) سے بیجا تعرض (۵) بندوبست میں بیجا
تشدد جسکی وجہ سے سات ہزار آدمی جلاوطن ہوگئے (۶) وہابی مذہب کی تائید
(۷) مسیحی دوران شیخ کی ہمرشت مہدی سوڈانی کو روپیہ بھیجنا (۸) مجموعہ خطب
ہدایۃ السائل ترجمان وہابیہ اقتراب الساعۃ وغیرہ کتابوں میں گورنمنٹ کی
مخالفت میں مضمون لکھنا اور ان میں گورنمنٹ سے جہاد و بغاوت کی ترغیب
دینا وغیرہ وغیرہ گورنمنٹ کی اس کارروائی سے صدمہ زدہ ہوکر آگرہ بھوپال

اور لاہور کے ہمشیرہ بان نواب صاحب نے نواب صاحب کو خصوصاً اور
تمام وہابیوں کو عموماً گورنمنٹ کے نزدیک اسکی سلطنت کا خیرخواہ ثابت
کرنے کے لئے گورنمنٹ انگلشیہ سے جہاد کی ممانعت میں رسائل و تحریرات
شائع کرنا شروع کیں۔ مگر مخالفین نے فوراً تاڑ لیا کہ یہ سب صرف آج کل
کسی مصلحت یا حکمت عملی کی نظر سے کیا جاتا ہے۔ اور نواب صاحب کے
مخالفین نے یہ بات اخبارات میں شائع کرادی۔ کہ جب سنہ ۱۸۸۱ء میں جنرل
ڈاکلی وغیرہ کے ذریعہ سے گورنمنٹ پر کھل گیا۔ کہ نواب صاحب کی ایسی
کتابیں جن میں انگریزوں سے جہاد کی ترغیب ہے شائع ہوئی ہیں۔ اور
گورنمنٹ کو یہ بات ناگوار گذری تب سے نواب صاحب نے اپنی سابق
تصنیفات کے برخلاف گورنمنٹ سے جہاد کی ممانعت میں کتابیں تصنیف
کیں۔ نواب صاحب کا تحریرات مانع جہاد کا شائع کرانا اس موجودہ سزا کے
خوف سے تھا جسکے سامنے ہونے کا دس برس پیشتر انکو یقین ہوگیا۔ مگر نواب
صاحب کے دوستوں نے نواب صاحب کے ایماء سے ان الزامات کے جوابات
اکثر دیسی اور بعض انگریزی اخبارات میں درج کرائے ہیں۔ ہمیں مولوی مسعود خاں
ابن جناب مولوی نظام الدین خاں مرحوم رام پوری کی زبانی جو نواب
صاحب کے بڑے معتمد تھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب گورنمنٹ نے نواب صاحب
پر یہ عتاب کیا۔ تو انہوں نے اپنی بہت سی بنائی ہوئی کتابیں جو طبع ہو چکی
تھیں۔ اور گورنمنٹ کے کان تک ان کے مخالفانہ الفاظ نہ پہنچے تھے جلوا دیں

ہندوستان کے وہابی اپنی جانوں کو ابن عبدالوہاب کی طرف منسوب کرنا نہیں چاہتے

وہابی اپنے آپ کو اہل حدیث اور اہل سنت اور محدث اور
عامل بالحدیث اور موحد سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انکو یہ زعم ہے۔ کہ ہمارا طریقہ

سراسر علم قرآن و حدیث ہے۔ رائے و قیاس سے بالکل دور ہے۔ اور اولئے کتاب و سنت سے بہت نزدیک ہے۔ اور اپنے مخالفوں و مقابلوں کو بدعتی کہتے ہیں۔ اور ابن عبدالوہاب نجدی سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں نواب صدیق حسن خاں نے بھی ابن عبدالوہاب کو برا کہا ہے چنانچہ اپنے رسالہ حطہ فی احوال الصحاح الستہ میں جو ۱۲۸۳ء میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا حال بیان کر کے لکھا ہے۔ انکی بہت مشہور خصلتیں جنکو برا سمجھا جاتا ہے۔ دو خصلتیں ہیں۔ اول لوگوں کو بلا دلیل کافر کہنا دوسرے بے گناہ خون بہانا۔ نواب صاحب ترجمان وہابیہ میں جسکو انہوں نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا ہے صفحہ ۲۷ پر کہتے ہیں۔ یہ لوگ اس لقب سے کمال نفرت رکھتے ہیں۔ اور انکار کرتے ہیں۔ اور انکو وہابی کہنا ایسا برا لگتا ہے۔ جیسے گالی دینا۔ جب ہم اپنے تئیں کسی اگلے بڑے اماموں کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اور نہ اپنے تئیں حنفی اور شافعی کہتے ہیں۔ اور نہ حنبلی اور مالکی کہنے سے راضی ہوتے ہیں۔ تو پھر محمد بن عبدالوہاب کے پیچھے چلنے اور انکے طریقے میں اپنے تئیں داخل کرنے پر کب راضی ہونگے۔ اور سرسید احمد خاں تہذیب الاخلاق میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔ کہ وہابی اپنے آپکو محمدی کہتے ہیں۔ اور رسالہ جواب ڈاکٹر ہنٹر میں فرماتے ہیں۔ کہ یہ لوگ لفظ غیر مقلد بھی ویسا ہی برا سمجھتے ہیں جیسا کہ لفظ وہابی کو اس گروہ کا قدیمی خطاب اہل حدیث ہے جس سے وہ زمانہ تقرر مذاہب اربعہ میں مشہور تھے غرض کہ انکی اس سے یہ ہے۔ کہ لفظ وہابی و غیر مقلد کا اطلاق اس گروہ سے اٹھ جائے۔ اور یہ ثابت ہو جائے۔ کہ جو لوگ آجکل وہابی سمجھے جاتے ہیں۔ یہ انہیں اہل حدیث کی چال ڈھال پر ہیں جنکا کتب اہل سنت میں حنفیہ و شافعیہ کے مقابلے میں ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ یہ ائمہ ہیں یزید بن ہارون۔ یحیی بن سعید۔ احمد بن حنبل۔ اسحاق بن راہویہ۔ عبدالرحمن بن مہدی

عبدالرزاق۔ ابوبکر بن ابی شیبہ۔ مسدد۔ ہناد۔ فضل بن دکین۔ علی بن مدینی وغیرہ اور ان کے بعد کے طبقے کے جیسے امام بخاری۔ مسلم۔ ابو داؤد۔ عبد بن حمید۔ دارمی۔ ابن ماجہ۔ ابو یعلے۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارقطنی۔ حاکم۔ بیہقی خطیب بغدادی۔ دیلمی۔ ابن عبد البر وغیرہ۔ ۱۹ جنوری ۱۸۸۶ء کو گورنمنٹ ہند اور گورنمنٹ پنجاب سے حکم نافذ ہوا کہ سرکاری کاغذات میں لفظ وہابی کے استعمال کو مسدود کیا جائے لیکن اس حکم کے ساتھ یہ بھی احتمال تھا کہ اس فرقے کو بجائے لفظ وہابی کے لفظ غیر مقلد سے مخاطب کیا جائے لیکن اس گروہ کے مختلف صوبجات ہندوستان۔ پنجاب۔ ممالک متحدہ اودھ بمبئی۔ مدراس۔ بنگال۔ ممالک متوسط کے تین ہزار ایک سو چھتیس اعیان اشخاص کے یہ ظاہر کرنے پر کہ ہم لفظ غیر مقلد کو بھی ویسا ہی برا جانتے ہیں جیسا کہ لفظ وہابی کو۔ گورنمنٹ ہم کو اس لفظ کے ساتھ مخاطب کرنے سے بھی معاف رکھے۔ اور ہم کو بجز اہل حدیث کے کسی لفظ سے مخاطب نہ کرے جسکا اثر و نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ گورنمنٹ کے نزدیک لفظ غیر مقلد بھی ویسا ہی دل آزار سمجھا گیا جیسا کہ لفظ وہابی سمجھا گیا۔ اور اس گروہ کو اسکے استعمال سے معاف رکھا گیا۔ ڈاکٹر ہنٹر صاحب ممبر کونسل واضع قانون نے ایک رسالہ لکھکر اُس میں ان لوگوں کو گورنمنٹ کا بدخواہ قرار دیا تھا اس رسالے سے بہت سے افسران گورنمنٹ نے دہوکا کھایا اور سمجھ لیا کہ وہابی گورنمنٹ کے باغی کا نام ہے یا گورنمنٹ سے بغاوت وہابیوں کا کام ہے جسکو سید احمد خاں نے عمدہ تفصیل سے اُٹھایا۔ اور خوب ثابت کر دکھایا ہے کہ یہ فرقہ جسکو وہابی کہا جاتا ہے۔ گورنمنٹ کا مخالف نہیں۔ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے ناواقفی کے سبب دہوکا کھایا ہے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ سید صاحب نے تہذیب الاخلاق میں ایک مقام پر وہابیوں کو فرقہ ضالہ بتایا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ آج تک کوئی پہاڑی پٹھان ایسا نہیں گذرا جو سوائے حنفی مذہب کے کسی اور مذہب کا

پیرو ہو یا وہابیت کی جانب ذرا بھی میلان خاطر رکھتا ہو۔ البتہ حیات افغانی
میں یہ فقرہ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ کہ چند عرصے سے ملا سید میر کوٹہ کے پیرو وہابی
سمجھے جاتے ہیں۔ اور اخوند سوات کے پکے پیرو جو حنفی المذہب ہیں۔ ملا
سید کے معتقدین کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ اور اکثر عثمان زئی اور ناصر اللہ کی
اولاد جو گڑھی اسماعیل کا باشندہ تھا۔ ملا سید میر کے طرفدار ہیں

تذکرہ

تعریبات الشافیہ میں لکھا ہے وفی ذلک القرن الاخیر ظہر بالیمن شیخ
کبیر یقال لہ الشیخ المکرمی فصنع مذہبًا الیہ۔ انتہی وکان ظہورہ مقارنا بظہور
مذہب الوہابیۃ ببلاد النجد الخ۔ یعنی جس زمانے میں وہابیوں کا نجد میں ظہور
ہوا تھا۔ تو قریب قریب اُس کے ملک یمن میں ایک بڑے شیخ نے جسے شیخ
مکرمی کہتے تھے۔ ایک نیا مذہب اپنی طرف سے بنایا تھا۔ مگر اس مذہب کی
تفصیل کچھ نہیں لکھی۔ اور نہ کسی کتاب میں نظر سے گذری۔

فرقۂ ہفتم بابی

یہ فرقہ باب کی طرف منسوب ہے۔ جس کا اصلی نام علی محمد ہے۔ اور
مہدویت کا دعوے کیا تھا۔ اسکا باپ جسکا نام محمد رضا ہے۔ شیراز کا تاجر
تھا۔ دستور کے موافق باب نے پہلے فارسی پڑھی۔ اور اسکے بعد عربی کی
چند ابتدائی کتابیں دیکھیں تھیں۔ کہ پھر فوراً سخت ریاضتیں کر کے
زہد میں شہرت حاصل کر لی۔ پھر کربلا میں سید کاظم مجتہد کے حلقۂ درس
میں جا کر شریک ہوا۔ اُسکے انتقال کے بعد اسکے بہت سے شاگرد ساتھ لیکر
کوفہ کی مسجد میں جا پہنچا۔ اور بہت ریاضتیں کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل
کر لیا۔ پھر ۱۲۶۰ھ میں اپنے عقیدت کیشوں سے اس امر کا اظہار کیا کہ جس
مہدی صاحب الامر کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ وہ میں ہی ہوں۔ اور اس کے

ثبوت میں بعض احادیث جن میں مہدی موعود کے آثار بتلائے گئے تھے پیش کیں۔ اور کہا کہ جو آثار اس مہدی میں بتلائے گئے ہیں۔ وہ مجھ میں پورے طور سے موجود ہیں۔ جب اسکے ثبوت میں معجزہ طلب کیا گیا۔ تو باب نے جواب دیا۔ کہ میری تقریر و تحریر ہی معجزہ ہے۔ اس سے بڑھکر کیا معجزہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک ہی دن میں ہزار شعر مناجات میں تصنیف کرتا ہوں اور پھر اپنے قلم سے لکھتا بھی ہوں۔ اور چند مناجاتیں پیش کیں۔ جن میں اعراب تک درست نہ تھا۔ جب اسپر اعتراض ہوا۔ تو آپ کیا جواب دیتے ہیں۔ کہ علم نحو ایک گناہ کا مرتکب ہونے کی وجہ سے اب تک غضب الٰہی میں گرفتار تھا۔ اب میں نے خدا کے حضور میں اسکی شفاعت کی جس سے اسکی خطا معاف ہوئی۔ اور حکم ہو گیا۔ کہ نحوی غلطیوں کا کوئی مضائقہ نہیں۔ اور آئندہ سے اگر کوئی غلطی کرے۔ تو کچھ حرج نہیں۔ عوام کو مطیع کرنے کے لئے ایک اچھی تدبیر سوجھی۔ اور حکم دیا۔ کہ چونکہ میرے وجود سے غرض ادیان کا متحد ہو جانا ہے۔ جسکی وجہ سے میں آئندہ سال مکہ معظمہ سے شمشیر بکف خروج کرونگا۔ اور چہار روئے زمین پر قبضہ کرونگا۔ لہذا جب تک تمام ادیان متحد نہ ہو جائیں۔ اور تمام دنیا میری مطیع نہ ہو جائے تمام تکالیف شرعیہ ملتوی۔ پس اب اگر میرے مریدوں میں سے کوئی شخص منہیات شرعی کا مرتکب ہو یا احکامات شرعی ادا نہ کرے۔ تو اسپر کوئی مواخذہ نہیں۔ اس وجہ سے بہت سے عوام اسکے مطیع ہو گئے۔ اسکے مذہب میں حقیقی بہن سے بھی مبتلا ہونا زنا میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اور ایک عورت کا نو آدمیوں کو نکاح میں لانا جائز تھا۔ کسی مذہب کا وہ پابند نہ تھا۔ اگرچہ اپنے آپکو مسلمان کہتا تھا۔ اسکے متبعین میں علانیہ فسق و فجور کا بازار گرم ہوا۔ عورتیں بے پردہ مجلسوں میں شریک ہوئیں اور شرابیں پلاتیں اور باب نے سمجھدار لوگوں کو آئندہ کی بہبودی کی امید دلائی [illegible] کیا گیا

ساری روئے زمین پر میرا قبضہ ہو جائیگا۔ تو تمہارے حقوق سب سے مقدم سمجھے جائینگے۔ غرضکہ ایک اچھی خاصی جماعت باب کی مطیع ہو گئی۔ باب نے اپنے مریدوں کو چند احکامات بھی دئے تھے۔ جو بطور اشعار ادا کئے جاتے تھے۔ اور وہ یہ تھے (۱) چونکہ تمام دنیا کا میرے زیرنگین ہونا اس غرض سے کہ تمام دنیا کا ایک مذہب ہو جانے ضروری ہے۔ لہذا میں آئندہ سال مکہ معظمہ سے شمشیر بکف سارے جہان پر حملہ آور ہونگا۔ تاکہ دنیا میرے تحت تصرف میں آجائے۔ اور وہ تمام اغرض جو میرے وجود سے مقصود ہیں پورے ہو جائیں۔ اور اس سے ضرور ہے۔ کہ اعدائے خدا کی جانیں جسم سے جدا ہونگی۔ اور ہزاروں خون کی ندیاں جاری ہونگی۔ پس جملہ مریدین باصفا کو حکم دیا جاتا ہے۔ کہ بطور ایک علامت وشگون کے اپنے خطوط کو سرخ لکھا کریں (۲) السلام علیک کی عوض مرحبا بک سلام کے لئے مقرر کیا جاتا ہے (۳) اذان میں میرا نام بھی داخل ہو۔ اور اسکا یہ قول بھی تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی نے مجھ سے بیعت کی۔ اور یہ کہ ابتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی الگ الگ اور جدا جدا تھے میں ان دونوں کا جامع ہوا۔ اور اسی وجہ سے میرا نام بھی علی محمد ہے اسکے اقوال میں سے ایک یہ بھی تھا۔ کہ جس طرح کوئی آدمی بغیر باب یعنی دروازے کے گھر کے اندر نہیں جاسکتا ہے۔ اسی طرح بغیر اسکے کہ مجھے دیکھیں۔ اور مجھ سے اجازت حاصل کریں۔ خدا اور دین خدا تک نہیں پہنچ سکتے۔ مریدین نے جب اس قول کو سنا۔ تو اس کا لقب ہی باب کر دیا۔ اور باب نے بوشہر میں پہنچکر بعض مرید بطور منادی کے شیراز بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو باب کے مہدی موعود ہونے کا یقین دلائیں۔ اور جو لوگ اسکے مہدی موعود ہونے کی تصدیق کریں۔ ان سے بیعت لیں۔ اپنا تصنیف کیا ہوا کلام بھی جس میں سے کسی کا نام قرآن کسی کا نام مناجات رکھا گیا تھا

اُن کو دیا گیا تھا کہ وہ اسکو لوگوں کے روبرو پیش کریں۔ اور وہ بجائے قرآن مجید اور صحیفہ سجادیہ کے کہ امام سجاد کی تصنیف کردہ مناجاتیں ہیں پڑھا کریں تاریخ گلزار شاہی اور رشادول محمد علی شیرازی میں لکھا ہے۔ کہ باب کا خلیفہ ملا حسین بشیرویہ ہوا اور قرۃ العین نام ایک خوبصورت عورت نائب بنی۔ یہ عورت عربیت میں دستگاہ رکھتی تھی کچھ عبارتیں لکھکر کہا یہ جواب کلام اللہ ہے۔ اور دعوت طریقۂ باب کی جانب کہ تصوف میں محجوب رہا تھا شروع کی۔ جوق جوق مخلوق شیعہ وغیرہ میں سے اُس عورت کے حسن وجمال اور کلام کی فریفتہ ہو کر گمراہ ہو گئی۔ بلکہ جلاء العینین میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ بعض یہود و نصاریٰ نے بھی مذہب باب کی اتباع کی

اس وقت فارس کا گورنر نظام الدولہ تھا جب اسکو یہ خبر معلوم ہوئی تو فوراً باب کی گرفتاری کا حکم دیا کسی قدر پولیس بھی خفیہ طور سے بھیج دی۔ پولیس نے باب کو گرفتار کر لیا۔ اور پا بجولاں اُسکے وطن اصلی شیراز میں لاکر اُسکے اصلی مکان میں محبوس کر دیا۔ پھر مجمع عام میں لاجواب کروا کے قتل کرنے کی غرض سے باب کے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ باب حاضر ہوا تو نظام الدولہ نے اُسکی شدید تعظیم و تکریم کی۔ اور یوں اُسکے گرفتار کئے جانے پر افسوس کیا۔ پھر یہ ظاہر کیا۔ کہ میری رائے کا دفعتہً یوں بدل جانا ایک خواب دیکھنے کی وجہ سے ہے۔ اور اخیر میں یہ بھی کہدیا۔ کہ اب میری آرزو یہ ہے کہ میرا جان و مال آپ پر فدا ہو اور یہ تمام فوج و توپخانہ وغیرہ جو میرے ماتحت ہے۔ آپکی تائید میں کام آئے۔ یہ تمام تقریر کچھ ایسی بے ساختگی سے کی گئی تھی کہ مکار باب نے بھی اسکو صحیح خیال کیا۔ اور نظام الدولہ کی بڑی تعریف و توصیف کی۔ اور اُس سے کہا کہ تم اس ایمان لانے کے صلے میں جب ساری دنیا میری مطیع و ماتحت ہو جائیگی۔ ترکی سلطنت کے حاکم مقرر کئے جاؤ گے اسکا جواب نظام الدولہ نے دیا افسوس آپنے میری نیت پہچاننے میں غلطی

کی مجھے اس دنیائے دوں کی کوئی خواہش و طمع نہیں ہے جس سے میں
ترکی سلطنت کا حاکم بنائے جانے سے خوش ہو سکوں۔ میری تو تمام آرزو یہ
ہے کہ آپکے روبرو آپکی امداد و حمایت کرتے شہید ہوؤں۔ اور جاودانی سلطنت
کا مالک بنوں۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں کیں جس سے باب بالکل
مطمئن ہوگیا۔ اب اس وقت نظام الدولہ نے کہا بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ
پہلے علماء پر حجت تمام کر دیجائے جس سے عوام کا مطیع ہونا آسان ہوگا
باب نے جو نظام الدولہ کی باتوں کو صحیح سمجھتا تھا۔ اس امر پر رضامندی
ظاہر کر دی۔ نظام الدولہ نے مجلس مناظرہ قائم کی جس قدر علمائے شیعہ
شیراز میں موجود تھے جمع ہوئے۔ باب نے بڑے ہی مستقل طور سے علما کو مخاطب
کرکے یوں تقریر شروع کی۔ کہ اے حضرت جب میرا قرآن اس قرآن سے
جو بالفعل آپ کے پاس ہے کئی حصہ بہتر ہے۔ اور وہ دین جسکو میں آپ
لوگوں کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اس دین سے جسپر آپ عمل کرتے ہیں کئی
درجہ اچھا ہے۔ تو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کیوں آپ لوگ میری مخالفت
کرتے ہیں۔ میں صرف آپ لوگوں کی بہتری کے لئے قبل اسکے کہ بزور شمشیر
آپکو ماننا ضروری ہو اس دین کو قبول کرنے کے لئے کہتا ہوں۔ اگر آپکو اپنی
جانوں پر رحم نہیں آتا۔ تو کیوں اپنے ساتھ اپنے کنبے اولاد و مال و متاع
سب کی تباہی کے درپے ہو۔ لله اونپر رحم کیجئے۔ خدا کے لئے سوچئے اور
اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالئے۔ باب یہیں تک تقریر کرنے پایا تھا۔ کہ
نظام الدولہ نے بات کاٹ کر کہا۔ مرحبا سبحان اللہ خوب آپنے تقریر فرمائی
میں اپنے دخل دینے کا معافی خواہ ہوں مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کرونگا
کہ قبل اسکے کہ آپ تقریر فرمائیں بہتر ہوگا۔ کہ چند سطریں اپنے قرآن کی لکھ
دیجئے۔ تاکہ یہ حضرات اُسکو دیکھ بھی لیں۔ اور پورے طور سے اتمام حجت ہو جائے
باب نے وہیں بیٹھکر چند سطریں تحریر کیں۔ اور اُنہیں پیش کیا۔ لوگوں نے

جب اُنکو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان میں اعراب تک درست نہیں۔ اس وقت نظام الدولہ نے کہا کہ جب تو دو سطریں صحیح نہیں لکھ سکتا۔ تو پھر یہ کیا ہرزہ سرائی کر رہا ہے۔ کیا انہی دو سطروں سے تیرا کلام خدا کے کلام سے بھی بڑھ گیا۔ اب میں ایسی حالت میں بجز اسکے کہ تیرے قتل کا حکم دوں اور کیا کرسکتا ہوں۔ مگر قبل اسکے کہ ایسا حکم دیا جائے مناسب ہے کہ تیری خوب تادیب کی جائے۔ حکم کی دیر تھی۔ کہ باب پر مار نے پڑنے لگی۔ اور ایسی سخت مار پڑی کہ اوسان خطا ہوئے۔ باب چلاّ کی سے پکارنے لگا۔ توبہ کردم توبہ کردم مگر نظام الدولہ نے اُسکا منہ کالا کرکے اور تمام شہر میں گشت کروانے کے بعد شیخ ابو تراب کی مسجد میں لیجاکر توبہ کروائی۔ اور بعد اسکے احتیاطاً باب کو قید بھی کر دیا۔ اصفہان کا گورنر معتمد الدولہ صوفیوں فقیروں وغیرہ کی صحبت کا زیادہ مائل رہا کرتا تھا اس نے باب کو درویش کامل سمجھ کر رہائی دلوا کر اپنے پاس بلایا۔ معتمد الدولہ نے بھی ایک مجلس مناظرہ قائم کی۔ مگر نہ اس مقصد کے لئے جو نظام الدولہ نے کی تھی۔ کہ باب کو لاجواب کرے بلکہ اسکے برعکس اسلئے کہ باب دوسروں کو لاجواب کرے۔ مجلس مناظرہ مرتب ہوئی اور اس میں اہل شیعہ کی طرف سے مرزا سید محمد اور آغا محمد مہدی اور میرزا محمد حسن مباحثہ کے لئے مقرر ہوئے مجلس جمع ہوئی چونکہ پہلے تجربہ ہو چکا تھا۔ لہذا باب نے یہاں پہلے تقریر کرنا نامناسب خیال کیا۔ اور اجازت دی کہ فریق مخالف تقریر کرے تو سب سے پہلے آغا محمد مہدی نے باب سے سوال کیا

آغا مہدی - جتنے لوگ یہاں اس وقت موجود ہیں یا تو مجتہد ہیں۔ جو خود مسائل کو احادیث سے استخراج و استنباط کرتے ہیں۔ یا وہ لوگ ہیں جنہیں اتنی لیاقت نہیں ہے جس سے وہ احکام و مسائل کا استخراج کرسکیں یہ لوگ کسی مجتہد کی تقلید کرتے ہیں آپ ان دونوں میں سے کس میں شامل ہیں

باب - میں کسی کی تقلید نہیں کرتا۔ اور نہ قیاس سے کام لیتا ہوں۔

چاہیے کہ مجتہد کرتے ہیں۔ بلکہ ایسا کرنا میرے نزدیک حرام وناجائز ہے۔

آغا مہدی۔ آپ کہتے ہیں۔ کہ میں کسی کی تقلید نہیں کرتا جس سے معلوم ہوا کہ آپ مجتہد ہیں۔ لیکن آپکو مجتہد ہونے سے انکار ہے۔ تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ جن مسائل پر آپکا عمل ہے۔ اور جنکا آپ حکم دیتے ہیں وہ قیاسی نہیں بلکہ یقینی ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے نزدیک باب علم مسدود ہے۔ اور خدا کی حجت غائب ہے۔ لہذا جب تک امام آخر الزمان کا ظہور نہ ہو جائے۔ اور اُن سے ملاقات نہ کرنے اور خود انکی زبان سے مسائل فقہ کو نہ سن لے۔ کوئی شخص اس امر کا دعوے نہیں کر سکتا۔ کہ اسکے مستخرجہ مسائل یقینی ہیں۔ پس آپکو اسکے یقینی ہونے کا ثبوت دینا ضروری ہے

باب۔ تو بیچارہ جو ابھی متعلم ہے۔ مجھ سے شخص کے ساتھ جسکا مقام قلبی ہے۔ کس طور سے مباحثہ کر سکتا ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن میں تیری عقل کچھ بھی کارگر نہیں ہو سکتی۔ پس بجائے اسکے کہ فضول بکواس کرے جا اپنی جائے پر خاموش بیٹھا رہ —

مرزا محمد حسن۔ شاید آپکو بھی اس امر سے انکار نہ ہوگا کہ جو شخص اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تمام چیزیں اس کے روبرو ہو جاتی ہیں۔ اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہتی جو بات پوچھیے اُسکا جواب ملتا ہے

باب (نہایت ہی جرات کے ساتھ) بیشک آپکی رائے ٹھیک ہے جو آپ چاہتے ہوں پوچھیے اسکا جواب دونگا۔

محمد حسن حضرت جواد علیہ السلام کی نسبت یہ منقول ہے کہ ایک ہی قدم میں مدینے سے طوس پہنچ گئے تھے۔ عقلاً یہ محال و ناممکن معلوم ہوتا ہے آپکے نزدیک یہ واقعہ کس طور پر ہوا۔ اور یہ بیان کیجیے کہ حضرت علی کی نسبت جو یہ کہا گیا ہے۔ کہ وہ ایک ہی رات ایک ہی وقت میں چالیس آدمیوں کے مہمان ہوئے تھے صحیح ہے۔ تو اس کو دلائل عقلی سے ثابت

کیجئے۔ ایسے ہی چند امور کی نسبت جو عقلاً محال ہیں سوال ہوا۔ اور کہا گیا کہ ان کو عقلی طور سے ثابت کیجئے۔

باب۔ یہ باتیں نہایت دقیق ہیں۔ آپ اگر مناسب سمجھیں۔ تو میں انکو مفصلاً لکھہ دیتا ہوں۔

محمد حسن آپ کی مرضی لکھہ دیجئے

اتنے میں کھانا تیار ہوا۔ اور سب لوگ کھانا کھانے لگے۔ اس عرصے میں باب نے چند سطریں لکھیں۔ اور جس وقت کھانا کھا کر لوگ جانے لگے۔ تو اس وقت مرزا محمد حسن کو باب نے اپنی تحریر دی۔ مرزا محمد حسن نے دیکھکر کہا کہ یہ تو ایک خطبہ ہے۔ جس میں کسی قدر حمد ہے اور نعت اور باقی مناجات ہے۔ لیکن تم سے جن امور کی نسبت سوال کیا تھا۔ ان میں سے ایک کا جواب بھی نہیں۔ بہت سے لوگ تو پہلے جا چکے تھے۔ اور جو رہ گئے تھے وہ بھی چلتے پھرتے نظر آئے۔ اور مباحثہ یوں ہی ناتمام رہ گیا۔ اس مباحثے سے باب کی وقعت جو معتمد الدولہ کے دل میں تھی ذرا بھی کم نہ ہوئی۔ بلکہ اور زیادہ ہوگئی۔ مشکل یہ آپڑی۔ کہ باب کی علانیہ تائید کرنے میں مجتہدین کو جنہیں ایران میں بہت بڑی قوت حاصل ہے بدگمانی پیدا ہوتی۔ جس سے خود معتمد الدولہ کو اپنی جان بچانی مشکل ہوجاتی۔ آخر کار مناسب سمجھا گیا۔ کہ باب مخفی رکھا جائے۔ اور لوگوں سے اس امر کا اظہار کردیا۔ کہ وہ خارج البلد کردیا گیا۔ چند مہینے تک اسی طور سے باب اصفہان میں رہا۔ اور اپنے مریدوں کو اطراف و جوانب میں دعوت کے لئے بھیجتا رہا۔ اور یوں پوشیدہ ہی پوشیدہ ملک میں باب کا اثر پھیل رہا تھا۔ اتفاق سے چند ہی روز کے بعد معتمد الدولہ مرگیا۔ اور اس سے باب کا ایک بڑا حامی دنیا سے جاتا رہا۔ معتمد الدولہ کے مرنے کے بعد سب لوگوں کو معلوم ہوگیا۔ کہ باب خارج البلد نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ یہاں موجود ہے۔ تو اس وقت لوگوں نے دربار ایران میں عرضی

بھیجی کہ باب یہاں موجود ہے۔ اب اسکی نسبت جو حکم ہو۔ اسکی تعمیل کی جائے۔ اسپر حاجی مرزا آقاسی نے جو اس وقت وزیر اعظم تھا۔ یہ حکم بھیجدیا کہ اصفہان سے لیجا کر آذربائیجان کے قلعہ چہریق میں محبوس کر دیا جائے۔ ادہر تو باب قلعہ چہریق کی ہوا کھا رہے تھے۔ اُدہر اُنکے مریدوں نے فساد مچایا اور متواتر کامیابیاں حاصل کیں۔ اور ایک بہت بڑا گروہ اُسکے مریدوں کا پیدا ہو گیا۔ جسکی وجہ سے آخر سنہ ۱۲۶۳ھ میں یعنی باب کے ادعائے مہدیت سے تین سال بعد محمد شاہ والی ایران نے اپنے ولیعہد ناصر الدین کو جو اس وقت آذربائیجان کے وائسرائے تھے۔ اس امر کا حکم بھیجدیا کہ باب قلعہ چہریق سے بلوایا جائے۔ اور اُس سے پھر مباحثہ ہو۔ حاجی مرزا آقاسی نے بھی ایک چٹھی ناصر الدین کو لکھی۔ جس میں شاہ ایران کے حکم کی تعمیل کرنے پر بڑا زور دیا گیا تھا۔ جب انکو فرمان پہنچا۔ اور اُس کے ساتھ وزیر اعظم کی چٹھی بھی۔ تو انہوں نے فوراً باب کے تبریز میں حاضر ہونیکا حکم دیا۔ جب باب تبریز میں آیا۔ تو اس سے اتنی رعایت کیگئی۔ کہ بجائے جیل خانہ کے کاظم خان داروغہ فرش کے مکان میں اُتارا گیا۔ دوسرے روز ملا محمود جو تبریز کا مجتہد اعظم تھا۔ اور جسکا خطاب نظام العلما تھا۔ اور ملا محمد محقانی اور نیز بہت سے مجتہد جمع ہوئے۔ اور باب بھی بلایا گیا۔ اور مباحثہ شروع ہوا۔ یہ باب کا اخیر مناظرہ تھا

نظام العلما (باب سے مخاطب ہو کر) قرآن شریف اور صحیفہ سجادیہ کے نام سے جو کتابیں آپکی طرف سے شائع کیگئی ہیں۔ کیا وہ فی الواقع آپکی لکھی ہوئی ہیں۔

باب۔ یہ کلمات خاص خدا کے ہیں۔

نظام العلما۔ اس مجلس میں یوں معمے کے طور پر گفتگو کرنی ذرا بھی مفید نہیں جو کچھ کہئے صاف صاف کہئے۔

باب (نظام العلما کی گفتگو سے غصے میں آکر) ہاں ہاں یہ میری لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔

نظام العلما۔ آپنے اپنا نام انہیں شجرے کے طور پر لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ آپکی زبان سے نکلتا ہے۔ وہ خدا کا قول ہوتا ہے

باب۔ رحمک اللہ بیشک آپکی رائے درست ہے

نظام العلما۔ آپکے مریدوں نے جو آپکو باب کا لقب دیا ہے۔ کیا اپنے اسپر اپنی رضامندی ظاہر کی ہے۔

باب۔ مجھے میرے مریدوں نے یہ لقب نہیں دیا بلکہ خاص خدا نے یہ لقب مجھکو عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ میں آج کے دن باب علم ہوں۔

نظام العلما۔ حضرت امیر جو باب علم تھے۔ انہوں نے اجازت دیدی تھی کہ جس کسی کو جو کوئی بات کسی علم میں پوچھنی ہو۔ وہ مجھ سے پوچھے میں دریغ نہ کرونگا۔ چونکہ آپ بھی باب علم ہونے کے مدعی ہیں۔ لہذا میں اپنے شکوک و شبہات آپ پر پیش کرتا ہوں تاکہ آپ اسکو حل کریں۔ سب سے پہلے علم طب کے متعلق سوال کرتا ہوں۔

باب۔ میں نے طب نہیں پڑھی

نظام العلما۔ اچھا خیر علم دین سہی۔ لیکن چونکہ علم دین بغیر قرآن و حدیث سمجھنے کے نہیں آتا۔ اور قرآن و حدیث کا سمجھنا صرف۔ نحو۔ منطق وغیرہ پر موقوف ہے۔ لہذا میں سب سے پہلے صرف کے متعلق سوال کرتا ہوں۔

باب۔ میں نے علم صرف بچپن میں سیکھا تھا۔ جو اس وقت میرے پاس حاضر نہیں۔

نظام العلما۔ خیر ذرا اس آیت کی تفسیر کر دیجئے هو الذی یریکم البرق خوفا و طمعًا اور نیز اسکی ترکیب نحوی بیان کیجئے۔ دوسرے سورۂ کوثر کا شان نزول بیان ہو۔ اور یہ بھی کہئے۔ کہ اس سورت سے پیغمبر کی کیا تسلی ہوئی۔ جس کا

سورت میں ذکر ہے۔

باب۔ (متفکر ہوکر) ذرا مہلت دیجئے

نظام العلماء۔ یہ تو قرآن کے متعلق ہوا۔ اب حدیث کو لیجئے اس حدیث کے معنی بیان ہو۔ جو مامون اور حضرت امام ثامن رضا علیہ السلام کے درمیان گذری تھی قال مامون ما الدلیل علی خلافۃ جدک علی ابن ابی طالب قال آیۃ انفسنا قال لولا نسائنا قال لولا ابنائنا فسکت مامون۔

باب۔ یہ حدیث نہیں ہے

نظام العلماء۔ بو فرضنا اگر حدیث نہیں۔ تو آخر ایک عرب کا مقولہ تو ہے پس اسکا مطلب فارسی میں بیان کیجئے۔

باب نے اس کے لئے بھی مہلت مانگی

نظام العلماء۔ اب فقہ کو لیجئے علامہ حلی کے اس قول کا مطلب کیا ہے اذا دخل الرجل علی الخنثی والخنثی علی الانثی وجب الغسل علی الخنثی دون الذکر والانثی

نظام العلماء۔ اب بلاغت کے متعلق صرف اس قدر کہدیجئے۔ کہ فصاحت و بلاغت کی کس کیا تعریفیں ہیں۔ اور ان میں نسبت اربعہ میں سے باہمی کیا نسبت ہے منطق کے متعلق بھی کہدینا۔ کہ شکل اول کیوں بدیہی الانتاج ہے۔ آپ کی فضیلت کے لئے کافی ہے

باب نے ایک کا بھی جواب نہ دیا۔ اور سب کے واسطے مہلت مانگی

نظام العلماء اب ایک اور بات باقی ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص باب علم ہونیکا مدعی ہو۔ اسکے پاس ضرور ہے کہ کوئی کرامت بھی ہو۔ کیا آپکے پاس بھی کوئی کرامت ہے۔

باب (بڑے دلیرانہ انداز سے) کہئے کون کرامت آپ دیکھنا چاہتے ہیں

نظام العلماء۔ اعلےٰ حضرت محمد شاہ کے پیر میں درد ہے اسکو دور کر دیجئے۔

باب۔ یہ تو نہیں ہو سکتا۔

ناصر الدین ولی عہد نظام العلما بڈھا ہوگیا ہے جسکی وجہ سے وہ ہر وقت ہمارے پاس حاضر نہیں ہوسکتا اسکے بڑھاپے کو زائل کر دیجئے۔

نظام العلما ولی عہد سے، یہ شخص جملہ علوم سے عاری ہے کسی چیز سے اسکو مطلق مس نہیں۔

باب (غصے میں آکر) میں وہ ہوں جس کا ہزار سال سے انتظار کیا جارہا تھا۔

نظام العلما۔ آیا آپ صاحب الامر ہیں

باب۔ بیشک۔

نظام العلما۔ صاحب الامر شخصی یا نوعی

باب۔ صاحب الامر شخصی

نظام العلما۔ تیرا اور تیرے باپ کا نام کیا ہے۔ اور تیرا مولد کون شہر ہے اور تیری عمر کیا ہے۔

باب۔ میرا نام علی محمد ہے۔ اور میرے باپ کا نام میرزا رضا ہے۔ اور میری جائے پیدائش شیراز ہے اور میری عمر ۳۵ سال کی ہے

نظام العلما۔ صاحب الامر کا نام محمد اور ان کے والد کا حسن اور انکی جائے پیدائش سرمن رائے اور انکی عمر ہزار سال ہے۔ تو صاحب الامر نہیں ہوسکتا

باب۔ میں اپنی ایک کرامت تم سے کہتا ہوں۔ کیا تم لوگ میری بات کا یقین کروگے۔

سب لوگ کہنے لگے کہئے

باب۔ میری کرامت یہ ہے۔ کہ میں ایک ہی دن میں ایک ہزار بیت لکھتا ہوں۔

سب لوگ اگر یہ بات سچ ہو تو بھی یہ تیری کرامت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ زود نویس کاتب اس سے بھی زیادہ لکھتا ہے۔

ملا محمد ممقانی تو نے اپنے قرآن میں لکھا ہے۔ اول من آمن ربی نور محمد و علی ؑ اس سے تیرا کیا یہ مطلب ہے۔ کہ میں ان دونوں سے بہتر ہوں

باب۔ سوچنے لگا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔

ایک مجتہد۔ خدا نے آیۂ خمس میں قرآن میں فرمایا ہے فان للہ خمسہٗ۔ تم نے اپنے قرآن میں بجائے خمس کے ثلث لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت بالا منسوخ ہو گئی۔ اگر یہی بات ہے۔ تو اسکی منسوخی کا ثبوت آپکے ذمے ہے

باب۔ ثلث اس وجہ سے کہ وہ خمس کا نصف ہے۔

(سب لوگ ہنسنے لگے)

ملا محمد ممقانی۔ فرض کیا کہ ثلث کا خمس نصف ہے لیکن اس ہی سوال کا جواب نہیں نکلتا۔ وجہ بتلائیے۔ کہ کیوں ثلث دینا چاہیئے۔ جبکہ خدا نے خمس فرمایا۔

(وہی خاموشی۔ جواب ندارد)

باب (تھوڑی دیر کے بعد) میری دوسری کرامت یہ ہے کہ میں فی البدیہ خطبہ پڑھتا ہوں۔ اور پڑھنے لگا الحمد للہ الذی دفع السمواتَ والارضِ

(ت کو فتح اور ض کو کسرہ)

(سب لوگ ہنسنے لگے)

شاہزادۂ ناصر الدین نے فرمایا کہ بایں حالت دعوے صاحب الامری چونکہ تو ایک دیوانہ سا معلوم ہوتا ہے۔ لہذا میں تیرے قتل کا حکم نہیں دے سکتا ہاں صرف تنبیہ و تادیب کا حکم دیتا ہوں۔ تا کہ لوگوں کو ثابت ہو جائے کہ تو صاحب الامر نہیں ہے۔ حکم کی دیر تھی۔ کہ مار پڑنے لگی جیسے نظام الدولہ کے پاس یہ شخص مار پڑنے کے وقت توبہ کردم پکارنے لگا تھا۔ ایسا ہی یہاں بھی توبہ کردم کے نعرے مارنے لگا۔ غرض اس دفعہ کچھ مفید نہیں ہوا۔ جب اچھی طرح مار پڑ چکی۔ تو پھر قلعہ چہریق میں قید کر دیا۔ قرۃ العین۔ حاجی محمد علی زنجانی

ملا حسین بشرویہ معروف بہ سید علی اعظم سید یحییٰ بن سید جعفر
دارابی الملقب بہ کشاف وغیرہ اُسکے بڑے بڑے داعی تھے جنہوں
نے سلطنت ایران میں ہل چل ڈالدی کیونکہ یہ لوگ علاوہ تعلیم یافتہ ہونیکے
امور حرب سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ اس وجہ سے اعیان وارکان سلطنت
کی یہ رائے قرار پائی کہ باب کو قتل کر دینا چاہئے۔ جب تک یہ زندہ ہے
آئے دن فتنہ و فساد پیدا ہوتے رہینگے۔ اور علما نے بھی اُسکے واجب القتل
ہونے کا فتویٰ دیدیا۔ اسلئے باب پھر قید خانے سے تبریز میں لایا گیا۔ ایک
شب حشمتہ الدولہ نے اُس سے کہا کہ تمہارا یہ دعوے ہے کہ مجھ پر وحی اُترتی
ہے۔ اور میرا قرآن اس قرآن سے فصیح ہے۔ اگر اس دعوے میں سچے ہو۔
تو اس چراغ دان بلوری کے حق میں دعا کرو۔ تاکہ کوئی آیت نازل ہو۔
باب نے فوراً آیت نور کا کچھ ٹکڑا کچھ آیت ملک سے ملا کر مہمل کیا۔ اور
پڑھ دیا۔ حشمتہ الدولہ نے وہ کلمات لکھا لئے۔ پھر باب سے کہا۔ یہ آیت
وحی آسمانی ہے۔ اُس نے کہا جی ہاں حشمتہ الدولہ نے کہا کہ وحی کبھی دل
سے فراموش نہیں ہوتی۔ اگر واقع میں یہ وحی ہے۔ تو دوبارہ پڑھو جب
باب نے دوبارہ پڑھا۔ تو وہ دوسرے طور پر تھا۔ آخر کار اُسکے قتل کا حکم صادر
ہوا۔ مگر مجمع عوام سے پوشیدہ اس واسطے قتل کرانا مناسب نہ سمجھا گیا
کہ عوام دھوکے میں پڑجائینگے۔ اور یہ سمجھیں گے کہ اس نے غیبت اختیار
کر لی ہے۔ پس تبریز میں پیر کے دن ۲۷ شعبان ۱۲۶۵ھ کو ملا محمد علی
زنجانی کے ساتھ حمزہ مرزا کے حکم سے نشان سے باندھا گیا۔ اور اُن فوجی
آدمیوں کو جو عیسوی مذہب تھے حکم دیا کہ باڑھ ماریں۔ یہ لوگ اسکے مریدوں
کے قصوں اور فسادوں سے خوب واقف تھے گولیاں یا ہوائی چلانے
لگے۔ مگر ملا محمد علی کے زخم کاری آیا۔ اور اس نے مرتے وقت باب سے کہا کہ
آپ اب مجھ سے راضی ہوئے۔ اور جان دیدی۔ باب سپاہیوں سے بچکر

کہنے لگا۔ کہ تم میری کرامت دیکھتے ہو۔ کہ گولیوں کی اتنی بوچھار ہے۔ مگر
پھر بھی میرے کوئی گولی نہیں لگتی اور خطا جاتی ہیں۔ بلکہ ایک گولی باب
کی رسی میں لگی۔ تو کٹ گئی۔ اور کھل کر بھاگا۔ اور ایک سپاہی کی کوٹھری
میں جا چھپا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اے لوگو یہ میری کتنی بڑی کرامت ہے۔ کہ
ایک گولی نہیں لگی۔ بلکہ میں رہا ہو گیا۔ پھر تو یہ حال ہوا۔ کہ کوئی اسکی طرف
گولی نہیں چلاتا تھا۔ بلکہ صدہا عورت و مرد اسکے گرد اس میدان میں جمع
ہو کر چلاتے اور غل مچاتے تھے۔ مگر حکام کی تاکید سے سپاہیوں نے پھر اسے
پکڑ لیا۔ اور کئی گھونسے مارے۔ اور گولی مار دی۔ اور لاش اسکی گلی کوچوں
میں پھرا کے شہر کے باہر ڈلوا دی[1]۔ باب کے قتل کے بعد شیخ علی نامی ایک
بابی نے امیر سلیمان کو اپنا ہم مذہب بنا کر اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ ناصر الدین
شاہ والی ایران کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اس نے دس بارہ آدمی اپنے ہم مشرب
ساتھ لیکر ہنگام سواری میں شاہ پر حملہ کیا۔ اگرچہ زخم سخت لگا۔ مگر جان سے
بچ گئے۔ تحقیقات کے بعد سلیمان اور شیخ علی اور وہ ہمراہی مروا دیئے گئے
اور جس قدر بابی ہاتھ لگے۔ وہ ایران سے نکلوا دیئے گئے۔ قرۃ العین بھی
ماری گئی۔ مرزا یحییٰ خلیفہ باب الدجس کا لقب باب نے صبح ازل
مقرر کیا تھا۔ اور مرزا حسین جسکا خطاب بہاء الحق ہے بھاگ کر بغداد
میں چلے گئے۔ اور یہاں بابیوں کی جماعت دن بدن بڑھنے لگی ۱۸۶۳ء میں
فارس کی گورنمنٹ نے ترکی گورنمنٹ سے استدعا کی۔ کہ بابیوں کے سرگروہ
لیڈروں کو بغداد سے کسی دوسری جگہ میں منتقل کر دے۔ کیونکہ بغداد فارس
کے نزدیک ہونے کی وجہ سے اہل فارس کے لئے بابیوں کی طرف سے تکلیف
کا باعث ہے۔ ترکی گورنمنٹ نے صبح ازل اور بہاء الحق کو بغداد سے قسطنطنیہ
میں تبدیل کر دیا۔ یہاں انہوں نے بہت سے آدمی اپنے طریقے میں ملائے
سفیر ایران نے سلطان عبد العزیز سے سارا ماجرا بیان کیا۔ سلطان نے

[1] دیکھو ناسخ التواریخ ۱۲

انکو قسطنطنیہ سے ایڈریانوپل بھجوا دیا۔ ایڈریانوپل میں ایک عجیب معرکہ ہوا صبح ازل نے جو باب کے بعد اپنے آپکو اسکا جائز جانشین ظاہر کرتا تھا اعلان کر دیا کہ جس باب کے آنے کی مرزا علی محمدؒ نے پیشگوئی کی تھی۔ وہ میں ہی ہوں۔ اس طرح بابیوں میں دو گروہ ہو گئے۔ بعض نے صبح ازل کو اپنا لیڈر تسلیم کیا۔ اور بعض نے بہاء الحق کو۔ بہاء الحق کے معتقدین کی تعداد ۹۶ فیصدی تھی۔ اور صبح ازل کے معتقدین کی تعداد مشکل سے ۳ یا ۴ فی صدی تھی۔ اس وقت سے بہاء الحق کے معتقدین اپنے آپکو بہائی اور صبح ازل کے معتقد اپنے آپکو ازلی کہنے لگے۔ دونوں فریقوں میں سخت نزاع پیدا ہوئی۔ یہانتک کہ ترکی گورنمنٹ دخل دینے کے لئے مجبور ہو گئی۔ اور اس نے ان دونوں لیڈروں کو علٰحدہ کر دیا۔ صبح ازل کو تو جزیرہ قبرس میں اور بہاء الحق کو شہر عکہ میں بھیج دیا۔ چونکہ بابی لوگوں کی ایک کثیر تعداد بہاء الحق کی معتقد تھی۔ اسلئے بابیوں کو بہائی یا بہاء الحق کا معتقد بھی کہا جاتا ہے اسی بنا پر سید علامہ خیر الدین نعمان آلوسی زادہ مفتی حنفیہ بغداد نے کتاب جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین میں بیان کیا ہے وکذا الفرقۃ المعروفۃ بالبابیۃ وھم اتباع محمد حسین ولتعبہ الذین ادعیا انھما الباب ؎

یعنی فرقہ بابیہ محمد حسینؒ اور اسکے بھائی کا متبع ہے۔ جنہوں نے دعوے کیا ہے۔ کہ ہم باب ہیں۔ بعض تحریروں میں صبح ازل کا نام مرزا یحیٰی اور اسکے بھائی کا خطاب بہاء اللہ بتایا گیا ہے۔

فرقہ بابیہ کے بعض عقائد

بہشت و دوزخ کے بارے میں بابیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ بہشت اور دوزخ انسان کے محض اندرونی حالات کا نام ہے۔ اور وہ کسی خاص جگہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ ایک انسان جیتے جی بہشت میں رہ سکتا ہے اگرچہ وہ خاک کا باشندہ ہو۔ بشرطیکہ وہ ان باتوں پر یقین کرتا ہے جو کہ باب نے

ظاہر کی ہیں۔ اور وہ سرورِ الٰہی کو اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ تو وہ بہشت
میں رہتا ہے۔ خواہ وہ ایک گھسیارہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر وہ غلط اعتقادات
میں پھنسا ہوا ہے۔ اور دنیا کے پیچھے بھاگ کر دکھی ہوتا ہے۔ تو وہ دوزخ
میں رہتا ہے۔ خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ الغرض بابیوں کے نزدیک
بہشت اور دوزخ انسانی اندرونی حالات سے تعلق رکھتی ہیں جگہ سے تعلق
نہیں رکھتیں۔ حشر و نشر کے بارے میں بابیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ قیامت
ہر ایک انسان کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر وہ گناہ آلودہ زندگی
بسر کرتا ہے۔ تو وہ مردہ ہے۔ لیکن جوں ہی اسکو خدا کے برگزیدہ انسانوں
کے تعلق میں آنیکا موقع ملتا ہے۔ اور وہ نئی زندگی پاتا ہے۔ اس سے حشر ہوتا
ہے۔ گناہ کی زندگی کو چھوڑ کر نیکی کی زندگی حاصل کر کے نئی زندگی پانا
ہی حشر و نشر ہے۔ اسکے سوا قیامت کچھ بھی نہیں ہے۔ اور یوم الحساب
کے بارے میں انکا اعتقاد ہے۔ کہ ہر ایک انسان کے اپنے اعمال ہی اسکے
فرشتے ہیں۔ جو کہ اسکو نیکی یا بدی کی طرف لیجاتے ہیں۔ خدا کہیں غائب
نہیں ہے۔ بلکہ جب ہی ہم خدا کو اپنے اندر دیکھتے ہیں۔ تب ہی ہمارے
لئے خدا کی ملاقات کا دن ہوتا ہے۔ یہ روز قیامت سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ
ہماری زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ انسان کی روحانی حالت کا نام ہے
دیگر مذاہب کے اوتاروں کے بارے میں بابیوں کا اعتقاد یہ ہے۔ کہ وہ سب
کے سب کم و بیش خدا کی قدرت کو دنیا پر ظاہر کرتے ہوئے آئے تھے۔ اور وہ
مذہب خدا کی ایک ہی ہستی کا نشان بتلاتے تھے۔ بابی لوگ روح کی بدایت
کے قائل نہیں۔ وہ مرنے کے بعد روح کی زندگی کے قائل ہیں۔ مگر وہ اس
باب کے قائل نہیں۔ کہ موت کے بعد روح اسی مردہ جسم کے ساتھ زندہ ہوگی
نواب صدیق حسن خاں مرحوم حظیرۃ القدس میں لکھتے ہیں کہ ۱۲۹۳ھ
میں بہار الحق کا ایک مرید ہندوستان کو آیا۔ اور علاء الدین احمد خاں رئیس

لوہاروں کو اپنا معتقد کر لیا۔ اور طریقہ بابیہ کے بیان میں ایک رسالہ لکھکر ذکر الاسرار فی معارج الاسفار لمن یرید ان یتعارج الی اللہ المقتدر الجبار نام رکھا۔ اور اپنا نام اُس رسالے میں جمال الدین ہروی الاصل قسطنطینی المسکن ظاہر کیا۔ اور رسالہ بہائیہ کے ساتھ اُس رسالے کو ملقب کیا۔ کیونکہ وہ بہاء الحق کا مرید تھا مضامین اُس رسالے کے وحدت الوجود وغیرہ کے قبیل سے ہیں۔ اس شخص کو ہم نے بھی دیکھا ہے رام پور میں آیا تھا۔ اور یہاں کئی آزاد منش جنٹلمین اور ایک دو پرانی فیشن کے امیر بھی اسکے معتقد ہو گئے تھے۔ امیرانہ ٹھاٹھ کے ساتھ رہتا تھا بعضوں کا خیال یہ تھا۔ کہ یہ شخص انگریزوں کا مخبر ہے۔ تاریخ گلزار شاہی اور کشکول محمد علی شیرازی میں فرقہ بابیہ کا حال مجمل اور ناسخ التواریخ میں مفصل مرقوم ہے۔ یکم مئی ۱۸۹۶ء کو ناصر الدین شاہ قاچار والی ایران محمد رضا بابی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور انکے فرزند صلبی شاہ مظفر الدین تخت نشین ایران ہوئے۔

فرقہ ہشتم نیچری

نیچر ایک انگریزی لفظ ہے۔ اور وہ ٹھیک ٹھیک مرادف ہے لفظ فطرۃ اللہ اور قانون قدرت کے۔ نیچری وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ جو سید احمد خاں کی تصانیف کے پیرو اور انکی ایجادی پالیسیوں پر قدم بقدم چلنے والے ہیں۔ اور پرانی وضع کے حاسد نئی تہذیب کے قائل جنٹلمین بننے کے شائق۔ یوروپ میں سائنس اور مذہب میں جو رزم آرائیاں ہوئیں وہ اس وقت نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہیں۔ جب وہاں علم طبقات الارض نے یہ بات ثابت کی۔ کہ یہ دنیا لاکھوں برس سے قائم ہے۔ اور انسان بھی بجائے پانچ چھ ہزار برس کے ہزاروں صدی سے دنیا میں آباد ہے

تو مذہب والوں کو مخالفت کرنے کی بڑی گنجائش ملی۔ علی ہذا القیاس جس وقت ڈارون اور والس نے یہ ثابت کیا کہ جو جاندار چیزیں ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔ وہ خود بخود ایک دوسرے کی تبدیلی سے پیدا ہوتی ہیں یہانتک کہ انسان بھی ایک حیوانی موجد سے پیدا ہوا ہے۔ تو مذہب والوں کے پیر تلے کی مٹی نکل گئی۔ لیکن چونکہ ان مباحثوں میں عقل و ضمیر نے سائنس کی تائید کی۔ لہذا مذہبی آخر کار سائنس والوں سے دوستی پیدا کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس وقت فرقہ سائنس زبردست ہو چکا تھا۔ وہ مذہب کی دستگیری کا خواہاں نہ تھا۔ بلکہ مذہب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اسلئے یورپ میں دو فرقے ہوگئے۔ ایک کا نام مذہبی اور دوسرے کا نام نیچری ہوا۔ یہی حال ہندوستان کے مسلمانوں کا ہوگیا ہے کہ جو مذہبی باتوں کو تاویلات کے ذریعہ سے سائنس کا ہم آہنگ بناتے ہیں۔ وہ نیچری کہلاتے ہیں۔

سید احمد خاں ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے انکے دادا سید ہادی ہرات سے ہندوستان میں آئے تھے۔ ان کے جد عالمگیر ثانی کے عہد میں پانسو سوار اور ایک ہزار پیدل پر افسر تھے اور سید احمد خاں کے پرنانا دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین خاں مصلح جنگ دہلی میں عہدۂ وزارت پر ممتاز تھے۔ سید احمد خاں کے باپ محمد تقی خاں بہادر شاہ کے وقت میں دہلی کے وزیر ہوئے۔ مگر اس وقت دہلی کا آفتاب اقبال غروب ہونے کو تھا۔ سید احمد خاں ابتدا میں مولوی مخصوص اللہ صاحب نبیرۂ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوکر کسی قدر صرف و نحو سے آشنا ہوئے۔ اور تعویذ گنڈے بھی سیکھے لیکن جب نسخہ نہ چلا۔ تو گورنمنٹ برٹش کی طرف رجوع کیا۔ بیس سال کی عمر میں انگریزی ملازمت حاصل کی۔ پہلی مرتبہ عدالت صدر امین کے

سر رشتہ دار ہوئے۔ تین سال کے اندر نائب سر رشتہ دار کمشنری مقرر ہو کر
آگرے بھیجدیئے گئے۔ اور سال بھر سے کچھ زیادہ زمانہ گذرا تھا کہ فتح پور
سیکری کے صدر الصدور ہوئے۔ پانچ برس کے بعد اسی عہدے پر دہلی
بھیجدیئے گئے۔ اور اس عرصے میں سید صاحب کے وہابی متبع مولوی
اسماعیل صاحب مرحوم ہوگئے۔ ۱۸۴۷ء میں ایک کتاب جسکا نام آثار الصنادید
ہے لکھکر شہر دہلی کے اہل علم وفضل میں شہرت اور عزت حاصل کی بلکہ
یہ کتاب عام طور پر ایسی مقبول ہوئی۔ کہ فرنچ زبان میں بھی ترجمہ ہوگیا
اور اسی کتاب کے صلے میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی انگلستان کے فیلو
بنائے گئے۔ ۱۸۵۰ء میں رہتک بھیجے گئے۔ اور پانچ برس کے بعد بجنور آئے
۱۸۵۷ء میں غدر ہوگیا۔ اور سید صاحب اپنی خیر خواہی اور حکام رسی کے
ذریعے سے بڑی ترقی کر گئے۔ اور اس خیر خواہی میں دو سو روپیہ ماہوار کی
خاص پنشن انکے اور ان کے فرزند کلاں کے لئے تاحین حیات منظور ہوئی
۱۸۵۸ء میں سید صاحب نے حالات غدر کا ایک رسالہ شائع کیا۔ بعد
اسکے ۱۸۵۹ء میں ایک کتاب لکھی۔ جسکا نام ہندوستان کے وفادار
مسلمان رکھا۔ مقصود سید صاحب کا انکی تحریر سے مسلمانوں کی طرف سے
انگریزوں کے خیالات کی کدورت کا نکالنا تھا۔ اب سید صاحب کا کام زیادہ
ترقی کرنے لگا۔ اور خوش بیانی اور عالی دماغی کی وجہ سے انگریزوں میں
بڑے فاضل خیال سفیر مانے گئے۔ اور انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے
گورنمنٹ کو اطمینان دلانے اور اپنی ترقی اور خیر خواہی کے لئے ایک کتاب
تبئین الکلام بائبل کی تفسیر میں لکھکر عیسائیوں اور مسلمانوں کو باہم ملانا
اور ایک بنانا چاہا۔ لیکن اس امر محال کے وقوع میں سید صاحب ناکام
رہے۔ ۱۸۶۹ء میں سید صاحب مع سید محمود و سید حامد کے ولایت انگلستان
گئے۔ اور جب تک ولایت میں رہے۔ علاوہ فرلو کے ۲۵۵ پونڈ سالانہ ملتا

رہا۔ ۱۸۷۵ء کے آخر میں ہندوستان واپس گئے ۱۸۷۸ء میں کونسل وضعِ قانون کے ممبر مقرر ہوئے۔ اور ۱۸۸۱ء میں دوبارہ لارڈ رپن نے وہی خدمت انکے سپرد کی۔ ۱۸۸۲ء میں ایجوکیشنل کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے اور چندسال کے بعد سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب گورنمنٹ نے اور ایڈنبرا یونیورسٹی نے ایل ایل۔ ڈی کی ڈگری عطا کی۔ سید صاحب نے جو کلکتہ میں برہمو سماج مذہب کو ہونہار دیکھا۔ اور اُسکے اصول کو یوروپ کے فلاسفروں اور ایشیا کے معلموں کے مطابق خیال پاکر اُسکو ازحد پسند کیا۔ اور جو دل میں مراد تھی اُسکو بلا محنت و مشقت پایا۔ لیکن یہ بات نہ تنہا اُنکے مقصد بلکہ

لہ راجہ رام موہن رائے ایک بنگالی ہندو نے اہل اسلام اور پادریوں کی کتابوں سے واقف ہوکر ایک نیا مذہب اسلام سے اخذ کیا۔ اور یوروپ کے ملحدوں کے خیالات اور کچھ عیسائیوں کی عبادات کو ملاکر ایک نیا مذہب بنایا۔ اور برائے نام اُسکو قدیم مذہب ہنود کا عطر کہکے براہم دہرم نام رکھا۔ اس مذہب کے اصول میں آسمانی کتاب قرآن یا وید یا تورات کوئی نہیں۔ بلکہ آسمانی دو کتابیں ہیں۔ اول طبیعی خیالات دوم وہ اصلی صداقتیں جو اخلاق خدا اور بقا کی بابت ہیں۔ انبیا علیہم السلام سے نہ معجزہ ممکن ہے نہ کبھی سرزد ہوا ہے۔ اور نہ اُن سے خدا نے بطریق وحی یا الہام کلام کیا ہے۔ نہ اس قسم کے ثبوت کی کچھ ضرورت ہے۔ بلکہ عقل کافی ہے انبیا اپنے اپنے وقت میں بزرگ اور ناصح اور امورات دینی میں فائدہ بخش تھے۔ مگر وہ معصوم نہ تھے نہ اُنپر دینی ترقی کا خاتمہ ہوگیا۔ بلکہ ہر زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہونگے۔ اس میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ و محمدؐ و نانک و کبیر سب شریک ہیں یعنی نبوت کے جو معنی اہل اسلام و اہل کتاب کے ذہن میں ہیں۔ یہ اسکے منکر ہیں۔ اس مذہب میں ہندو مسلمان عیسائی مجوسی جو ان باتوں کے معتقد ہیں سب شریک ہیں۔ مرنے کے بعد صرف عمدہ کمالات کی خوشی کا نام جنت ہے۔ اور برے ملکات سے تاسف کرنیکا نام جہنم ہے۔ وسیلہ نجات عبادت ہے۔ اور عبادت کے چار رکن ہیں (۱) حمد الٰہی (۲) روح الٰہی کا اپنی روح میں مراقبہ کرنا (۳) خالق کا ہردم شکر گذار رہنا (۴) اور اسی سے دعا مانگنا۔ منقول از تفسیر حقانی ۱۲ منہ

اُنکی شان کے بھی خلاف تھی۔ کہ وہ کھلم کھلا اسلام کو ترک کر کے ایک
بنگالی بابو کے مرید اور امت کہلاتے۔ پس دل میں یہ سوچا کہ برائے نام
نام تو اسلام ہو۔ مگر اسکو برہمو سماج مذہب کے مطابق کیجئے۔ لفظ نبی اور
ملائکہ اور جبریل و جنت و دوزخ و وحی و الہام و شیطان بلکہ آسمان و جن
کو تو بحال خود رہنے دیجئے۔ اور ہر مسلمان سے کہئے۔ کہ میں ان چیزوں
پر ایمان رکھتا ہوں۔ تاکہ مسلمانوں کو مجال تکفیر نہو۔ اور ان الفاظ کے
معانی بالکل پلٹ دیجئے۔ بیان نبوت۔ سید صاحب کہتے ہیں۔ کہ نبوت
ایک فطری ملکہ تہذیب اخلاق کا ہوتا ہے۔ اور جس شخص میں جس فن کا
ملکہ بدرجہ کمال ہوتا ہے۔ وہ اس فن کا امام یا پیغمبر ہے۔ لوہار بھی اپنے
فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔ شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے
ایک طبیب بھی فن طب کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔ مگر جو شخص روحانی
امراض کا طبیب ہوتا ہے۔ اور جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت
کا ملکہ بمقتضائے اُسکی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے۔ وہ پیغمبر کہلاتا
ہے۔ خدا اور پیغمبر میں بجز اُس ملکہ نبوت کے جسکو ناموس اکبر کہتے ہیں اور
زبان شرع میں جبریل کہتے ہیں۔ اور کوئی مجسم ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں
ہوتا۔ خود اُسی کے دل سے فوارے کی مانند وحی اُٹھتی ہے۔ اور خود اُسی
پر نازل ہوتی ہے۔ وہ اپنا کلام نفسی ان ظاہری کانوں سے اس طرح
پر سنتا ہے۔ جیسے کوئی دوسرا شخص اُس سے کہہ رہا ہے۔ وہ اپنے آپکو
ظاہری آنکھوں سے اس طرح پر دیکھتا ہے۔ جیسے دوسرا شخص اُسکے
سامنے کھڑا ہوا ہے۔ ان واقعات کے بتلانے کو اگرچہ یہ قول یاد آتا ہے

ہیچ قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

مگر ہم بطور تمثیل کے گو وہ کیسی ہی کم رتبہ ہو۔ اس کا ثبوت دیتے ہیں۔
ہزاروں شخص ہیں۔ جنہوں نے مجنونوں کے حالات دیکھے ہونگے۔ وہ

بغیر بولنے والے کے اپنے کانوں سے آواز سنتے ہیں تنہا ہوتے ہیں۔ مگر
اپنی آنکھوں سے اپنے پاس کسی کو کھڑا ہوا باتیں کرتا ہوا دیکھتے ہیں
وہ سب اُنہی کے خیالات ہیں۔ جو سب طرف سے بے خبر ہو کر ایک طرف
مصروف اور اُس میں مستغرق ہیں۔ اور باتیں سنتے ہیں۔ اور باتیں
کرتے ہیں پس ایسے دل کو جو فطرت کی رو سے تمام چیزوں سے بے تعلق
اور روحانی تربیت پر مصروف اور اُس میں مستغرق ہو ایسے اور اک کا پیش
آنا کچھ بھی خلاف فطرت انسانی نہیں ہے۔ ہاں ان دونوں میں فرق
ہے۔ کہ پہلا مجنون ہے اور پچھلا پیغمبر۔ گو کافر پہلے کو بھی مجنون بتاتے
تھے۔ یہ مثال سید صاحب نے فلاسفہ کے اقوال سے استنباط کی ہے چنانچہ
شرح مواقف میں لکھا ہے مثال ما ذکروہ فی الخاصۃ الثالثۃ تخیل ما لا وجود لہ
فی الحقیقۃ کما للمرضی والمجانین یعنی اس تیسری شرط میں مآل قول فلاسفہ کا
معاملہ نبوت میں طرف تخیل ایسی چیزوں کے ہے جنکا حقیقت میں کچھ
وجود نہیں۔ جیسے کہ مریضوں اور مجنونوں کا حال ہوتا ہے۔ یہ تو سید صاحب
نے اپنی تفسیر میں کہا ہے۔ اور تہذیب الاخلاق میں ایک جگہ فرماتے ہیں
کہ خلقت انبیا کی دیگر انسانوں سے ایک نوع جداگانہ ہے۔ بشر صرف اُسکی
جنس ہے۔ اور صاحب الوحی ہونا اُسکی فصل ہے۔ اور یہ ایک ملکہ ہے
جو خلقت انبیا میں پیدا کیا ہے۔ پس جس طرح کہ حیوان اور انسان میں
ناطق فصل ہے اسی طرح انسان اور انبیا میں ذوالوحی ہونا فصل ہے
اور تفسیر میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ نبی اور امت کی مثال راعی اور غنم کی
سی ہے۔ گو نبی اور امت انسانیت میں شریک ہیں۔ مگر نبی اور امت میں فطرت
نبوت کی ایسی فصل ہے۔ جیسے کہ راعی اور غنم میں ناطقیت کی یہ مضمون
سید صاحب نے سعدی کے اس شعر سے اخذ کیا ہے

دریں راہ جز مرد راعی نرفت ۔۔۔ گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت

ورثہ علمائے اسلام نے انبیا اور عام انسانوں میں بجز اسکے کہ اُنکو ایک صفت نبوت کی مل گئی ہے۔ اور کچھ فرق نہیں سمجھا۔ اور اسی لئے اشاعرہ اور ماتریدیہ نے نبی اور امت کی مثال سلطان اور رعیت کی سمجھی ہے۔ پس مابہ الامتیاز نبی اور غیر نبی میں وہی صفت نبوت ہے۔ بیان معجزہ معجزہ اثبات نبوت یا خدا کی طرف سے ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ اثبات نبوت کے لئے اول خدا کا وجود اور اسکا متکلم ہونا ثابت کرنا چاہئے۔ پھر یہ ثابت کرنا چاہئے۔ کہ وہ اپنی طرف سے رسول و پیغمبر بھیجا کرتا ہے۔ پھر یہ ثابت ہونا چاہئے۔ کہ جو شخص دعوے نبوت کرتا ہے۔ وہ درحقیقت اُس کا بھیجا ہوا ہے۔ ہم پہلی دو باتوں سے قطع نظر کرتے ہیں۔ کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں ایسے مقامات پر اکثر اہل کتاب مخاطب ہیں۔ جو اُن دونوں پہلی باتوں کو مانتے تھے۔ اور اس لئے معجزات سے صرف تیسری بات کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مگر وہ تیسری بات بھی معجزے سے ثابت نہیں ہو سکتی اور سید صاحب یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ کوئی معجزہ کسی نبی کا خلاف نیچر و خلاف فطرت اللہ نہیں ہے۔ صرف ثبوت اُسکے وقوع کا درکار ہے۔ اور جب ثابت ہوا کہ فلاں امر واقع ہوا۔ تو بلاشبہ اُسپر یقین کیا جائیگا۔ اور یہ بھی یقین کیا جائیگا۔ کہ فطرت اللہ یعنی نیچر کے مطابق ہے۔ گو کہ اسکی ماہیت ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ کیونکہ ہزاروں کام نیچر کے ایسے ہیں جنکی ماہیت ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ معجزات انبیا قانون فطرت کے پورا کرنے والے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان غبارے پر سوار ہوتے تھے جو دخان یا ہوا کے زور سے چلتا تھا اور کوئی معجزے کی بات نہ تھی اور حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل کو لیکر شہر مصر سے نکلے اور فرعون نے مع اپنے لشکر کے تعاقب کیا۔ تو توراۃ سے حضرت موسیٰ بنی اسرائیل سمیت دریا پار اُتر گئے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بسبب جوار بھاٹا کے جو سمندر میں آیا رہتا ہے اُس مقام پر خشکی نہیں نکل آئی تھی اور کہیں پایاب ہو گئی تھی بنی اسرائیل خشک یا پایاب سے راتوں رات اُتر گئے۔ اور یہ کوئی معجزے کی بات نہ تھی فرعون نے جب تعاقب کیا۔ تو وہ وقت پانی کے

بڑھنے کا تھا۔ دریا میں پانی بڑھ گیا جیسے اپنی عادت کے موافق بڑھتا ہے
اور ڈباؤ ہوگیا جس میں فرعون اور اسکا لشکر ڈوب گیا۔ اور حضرت مسیح کے
آسمان پر اُٹھائے جانے کے بھی منکر ہیں۔ بیان ملائکہ و شیطان و جن
ملائکہ اشخاص متحیزہ بالذات نہیں۔ قرآن میں جو لفظ ملک یا ملائکہ یا جبریل آتا
ہے اُس سے انسان کی قوت ملکیہ مراد ہے جس طرح شیطان سے قوت بہیمیہ
حضرت آدم کے قصے میں سجود ملائکہ سے قوائے ملکیہ کا انسان کے تابع ہوجانا
مراد ہے۔ اور شیطان سے قوت حیوانیہ یعنی قوائے بہیمی و سبعی مراد ہے۔ جو
مبدء شہوات اور غضب کا ہے جسکا منشا یعنی محل تولد نار یعنی حرارت ہے
ابلیس کے نار سے پیدا ہونے کے یہی معنی ہیں سید صاحب کے نزدیک انسان
ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے۔ اور دونوں قوتوں کے بے انتہا
ذریات ہیں جو ہر ایک قسم کی نیکی اور بدی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہی
انسان کے فرشتے اور انکی ذریات اور انسان کے شیطان اور انکی ذریات
ہیں غرضکہ سید صاحب کے نزدیک شیطان کا وجود خارج میں نہیں ہے
بلکہ وہ انسان ہی میں موجود ہے خارج عن الانسان نہیں ہے۔ سید صاحب نے
فرشتوں کے آسمان پر سے اوترنے اور پردار ہونے کو بطور تمسخر کے چیلوں کے
منڈلانے سے تشبیہ دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس بات کے سمجھنے سے کہ خدائے
تعالےٰ جو اپنے جاہ و جلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے
نسبت کرتا ہے۔ تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے انکا کوئی اصلی وجود
نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوے کو
جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے
جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ پہاڑوں کی صلابت پانی کی
رقت درختوں کی قوت نمو برق کی قوت جذب و دفع غرضکہ تمام قوے جن سے
مخلوقات موجود ہوئی ہیں۔ اور جو مخلوقات میں ہیں وہی ملک اور ملائکہ ہیں

جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اور توریت کی کتاب پیدائش کے باب ۳۲ میں جو حضرت یعقوب سے شب بھر ایک فرشتے کا کشتی لڑنا پھر فرشتے کا یعقوب کو لنگڑا کر دینا۔ اور یعقوب سے فرشتے کا رخصت مانگنا۔ اور یعقوب کا فرشتے سے برکت مانگنا۔ اور یعقوب کا اس جگہ کا نام فنی ایل رکھنا اور کہنا کہ میں نے خداوند (یعنی فرشتہ) کو روبرو دیکھا ہے بیان ہے سید صاحب اسکی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ نقرس یا وجع الورک کا درد تھا۔ اور ان کے نزدیک جن سے ایک جنگلی قوم کہ جو لوگوں سے پوشیدہ رہتی تھی مراد ہے۔ اور قرآن میں ہے کہ جنات حضرت سلیمان کے حکم کے موجب قلعے اور تصویریں تیار کرتے تھے سید صاحب کہتے ہیں کہ صرف کمہار یا کاریگر یہ کام بناتے تھے۔ بیان اعجاز قرآن۔ تمام علما و مفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ خدا نے قرآن کے من اللہ ثابت کرنے کو یہ معجزہ قرآن میں رکھا ہے کہ ویسا فصیح کلام کوئی بشر نہیں کر سکتا۔ اور نہیں کر سکا۔ پس انہوں نے اس قسم کی آیتوں میں فاتوا بسورۃ من مثلہ (یعنی قرآن کے کسی ٹکڑے کی مانند تم بھی بنا لاؤ۔ اور فاتوا بعشر سور مثلہ۔ قرآن کی مانند سے فصاحت و بلاغت میں مانند ہونا مراد لیا ہے لیکن سید صاحب کہتے ہیں کہ میری سمجھ میں ان آیتوں کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن مجید اعلے سے اعلے فصاحت و بلاغت پر واقع ہے اور چونکہ وہ ایسی وحی ہے جو پیغمبر کے قلب نبوت پر منجانب اللہ معنی اور مضمون کے بالکل لفظ ڈالی گئی تھی۔ اسلئے ضرور تھا کہ وہ ایسے اعلیٰ درجہ فصاحت پر ہو جو بے مثل و بے نظیر ہو مگر یہ بات کہ اسکی مثل کوئی نہیں کر سکا یا کر سکتا اسکے من اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے موجود ہیں کہ انکی مثل فصاحت و بلاغت میں آج تک دوسرا کلام نہیں ہوا۔ مگر وہ من اللہ تسلیم نہیں ہوتے۔ نہ ان آیتوں میں ایسا کوئی اشارہ ہے جس سے فصاحت و بلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو بلکہ

صاف پایا جاتا ہے۔ کہ جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے۔ اُس میں معارضہ
چاہا گیا ہے۔ بیان رویت الٰہی۔ اُن کے نزدیک رویت الٰہی محال ہے
وہ کہتے ہیں۔ کہ انسان کے دل میں کسی چیز کے دیکھنے کی خواہش تین طرح
پیدا ہوتی ہے۔ یا اُس کا حال اور اوصاف سننے سے یا دل میں کسی خاص
قسم کا ذوق و شوق پیدا ہو جانے سے یا اُس کا حال کہنے والے کی بات پر یقین
نہ کرنے سے موسیٰ کو بھی خدا کے دیکھنے کا شوق ہوا۔ مگر وہ شوق دوسری قسم
کا تھا جس کے غلبے میں انسان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور ہونے نہ ہونے
کی بات کہہ اُٹھتا ہے۔ بنی اسرائیل نے بھی خدا کا دیکھنا چاہا مگر یہ سوال
اُن کا تیسری قسم کا تھا۔ موسیٰ کی اس بات پر کہ خدا ایسے پروردگار عالم موجود
ہے۔ اور اُس نے موسیٰ کو اپنا پیغمبر کیا ہے یقین نہیں لاتے تھے۔ اور اس
بنا پر اُنہوں نے کہا تھا۔ کہ ہمیں خدا کو دکھا دے۔ جب تک ہم علانیہ خدا کو
نہ دیکھ لینگے تجھ پر ایمان نہ لائینگے۔ حضرت موسیٰ اپنے شوق کے سبب
جس میں انسان کو ذہول ہو جاتا ہے بھول گئے۔ کہ خدا ان آنکھوں سے
دکھائی نہیں دے سکتا۔ اور بنی اسرائیل نے اپنی حماقت سے یہ چاہا۔ کہ علانیہ
ہم خدا کو دیکھ لیں۔ اور یہ نہ سمجھے کہ نہ خدا اپنے تئیں دکھا سکتا ہے۔ اور نہ کوئی
خدا کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ تمام واقعات موسیٰ و بنی اسرائیل پر سینا کے مقام
میں گذرے تھے۔ وہاں ایک سلسلہ پہاڑوں کا ہے جسکو طور سینا اور کبھی طور
بھی کہتے ہیں۔ کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں وہ کوہ آتش
فشان تھا۔ جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو کہا کہ ہم علانیہ خدا کو دیکھنا
چاہتے ہیں۔ تو وہ بجز اُسکی قدرت کاملہ کے ایک عظیم الشان کرشمے کے اور کچھ
اُنکو نہیں دکھا سکتے تھے پس وہ اُنکو اُس پہاڑ کے قریب لے گئے جسکی آتش
فشانی اور گڑگڑاہٹ اور زور و شور کی آواز اور پتھروں کے اُڑنے کے
خوف سے وہ بیہوش ہو گئے۔ خدائے تعالے نے اُن تمام کاموں کو جو اُسکے قانون

قدرت سے ہوتے ہیں خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے جنکے منسوب کرنیکا
بلاشبہ وہ مستحق ہے۔ اسی طرح ان واقعات عجیبہ کو بھی اُس نے اپنی طرف
منسوب کیا ہے۔ **بیان نعمات و لذات جنت** یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک
باغ کے پیدا کی ہوئی ہے۔ اُس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں
باغ میں شاداب اور سرسبز درخت ہیں۔ دودھ اور شراب اور شہد کی
ندیاں بہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی ساقنیں نہایت
خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے یہاں کی معشوقیں پہنتی
ہیں شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے
ایک نے ران پر سر دھرا ہے۔ ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لب
جان بخش کا بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی جگہ میں کچھ کر رہا ہے۔ کوئی کسی کونے میں
کچھ ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہے تو بے
مبالغہ ہمارے خرابات اُس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ اس امر کے ثبوت کیلئے
کہ بانی مذہب کا ان چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت
کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا۔ نہ واقعی ان چیزوں کا بہشت
میں موجود ہونا ایک حدیث کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ترمذی نے
بریدہ سے روایت کی ہے۔ اس میں بیان ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ
سے پوچھا کہ بہشت میں گھوڑا بھی ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ تو سرخ یاقوت کے
گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں جائیگا اُڑتا پھریگا۔ پھر ایک شخص نے پوچھا
کہ حضرت وہاں اونٹ بھی ہونگے۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں جو کچھ چاہیگے سب
کچھ ہوگا۔ پس اس جواب سے مقصود یہ نہیں ہے کہ فی الحقیقت بہشت میں
اونٹ اور گھوڑے موجود ہونگے۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے خیال میں اُس
اعلیٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا کرنا ہے جو ان کے خیال اور انکی عقل وفہم
طبیعت کے مطابق اعلیٰ درجہ کی ہو سکتی تھی۔ مثلاً اگر انکو کہ جنت و

دوزخ صرف خوشی وغمی کا نام ہے۔ باقی حوریں اور نہریں اور میوہ جات جو
قرآن اور نبی اسلام نے بیان فرمائے ہیں۔ وہ محض رغبت اور خوف دلانے کو
اس خوشی وغم کی ان چیزوں کے ساتھ تفسیر یا تشریح کردی ہے۔ ورنہ کچھ نہیں
دوسری جگہ سید صاحب فرماتے ہیں۔ کہ بہشت کی ماہیت خود خدائے تعالے
نے بیان فرمائی ہے وہ تو یہ ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون
یعنی کوئی جانتا نہیں۔ کہ کیا انکے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت چھپا رکھی
گئی ہے۔ اسکے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
جو حقیقت بہشت کی فرمائی جیسے کہ بخاری و مسلم نے ابوہریرہ کی سند پر بیان
کی ہے۔ وہ یہ ہے قال اللہ تعالی اعدت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا
اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر :-

یعنی اللہ تعالے نے فرمایا تیار کی ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے
وہ چیز جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے۔ اور نہ کسی کان نے سنی ہے۔ اور نہ کسی
انسان کے دل میں اسکا خیال گذرا ہے پس اگر حقیقت بہشت کی یہی باغ
اور نہریں اور موتی کے اور چاندی سونے کی اینٹوں کے مکان اور دودھ
و شراب اور شہد کے سمندر اور لذیذ میوے اور خوبصورت عورتیں اور لونڈے
ہوں۔ تو یہ تو قرآن کی آیت اور خدا کے فرمودہ کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ
ان چیزوں کو تو انسان جان سکتا ہے۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ ویسی عمدہ
چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں۔ تو بھی ولا خطر علی قلب
بشر سے خارج نہیں ہوسکتیں۔ عمدہ ہونا ایک اضافی صفت ہے اور جبکہ ان
سب چیزوں کا نمونہ دنیا میں موجود ہے۔ تو اسکی صفت اضافی کو جہانتک ترقی
دیتے جاؤ انسان کے دل میں اسکا خیال گذر سکتا ہے۔ حالانکہ بہشت کی ایسی
صفت بیان ہوئی ہے کہ لا خطر علی قلب بشر پس بہشت کی جو یہ تمام چیزیں
بیان ہوئی ہیں درحقیقت جو بہشت میں قرۃ اعین ہوگا اس کے سمجھانے کو

بقدر طاقت بشری تمثیلیں ہیں نہ بہشت کی حقیقت بیان جنت و دوزخ
کے بالفعل موجود ہونے کا قرآن میں خدائے تعالےٰ نے جنت و
دوزخ کا ذکر کیا ہے۔ اور انکی نسبت لفظ اُعِدَّتْ جس کے معنی تیار کیا آمادہ
کے ہیں چار جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ اول تو سورۂ بقر میں دوزخ کی نسبت ہے
فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة اعدت للکافرین ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن
آدمی ہیں اور پتھر اور تیار ہے کافروں کے واسطے پھر سورۂ آل عمران میں ہے
واتقوا النار التی اعدت للکافرین اور اسی سورت میں جنت کی
نسبت دوسری جگہ ہے اعدت للمتقین اور پھر سورۂ حدید میں ہے اعدت للذین
امنوا باللہ ورسولہ اور اس لفظ پر علمائے اسلام نے استدلال کرکے یہ
عقیدہ قائم کیا ہے الجنة والنار مخلوقتان یعنی بہشت اور دوزخ دونوں پیدا
ہو چکی ہیں یعنی بالفعل موجود ہیں مگر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ ان
آیتوں سے یا اعدت کے لفظ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ تمام قرآن کی طرز بیان
اس طرح پر ہے کہ آئندہ کی باتوں کا جو یقینی ہونے والی ہیں ماضی کے
صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے جو انکے قطعی ہونے پر دلالت کرتی ہیں اسی
طرح ان آیتوں میں جو باتیں ہونے والی ہیں انکو بطور ہو چکنے کے یعنی ماضی
کے صیغے سے بیان کیا ہے مثلاً پہلی آیت میں فرمایا ہے بچو اُس آگ سے
جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اور جو ہے کافروں کے لئے آدمیوں پر
ایندھن کا اطلاق ہو سکتا ہے جب آگ بھڑکانے کے لئے آگ میں ڈالے
جائینگے اور آن علمائے اسلام کے نزدیک اگر یہ ہوگا تو قیامت میں حساب
کتاب کے بعد ہوگا۔ پس اس وقت نہ کوئی آدمی جہنم کی آگ کا ایندھن ہے
اور نہ کوئی ایسی آگ موجود ہے جسکا ایندھن آدمی ہوں۔ ممکن ہے کہ کہا
جائے کہ ایسا ہوگا۔ پھر اگر ایسا ہوگا۔ تو بالفعل ایسا ہونا قائم نہ رہا۔ بیان آسمان
سید صاحب آسمانوں کے وجود کے منکر ہیں۔ اور اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ

سماوات جمع ہے سما کی جس کے معنی اونچے کے ہیں۔ یونانی مسئلے مسلمانوں میں بہت رائج ہوگئے تھے۔ اور سب (الا شاذ و نادر) بطور سچے مسئلوں کے تسلیم کیے جاتے تھے۔ یہانتک کہ قرآن کے بیانات کو بھی اُن کے مطابق کیا جاتا تھا۔ آسمانوں کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا جس میں علمائے اسلام نے کچھ تھوڑی ترمیم کی تھی۔ اور اُس کے جسم کے کروی محیط ارض ہونے اور ستاروں کے اُس میں جڑے ہوئے ہونے اور سورج کے گرد زمین چکر کھانے کو ویسا ہی تسلیم کیا تھا جیسا کہ یونانیوں نے بیان کیا تھا۔ اسلئے تفسیروں میں اور مذہبی کتابوں میں آسمان کے وہی معنی یا اُسکے قریب قریب مروج ہوگئے جو یونانی حکیموں نے بیان کئے تھے اور بہت بڑی غلطی یہ پڑگئی کہ لفظ تو لیا قرآن کا اور اُسکے معنی لئے یونانی حکیموں کے اور رفتہ رفتہ وہ معنی ذہن میں ایسے راسخ ہوگئے کہ اُسکا انکار کرنا گویا قرآن کا انکار کرنا ٹھیر گیا مگر ایسا سمجھنا بنائے فاسد علے الفاسد ہے۔ اسکے بعد سید صاحب اپنی طرف سے معنی لکھتے ہیں۔ کہ قرآن مجید میں سما کا اطلاق اس وسعت پر بھی ہوا ہے جو ہر شخص کو اپنے سر کے اوپر دکھائی دیتی ہے۔ اور ان چمکتے جسموں پر بھی ہوا ہے جنکو ہم ستارے یا کواکب کہتے ہیں۔ بادلوں پر بھی ہوا ہے جو مینہ برساتے ہیں۔ مگر قرآن نے آسمان کے وہ معنی جو یونانی حکیموں نے بیان کئے ہیں کہیں نہیں بتائے۔ سید صاحب کے نزدیک آسمان سے مراد بلندی و جو ہے۔ اور چونکہ یہ فضا غیر متناہی اور متصل یکے بعد دیگرے ہے اس لئے اسکو سبع سموات کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

اب ہم سید صاحب کے بعض عقائد تہذیب الاخلاق وغیرہ سے انتخاب کرتے ہیں (۱) خدا علت العلل جمیع کائنات کا ہے۔ اور وہ علۃ العلل اپنے معلولات کے تمام حالات کا علم واقعی رکھتی ہے جسکو وہ تقدیر کہتے ہیں۔ یعنی انکی تحقیق میں علم باری کا نام تقدیر ہے (۲) صفات باری عین ذات ہیں

(۳) اگر تمام موجودات کے عوارض نوعیہ یا شخصیہ معدوم ہو جائیں۔ تو جو کچھ باقی رہیگا وہ ناقابل عدم ہوگا (۴) قانون فطرت کبھی نہیں ٹوٹتا کیونکہ جو کچھ خدا کرتا ہے وہی قانون فطرت ہے (۵) عقل رہنما ہے۔ اور اسلام و کفر میں جو تمیز کرنے والی ہے وہ بھی عقل ہے (۶) حسن و قبح تمام اشیاء کا عقلی ہے (۷) مسئلہ بین الجبر والاختیار کوئی چیز نہیں۔ بلکہ انسان اپنی جبلت اور فطرت میں مجبور ہے۔ اور اپنی قدرت میں مختار ہے۔ سید صاحب نے اس مسئلے کی تفصیل دوسری عبارت میں یوں بیان کیا ہے کہ وہ قوے جو خدا تعالیٰ نے انسان میں پیدا کئے ہیں۔ ان میں وہ قوے بھی جو انسان کو کسی فعل کے ارتکاب کی تحریک ہوتے ہیں۔ اور وہ قوت بھی جو اس فعل سے روکتی ہے ان تمام قوے کے استعمال پر انسان مختار ہے مگر ازل سے خدا کے علم میں ہے کہ فلاں انسان کن کن قوے کو اور کس کس طور پر کام میں لائیگا اسکے علم کے برخلاف ہرگز نہ ہوگا۔ مگر اس سے انسان اس قوے کے استعمال یا ترک استعمال پر جب تک کہ وہ قوے قابل استعمال کے اس میں ہیں مجبور نہیں متصور ہو سکتا (۸) اجماع امت یا اجماع جمہور مسلمین یا اجماع جسکی سند قرآن مجید اور حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو قابل حجت نہیں۔ بلکہ عموماً سید صاحب نے یہ کلیہ بغیر قید کے قائم کیا ہے الاجماع لیس بحجۃ (۹) سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کی تقلید واجب نہیں ہے اور سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسکا قول و فعل دینیات میں بلا دلیل حجت ہو (۱۰) جو مسئلہ قرآن مجید اور احادیث میں پاؤ اس پر عمل کرو۔ گو وہ شافعی کے مطابق ہو یا حنفی کے (۱۱) کوئی مسئلہ شرعی نیچر یعنی فطرت کے برخلاف نہیں ہے (۱۲) اصل ایمان تصدیق قلبی ہے۔ اور جب تک وہ تصدیق انسان کے دل میں ہے کوئی فعل اسکو خارج عن الاسلام کافر نہیں کرتا۔ یہ بات قطعیات سے ثابت ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر دل سے یقین رکھتا ہے۔ اسکا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اسکو کافر نہیں

کر سکتا ہیں اگر اس قول پر جس پر ابوجہل کی نجات منحصر تھی اسکو یقین ہے تو وہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے ولو فی خصوصیات الدین وشعار الکفر کالزنار والصلیب والاعیاد وہ کافر نہیں ہوسکتا (۱۳) معراج روحانی تھی نہ جسمانی (۱۴) واقعہ شق صدر ایک جز ہے ان تمام واقعات کا جو شب معراج کو واقع ہوئے تھے (۱۵) مذہب اسلام کے تمام احکام نیچر کے مطابق ہیں اور بدعات محدثات سے اور خیال اجماع سے اور خطائے اجتہادات سے اور ڈھکوسلے قیاسات سے اور تشکیک اصول فقہ مخترعہ سے مبرا و پاک ہے (۱۶) غلام بنانا اسلام نہیں (۱۷) طوفان نوح عام نہ تھا (۱۸) کتب مقدسہ میں تحریف صرف معنوی ہے (۱۹) ہر آدمی اُس مسئلے میں جو قرآن وسنت میں منصوص نہیں اپنے نفس کے لئے مجتہد ہے (۲۰) قرآن میں نسخ جاری نہیں ہوا (۲۱) کوئی آیت منسوخ التلاوت نہیں (۲۲) جس قدر کلام الہی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ پر نازل ہوا وہ سب دو دفتہ مصحف میں موجود ہے (۲۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت نبوت نہیں (۲۴) دینیات میں سنت نبوی کے اطاعت میں ہم مجبور ہیں اور دنیاوی امور میں مجاز (۲۵) تمام افعال مامورہ خواہ وہ اعضا کے ہوں یا دل وغیرہ کے فی نفسہ حسن ہیں اور افعال ممنوعہ فی نفسہ قبیح ہیں اور پیغمبر صرف اُن کے خواص حسن یا قبح کے بتانے والے ہیں۔ جیسے کہ طبیب جو ادویہ کے ضرر اور نفع سے مطلع کردے (۲۶) تمام افعال اور اقوال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سچائی تھے مصلحت وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے۔

غرض کہ سید صاحب نے ایک جدید اسلام کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ پرچہ تہذیب الاخلاق مطبوعہ ۱۲۹۶ھ صفحہ ۱۴ سے ۳۴ و ۱۰۰ میں یوں فرماتے ہیں الاسلام ہو الفطرۃ والفطرۃ الاسلام یعنی اسلام جو ہے وہ فطرت ہے۔ اور فطرت

جو ہے وہ اسلام ہے۔ اور فطرت اسلام کا دوسرا نام ہے۔ لامذہبی بھی درحقیقت
اسلام ہے کیونکہ لامذہب بھی درحقیقت کوئی مذہب رکھتا ہے۔ اور وہی
اسلام ہے الخ اور وہی عین فطرت و نیچر ہے۔ جو آدمی نہ کسی مذہب کو مانتا ہو
اور نہ کسی اوتار کو اور نہ کسی کتاب الہامی کو اور نہ کسی حکم کو جو مذاہب میں
فرض اور واجب سے تعبیر کئے گئے ہیں۔ بلکہ صرف خدائے واحد پر یقین رکھتا ہو
وہ آدمی کسی مذہب میں نہیں ہے۔ اور جو لوگ خدا کے بھی قائل نہیں۔ وہ
بھی مسلمان ہیں کیونکہ الخ انکے اہل جنت ہونے میں کیا شک باقی رہا۔ اسکی
تائید میں سید صاحب ابوذر کی حدیث کو پیش کرتے ہیں صحیح بخاری و صحیح
مسلم میں ان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں
کوئی بندہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا۔ پھر اسی پر مرا لیکن داخل ہوگا جنت میں
ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا گو اس نے زنا کیا ہو۔ چوری کی ہو۔ فرمایا
گو اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو۔ پھر میں نے یہی کہا۔ اور آپنے وہی جواب
دیا۔ چوتھی بار میں فرمایا وان زنی وان سرق رغم الف ابی ذر
یعنی اگرچہ زنا اور چوری کرے اور خاک آلودہ ہوئے ناک ابوذر کے یعنی اس
بات کو اگرچہ وہ اچھا نہ جانے۔ لکچر اسلام میں سید صاحب فرماتے ہیں کہ
جو شخص خدا کو مانتا ہے۔ اور وحدہ لا شریک جانتا ہے۔ اور اسپر یقین رکھتا
ہے۔ اور کسی نبی کی تصدیق نہیں کرتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
بھی تصدیق نہیں کرتا۔ اسکی نسبت یہ کہنا کہ محمدی نہیں یا مرادف معنی لیکر
یہ کہنا کہ وہ مسلمان نہیں ہے بالکل صحیح ہے۔ مگر اسکو کافر بمعنی مشرک کہنا یا موحد
نہ کہنا اسلام کے اصول کی رو سے درست نہیں۔

سید صاحب نے اکثر مضامین اہل سنت کے عقائد کے خلاف اور فلاسفہ
اور منتشرین کے موافق اپنی تفسیر میں درج کئے ہیں۔ بلکہ تفسیر لکھنا انکی ایک سینہ زوری
تھی۔ انکو قرآن و احادیث کے ساتھ کوئی ممارست و مزاولت نہ تھی یہی وجہ

ہے۔ کہ قرآن کے الفاظ میں تصحیف و تحریف بھی کہیں کہیں کر گئے ہیں۔ ایک مقام پر اپنی تفسیر میں اُنہوں نے بیضاوی کی عبارت نقل کی ہے اس میں بجائے ذوقوا ما کنتم تعلمون کے ذوقوا ما کنتم تعلمون نقل کیا ہے۔ اور اسکا ترجمہ بھی یہی کیا کہ چکھو جو تم جانتے تھے حالانکہ صحیح ذوقوا ما کنتم تعملون تھا۔ اور اسکا ترجمہ یہ تھا کہ چکھو جو تم عمل کرتے تھے۔ پس نہایت افسوس ہے۔ کہ جس شخص کو قرآن سے اتنی بھی مناسبت نہو کہ غلط آیت لکھ دے اور غلط اُسکا ترجمہ کر دے وہ قرآن کی تغیر کا ارادہ کرے اور تحریف عمل میں لائے۔ حظیرۃ القدس میں لکھا ہے۔ کہ فرقۂ نیچریہ ابھی تک اسی پر قانع ہے۔ کہ زبانی دعوت کرتا ہے اور بیان کے ذریعہ سے لوگوں کو پھانس رہا ہے۔ ابھی اُنکو یہ قدرت اور موقع نہیں ملا۔ اور انکی جمعیت اتنی فراہم نہیں ہوئی۔ کہ ہتھیار اُٹھا کر اہل صلاح کے ساتھ کشت و خون کریں۔ سید صاحب نے علی گڈہ میں ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء یک شنبہ کی رات کو ۱۰ بجے انتقال کیا

دہلی اور لکھنو اور رام پور اور بھوپال کے مولوی صاحبوں نے سید صاحب کے کفر کے فتیے دئیے۔ اور وہ کلمات کفر جو اُنکی نسبت منسوب کئے گئے ہیں۔ یہ ہیں (۱) متعدد مسائل میں اُنکو مسلمانوں سے اختلاف ہے (۲) جو مذہب نیچر یعنی اصلی حالات فطرت انسانی کے برخلاف ہے۔ وہ صحیح نہیں اور جو نیچر کے مطابق ہے۔ وہ صرف ایک مذہب ہے۔ جسکو وہ ٹھیٹ اسلام کہتے ہیں (۳) بدعات محدثات ٹھیٹ اسلام نہیں ہیں (۴) غلط خیال اجماع کا ٹھیٹ اسلام نہیں ہے (۵) قیاس ٹھیٹ اسلام نہیں ہے (۶) اصول فقہ قواعد مخترعہ ہیں ٹھیٹ اسلام نہیں ہیں (۷) مختلف اجتہادات ٹھیٹ اسلام نہیں (۸) اکثر عالموں نے قرآن مجید کی حالت کی نسبت غلطی کی ہے (۹) تفسیریں یہودیوں کے قصوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور بعض تو ایک فرقہ سے اخذ کیگئی ہیں (۱۰) احادیث کی کتابوں کی کوئی حدیث قابل [illegible]

نہیں ہے (۱۱) وجود شیطان نہیں ہے (۱۲) وجود ملائک نہیں ہے (۱۳)
وجود آسمان نہیں ہے (۱۴) طوفان نوح عام نہ تھا (۱۵) بعثت حضرت نوح
عام نہ تھی (۱۶) چند مختنہ بچوں کا بنانا سنت ہے گردن مرغ مروڑ کر مار ڈالا حلال
ہے (۱۷) معراج ایک خواب ہے (۱۸) تصویر کھینچنا جائز ہے۔

سید صاحب کی نسبت علمائے حرمین شریفین نے بھی تکفیر کا فتوے دیا تھا جسکو مولوی علی بخش خاں مرحوم صدر الصدور گورکھپور جو اس زمانے میں حج کے لیئے گئے تھے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اسکی نسبت سر سید تہذیب الاخلاق میں لکھتے ہیں یہ صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے۔ اور ہمارے کفر کی بدولت انکو حج اکبر نصیب ہوا۔ ان کے لائے ہوئے فتوے کے دیکھنے کے ہم بھی مشتاق ہیں ؎

یہ ہیں کرامت میخانہ مرا ای شیخ ۔ کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

سبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو غازی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے ؎

یاران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

سر سید کی ان تصانیف میں جو انہوں نے اپنی درمیانی عمر میں کہیں اور انکی آخری عمر کے زمانے کی تصانیف میں زمین و آسمان کا فرق ہے آخری زمانے کی تصانیف میں پیرانہ سالی کے اثرات صاف صاف ملتے ہیں اور نیز انکی آخری عمر میں نشست و برخاست اور بسر زندگی کے طریقوں میں بہت سی وہ پرانی رسمیں ملتی تھیں جنپر تہذیب الاخلاق کے زمانے میں خاکے اڑائے گئے تھے۔ وجہ اسکی صرف یہی ہے کہ کمزور ہو جانے کے بعد انسان اپنی سوسائٹی سے مقابلہ کرنے کی ہمت جب نہیں پاتا ہے تو انکو راضی کرنے کے واسطے وہی اشغال کرنے لگتا ہے جس کا رواج ہوتا ہے

فائدہ ۔ یہ نیچری عقائد جو سید صاحب کی بدولت مسلمانان ہندوستان

میں پھیلے ہیں۔ پرانے زمانے بھی بعض لوگوں کے ایسے ہی عقاید تھے۔ موجودہ
زمانے میں چونکہ سید صاحب نامبرآوردہ تھے۔ اور ایسی باتوں کی ابتدا
انھی نے کی۔ اس لئے ایسے خیالات والے انہیں کے متبع کہلاتے ہیں۔ اور
مذہب نیچری کے بانی یہی سمجھے جاتے ہیں۔ اور ایسے عقائد کا نیچری نام انھی
کی وجہ سے مقرر ہوا ہے۔ اگلے لوگ دوسرے نام سے مشہور تھے جسکی تفصیل
یہ ہے کہ کتاب الملل والنحل مولفہ محمد بن عبد الکریم شہرستانی مطبوعہ مصر کی
جلد اول کے صفحہ ۲۰۰ میں بعض اہل اہوا کا یہ عقیدہ لکھا ہے۔ کہ ان کے
نزدیک سوائے عالم محسوس کے اور کوئی عالم نہیں۔ انکا ہر بات میں اپنے
ذہن صافی اور فطرت سلیمہ پر اعتماد کلی ہے۔ اور اس گروہ کا نام طبعیہ دہریہ
ہے۔ اور ان میں جو لوگ کسی قدر ترقی یافتہ ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ شریعت
اور اسکے احکام حرام وحلال مصلحت عباد اور رفاہ بلاد کے لئے رفارمر لوگوں
نے اپنی طبیعت صافیہ سے مقرر کر دئے ہیں۔ اور وہ جن روحانی چیزوں کی
خبر دیتے ہیں۔ جیسا کہ لوح وقلم عرش وکرسی ملائکہ وغیرہ سو وہ درحقیقت انکے
خیالات ہیں کہ جنکو وہ جسمانی صورتوں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح
آخرت کے احوال جنت اور حور وقصور اور نہر ومیوجات جو وہ بیان کرتے ہیں
محض عوام کی طبیعتوں کو رجوع کرنے کی باتیں ہیں۔ اور اسی طرح دوزخ اور اسکے
عذاب طوق وغیرہ لوگوں کے ڈرانے کے لئے بیان کرتے ہیں۔ کہ ان سے ڈر کر
ان امور مصلحت پر کہ جنکو انہوں نے واجب وفرض بتایا ہے۔ اور جن نامناسب
چیزوں سے کہ مصلحت وقت جانکر منع کیا اور حرام ومکروہ کہا۔ بچیں ورنہ عالم
آخرت میں کہ عالم علوی ہے۔ صور جسمانی اور اشکال جسمانی کہاں انتہی

فرقہ نہم احمدیہ جو قادیانی کے نام سے معروف ہے

یہ فرقہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف منسوب ہے۔ جنکے والد کا نام
غلام مرتضے اور دادا کا نام عطا محمد اور پردادا کا نام گل محمد تھا انکی قوم مغل برلاس
ہے۔ قادیان ملک پنجاب کے نامی رئیس ہیں۔ انکے بزرگ سمرقند سے اس ملک
میں آئے تھے۔ اور بادشاہ وقت کی طرف سے بہت دیہات بطور جاگیر انکو ملے
سکھوں کے ابتدائی زمانے میں مرزا گل محمد کے پاس ۸۵ گاؤں اس نواح
کے تھے۔ اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے اُن کے قبضے
سے نکل گئے۔ جب وہ فوت ہوئے۔ تو بجائے اُنکے مرزا عطا محمد جانشین ہوئے
انکے وقت میں روز بروز سکھ لوگ اُنکی جاگیر دیہات پر قبضہ کرتے گئے۔ اور آخرکار
انکو قادیاں سے بھی نکال دیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد انکو زہر دیا گیا۔ پھر رنجیت سنگھ
کی سلطنت کے آخری زمانے میں غلام مرتضے صاحب قادیان واپس آئے۔ اور
پانچ گاؤں دیہات جاگیر میں سے واپس ملے

مرزا غلام احمد صاحب کی پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی مولوی
گل علی شاہ صاحب سے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو حاصل کیا۔
اور اپنے والد کے ساتھ انگریزی عدالتوں میں اپنے اجداد کے بعض دیہات کو
دوبارہ لینے کے لئے مقدمات میں مشغول رہے۔ اور زمینداری امور کی نگرانی میں
لگے۔ اور چند سال اُنکے انگریزی ملازمت میں بھی بسر ہوئے۔ اُن کے والد کے مرنے
سے قبل اُنکو تھوڑی سی غنودگی ہوکر یہ الہام ہوا والسماء والطارق ۔
قسم ہے آسمان کی جو قضاء و قدر کا مبدء ہے۔ اور قسم ہے اُس حادثے کی جو غروب
کے بعد نازل ہوگا۔ اور اُنکو سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزا پرسی خدا تعالے کی طرف
سے ہے اور حادثہ یہ ہے۔ کہ آج ہی تمہارے والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت
ہو جائینگے۔ جب اُنکو اپنے والد کی وفات کی نسبت یہ الہام ہوا تو بشریت کی وجہ

سے خیال آیا۔ کہ بعض وجوہ آمدنی والد کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ پھر نہ معلوم کیا
کیا ابتلا پیش آئے۔ اس وقت یہ دوسرا الہام ہوا۔ الیس اللہ بکاف عبدہ
یعنی کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے۔ انہوں نے کبھی ریاضت شاقہ نہیں
کی۔ اور نہ مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا۔ اور نہ گوشہ نشینی کے اہتمام
سے کوئی چلہ کشی کی۔ ہاں اُنکے والد کے زمانے میں ہی ایک مرتبہ ایسا اتفاق
ہوا۔ کہ ایک معمر بزرگ اُنکو خواب میں دکھائی دیا۔ اور یہ کہا۔ کہ کسی قدر روزے
انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے۔ سو انہوں نے
کچھ مدت التزام صوم کیا۔ پھر دو تین ہفتے کے بعد اُنہیں معلوم ہوا۔ کہ ایسے
روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالی جاتی ہے۔ بہتر ہے۔ کہ
کسی قدر کھانے کو کم کریں۔ سو انہوں نے کھانے کو یہاں تک کم کیا کہ چند تولہ روٹی
میں سے آٹھ پہر کے بعد اُنکی غذا تھی اور آٹھ یا نو ماہ تک انہوں نے ایسا ہی کیا
اس قسم کے روزے سے بہت لطیف مکاشفات اُن پر اُس زمانے میں کھلے
چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں اور اعلے طبقے کے اولیائے امت سے ملاقاتیں ہوئیں
ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول خدا کو مع حسنین و علی
و فاطمہ رضی اللہ عنہم کے دیکھا۔ غرضکہ کشف صریح کے ذریعہ سے خدائے تعالے سے
اصلاح پاکر جسمانی سختی کشی کا حصہ آٹھ نو ماہ لیکر پھر اس طریقے کو علی الدوام بجالانا
چھوڑ دیا۔ اور کبھی کبھی اسکو اختیار بھی کیا۔ جب تیرہویں صدی کا اخیر ہوا۔
اور چودہویں صدی کا ظہور رہونے لگا۔ تو خدائے تعالے نے اُنکو الہام کے
ذریعہ سے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدد ہے۔ اور اللہ تعالے کی طرف سے
یہ الہام ہوا۔ الرحمن علم القرآن لتنذر قوما ما انذر اباءھم ولتستبین سبیل المجرمین قل انی
امرت وانا اول المؤمنین۔ یعنی خدا نے تجھے قرآن سکھلایا۔ اور اسکے صحیح معنی تجھ پر
کھول دئے۔ یہ اسلئے ہوا۔ کہ تا تو ان لوگوں کو بد انجام سے ڈرائے جو بباعث
پشت در پشت کی غفلت اور متوجہ نکئے جانے کے غلطیوں میں پڑ گئے۔ اور تا ان

مجرموں کی راہ کھل جائے کہ جو ہدایت پہنچنے کے بعد بھی راہ ریاست کو قبول
کرنا نہیں چاہتے۔ انکو کہدے۔ کہ میں مامور من اللہ اور اول المومنین ہوں۔
اسکے بعد مرزا صاحب نے **مسیحیت** کا دعوے کیا۔ اور اللہ نے الہام میں
انکا نام عیسیٰ اور مسیح موعود رکھا عبارت الہام یہ ہے جعلناک المسیح ابن مریم
ہم نے تجھے **مسیح بن مریم** بنایا۔ اور پھر ایک اور الہام ہوا۔ الحمد للہ الذی
جعلک المسیح ابن مریم انت شیخ المسیح الذی لا یضاع وقتہ کمثلک در لا یضاع ہ
یعنی خدا کی سب حمد ہے جس نے تجھ کو مسیح بن مریم بنایا۔ تو وہ شیخ مسیح ہے جسکا
وقت ضائع نہیں کیا جائیگا تیرے جیسا موتی ضائع نہیں کیا جاتا مرزا صاحب
کے مریدان کے نام کے ساتھ علیہ السلام کا لفظ لکھتے ہیں۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ
میرے دل میں اس دعوے کی بنیاد حدیث نہیں بلکہ قرآن اور وحی ہے جو
مجھ پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ جو
قرآن شریف کے مطابق ہیں۔ اور میری وحی کی معارض نہیں۔ اور دوسری
حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اگر حدیثوں کا دنیا میں وجود بھی
نہوتا۔ تب بھی میرے اس دعوے کو حرج نہ پہنچتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بات صحیح
نہیں۔ کہ عیسے بن مریم آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ اور وہ زندہ ہیں۔ وہ اپنے
قول کی تائید میں لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالے نے اپنی کتاب عزیز اور قرآن کریم میں
انکو متوفیوں کی جماعت میں داخل کر چکا ہے۔ اور سارے قرآن میں ایک دفعہ بھی
انکی خارق عادت زندگی اور انکے دوبارہ آنے کو ذکر نہیں کیا۔ بلکہ انکو صرف فوت
شدہ کہکر چپ ہو گیا۔ لہذا انکا زندہ بجسدہ العنصری ہونا اور پھر دوبارہ کسی
وقت دنیا میں آنا نہ صرف اپنے ہی الہام کی رو سے خلاف واقع سمجھتا ہوں
بلکہ اس خیال حیات مسیح کو نصوص بینہ قطعیہ قرآن کریم کی رو سے لغو اور باطل
جانتا ہوں۔ اور نہ کوئی حدیث مرفوع متصل موجود ہے جس سے متوفی کے
لفظ کی کوئی مخالفانہ تفسیر کرکے مسیح کی حیات جسمانی پر گواہی دی ہے بلکہ بجائے

میں بجائے ان باتوں کے اناکم منکم لکھا ہے۔ اور حضرت مسیح کی وفات کی شہادت دی ہے اس زمانے میں خدا تعالیٰ نے چودہویں صدی کے سر پر مجھے مبعوث فرما کر اس پیشگوئی کی معقولیت کو بھی کھولدیا۔ اور ظاہر فرمایا کہ مسیح کا دوبارہ دنیا میں آنا اس رنگ اور طریق سے مقدر تھا جیسا کہ ایلیا نبی کا دوبارہ دنیا میں آنا ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا گیا تھا۔ پس میں جو نزول مسیح کے معنی کرتا ہوں وہ نئے معنی نہیں ہیں بلکہ وہی معنی ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے پہلے نکل چکے ہیں کیونکہ نزول مسیح ابن مریم کا مقدمہ نزول ایلیا نبی کے مقدمے سے بالکل ہمشکل ہے۔ پس جس حالت میں آج تک یہودیوں کی یہ تمنا پوری نہیں ہوئی۔ کہ ایلیا نبی آسمان سے اُترتے اور اسی وجہ سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منکر ہے تو مولویان اسلام کی تمنا کیونکر پوری ہوسکتی ہے۔ کہ کسی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود آسمان سے نازل ہونگے۔ ہمارے مخالف اپنی جہالت سے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو حقیقی طور پر انتظار کرتے ہیں۔ اور ہم بروزی طور پر اور ہم مانتے ہیں۔ کہ نزول مسیح کی پیشگوئی پوری ہوگئی۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ جب تک مجھے خدا نے اس طرف توجہ نہ دی۔ اور بار بار نہ سمجھایا کہ تو مسیح موعود ہے اور عیسیٰ فوت ہوگیا ہے۔ تب تک میں اُسی عقیدے پر قائم تھا جو اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ اسی وجہ سے کمال سادگی سے میں نے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت براہین احمدیہ میں لکھا ہے۔ جب خدا نے مجھ پر اصل حقیقت کھولدی تو میں اس عقیدے سے باز آگیا۔ میں نے بجز کمال یقین کے جو میرے دل پر محیط ہوگیا اور مجھے نور سے بھر دیا اُس رسمی عقیدے کو نہ چھوڑا۔ حالانکہ اسی براہین میں میرا نام عیسیٰ رکھا گیا تھا۔ اور مجھے خاتم الخلفا ٹھیرایا گیا تھا۔ اور میری نسبت کہا گیا تھا۔ کہ تو ہی کسر صلیب کریگا۔ اور مجھے بتلایا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ تاہم یہ الہام جو براہین احمدیہ میں کھلے کھلے طور پر درج تھا

خدا کی حکمت عملی نے میری نظر سے پوشیدہ رکھا۔ اور اسی کتاب میں عیسیٰ کی آمد
ثانی کا عقیدہ لکھ دیا۔ اور قریباً بارہ برس تک اس رسمی عقیدے پر جما رہا۔ جب
وقت وہ آگیا۔ کہ مجھ پر اصل حقیقت کھول دی جائے۔ تب تواتر سے اس بارہ
میں الہامات شروع ہوئے۔ کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔ اور مجھے حکم ہوتا ہے۔ فاصدع بما تؤمر
یعنی جو تجھے حکم ہوتا ہے۔ وہ کھولکر لوگوں کو سنا دے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ
مہدی آخر الزمان میں ہوں۔ مرزا صاحب نے اپنے مقابلے کے لئے
دجال کی بھی ایجاد کی۔ اُن کا بیان یہ ہے۔ کہ حدیثوں میں دو قسم کی صفات
دجال معہود کی بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ نبوت کا دعوے کریگا۔
اور دوسرے یہ کہ وہ خدائی کا دعوے کریگا۔ ان دونوں باتوں کو اگر حقیقت
پر حمل کیا جائے۔ تو کسی طرح تطبیق ممکن نہیں۔ کیونکہ نبوت کا دعوے اس بات
کو مستلزم ہے۔ کہ شخص مدعی خدا کا قائل ہو۔ اور خدائی کا دعوے اس بات
کو چاہتا ہے۔ کہ شخص مدعی آپ ہی خدا بن بیٹھے۔ اور کسی دوسرے خدا کا قائل
نہو۔ پس یہ دونوں دعوے ایک شخص سے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ مرزا صاحب
کہتے ہیں۔ کہ دجال ایک شخص کا نام نہیں ہے۔ بلکہ وہ دجال کے معنی خود
دجل سے اس طرح لیتے ہیں۔ کہ لغت عرب کی رو سے دجال اس گروہ کو کہتے
ہیں۔ جو اپنے تئیں امین اور متدین ظاہر کرے۔ اور دراصل نہ امین ہو
نہ متدین۔ بلکہ اُسکی ہر ایک بات میں دھوکہ دہی اور فریب دہی ہو۔ سو یہ
صفت عیسائیوں کے اس گروہ میں ہے۔ جو پادری کہلاتے ہیں۔ یہ گروہ
چونکہ اصل آسمانی انجیل کو گم کر کے محرف اور مغشوش مضمون بنام نہاد ترجمہ
انجیل کے دنیا میں پھیلاتا ہے۔ یہ فعل اُن کا دوسرے لفظوں میں گویا نبوت
کا دعوے ہے۔ کیونکہ انہوں نے جعل سازی سے نبوت کے منصب کو اپنے ہاتھ
میں لے لیا ہے۔ جو چاہتے ہیں ترجمہ کے بہانے سے لکھ دیتے ہیں۔ اور پھر اُسکو
خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پس یہ طریق ان کا نبوت کے دعوے سے

مشابہ ہے۔ اور اس دام میں گرفتار اکثر عوام عیسائی ہیں اور دجال کا دوسرا
جز جنکے افعال خدائی کے دعوے سے مشابہ ہیں۔ یورپ کے فلاسفروں اور
کلاؤں کے ایجاد کرنے والوں کا گروہ ہے جنہوں نے اسباب اور علل کے
پیدا کرنے کے لئے اپنی کوششوں کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ اور بہت سی ناکامیوں
کی وجہ سے آخر اس ردی اعتقاد تک پہنچ گئے ہیں۔ کہ خدا کی قدرت اور اسپر
ایمان رکھنا کچھ چیز نہیں ہے۔ اور وہ رات دن ان تلاشوں میں لگے ہوئے
ہیں۔ کہ خود ہی کسی طرح اس نزار کے مالک ہو جائیں۔ کہ جب چاہیں بارش
برسائیں۔ اور جب چاہیں کسی کے گھر میں لڑکا یا لڑکی پیدا کر دیں۔ اور جب
چاہیں کسی کو عقیمہ بنا دیں۔ پس کچھ شک نہیں کہ یہ طریق دوسرے لفظوں
میں خدائی کا دعوےٰ ہے۔ اور اس گروہ کے تابع یورپ کے اکثر خواص عیسائی
ہیں۔ غرض کہ در اصل یہی لوگ دجال ہیں جنکو پادری یا یوروپین فلاسفر
کہا جاتا ہے۔ یہ پادری اور یوروپین فلاسفر دجال معہود کے دو جبڑے ہیں
جن سے وہ ایک اژدہا کی طرح لوگوں کے ایمانوں کو کھا جاتا ہے۔ میں ایسے
وقت میں آیا ہوں۔ کہ جب اندرونی اختلافات انتہا تک پہنچ گئے۔ اور ایک
فرقہ دوسرے کو کافر بنانے لگا۔ اس تفرقہ کے وقت میں امت محمدیہ کو ایک
حکم کی ضرورت تھی۔ سو خدا نے مجھے حکم کر کے بھیجا ہے۔ اور قرآن اور احادیث
سے اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ کہ آنے والا مسیح چودہویں صدی میں
ظہور کریگا۔ علاوہ ان سب امور کے ایک عظیم الشان علامت مسیح موعود کی احادیث
صحیحہ میں لکھی گئی ہے۔ کہ وہ ایسے وقت میں آئیگا کہ جب صلیبی مذہب بڑے
جوش سے پھیلا ہوا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث یکسر الصلیب جو صحیح بخاری میں ہے
اس پر دلالت کرتی ہے۔ سو ایسے وقت میں اور ایسے زمانہ میں یہ عاجز آیا
ہے۔ اور دوسری علامت اشارات احادیث سے مسیح موعود کے لئے یہ معلوم
ہوتی ہے۔ کہ وہ ممالک مشرقیہ میں مبعوث ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہمارا ملک

ہند خاص کر پنجاب کا حصہ مکہ معظمہ سے بجانب مشرق واقع ہے۔ اور احادیث
میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ مہدی موعود ایسے قصبے کا رہنے والا ہوگا جس کا
نام کدعہ یا کدیہ ہوگا اور ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ یہ لفظ کدعہ دراصل
قادیان کے لفظ کا مخفف ہے جس میں مسیحیت اور مہدیت کا مدعی بھی موجود
ہے جسکا نام یعنی غلام احمد قادیانی اپنے حروف کے اعداد سے اشارہ کر رہا
ہے یعنی تیرہ سو عدد جو اس نام سے نکلتا ہے۔ وہ بتلا رہا ہے کہ تیرہویں
صدی کے ختم ہونے پر یہی مجدد آیا جسکا نام تیرہ سو کا عدد پورا کرتا ہے
ہماری جدید تحقیق سے جو کسر صلیب کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے ہم کو عطا
ہوئی ہے۔ یہ بات خوب صفائی سے ثابت ہو گئی کہ مسیح کا ہرگز رفع جسمانی
نہیں ہوا۔ ہاں ایک سو بیس برس کے بعد رفع روحانی ہوا۔ بلکہ صلیب کے
دنوں میں رفع روحانی بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ صلیب کے زخموں سے شفا
پاکر ۸۷ برس زندہ رہے۔ وجہ اسکی یہ ہے۔ کہ جس پیلاطوس گورنر قیصر کے
ہاتھ میں عیسےٰ کے مار ڈالنے کی کارروائی تھی۔ اسکی بیوی کو خواب آئی۔ کہ اگر
یہ شخص مر گیا تو پھر اس میں تمہاری تباہی ہے۔ اس لئے اس نے اندرونی
طور پر کوشش کر کے مسیح کو صلیبی موت سے بچا لیا۔ مگر یہودی اپنی حماقت سے
سمجھتے رہے کہ مسیح صلیب پر مر گئے۔ حالانکہ حضرت مسیح بخیر و عافیت اپنے حواریوں
کے پاس آ گئے۔ اور انکو بتا دیا کہ میں خدا کے فضل سے بدستور اب تک
زندہ ہوں اور پھر انکے ہاتھ سے لیکر بھنی ہوئی مچھلی کھائی۔ صلیب کی کیلوں
زخم انکو دکھلائے۔ اور چالیس دن تک ان کے زخموں کا اس مرہم کے ساتھ
علاج ہوتا رہا جسکو قرابادینوں میں مرہم عیسےٰ یا مرہم رسل یا مرہم حواریین کے
نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور قانون بو علی سینا میں بھی مندرج ہے۔ اور جنکی
دواؤں کو خدا تعالےٰ نے بطور الہام کے اُن پر ظاہر کیا تھا۔ بعد اسکے مسیح نے خدا
کا حکم پاکر پوشیدہ طور پر اپنے وطن سے سفر کیا۔ اور حواریوں کو تاکید

سے منع کر دیا۔ کہ میرے اس سفر کا حال کسی سے مت کہنا۔ اور ملکوں کی سیر کرتے ہوئے نصیبین آئے اور وہاں سے افغانستان میں پہنچے۔ اور ایک مدت تک اس جگہ جو کوہ نعمان کہلاتا ہے۔ اسکے قریب سکونت پذیر رہے۔ چنانچہ اس جگہ شہزادہ نبی کا چبوترہ ابتک گواہی دے رہا ہے۔ اور اسکے بعد پنجاب میں آئے۔ اور ہندوستان کا بھی سفر کیا۔ اور غالباً بنارس اور نیپال میں بھی پہنچے۔ پھر پنجاب کی طرف لوٹے چونکہ سرد ملک کے رہنے والے تھے۔ اس لئے اس ملک کی شدت گرمی کا تحمل نہ کر سکے۔ اس لئے کشمیر کا قصد کیا۔ اور کوہ سلیمان پر ایک مدت تک عبادت کرتے رہے۔ اور سکھوں کے زمانے تک انکی یادگار کا کوہ سلیمان پر کتبہ موجود تھا۔ اور بقیہ عمر سری نگر میں گذاری۔ اور ایک سو پچیس برس کی عمر میں وہیں فوت ہوئے۔ اور محلہ خان یار کے قریب دفن کئے گئے۔ اور ابتک وہ قبر یوز آسف نبی کی قبر اور شہزادہ نبی کی قبر اور عیسٰی نبی کی قبر کہلاتی ہے۔ اور اس مزار کا زمانہ تخمیناً دو ہزار برس بتلاتے ہیں۔ اور عوام وخواص میں یہ روایت بکثرت مشہور ہے کہ یہ نبی شام کے ملک سے آیا تھا ہمارے علما کی یہ غلطی ہے کہ مع الصلیب کے ساتھ حضرت عیسٰی کا رفع جسمانی مانتے ہیں۔ یسوع کا آسمان پر مع جسم جانا ایک جھوٹا مسئلہ ہے اور جو مسلمان ایک فرضی دجال اور فرضی مسیح کے منتظر تھے جس کے ماننے سے تیرہ سو برس سے اس شرک کی بنیاد پڑی ہے جسکی قرآن شریف بیخ کنی کر چکا ہے۔ اور مسئلہ ختم نبوت بھی ہاتھ سے جاتا ہے۔ سو خدا تعالٰے نے مجھے بھیجا تاکہ میں اس خطرناک حالت کی اصلاح کروں [illegible] لوگوں کو خالص توحید کی راہ بتاؤں۔ اور وہ حوادث ارضی وسماوی جو مسیح موعود کے ظہور کی علامات ہیں۔ وہ سب میرے وقت میں ظہور پذیر ہو گئے ہیں۔ مدت ہوئی کہ خسوف وکسوف رمضان کے مہینے میں ہو چکا ہے اور ستارہ ذوالسنین بھی نکل چکا ہے اور زلزلے بھی آئے۔ اور مری بھی پڑی اور عیسائی مذہب بڑے زور شور سے دنیا میں پھیل گیا۔ اور جیسا کہ آثار میں

پہلے لکھا گیا تھا بڑے تشدد سے میری تکفیر بھی ہوئی۔ غرض تمام علامات
ظاہر ہو چکی ہیں۔ اور کسر صلیب میرے ہاتھ سے یہ ہوئی۔ کہ نشان ظاہر ہوئے
اور پیش گوئیاں ظہور میں آئیں۔ اور پادریوں کا منہ بند کیا گیا۔ اور اگر وہ
حیا سے کام لیں۔ تو آئندہ اعتراض کرنے کی انکو جگہ نہ رہے۔ اور قرآن کی تعلیم نے
جو میری طرف سے بیان کی گئی بڑے بڑے جلسوں میں لوگوں کا سر جھکا دیا
اور عیسائی مذہب کے اصول کو ایسے طور سے توڑا گیا۔ کہ کبھی کسی کو پہلے اس
سے میسر نہ آیا۔ ایسی ہی مسیح موعود کے وجود کی علت غائی احادیث نبویہ میں
یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ عیسائی قوم کے دجل کو دور کرینگے۔ اور اُن کے صلیبی
خیالات کو پاش پاش کر کے دکھلا دینگے چنانچہ یہ امر میرے ہاتھ سے خدا تعالے
نے ایسا انجام دیا کہ عیسائی مذہب کے اصول کا خاتمہ کر دیا۔ کہ وہ لعنتی موت کہ
جو نعوذ باللہ حضرت مسیح کی طرف منسوب کی جاتی ہے جس پر تمام مدار صلیبی
نجات کا ہے۔ وہ کسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف منسوب نہیں
ہو سکتی۔ اور کسی طرح لعنت کا مفہوم کسی راستباز پر صادق نہیں آسکتا۔
بخاری کی یہ حدیث کہ مسیح آئیگا اور صلیب کو توڑیگا۔ وہ معنی نہیں رکھتی
جو ہمارے قابل رحم علما بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی کوتہ اندیشی سے
یہ سمجھا ہوا ہے کہ مسیح دنیا میں آکر ایک بڑے جہاد کا دروازہ کھولیگا۔ اور محمد
مہدی خلیفہ سے مل کر دین پھیلانے کے لئے لڑائیاں کریگا اور تلوار کو چلائیگا اور
ایک بڑی خونریزی ہوگی۔ جو دنیا کی ابتدا سے اس وقت تک کبھی نہیں ہوئی
ہوگی۔ اور یہاں تک خونریزی کریگا۔ جو زمین کو خون سے بھر دیگا۔ اور ایسا
[illegible] جزیہ بھی قبول نہیں کریگا۔ اسکی تقسیم اوقات یہ ہوگی کہ کچھ حصہ دن کا تو لوگوں کو قتل کرنے میں بسر
کریگا۔ اور کچھ حصہ دن کا جنگلوں میں جا کر سوروں کے مارنے میں گذاریگا۔ اسی لئے مرزا
صاحب ایسے مسیح و مہدی کو خونی مسیح اور خونی مہدی کہتے ہیں۔ اور
یاد رہے کہ یہ عقیدہ سراسر باطل ہے۔ بلکہ کسر صلیب اس بات کی طرف اشارہ

کہ مسیح موعود ایسے زمانے میں آئیگا جبکہ ہر طرف سے ایسے اسباب پیدا ہو جائینگے کہ جنکی پر زور تاثیروں سے صلیبی مذہب عقلمندوں کے دلوں سے گرتا جائیگا وہ حق محض جو خدا نے ہمیں سمجھایا ہے یہ ہے مسیح جسکا دوسرا نام مہدی ہے۔ دنیا کی بادشاہت سے ہر گز حصہ نہیں پائیگا۔ بلکہ اُس کے لئے آسمانی بادشاہت ہوگی۔ اسلئے مجھے جو میں مسیح موعود ہوں زمین کی بادشاہت سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ ضرور تھا۔ کہ میں غربت اور مسکینی میں آتا۔ اور یہ جو حدیثوں میں آیا ہے۔ کہ مسیح حکم ہوکر آئیگا۔ اور وہ اسلام کے تمام فرقوں پر حاکم عادل ہوگا۔ سو یہ حکومت اسکی زمین کی نہیں ہوگی۔ بلکہ ضرور ہے۔ کہ وہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی طرح غربت اور خاکساری سے آئیگا۔ سو ایسا ہی وہ ظاہر ہوا تا کہ وہ سب باتیں پوری ہوں۔ جو صحیح بخاری میں ہیں کہ یضع الحرب یعنی وہ مذہبی جنگوں کو موقوف کر دیگا۔ اور اُس کا زمانہ امن اور صلح کاری کا ہوگا۔ لاٹھی اور تلوار سے ہر گز ہر گز دین دلوں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ خدا کے سچے مہدی اور مسیح کے لئے ضروری ہے کہ آسمانی نشانوں کے ساتھ دین کو پھیلائے۔ تا کہ وہ لوگ شرمندہ ہوں جنہوں نے خدا کے دین اسلام پر ناحق جھوٹے الزام لگائے سو اس وجہ سے میں نشانوں کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ اور ایک بڑا بھاری معجزہ میرا یہ ہے۔ کہ میں نے بدیہی ثبوتوں کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو ثابت کر دیا ہے۔ اور اُن کی جائے وفات اور قبر کا پتہ دیدیا ہے۔ میں اس لئے نہیں آیا۔ کہ آپ لوگوں کو دنیا کے گندے مال میں مبتلا کردوں۔ اور آپ پر ہوا و ہوس کے پورے دروازے کھول دوں۔ بلکہ میں اسلئے آیا ہوں۔ کہ موجودہ دنیا کے حظ سے بھی کچھ کم کرکے خدا تعالیٰ کی طرف کھینچوں پس حقیقت میں آپ لوگوں کا میرے آنے سے بہت ہی حرج ہوا۔ یہ بات جلد عقلمند اور منصف مزاج کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ ہر ایک مجدد اُن مفاسد کے دور کرنے کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔ جو سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ موجب ہلاک

اور نیز سب سے زیادہ کثرت ہیں ہوتے ہیں۔ اور انہیں عذبات کے مناسب
حال اُس مجدد کا نام آسمان پر ہوتا ہے۔ اور جبکہ یہ بات واقعی اور صحیح ہے تو
صاف ظاہر ہے کہ اس پر آشوب زمانے میں جبکہ لوگ چاروں طرف سے عیسائیت
کی پر زہر تعلیم سے ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔ بڑا کام مجدد کا یہ ہونا چاہیے۔ کہ اہل اسلام
کی ذریت کو اس زہر سے بچائے۔ اور صلیبی فتنوں پر اسلام کو فتح بخشے۔ اور
جبکہ اس صدی کے مجدد کا یہ کام ہوا۔ تو بلاشبہ آسمان پر اسکا نام کاسر الصلیب
ہوا۔ میں زور سے اور دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ جس کسر صلیب کا بخاری کا وعدہ
تھا اُس کا پورا سامان مجھے عطا کیا گیا ہے۔ اور ہر ایک عقل سلیم گواہی دیگی
کہ بجز اس صورت کے اور کوئی مؤثر اور معقول صورت کسر صلیب کی نہیں۔ مسیح
موعود کے اسی بات میں آنے پر بہت سی گفتگو کر کے یہ حدیث لکھی ہے۔
لو کان الایمان معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس اس کے بعد کہتے ہیں کہ چونکہ
اس فارسی شخص کی طرف وہ صفت منسوب کی گئی ہے۔ جو مسیح موعود اور
مہدی سے مخصوص ہے یعنی زمین جو ایمان اور توحید سے خالی ہو کر ظلم سے
بھر گئی ہے۔ پھر اسکو عدل سے پر کرنا۔ لہذا یہی شخص مہدی اور مسیح موعود ہے
اور وہ میں ہوں۔ اکثر لوگوں نے قلت تدبر سے ان تین ناموں کی وجہ سے تین
علیحدہ علیحدہ شخص سمجھ لیئے ہیں۔ اور تین قومیں انکے لئے مقرر کی ہیں۔ ایک
فارسیوں کی قوم دوسرے بنی اسرائیل کی قوم تیسرے بنی فاطمہ کی قوم۔ مگر یہ تمام
غلطیاں ہیں۔ حقیقت میں یہ تینوں ایک ہی شخص ہے جو تھوڑے تعلق کی وجہ
سے کسی قوم کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث سے سمجھا جاتا ہے
کہ اہل فارس یعنی بنی فارس بنی اسحاق میں سے ہیں۔ پس اس طرح پر
وہ آنے والا مسیح اسرائیلی ہوا۔ اور بنی فاطمہ کے ساتھ امہاتی تعلق رکھنے کی وجہ
سے جیسا کہ مجھے حاصل ہے۔ فاطمی بھی ہوا۔ پس گویا وہ نصف اسرائیلی اور نصف
فاطمی ہوا۔ ہاں میرے پاس فارسی ہونے کے لئے بجز الہام الہی کے اور کچھ ثبوت

نہیں۔ اور وہ یہ ہے خذوالتوحید خذوالتوحید یا ابناء الفارس
یعنی توحید کو پکڑو۔ توحید کو پکڑو لے فارس کے بیٹو اور بنی فاطمہ ہونے میں یہ
الہام ہے الحمد للہ الذی جعل لکم الصھر والنسب اشکر نعمتی رئیت خدیجتی
یعنی تمام حمد اور تعریف اُس خدا کے لیے جس نے تمہیں فخر دامادی سادات
اور فخر علو نسب جو دونوں مماثل اور مشابہ ہیں عطا فرمایا یعنی تمہیں سادات کا
داماد ہونے کی فضیلت عطا کی۔ اور میری نعمت کا شکر ادا کر کہ تونے میری خدیجہ
کو پایا۔

مرزا صاحب اپنی کتابوں میں بہت جگہ بیان کر چکے ہیں۔ کہ یہ عاجز جو
حضرت عیسیٰ کے رنگ میں بھیجا گیا ہے۔ بہت سے امور میں حضرت
عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہانتک کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی پیدائش میں ایک ندرت تھی۔ کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اس عاجز کی
پیدائش میں بھی ایک ندرت ہے۔ اور وہ یہ کہ میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی
تھی۔ وہ پیغمبر خدا کو مثیل موسیٰ کہتے ہیں۔ اور اپنی ذات کو مثیل عیسیٰ
قرار دیتے ہیں۔ انکا قول ہے کہ جیسا کہ ایک سلسلہ چودہ سو برس کی مدت تک
موسیٰ سے لیکر عیسیٰ بن مریم تک ختم ہوا۔ ایسا ہی دوسرا سلسلہ جو خدا کے کلام میں
اسکے مشابہ کھڑا کیا گیا ہے۔ اسی چودہ سو برس کی مدت تک مثیل عیسیٰ بن مریم
یعنی مرزا صاحب تک ختم ہوا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ کہ خدا کے فضل و عنایت
سے امام الزمان میں ہوں۔ اسد فرماتا ہے واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اولی الامر منکم
اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے
اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ
ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے۔ خواہ عیسائی ہو یا مسلمان مرزا صاحب
خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ خدا کے عظیم الشان نشان مجھ پر بارش کی طرح
وارد ہو رہے ہیں۔ اور غیب کی باتیں مجھ پر کھل رہی ہیں۔ ہزارہا دعائیں ابتک

قبول ہو چکی ہیں۔ اور تین ہزار نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور ہر ایک دانشمند
سمجھ سکتا ہے۔ کہ میرے الہامات اور پیشگوئیاں انسان کی طاقت سے بالاتر
ہیں۔ مرزا صاحب نے ایک رات کشفی حالت میں دیکھا۔ کہ ایک شخص جو فرشتہ
معلوم ہوتا تھا۔ مگر خواب میں معلوم ہوا کہ اس کا نام شیر علی ہے۔ اس نے مرزا
صاحب کو ایک جگہ لٹا کر اُنکی آنکھیں نکالی ہیں۔ اور صاف کی ہیں۔ اور میل
کدورت اُن میں سے پھینک دی ہے۔ اور ہر ایک بیماری اور کوتہ بینی کا مادہ
نکال دیا ہے۔ اور مصفا نور جو آنکھوں میں پہلے سے موجود تھا۔ مگر بعض مواد
کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اسکو ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح بنا دیا ہے۔ اور
یہ عمل کرکے پھر فرشتہ غائب ہوگیا۔ اور مرزا صاحب اُس کشفی حالت سے بیداری
کی طرف منتقل ہوگئے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ایک بار مجھ کو کشفی طور پر دکھلایا
گیا۔ کہ میں نے بہت سے احکام قضا و قدر کے اہل دنیا کی نیکی بدی کے متعلق
اور نیز اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے لکھے ہیں۔ اور پھر تمثیل کے طور
پر میں نے خدا کو دیکھا اور وہ کاغذ جناب باری کے آگے رکھ دیا۔ کہ وہ اسپر
دستخط کر دے۔ سو خدا نے سرخی کی سیاہی سے دستخط کر دئیے۔ اور قلم کی نوک
پر جو سرخی زیادہ تھی اُسکو جھاڑ دیا۔ اُسکے قطرے میرے کپڑوں پر پڑے
جنکو میں نے بچشم خود دیکھا۔ ایک بار عالم کشف میں دیکھا۔ کہ میں نے شمبر داس
کھتری کے نوشتہ قضا و قدر کی نصف قید کو اپنے قلم سے کاٹ دیا۔ مگر بری
نہیں کیا۔ ایکبار کشف میں دیکھا۔ کہ وہ اور حضرت عیسیٰ ایک جوہر کے دو
ٹکڑے ہیں۔ ایک بار حالت کشفی میں اللہ کی روح اُن پر غالب ہوگئی۔ اور اس
نے اپنے وجود میں مرزا صاحب کو پنہاں کر لیا۔ اور انہوں نے اس حال
میں دیکھا۔ کہ وہ نئے نظام اور نئے آسمان اور نئی زمین کے پیدا کرنے پر
قادر ہیں۔ پھر انہوں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا۔ الی آخرہ۔ لکھتے ہیں۔ کہ
ایکبار مجھے مخاطب کرکے فرمایا یلاش خدا کا نام ہے۔ یہ ایک نیا الہامی

لفظ ہے۔ کہ ابتک میں نے اُسکو اس صورت پر قرآن اور حدیث میں نہیں پایا اور نہ کسی لغت کی کتاب میں دیکھا۔ اس کے معنی مجھ پر یہ کھولے گئے۔ کہ یا اَیہاالشیخ الہام میں بار بار میرا نام ابراہیم رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۶۱ میں الہام ہے سلامٌ علی ابراہیم صافینا جس طرح خدا تعالےٰ نے مصائب سے نجات پانے کے لئے بعض اپنے نبیوں کو دعائیں سکھلائیں تھیں۔ مرزا صاحب کو بھی خدا نے الہام کر کے ایک دعا سکھلائی۔ اور وہ یہ ہے سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم اللّٰھم صلّ علی محمد وآل محمد۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی اجتہادی باتوں کو خطا سے معصوم نہیں سمجھتے۔ اجتہادی غلطی نبیوں اور رسولوں سے بھی ہو جاتی ہے۔ مرزا صاحب پر کئی بار عدالتوں میں مقدمات بھی دائر ہوئے۔ مگر نہایت کشاکش کے بعد وہ ہر ایک مقدمے میں آخر کار بری ہو گئے۔ ان مقدمات کو وہ ابتلا کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں بعض مقدمات اُنپر اپنے سخت لہجہ کی وجہ سے اور بعض کسی کی موت یا ذلت کی پیشگوئی کے سبب سے عائد ہوئے۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے اقدام قتل کا مقدمہ اُنپر دائر کیا گیا جو ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کی عدالت سے ۲۳ اگست ۱۸۹۷ء کو خارج کیا گیا بری کرنے کے حکم کے آخر میں مرزا صاحب کے حق میں نوٹس بطور تہدید کے لکھا گیا کہ ہم اس موقع پر مرزا غلام احمدؐ کو بذریعہ تحریری نوٹس کے جسکو انہوں نے خود پڑھ لیا اور اسپر دستخط کر دیے ہیں باضابطہ طور سے متنبہ کرتے ہیں۔ کہ اُن مطبوعہ دستاویزات سے جو شہادت میں پیش ہوئی ہیں۔ یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اشتعال اور غصہ دلانیوالے رسالے شائع کئے ہیں۔ جن سے ان لوگوں کی ایذا متصور ہے۔ جن کے مذہبی خیالات اُنکی مذہبی خیالات سے مختلف ہیں۔ جو اثر اُنکی باتوں سے اُنکے بے علم مریدوں پر ہوگا اُسکی ذمہ داری اُنہی پر ہوگی۔ اور ہم اُنہیں متنبہ کرتے ہیں۔ کہ جب تک وہ زیادہ تر میانہ روی کو اختیار نکرینگے۔ وہ قانون کی زد سے بچ نہیں سکتے۔ بلکہ وہ اُسکی

زد کے اندر آجاتے ہیں۔ مرزا صاحب نے ڈپٹی عبداللہ آتھم کی نسبت پیشگوئی
کی۔ کہ وہ روز ختم مباحثہ سے ۱۵ مہینہ تک ہاویہ میں ڈالا جائیگا جبکہ آتھم ۱۵
مہینہ کے اندر فوت نہیں ہوا۔ تو مرزا صاحب نے تاویل کی۔ کہ الہام حق کی
طرف رجوع کی شرط سے وابستہ تھا۔ عیسائیوں نے مرزا صاحب کی تکذیب کی۔
اور اس تاویل کو نہ مانا۔ تو انہوں نے چار ہزار روپیہ اس بات کے لئے دینا کیا کہ
وہ مجلس میں قسم کھا جائے۔ کہ اُس نے دل میں خدا کی طرف رجوع نہیں کیا
مگر آتھم نے قسم کھانے سے صاف انکار کر دیا۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ الہام
میں پیش از وقت شائع کیا گیا تھا۔ کہ آتھم رجوع سے فائدہ اُٹھائیگا۔ لیکن اگر
گواہی کو پوشیدہ کریگا۔ تو پھر جلد پکڑا جائیگا۔ اور فوت ہو جائیگا۔ اُس نے شرط
پر عمل کیا۔ تو بقدر اُس عمل کے تاخیر ہوگئی۔ اور جب گواہی کو چھپایا۔ تو پکڑا
گیا۔ اور آخری اشتہار سے چھ ماہ بعد فوت ہو گیا۔ اگر وہ اُس غیرت اور خاموشی
اور خوف پر قائم رہتا جو اُس نے پیشگوئی کی میعاد میں اختیار کی تھی۔ تو اسکو
لمبی زندگی دیجاتی۔ اور وہ بیس برس تک اور زندہ رہتا۔ ایک آریہ لیکھرام
کی موت کی نسبت پیشگوئی کی۔ کہ وہ چھ برس کے اندر ہلاک کیا جائیگا۔ وہ ۲۶
مارچ ۱۸۹۷ء کو اپنے وقت میں مارا گیا۔ کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی میں ابھی
اڑہائی سال باقی تھے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ جس طرح گوسالہ سامری کے
کٹنے کے بعد حضرت موسیٰ نے بڑی عزت پائی تھی۔ اسی کے مطابق اس بندے
کی عزت کو بھی اللہ نے زیادہ کیا۔ اور جس طرح گوسالہ بنانے کے بعد خدا تعالے
نے بنی اسرائیل پر طاعون بھیجی تھی۔ اسی طرح لیکھرام کے مرنے کے بعد بھی
اس ملک میں طاعون پھیلی۔ عبداللہ آتھم کی پیشگوئی جمالی تھی اور لیکھرام کی
جلالی۔ یہ پیشگوئی مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشترک ہے
اور لیکھرام کا حال خسرو پرویز سے مشابہ ہے۔ اور جیسا کہ تمام مسلمانوں کا یہ
عقیدہ ہے کہ اس کا مارا جانا ایک بڑا معجزہ تھا۔ ایسا ہی اگر مسلمان چاہیں

تو گواہی دے سکتے ہیں۔ کہ لیکھرام کا مارا جانا بھی ایک بڑا معجزہ تھا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ نے گورنمنٹ تک یہ شکائتیں پہنچائیں کہ مرزا صاحب گورنمنٹ انگریزی کے بڑے بدخواہ ہیں۔ اور بغاوت کے خیالات رکھتے ہیں تو انہوں نے اعلان کیا کہ جس فرقے کا خدا نے مجھے امام اور پیشوا مقرر کیا ہے۔ ایک بڑا امتیازی نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس فرقے میں تلوار کا جہاد بالکل نہیں۔ اور نہ اسکا انتظار ہے۔ بلکہ یہ مبارک فرقہ نہ ظاہر طور پر اور نہ پوشیدہ طور پر جہاد کی تعلیم کو جائز سمجھتا ہے۔ اور قطعاً اس بات کو حرام جانتا ہے۔ کہ دین کی اشاعت کے لئے لڑائیاں کی جائیں یہ نظم بھی انہوں نے بنائی ہے ؎

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے
دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

انہوں نے ۷ ستمبر ۱۸۹۹ء کو ایک درخواست شائع کی جس میں گورنمنٹ انگریزی پر ظاہر کیا ہے۔ کہ اس ملک کے مسلمان مجھے کافر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ میں نے انگریزی سلطنت کو سلطنت روم پر ترجیح دی ہے۔ اور یہ لوگ مجھے اس وجہ سے کافر ٹھیراتے ہیں۔ کہ میں نے خدا کے سچے الہام سے مسیح ہونے کا دعوے کیا ہے۔ اور اس خونی مہدی کے آنے سے انکار کیا ہے۔ جس کے یہ لوگ منتظر ہیں۔ آخر درخواست میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ میں سلطنت انگریزی کے مقابل سلطنت روم کو کبھی نہیں پاتا۔ جو اسلامی سلطنت کہلاتی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے متبعوں کا نام فرقۂ احمدیہ اور احمدی مذہب کے مسلمان رکھا ہے وہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے۔ ایک محمدؐ دوسرا احمدؐ ان میں سے محمدؐ جلالی نام تھا۔ اور اس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی۔ کہ آنحضرت اُن دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دینگے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا۔ اور صدہا مسلمان اُن کو قتل کیا۔ لیکن اسم احمدؐ جمالی نام تھا۔ جس سے یہ مطلب

تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔ اور خدا نے ان دو ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی۔ کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا۔ کہ ہر طرح سے صبر و شکیبائی کی تعلیم تھی۔ اور پھر مدینے کی زندگی میں اسم محمدؐ کا ظہور ہوا۔ اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت و مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیشگوئی کیگئی۔ کہ آخری زمانے میں پھر اسم احمدؐ ظہور کریگا۔ اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات ظہور میں آئینگی۔ اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو بروزوں کی حاجت پڑی ایک بروز محمدی موسوی۔ دوسرا بروز احمدی عیسوی بروز محمدی موسوی کے لحاظ سے مظہر حقیقت محمدیہ کا نام مہدی رکھا گیا۔ اور اہلاک ملل باطلہ کے لئے بجائے سیف کے قلم سے کام لیا گیا۔ اور بروز احمدی عیسوی کے لحاظ سے مظہر حقیقت احمدیہ کا نام مسیح اور عیسیٰ رکھا گیا وہ کہتے ہیں۔ کہ ہماری مجلس خدا نما ہے۔ انکو خدا کی طرف سے عربی فارسی اردو انگریزی میں الہام ہوتا ہے۔ کبھی ایک ہی سلسلۂ الہام میں ایک وقت میں کئی زبانوں کے الفاظ ہوتے ہیں۔ بطور نمونہ کے ملاحظہ ہو (۱) لاتخف انک انت الاعلیٰ یعنی کچھ خوف مت کر کہ تو غالب ہے (۲) بکرٌ و ثیبٌ مرزا صاحب اس الہام کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ خدا کا ارادہ ہے۔ کہ وہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائیگا۔ جن میں سے ایک باکرہ ہوگی دوسری بیوہ (۳) ایک زمانے میں مرزا صاحب کا دل بباعث گوشہ نشینی اور ترک دنیا کے اہتمامات تاہل سے سخت کارہ تھا۔ اور عیالداری کے بوجھ سے طبیعت متنفر تھی۔ تو اس حالت کے تصور کے وقت یہ الہام ہوا۔ ہرچہ باید نوعروسی را ہمہ سامان کنم (یعنی اس شادی میں تجھے کچھ فکر نہیں کرنا چاہئے۔ ان تمام ضروریات کا رفع کرنا میرے ذمے رہیگا) (۴) یا احمد اسکن انت وزوجک الجنۃ (۵) قادر ہے وہ بارگہ ٹوٹا کام بناوے بنا بنایا توڑ دے کوئی اسکا بھید نہ پاوے

(۶) دس دن کے بعد موج دکھاتا ہوں۔ الا ان نصر اللہ قریب فی شائیل مقیاس دین دل یوگو ٹو امرت سر۔ یہاں تک الہام کی عبارت ہے۔ مطلب اسکا یہ ہے کہ دس دن کے بعد روپیہ آئیگا۔ خدا کی مدد نزدیک ہے۔ اور جیسے جب جننے کے لئے اونٹنی دم اٹھاتی ہے۔ تب اسکا بچہ جننا نزدیک ہوتا ہے ایسا ہی مدد الٰہی بھی قریب ہے۔ دس دن کے بعد جب روپیہ آئیگا۔ تب تم بھی امرتسر جاؤ گے (۷) اپنی چمکار دکھلاؤنگا۔ اپنی قدرت نمائی سے تجھکو اٹھاؤنگا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اُسکو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اُسے قبول کریگا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کردیگا (۸) ایک عزت کا خطاب ایک عزت کا خطاب لک خطاب العزت ایک بڑا نشان اسکے ساتھ ہوگا۔ (۹) اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ مرزا صاحب اپنی دعا کے ضمن میں خدا سے خطاب کرتے ہیں۔ تو نے ہی اس چودہویں صدی کے سر پر مجھے مبعوث کیا۔ اور فرمایا کہ اٹھ میں نے تجھے اس زمانہ میں اسلام کی حجت پوری کرنے کے لئے اور اسلامی سچائیوں کو دنیا میں پھیلانے کے لئے اور ایمان کو زندہ اور قوی کرنے کے لئے چنا۔ اور تو نے ہی مجھے کہا۔ کہ تو میری نظر میں منظور ہے میں اپنے عرش پر تیری تعریف کرتا ہوں۔ تو نے ہی مجھے فرمایا۔ کہ تو وہ مسیح موعود ہے۔ جسکے وقت کو ضائع نہیں کیا جائیگا۔ اور تو نے ہی مجھے مخاطب کرکے کہا کہ تو مجھ سے ایسا ہے۔ جیسا کہ میری توحید اور تفرید اور تو نے ہی مجھے فرمایا کہ تو میری درگاہ میں وجیہ ہے۔ میں نے اپنے لئے تجھے اختیار کیا۔ مرزا صاحب نے البدر مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۰۶ء میں شائع کرایا تھا۔ کہ میرا کام یہی ہے۔ کہ میں عیسٰی پرستی کے ستون کو توڑ دوں۔ اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلا دوں۔ پس اگر مجھ سے کروڑ نشان بھی ظاہر ہوں۔ اور یہ علت غائی ظہور میں نہ آئے تو میں جھوٹا ہوں۔ مرزا صاحب نے مباہلے کے مقابلے میں جس میں لعنت ہوتی ہے۔ اعجازی مقابلہ ایجاد کیا ہے۔ کہ فصیح و بلیغ عبارت اس حد تک

لکھی جائے کہ کوئی مخالف اسکی نظیر بنانے پر قادر ہو۔

مرزا صاحب تحفہ گولڑویہ میں لکھتے ہیں۔ کہ ہنود اپنے گذشتہ اوتاروں کے ناموں پر آئندہ اوتاروں کے انتظار کرتے رہے ہیں۔ اور اب بھی آخری اوتار کو جسکو نکلنکی اوتار کے نام سے موسوم کرتے ہیں کرشن کا اوتار مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جیسا کہ کرشن کی صفات میں رودر گوپال ہے۔ یعنی سوروں کو ہلاک کرنے والا اور گایوں کو پالنے والا ایسا ہی نکلنکی اوتار ہوگا۔ یہ ایک کرشن کی صفات کی نسبت استعارہ ہے۔ کہ وہ درندوں کو ہلاک کرتا تھا یعنی سوروں اور بھیڑیوں کو اور گایوں کو پالتا تھا یعنی نیک آدمیوں کو اور مراد اس سے یہ ہے کہ زمانے کا دورہی ایسا آجائیگا۔ اور آسمانی ہوا شریروں کو نابود کرتی جائیگی۔ اور نیک بڑہینگے اور پھولینگے۔ اور زمین کو پر کرینگے تب اس مسیح پر ردرگوپال کا اسم صادق آئیگا۔ اور میں جو ہی مسیح اور مظہر صفات مذکورہ ہوں۔ اسلئے کشفی طور پر مجھے ایک شخص دکھایا گیا گویا وہ سنسکرت کا ایک عالم آدمی ہے۔ جو کرشن کا نہایت درجہ معتقد ہے وہ میرے سامنے کھڑا ہوا اور مجھے مخاطب کرکے بولا کہ ہے ردر گوپال تیری استت گیتا میں لکھی ہے۔ اس وقت میں سمجھا۔ کہ تمام دنیا ایک ردرگوپال کا انتظار کر رہی ہے۔ خدا نے کشفی حالت میں بارہا مجھے اس بات پر اطلاع دی ہے۔ کہ آریہ قدیم میں کرشن نام ایک شخص جو گذرا ہے۔ وہ خدا کے برگزیدوں اور اپنے وقت کے نبیوں میں سے تھا۔ اور میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ وہ میں ہوں کرشن کی دو صفت ہیں۔ ایک ردر یعنی درندوں اور سوروں کو قتل کرنے والا یعنی دلائل اور نشانوں سے دوسرے گوپال یعنی گایوں کا پالنے والا یعنی اپنے انفاس سے نیکوں کا مددگار۔ اور یہ دونوں صفتیں مسیح موعود کی صفتیں ہیں۔ مرزا صاحب کی اس آخری الہامی جست کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اس نئی تثلیث نے مسلم عیسائی اور اہل ہنود سب کو اپنی اپنی جگہ پہ

اپنے اپنے عقیدے اور رسم و رواج پر قائم رہنے کے باوجود ایک ہی سلسلے میں منسلک کرنے اور سہ رنگی بھیڑوں کا ایک گلہ بنانے اور بالآخر نجات دلانے کا بیڑہ اُٹھایا ہے

مرزا صاحب نے بڑے شد و مد سے دعوے کیا تھا۔ کہ میرا ایک عورت سے نکاح ہونا ضرور ہے۔ جو آسمان پر اُن سے پڑھا جا چکا تھا۔ مگر وہ بی بی باوجود ہزار کوششوں کے اُنکے نکاح میں نہ آئی۔ بلکہ اس زمانے سے آج تک ایکدوسرے شریف آدمی کی بی بی ہے۔ مرزا صاحب نے جب دیکھا۔ کہ اب آسمانی منکوحہ کے ملنے کی کوئی امید نہیں۔ تب انہوں نے حقیقۃ الوحی میں لکھدیا۔ کہ خدا جس خبر اور وعدے کو چاہے پورا کر دے۔ اور جسکو چاہے باطل کردے۔ اور بہت سی پیشگوئیاں اُنکی موت سے باطل ثابت ہوگئیں (۱) مولوی ثناء اللہ میری زندگی میں فوت نہوا تو میں دجّال اور کذّاب (اشتہار مرزا صاحب مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء) (۲) جوانی کا واپس آنا (بدر مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۷ء) (۳) ڈاکٹر عبدالحکیم میری آنکھوں کے روبرو اصحاب فیل کی طرح نیست و نابود ہوجائیگا (تبصرہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۷ء) (۴) مرزا صاحب کی عمر ۸۵ و ۹۵ سال کی ہوگی (الحکم ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء) (۵) قیامت خیز زلزلہ آنے کو ہے (مرزا صاحب کا اشتہار مورخہ مارچ ۱۹۰۶ء) (۶) غلام علیم اور یحیےٰ کی بشارت (تبصرہ) (۷) عالم کباب کی پیدائش جس کے پیدا ہوتے ہی تمام عالم کے لئے تباہ ہوجانا تھا۔ اور پھر مرزائیوں کی فتح اور خوشی ہونی تھی (الحکم ۱۰ جون ۱۹۰۶ء) (۸) دوبارہ زندگی منسوخ شدہ زندگی (البدر ۲۳ اپریل ۱۹۰۵ء) (۹) دو خواتین مبارکہ تیرے نکاح میں آئینگی جنکو تو نصرت جہان بیگم کے بعد پائیگا۔ اور اُن سے تیری نسل بکثرت ہوگی (مرزا صاحب کا اشتہار مورخہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

ان پیشگوئیوں کے وقوع میں آنے سے پیشتر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کو دس بجکر دس منٹ پر بوقت صبح لاہور میں عارضہ درد گردہ سے

انتقال کیا۔ تاہم انہیں اپنے کام میں خاصی کامیابی ہوئی۔ اور لاکھوں تک اُنکے مریدوں کی تعداد پہنچ گئی جن میں کئی رئیس اور جاگیردار اور اکثر تعلیم یافتہ اور بڑے بڑے تاجر شامل ہیں[1]

مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے مرزا صاحب کے حق میں تکفیر کا فتوے لکھا ہے۔ جس پر بہت سے علما کی تصدیق ہے۔ اس میں انہوں نے بیان کیا ہے۔ کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اہل سنت سے خارج ہیں۔ انکا عمل اور طریق ملحدین باطنیہ وغیرہ اہل ضلال کا طریق ہے۔ اُن کے دعوے و اشاعت اکاذیب اور اس ملحدانہ طریق سے انکو تیس دجالوں میں سے جنکی خبر حدیث میں وارد ہے۔ ایک دجال کہ سکتے ہیں۔ اب مسلمانوں کو چاہئے۔ کہ ان سے احتراز کریں۔ اور اُن سے وہ دینی معاملات نکریں جو اہل اسلام میں باہم ہونے چاہئیں۔ نہ اُنکی محبت اختیار کریں۔ اور نہ اُنکے جنازے کی نماز پڑھیں

جون ۱۹۰۹ء میں ریاست رام پور میں علمائے اسلام اور جماعت احمدیہ قادیانی میں نہایت عمدہ مناظرہ ہوا اس مناظرے کے دوران میں ایک نیا مسئلہ جماعت احمدیہ قادیانی سے معلوم ہوا۔ کہ سات برس کے بعد ہر انسان کا جسم بدل جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی مسند خلافت پر حکیم نورالدین صاحب خلیفتہ المسیح و المہدی کے نام سے ہیں اور بیعت توبہ او بیعت اطاعت لیتے ہیں ؂

فرقۂ دہم اہل قرآن

فرقہ اہل قرآن کا مذہب جو کہ چند سال سے مسلمانوں میں ایک نیا مذہب جاری ہوگیا۔ اس میں اکثر لوگ پنجاب و صوبہ سرحدی و ہندوستان وغیرہ کے

[1] یہ تمام بیان اول سے آخر تک مرزا صاحب کے مصنفہ رسائل سے انتخاب کیا ہے۔ بلکہ انکی اصل عبارت کو بقدر ضرورت نقل کیا ہے۔ کہیں اخبارات سے بھی اقتباس کیا گیا ہے ۱۲ منہ

شامل ہو چکے ہیں۔ اس جدید مذہب کی بنیاد مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی نے ڈالی ہے۔ اس لئے تمام لوگ اس مذہب والوں کو بھی چکڑالوی کہتے ہیں۔ یہ گروہ ابھی اسلام کے معتدد فرقوں میں شمار کئے جانیکے لائق نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کے معدودے چند پیرو جن میں سے اکثر ناخواندہ ہیں صرف لاہور یا اُس کے مضافات میں پائے جاتے ہیں۔ اور اُنکے عقائد یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ انکے اکثر عقائد تمام فرقہائے سابقہ اور موجودہ سے مختلف ہونیکے باعث بہت عجیب ہیں۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کے آخر میں جب میں لاہور کو گیا تھا۔ تو اُن سے ملا تھا۔ اور مغرب کی نماز پڑھتے انکو دیکھا تھا۔ خود سب سے پیچھے مسجد کے ستون سے تکیہ لگا کر کھڑے ہوئے کپڑے اُنکے ایک بہت ہی غریب آدمی کے سے تھے۔ اور چہرے پر کوئی رُعب کی شان نہ تھی۔ اور ساتھ ہی اسکے قد و قامت اور بشرے پر وجاہت کے آثار نہیں پائے جاتے۔ بلکہ خاکساری برستی ہے۔ یہی حال اُنکے معتقدین کا دیکھا گیا۔ مجھے اُنہوں نے اپنے بنائے ہوئے چند رسائل دئیے جنکا استنباط ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

اُنکے نزدیک مسلمانوں کی موجودہ نماز اور اُسکے کلمات و تسبیحات کا پڑھنا کفر ہے۔ اسی لئے اُنہوں نے اپنے گروہ کے لئے ایک نئی نماز بنائی ہے۔ جو دیگر اہل اسلام کی نماز سے بالکل مختلف ہے۔ جو بات یا لفظ قرآن شریف میں صاف مذکور نہیں اُنکے نزدیک وہ لغو اور ناقابل عمل ہے۔ خواہ معتبر احادیث تواریخ یا تواتر سے اسکا ثبوت کامل موجود ہو۔ اُن کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی یا رسول سے افضل نہیں۔ بلکہ انبیا سب برابر ہیں۔ انبیا کے نام کے ساتھ علیہ السلام کی جگہ سلام علیہ کہتے ہیں۔ اور السلام علیک کی جگہ سلام علیک بولتے ہیں۔ گروہ اہل قرآن نے ارادہ کیا ہے۔ کہ جس ذبیحہ پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھی جائے۔ گوشت نہ کھائیں۔ انہیں اعتراض یہ ہے۔ کہ یہ تکبیر قرآن میں نہیں

نہیں پائی جاتی۔ اور علاوہ اسکے بسم اللہ بھی پوری نہیں۔ غرض قرآن کریم کی
کوئی اور آیت پڑھی جاوے۔ اسلئے کئی جگہ لوگوں نے ذبیحہ کھانا چھوڑ دیا ہے
طریق نماز۔ عام مسلمان جو نماز پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن مجید کے مطابق نہیں۔ یہ
اللہ تعالے نے نہیں بتائی۔ بلکہ انہوں نے اصل نماز کو بدل ڈالا ہے۔ صرف
قرآن مجید ہی کی سکھائی ہوئی نماز پڑھنی فرض ہے۔ اور اسکے سوا اور کسی
طرح کی نماز پڑھنا کفر و شرک ہے۔ قرآن مجید ہی نے نماز کی تعلیم دی ہے۔ اور دیگر
کسی ذریعہ سے تعلیم نہیں دی اس آیت میں واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین
یعنی قائم رکھو نماز اور شرک کرنے والوں سے نہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالے نے ان لوگونکو
مشرک کہا ہے۔ جنہوں نے خدا کی سکھائی ہوئی نماز کو چھوڑ کر اپنی نماز بنا لی
حضرت کی جن لوگوں میں پیدایش و پرورش ہوئی۔ ان میں بھی نماز مروج تھی
وہ لوگ نماز پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے حج کرتے تھے کعبے کو اپنا قبلہ جانتے
تھے۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ نماز کے ارکان قیام رکوع قومہ سجدہ جلسہ قعدہ ان میں
ٹھیک طور سے جاری تھے۔ لیکن اذکار نماز ان کے صحیح نہ تھے۔ اور آسمانی کتاب
صحف ابراہیم کی دعائیں وہ چھوڑ بیٹھے۔ اور اپنے اماموں محدثوں کی بنائی
ہوئیں دعائیں پڑھتے تھے۔ اور ان میں بھی آجکل کے مسلمانوں کی طرح احادیث
موجود تھیں۔ جنکو وہ ابراہیم اسماعیل و اسحاق کے اقوال و افعال و تقاریر
یقین کرتے تھے۔ چونکہ خاتم النبیین نے انہی لوگوں میں پرورش پائی تھی۔
اسلئے یہ یقینی امر ہے۔ کہ جو نماز آپ کے بزرگ ادا کرتے تھے۔ وہ آپکو بھی بچپن
سے سکھائی گئی تھی اس نماز میں بھی قیام رکوع سجود موجود تھے۔ اور اسی لئے
ان ارکان کی کیفیت آپ خود بھی خوب جانتے تھے۔ آپ کے اصحاب بھی جانتے
تھے۔ نہ جبریل نمونے کے ضرورت تھی۔ اور نہ ہی آپکو نیا نمونہ بننے کی ضرورت
تھی نمونہ پہلے ہی سے موجود تھا صرف اذکار میں کچھ ردوبدل واقع ہوگیا
تھا جسکو رفع کر دیا گیا لیکن وفعۃً نہیں بلکہ بتدریج اور رفتہ رفتہ اشد خوف کی

حالت میں دو رکعتیں ہیں۔ اور اشد اطمینان کی حالت میں چار رکعات اور اشد خوف و اطمینان کے بین بین کی حالت میں دو اور چار کا مابین یعنی تین رکعات بحالت امن سفر میں قصر نماز جائز نہیں بحالت خوف جائز ہے اور انا اعطیناک الکوثر سے اونٹ کی قربانی کا حکم نہیں بلکہ مراد نماز میں سینہ کھولکر کھڑا ہونا ہے۔ ہر تکبیر کے ساتھ اپنے کان پکڑ لینے فرض ہیں۔ یہ اقرار جرم و توبہ کی علامت ہے۔ اماموں اور راویوں کے مقلد نماز میں کانوں کو نہیں پکڑتے۔ وہ کانوں یا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ ترتیب ارکان نماز کی یہ ہے کہ قیام میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کی کہنی تک ملا کر دونوں دل پر رکھے جائیں اور اللہ اکبر کی بجائے تکبیر یہ ہے وان اللہ ھو العلی الکبیر نماز جمعہ و عیدین سے پہلے کھڑے ہو کر خطبے میں قرآن مجید مع ترجمہ سنایا جائے۔ سب آیات ظہر و عصر کے سوا تمام روزمرہ کی نمازوں اور جمعہ و عیدین میں اس قدر بلند آواز سے نماز پڑھانے والا پڑھے جسکو اسکے سوا دوسرے ساتھ کے نمازی بھی سن لیں۔ اور ہر ایک رکن قیام رکوع قومہ سجدہ جلسہ قعدہ سلام وغیرہ یکساں بلند آواز سے پڑھی جائیں۔ مگر تکبیر و سلام ظہر و عصر میں بھی آواز سے بلند پڑھے جائیں۔ اور قرآن مجید سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کہ کوئی شخص نمازیوں کے آگے اکیلا کھڑا ہو۔ اور نہ ہی امام کا لفظ نماز کے متعلق کتاب اللہ میں کسی جگہ آیا ہے۔ پس نماز پڑھانے والے کو بھی دوسرے نمازیوں کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیئے آگے کھڑا ہونا ہرگز جائز نہیں۔ اور نہ اذان مروجہ کا قرآن مجید میں کوئی ذکر ہے۔ اس لئے اذان کہنا ناجائز ہے۔ ہاں ندا اور منادی کے الفاظ تو ہوتے ہیں۔ لیکن ان سے مراد پانچوں اوقات ہیں۔ نہ موجودہ اذان یہ بھی دیگر رسوم کی طرح ایک رسم ہے۔ قیام رکعت اول میں پڑھے انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین ربنا

علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر ربنا لا تجعلنا فتنة للذین کفروا
واغفر لنا ربنا انک انت العزیز الحکیم نفلی آیات قیام اول میں پڑھے اور
علی اللہ توکلنا ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظالمین ونجنا برحمتک من القوم
الکافرین ربنا لا تجعلنا مع القوم الظالمین قیام ہر رکعت میں بسم اللہ و الحمد و قل ہو اللہ پڑھے رکوع
سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا ولم
یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل ربنا اصرف عنا عذاب جہنم
ان عذابہا کان غراما انہا ساءت مستقرا ومقاما ربنا وسعت کل شیء
رحمة وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقہم عذاب الجحیم
ربنا وادخلہم جنت عدن التی وعدتہم یومئذ فقد رحمتہ وذلک ہو
الفوز العظیم

رکوع میں نفلی دعائیں پڑھے۔ ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا
قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما قومہ میں پڑھے۔ ما خلقت ہذا
باطلا سبحانک فقنا عذاب النار۔ ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ
وما للظالمین من انصار ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا
بربکم فامنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار
واتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیمة انک لا تخلف المیعاد سجدہ اول
و دوم میں رکوع کی سب آیات پڑھی جائیں اور جلسہ میں قومہ کی سب آیات پڑھی جائیں قعدہ میں پڑھے
ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین
من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت
مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا
علی القوم الکافرین ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا وہب لنا من لدنک رحمة
انک انت الوہاب ربنا انک جامع الناس لیوم لا ریب فیہ ان اللہ لا یخلف المیعاد
وسع ربنا کل شیء علما علی اللہ توکلنا ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق

خیر الفاتحین ربنا اتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا ربنا
اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار قعدہ میں نفلی دعائیں
ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکا
ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ربنا امنا
فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الراحمین۔ درود یعنی سلام تمام رسولوں پر
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ
رب العالمین۔ اخیر قعدہ کے آخر میں نفلی دعا پڑھے ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم
خاتمے پر دائیں بائیں اس طرح سلام کرے سلام علیک کتب ربکم علی نفسہ
الرحمۃ انہ من عمل منکم سوءا بجہالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ
غفور الرحیم۔ نفلی آیات سے یہ مراد ہے۔ کہ اُن کے پڑھنے سے ثواب ہے
اور اگر نہ پڑھی جائیں۔ تو پھر بھی نماز ہو جاتی ہے وحدیث۔ یہ ہو ہی نہیں
سکتا کہ کسی نبی نے ماسوا کتاب اللہ کے کوئی قولی یا فعلی یا تقریری حدیث اپنی
امت میں جاری کی ہو۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ محمد رسول اللہ نے ماسوائے
کتاب اللہ کے بھی احکام بتائے ہیں۔ وہ حقیقت میں خاتم النبیین پر تہمت کرتے
ہیں۔ کتاب اللہ کے مقابلے میں انبیا اور رسولوں کے اقوال و افعال یعنی
احادیث قولی و فعلی و تقریری پیش کرنے کا مرض قدیم مرض ہے۔ اور جس طرح
مختلف فرقے آج کل قرآن مجید کے مقابلے میں احادیث پیش کرتے ہیں۔ اور
اُنکو محمد رسول اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہی حال اُن لوگوں کا تھا۔
جو آپ کے مقابل و مخاطب تھے۔ وہ بھی یقیناً اہل حدیث ہی تھے۔ کیونکہ ابراہیم
اسماعیل سلیمان۔ یعقوب۔ اسحاق کی احادیث کتاب اللہ کے مقابلے میں پیش
کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اُن انبیا کی ایسی احادیث سے بریت ظاہر کی۔ اور اُن
احادیث کو کفر و شرک کہا لئن اشرکت لیحبطن عملک یعنی البتہ اگر تو شرک کریگا
تو تیرے عمل برباد ہو جائینگے۔ اس آیت میں بھی مشرکانہ افعال و اقوال مراد ہیں

جس طرح شرک فی العبادۃ موجب عذاب ہے۔ اسی طرح شرک فی الحکم یعنی مسائل میں
سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کرنے والا باعث ابدی
و دائمی عذاب ہے۔ اس وجہ سے احادیث رسول کو نہ ماننا چاہیئے۔ نہ صرف زمانہ
محمدؐ رسول اللہ کے لوگ ہی کتاب اللہ کے مقابلے میں احادیث پیش کرتے تھے
بلکہ یہ ملعون کام اس سے بھی پرانا ہے۔ فرعون بھی اہل حدیث ہی تھا۔ اور
موسیٰ کے مقابلے میں یوسفؑ کی احادیث پیش کرتا تھا۔ اور انکو ختم المرسلین
جانتا تھا۔ اور موسیٰ کو دعوے رسالت کرنے کی وجہ سے کافر کہتا تھا۔ اور آنکی
رسالت سے انکار کرتا تھا۔ حدیث میں صرف ایک خوبی ہے جسکی وجہ سے لوگ
اسپر مائل اور فریفتہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ خوبی جھوٹی اور بے بنیاد ہے۔ اور وہ
یہ ہے۔ کہ یہ کم بخت محمدؐ رسول اللہ کے پیارے نام کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔
اگر اس میں یہ خوبی نہ ہوتی۔ تو اسکی بری صورت کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا
رسول اللہ اور آپ کی ازواج مطہرات کی جس قدر ہتک اور اہانت ان محدثین
اور راویوں نے دوستی کے پیرائے میں کی ہے شاید کوئی دشمنی کے پیرائے میں
بھی نکرتا۔ (قرآن سے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمان برداری کا ثبوت)
محمدؐ کے سوا قرآن مجید کو بھی کتاب اللہ میں رسول اللہ کہا گیا ہے۔ اور جس رسول
کی فرمان برداری کا حکم ہوا ہے۔ وہ خاص قرآن مجید ہی ہے۔ اور قرآن کریم
اور رسول واجب الاتباع دو چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی شے ہے۔ قرآن مجید
اور محمدؐ رسول اللہ صرف بیشک دو چیزیں ہیں۔ لیکن آپکی فرمان برداری کا حکم
قرآن مجید میں کسی جگہ نہیں ہوا۔ بلکہ جس رسول کی فرمانبرداری کا حکم ہوا ہے
اس سے مراد صرف قرآن مجید ہی ہے۔ اور بس آیت ذیل میں قد جاءکم
الرسول بالحق من ربکم رسول سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ محمدؐ رسول اللہ اس جگہ مراد
نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ صرف اپنے ہی زمانے کے لوگوں کے پاس آئے تھے
آج کل کے لوگوں کے پاس نہیں آئے اور قرآن ہر زمانے میں موجود ہے

اور ہر زمانے کے لوگوں کے پاس نسلاً بعد نسل چلا آتا ہے۔ اور قرآن میں جس جگہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول آیا ہے۔ اس جگہ رسول سے مراد قرآن مجید ہے یہی حال اذا ادعوا الی اللہ و رسولہ کا ہے اور ما حرم اللہ و رسولہ میں بھی رسول سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ کیونکہ اس میں یہ بیان ہوا ہے۔ کہ رسول اللہ حرام کرتا ہے۔ لیکن محمد کسی چیز کو حرام کرنے کے مجاز نہ تھے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی تو کہہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو۔ تو میری پیروی کرو۔ تم سے اللہ محبت کریگا۔ اس آیت میں کوئی قرینہ اس امر کا موجود نہیں کہ اس آیت کے مخاطب خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ کسی مومن یا رسول کا ہر ایک فعل واجب الاتباع نہیں ہوتا۔ (مسائل فروعیہ و جزئیات فقہ) پاخانہ پیشاب طبعی امور ہیں۔ اور ان کے رفع کرنے کے طریقے ہر انسان کے دل میں اللہ نے ڈال رکھے ہیں۔ کتاب اللہ کو ان فرعیات کے بتلانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جوتے پہنکر نماز پڑھنا خلاف تعلیم قرآن ہے۔ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں اس مضمون کی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ کہ جوتے کے ساتھ نماز پڑھنی چاہئے۔ حتیٰ کہ یہانتک لکھا ہے۔ کہ اگر کوئی مسجد میں آئے اور جوتے میں گندگی لگی ہو تو زمین سے رگڑ کر اسکے سمیت ہی ضرور نماز پڑھے اب یہ تعلیم کتاب اللہ کے کیسے مخالف ہے۔ موسیٰ کو جب ہمارے خداوند نے کوہ طور پر بلایا۔ تو قبل کسی اور بات کے یہ کہا۔ کہ اپنی جوتیاں اوتار دے کیونکہ تو اپنے رب کے سامنے پاک جگہ میں کھڑا ہے۔ جنب کے لئے قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ خدا نے قرآن مجید پڑھنے سے جنبی کو نہیں روکا۔ صرف نماز سے قرآن میں اسکو روکا گیا ہے۔ جن احادیث میں یہ ممانعت آئی ہے۔ وہ مثل دیگر حدیثوں کے رسول پر افترا ہیں۔ یہ ممکن نہیں۔ کہ اللہ کا رسول اللہ کی کتاب سے بڑھکر حکم بتا سکے۔ ایسے ہی حائضہ اور نفاس والی کو بھی قرآن مجید پڑھنے کی یا ہاتھ لگانے کی کوئی ممانعت نہیں اسی طرح جنبی کو اور حائضہ اور نفاس والی کو

مسجد سے گذرنے کی بھی کوئی ممانعت نہیں جنبی کے بدن پر اگر کوئی غلاظت
و نجاست نہ لگی ہو۔ تو وہ پاک ہے۔ اگر اُسکو پسینا آجائے۔ تو اُسکے کپڑے ناپاک
نہیں ہونگے بعض احادیث میں اس قسم کے بیان ہیں۔ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا
روایت کرتی ہیں۔ کہ میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی۔ اور رسول اللہ میرے
بدن سے بدن لگاتے تھے۔ اور آپ میری گود میں تکیہ کرکے قرآن بھی پڑھ لیا
کرتے تھے۔ اور میمونہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ کہ رسول اللہ میرے
ساتھ لیٹتے تھے۔ اور میں حائضہ ہوتی تھی وغیرہ وغیرہ اب جن لوگوں کے
دلوں میں محمد رسول اللہ کی کچھ وقعت اور قرآن کریم کی ذرا بھی عصمت اور غیرت
ایمانی ہے وہ انصاف فرمائیں۔ کہ یہ احادیث کس سلوک کی مستحق ہیں۔ اللہ
تعالےٰ تو حکم دیتا ہے حائضہ عورتوں سے جدا ہو اور اُنکے قریب نہ جاؤ۔ اور
یہاں حائضہ بیویوں کی گود میں تکیہ کرنا اور اُن کے ساتھ لیٹنا رسول پاک کے
ذمے لگایا جاتا ہے۔ کیا یہ کبھی ممکن ہوسکتا ہے۔ کہ اللہ کا پیارا رسول اس
طرح اُس کے حکم کی خلاف ورزی کرے۔ قرآن مجید میں کوئی میعاد حیض و
نفاس کی مقرر نہیں۔ نہ اسکی ضرورت ہے۔ ہر عورت اپنے حیض و نفاس
کی حالت کو جانتی ہے۔ اسکی تعیین فضول گوئی ہے۔ یہ عورتوں کی طبیعتوں پر منحصر ہے
کسی کو تھوڑے دن حیض آتا ہے کسی کو زیادہ دن تک۔ کتب حدیث و فقہ میں بیفائدہ اس کے
متعلق طول طویل کلام کیگئی ہے۔ وضو کے اعضا کو ایک بار یا دو بار یا تین بار
دہونے کی کوئی تعیین نہیں۔ غرض صفائی سے ہے جتنے بار دھونے سے
ہوجایا کرے۔ اور سکر سے وضو فرض ہے۔ اور جب کوئی شخص اضطرار
بے بسی بے اختیاری۔ لاچاری کی حالت میں ہو تو غسل جنب وضو تیمم قبلہ
قیام۔ رکوع سجدہ سب معاف ہوجاتے ہیں۔ بے غسل۔ بلا وضو و تیمم دل ہی دل
میں نماز پڑھ لے لیکن وقت نہ ٹلنے دے۔ کیونکہ اسکا التوا خداوند تعالےٰ
نے جائز نہیں رکھا آیت اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس میں ظہر عصر مغرب تینوں

نمازوں کا حکم ہے۔ مترجمین و مفسرین نے جو دلوک الشمس سے زوال یا غروب شمس مراد لی ہے۔ انکی غلطی ہے (مساجد) ایسی تمام مسجدیں جن میں احادیث و فقہ کی تعلیم ہوتی ہے ضرار ہیں۔ کیونکہ ان میں کتاب اللہ کو ضرر پہنچ رہا ہے۔ ایسا ہی وہ تمام مسجدیں جن میں وردو وظائف اور مولود ہوتے ہیں۔ اور جن میں مروجہ نمازیں جو غیر قرآنی ہیں پڑھی ہیں۔ سب ضرار ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب اللہ کو ضرر پہنچاتی ہیں۔ اور جس مسجد میں اس پاک کتاب کے ساتھ اور بھی مذہبی کتابوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ سب مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہیں۔ مسجد ضرار کی آیت کو عرب کی خاص مسجد سے منسوب و مخصوص کرنا قرآن مجید کی شان کو گھٹانا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ اور مسجد نبوی اور مسجد اقصےٰ میں پچاس ہزار کا اور مسجد جمعہ میں پانسو نمازوں کا اور قبیلے کی مسجد میں پچیس نمازوں کا قرآن مجید میں ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ ملاؤں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ مسجد میں آنے جانے کی دعائیں بھی قرآن مجید میں مذکور نہیں

(حدیث۔ فقہ۔ تفسیر اور تقلید) اگر حدیث و فقہ نہ ہوتی۔ تو قرآن کریم کی طرف سے اس قدر لاپرواہی نہ کی جاتی۔ انکے وجود سے قرآن کریم کو بہت کچھ ضرر پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔ اور کوئی چیز ایمان کو اس قدر ضرر نہیں پہنچا سکتی جس قدر کہ تقلید۔ کلام الٰہی کے فہم صحیح سے جو لوگ محروم رہے۔ وہ بھی اس بلا کی وجہ سے اپنے اماموں اور بزرگوں اور راویوں کی تقلید سے ماسوا دین میں جس طریقے و روش و مذہب کے پابند تھے۔ مترجمین و مفسرین نے آیات قرآن مجید کے ترجمے و تفسیر کو اسی سانچے میں ڈھالا۔ قرآن کو اپنی آنکھوں سے پڑھیں۔ تو حقیقت نظر آئے بخاری و مسلم یا ابوحنیفہ و شافعی یا فخرالدین و جلال الدین کی آنکھوں سے نہ دیکھنا چاہئے (فرشتے) جب یہ اعتقاد لوگوں نے سیکھا کہ فرشتے آسمان سے رسولوں پر آتے جاتے ہیں۔ تو بعض احمقوں کو یہ

فلک ہوتی ۔کہ وہ کیونکر اتنا طول طویل فاصلے طے کرتے ہونگے۔ اور ہوا میں کس طرح چڑھتے ہونگے۔ اسلئے انہوں نے فرشتوں کے واسطے پر تجویز کئے۔ اور اس مضمون کی حدیثیں بھی گھڑ لیں۔ کیا خدا فرشتوں کو بغیر پروں کے آنے جانے کی قدرت نہیں دیسکتا۔ وہ بغیر پروں کے قوت خداداد سے آسمانوں سے آتے جاتے ہیں (نبی پر درود) ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی میں علی النبی سے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں ہیں۔ بلکہ ہر ایک نبی مراد ہے۔ اور آدم سے محمد رسول اللہ تک جس قدر نبی ہوئے۔ وہ سب علی النبی میں داخل و شامل ہیں۔ اور مراد یہ ہے۔ کہ ہر نبی پر اللہ رحمت کرتا رہا ہے اور محمد پر بھی (شفاعت) قیامت کے دن کوئی کسی کی خیر خواہی یا سفارش نہیں کرسکیگا۔ بلکہ ہر شخص اپنے اقرباتک کی خیر خواہی و سفارش سے بیزار ہوگا ہر ایک رسول اور نبی بھی اپنے بھائی برادر ماں باپ اہل و عیال سے بیزار ہوگا۔ جبکہ وہ اپنے عزیزوں خویشوں کی کچھ ذرہ بھر بھی خیر خواہی نہ کرسکینگے۔ تو غیروں کے حق میں وہم و خیال کرنا سراسر فضول ہے۔ اللہ تعالٰے ہرگز ہرگز اپنے کسی وعدے کا خلاف نہیں کریگا۔ اور اپنے حکم کو کسی کی سفارش سے نہیں بدلنے کا۔ بلکہ اگر ملائکہ مقربین اور تمام رسل انبیا بھی ملکر چاہیں۔ کہ اپنے کسی پیارے کو جو مجرم ہے سزا سے بچالیں۔ تو ایسا بھی ہرگز نہو سکیگا اور قیامت کے دن شفاعت بغرض سفارش ہرگز نہوگی۔ بلکہ محض بغرض شہادت ہی ہوگی۔ اور شہادت صرف اپنے دیدہ شنیدہ واقعات کی دے سکینگے جنکو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور کانوں سے سنا ہوگا۔ (مردے کو ثواب) مردے کو بدنی عبادت یا مالی صدقہ وغیرہ کسی چیز کا ثواب نہیں پہنچ سکتا (آدم کی خلافت اور جبریل کی وسالت) اللہ تعالٰے پاک ہے۔ اس بات سے کہ اُس کا کوئی خلیفہ بن سکے۔ ہاں اللہ تعالٰے سب کا خلیفہ ہے۔ اور ہو بھی سکتا ہے۔ پس آدم کو خلیفۃ اللہ کہنا سخت غلطی ہے۔ اور صریح و صاف کفر

ہے۔ بلکہ وہ جنوں کے خلیفہ ہیں۔ کیونکہ آدم سے پیشتر اس زمین پر معلوم نہیں کس قدر عرصہ دراز سے جن آباد چلے آتے تھے۔ اور اول ہی سے ہر زمانے میں رسل انبیا کا معلم اسی زمانے کا جبریل ہوتا رہا ہے۔ اور کتاب اللہ ہر ایک اپنے زمانے کے رسول کو پڑھاتا اور سناتا رہا ہے۔ اور اپنے زمانے کے رسولوں کے موذیوں ظالموں کو دفع کرتا رہا ہے۔ کیونکہ خاص اسی جبریل کا حق ہوتا ہے۔ کہ اسکے ذریعہ و وسیلے سے رسولوں کے موذیوں اور ظالموں کو دفع کیا جائے فو اذ قال ربک للملائکۃ میں بھی قطعی اور یقینی طور پر خاص وہی جبریل مراد ہے۔ جو کہ اُس زمانے کے جن رسولوں کا معلم تھا۔ اور بس صرف اس جبریل کی معرفت بدلہ و انتقام جن رسول کا اسکے موذیوں ظالموں جنوں سے لیا گیا بعدہ آدم کو انہیں موذی جنوں کا قائمقام و جانشین بنا دیا۔ خاص یہی سنت اللہ اول ہی سے جملہ عباد اللہ میں چلی آتی ہے (عرش) دیگر صفات خداوندی سمع و بصر وغیرہ وغیرہ کی طرح عرش بھی ایک صفت الٰہی ہے۔ اور جس طرح اور صفات خدا اُسکی ذات کی طرح قدیم ہیں۔ اسی طرح یہ صفت عرش بھی قدیم ہے (وحی خفی) جسکو وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ وہ رسول پر نازل نہیں ہوتی تھی۔ صرف اُسپر قرآن مجید ہی نازل ہوا تھا (صدقہ، زکوٰۃ اور مصرف خمس) مال غنیمت میں صدقہ پانچواں حصہ ہے۔ اور مال کسب طیب وغیرہ میں زکوٰۃ کا دسواں حصہ ہے۔ اور سخت مشقت کے کسبوں اور جنس زمین کی مشقت والی پیداوار میں بیسواں حصہ معین و مقرر من اللہ ہوا ہے۔ بارہ ماہ کامل مکمل معافی نفقہ فی سبیل اللہ کے مہینوں کی میعاد اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کیگئی ہے یعنی بارہ ماہ کامل معاف کئے گئے ہیں۔ جب بارہ ماہ کامل سونے چاندی پر گذر جائیں۔ اور جو کچھ کہ اس میعاد میں ضروری خرچ کیا جائے وہ سب کا سب خرچ معاف ہوتا ہے۔ اسکے بعد جو کچھ باقی ماندہ رہ جائے اس میں عشر یا نصف العشر ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اور مال غنیمت میں سے جو ذوی القربیٰ

اور ابن سبیل کو حصہ دینے کا قرآن میں حکم ہے۔ تو وہاں ذوالقربیٰ سے پیغمبر
کے قرابت دار مراد نہیں۔ بلکہ مولفۃ القلوب مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو مسلمانوں
کو ناحق ایذا و دکھ دیں۔ اور دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ کے مطابق کچھ لیکر
وہ ایذا سے باز آجائیں۔ اس قسم کا خرچ مال فئے میں سے کیا جائیگا جو کفار
سے امیر المومنین کو بے لڑے ملتا ہے۔ اور ابن سبیل سے مراد قرآن مجید کے
پڑھنے والے طالب علم ہیں۔ ابن کے معنی لڑکا اور سبیل کے معنی قرآن مجید ہیں
و قربانی ہکے ہیں ہر سال لاکھوں آدمی حج کو جاتے ہیں۔ اور ہر ایک آدمی
کم از کم ایک دنبہ یا بکرہ ضرور ذبح کرتا ہے۔ اور قربانی کے دن کئی لاکھ دنبے
بکرے اونٹ وغیرہ ذبح ہو جاتے ہیں۔ چونکہ اس قدر گوشت وہاں کھایا نہیں
جا سکتا۔ بلکہ سنا جاتا ہے۔ کہ آج کل حکام بکہ ہر سال ایک بڑا گڑھا کھدواتے
ہیں جس میں قربانی کا گوشت پھینکا جاتا ہے۔ اور پھر مٹی سے دبایا جاتا ہے
اگر یہ بات درست ہے۔ تو قربانی کا نہایت برا حال ہوتا ہے۔ اور یہ تو اسراف
و تبذیر ہے۔ جو خلاف تقوے ہے۔ اب جانور ذبح کرنے جائز نہیں۔ جب تک
کہ کوئی ایسا انتظام نہ ہو جائے۔ کہ گوشت بجائے مٹی میں دبایا جانے کے
فقرائے مساکین کے کام آئے۔ تب تک تقوے اسی میں ہے کہ بجائے جانور
ذبح کرنے کے جانور کی قیمت کی برابر صدقہ دیدیا جائے۔ لیکن جہاں گوشت
کے لینے والے مومن فقرائے مساکین موجود ہوں۔ وہاں قربانی ہی کرنا ضرور
فائدہ۔ اس فرقے کے سرگرم ممبر میاں چٹو سوداگر کتب ساکن لاہور تھے
جنہوں نے اپنی ذات اور مال سے ہر طرح اس فرقے کی سرسبزی اور اس مذہب
کی اشاعت میں کوشش کی تھی۔ مگر اب وہ اس مذہب سے بیزار ہو گئے۔ ان کا
بیان ہے کہ یہ فرقہ بھی قرآن کا کافر ہے۔ اور قرآن کی اشاعت کرنا نہیں چاہتا
انہوں نے اہل قرآن کے نام ۲۵ ہزار کی جائداد وقف کی تھی جس وقف کو
اب توڑ ڈالا۔ یہ سب سے پہلے تخمیناً ۴۹ برس حنفی مذہب پر قائم رہے تھے

اس کے بعد اہل حدیث بنکر ایک مدت دراز تک اس فرقے میں سرگرمی سے کام کرتے رہے۔ پھر اہل حدیث سے نکل کر تخمیناً آٹھ سال سے اہل قرآن کے نئے مذہب کے مقلد ہو گئے تھے۔ انہوں نے اہل حدیث کے نام بھی اپنی دس ہزار کی جائداد وقف کی تھی۔ جب اُن سے علیحدہ ہوئے۔ تو وہ وقف بھی توڑ ڈالا

تیسرا حصہ مہدیوں کے بیان میں

اعلیٰ طبقے کی کتب حدیث (صحیح بخاری وصحیح مسلم) مہدی موعود کے ذکر سے ساکت ہیں۔ دوسرے طبقے کی کتابوں میں جو اس مضمون کی حدیثیں پائی جاتی ہیں وہ جرح سے خالی نہیں۔ قاضی ابن خلدون حضرمی نے جو اعتقاد آمد مہدی سے منکر گذرے ہیں اپنی کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر میں ان احادیث کو ایک ایک کرکے رد کیا ہے۔ اور بہت سے علما نے ان کا جواب دیا ہے۔ مہدی کے حق میں جو حدیثیں آئی ہیں باوجود اختلاف روایات بہت ہیں۔ جمہور کے نزدیک وہ مسلم ہیں۔ فقط ایک ابن خلدون نے احادیث مذکورہ میں کلام کیا ہے۔ اُنکے ظہور کا ضعف ثابت کیا ہے۔ اولیا کے مکشوفات پر بھی انکے حق میں جرح کی ہے۔ احادیث مہدی اگرچہ صحیحین میں نہیں مگر ترمذی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ حاکم۔ طبرانی۔ ابو یعلی موصلی وغیرہ کے نزدیک مسلم ہیں۔ بعد بخاری و مسلم کے یہی کتابیں معتبر ہیں۔ خصوصاً جبکہ کوئی حدیث کسی باب میں شیخین کے نزدیک نہو۔ تو پھر یہی احادیث کتب سنن وغیرہ حجت مستقل ہیں۔ پس یہ احادیث مہدی کی ایسی ہیں۔ کہ بعض تقویت بعض کی کرتی ہیں۔ اُنکے لئے شواہد و متابعات بھی علیحدہ ہیں۔ ان حدیثوں میں بعض حدیثیں صحیح بعض حسن بعض ضعیف ہیں۔ کافہ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ آخر زمانے میں ضرور ایک شخص اہل بیت نبوت سے ظاہر ہوگا جو دین

کی تائید کریگا۔ عدل ظاہر فرمائیگا۔ مسلمان اُسکے تابع ہو جائینگے۔ اُس کو ممالک اسلامیہ پر غلبہ حاصل ہوگا۔ اُسکو مہدی کہینگے۔ حضرت عیسٰے اسکے سامنے اتریںگے دجال وغیرہ علامات قیامت کا ظہور اسی کے سامنے ہوگا۔

ابتک بہت سے لوگوں نے دعوے کیا ہے۔ کہ ہم مہدی ہیں پس بعضوں نے تو اس لفظ سے معنی لغوی مراد رکھے ہیں یعنی مقصود اُن کا یہ تھا کہ ہم ہدایت کرنے والے ہیں۔ اس میں تو کچھ گفتگو کی جگہ نہیں۔ اور بعضوں نے دعوے کیا کہ ہم وہی مہدی ہیں۔ جنکے ظہور کی قیامت کے قریب پیغمبر خدا نے خبر دی ہے اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ مہدی ابتک پیدا نہیں ہوئے ہیں ظہور کرینگے۔ شیعہ کے بعض فرقوں نے بھی اپنے ائمہ کے مہدی موعود ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔

زکریا بن امام محمدؑ باقر

(۱) غلاۃ میں سے مغیرہ بن سعید عجلی کے نزدیک جسکا فرقہ مغیریہ کہلاتا ہے مہدی موعود زکریا بن محمدؑ باقر بن علی بن امام حسین بن علی بن ابی طالب ہیں اور وہ زندہ ہیں۔ کوہ حاجر میں مقیم ہیں۔ جب علم ربی ہوگا۔ تو اس سے برآمد ہونگے

مغیرہ

(۲) بعض مغیریہ کے نزدیک خود مغیرہ بن سعید عجلی امام منتظر ہے

عبد اللہ بن معاویہ

(۳) جناحیہ کے نزدیک عبد اللہ بن معاویہ بن جعفر ذوالجناحین بن ابی طالب امام منتظر ہیں۔ اور وہ اصفہان میں کسی پہاڑ کے اندر زندہ موجود ہیں عنقریب نکلنے والے ہیں۔

محمدؐ بن حنفیہ

(۴) کیسانیہ میں سے کربیہ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ محمدؐ بن حنفیہ امام منتظر اور مہدی موعود ہیں وہ ظہور کرینگے۔ تو سارا عالم عدل سے بھر جائیگا۔ اور مختاریہ کے

نزدیک بھی محمدؐ بن حنفیہ مہدی ہیں۔

اسماعیل بن جعفر صادق

(۵) اسماعیلیہ اسماعیل بن جعفر صادق کو مہدی منتظر مانتے ہیں

محمدؐ بن اسماعیل

(۶) اسماعیلیہ میں سے قرامطہ کہتے ہیں۔ کہ محمدؐ بن اسماعیل بن جعفر صادق مہدی ہیں۔ اور وہ زندہ ہیں۔ اور مبارکیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

احمد بن محمدؐ بن حنفیہ

(۷) تاریخ ابوالفدا میں ہے۔ کہ شیخ قرامطہ نے ایک نوشتہ اپنے متبعوں کو دیا تھا۔ جس میں مندرج تھا۔ کہ احمدؐ بن محمدؐ بن حنفیہ مہدی ہیں اور وہی مسیح و عیسیٰ ہیں۔

عبداللہ بن احمدؐ فاطمی

(۸) اسماعیلیہ میں سے مہدویہ کا یہ عقیدہ تھا کہ عبداللہ مہدی موعود تھے جنہوں نے دولت عبیدیہ قائم کی تھی۔

محمدؐ نفس زکیہ

(۹) زیدیہ میں سے بعض جارودیہ یہ کہتے ہیں۔ کہ محمدؐ نفس زکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن سبط امام منتظر ہیں۔ اور امامیہ میں سے فرقہ نفسیہ کا بھی زعم یہی ہے۔ اور ناسخ التواریخ کی پانچویں جلد میں لکھا ہے کہ محمد نفس زکیہ کو بھی یقین تھا۔ کہ میں مہدی موعود ہوں

محمدؐ بن قاسم

(۱۰) بعض جارودیہ کے نزدیک محمدؐ بن قاسم بن علی بن امام حسین بن علی بن ابی طالب امام منتظر ہیں۔

امام محمدؐ باقر

(۱۱) امامیہ سے باقریہ کے نزدیک مہدی محمدؐ باقر بن علی بن امام حسین بن علی

بن ابی طالب ہیں۔

امام جعفر صادق

(۱۲) ناؤسیہ کے نزدیک جعفر صادق بن محمدؐ باقر مہدی ہیں

امام موسیٰ کاظم

(۱۳) ممطوریہ اور موسویہ اور راجعیہ کے نزدیک موسیٰ کاظم بن جعفر صادق مہدی ہیں۔

حسن عسکری

(۱۴) فرقہ عسکریہ کے اعتقاد میں مہدی موعود حسن عسکری ہیں جو دوبارہ دنیا میں آئینگے۔

محمدؐ بن حسن عسکری

(۱۵) اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ مہدی موعود حسن عسکری کے فرزند محمدؐ ہیں۔ وہ مرے نہیں بلکہ لوگوں کی نظروں سے مخفی ہوگئے ہیں۔ اور وہ امام زمانہ ہیں۔ اپنے وقت پر ظاہر ہونگے۔ محمدؐ بن یوسف گنجی نے کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں کہا ہے۔ کہ آخر زمانہ تک وہ زندہ رہینگے۔

محمدؐ مہدی عباسی

(۱۶) فتوحات اسلامیہ میں صواعق محرقہ وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ بعض کہتے ہیں۔ کہ مہدی موعود حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہوگا۔ اور ہارون الرشید کے باپ محمدؐ مہدی بن ابو جعفر عبد اللہ منصور کو مہدی قرار دیتے ہیں۔ اور اس بات پر استدلال اُس حدیث سے کرتے ہیں۔ جس میں ذکر ہے کہ مہدی اولاد عباس عم رسول علیہ السلام سے ہوگا۔ اس محمدؐ مہدی کو اس لئے مہدی موعود خیال کرتے ہیں کہ وہ تمام خلفائے عباسی میں بہتر تھا جس طرح بنی امیہ میں سے عمر بن عبد العزیز بہتر تھے

عمر بن عبدالعزیز

(۱۷) اور اُسی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ کہ ایک فرقے نے عمر بن عبدالعزیز کو مہدی بتایا ہے۔ یہ نہایت عادل تھے۔ یہانتک کہ رعیت اُنکو عمر ثانی کہتی تھی یہ خلفائے بنی امیہ کے آٹھویں خلیفہ ہیں۔ تمام خلفائے بنی امیہ تا ایام دولت سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہفتم بنی امیہ حضرت علی مرتضٰے کی مذمت ممبروں پر کیا کرتے تھے۔ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے۔ تو انہوں نے یہ رسم بد موقوف کی۔ اور اپنے تمام نائبوں کو جا بجا لکھا۔ کہ اس رسم بد سے باز آئیں اور موقوف کریں۔ جمعہ کے دن خطبہ پڑہا۔ اور خطبے کے آخر یہ آیت پڑہی ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون یعنی اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے۔ واسطے انصاف کے اور احسان کے اور واسطے دینے حق رشتہ داروں کے اور اہل حقوق کے اور منع کرتا ہے بے حیائی اور برے کام اور ظلم وستم سے نصیحت کرتا ہے۔ کہ تم یاد رکھو اس روز سے علی مرتضٰے کو برا کہنا موقوف ہوگیا۔ اور سب خطیبوں نے اس آیت کا پڑہنا خطبے میں مقرر کیا۔

احمد بن کیّال

(۱۸) فرقہ کیالیہ کے نزدیک احمد بن کیّال مہدی ہے۔

علی محمد باب

(۱۹) ملک ایران میں علی محمد باب نے مہدیت کا دعوے کیا تھا اُس کا بیان فرقۂ بابی میں ہوچکا

محمود مسیجوانی

(۲۰) محمود بھی اپنی ذات کو مہدی موعود جانتا تھا جسکا ذکر فرقہ واحدیہ میں گذرچکا

مرزا غلام احمد قادیانی

(۲۱) مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اور کئی دعوؤں کے ساتھ مہدی آخر الزمان

ہونے کا بھی دعوے کیا تھا۔

سید محمد جونپوری

(۲۲) ہندوستان میں سید محمد جونپوری نے علانیہ مہدی موعود ہونے کا دعوے کیا۔ یہ حنفی المذہب تھے۔ ہدیۂ مہدویہ میں لکھا ہے۔ کہ محمد جونپوری کہ جنکو مہدوی لوگ میران سید محمد مہدی موعود پکارتے ہیں۔ ابتدا یوں ہے۔ کہ شہر جونپور میں انکے والد جنکا نام سید خاں تھا رہتے تھے۔ اُن سے دو فرزند پیدا ہوئے۔ پہلے فرزند کا نام احمد رکھا۔ اور دوسرے فرزند کا نام محمد کہ وہ یہی شیخ موصوف ہیں۔ ولادت انکی شہر جونپور میں سنہ ۸۴۷ھ میں واقع ہوئی۔ انکی والدہ کا نام بی بی اغا ملک ہمشیرہ ملک قوام الملک ہے۔ لیکن متاخرین مہدویہ نے جبکہ زمانہ گذر گیا۔ اور محمد جونپوری کے باپ دادا کے پہچاننے والے مرگئے تو بہ مصلحت دعوے مہدیت کے محمد کے باپ کا نام بدل کر میاں عبداللہ مقرر کر دیا۔ بلکہ صاحب شواہد الولایت[1] نے ماں کا نام آمنہ ٹھیرا دیا حالانکہ مطلع الولایت[2] والا کہ اُس سے مقدم ہے انکی ماں کا نام بی بی اغا ملک لکھتا ہے۔ جیسا کہ ہدیۂ مہدویہ میں مذکور ہے۔ مگر مطلع الولایت کی اصل عبارت یہ ہے۔ و والدہ آنحضرت را نام بی بی آمنہ بود و بی بی اغا ملک نام میاں سید عثمان داشتہ بودند۔ مہدویہ کہتے ہیں۔ کہ سید محمد اولاد سے موسیٰ کاظم کے ہیں۔ اور درمیان مہدی مذکور اور حضرت امام موسیٰ کاظم کے بارہ پشت ہیں۔ کہ اُسکی تفصیل یہ ہے۔ سید محمد مہدی بن سید عبداللہ بن سید عثمان بن سید خضر بن سید موسیٰ بن سید قاسم بن سید نجم الدین بن سید عبداللہ بن سید یوسف بن سید یحییٰ

---

[1] کتاب شواہد الولایت تصنیف برہان الدین بن اللہ بخش بن محی الدین بن سید شہاب الدین بن سید خوندمیر داماد سید محمد جونپوری کی ہے سنہ ۱۰۵۲ھ میں تالیف ہوئی ہے ۱۲

[2] کتاب مطلع الولایت تصنیف سید قاسم بن سید یوسف بن سید یعقوب بن سید محمود بن سید محمد جونپوری ہے سنہ ۱۱۱۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے ۱۲

بن سید جلال الدین بن سید اسماعیل بن سید نعمت اللہ بن امام موسی کاظم اور شمس الولایت میں لکھا ہے۔ کہ سید جلال الدین بن سید اسماعیل بن سید نعمت اللہ بن امام موسی کاظم اور شمس الولایت میں لکھا ہے۔ کہ سید جلال الدین بن امیر سید نعمت اللہ بن امیر سید اسماعیل بن امیر امام موسیٰ کاظم اور خاتم سلیمانی میں بھی یہی مندرج ہے۔ کتاب انصاف نامہ کے باب اول میں لکھا ہے کہ محمد جونپوری سے جب لوگوں نے یہ سوال کیا۔ کہ حدیث میں آیا ہے:۔ یواطی سمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی یعنی انحضرت نے فرمایا کہ مہدی کا نام میرے نام کے ساتھ موافق ہوگا۔ اور اُسکے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر اور تمہارے باپ کا نام سید خاں ہے۔ تب ان بزرگ نے جوابدیا۔ کہ خدا سے کہو کہ سید خاں کے بیٹے کو کیوں مہدی کیا۔ اور بعضوں کو یوں بھی جواب دیا کہ رسول خدا کے باپ کافر تھے۔ انکا نام عبداللہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ بلکہ محمد رسول اللہ کا نام محمد عبداللہ تھا۔ اور یہ سہو کاتب ہے کہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا ہے۔ اور مہدی کا نام وہی محمد عبداللہ ہے۔ القصہ جب عمر انکی چار سال و چار ماہ و چار روز کی ہوئی۔ سید خاں نے اشراف و اعیان جونپور کی ضیافت بہ تکلف کر کے زبان شیخ دانیال جونپوری سے کہ مشائخ وقت سے تھے بسم اللہ پڑھوا کر واسطے تعلیم کے انکو اُنہی کے حوالے کیا۔ چنانچہ ہمراہ اپنے برادر کلاں میاں احمد کے اُن کے پاس جایا کرتے تھے۔ اور اکتساب علوم میں مشغول رہتے تھے۔ چونکہ طبیعت اور ذہن دل پسند رکھتے تھے۔ اول سات برس کی عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہو کر بقیہ کتب علوم درسیہ سے سن دوازدہ سالگی میں فارغ التحصیل ہوگئے اور چونکہ ہوشگافی میں دلیر اور بحث میں شیر تھے۔ شیخ دانیال جونپوری اور علمائے دانا پور نے انکا لقب اسد العلما مقرر کیا۔ آبا و اجداد اُنکے طریقہ چشتیہ رکھتے تھے لیکن انکی مریدی کا مہدویہ انکار رکھتے ہیں۔ بلکہ کہتے ہیں۔ اس دوازدہ سالگی میں حضرت خضر علیہ السلام نے اُنکو ذکر خفی وغیرہ جانب رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم سے لاکر پہنچایا۔ اور پھر خود ان سے سیکھا۔ اور شیخ دانیال بھی خضر علیہ السلام
کے اشارے سے ان سے تلقین پاکر مصدق مہدیت کے ہوئے۔ لیکن اہل سنت کی
کتابوں میں اسکے بالعکس لکھا ہے۔ کہ خود شیخ دانیال کے مرید تھے۔ جو چار
واسطے سے حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ ہیں۔ القصہ سید محمد جونپوری نے
عنفوان شباب سے قدم درویشی میں رکھا۔ اور لوگ انکے نہایت معتقد ہوئے
یہانتک کہ سلطان حسین حاکم دانا پور نے بھی خراج گذار دلپت رائے والی
ملک کوٹ کا تھا۔ انکے ساتھ رابطۂ اخلاص پیدا کیا۔ کہ ہر مہم میں انکو ہمراہ رکھتا
تھا۔ آخرکار شیخ موصوف نے اسکو راجہ مذکور کی اطاعت سے ننگ وعار دلاکر
مستعد جنگ کیا۔ کہ تیس ہزار سپاہ لیکر یہ سید محمد کے ہمراہ روانہ کوٹ ہوا۔ اور
اور پندرہ سو سپاہی قوم بیراگی سید محمد کی رکاب میں تھے۔ جب یہ خبر دلپت راو
کو پہنچی۔ ستر ہزار سپاہ ہمراہ لیکر اپنے قلعہ سے تین میل آگے آکر مقابل ہوا سلطان
نے قلت سپاہ کی وجہ سے ہزیمت پائی۔ لیکن شیخ نے مقابلہ جاری رکھا۔ اور
ان پندرہ سو بیراگیوں کے ساتھ ایسا حملہ کیا۔ کہ سید محمد جونپوری اور دلپت راو
دوچار ہوگئے۔ اور وہ شیخ کی تلوار سے مارا گیا۔ اور اسکے دو ٹکڑے ہوکر زمین
پر گر پڑا۔ راجہ کا دل جسم سے باہر نکل آیا میاں دلاور سید محمد کے خلیفہ
راجہ مذکور کے بھانجے ہیں۔ اسی جنگ میں دستگیر ہوکر سید محمد کی خدمت میں
آئے کہتے ہیں۔ کہ راجہ کے دل پر اس بت کا نقش جسکی ہمیشہ عبادت کیا کرتا
تھا موجود تھا۔ یہی امر سید محمد کے جذبہ کا موجب ہوا۔ کہ جب باطل کو اس قدر
اثر ہے۔ حق کو کیا کچھ اثر ہوگا۔ غرضکہ سات برس تک کچھ ہوش وحواس نہ تھے
مگر فرض نماز ادا کرتے تھے۔ کتب مہدویہ مانند مطلع الولایت وغیرہ میں لکھا ہے
کہ اس سات برس میں ایک ذرہ طعام اور ایک قطرہ پانی کا کبھی نہ چکھا۔
ایک روز انکی بی بی الہدیتی نے کہا۔ کہ کیا سبب ہے کہ بے ہوش رہتے ہو۔ اور
تحمل نہیں کرسکتے ہو۔ بولے کہ اس قدر تجلی الوہیت کی ہوتی ہے۔ کہ اگر ان

دریاؤں میں کا ایک قطرہ کسی ولی کامل یا نبی مرسل کو دیا جائے۔ تو تمام عمر کبھی
ہوش میں نہ آئے۔ القصہ بعد سات برس کے کچھ ہوش آیا گاہے باہوش و
گاہے مدہوش رہتے تھے۔ یہ حال مذبذب پانچ برس تک رہا۔ کہتے ہیں۔ کہ اس
پانچ برس میں غلہ و گوشت و روغن ساڑھے سترہ سیر بروایت بی بی الہدیتی
کے کھایا ہوگا۔ بعد اس حال کے طریقہ ہجرت یعنی وطن چھوڑنے کا اختیار کیا
کہ جلائے وطن کر کے مع زن و فرزند و چند مرید کے داناپور کے جنگل کی راہ سے
جہاں گردی کو نکلے بی بی مذکورہ اور سید محمود فرزند ان کے اور شیخ بھیک وغیرہ
ہمراہ تھے۔ اور اس جنگل میں الہامات اپنی مہدیت کے بھی ظاہر کئے۔ اور ان
ہمراہیوں نے تصدیق بھی کی۔ اور وہاں سے رفتہ رفتہ شہر چندیری میں پہنچے
اور وہاں اُنکے وعظ و بیان میں جب ہجوم خلائق زیادہ ہوا۔ وہاں کے شیخ
زادوں کو کہ صاحب سجادہ مشیخت تھے ناگوار معلوم ہوا۔ آخر الامر بجبر و اکراہ
وہاں سے اُنکو نکال دیا۔ وہاں سے شہر مانڈو کو چلے گئے۔ وہاں بھی انکا غلغلہ ہوا
یہانتک کہ سلطان غیاث الدین نے جسکو اسکے فرزند سلطان نصیر الدین نے
اُس ایام میں قید کر دیا تھا۔ شیخ موصوف کے دو مرید سید سلام اللہ اور ابوبکر کو بلا کر
باعزاز تمام ملاقات کر کے رخصت کیا۔ اور بیش قیمت تحائف سید محمد کی خدمت
میں پیش کئے۔ یہاں ایک امیر مصاحب سلطان غیاث الدین الہداد نامی
کہ فاضل اور شاعر بھی تھا ترک دنیا کر کے ہمراہ ہوا۔ اور تا دم مرگ ہمراہ رہا مرثیہ
شیخ اور دیوان غیر منقوط اور رسالہ بار امانت اور رسالہ ثبوت مہدیت تصنیف
اسی کی ہیں۔ اور اسکو خلیفہ ششم سید محمد کا شمار کرتے ہیں۔ غرضکہ اب یہاں سے
لوگ معتقد ہوکر ہمراہ ہونے لگے اور اسی شہر میں سید اجمل فرزند سید محمد
چھوٹا بھائی سید محمود کا فوت ہوا۔ اور یہیں اسکو مدفون کیا غرضکہ سید محمد بعد
اسکے کوچ کر کے شہر چاپانیر میں کہ دار السلطنت گجرات کا تھا پہنچ کر مسجد جامع
میں اُترے۔ وہاں بھی انکے وعظ و تجرد کا چرچا ہوا۔ یہانتک کہ والی گجرات

سلطان محمود بیگڑہ نے بھی ارادہ آنے کا کیا لیکن دو عالم کہ اول حسب الحکم
ملاقات کو گئے تھے مانع ہوئے اور میاں نظام کہ مسجد اسلام خاں میں طالب علمی
کرتے تھے مرید ہوکر ہمراہ ہوئے۔ اور آخر تک رفیق رہے۔ اور بی بی الہدیتی زوجہ
کلاں سید محمود یہیں فوت ہوگئیں۔ اور ان کے انتقال کے بعد سے طریقہ تقسیم
بالسویہ کا فتوحات میں شروع ہوا۔ پھر اقامت ڈیڑھ برس کے وہاں سے برہانپور
کی راہ سے دولت آباد میں وارد ہوئے۔ وہاں سے مزارات اولیاء اللہ کی زیارت
کرکے شہر احمد نگر میں پہنچے اُس وقت احمد نظام الملک نے قلعہ اور باغ نظام کی
بنیاد ڈالی تھی چونکہ آرزومند فرزند کا تھا۔ اسی خیال سے انکی خدمت میں
بھی آیا۔ اور معتقد ہوا۔ اتفاقاً عنقریب برہان نظام الملک پیدا ہوا۔ کہ بعد
اسکے جانشین وہی ہوا۔ اور معتقد اس فرقے کا تھا۔ اسی واسطے سید محمد کے
بعد اُنکے خلفاء و مریدین کو مانند شاہ نظام و دلاور و نعمت وغیرہ کے گجرات سے
طلب کیا تھا۔ اور اپنی بیٹی سید محمد کے پوتے میراں جی بن حمید بن سید محمد مہدی
کے عقد نکاح میں دی تھی یہی سبب ہے انکی اولاد و خلفا کے دکن میں آنیکا
القصہ شہر احمد نگر سے کوچ کرکے شہر بیدر پہنچے۔ عہد ملک برید میں وہاں شیخ
مومن معتقد ہوئے۔ اور ملا ضیا اور قاضی علاء الدین ترک دنیا کرکے ہمراہ ہوئے
پھر وہاں سے سید محمد گلبرگہ کو آئے۔ او رمزار گیسو دراز پر گئے پھر وہاں سے
روانہ ہوکر قصبہ رائے باگ ہوتے ہوئے بندر دابھول کو پہنچے۔ اور وہاں سے
جہاز پر سوار ہوکر روانہ کعبۃ اللہ ہوئے۔ اور بعد طے منازل کے حرم محترم میں پہنچے
اس مقام میں دعوے من اتبعنی فہو مومن کا کیا۔ اور میاں نظام اور قاضی علاء
الدین نے آمنا و صدقنا بول کر جھٹ بیعت کر لی۔ اور بولے کہ دو گواہ بس ہیں
اور سنہ ۹۰۱ھ میں یہ دعوے ہوا تاریخ فرشتہ میں مقالہ سوم کے روضۂ سوم میں
ابراہیم بن برہان نظام شاہ ثانی کے حالات میں غلطی سے یہ لکھدیا ہے۔ کہ
سنہ ۹۶۰ھ کے اواخر میں سید محمد جونپوری نے مہدیت کا دعوے کیا تھا اسی

طرح مولف عقائد الاسلام کی بھی غلطی ہے۔ کہ اُس نے لکھا ہے۔ کہ اکبر کے زمانے
میں سید محمد جونپوری نے مہدی ہونے کا دعوے کیا تھا۔ الغرض یہاں سے
سید محمد حضرت آدم کی زیارت کو گئے۔ اور کہا کہ میں نے باوا آدم سے معانقہ
کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ خوش آمدی صفا آوردی پھر بغیر زیارت حضرت
رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ معظمہ سے بعجلت تمام مراجعت کرکے جدے
کو آکر جہاز پر سوار ہوکر بندر دیو گھاٹ پر اُتر کر وہاں سے ملک گجرات میں شہر
احمد آباد میں آکر مسجد تاج خاں بن سالار خاں میں قریب دروازہ جمال پور
کے مقیم ہوئے۔ یہاں بھی اٹھارہ مہینے رہنے کا اتفاق ہوا اور طریقہ وعظ
و دعوت کا شروع کیا۔ اور **ملک برہان الدین** وہیں مرید و تارک بنکر
رفیق ہوئے۔ اُنکو مہدویہ خلیفہ ثالث جانتے ہیں اور **ملک گوہر** کہ خلیفہ چارمین
میں ہیں۔ اُسی مقام سے رفیق سفر و حضر ہوئے۔ اور اسی مسجد میں ایک روز
مجمع عام میں سید موصوف نے ۹۰۳ھ میں دعوے **مہدیت** کا کیا۔ یہ دعوے
دوم ہے ایک دن اُنہوں نے یہ کہا۔ کہ ہم خدا کو دنیا میں انہی آنکھوں سے
دیکھتے ہیں۔ اس بات کے سنتے ہی علمائے گجرات نے اُنکے قتل کا فتوے دیا
مگر مولانا محمد تاج نے اُنکو سمجھایا۔ کہ کیا تم نے علم ایک سید کے قتل کے لئے ہی پڑھا
ہے۔ جبکہ علماء و مشائخ گجرات نے سلطان محمود سے شکایت کی۔ کہ شیخ تازہ وارد
اپنے وعظ میں حقایق خلاف شریعت بیان کرتا ہے۔ سلطان نے اخراج کا حکم دیا
اس سبب سے وہاں سے اُٹھکر ایک گاؤں سولہ سانیج نام میں اترے میاں
نعمت کہ خلیفہ کلاں ہیں۔ بڑے راہزن اور خونی تھے۔ خون حبشی کے جرم
سے بھاگ کر وہاں پہنچے۔ اور مرید ہوکر ساتھ ہوئے۔ پھر وہاں سے روانہ ہوکر
شہر نہر والہ پیران پٹن میں کہ علاقہ گجرات میں سے ہے آکر خان سرور کے لب
حوض اُترے۔ یہاں اٹھارہ مہینے اتفاق اقامت کا ہوا۔ اور میاں خوندمیر
وہیں آکر تربیت پذیر ہو مرید ہوئے۔ اور ملک نجن برخوردار اور ملک الہداد

اور ملک حماد کہ انکے اقربا سے ہیں۔ وہ بھی مرید ہوکر ہمراہ ہوئے۔ اور خوند
میر کو اجازت گھر میں رہنے کی ہوئی۔ کہ فی الحال یہیں رہو۔ اور انکے اقربا کو
مبارز الملک وغیرہ امرائے گجرات نے بھی نہ چھوڑا۔ بلکہ نظر بند کر گئے رکھا
اور جب مبارز الملک نے دیکھا۔ کہ اپنے اکثر اقارب وغیرہ اہل گجرات اس قدر
سید محمد کے دام تسخیر میں گرفتار ہوتے جاتے ہیں۔ کہ کسی ملک میں نہوئے۔ تو
ایک فرمان ثانی سلطان محمود کا صادر کیا۔ کہ پیران پٹن سے بھی اخراج کرایا
اور سید محمد کی عادت تھی۔ کہ جب حکم اخراج کسی حاکم کا آتا۔ تو بولتے تھے۔ کہ مجھکو
خدا کا حکم بھی یہاں سے نکلنے کا ہوا ہے۔ میں خود بخود جاتا ہوں۔ چنانچہ
پیران پٹن سے نکل کر تین کوس کے فاصلے پر قصبہ بدلی میں اترے۔ اور وہاں
بھی اٹھارہ مہینے اتفاق اقامت کا ہوا۔ اور میاں خوند میر کہ بالاخانے میں
محبوس تھے بعد چھ مہینے کے خفیہ نکل کر سید محمد کے پاس آئے۔ یہاں سب
خاص و عام مریدین کا مجمع ہوا۔ ایک دن سید محمد نے فرمایا۔ کہ مجھکو اٹھارہ
برس سے بار بار حکم خدا کا بلا واسطہ ہوتا ہے۔ کہ مہدیت کا دعوے کر میں
ٹلا تا چلا جاتا ہوں۔ اب مجھکو یہ حکم ہوا ہے۔ کہ اے سید محمد دعوے مہدیت
کا ظاہر کر۔ اگر اب تو دعوے مہدیت کا ظاہر نہیں کریگا۔ تو تجھکو ظالمان میں کا کرونگا۔ اس واسطے میں بہ صحت
عقل و حواس دعوے کرتا ہوں۔ کہ انا مہدی مراد اللہ اور اپنا سیدھا ہاتھ دونوں
انگلیوں سے پکڑ کر کہا کہ جو کہ مہدیت اس ذات سے منکر ہووئے وہ کافر ہے
اور میں خدا سے بے واسطہ وغیرہ احکام لیا کرتا ہوں۔ اور فرمان حق تعالے
کا ہوتا ہے۔ کہ علم اولین و آخرین کا تجھکو دیا۔ اور بیان معنی قرآن اور کنجی خزانہ
ایمان کی تجھکو دی ہم نے۔ تجھکو جو قبول کریگا۔ وہ مومن ہے۔ اور تیرا جو منکر
ہووے وہ کافر اسی طرح بہت سی باتیں خدائے پاک کی طرف نسبت کیں
خوندمیر اور تمام اصحاب کہ تین سو ساٹھ تھے پکارے آمنا و صدقنا۔ یہ تیسرا دعوے
سنہ ۹۰۵ھ میں ہوا۔ اور مرتے وقت اس پہ قائم رہے۔ اسی واسطے اسکو

دعوے موکد ہو لیتے ہیں غرضکہ یہ خبر جب مشہور ہوئی۔ تو شہر نہر والہ میں
کہ وہاں سے تین کوس تھا شور وغوغا ہوا۔ کہ جس سید کو یہاں سے شہر بدر کیا
تھا اُس نے قصبہ بارلی میں جا کر دعوے مہدیت کا کیا۔ پس چند علما قصبہ
مذکور میں آئے۔ اور سید موصوف کے ساتھ مباحثہ و سوال وجواب مہدیت
وغیرہ دعاوی کے باب میں دیر تک کرتے رہے۔ اور سید محمدؐ اپنے دعوے سے
باز نہ آئے۔ ختم الہدے سبل السوے میں ذکر کیا ہے کہ جس وقت سید محمدؐ کو
اس دعوے کا حکم حق تعالے کی جانب سے ہوا۔ ایک حکم نامہ وہاں کے بادشاہ
کو اس مضمون کا روانہ فرمایا کہ میں سید محمدؐ اللہ تعالے کے فرمان سے مہدیت
کا دعوے کرتا ہوں۔ ایسی حالت میں کہ عقل بجا اور سب طرح سے ہوشیار
ہوں۔ نہ سکر و سہو کی حالت میں اور سب صورتوں سے صحت ہے اور کسی
طرح کی حاجت نہیں۔ اور اس دعوے پر اتباع کلام اللہ و پیروی رسول اللہ
ہر دو شاہد ہیں۔ پس ہر ایک کو کہ بادشاہ ہو یا امیر قاضی ہو یا دنیا طلب ہو۔ یا
فقیر لازم ہے کہ تحقیق کرکے تصدیق کریں۔ اگر بندے کو جھوٹا اور مفتری علی اللہ
جانیں تو قتل کریں۔ ورنہ ہم جہاں جائینگے خلق کو اپنے مدعا پر بلائینگے۔ ان
دونوں صورتوں میں وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔ کہ دونوں جہان کی بہبودی
تمہارے لئے ہے۔ اس فرمان کے روانہ کرنے کے بعد چار مہینے آپ اُس جگہ
اقامت فرما ہے۔ اس عرصے میں نہ وہاں کا بادشاہ متعرض ہوا۔ نہ کوئی دوسرا
پھر یہاں سے شہر جالور کو چلے گئے۔ وہاں کے بہت لوگ مرید و معتقد ہوئے
پھر وہاں سے شہر ناگور میں پہنچے۔ اور وہاں بیان کیا۔ فالذی ہاجر و اشد
و اُخرجوا من دیارہم شد و او فداے سبیلی شد تا تلوا و قتلوا ماندہ است۔ ماشاء اللہ
خواہد شد۔ بعد اسکے وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور ملک سندھ میں شہر نصر پور
میں داخل ہوئے۔ وہاں سے میاں نعمت اور میاں خوند میر کو گجرات جانے کی
رخصت دی۔ اور ایک جماعت کثیر اُن کے اصحاب کی روانہ گجرات ہوئی۔ بی بی

شنکر خاتون بھی انہی میں تھیں۔ پھر وہاں سے دار السلطنت ٹھٹھہ میں پہنچے اور وہاں اٹھارہ مہینے رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور کچھ لوگوں نے تصدیق مہدیت کی کی۔ جب یہ حال دجال لکا اہل اسلام سندہ پر منکشف ہوا۔ تو نہایت تنگ پکڑا۔ یہانتک کہ چوراسی آدمی سید محمد کے رفقاد اصحاب میں سے مارے فاقوں کے مر گئے۔ سید محمد نے بشارت دی۔ کہ ان سب کو مقامات انبیاء و مرسلین اولوالعزم کے ملے۔ بالقصہ بادشاہ سندھ نے حکم دیا۔ کہ اس درویش کو مع تمام مریدوں کے قتل کرو۔ لیکن دریا خاں امیر بادشاہ مذکور نے اپنی عرض و معروض سے حکم قتل ملتوی کروا کے مملکت سندھ سے اخراج کروا دیا۔ پس سید محمد سب اصحاب کے ساتھ خراسان کو روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں۔ کہ قریب نو سو آدمیوں کے اُن کے ہمراہ تھے۔ اُن میں سے تین سو ساٹھ اصحاب و مہاجرین خاص کہلاتے تھے۔ غرضکہ بہزار خرابی و بربادی افتاں و خیزاں یہ قافلہ وارد قندہار ہوا۔ وہاں بھی انکی اس قیل وقال کا چرچا ہوا۔ حاکم قندہار مرزا شاہ بیگ نے حکم دیا کہ سید ہندی کو جمعہ کے روز مسجد جامع میں علمائے اسلام کے سامنے حاضر کرو۔ چنانچہ حسب الحکم ملازمین اُسکے دوڑے اور جبراً و قہراً گمر بند سید کا پکڑ کر اس عجلت سے لے چلے کہ جوتا بھی پہننے نہ دیا۔ اور مریدوں نے جب ارادہ ہمراہی کا کیا۔ تو منع کیا۔ بلکہ زدوکوب کی بھی نوبت پہنچی۔ جب سید محمد داخل مسجد ہوئے۔ علما وغیرہ نے ہجوم کر کے سخت سست کہنا شروع کیا۔ سید محمد نے تحمل کر کے وعظ قرآن شروع کر دیا۔ شاہ بیگ کہ جوان بست سالہ تھا۔ انکے بیان پر فریفتہ ہوگیا۔ اس سبب سے وہ گرمی سرد ہو گئی۔ اور سید محمد نے اُنکے ہاتھ سے نجات پا کر بعد چند روز کے راہ شہر فراہ کی لی۔ جب فراہ میں پہنچے وہاں بھی یہی بازپرس پیش آئی۔ کہ اول ایک عہدہ دار نے آکر سید محمد اور تمام ہمراہیوں کے ہتھیار چھین لئے۔ اور گوشہ کمان سب کے سر پر رکھکر ایک ایک کو شمار کر کے کہا۔ کہ کل سب کو قید کرینگے۔ بعد اس کے امیر ذوالنون حاکم

شہر واسطے دریافت کیفیت کے بذات خود آیا۔ لیکن بعد ملاقات کے معتقد شیخ کا ہوا۔ اور علما کو اجازت دی کہ امتحان مہدیت کا کریں۔ چنانچہ علمائے فراہ نے سوال و جواب شروع کئے۔ اور امیر ذوالنون نے یہ تمام کیفیت مرزا حسین بادشاہ خراسان کے حضور میں لکھکر روانہ کی۔ بادشاہ نے چار عالم واسطے دریافت حقیقت حال کے روانہ کئے۔ چنانچہ علمائے مذکورین نے آکر مباحثہ کیا۔ جب فراہ میں تین مہینے گذر چکے۔ تو خوندمیر اور میاں نعمت کہ نصرپور سے اپنے وطن کو واپس گئے تھے۔ اور میاں محمود فرزند سید محمدؐ کہ شہر نہروالہ میں اپنے والد سے جدا ہو کر تلاش نوکری کے ارادے سے جاکر سلطان محمود کی سرکار میں مردم سپاہ پیشہ میں نوکر ہوئے تھے۔ یہ تینوں شخص فراہ کو آئے اور ہدایا و نذر کہ مردم گجرات نے سید محمدؐ کے واسطے میاں نعمت کے ہمراہ روانہ کئے تھے۔ راہ میں اُن میں سے میاں محمود فرزند سید محمدؐ نے خرچ کے لئے کچھ مانگا۔ میاں نعمت نے کہا۔ کہ پرائی امانت میں خیانت کرنے نہ دونگا۔ مگر میاں محمود کے خفا ہونے کی وجہ سے خوندمیر نے اپنا خرچ راہ مع اس امانت کے جو اُنکے ہمراہ تھی پیش کر دیا۔ جب کہ فراہ پہنچے۔ تو مسئلہ امانت میں سید محمدؐ نے طرفداری فرزند کی کی۔ اور کہا کہ کیا مثل گجرات کی یاد نہ تھی۔ کہ ایک ٹھاک کیا تیرے باپ کا مال ہے۔ بعد اسکے سید محمدؐ نے وہ امانتیں میاں نعمت سے طلب کیں۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ یہ طالبان خدا اثنائے راہ سے آپکی طرف روانہ ہوئے انپر خرچ کیا گیا۔ سید محمدؐ نے کہا۔ کہ ان لوگوں کو کس نے طالب خدا بنایا۔ یہ کلام سنتے ہی طالبین مذکور بیساختہ بھاگے۔ اور میاں نعمت جنکا لقب **مقراض بدعت** ہے جوش میں آکر مع اہل و عیال روانہ ہوئے۔ سید محمدؐ نے ایک گوجری مثل بول کے اُنکی فہمائش کی۔ کہ تو مجھ توڑ نہ توڑ سہاگن ہوں تجھ توڑ نہار۔ یعنی تو مجھکو چاہ نہ چاہ میں تیرا چاہنے والا ہوں۔ اور بہت سا دلاسا کر کے واپس لائے۔ چنانچہ تفصیل اس کی

تذکرۃ الصالحین میں موجود ہے۔ اور فرزند مذکور کے حق میں کہا کہ جس کا پوت
پوت ہو کر آوے اُسے کاہے خوشی نہ ہوئے۔ غرضکہ ان لوگوں کے آنے کے بعد
سید محمد چھ مہینے اور زندہ رہے۔ پس کل قیام فراہ کا نو مہینے ہے۔ اور اکثر بشارات
و اشارات اپنے اور اپنے مریدوں کے فضائل میں اسی عرصہ میں بیان کئے
ہیں۔ القصہ بعد نو مہینے کے تریسٹھ برس کی عمر میں مقام فراہ میں پنجشنبہ کو
سنہ ۹۱۰ھ میں انتقال کیا۔ **مضا مہدی** تاریخ وفات ہے۔ کہتے ہیں انتقال
سے پہلے جمعہ کے دن نماز و ترادا کی تھی۔ اور یہ علامت انتقال کی تھی۔ کیونکہ
حضرت رسالت پناہ نے بھی قبل رحلت بعد نماز جمعہ کے وتر ادا کئے تھے۔
شواہد الولایت کے باب ۲۸ میں لکھا ہے۔ کہ سید محمد بروز انتقال اپنی زوجہ
بی بی بون کے گھر میں تھے۔ اور عادت یہ تھی۔ کہ زمین میں میخیں واسطے
شناخت وقت نوبت ازواج کے گاڑی تھیں۔ جب ان میخوں پر سایہ پہنچتا
تھا۔ ایک بی بی کے گھر سے دوسری بی بی کے گھر جانے کی نوبت آتی تھی۔ اس
روز جب سایہ میخ پر پہنچا فرمایا۔ کہ مجھکو بی بی ملکان کے گھر میں لے چلو۔ بی بی
ملکان وہاں حاضر تھیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ آپ پر سختی ہے۔ اور میں خود
یہاں حاضر ہوں۔ اور میں نے اپنی نوبت تم کو بخشدی۔ آپ یہیں رہو۔
اور یاروں نے بھی یہی مضمون بکمال اصرار عرض کیا۔ میراں نے جواب دیا
کہ خوب تم نے اپنا حق بخشا۔ لیکن حد شرع محمدی کی۔ کہ خدائے تعالیٰ نے حکم کیا ہے
کون بخش سکتا ہے۔ بعد اسکے پھر دو تین بار بی بی ملکاں وغیرہ نے یہی
مضمون عرض کیا۔ لیکن میراں نے قبول نہ کیا۔ اور کہا کہ برادر لوگ ہماری
رعایت کرتے ہیں۔ اور شرع محمدی کی رعایت نہیں کرتے۔ الغرض نہ مانا
اور بی بی ملکان کے گھر میں بہر طور اپنے تئیں پہنچایا انتہی۔ القصہ انتقال
کے بعد سید محمد کے جنازے کی نماز بیرانی عیدگاہ فراہ میں پڑھ کر ایک جگہ میں
کہ فراہ اور موضع سج کے درمیان ہے دفن کیا۔ اور میاں الہ دین حمید نے سب کے

سامنے چند مرثیے قبر پر پڑھے کہ اس میں یہ شعر بھی تھا ؎

نضاش کہ بر جمیع پیمبر شد از خدا — بادا بروز حشر شفاعت گر از خدا

اور سنہ ۹۰۸ھ میں شاہ قاسم عراقی حاکم فراہ نے قبر پر گنبد بنوایا لیکن یکان
سلطان حاکم فراہ نے اسکی تکمیل کی غرض دہم کے بعد میاں خوندمیر
اپنے وطن گجرات کو چلے گئے۔ اور نہر والہ میں متوطن ہوئے۔ اور بعد چند روز
کے اہل اسلام نے وہاں سے شہر بدر کیا۔ تو قصبہ سلطانپورہ میں آکر رہے انہوں
نے اپنی اس تعجیل معاودت کا یہ عذر بیان کیا تھا۔ کہ میراں کی روح نے
مجھ کو کہا ہے۔ کہ تم گجرات جاؤ۔ اور سید محمود فرزند میراں نے ایک سال
فراہ میں ٹھیر کر کہا۔ کہ مجھکو بھی میراں کی روح نے جانے کا حکم دیا۔ اس
واسطے وہ گجرات میں آکر مقام بہاوٹ میں متوطن ہوئے۔ اور خوندمیر بھی
ان کے قرب وجوار کے واسطے موضع بھادی پورہ میں ایک منزل کے فاصلے
پر بہاوٹ سے متوطن ہوئے۔ پھر وہاں سے موضع جھنجھی واڑہ میں رہے
اور سید محمود کی طرف سب خلفاء و مریدین سید محمد جونپوری کی رجوع ہوئی
اس سبب سے انکا شہرہ زیادہ ہوا۔ اور روز بروز خلق انکی تسخیر میں یاد
ہونے لگی جب یہ بات سلطان محمود بیگڑہ کو معلوم ہوئی۔ بھاری زنجیر پاؤں
میں ڈلوا کر قید کیا۔ اکتالیس روز کے بعد راجے سون اور راجے مرادی خم ایران
بادشاہ کی سفارش سے کہ میراں کی معتقد تھیں رہائی پائی لیکن زخم زنجیر
سے پاؤں سڑ گیا۔ اور اڑھائی مہینہ کے بعد اسی وجہ سے پچاس سال کی عمر
میں سنہ ۹۱۹ھ میں اپنے والد کی وفات سے نو برس کے بعد مقام بہلوٹ میں
قضا کی۔ بعد انتقال محمود کے میاں خوندمیر فرقۂ مہدویہ کے رئیس ہوئے
انہوں نے دعوت اس مذہب کی شروع کی۔ عوام الناس ان کے مسخر ہونے
لگے ستائیس بار مقامات سے انکو بدر کیا گیا۔ سلطان مظفر گجراتی نے اس فرقہ
کی زیادتی کا حال سنکر کچھ فوج اسکی تباہی کے لئے عین الملک کی ماتحتی میں

موضع کھانبیل کو بھیجی۔ لشکر بادشاہی نے اس فرقے کے تمام مکانات جلادیئے ساٹھ سوار اور چالیس پیادوں کی جمعیت سے مہدویہ نے مقابلہ کیا۔ اکتالیس آدمی انکے کام آئے۔ اور خوندمیر زخم تیر سے نابینا ہوگئے۔ شرف الدین مہدوی بھی اسّی سواروں کے ساتھ انکی مدد کو آگیا تھا۔ تمام مہدویہ مع اصل و کمک کے کھانبیل سے موضع سدراسن کی طرف چلے گئے۔ فوج بادشاہی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ اور سدراسن میں پہنچکر جنگ دوم میں میاں خوندمیر اور انکے فرزند جلال الدین اور داماد وغیرہ اقربا و مریدین جملہ آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ واقعہ ۹۳۰ھ میں واقع ہوا۔ تذکرۃ الصالحین میں مذکور ہے۔ کہ ان مقتولوں میں سے پانچ کے سر شہر پٹن کے پاس لے گئے۔ سروں کی ٹوکری شہر کے دروازے کے پاس رکھدی۔ جب ظہر کی اذان مسجدوں میں ہولی۔ تو وہ سب ٹوکری سے نکل کر صف آرا ہوئے۔ اور اُن کے آگے میاں خوندمیر کا سر ہوا۔ اور نماز ظہر کے لئے پیشانی پر سجدہ کیا۔ کہتے ہیں۔ کہ انکی تکبیر کی آواز بہوروں نے سنی۔ اس جنگ کو مہدوی لوگ جنگ بدر ولایت بولتے ہیں۔ اور شہدائے بدر کا ہم رتبہ اس جنگ کے شہداء سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ آیت انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت الآیہ میں امانت سے مراد یہی جنگ ہے اور انسان سے مراد میاں خوندمیر ہیں۔ گو کہ اخراج و قتل وغیرہ اہل احتساب اسلامی کی طرف سے ہوتا رہا۔ لیکن مہدویہ اپنے ان کلمات و دعاوی سے باز نہ آئے چنانچہ سنہ ۹۵۲ھ میں شیخ علی متقی نے چار فتوے شیخ ابن حجر مکی وغیرہ ائمہ چار مذہب کے مکہ معظمہ سے بادشاہ گجرات کے پاس بھجوائے۔ کہ یہ مہدویہ کافر ہوگئے ہیں۔ اگر یہ لوگ اس مذہب باطل سے توبہ نہ کریں۔ تو انکو قتل کرنا بادشاہ اسلام پر واجب ہے۔ شاہ مظفر بادشاہ گجرات نے فتووں پر عمل کرکے گیارہ آدمیوں کو پکڑ کر پھر قتل کیا۔ اور شاہ نعمت خلیفہ مہدی کی گرفتاری کے عوض میں سید علی فرزند مہدی نے اپنے آپکو گرفتار کرادیا۔ اور مقتول ہوئے۔ اور

شاہ نعمت موضع لوہ گڑھ میں گرفتار ہوکر مع سولہ ہمراہیوں کے مارے گئے۔ اور ملک الہداد خوندمیر کی شکست یابی کے بعد سدراسن سے نکل کر رفتہ رفتہ ملک مارواڑ میں پہنچ کر موضع پاڑکر میں دائرہ باندھکر رہنے لگے۔ وہاں اس قدر مہدویہ پر سختی پیش آئی۔ کہ اُن کے رفقا فاقوں کے مارے مرنے لگے یہ لوگ اسی طرح ملک بملک متفرق و منتشر ہوتے رہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ واقعہ سلاطین دہلی و اکبرآباد کے حضور میں بھی پہنچا۔ چنانچہ منتخب التواریخ اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے۔ کہ سلیم شاہ بن شیر شاہ کے عہد میں شیخ علائی بن حسن مرید شیخ سلیم چشتی نے شیخ عبداللہ افغان نیازی کی ہدایت سے طریقۂ مہدویہ اختیار کر لیا۔ اور سید محمد جونپوری کی مہدیت کا قائل ہوگیا یہ شخص بیانہ میں رہا کرتا تھا۔ اور اسکی بدولت صدہا آدمی اس طریق پر آگئے۔ شیخ علائی نماز کے وقت قرآن کی تفسیر کیا کرتا۔ اور ایسے پُر اثر معانی بیان کرتا۔ کہ اسکی مجلس میں جوق جوق مسلمان حاضر ہونے لگے۔ اور جو اُسکے پاس حاضر ہوتا۔ وہ یا تو بالکل اہل و عیال سے قطع تعلق کر کے پیشہ اور مال و اسباب چھوڑ کر مہدوی ہو جاتا۔ یا گناہوں سے توبہ کر کے سید محمد جونپوری کی مہدیت کا قائل ہو جاتا۔ اور جو کچھ دہندا کرتا۔ اس میں سے دسواں حصہ اللہ کی راہ میں نکالتا۔ اس طرح کے بہت سے آدمی جمع ہو گئے کہ باپ بیٹے سے جورو خاوند سے بھائی بھائی سے چھوٹ گئے۔ اور فقر و فنا کا طریق اختیار کر لیا۔ شیخ علائی کو جو کچھ نذر و فتوح میں حاصل ہوتا۔ سب کو اسمیں علی السویہ شریک کرتا۔ اور اگر کچھ نہ ملتا۔ تو یہ لوگ دو دو تین تین روز تک فاقے سے بیٹھے رہتے۔ مگر کسی سے سوال نہ کرتے۔ اور شیخ علائی ہتھیاروں سے ہر وقت مسلح رہتا۔ گلی کوچوں میں پھرتا۔ کسی مسلمان کو نامشروع کام کرتے دیکھتا۔ تو اول ملائمت سے سمجھاتا۔ جب نہ مانتا۔ تو سختی سے پیش آتا۔ جو حکام وقت اُسکو اپنا مقتدا سمجھتے تھے اسکی مدد کرتے۔ جب یہ سختی بہت بڑھ گئی۔ اور

فساد پیدا ہونے کا احتمال ہوا۔ تو شیخ عبداللہ نے شیخ علائی کو سفر حجاز کیلئے آمادہ کیا۔ اور تین سو گھر خاندان اُسی بے سروسامانی کی حالت میں ہمراہ ہوئے جب خواص پور واقع سرحد جونپور میں یہ قافلہ پہنچا۔ تو خواص خان نے استقبال کیا۔ اور معتقد ہو گیا۔ لیکن تھوڑے سے عرصے میں مذہب مہدویہ کی برائی اُسپر روشن ہو گئی۔ شیخ علائی نے یہ بات سمجھا خواص خاں سے تعلق توڑ دیا۔ اور یہ بہانہ کر کے کہ امر معروف اور نہی منکر میں میری اطاعت نہیں کرتا اُس سے رنجش ظاہر کر کے خواص پور سے اپنا قافلہ اٹھا دیا اور حج کا عزم فسخ کر کے بیانہ کو واپس چلا گیا۔ سلیم شاہ اُن دنوں آگرے میں مقیم تھا۔ شیخ علائی کا حال سنکر اپنے دربار میں بلایا جب شیخ دربار شاہی میں داخل ہوا۔ تو آداب شاہی بالکل ترک کر دئیے۔ صرف سلام علیک مشروع طور پر کی۔ سلیم شاہ نے بکراہت جواب دیا علیک السلام مقربین کو یہ بات سخت ناگوار گذری۔ ملا عبداللہ سلطانپوری المخاطب بہ مخدوم الملک شیخ علائی کا مخالف ہو گیا۔ اور اسکے قتل کا فتوے بھی دیدیا۔ اور پادشاہ سے عرض کیا۔ کہ یہ شخص خود بھی مہدیت کا مدعی ہے۔ سلیم شاہ نے مرزا رفیع الدین انجو اور ملا جلال حکیم دانشمند اور ملا ابو الفتح تھانیسری وغیرہ علما کو جمع کر کے اس قضیے کی تشخیص اُنکے حوالے کی۔ سلیم شاہ کے حضور میں مجلس مباحثہ مقرر ہوئی۔ شیخ علائی علما سے مغلوب ہو گیا۔ جواب نہ دیسکا۔ مگر اس طرح قرآن کی آیات کے معانی بیان کرنے لگا۔ کہ اسکی تقریر نے بادشاہ کے دل میں اثر کر لیا اور بادشاہ نے شیخ سے کہا کہ اگر تم اس دعوے باطل کو ترک کر دو۔ تو میں تم کو اپنی تمام قلمرو کا محتسب بنا دوں۔ اور ابتک تم میرے بے حکم امر معروف و نہی کرتے رہے۔ محتسب ہو جانے کے بعد میرے حکم سے یہ کام کرو گے۔ مگر شیخ نے سلطان کی بات کو منظور نہ کیا۔ سلطان نے اُسے قتل تو نہ کرایا۔ سرحد دکن پر ایک شہر ہے ہنڈیہ وہاں بھجوا دیا۔ وہاں کا حاکم بہار خاں سلیم شاہ کے امرا

میں سے تھا تمام لشکر سمیت شیخ علائی کا معتقد ہو گیا۔ مخدوم الملک نے اس بات کو ایک برے پیرایے میں بادشاہ سے عرض کر کے شیخ علائی کو وہاں سے واپس طلب کرایا۔ اس مرتبہ بھی سلیم شاہ نے علما کو جمع کیا۔ اور اس قضیے کی تشخیص میں بہت کچھ توجہ کی۔ مخدوم الملک نے بادشاہ سے کہا کہ شیخ علائی خود بھی مہدی ہونیکا مدعی ہے۔ اور مہدی تمام روئے زمین کا بادشاہ ہوگا۔ سارا لشکر آپکا اور آپکے اکثر عزیز بھی در پردہ اسکے معتقد ہیگئے ہیں آپکی سلطنت میں فتور پیدا ہو جانیکا اندیشہ ہے۔ مگر بادشاہ شیخ علائی کے قتل پر آمادہ نہوا۔ بہار میں شیخ بڑہ ایک نہایت دانشمند شخص رہتا تھا۔ شیر شاہ اسکا بڑا معتقد تھا۔ یہانتک کہ اُسکی جوتی اپنے ہاتھ سے سیدھی کرتا تھا۔ سلیم شاہ نے شیخ علائی کو اُسکے پاس بھیج دیا۔ کہ جو کچھ اُسکے حق میں شیخ بڑہ لکھے۔ وہ کیا جائے۔ شیخ بڑہ نے بھی مخدوم الملک کے فتوے کی تقلید کی۔ اس زمانے میں مرض طاعون کا بہت زور تھا۔ شیخ علائی بھی اس مرض میں مبتلا ہو گیا جب بادشاہ کے حضور میں شیخ بڑہ کے فتوے کے ساتھ پیش ہوا۔ تو اس وقت بولنے تک کی اس میں طاقت نہ تھی۔ سلیم شاہ نے آہستہ اُسکے کان میں کہا کہ اگر تم میرے سامنے یہ کہدو۔ کہ میں مہدوی نہیں ہوں۔ تو میں تم کو رہا کر دوں مگر اُس نے نہ مانا۔ سلطان نے حکم دیا کہ اسکے کوڑے مارو تیسرے کوڑے میں اسکی جان نکل گئی۔ یہ واقعہ ۹۵۵ھ کا ہے۔

جمال خاں مہدوی کی ہدایت سے نظام شاہی خاندان کے چھٹے بادشاہ اسماعیل بن برہان نظام شاہ ثانی نے بھی یہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ فرقہ مہدویہ کو اس وقت میں بڑی رونق ہو گئی۔ انکے کارنامے تاریخ فرشتہ کے مقالہ سوم کے روضہ سوم میں مفصل مندرج ہے۔ علاقہ جیپور کہ جسکو ڈھونڈھار کہتے ہیں وہاں اس قوم کی آمد کی ابتدا یوں ہوئی کہ امرائے افاغنہ جو دہلی کے اطراف میں سلاطین لودہی اور شیر شاہی کے وقت سے جاگیردار تھے جلال الدین اکبر

شہنشاہ نے شیر شاہ کی طرفداری کی وجہ سے انکا اخراج کیا۔ یہ لوگ مغلوب ہوکر
گجرات کو چلے گئے۔ اور وہاں علمائے مہدویہ زد و کشت اہل اسلام سے ہراسان
ہوکر انکی پناہ میں آئے۔ جب اختلاط پیدا ہوگیا۔ تو کچھ افاغنہ نے یہ مذہب اختیار
کرلیا۔ اور کچھ اپنے تسنن پر باقی رہے۔ جب ان پٹھانوں کی صفائی راجہ جیپور
نے اکبر سے کرادی۔ تو یہ لوگ لوٹ کر جیپور کے علاقے میں آگئے لیکن مذہب
میں ویسے ہی دو رنگ رہے۔ چنانچہ ابتک وہی رنگ ہے کہ مندوزئی وغیرہ
چند فرقے سنی ہیں۔ اور دوسرے فرقے قوم پنی وغیرہ مہدوی ہیں۔ ان
دیہات کے سوا بلاد دکن میں بھی مہدویہ جابجا بکثرت موجود ہیں۔ اور اکثر صاحب
ثروت بھی ہیں۔ سرنگاپٹن میں سلطان ٹیپو کے پاس بھی بہت سے افغان
مہدوی نوکر تھے۔ ایک بار عدول حکمی کرنے پر فوج سلطانی کے ہاتھ سے کئی سو
مارے گئے۔ باقی وہاں سے نکالدئے گئے۔ سردار خاں غڑے زئی مہدوی ملازم
باجی راؤ والی پونا نے باوجود منع کرنے اپنے آقا کے چھاونی انگریزی پر حملہ کیا
اور تمام دولت مرہٹہ کو برباد کرگیا۔ باجی راؤ کو انگریزوں نے سنہ ۱۲۳۳ھ میں
گرفتار کرکے بٹھور پہنچادیا جب ریاستیں دکن کی بگڑ گئیں۔ تو چاروں طرف
سے سمٹ کر مہدویہ حیدرآباد دکن میں آئے۔ اور وہاں وہ کثرت اور عزت
راجہ چندو لال پیشکار کی بدولت پیدا کی۔ کہ دس بارہ ہزار کی جمعیت سے
بہ شاہرات بیش قرار نوکر ہوئے۔ بعض دولتمند انکے کروڑپتی تک ہوگئے۔ اور
یہاں اپنی کثرت و ثروت کے غرور میں مقدمات مذہب میں ہر ایک سے
بے باکانہ بحث و تکرار شروع کی۔ یہانتک کہ سنہ ۱۲۳۷ھ میں مولوی عبدالکریم کو
بحث مذہب پر میر عالم بہادر کی مسجد میں مار ڈالا۔ چوتھے روز اہل سنت
نے بھی مکہ مسجد میں جمع ہوکر مہدویوں کے مکانوں پر یورش کی۔ اور فساد نے
اتنا طول کھینچا کہ شام تک بہت سے مہدوی اور سنی باہم لڑکر مارے گئے
نواب سکندر جاہ مسند نشین تھے۔ انہوں نے انگریزی فوج کی مدد سے انکو

ملک سے نکال دیا۔ دربدر شہر بہ شہر باہر حدود ممالک محروسہ آصفیہ سے
پھرنے لگے۔ ایک مدت دراز اسی طرح گذری۔ اور نواب سکندر جاہ کا انتقال
ہوا اور نواب ناصر الدولہ مسند نشین دولت آصفیہ کے ہوئے۔ اور بسبب انقراض
عہد اور بعد مدت کے اہل حیدرآباد کے دلوں سے بھی بغض وطیش کم ہوگیا
تب لالہ چندو لال کے دربار میں نذر لانے اور رشوتیں دے دیکر ایک ایک
دو دو مہدوی آکر گھسنا شروع ہوئے۔ اور راجہ کی نظر عنایت سے پھر انکا
جماؤ ہوگیا۔

مہدویہ کے عقائد

مہدویہ کہتے ہیں۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ایک
صدیق تھے۔ تو میراں کے دربار مہدیت میں دو تھے۔ سید محمود اور خوندمیر
اور اگر وہاں خلفائے راشدین چار تھے تو یہاں پانچ تھے۔ سید محمود
خوندمیر۔ میاں نعمت۔ میاں نظام۔ میاں دلاور۔ اور اگر وہاں دس شخص
ایسے تھے جنکے جنتی ہونے کی بشارت دیگئی تھی۔ تو یہاں بارہ تھے۔ پانچ
مذکورین اور باقی کے نام یہ ہیں۔ امین محمد۔ ملک معروف۔ عبدالمجید۔ ملک جو
ملک گوہر۔ ملک برہان الدین۔ اور اگر آنحضرت کی امت میں تہتر فرقے ہیں
تو مہدی کی امت میں چوہتر فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کہ عقیدۂ خوندمیر پر ہے
ناجی ہے۔ باقی غیر ناجی۔ اور سید محمود پسر مہدی کو مہدی ثانی بھی کہتے
ہیں۔ اور میاں خوندمیر داماد مہدی کو بدلۂ مہدی بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ
قتال کا کام مہدی سے نہوا۔ انکے بدلہ میں انہوں نے کیا۔ اس جنگ کو جنگ
بدر ولایت بولتے ہیں۔ اور اسد اللہ الغالب بھی انکا لقب ہے۔ اور انکے
بیٹے سید محمود خاتم مرشد نواسہ مہدی کو حسین ولایت کہتے ہیں۔ انکے
ساتھ لڑکپن میں خدا ہمیشہ کھیلا کرتا تھا جیساکہ پنج فضائل میں منقول ہے
اور انکی ماں فاطمہ ولایت ہیں۔ اور مہدی کی سب بی بیاں ازواج مطہرات

اور امہات المومنین ہیں۔ اور مہدی کے نواسے سید محمود نامی کو حسین
ولایت قرار دیکر امام حسین شہید کربلا کی برابر یا ان سے بہتر جانتے ہیں۔ اور انکی
شہادت اس طرح ثابت کرتے ہیں۔ کہ ایک روز سید محمود بعد نماز تہجد کے جانماز
پر بیٹھے تھے۔ کہ یزید کی روح کتے کی صورت میں وہاں داخل ہوئی محمود
نے اپنے ہاتھ سے اسکو ہانکا۔ اس نے انکے ہاتھ کو ایسا زخمی کیا۔ کہ اس کے
درد سے ۴۳ روز کے بعد ستر ہویں محرم کو انتقال کیا۔ جیسا کہ تذکرۃ الصالحین
میں مذکور ہے۔ مہدویہ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ تصدیق مہدیت سید محمد جونپوری
کی فرض ہے۔ اور انکار انکی مہدیت کا کفر ہے۔ اور سنہ ۹۰۵ھ ہے۔ کہ انہوں نے
اس سنہ میں دعوے مہدیت کا کیا تھا۔ اس طرف جس قدر اہل اسلام گذرے
ہیں اور گذرینگے۔ سب بہ سبب اس انکار کے کافر مطلق ہیں مسلمان صرف
مہدوی ہیں۔ اور سید محمد اگرچہ داخل امت محمدی ہیں۔ لیکن افضل ہیں امیر
المومنین ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذی النورین اور علی مرتضےٰ رضی اللہ
عنہم سے اور سید محمد جونپوری سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انبیائے
مرسل سے افضل ہیں۔ اور سید محمد جونپوری اگرچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
پورے پورے تابع ہیں لیکن رتبے میں دونوں برابر ہیں۔ دونوں میں سر مو کمی
بیشی نہیں۔ احادیث رسول خدا کی اور تفاسیر قرآن اگرچہ کیسی ہی روایات
صحیحہ سے مروی ہوں۔ لیکن سید محمد کے بیان و احوال سے مقابل کرکے دیکھنا
اگر مطابق انکے احوال کے ہووین تو صحیح جاننا ورنہ غلط۔ ہدیۂ مہدویہ میں اسی
طرح لکھا ہے۔ اور عطیہ میں ہے۔ کہ سید محمد بہ تعلیم الہی بہ اتباع نبی مفترض الطاعات
ہیں۔ پنج فضائل میں تحریر کیا ہے۔ کہ جو کوئی قرآن مہدی ہیں تاویل کرے
وہ ان مہدی سے نہیں ہے۔ اور عقیدۂ شریفہ میں بیان کیا ہے۔ کہ جو شخص
بیان مہدی میں کچھ تاویل یا تحویل کرے۔ وہ مخالف بیان اس ذات کا ہوگا
انگشت سوزان کا مولف کہتا ہے۔ کہ یہ مذہب متقدمین مہدویہ کا ہے۔ اور سلف

میراں جی بن سید سلام اللہ کے رسالہ سلسلہ میں لکھا ہے کہ منکر اجماع صحابۂ نبوت اور صحابۂ ولایت کافر ہے صحابۂ ولایت سے مراد سید محمدؑ کے اصحاب ہیں۔ مہدویہ کا یہ بھی اعتقاد ہے۔ کہ سید محمدؑ جونپوری اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو شخص تو پورے مسلمان ہیں۔ اور سوائے ان کے حضرات انبیاو مرسلین ناقص الاسلام ہیں۔ چنانچہ پنج فضائل میں ہے۔ کہ شاہ دلاور نے اپنے مہدی سے روایت کی ہے کہ حضرت آدمؑ ناک کے نیچے سے بالائے سر تک مسلمان تھے۔ اور نوحؑ زیر حلق سے بالائے سر تک مسلمان تھے اور عیسیٰؑ زیر ناف سے بالائے سر تک مسلمان تھے دوسری بار جب آئینگے پورے مسلمان ہو جائینگے اب آدھے مسلمان ہیں۔ مہدویہ کہتے ہیں۔ کہ جو نقل اس مضمون کی ہماری کتابوں میں منقول ہے۔ وہ نقل متشابہ ہے۔ اور متشابہات میں جو اعتقاد اہل سنت کا ہے وہی اعتقاد مہدیوں کا ہے۔ اور مہدویہ کے نزدیک **تصحیح مہدی** کا اعتقاد رکھنا فرض ہے اور اسکے انکی اصطلاح میں معنی یہ ہیں۔ کہ تمام ارواح انبیا اور رسل الوالعزم اور اولیائے بلند مرتبہ اور تمام مومنین اور مومنات آدم سے اس دم تک سید محمدؑ کے حضور میں پیش کی جاتی ہیں۔ اور یہ انکا داخلہ اور موجودات دیکھتے ہیں۔ اور حق تعالےٰ کا ان ارواح کو حکم ہوتا ہے کہ تم نے جس خزانے سے نور لیا تھا۔ پھر اس محل سے مقابلہ کر کے تصحیح کرو۔ اور جو شخص یہاں مقبول ہوا۔ وہ خدا کے پاس بھی مقبول ہے۔ اور جو یہاں مردود ہوا۔ وہ عند اللہ بھی مردود ہے۔ اور تفصیل اسکی مطلع الولایت میں موجود ہے۔ اور جب تک آدمی بہ چشم سر یا بہ چشم دل یا خواب میں خدا کو نہ دیکھے مومن نہیں ہے۔ مگر طالب صادق کہ اپنے دل کو غیر حق سے پھیر کر خدا کی طرف متوجہ ہو کر ہمیشہ مشغول بہ خدا رہے۔ اور دنیا اور خلق سے عزلت اختیار کرے اور خودی سے باہر آنے کی ہمت کرتا ہو۔ ایسے شخص کے حق میں بھی مہدی نے حکم ایمان کیا ہے۔ چنانچہ عقیدۂ خوند میر میں جسکو مہدوی ام العقائد بحر الفوائد بولتے ہیں مذکور ہے۔ کفر و ایمان کے مسئلے میں مہدی سے نقل ہیں

اس طور پر واقع ہیں مطلع الولایت میں منقول ہے رالحال ہر کہ بظاہر شریعت
از آتش خلاص یا بد و بعد از ظہور این دعوے مقبل مومن منکر کافر گرددو
فرمودند ہر کہ بمہدیت این ذات ایمان آرد مومن گردد۔ وہر کہ انکار کند کافر
گردد۔ اور عقیدہ شریفہ میں منقول ہے۔ فرمودہ کہ ایمان ذات خداست
ان نقلوں سے مفہوم ہوا کہ وہ ایمان عوام کا ہے۔ اور یہ ایمان خواص کا اور
بیدار کے بیشلے میں نفی اس ایمان کی ظاہر ہے۔ نہ اس ایمان کی۔ اور مہدی
کا قول ہے۔ کہ تین پہر خدا کا ذکر کرنیوالا منافق ہے۔ اور چار پہر ذکر کرنیوالا
مشرک ہے۔ اور پانچ پہر کا ذکر کرنیوالا مومن ناقص ہے۔ اور آٹھ پہر کا ذکر کرنے
والا مومن کامل ہے۔ اور انکے عقائد سے یہ بھی ہے۔ کہ اشیائے دنیوی اگرچہ
حلال و مباح ہوں۔ مگر اس میں مشغول رہنے والا بلکہ اسکا ارادہ رکھنے والا کافر
ہے۔ جیسا کہ انصاف نامے کے باب پنجم میں لکھا ہے۔ کہ میراں نے فرمایا۔ کہ
وجود حیات دنیا کفر ہے۔ چنانچہ زنان و فرزندان و اموال و حیوانات زراعات
و عمارات و ملبوسات و ماکولات وغیرہا جو کہ انکا مرید ہو۔ اور ان میں مشغول ہو
وہ بھی کافر ہے۔ اگر کوئی شخص اسکے ساتھ صحبت رکھے یا اسکے گھر کو جائے
یا اسکے ساتھ الفت رکھے۔ وہ ہماری آن سے نہیں ہے۔ اور آن محمدی سے
نہیں ہے۔ اور آن خدا سے نہیں ہے انتہی۔ اور انکے نزدیک ترک وطن کرنا
اور اپنے وطن سے ہجرت کرکے صادقوں کی صحبت اختیار کرنا فرض ہے چنانچہ
شواہد کے باب سی و سوم میں مرقوم ہے۔ اور جو شخص کہ اس ہجرت و صحبت
کو سچا نہ لائے۔ وہ منافق ہے۔ مہدویہ کے نزدیک مہدیت اور نبوت میں
نام کا فرق ہے۔ اور کام اور مقصود ایک ہے۔ جیسا کہ شواہد کے تیرہویں باب
میں لکھا ہے۔ عطیہ میں بیان کیا ہے۔ کہ مہدویہ مہدی کی مہدیت کی تصدیق
انکو خلیفۃ اللہ تابع تام شریعت رسول اللہ آخذ احکام شرعیہ مبین قرآن مراد اللہ
خدا تعالے کی اور روح مبارک رسول اللہ کی تعلیم سے اور شرع اجتہادیہ اور

مسائل اختلافیہ میں حاکم صواب وخطا کا مٹانے والا بدعت چلانے والا سنت احکام ولایت کو ظاہر کرنے والا خاتم ولایت مقیدہ محمدیہ کا ایسا امام کہ جسکی طاعت تمام اہل اسلام پر فرض عین ہے سمجھتے ہیں۔ اور انکے نزدیک سید محمد علم وعمل دونوں میں معصوم ہیں۔ ہر ایک عمل اور بیان مہدی کا اللہ کی تعلیم سے جاننا اور انپر احکام تازہ بتازہ نو بنو خدا کی طرف سے اترنیکا یقین رکھنا ان کے نزدیک فرض ہے۔ پس اگر کسی مجتہد یا مفسر کا قول موافق حکم وبیان مہدی کے نہو۔ تو وہ قول خطا ہے۔ اور احادیث آحاد میں سے جو حدیث ان کے قول وفعل کے مخالف ہو۔ تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ بلکہ کسی راوی کی غلطی ہے۔ غرضکہ سید محمد کے افعال واقوال سب معصوم ہیں۔ اور سید محمد نے فرمایا ہے۔ کہ نماز دوگانہ ستائیسویں رمضان لیلۃ القدر فرض ہے۔ اور سید محمد نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ آدمی جب کسی قدر مال کا مالک ہو قلیل ہو یا کثیر اس کا دسواں حصہ خیرات کرنا اسپر فرض ہوا۔ یہ عبادت مال ہے برابر زکوۃ کے چنانچہ کتاب زبدۃ البراہین تصنیف سید عبد الرحیم بن اسحاق بن عبد الحی مہدوی میں مذکور ہے۔ غرضکہ یہ عشر وہ عشر نہیں ہے جو کہ محاصل زمین میں شرع میں مقرر ہے۔ بلکہ یہ ایک تشریع جدید ہے۔ اور دوگانہ مذکور السابق کے فرض ہونے کی کیفیت سید مصطفے مہدوی نے اپنی کتاب تالیف ۱۲۳۵ھ اورعطیہ میں یوں لکھی ہے۔ کہ رمضان کی ستائیسویں رات کو بعد عشا کے میراں کو حکم ہوا۔ کہ آسمان کی طرف دیکھو۔ جب آپ نے نگاہ کی تو دیکھا۔ کہ تمام آسمان اور بہشتیں حور وقصور کے ساتھ آراستہ کیگئی ہیں۔ اور تمام ملائک کھڑے ہیں تب سلام اللہ نے عرض کیا۔ کہ یہ شب قدر ہے۔ میراں نے فرمایا۔ کہ اللہ کا حکم ہوا ہے۔ کہ سید المرسلین پر یہ شب ہم نے نازل کی تھی۔ اور تمہارے واسطے پوشیدہ رکھی تھی۔ ہزار مہینوں کی عبادت مقبول لیے ہے۔ میں تجھکو دیتا ہوں۔ اسے سید محمد اس دوگانہ میں شکر ادا کر جیسا کہ حضرت آدم نے نماز فجر شکر کی پڑھی تھی۔ اور

حضرت ابراہیم نے نماز ظہر پڑہی تھی۔ اور یونس نے نماز عصر پڑہی تھی۔ اور عیسیٰ نے نماز مغرب پڑہی تھی۔ اور موسیٰ نے نماز عشا پڑہی تھی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز وتر پڑہی تھی۔ اور تو اے سید محمدؑ شب قدر میں اس نماز کو پڑہا کر پس اس بزرگ نے اپنے گیارہ اصحاب کے ساتھ امامت کرکے نماز دوگانہ ادا کی۔ رکعت اول میں سورۂ ضحےٰ اور رکعت دوم میں سورۂ قدر پڑہی مہدویہ میں وقت دعا کے ہاتھ اُٹھانا خصوصاً بعد فرض نمازوں کے مطلقاً ممنوع و موقوف ہے۔ مہدویہ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ سید محمدؑ خاتم الولایت ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوت ہیں۔ اسی لئے مہدویہ خاتمین بہ صیغۂ تثنیہ کہتے ہیں۔ شواہد الولایت کے انتیسویں باب میں لکھا ہے کہ انکے مہدی نے کہا کہ فرمان حق تعالےٰ کا ہوتا ہے کہ اولی الالباب الذین یذکرون الله قیاماً وقعوداً وعلی جنوبهم الایہ۔ اے سید محمدؑ یہ آیت فقط تیرے گروہ کی شان میں ہے۔ پھر میراں نے کہا جیسا کہ قوم موسیٰ کا خطاب یہود اور قوم عیسیٰ کا خطاب نصاریٰ اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب مسلمان ہے ہماری قوم کا خطاب **اولی الالباب** ہے انتہی۔ اور سترہویں باب میں لکھا ہے کہ میراں نے دعوے کیا کہ حق تعالےٰ سے میں نے معلوم کیا۔ کہ قرآن میں اٹھارہ ہزار آیتیں بعض حق ذات مہدی میں اور بعض اُنکی گروہ کے حق میں ہیں۔ اور وہ مہدی میں ہوں۔ پندرہویں باب میں لکھا ہے۔ کہ میراں نے خوندمیر کو کہا کہ تمہاری خبر حق تعالےٰ نے اپنے کلام میں دی ہے۔ چنانچہ الله نور السموات والارض مثل نوره كمشكوة سے مراد سینۂ خوندمیر ہے۔ فیها مصباح سے مقصود تجلی حق تعالےٰ ہے۔ المصباح فیہ زجاجۃ سے مطلوب دل خوندمیر ہے۔ اور الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ سے مراد شجر ذات سید محمدؑ ہے کیونکہ آسمان پر میرا نام سید مبارک ہے۔ تنبیہ الغافلین میں ملا علی قاری کہتے ہیں۔ کہ سنا گیا ہے۔ کہ مہدویہ اپنے جھونپڑے برابر بناتے تھے۔ اور ہرایک

جھونپڑے میں روزن ہوتا تھا۔ کہ ہر ایک شخص دوسرے شخص کے افعال پر مطلع ہوتا رہے۔ یہانتک کہ اگر ایک مہدوی اپنی عورت سے صحبت کرتا۔ تو دوسرا اُسے دیکھتا رہتا۔ اور اس تانک جھانک کو یہ لوگ برا نہیں جانتے۔ انکا قول یہ تھا کہ ہم سب مرد آپس میں بھائی ہیں۔ اور ہماری عورتیں باہم بہنیں ہیں ہمارا آپس میں دیکھنا کچھ برا نہیں انتہی۔ میاں نعمت و خوندمیر نے حکم کیا۔ کہ ترکہ مہاجر کا اُسکے وارثوں ندیکر مہاجرین اغیار پر بالسویہ تقسیم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ انصاف نامہ کے باب ہشتم سے ظاہر ہے۔ اور سید محمود بن خوندمیر نے کہ مہدی جونپوری کے نواسے اور مہدویوں کے خاتم مرشد اور حسین ولایت ہیں انصاف نامہ کے باب ہفدہم میں لکھا ہے کہ انہوں نے معاملہ میں دیکھا کہ قیامت برپا ہوئی اور حق تعالے نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ حساب خلق کا کرو۔ انہوں نے میراں کو فرمایا میراں خوند نے میر کو فرمایا پس خوندمیر حساب تمام عالم کا کرتے ہیں ایضاً اسی باب میں لکھا ہے کہ انہیں میاں محمود نے دوسری بار معاملہ میں دیکھا کہ میں نے اس عالم سے عروج کیا۔ اور عرش و کرسی سے گذر گیا۔ وہاں آیا دیکھتا ہوں۔ کہ حق تعالےٰ کے سامنے مہدی کے بعض اصحاب اپنے سروں کے بال کھولے ہوئے ناچ رہے ہیں۔ اور دستکیں بجا رہے ہیں۔ اُس جگہ جو کچھ رسول خدا کو دکھلایا تھا مجھکو بھی دکھلایا انتہی۔ اسی طرح انکے نانا مہدی نے بھی دعوے کیا تھا۔ کہ ایک رات ثلث شب کے وقت میں مع سید سلام اللہ کے افلاک پر چڑھتا چلا گیا۔ اور قاب قوسین کا مقام اور کلام ہوا۔ اور یہ عبارت وحی ہوئی

یرضی عنک الرحمن انک ماحی البدعۃ والطغیان ومحی السنۃ الایمان من یرالک لہ الامن والامان ومن امن بک فیجب علیہ الغفران ومن انکر ملک فحقت لہ النیران ۵

سید مصطفےٰ نے اپنی کتاب اثبات مہدیت مولفہ ۱۲۳۳ھ میں طویل عبارت میں اس معراج کا حال بیان کیا ہے۔ سید محمد جونپوری کو جو وحی ہوتی تھی وہ کبھی عربی زبان میں ہوتی تھی کبھی ہندی اور کبھی گجراتی زبان میں منجملہ اُن کے ایک یہ ہندی فقرہ بھی وحی ہوا تھا۔ اے سید محمد دعوے مہدیت کا کہلاتا ہو۔ وسے تو کہلا

نہیں تو ظالمان میں کرونگا چنانچہ شواہد کے باب پنجاہم میں لکھا ہے۔ اور انکی
وحی میں سے یہ عبارت عربی بھی ہے جو ابتدائے رسالہ ام العقائد میں لکھی
ہوئی ہے قال الامام المھدی صلی اللہ علیہ وسلم علمت من اللہ بلا واسطۃ من بعد الیوم قبل
انی عبداللہ تابع محمد رسول اللہ محمد مھدی الزمان وارث نبی الرحمن عالم علم الکتاب

والایمان مبین الحقیقۃ والشریعۃ والرضوان ؂

پنج فضائل میں لکھا ہے۔ کہ محشر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مہدی نوری ہاتھی
پر سوار ہونگے۔ کہ نام اسکا محمودا ہوگا۔ اور گرد اسکے انبیا و رسل اولوالعزم اور
اولیاء شہدا اور حجاج وغیرہم مومنین امت محمدی چلتے ہونگے۔ اور دانت اس
ہاتھی کے اس قدر لمبے ہونگے۔ کہ انپر تمام فرقہ مہدویہ سوار ہوگا۔ اور میدان حشر
میں گشت کرکے ذوالجلال کے آگے آکر بی بی مریم کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کا اور بی بی آسیہ کے ساتھ سید محمد کا نکاح ہوگا۔ بعد اسکے عرصات میں آکر
دونوں شفاعت کرینگے۔ شواہد الولایت کے چوبیسویں باب میں لکھا ہے۔ کہ
مہدی نے کہا کہ مجھکو حق تعالےٰ نے تمام ارواح اولین و آخرین کا پیشوا بنایا ہے
اور اکتیسویں باب کی سینتیسویں خصوصیت میں لکھا ہے۔ کہ جناب رسالت مآب
نے مہدی کے اصحاب کا مرتبہ اپنے مرتبے کی برابر فرمایا ہے۔ اور آپ یہ حدیث
بیان کرتے ہیں۔ ہُم اخوانی بمنزلتی یعنی وہ بھائی میرے ہم مرتبہ میرے ہیں
شاہ نظام الدین خلیفہ مہدی نے کہا ہے۔ کہ یہ صفت عام اصحاب مہدی کی ہے اور
بعضے اصحاب کے مرتبہ اس سے بھی آگے ہیں۔ اور شاہ دلاور خلیفہ مہدی نے کہا ہے۔ کہ یہ لوگ
مقام مرسلوں کا رکھتے ہیں۔ اور بارہ آدمی ان سے فاضل تر ہیں۔ اور کہا کہ یہ سب بھائی اخوانی
بمنزلتی کا مقام رکھتے ہیں۔ مگر چار شخص اس سے بڑھکر مقام رکھتے ہیں۔ یہ سب مرید شاہ
دلاور کے تھے۔ علمائے مہدویہ نے ان اقوال کی تاویلیں کی ہیں جنکا ماحصل یہ
ہے۔ کہ تمام منازل و مقامات میں انبیا کے ہمسر و برابر ہونا لازم نہیں آتا ؂

سید محمد نوربخش جونپوری

(۲۴۳) سید محمد نوربخش کہ اولیائے مغلوب الحال سے ہیں۔ اُنہیں ایک گروہ مہدی موعود جانتا ہے۔ حالانکہ صاحب معارج الولایت کہتا ہے۔ کہ سید محمد نوربخش جونپوری کو ایک روز حال آیا دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شخص مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ انت مہدی یعنی تو مہدی ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ میں مہدی موعود ہوں۔ ایک مدت تک اسی دعوے پر رہے۔ آخر جب حج کو چلے گئے۔ اثنائے راہ میں انکو کشف ہوا۔ کہ میں مہدی بایں معنی ہوں۔ کہ ہدایت یافتہ ہوں رہنمائی خلق میں طرف عبادت الہی کے نہ مہدی موعود ہوں۔ پس اس دعوے سے باز آ کر مرید اور ہمراہیوں کو اس اعتقاد سے پھیر دیا۔ اور کہا کہ جب اس سفر سے پلٹونگا۔ تو باقی مریدوں کو بھی اس اعتقاد سے باز رکھونگا۔ آخر اثنائے راہ میں وفات پائی۔ بعد اُسکے ہمراہیوں نے غائبوں کو یہ خبر پہنچائی۔ بعض اس عقیدے سے پھر گئے۔ اور بعض پہلے اعتقاد پر اڑے رہے۔ میرزا حیدر نے کتاب رشیدی میں لکھا ہے۔ کہ کشمیر کے تمام آدمی حنفی المذہب ہیں۔ فتح شاہ والی کشمیر کے زمانے میں کہ ۸۶۴ھ سے اُس کا دور حکومت شروع ہوتا ہے ؛ ایک شخص شمس الدین نامی عراق کی طرف سے آیا۔ اور اپنے آپکو میر محمد نوربخش کا پیرو ظاہر کیا اور ایک نیا مذہب جاری کیا۔ اور اُسکا نام مذہب **نوربخش یا نوربخشی** رکھا اور طرح طرح کی باتیں کفر و الحاد کی پھیلائیں۔ اور ایک کتاب فقہ میں بنا کر اُس کا نام احوطہ رکھا۔ اس کتاب کو لوگوں میں رواج دیا۔ یہ فقرہ اس کتاب میں کا ہے

ان اللہ امرنی ان ادفع الاختلاف من بین ھذہ الامۃ اولا فی فروع من الشریعۃ المحمدیۃ کما کانت فی زمانہ من غیر زیادۃ ونقصان وثانیا فی الاصول من بین الامم و کافۃ اھل العالم بالیقین ۵

یعنی خدا نے تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ اس امت میں جو اختلاف ہے۔ اُس کو دور کر دوں۔ اور اول شریعت محمدی کا اختلاف دور کر کے ویسے قائم کر دوں۔

جیسے خاص آنحضرتؐ کے زمانے میں تھی۔ اس میں جو کچھ کمی بیشی ہے۔ سب
مٹا دوں۔ اور پھر وہ اختلاف مٹاؤں جو تمام امتوں اور سب مخلوقات کے
عقائد میں ہے۔ اس کتاب کے مسائل مذاہب اہل سنت میں سے کسی مذہب
کے مطابق نہ تھے نہ شیعہ کے موافق تھے۔ جن لوگوں نے اس مذہب کو اختیار کیا
وہ اصحاب ثلثہ اور بی بی عائشہ کو برا کہنے لگے۔ اور سید محمد نوربخش کو صاحب
الزمان اور مہدی موعود بتانے لگے۔ اور معاملات و عبادات میں وہ تصرفات
کیے۔ کہ تمام باتوں میں تفرقہ پیدا ہو گیا۔ کشمیر کے اہل سنت نے اس کتاب کو
ہندوستان کے اہل سنت کے پاس بھیجا۔ جنہوں نے آخیر یہ فتوے دیا کہ
اس کتاب میں بہت سی غور و خوض کے بعد معلوم ہوا۔ کہ اسکے بنانیوالے کا مذہب
باطل ہے۔ وہ اہل سنت کے کسی مذہب پر نہیں۔ اور اسکا یہ قول کہ خدائے
تعالے نے مجھے دین محمدی کا اختلاف دور کرنے کے لیے حکم دیا ہے۔ جھوٹا
اور دھوکا ہی ہے۔ جہانتک ممکن اور مقدرت میں ہو۔ اس کتاب کا فنا کرنا
ہر دیندار پر فرض و لازم ہے۔ اور اس مذہب کا مٹانا واجبات سے ہے۔ پس
جو لوگ اس مذہب پر چلتے ہوں۔ انکو سمجھا کر دھمکا کر اس سے ہٹانا چاہیے
اگر وہ نہ پھریں۔ تو انکو سزا دینا او قتل کرنا واجب ہے۔ اگر توبہ کریں۔ تو ان سے
کہنا چاہیے۔ کہ مذہب امام ابوحنیفہ کی متابعت اختیار کریں۔ جب یہ فتوے کشمیر
میں پہنچا۔ تو بہت سے نوربخشیہ مارے گئے۔ اور بعض سے جبراً یہ مذہب چھوٹا
گیا۔ کچھ ایسے تھے۔ کہ انہوں نے تصوف کا پردہ اپنے ارتداد پر ڈال لیا۔ لیکن
تاریخ فرشتہ کا مولف کہتا ہے۔ کہ کتاب احوط میر شمس الدین عراقی کی تصنیف
نہیں۔ کسی ملحد نے اسکو بنایا ہے۔ اور جن سید نوربخش کی طرف یہ لوگ اپنے
آپکو منسوب کرتے ہیں۔ وہ بڑے بزرگ اور نیک تھے۔ حیدر خود کہتا ہے کہ بدخشاں
میں میں نے انکے پیروں کو دیکھا تھا۔ انکا شریعت سے بالکل مطابق تھا۔
اور تمام باتوں میں اہل سنت کے ساتھ اتفاق رکھتے تھے۔ سید محمد نوربخش

کی اولاد میں سے ایک شخص نے مجھے اُنکی تالیفات میں سے ایک رسالہ دکھایا تھا۔ اُسکے مطالب نہایت عمدہ تھے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ سلطنت ظاہری طہارت اور تقوے کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ یہ صحیح نہیں کیونکہ بڑے بڑے انبیا ورسل نے نبوت کے ساتھ سلطنت بھی کی ہے۔ جیسے حضرت یوسف اور حضرت سلیمان اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ اور حضرت محمد علیہم السلام

ادریس

(۲۴) ملا علی قاری اپنے اُس رسالے میں جو انہوں نے ۹۶۸ھ میں مہدی موعود وغیرہ کی بابت شہر مکہ میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے جسے ادریس کہا کرتے تھے سلطان بایزید کے عہد میں مہدیت کا دعوے کیا اسکے اسی خلیفہ تھے۔ ایک دن خلفا کو بلاکر کہا کہ مجھکو کشف سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں مہدی ہوں۔ تم بھی اپنے باطن کی طرف متوجہ ہو۔ اور جو کچھ تم پر ظاہر ہو مجھ سے بیان کرو۔ خلفا ایک مدت تک متوجہ ہوکر اُس کے پاس آئے اور کہا کہ ہم پر یہ ظاہر ہوگیا۔ کہ تم حق پر ہو۔ سلطان کے حضور میں یہ واقعہ عرض کیا گیا۔ وہ بڑا دیندار تھا اُس نے سنکر کہا۔ بہتر ہے۔ تم لوگ خروج کرو میں تمہارا ساتھ دونگا۔ اور تمہاری ہر طرح مدد کرونگا۔ چند روز کے بعد جب باطن کی طرف رجوع کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ الہام ربانی نہ تھا۔ بلکہ خطرۂ شیطانی تھا۔ اور اس عزم سے پھر گئے۔ اور سلطان کو بھی مطلع کردیا۔

کُرد

(۲۵) سلطان محمد چہارم کے عہد میں ۱۰۷۶ھ میں ایک مسلمان نے کردستان میں مہدی موعود ہونے کا دعوے کرکے ہزاروں کردوں کو اپنا معتقد بنالیا اور اسی زمانے میں ایک یہودی امام سباتہائی نے مسیح موعود ہونیکا دعوے کرکے یہودیوں میں عام تحریک پیدا کردی تھی۔ اور اس اجتماع غریب سے عام

مسلمانوں کو قرب قیامت کا یقین ہو گیا۔ احمد کو بر لی وزیر اعظم نے مسیح کاذب
کو گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیج دیا سلطان نے سباتھائی سے کہا کہ اگر تو تائب
ہو کر مسلمان ہو جائے۔ تو تیرے جرم سے درگزر کرونگا سباتھائی بڑی خوشی سے
مسلمان ہو گیا۔ مہدی صاحب کا حشر بھی بعینہ مسیح صاحب کی برابر ہوا بوصل
کے پاشا نے سباتھائی کے مسلمان ہونے سے چند ماہ بعد اُسے گرفتار کر کے
سلطان کی خدمت میں بھیج دیا ظل اللہ کے روبرو جاتے ہی وہ مہدی
آخر الزمان کے دعوے سے دست بردار ہو گیا مگر چونکہ اُس نے سلطان کے
سوالات کے جواب نہایت معقولیت اور عقلمندی سے دئیے۔ اور سلطان نے
خوش ہو کر اُسکی خطا معاف کر دی ہے۔ اور مسیح موعود یا مسیح دجال کی طرح اُسے بھی اپنی ملازمت
میں لیکر خزانہ سلطانی کے محافظین میں داخل کر دیا۔

ازباک

(۲۶) ہدیہ مہدویہ میں مذکور ہے۔ کہ ازباک نامی ایک شخص اس جھوٹے
دعوے پر اُٹھکر مہدی کہلایا۔ شہرزور کے پہاڑوں کی طرف نکل کر ایک بڑی
جماعت کو اپنا تابعدار کیا۔ آخر اُس طرف کے امیر احمد خاں کردی نے اُس پر
فوج کشی کر کے اسکو قتل کیا۔ اور اُسکی جماعت کو پراگندہ کر دیا۔ اور اسکے بھائی
کو اسیر کر کے راہ راست پر لایا۔

ابن تومرت

(۲۷) ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن تومرت
کوہ سوس میں جو بلاد مغرب کے منتہی میں ہے۔ ۴۸۵ھ میں پیدا ہوا تھا۔
قبیلۂ ہرغہ میں سے تھا جنکی نسبت مشہور ہے۔ کہ امام حسن بن حضرت علی رضی اللہ
عنہما کی نسل سے ہیں جوانی میں طالب علمی کے لئے مشرق کی سمت گیا تھا امام غزالی
علیہ الرحمتہ سے بھی کچھ پڑھا تھا۔ مدت تک مکے میں رہا علم حدیث و فقہ وغیرہ
علوم شریعت میں دستگاہ حاصل کر کے زہد و عبادت میں مصروف ہو گیا تھا

دنیاداری کے سامان میں سے اُسکے پاس سوا عصا اور ایک لوٹے کے کچھ اور
نہ تھا۔ امر معروف و نہی منکر میں نہایت سخت و پابند تھا۔ زبان عربی و مغربی
نہایت فصاحت سے بولتا تھا۔ اگر کسی سے کوئی ایذا اُسکو پہنچتی۔ تو اُسے
کشادہ پیشانی برداشت کرلیتا۔ مکہ میں کوئی دشواری اُسکو لاحق ہوئی۔ تو مصر
چلا گیا۔ اور جو کام مخالف شرع دیکھتا اُسکے مٹانے میں بجد کوشش کرنے لگا لوگوں
کی سخت مخالفت کی وجہ سے مختلط باتیں کہنے لگا۔ اور اپنی جان کو انپر دیوانہ
ثابت کرنے لگا۔ مصر سے اسکندریہ کو آیا۔ وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر اپنے
وطن کو روانہ ہوا اُس نے اس سے پیشتر یہ خواب میں دیکھا تھا۔ کہ دریا کا
سارا پانی پی گیا ہوں۔ اہل جہاز کو بھی وعظ و نصیحت کرتا۔ اور قرآن پڑھتا
رہتا۔ ۵۰۵ھ میں شہر مہدیہ میں پہنچا بعض کہتے ہیں۔ کہ ۵۱۱ھ میں مصر سے
فقہا کے لباس میں نکلا مہدیہ میں پہنچ کر مسجد غلق میں ٹھیرا۔ یہ مسجد سر راہ تھی
اُس میں بیٹھکر راستے کی طرف نگرانی رکھنے لگا۔ اگر کسی کے پاس کوئی خلاف
شرع چیز پاتا۔ یا کسی کے پاس شراب کا برتن دیکھتا۔ تو اُسے توڑ ڈالتا۔ مسلمانوں
نے اُسکا حال سُنا۔ تو اُسکے پاس آنے لگے۔ اور کئی دینی کتابیں اُس سے پڑھیں
امیر یحیےٰ بن تمیم بن معز بن بادریس کو اسکا حال معلوم ہوا۔ تو فقہا کی جماعت کے
ساتھ اُسے اپنے حضور میں بلایا جب امیر کی اُس سے ملاقات ہوئی۔ اور اُسکی
بات چیت سُنی۔ تو بہت تعظیم و تکریم کی۔ اور کہا کہ آپ میرے حق میں دعا کیجئے
کچھ دنوں مہدیہ میں اور رہکر بجایہ کو چلا گیا۔ یہاں بھی اس نے اپنا وہی حال
رکھا۔ یہاں کے آدمیوں نے اُسے شہر سے نکال دیا۔ موضع ملالہ میں چلا گیا۔ اور
یہاں اُسکی ملاقات عبدالمومن بن علی قیسی سے ہوئی۔ ملوک مغرب کے حالات
میں ایک کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ ابن تومرت کتاب جفر سے واقف
تھا۔ جو علوم اہل بیت میں ہے۔ اُس کتاب میں اس نے یہ لکھا ہوا دیکھا کہ
ایک آدمی اس صورت کا سرور کائنات کی اولاد میں سے ہوگا۔ اور وہ آدمیوں کو

راہ خدا کی طرف دعوت کریگا۔ اور اُس کا مدفن اس مقام پر ہوگا جس کے یہ حروف ہیں۔ ت۔ ی۔ ن۔ م۔ ل۔ اور یہ بھی اُس کتاب میں دیکھا تھا۔ کہ اُسکے اصحاب میں سے ایک آدمی ہوگا۔ جسکے سبب سے اُسکے کام کو قوت ہوگی۔ اُسکے نام کے یہ حروف ہیں۔ ع۔ ب۔ د۔ م۔ و۔ م۔ ن اور پانچویں صدی میں اُس کا ظہور ہوگا۔ ابن تومرت کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے شخص کے ظاہر ہونیکا اب وقت قریب ہے۔ اسلیے عبدالمومن کی تلاش میں پھرنے لگا جس جگہ جاتا وہاں اور جس سے ملتا اُس کا نام دریافت کرتا۔ اور حلیہ اسکا عبدالمومن کے حلیہ سے جو اس کے پاس موجود تھا ملاتا۔ بالآخر ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس سے نام دریافت کیا۔ جواب دیا مجھے عبدالمومن کہتے ہیں۔ حلیہ ملایا۔ تو موافق پایا بہت خوش ہوا۔ پھر ابن تومرت نے عبدالمومن سے دریافت کیا تم کہاں رہتے ہو اور کہاں کا قصد ہے عبدالمومن نے کہا کوفیہ کا باشندہ ہوں مشرق کو تحصیل علم کیلئے جا رہا ہوں۔ ابن تومرت نے کہا کہ مشرق اور علم تم نے پالئے میرے ساتھ چلو۔ یہ سب تم کو حاصل ہو جائیگا۔ عبدالمومن ابن تومرت کے ساتھ ہولیا۔ پھر ابن تومرت نے اپنا تمام راز اُس سے کہا۔ ابن تومرت کی ملاقات ایک اور شخص سے ہوئی۔ جسے عبداللہ الونشریشی کہتے تھے۔ یہ شخص فقیہ وجیہ فصیح لغات عرب و اہل مغرب کا بڑا ماہر تھا۔ ابن تومرت نے اسے بھی اپنے راز سے آگاہ کر کے موافق کر لیا۔ اور تینوں نے مقصود اصلی کے حاصل کرنے پر غور کیا۔ ابن تومرت نے عبداللہ سے یہ کہا۔ کہ تم کو چاہئے۔ کہ اپنی فصاحت و بلاغت کو چھپالو۔ ہکلا کے باتیں کرنا شروع کرو۔ اور ایسے طور پر باتیں کرو۔ کہ جس سے لوگوں پر تمہارا جہل ثابت ہو۔ پھر دفعتاً یکایک اپنے فضائل و فصاحت لسانی کو ظاہر کرنا۔ کہ لوگوں کو تمہارا معجزہ ثابت ہو۔ اور جو کچھ میں لوگوں سے کہوں۔ اُسپر یقین کریں۔ اس مشورے کے بعد ابن تومرت اہل مغرب سے ملا۔ اور اُنکو موافق کرنا شروع کیا۔ چھ آدمی اُسکی ہمراہی اور رفاقت کو آمادہ ہوئے۔ اور یہ تمام جماعت مراکو کو روانہ ہوئی۔ اس وقت یہاں کا حکمران

ابوالحسن علی بن یوسف بن تاشفین تھا جو مرابطین سے تھا۔ کہ جو ملثمین بھی کہلاتے
اور یہ اُن چند قبیلوں سے ہیں جو حمیر کی طرف منسوب ہیں۔ اور نہایت حلیم عادل
متواضع تھا۔ مالک بن وہیب کو ابن تومرت کی بات چیت معلوم ہوئی۔ تو اُس نے
سلطان سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ ایک ایسا دروازہ کھلنے والا ہے جسکا
بند کرنا مشکل ہوگا مناسب یہ ہے کہ ابن تومرت اور اُسکے ساتھیوں کو علما کے
مجمع میں بلاکر اُسکی باتیں سنو۔ ابن تومرت ایک ٹوٹی ہوئی مسجد میں شہر کے
باہر ٹھیرا ہوا تھا۔ سلطان نے اُسے دربار میں بلایا۔ اور علمائے شہر کو بھی جمع
کرکے اُن سے کہا کہ اس شخص سے دریافت کرو۔ کہ تمہارا کیا مدعا ہے۔ قاضی
محمد بن اسود نے ابن تومرت کی طرف مخاطب ہوکے کہا کہ یہ سلطان عادل
حلیم اللہ تعالے کے احکام کا پابند ہے۔ اپنی خواہشات نفسانی پر اللہ کی فرمانبرداری
کو ترجیح دیتا ہے۔ مگر اس سلطان کے حق میں تمہاری زبانی بعض باتیں اسکے
خلاف سننے میں آئی ہیں۔ ابن تومرت نے کہا۔ کہ جو کچھ باتیں سلطان کے حق میں
میری زبانی تم تک پہنچی ہیں۔ وہ واقع میں میں نے کہی ہیں۔ اور ابھی بہت
کچھ کہونگا۔ قاضی صاحب تم نے جو یہ کہا کہ یہ سلطان اللہ کے احکام کا پابند
ہے۔ اپنی ہوا و ہوس پر طاعت الٰہی کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ قول تمہارا معتبر نہیں
تمہارے الٰہی خوشامد کے الفاظ نے سلطان کو دہوکے میں ڈالدیا ہے۔ یہ تم کو
خوب معلوم ہے۔ کہ اکثر ناجائز کام اسکی قلمرو میں ہوتے ہیں۔ لوگ شراب علانیہ
بیچتے ہیں۔ سور علی الاعلان پالتے ہیں یتیموں کا مال لیتے ہیں اسی طرح اور کئی
باتیں ابن تومرت نے بیان کیں۔ سلطان دیندار نے اُسکا کلام سنکر خجالت
سے سر جھکا لیا۔ اور رونے لگا۔ حاضرین نے سمجھ لیا۔ کہ یہ شخص سلطنت کی طمع
رکھتا ہے۔ سلطان پر اس کی باتوں کا اثر پیدا ہوگیا ہے۔ مگر سلطان کے رعب کی
وجہ سے خاموش رہے۔ مالک بن وہیب نے اس وقت سلطان سے عرض کیا۔ کہ
میں جو کچھ آپ سے کہتا ہوں۔ اُسپر اگر توجہ کیجائیگی۔ تو انجام آپ کا بہتر ہوگا

ورنہ ایک بڑی سخت مصیبت میں پھنس جانے کا اندیشہ ہے۔ آپ اسے اور اسکے
ہمراہیوں کو گرفتار کر لیجئے۔ اور ایک دینار روزانہ انکے خرچ کے لئے مقرر کر دیجئے
تاکہ یہ کوئی فتور پیدا نہ کر سکے۔ اگر ایسا انتظام آپنے نہ کیا۔ تو پھر ایسا وقت آئیگا
کہ تمام خزانہ خرچ کرنے سے بھی اسکا تدارک نہو سکیگا۔ سلطان نے یہ بات کرنا
چاہی۔ مگر وزیر نے عرض کیا۔ کہ ایسا مناسب نہیں۔ ابھی تو آپ اسکی بات پر
آبدیدہ ہوگئے تھے۔ اور ابھی گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک محتاج آدمی ہے کیا
کر سکتا ہے۔ سلطان نے ابن تومرت کو رخصت کر دیا۔ اُس نے دربار سے نکل کر
یاروں سے کہا کہ اس مقام پر ہمارا ٹھیرنا مفید نہیں۔ مالک بن وہیب ہماری مخالفت
پر آمادہ ہے۔ یہاں ٹھیرنا خلاف مصلحت ہے۔ شہر اغمات میں ایک فقیہ عبدالحق
بن ابراہیم نامی میرا دوست ہے۔ اُسکے پاس چلکر مشورہ کریں۔ ابن تومرت اور
سب ہمراہی وہاں پہنچے۔ اور عبدالحق سے ساری سرگذشت بیان کی۔ اُس نے
کہا کہ تمہارا یہاں رہنا بہتر نہیں۔ یہاں سے ایک منزل کے فاصلے پر تینمل[1] نام ایک
ایک موضع ایک پہاڑ میں ہے۔ تم وہاں جاکر رہو۔ اس جگہ تمہاری حفاظت بخوبی
ہوگی۔ جب یہ جماعت تینمل گئی اور نہایت زہد و تقوے اور فقر و فاقہ کے
ساتھ بسر اوقات کرنے لگے۔ تو مسلمانوں کو انکے ساتھ حسن عقیدت پیدا ہوگئی
ابن تومرت کی اس ضلع میں بڑی شہرت ہوگئی۔ مقدس اور مذہبی پیشوا مانا گیا
اطراف سے لوگ اُسکی پابوسی کو آتے ابن تومرت کے پاس جو کوئی آتا۔ یہ اُس
سے یہی کہتا۔ کہ میں سلطان مراکو پر خروج کرونگا۔ تم بھی میری شرکت کرو۔ جو
شخص قبول کرتا اُسے اپنے اصحاب میں داخل کرتا۔ جو انکار کرتا اس سے اعراض
کرتا۔ بہت سے نوجوان اُسکے ساتھ ہوگئے۔ اس انتظام کو زیادہ عرصہ گذرنے سے
ابن تومرت کو یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ مبادا میں مرجاؤں۔ اور یہ سارا انتظام ناتمام
رہے۔ یا سلطان ان پہاڑیوں کو کچھ دے دلاکر مجھے ان کے ہاتھ سے نقصان

[1] تا۔ تائے فوقانی مکسور یائے تحتانی ساکن اُسکے بعد نون مفتوح اور لام مشدد ہے۔ ابن خلکان۔

پہنچا دے۔ اسلئے خروج کے لئے حیلہ ڈھونڈھنے لگا۔ ان پہاڑیوں کے بعض بچے
سرخ و سفید کنجی آنکھوں والے اور اُن کے باپ سانولے سیاہ چشم دیکھکر اُن سے
دریافت کیا۔ کہ اولاد اور ماں باپ میں اس اختلاف رنگ کا کیا سبب ہے۔ انہوں
نے بھید نہ بتایا۔ اس نے اصرار کیا۔ تو جواب دیا کہ سلطان کے غلام ہر سال خراج
وصول کرنے کے لئے اس پہاڑ پر آتے ہیں۔ اور ہمارے مکانوں میں ٹھیرتے ہیں
اور ہماری عورتوں سے صحبت کرتے ہیں۔ ہم کو اُنکی زیادتی کے روکنے کی قدرت
نہیں۔ ابن تومرت نے کہا۔ ایسی زیست سے موت بہتر ہے۔ تم جیسے شجاع تیغ
و نیزہ کے چلانیوالے ایسی بیحیائی پر کیسے راضی ہو۔ اُن لوگوں نے جوابدیا کہ ہم کو ضرورت نے مجبور کیا ہے
ابن تومرت نے کہا کہ اگر کوئی تمہاری حمایت کرے اور سرپرستی کرے تو کیا کروگے انہوں نے جوابدیا کہ اسکے اپنی جانیں
نثار کردینگے دشمنوں کو مارینگے اور مرینگے۔ مگر ایسا آدمی کہاں ہے۔ ابن تومرت تو اس بات کی تلاش میں تھا ہی اُسنے
وعدہ کیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں انہوں نے اُسکی سرداری منظور کی۔ ابن تومرت نے سب سے معاہدہ کر کے کہا کہ
تیاری کر لو جب سلطان کے غلام یہاں آئیں اور تمہاری عورتوں سے ہمبستری کی خواہش کریں تو تم شراب اُن کے
پاس رکھدینا جب وہ پیکر نشے میں متوالے ہو جائیں تو مجھے مطلع کرنا۔ غرضکہ وہ غلام حسب معمول آئے اور پہاڑیوں کے
انہیں مست کیکے ابن تومرت کو خبر کی اس نے حکم دیا سب کو قتل کر ڈالو حکم کی تعمیل ہوئی۔ ایک غلام جسکو کسی ضرورت سے
باہر چلا گیا تھا وہ بچکر بھاگ گیا۔ اور سلطان کو سب حال سے مطلع کیا۔ سلطان کو
ابن تومرت کی اس کارروائی نے متاسف کیا۔ اور اب خیال ہوا۔ کہ مالک ابن وہیب
کی تجویز اسکی نسبت بہت مناسب تھی۔ سلطان نے سواروں کی فوج کو باغیوں
کی سزادہی کے لئے روانہ کیا۔ ابن تومرت نے پہاڑیوں سے کہا۔ کہ بلند مقامات
اور دروں میں جمع کر سواروں پر اتنے پتھر برساؤ۔ کہ اُنکے منہ پھر جائیں۔ اس سخت
مقابلے سے تمام سوار بھاگ نکلے۔ سلطان نے سمجھ لیا۔ کہ اب پہاڑیوں پر قابو
حاصل کرنا مشکل ہے۔ اب ابن تومرت نے عبداللہ سے کہا۔ کہ اپنے فضل و کمال
کو ظاہر کرو۔ اور بیکلانا چھوڑ دو۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور نہایت فصاحت و بلاغت
کے ساتھ کلام کرنے لگا۔ اور لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ کہ میں نے شب کو خواب

میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اُترے ہیں جنہوں نے میرے سینے کو شق کرکے
اُس میں قرآن کے تمام علوم اور حکمت بھر دی۔ تمام آدمی اُسکی اطاعت کرنے لگے
ابن تومرت نے اُس سے کہا کہ اے بزرگوار یہ تو بتادے کہ میں سعید ہوں یا شقی
عبداللہ نے جواب دیا کہ اے ابن تومرت تو مہدی قائم بامر اللہ ہے۔ جو تجھ سے
موافقت کریگا وہ سعید ہے۔ اور جو تیرے ساتھ مخالفت کرے۔ وہ شقی ہے۔
اپنے سب یاروں کو میرے سامنے پیش کر کہ تجھ کو یہ بتادوں کہ فلاں دوزخی ہے
اور فلاں بہشتی۔ اس حیلے سے ابن تومرت کے سارے مخالف قتل کرادیے گئے
اور جس قدر دوستان صادق باقی رہے۔ اور مقتولوں کے اہل و عیال سب کو جنتی
ہونیکا مژدہ دیا۔ اور یہ خوشخبری اُنکو سنائی کہ تلمر و مراکو تمہارے قبض و تصرف میں
آجائیگا۔ اور تم سلطان کے تمام خزائن اور ہتھیاروں کے مالک ہو جاؤگے۔ تمام
آدمی اس پیشین گوئی اور مژدے سے بہت مسرور ہوئے۔ اب ابن تومرت نے
دس ہزار آدمیوں کی فوج جمع کرکے مراکو کے محاصرہ کے لئے بھیجا اعلے افسران کے
عبدالمومن اور وہی عبداللہ تھے۔ اور خود ابن تومرت پہاڑ پر رہا۔ ایک مہینہ تک
مراکو کا محاصرہ رکھنے کے بعد اس سپاہ نے شکست پائی۔ بہت سے آدمی کام آئے
مقتولوں میں عبداللہ کا شمار بھی ہے۔ عبدالمومن کے ساتھ یہ تمام مفرور سپاہی ابن
تومرت کے قیام گاہ کو واپس آئے۔ مگر اُن کے واپس پہنچنے سے پیشتر ہی ابن
تومرت کا ۵۲۴ھ میں انتقال ہوگیا۔ شکست کی خبر اُسکو اپنی حیات میں ہو چکی تھی
اس لئے اُس نے حاضرین کو سمجھایا تھا کہ ایسی شکست سے دل نہ چھوڑیں لڑائی
میں یہی ہوتا ہے۔ کبھی آپ فتحیاب ہوتے ہیں۔ کبھی مخالف فتح پاتا ہے۔ صبر
اور استقلال رکھنے سے ہر طرح کامیابی حاصل ہوگی۔ ابن تومرت نہایت اولوالعزم
صابر شجاع تھا۔ اس کے ظہور کی ابتدا ۵۱۴ھ سے۔ متوکل اتنا بڑا تھا۔ کہ جب
اُسکو فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور اُسکے ساتھیوں نے امیرانہ ٹھاٹ بنانا چاہا
تو اس نے لوٹ کا تمام مال جمع کرکے جلوادیا۔ اور سب سے کہدیا کہ جو شخص دنیا کے

مزے چاہتا ہے۔ وہ میرے پاس سے چلا جائے۔ یہاں آخرت ہے۔ جسکا نفع اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ابن تومرت نے اپنے فرقے کا نام **موحدین**[1] رکھا تھا۔ اس تمام بیان اور کتب تواریخ کی تحقیقات سے اتنا حال ضرور تحقیق ہوگیا کہ ابن تومرت کا یہ دعوے نہ تھا کہ میں مہدی موعود ہوں۔ بلکہ غرض اسکی اس لفظ سے ہدایت کرنے والے کے معنی تھے۔ جو اسکو مہدی موعود ہونے کا مدعی سمجھتے ہیں۔ وہ کوچہ تحقیق سے دور ہیں۔ ابن تومرت کی وفات کے بعد **عبد المومن** بن علی اسکا خلیفہ ہوا۔ فرقہ موحدین نے علی سلطان مراکو کے ساتھ بہت جنگ کی۔ اور پہلے پہلے شکست کھاتے رہے۔ بالآخر عبد المومن نے علی بن یوسف کو سنہ ۵۳۹ھ میں اور اسکے بھائی اسحاق کو سنہ ۵۴۲ھ میں قتل کیا۔ اور المرابطین کی حکومت اسّی برس کے بعد ختم ہوگئی۔ اور موحدین نے تمام مغرب پر قبضہ کرلیا۔ اور بالآخر اندلس کی بقیہ اسلامی سلطنت پر بھی قابض ہوگئے۔ اور سنہ ۶۶۸ تک ۱۵ آدمیوں نے حکومت کی

شہر سوس کا مہدی

(۲۸) فتوحات اسلامیہ میں لکھا ہے۔ کہ ایک شخص متصوفہ کی جماعت میں سے تھا۔ اس نے شہر سوس میں جو مغرب میں واقع ہے۔ اور سوس الاقصے کہلاتا ہے ظہور کیا۔ پھر مسجد ماسہ میں آیا۔ اور دعوے کیا۔ کہ میں فاطمی اور مہدی منتظر ہوں اور لوگ چونکہ حوادث کے ظہور کی وجہ سے مہدی موعود کے منتظر ہو رہے تھے اس لیے اسکو یہ موقع ہاتھ آگیا۔ اور ان سے کہا۔ کہ مہدی کی دعوت یہیں سے اول شروع ہوگی۔ بربر کی بہت سے رعایا نے اسکی دعوت کی اجابت کی۔ یہاں کے سرداروں نے فتنہ بڑھ جانے کے خوف سے ایک آدمی کو اسکے قتل کے لیے مامور کیا جس نے گھات سے اسے سوتے ہوئے کو مار ڈالا۔ اور یہ شورش دفع ہوگئی

---

[1] جلد دوم نفح الطیب مطبوعہ لیڈن میں لکھا ہے کہ محمد بن تومرت الملقب بالمھدی الذی استس دولة الموحدین فلم یزل یسعی فی ھدم بنیان اللمتونة حتی مات وله یملک حضرة سلطنتھم مراکش لکنه ملک کثیرا من البلاد واستخلف عبد المومن بن علی ۱۲ خود منه

سید محمدؒ

(۲۹) ہدیہ مہدویہ میں لکھاہے۔ کہ ایک کیمیا گر سید محمدؒ نامی نے سنہ سات سے ہجری میں ملک مغرب کی طرف سے نکل کر دعوے مہدیت کا کیا۔ اور اکثر اُس اطراف کے لوگوں کو مطیع کرلیا۔ آخر دروغ اسکا نہ چلا۔ چند مدت میں مع اپنی جماعت کے مارا گیا

محمدؒ بن عبد اللہ

(۳۰) ہدیۂ مہدویہ میں بیان کیاہے۔ کہ محمدؒ بن عبد اللہ نامی نے ۹۱۷ھ میں اطراف مصر میں مہدی بنکر ایک جنگلی جماعت کے ساتھ خروج کیا تھا۔ آخر کو اُس طرف کے حکام کے ہاتھ میں قید ہوکر توبہ کی۔

مہدی مغربی

(۳۱) ملا علی قاری اپنے اُس رسالے میں جو مہدی کے باب میں ۹۶۵ھ میں تالیف کیاہے۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک شریف (سید) نے بلاد مغرب میں مہدیت کا دعوے کیاہے۔ اور ابتک موجود ہے۔ اُسکی شوکت بہت بڑھ گئی ہے۔ مغرب کے شہروں میں سے چار منزل تک اُسکے قبضے میں آگیاہے اور وہ اب ترقی پر ہے۔

شیخ سنوسی

(۳۲) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ کے صفحہ ۲۰۵ میں مہدیوں کے بیان کے متعلق ایک نوٹ ہے۔ اس سے معلوم ہوتاہے۔ کہ ایک شخص نے ولایت ایڈن میں اور ایک شخص نے طرابلس الغرب میں کہ شمالی افریقہ میں واقع ہے اور ٹریپولی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ مہدیت کا دعوے کیا تھا طرابلس والا مہدی سید محمدؒ سنوسی کہلاتاہے۔ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کے مصری رسالۂ الہلال میں لکھاہے۔ کہ فرقہ سنوسیہ محمدؐ بن محمدؒ بن علی سنوسی کی طرف منسوب ہے محمد سنوسی اُن لوگوں میں شمار ہوتاہے جو اسلام میں مدعی مہدیت ہوگذرے اسی بنا پر اُس کا نام بجائے محمدؒ سنوسی کے محمدؐ مہدی سنوسی پڑگیا تھا اسکا نسب حضرت امام حسن سے جاملتاہے۔ فرقۂ سنوسی کی بنیاد محمدؒ مہدی سنوسی

کے باب سے شروع ہوتی ہے۔ جس کا نام محمد بن علی سنوسی تھا۔ اور جو سنہ ۱۲۰۴ھ میں علاقہ الجزائر کے ایک بادیہ میں پیدا ہوا تھا جسکا نام مستغانم ہے۔ وہیں پرورش پائی۔ پھر شہر فاس دارالحکومت مراکش کو تعلیم پانے کے لئے گیا۔ اور چند دنوں کے بعد سلسلۂ درقاویہ میں جو وہاں ایک مقدس اسلامی سلسلہ سمجھا جاتا ہے۔ داخل ہوگیا۔ پھر مکہ معظمہ میں گیا۔ وہاں شیخ احمد بن ادریس کی صحبت میں رہنا پسند کیا جو علم تصوف میں اعلےٰ درجے کی مہارت رکھتا تھا جس نے اسکو اپنی صحبت میں رہنے کے بعد اپنا خلیفہ بنالیا۔ محمد بن علی سنوسی نے کوہ ابی قبیس میں اپنی عبادتگاہ بنائی۔ پھر اسکندریہ کو چلا گیا۔ اور وہاں عبادت گاہ بنائی۔ مگر بعض ایسے واقعات پیش آئے۔ کہ قاہرہ کے شیخ الاسلام نے اسکو وہاں سے نکلوا دیا۔ یہ وہاں سے روانہ ہوکر شمالی افریقہ میں پہنچا۔ اور سنہ ۱۲۵۵ھ میں بنغازی کے قریب جو ملک برقہ کا علاقہ ہے۔ جبل اخضر میں فروکش ہوا۔ اور ایک زاویہ یعنی خانقاہ بنائی جسکے آس پاس کھجور کے درخت تھے۔ اور ایک ہزار کے قریب اسکے پیرو وہاں جمع ہوگئے۔ جبل اخضر میں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک نام محمد مہدی ہے۔ جو سنہ ۱۲۶۱ھ میں پیدا ہوا۔ اور دوسرے کا نام محمد شریف ہے۔ جو سنہ ۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوا۔ محمد بن علی سنوسی مکہ معظمہ کو گیا۔ اور وہاں سات سال تک اپنی عبادتگاہ واقع جبل ابی قبیس میں حدیث وفقہ پڑھاتا رہا۔ پھر اپنے مرشد احمد بن ادریس کے ساتھ یمن میں رہنے لگا۔ اور مرشد کے انتقال کے بعد دوبارہ مکہ معظمہ میں آگیا اس اثنا میں عبد المطلب شریف مکہ نے حکومت عثمانیہ کے خلاف بغاوت برپا کردی جسکے بعد محمد بن علی پر بھی خفیہ طور پر شریف مکہ کی اعانت کا الزام لگایا گیا۔ اسکو کسی نے خبر کردی۔ کہ حکومت عثمانیہ اسکی گرفتاری کے لئے کوشش کر رہی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی جبل اخضر کو بھاگ گیا۔ اور اپنی گرفتاری کے خوف سے بجائے شہر میں رہنے کے صحرا میں اپنے مریدوں میں رہنا پسند کیا۔ مریدوں نے جغبوب میں رہنے کا مشورہ دیا۔ سنہ ۱۲۷۲ھ میں وہاں روانہ ہوگیا۔ اور وہاں عبادت گاہ

بنائی۔ اور نہایت آزادی سے وہاں کے لوگوں میں جو زیادہ تر اہل عرب اور بربری تھے اسلام کے احکام پھیلاتا رہا۔ اُسکے عقائد مذہبی بڑی قبولیت کے ساتھ شمالی اور وسطی افریقہ میں پھیل گئے۔ اُسکا بڑا مدعا یہ تھا۔ کہ اسلامی ممالک کو مغربی تہذیب کی پیشقدمی اور عیسائی طاقتوں کے اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک سد سکندری بنا جاوے۔ اسی لئے اُن نئے تمام دستوروں کا جنہیں ترکی یا مصری حکومت نے یورپین تہذیب کی تقلید میں اختیار کیا تھا سخت مخالف تھا۔ اُس نے بہت سی عبادت گاہیں مراکو اور مکہ کے درمیان کے ضروری مقامات میں بنالیں۔ جو خانقاہیں یا زاویے کہلاتی ہیں۔ اور داعی جنکو **مقدمین** کہتے ہیں۔ اسلامی ہر ایک حصے میں مقرر کئے۔ اسکے فرقے کو **سنوسیہ** کہتے ہیں۔ اور طرابلس میں اسکے پیرو اخوان کہلاتے ہیں۔ فرقہ سنوسیہ کے قائم کرنے سے اسکی غرض یہ تھی۔ کہ مسلمانوں میں اصلاح ہو۔ اور اسلام کی اشاعت کی جائے۔ فرقہ سنوسیہ پر فرض ہے۔ کہ احکام قرآن اور اصول توحید کے مطابق چلیں اور اُنکی پابندی میں سر مو فرق نہو صرف خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی کریں۔ فقیروں اور درویشوں کی بے حد تعظیم اور مقابر کی زیارت سے پرہیز کریں۔ قہوہ اور تمبا کو نہ پئیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں سے کسی طرح رسم پیدا نکریں۔ اور ہر شخص پر فرض تھا کہ اگر وہ ہمیشہ اس فرقے کی خدمت میں مصروف اور ترقی اسلام میں ہمیشہ ساعی نہ رہ سکے جسکے ساتھ اہل یوروپ کے اثر سے بچنا بھی ضروری ہے۔ تو وہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ اس جماعت کے فائدے کے لئے دیا کرے۔ ۱۲۷۶ھ میں سید محمد بن علی نے انتقال کیا جغبوب میں اسکی قبر ہے۔ اسکی بہت سی کتابیں یادگار ہیں۔ جو مریدوں کے حلقے میں نہایت عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اس کی وفات کے وقت اسکے بڑے بیٹے کی عمر جس کا نام محمد ہے۔ سولہ سال کی تھی یہی اُس کا جانشین ہوا۔ خوش اعتقاد مریدوں نے اسکی بیعت کی۔ اپنے والد کی طرح اس نے بھی سلسلہ تدریس جاری کیا۔ تمام لوگوں کا اسکی نسبت یہی خیال تھا۔ کہ

مہدی موعود یہی ہے۔ اور اسی خیال سے محمد مہدی بن محمد بن علی کے پاس اطراف ملک کے لوگ دھڑا دھڑ آتے اور اُسکی آستان بوسی کو مایۂ ناز سمجھتے۔ یہ تحقیق رسالۂ الہلال سے ماخوذ ہے۔ ۱۳ مارچ ۱۹۱۲ء کے اخبار اللواء مطبوعہ مصر میں ایک چٹھی سید سنوسی کی چھپی ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ موجودہ شیخ سنوسی کا نام احمد بن محمد ہے۔ اور یہی ۳۱ مارچ ۱۹۱۲ء کے المؤید سے ثابت ہے۔ اور اب احمد شریف کفرہ میں رہتے ہیں۔ کفرہ اور جغبوب کے مابین ایک ماہ کی مسافت ہے۔ بعض رسالوں میں لکھا ہے۔ یورپین اسے سنوسی اور مسلمان شیخ المہدی کہتے ہیں۔ اسکے وقت میں جغبوب کی خانقاہ کو بہت ترقی ہوئی۔ کیونکہ یہی جگہ شیخ سنوسی کا مرکز ہے۔ یہ گاؤں مصر اور طرابلس کے درمیان صحرائے لیبیان میں واقع ہے۔ ممالک حجاز اور تہامہ میں بھی اس فرقے کی اب بہت سی خانقاہیں قائم ہوگئی ہیں۔ بانی طریقہ اور اسکے اول جانشین کے خیالات سلطان عبدالمجید اور سلطان عبدالعزیز کی اور دیگر چند قابل افسوس کمزوریوں کی وجہ سے عثمانیہ سلطنت کی نسبت اچھے نہ تھے۔ لیکن سلطان عبدالحمید ثانی سے شیخ طریقہ اور اُس کے لاکھوں مریدوں کو سچی عقیدت تھی۔ وسط افریقہ میں دائی کا فرمانروا سنوسی طریقے کا سچا معتقد اور پیرو ہے۔ جس قدر حجاج شمالی افریقہ سے بورنیو اور سہاں سے آتے ہیں۔ وہ شیخ کے پاس حصول برکت کے لئے جاتے ہیں۔ اُسکے پاس ہاتھی دانت اور شتر مرغ کے پروں سے لدے ہوئے قافلے کے قافلے اندرونی ممالک کے سلاطین کی طرف سے آتے ہیں۔ اور بہت سے نامعلوم الاسم ساحلوں سے ہتھیار اور گولی بارود کا سامان اُسکے پاس آتا ہے۔ سنوسیہ فرقہ شمالی افریقہ کے سب ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اور اُسکی خانقاہیں مصر۔ مراکو۔ ٹیونس۔ الجیریا۔ طرابلس۔ ارض سمالی اور سوڈان کے شاداب قطعات میں جابجا موجود ہیں۔ جغبوب کے مذہبی مدرسے میں سات سو طالب علم ہیں۔ جنکو صرف یہی نہیں سکھایا جاتا ہے۔ کہ اسلام میں جو جو خرابیاں پڑگئی ہیں۔ اُنکی اصلاح کی کوشش کریں۔ بلکہ اسلام کی اشاعت

کی تدبیر کریں۔ اور دعوت اسلام کے بھی طریقے سکھلائے جاتے ہیں۔ اشاعت اسلام میں اس فرقے کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ افریقہ کی اکثر قومیں جو بت پرست یا برائے نام مسلمان ہیں جس وقت سنوسیہ کے لوگ پہنچے۔ تو یہ سب قومیں اسلام کی نہایت پابند ہوگئیں۔ مذہب کے پھیلانے کے لئے یہ لوگ مدرسے کھولتے ہیں۔ اور صحرا کے شاداب مقامات پر بستیاں آباد کر دیتے ہیں۔ غلاموں کو خرید کر کے مسلمان کر لیتے ہیں۔ خاصکر وادی کی قوموں میں انہوں نے اس طریقے سے مسلمانوں کی تعداد بڑھائی ہے جغبوب میں ان غلاموں کو تعلیم و تربیت دیجاتی ہے۔ اور جس وقت وہ سنوسیہ کی تمام باتوں سے واقف ہوجاتے ہیں تو آزاد کر کے وطن بھیجدئے جاتے ہیں۔ تاکہ اپنے بھائی بندوں کو مسلمان کریں اس فرقے کے لوگ عراق عرب مجمع الجزائر اور ملایا میں بھی نظر آتے ہیں۔ جھیل چاڈ کے شمالی مغربی علاقے میں سنوسی نہایت مستعدی سے کام کر رہے ہیں سلسلہ کی بڑی مجلس وقتاً فوقتاً جغبوب میں منعقد ہوتی ہے۔ ان اجلاسوں میں تمام خانقاہوں کے **مقدم** یعنی مہتمم اپنی کارگذاری کی رپورٹیں پیش کرتے ہیں۔ اور آئندہ کے لیئے احکام حاصل کرتے ہیں۔ مقدموں کو اپنے علاقہ میں ان لوگوں پر بھی جو سلسلے میں شامل نہیں ہیں۔ بہت اقتدار حاصل ہے اسطرح سے شیخ کو ایک شاہانہ منزلت بھی حاصل ہوگئی ہے۔ اشاعت مذہب کے لئے سنوسی پہلے مقتدر اشخاص پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بچوں کی تعلیم وہ بہت توجہ سے کرتے ہیں **درویش** کا خطاب اُسے ملتا ہے جس نے اپنی رائے اور خودی کو بالکل دور کر دیا ہو۔ اور اپنی جان کو شیخ طریقت کے کامل تصرف میں کر دیا ہو۔ یہ نتیجہ طویل شاگردی اور باحتیاط نگرانی و تربیت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں نہایت زبردست صوفیانہ اتحادی عنصر موجود ہے سنوسیوں کو سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ اور ہمیشہ آزادی کے ساتھ رہنا پسند ہے۔ اور اُنکی روش یہ ہے۔ کہ اُنکے سبب سے کسی آدمی کو ذرا بھی تکلیف

نہ پہنچے وہ سچے انسانی ہمدرد اور نیک دل لوگ ہیں۔ باوجودیکہ یہودیوں اور عیسائیوں سے بچنے کا حکم ہے۔ مگر وہ انکے ساتھ بھی خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اور کسی قسم کی تکلیف نہیں دیتے۔ شرارت اور فساد سے دور رہتے ہیں سنوسی کے مریدوں کا قول ہے۔ کہ اُنکی تمام تر کوشش دین اسلام کو اصلی مرکز پر لیجانے اور اُسے کتاب اور سنت سے ہر طرح مطابق بنا دینے پر مبذول ہے جسکا مدعا عدل اور مساوات حقوق کو پھیلانا اور پاکیزگی نفس کی تدبیر کرتے رہنا ہے سنوسی لوگونکی زندگی بالکل درویشانہ ہے۔ موٹا جھوٹا لباس اور روکھا سوکھا کھانا انکو بہت پسند ہے۔ اور عبادت الٰہی کے سوا دنیاوی لذتوں سے اُنہیں کوئی سروکار نہیں ابتک اس فرقے کی برادری پانچ لاکھ آدمیوں سے متجاوز ہو چکی ہے۔ اور وہ عام انسانوں کے ساتھ نیکی کرنے قرآن کو زمانۂ اول کی طرح سیکھنے اور سکھانے اور جو شخص اُنکے سلسلے میں داخل ہو۔ اُسے ہر طرح کے محصول و خراج سے آزاد بنانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ ترک اور سنوسی لوگ باہم بھائیوں کی طرح ملتے اور برتاؤ کرتے ہیں۔ اور گو دل میں خلش رہتی ہے۔ لیکن بظاہر تعلقات بہت قابل اطمینان ہیں اور کبھی اُن میں علانیہ بدمزگی کا اظہار نہیں ہوا۔ بلکہ سید الہادی شیخ طریقت سنوسیہ نے اپنی نیک نیتی سے یہ بات مناسب سمجھی۔ کہ اپنے والد کی اُن قیود کو توڑ دے۔ جو اس نے ترکوں کے ساتھ میل جول بڑھانے کی روک تھام کے لیے اپنے مریدوں پر لگائی تھیں۔ اور اس معاملہ فہم درویش نے ترکوں کے ساتھ اپنا میل ملاپ خوب بڑھالیا۔ اور فرانس کے مملکت ٹونس پر قابض ہو جانے کے بعد سنوسی فرقے کا تقرب سلطنت عثمانیہ کے ساتھ مزید استحکام پکڑ گیا۔ اور حکومت کی جانب سے سنوسی فرقے کے لوگوں کو عام اجازت ملگئی۔ کہ وہ جہاں چاہیں۔ تمام ملک میں ہر جگہ اپنی خانقاہیں بنالیں۔ اور جتنی اراضی اُن خانقاہوں کے اثر میں لینگے۔ وہ معافی دوامی اور وقف تصور ہوگی جسکا محصول خراج نہ لیا جائیگا۔ پھر سنوسی فرقے کے خاندانوں کے بچوں کو اسلامی اور یورپین تعلیم ساتھ

ساتھ دلوانے کے واسطے منتخب کیا۔ اور انہیں فوجی خدمت کے قابل بنایا۔
طرابلس الغرب کے مغربی جانب سہارا کے علاقے میں سنوسی فرقے کے لوگ
زیادہ ہیں۔ اور خاص طرابلس میں شاذ و نادر لیکن بن غازی کے صوبے میں
تو انکی اس قدر آبادی ہے۔ کہ ملک ہی گویا انکا ہوگیا ہے۔ اور انہیں ہر طرح
اقتدار حاصل ہے۔ سنوسی فرقے کے درویش محکوم نہیں ہیں۔ بلکہ وہ آزاد
اور خود مختار حاکم ہیں۔ اور انہوں نے اپنے زیر اثر قطعہ ملک کو تمدن اور ترقی
سے دور رکھنے میں نہایت کوشش سے کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی خانقاہوں کے
سوا باقی تمام اراضی افتادہ اور غیر آباد ہے۔ جس میں دیہات اور مزارع کا
کہیں نام تک نہیں۔ ملک برقہ جو کبھی نہایت شاداب اور زرخیز تھا۔ آج بے آب
و گیاہ خشک سرزمین بن گیا ہے۔ اور جسے وہ اس سرزمین میں داخل ہونے
دیں۔ وہ کبھی وہاں جا نہیں سکتا۔ اور وہ ان مالی اور فوجی اصلاحوں کو جنہیں
حکومت جاری کرنے کی فکر میں ہے۔ خوف اور رشک کی نگاہوں سے دیکھ
رہے ہیں۔ کیونکہ انکے خیال میں یہ باتیں ان کے پولیٹکل اور دینی رسوخ کو ضرر
پہنچائینگی۔ انکی ہر ایک خانقاہ ایک قلعہ ہے۔ جس میں وحشی اور بادیہ نشین لوگ
پناہ لیتے ہیں۔ اور خانقاہ ہی کی طرف سے زمین کاشتکاروں کو دیجاتی ہے
وہی اسکی پیداوار کا حصہ وصول کرتی ہے۔ سیاح اور مسافروں کی حفاظت و
نگہبانی کرتی ہے۔ غرضکہ ان ممالک میں عربی لوگوں کی یہی عادت پڑگئی ہے
کہ وہ سنوسی فرقے والوں کو اپنا سردار۔ دوست۔ محافظ جان و آبرو خزانچی او
دینی پیشوا سب کچھ تصور کرتے ہیں۔ اور وہیں معاملات فیصل ہوتے ہیں۔
بن غازی میں سنوسی لوگ ہی اپنے آپکو مالک اراضی اور حکمران ملک سمجھتے
ہیں۔ اور انہوں نے یہ کوشش شروع کی ہے۔ کہ تمام ملک کی اراضی اپنے قبضہ
میں لے لیں۔ اور یہ تدبیر کی۔ کہ قبائل کو اس بات پر آمادہ بنالیا۔ کہ وہ اپنی
زمینیں انکے سپرد کردیں۔ تاکہ یہ ان اراضی کو خانقاہوں کی املاک بناکر خراج

سے آزاد کر دیں۔ آخر اس وجہ سے حکومت کو مجبوراً لوگوں سے حلف لینا پڑا اور اُس نے قرآن کی رو سے اس ٹیکس کی مشروعیت ثابت کرنا چاہی۔

خاص بن غازی میں جہاں سنوسی لوگوں کی بہت کچھ قوت وشوکت جمی ہے۔ ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا ہے۔ جسکے سرگروہ شرفائے محمودیہ ہیں اور اُن میں بنی رموز کے ایک سو پچاس شخص شریک ہیں۔ اس طریقے کے داعیوں کا قول ہے۔ کہ وہ لوگوں کو سنوسی فرقے کے ظلم وجبر سے نجات دلانے کی سعی کرتے ہیں۔ بنی رموز کا سرگروہ جسکا نام جابر ہے۔ اور جو اپنے آپکو شیخ سنوسی کے لقب سے ملقب کرتا ہے۔ قصبۂ مرج کوہستانی علاقے کے ایک ممتاز مقام میں جا کر اپنے مخالف لوگوں کو علانیہ بلا کسی خوف وخطر کے دعوت دینے اور اپنے حلقۂ طریقت میں شامل بنانے کی سعی کرنے لگا جسکی وجہ سے طرفین میں جنگ ہو پڑی۔ اور مجبوراً حکومت کو قیام امن کی خاطر سے بیچ میں مداخلت کرنی لازم آئی۔ حکومت بنی رموز کی معاون اور سنوسیوں کے خلاف ہے۔ اور کچھ عرصے سے سنوسی فرقے پر اُنکے عام لوگ جنہیں اپنے طریقے کے دینی فرائض ادا کرنے کی پروا نہیں حاوی ہو گئے ہیں۔ اور یہ لوگ بہت کچھ خرابیاں ڈال رہے ہیں۔ خاصکر بن غازی خاص میں منصور قشلی نامی ایک اسی طرح کا آدمی بہت سربرآوردہ ہو گیا ہے۔ اور حکومت نے مقام مرج کے پچھلے فسادوں میں سزائے قید بھی دیدی تھی۔ لیکن پھر اُسے رہا کر دیا۔ اور وہ رہائی کے بعد پہلے سے زیادہ زور پکڑ گیا ہے۔ اور اُس نے سنوسی فرقے کے جاہل لوگوں کو اپنے دام میں پھانس کر بڑی عزت پیدا کر لی ہے۔ سنوسی لوگ عربوں کی آبادی رکھنے والے علاقوں میں بالکل بیکس وبے بس ہو کر رہتے ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں طرابلس الغرب کے علاقے میں سنوسیوں کی چالیس خانقاہیں تھیں۔ جو اب ساٹھ تک ترقی کر گئی ہیں مگر ان میں اعلٰے درجے کی صرف تیس یا پینتیس خانقاہیں ہیں۔ اور باقی یوں ہی سی برائے نام

محمد احمد سوڈانی

(۳۳) سوڈان میں محمد احمد نے مہدیت کا دعوے کیا۔ شیخ احمد دحلان نے
فتوحات اسلامیہ کی جلد دوم کے صفحہ ۲۴۶ میں لکھا ہے۔ کہ محمد احمد کے دعوے
مہدیت کے باب میں اختلاف ہے۔ بعض آدمی یہ کہتے ہیں۔ کہ اُس نے درحقیقت
دعوے کیا تھا۔ کہ میں مہدی منتظر ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ مہدیت کا دعوے
نہیں کیا تھا۔ بلکہ کہتا تھا۔ کہ میں اسلیئے کھڑا ہوا ہوں۔ کہ حق کو ظاہر کردوں۔ اور
شریعت محمدی کو قائم کروں۔ مصر سے انگریزوں کو نکال دوں۔ اور بہت سے
آدمی یہ کہتے ہیں۔ کہ محمد احمد نہایت نیک پابند شرع آدمی ہے۔ اور بعض اُس کو
برا کہتے ہیں۔ اور اسکے خلاف باتیں اُسکے لئے ثابت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ
اُسکے لشکر نے بڑے ظلم کئے۔ اُسکی غرض قتل کرنا اور لوٹ مار ہے جب وہ کردفان
اور خرطوم وغیرہ پر فتحیاب ہوا۔ تو ایک بہت بڑی جماعت مسلمانوں کی ناحق قتل
کر ڈالی۔ جن میں علما صلحی اور عورتیں بچے تھے بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ مظالم اُسکے
لشکر کے بعض مفسدوں سے کئے۔ محمد احمد کے حکم سے نہ ہوئے نہ اسکی خوشی سے
انتہی۔ ایک تقریر عبداللہ خلیفہ مہدی کی اخبارات میں ہماری نظر سے گذری ہے
جو اُس نے اپنے لشکر کے سامنے بیان کی تھی۔ اس میں تصریح ہے۔ اس بات کی کہ
کلمۂ مہدیت سے مراد اتفاق دینیہ ہے نہ اصطلاحی معنی۔ بہرصورت محمد احمد کی
نسبت کہا جاتا ہے۔ وہ عرب نہ تھا۔ بلکہ نوبیہ کا اصلی باشندہ تھا۔ اور بمقام لباب میں
دریائے نیل کے تیسرے آبشار کے قریب ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ اور بموجب
دوسری روایت کے جزیرہ مینٹ ارطی میں جو آردہ یا ڈنگولائے جدید کے محاذی
اور [illegible] نام کے ایک صوبہ کا دارالحکومت ہے۔ اور دریا سے تقریباً ۵۰ میل کے
فاصلے پر واقع ہے پیدا ہوا تھا جب اس شخص نے اس امر کا اعلان کیا۔ کہ میں وہی
مہدی ہوں۔ جسکے پیدا ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اُس
وقت عمر اسکی چالیس برس کی تھی۔ یہ شخص بچپنے سے اپنے تئیں ملہم بالغیب ہونیکے

آثار ظاہر کرتا تھا۔ اور بارہ برس کی عمر میں اس نے قرآن شریف حفظ کر لیا تھا
یہ مہدی لڑکپن کی طرح منشکایہ میں جو سنار کے محاذ میں ایک جزیرہ ہے اپنے
چچا شرف الدین کے پاس رہتا تھا۔ اور کشتی بنانے کا کام سیکھتا تھا۔ ایک دن
اسکے چچا نے اُسے خوب مارا۔ اور وہ بھاگ کر خرطوم کو چلا گیا۔ اور درویشوں کے
مدرسے میں داخل ہوا۔ اس مدرسہ میں ایک عالم تھا۔ درویشوں کا پیشوا شمار کیا
جاتا تھا۔ یہ مدرسہ ہوقالی نام قریہ میں ق[illegible]ب شہر کے جاری تھا۔ اس مدرسے میں
محمد احمد نے عرصے تک رہکر دینی تعلیم پائی [illegible] نیاوی معاملات نوشت وخواند
میں کوئی ترقی معقول حاصل نہ کی۔ بعد ا[illegible] وہ یہاں سے بربر کو گیا۔ اور وہاں
پہنچ کر ایک دوسرے مدرسے میں داخل ہوا۔ یہ مدرسہ شیخ غوبوس کے اہتمام میں
تھا۔ اور مثل مدرسۂ اول الذکر کے ایک مزار کے متعلق تھا۔ اس مدرسے میں داخل
ہونے سے اُسکی غرض یہ تھی۔ کہ علوم مذہبی کی تکمیل حاصل کرے۔ بعد اسکے
وہ اردوب کو جو کانا کے جنوب میں واقع ہے گیا۔ اور شیخ نورالدین کا مرید ہوا
اور شیخ نے اُسے درویش کا لقب عطا کیا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ محمد احمد نے کسی قدر
تحصیل علم کے بعد سمانیہ طریقے کے درویشوں کا حلقہ پسند کیا۔ اور اس میں شامل
ہوا۔ مگر چونکہ محمد احمد کا پیر اس بات کو دیکھتا تھا۔ کہ اسکا یہ مرید مہدیت کے دعوے
کی بہت تائید کیا کرتا ہے۔ اس لئے وہ اس سے ناخوش ہو گیا۔ اور پیر مرید کے
مابین ناچاقی اس قدر رہی۔ کہ محمد احمد نے جس وقت اپنے مہدی ہونے کی
اشاعت پر زور دینا چاہا۔ تو شیخ نے ایک فرمان اپنے مریدوں کے نام اس مضمون
کا صادر کر دیا۔ کہ اُس نے محمد احمد متمہدی کو خلافت کے منصب سے معزول کر دیا ہے
اور اُسے اپنے طریقے سے بھی خارج کر دیا ہے۔ چونکہ وہ جھوٹے دعاوی کا بہت
دلدادہ اور نہایت بدنفس شخص ہے۔ اب محمد احمد کو کسی دوسری مناسب جگہ
کی تلاش ہوئی۔ تاکہ وہاں رہکر اپنا کام شروع کرے۔ وہ سوڈان ہی کے ایک اور
مشہور پیر طریقت شیخ قریشی کے پاس پہنچا۔ جس نے محمد احمد کو سالک طریقت میں

منسلک کر کے اُسے خلافت کی اجازت عطا کی۔ لوگ تو اس بات کو زور دیکر بیان
کرتے ہیں۔ کہ شیخ قرشی ہی نے محمد احمد کے دعوے مہدیت کا راستہ خس و خاشاک
سے پاک کیا۔ کیونکہ وہ اسکا ذکر ہمیشہ بہت ہی اچھے الفاظ میں کیا کرتا تھا۔ اور
کہتا تھا۔ کہ مجھے یہ امور کشف اور غیب دانی کے وسیلے سے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر
اُس نے محمد احمد کو ملک سوڈان میں سیاحت کرنے اور عام لوگوں کے دل ٹٹولکر
انپر اپنا اثر ڈالنے کی ہدایت کی۔ تاکہ وہ ان سے اظہار دعوے کے وقت اپنی مدد
و اعانت کرنے کے پیمان لے رکھے۔ محمد احمد کی ضلع کردفان کے باشندوں کی
جانب سے جنکے دل حکومت کی طرف سے غم و غصہ سے بھرے ہوئے تھے۔ اس قدر
آؤ بھگت ہوئی۔ کہ اُسکی امیدیں آئندہ کے لئے بیحد قوی ہو گئیں۔ محمد احمد
اپنے سفر سے واپس آیا۔ تو اسے شیخ کی وفات کی خبر راستے ہی میں معلوم ہوئی۔ اور
معلوم ہوا کہ شیخ کوئی وصیت نامہ چھوڑ گیا ہے جس میں درج ہے۔ کہ مہدی موعود کا
وقت آپہنچا۔ اور جو شخص میری قبر بنوائیگا۔ اور میرے بچوں کے ختنے کرائیگا
وہ امام مہدی ہی ہوگا۔ محمد احمد نے شیخ کی وصیت پوری کردی۔ اور پھر وہ باضابطہ
مہدی بن گیا۔ اور ایک روایت محمد احمد کی نسبت لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ
اُسکے باپ کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ تھا۔ اور اسکا باپ کشتی بناتا تھا۔ جب
عبد اللہ مر گیا۔ تو مہدی کے بڑے بھائیوں نے جو نیل ابیض پر کشتی سازی کا
کام کرتے تھے۔ یہ خیال کر کے کہ محمد احمد میں مادہ تحصیل علم کا زیادہ ہے۔ اُسے
تعلیم کے لئے ملا عبد الرحیم اور الغروجی کے سپرد کیا۔ جو قریب خرطوم کے رہتے تھے
ان مدرسوں کی تعلیم جہاں محمد احمد نے تربیت پائی۔ مخصوص و محدود نوشت و
خواند و حفظ آیات قرآنی پر تا حد امکان تھی۔ اور ان میں جو لوگ عالم ہوتے
وہ قرآن مجید کی تفسیر بھی کرتے۔ اس تعلیم میں علاوہ تعلیم مذہب کے فقہ اسلامی کی بھی
تعلیم ہوتی تھی۔ اور ان واعظوں کی ہر درجہ کے لوگوں میں جن میں وہ وعظ
کہتے تھے۔ بہت وقعت ہوا کرتی تھی۔ اتفاقاً اس ایک صفت کا ہونا۔ تو ان درویشوں

ہیں اشد ضروری ہے۔ کہ وہ چند آیات قرآنی جھلی پر لکھ سکیں جسے لوگ بطور تعویذ
پہنیں جسکی وجہ سے ہر قسم کی بیماری اور نیزہ اور گولی کے زخم سے محفوظ رہیں
اور عورتیں بھی اُسکے پہننے والوں پر فریفتہ ہو جائیں۔ اور اُس تعویذ کا اثر لکھنے
والے کے تقوی و پرہیزگاری پر منحصر تھا۔ اور نوبیا والوں کا تو یہ بھی عقیدہ ہے۔ کہ ایک درویش
کامل کا ہوا اور اپ پر بھی اختیار ہے چنانچہ ایسے عقیدے والے کسی طرح درویشوں کی مخالفت نہیں کر سکتے اور انکی بددعا
سے بہت سہمتے ہیں۔ اور یہ درویش شراب خواری اور حقہ کشی سے قطعاً پرہیز کرتے ہیں۔
اور اکثر اوقات اپنی تلاوت قرآن شریف و تفسیر میں صرف کرتے ہیں۔ الغرض
جب محمد احمد کو لقب درویشی حاصل ہو گیا۔ تو اُسکے بعد اس نے جائے سکونت
اپنی جزیرہ عبا کو جو خرطوم سے شمالی جانب نیل ابیض پر واقع ہے قرار دیا اور
زمین میں ایک غار کھود کر اُس میں اس غرض سے رہنے کا عادی ہوا کہ گھنٹوں
تک وہاں بیٹھکر ایک اسم کا ورد کرے۔ چنانچہ بشمول صوم وصلوۃ کے خوشبو جلا کر
ایک اسم کا ورد کرتا تھا۔ لوگ بیان کرتے ہیں۔ کہ پندرہ سال پورے اُس نے
اسی شغل میں گذارے محمد احمد کی نیکنامی بوجہ اُسکے تقدس و اتقا کے دور تک
پھیل گئی۔ اور ایک شخص مالدار بنکر بہت سے مرید اپنے گرد جمع کر لئے۔ اور بہت
سی عورتوں کو اپنے نکاح میں لایا۔ نکاح کی غرض سے عورتوں کا انتخاب بہت
احتیاط سے کرتا تھا۔ یعنی بعیارا کے شیخوں میں بڑے بڑے صاحب رعب و داب
شیخوں کی لڑکیوں سے عقد کرتا تھا۔ بخیال اسکے کہ چار سے زیادہ تعداد ازواج
کی جیساکہ قرآن میں حکم ہے نہ ہو جائے اُسکی یہ عادت تھی۔ کہ عورتوں کو طلاق دیدیتا
تھا۔ اور پھر مطابق اپنے خیال کے دوسری عورتوں سے نکاح کر لیتا تھا غرضکہ
رفتہ رفتہ اُس نے بوجہ اپنے تقدس و ورع کے بڑی نیکنامی حاصل کی۔ اور بہت
سے لوگ اسی قسم کے متعصب اُسکے پیرو اور مرید ہو گئے۔ حاکم فشودا نے جس کے
تحت میں مقام عبا بھی تھا۔ محمد احمد سے ایک غیر معمولی ٹیکس کا مطالبہ کیا
اُس نے اس ٹیکس کے دینے سے انکار کیا۔ اسپر حاکم نے کہلا بھیجا کہ اگر تم ٹیکس کو

شہادا کر دوگے۔ تو میں تم کو گردن و گلو بستہ فشود امیں پکڑوا بلوا ونگا۔ اور ایسے سپاہی
مقرر کرونگا۔ جو اُس جزیرے سے تمہاری اس تہدید و تخویف کا دفعیہ کر دینگے۔
غرضکہ جس وقت وہ سپاہی حاکم نے وہاں مقرر کئے۔ وہ سب قتل ہو گئے۔ اور یہ
خبر دور تک منتشر ہو کر بڑے فساد کا باعث ہوئی۔ محمد احمد نے اپنے موقع وقت پر
لحاظ کر کے کہ اصلی مہدی کا ظہور تیرھویں صدی میں ہونے والا ہے۔ یہ ٹھیرایا کہ
اس موقع کو ہاتھ سے نہ دو۔ اور اس حیلے کو پیش کرو۔ جسے باعتبار حالت موجودہ
سوڈان کے لوگ بہت اچھی طرح تسلیم کرینگے۔ چنانچہ ماہ مئی ۱۸۸۱ء میں اپنے
بھائی بند درویشوں کو اُس نے یہ لکھنا شروع کیا۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے جس مہدی موعود کی نسبت پیشین گوئیاں کی تھیں۔ وہ مجھ ہی سے مراد
تھی۔ اور وہ میں ہی ہوں۔ اور مجھ ہی کو خداوند عالم کی طرف سے یہ منصب عطا
ہوا۔ کہ اسلام کی اصلاح کروں۔ اور تمام عالم کو عدل و داد سے بھر دوں۔ اور تمام
عالم میں ایک ہی شرع اور ایک ہی مذہب اور ایک ہی بیت المال قائم کروں
اور کوئی شخص عام اس سے۔ کہ وہ نصاریٰ ہو یا مسلمان یا بت پرست مجھ پر
یقین نہ لائے اُسے فنا کر دوں۔ ماہ رمضان میں اُس نے عام طور سے اپنے مذہب
کا اظہار مقام ابہ میں جو قریۂ عبا کے قریب تھا کیا۔ مہدی کا قول تھا۔ کہ ہم موت کو
ایسا ہی چاہتے ہیں۔ جیسا کہ تم زندگی کو۔ موت ہم کو زندگی سے زیادہ پیاری ہے
اور سب سے زیادہ عزیز چیز ہم کو موت ہے۔ مہدی کے ان الفاظ میں کچھ ایسا برقی
اثر تھا۔ کہ کچھ دنوں میں ہزاروں آدمی اُسکے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ ماہ جولائی
میں رؤف پاشا گورنر سوڈان کو خرطوم میں مہدی کے مضمون خط کی اطلاع ہوئی
چنانچہ شروع اگست میں اُس نے ایک نقیب ابو سعید نامی کو باین حکم روانہ کیا
کہ محمد احمد کو خرطوم میں لے آئے۔ ابو سعید نے مقام عبا میں پہنچکر مہدی کو بہت
ہی پایہ برتر پر پایا۔ ابو سعید کے سوال پر کہ آپکی غرض ان کارروائیوں سے کیا ہے
مہدی نے جواب دیا۔ کہ میں خداوند عالم کی جانب سے مہدی موعود ہوں۔ ابو سعید

نے کہا کہ اس ملک کا حکمران بھی مثل آپ ہی کے مسلمان ہے جسکا جواب مہدی نے یہ دیا کہ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے۔ اسلئے کہ حکمران نے کرسٹانوں کو مجاز کیا ہے۔ کہ وہ گرجے اپنے اس ملک میں قائم کریں۔ اور امن میں رہیں۔ علاوہ اسکے ان کرسٹانوں نے ٹیکس بھی وصول کئے ہیں۔ ابوسعید کی اس نصیحت پر کہ آپ گورنمنٹ مصر سے مخالفت نہ کریں۔ اپنے آپکو گورنمنٹ مصر کے حوالے کردیں قبل اسکے کہ بے معین و مددگار ہو کر تاب مقاومت فوج سرکاری اور بندوق و توپ و جہاز جنگی دخانی کی نہ لا سکیں۔ مہدی نے نہایت بہادرانہ طور سے یہ جواب دیا کہ اگر فوج مصری مجھے یا میرے مریدوں کو گولیاں مارے گی۔ تو اس سے کسی کو ضرر نہ پہنچیگا۔ اور جو جہاز جنگی ہمارے مقابلے کو آئینگے سب کے سب ڈوب جاینگے غرضکہ ابوسعید ناکامیاب خرطوم کو واپس آیا۔ رؤف پاشا نے مہدی کی سزا کے لئے تین سو سپاہی دو توپ ایک دخانی جہاز کے ذریعہ سے بھیجے۔ ۱۱۔ اگست کو یہ فوج قریہ عبا سے تھوڑے فاصلے پر اتری۔ مہدی کے مقابلے میں ایک سو بیس سپاہی مع افسر کے مقتول ہوئے۔ باقی سپاہیوں نے اپنے ہتھیار ڈالدیے۔ اور بھاگ گئے۔ اس وقت وہ جنگی جہاز بھی قریہ کے پہلو میں پہنچ گیا تھا چنانچہ افسر توپخانہ کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ مہدی پر گولہ اندازی کرے۔ اس لئے کہ اس مقام سے مہدی چند گزوں کے فاصلے پہ سوار نظر آرہا تھا۔ مگر وہ شخص مہدی کی مقدس صورت دیکھکر گھبرا گیا۔ اور پہلے تو عذر کیا۔ بعد اسکے باد ہوائی گولے اڑانے لگا مہدی بے تکلف و بہ آرام تمام سوار ہو کر چلتا ہوا۔ باقی ماندہ فوج جان بچا کر خرطوم میں واپس پہنچی۔ اس سرکاری فوج کی شکست کا یہ نتیجہ ہوا کہ مہدی کے مرید اور بڑھے اور شہر خرطوم میں ایک قسم کا تردد پیدا ہو گیا۔ پھر رشید بے حاکم فشوداچار سو قواعد دان سپاہی اور ایک ہزار حبشیان شیلوک کو ہمراہ لیکر مہدی کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ ۸ دسمبر کو لڑائی ہوئی۔ اور یہ بھی بقارا والوں کے غضبناک نیزوں سے چھد گئے۔ جو مہدی کی اعانت کو جمع ہوئے تھے۔ بعد اسکے بہت سی رمنگٹن

بندوقیں اور مصالحہ جنگ درویشوں کے ہاتھ آیا۔ اور اس وقت بغاوت چاروں
طرف کی ہوا میں پھیل گئی۔ اور درویش شیوخ عرب کے ہاں جاتے۔ اور جہاد
کے لئے وعظ کرتے پھرتے تھے۔ اور بہتیرے قبیلے نیل ابیض و اسود کے اس
وقت برسرِ شورش تھے شروع ستمبر ۱۸۸۲ء میں مہدی ساٹھ ہزار ہمراہیوں
کی جماعت سے جن میں خاصکر قبیلہ بقارا اور حسنیہ کے لوگ بکثرت تھے العبید کے
مقابل جو صوبہ کردفان کا صدر مقام ہے پہنچا۔ اور ۱۹ جنوری ۱۸۸۳ء کو العبید
پر مہدی کا قبضہ ہوگیا۔ اور وہ بڑی شان و شکوہ سے شہر میں داخل ہوا۔ تمام
مصری سپاہی اور افسر اور اہلکار اُس کے مطیع ہوگئے۔ شہر کے کل عیسائی تاجروں
نے اسلام قبول کیا۔ مگر رومن کیتھولک کے پادریوں نے تبدیل مذہب سے انکار کیا
اسلئے وہ لوگ سخت قید میں رکھے گئے۔ اس زمانے میں مہدی کردفان کا مالک
ہوگیا۔ ابتک درویش لوگ صرف نیزہ و شمشیر سے لڑتے تھے۔ انکا یہ مقولہ تھا۔ کہ یہ
آتشیں حربے کفار کے ہیں۔ لیکن آخرکار جب مصری گروہ کے گروہ مہدی سے
جا ملے۔ تو اُنکے پاس ریمنگٹن رائفل بکثرت تھے۔ اور اب وہ لوگ ان بندوقوں کو
نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ مصری سپاہی مہدی کے مقابلے میں بے سود
تھے۔ اسلئے وہ لوگ جنگ پر کسی طرح راغب نہیں ہو سکتے تھے۔ اور افسرانِ فوج
جو کھلے کھلے جانے سے انکار نہ کرسکتے تھے۔ سوڈان کا جانا سنکر روتے تھے۔
عثمان دقنہ جو ایک ترکی سوداگر کا پوتا تھا جو بردہ فروش بھی تھا۔ اور اسکا بھائی
احمد ۱۸۸۳ء میں مہدی کا شریک ہوگیا۔ مہدی نے اُسے اپنی طرف سے امیر مقرر
کر دیا۔ بیکر پاشا کو جسکے ساتھ ۳۷۰۰ فوج تھی۔ عثمان دقنہ نے ۱۲۰۰ درویشوں کے
ساتھ الطیب کے قریب شکستِ فاش دی۔ مصری فوج ایک وحشیانہ طور سے
ہاری گئی۔ ۴ کرپ توپیں ۵ لاکھ کارتوس اور ۳ ہزار بندوقیں عثمان کے ہاتھ
لگیں۔ چونکہ گورنمنٹ مصر میں بغاوت کے رفع کرنے کی قوت نہ تھی۔ اسلئے یہ تجویز
کی۔ کہ سوڈان کے مختلف حصوں سے فوج واپس کرلی جائے۔ حفاظت مصر کے لئے

دریائے نیل پر خرطوم تک قبضہ رکھنا چاہئے۔ اور بحر احمر سے مشرقی سوڈان کا حصہ گورنمنٹ اٹلی کے سپرد کریں۔ انگریزوں نے اس رائے سے رضامندی ظاہر کی اور یہ بات تجویز ہوئی کہ ایک انگریزی افسر اعلےٰ باختیارات کامل خرطوم کو اس غرض سے روانہ کیا جائے کہ وہ فوج سوڈان سے واپس بھیجے اور حتی الامکان آئندہ کے لئے وہاں عمدہ انتظام بقائے حکومت ذاتی کے لئے کرے۔ اور جنرل گارڈن اس کام پر بحیثیت اعلےٰ کمشنر برٹش گورنمنٹ کے اور خدیو مصر کی طرف سے گورنر جنرل سوڈان مقرر ہوکر روانہ ہوا۔ ۱۹ فروری ۱۸۸۴ء کو گارڈن نے بربر میں پہنچکر ایک اشتہار آزادی سوڈان کا جاری کیا۔ نصف محصول بھی معاف کر دیا۔ اور علے العموم لوگوں کے قصور بخشدئیے۔ بلکہ یہانتک کیا کہ باشندگان سوڈان کو یہ اختیار دیا کہ وہ لونڈی اور غلام رکھیں۔ اور اسی اشتہار کے ذریعہ سے مہدی کو سلطان دارفور مقرر کیا۔ اور کچھ تحفے بھی اُسے بھیجے۔ مگر مہدی نے انکار کیا۔ اور گارڈن سے مسلمان ہونے کی درخواست کی۔ اور مہدی نے گارڈن کے لئے ایک لباس درویشی کہ ایک پیوند لگا ہوا کثیف پیراہن تھا بطور تحفے کے بھیجا۔ وہ گارڈن نے واپس کردیا۔ تو مہدی نے بھی وہ تحفے جو گارڈن نے اسے بھیجے تھے واپس کردئیے۔ مہدی کی فوج نے مئی ۱۸۸۴ء میں بربر کو فتح کرلیا۔ قاہرہ کو جو تار کا سلسلہ تھا۔ وہ کاٹ ڈالا۔ اور آئندہ جنرل گارڈن اور اُنکی فوج کے حالات پر پردہ ڈھک گیا۔ اور وہ خرطوم میں گھر گیا اور اُسکا وہاں سے واپس چلا آنا مشکل ہوگیا۔ مہدی کے ساتھ عیسائی قیدی لباس درویشی میں فوجی خدمات پر مامور تھے۔ اور مہدی کے سرداروں سے اور شہر خرطوم والوں سے صلاح اور مشورے ہونے لگے۔ شیخ الاسلام اور قاضی اور مفتی وغیرہ اشخاص اس صلاح ومشورہ میں شریک تھے۔ مگر بوجہ اشتعال بغاوت ان لوگوں کی سزادہی میں مبادرت نہو سکتی تھی۔ مہدی نے ۱۸۸۵ء کی شب کو خرطوم فتح کرلیا۔ شہر کے دروازے کھل گئے۔ اور ایک سخت قتل عام

شروع ہوا جنرل گارڈن بھی مارا گیا۔ اور بہت سے انگریز بشمول یونانیوں کے جو سلاح خانہ پر متعین تھے۔ اور اکثر معزز لوگ قتل ہوئے سفیر اسٹریا بھی مارا گیا۔ اور سفیر یونان اور ایک ڈاکٹر قتل سے بچکر قید ہوا۔ عورتوں اور بچوں کے سنہرے اور روپہلے زیور اور جواہرات چھین لیئے گئے۔ اور قبیلہ بشارین کے سوداگروں کے ہاتھ مثل لونڈی غلاموں کے فروخت کر دیئے گئے۔ انگریزی اور مصری اور سرکیشیا کی سفید رنگ عورتیں اور حبشی عورتیں سب کی سب فروخت کر دیگئی۔ اور انکے شوہر اور آقا انکے سامنے قتل کر ڈالے گئے۔ دوپہر تک یہ جنگ اور قتل عام جاری رہا۔ دوپہر کے بعد لوٹ کے لئے جھگڑا اور فساد شروع ہوا۔ اور نماز مغرب تک بجز کوسنے اور بددعاؤں کے اور کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔ نہ موذن نے اذان دی۔ اور نہ کوئی نماز مسجد میں ادا کیگئی

مہدی نے اپنے تابعین سے یہی تاکید کر رکھی تھی۔ کہ وہ خاکساری اور عاجزی سے بسر کریں۔ اور بالکل تارک دنیا رہیں کسی قسم کی جائداد اپنے پاس نہ رکھیں۔ اور اپنی فقیرانہ زندگی قائم رکھنے کے لئے چیتھڑوں کے سیئے ہوئے کپڑے پہنیں۔ اور پیوند لگائیں۔ لیکن لوٹ مار کے بعد درویشوں کی یہ حالت بگڑ گئی۔ اور انکے مذہبی خیالات کو بھی زوال ہونے لگا اور چیتھڑوں کے لباس کے بدلے اب انہوں نے صاف ستھرے اور صنعت کے کاموں کے پر تکلف کپڑے پہننا شروع کئے۔ اور سفید کپڑوں کے اوپر رنگین دھجیاں لگانے لگے۔ اور مفلسی اور ترک دنیا کی علامتیں باقی نہیں رہیں۔ پہلے جو سچی دیانت کے ساتھ متعصبانہ مذہبی جوش پایا جاتا تھا اسکے بدلے اب دنیاداری کی باتیں زیادہ پائی جانے لگیں۔ درویشوں نے اس خیال سے سوڈان کی تمام جامع مسجدیں توڑ ڈالیں۔ کہ وہ مال مغصوب سے تیار ہوئی ہیں۔ وفات سے قبل مہدی کے اقتدار اور سطوت میں بہت کچھ ضعف بسبب قحط اور جنگ کے آگیا تھا۔

ماہ مارچ ۱۸۸۵ء میں مولوی حسن علی مخالف مہدی نہایت تزک اور احتشام سے العبید میں داخل ہوا۔ گھوڑے پر سوار اور ایک برہنہ شمشیر ہاتھ میں لئے ہوئے کہتا جاتا تھا۔ کہ یہ تلوار مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کے قتل کرنے اور کافروں کے مصر سے نکالنے کو عطا فرمائی ہے۔ اور چند روز کے بعد اس مولوی کے مقلدین نے پیروان مہدی کو ایک سخت شکست دی اور اُسکے سردار کو قتل کر ڈالا۔ مہدی نے چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام اُم درمان میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ اور یہاں وہ سفید کرتہ دیائے جامہ پہنے رہتا تھا۔ اور مرصع کار عصا اپنے پاس رکھتا تھا۔ اور مصر پر حملہ کرنے کے لئے فوج جمع کرتا تھا کہ ۱۹ جون ۱۸۸۵ء کو عارضہ چیچک میں مبتلا ہوا۔ مرتے وقت اپنے پاس اپنے بھتیجے عبد اللہ تعائشی کو کہ چار خلفا میں سے ہے خیمے کے اندر بلایا۔ اور اپنی تلوار اُسے دی۔ اور اپنا جانشین اُسے مقرر کیا دوسرے روز مہدی کی حالت خراب ہوگئی۔ اور اپنے اعزہ واقربا کو الوداع کہا۔ اور یہ وصیت کی کہ انگریزوں سے سلسلہ جنگ برابر جاری رکھنا۔ اُسی روز پانچ بجے کے قریب شام کو اُسکا انتقال ہوگیا۔ اور فوراً ہی دفن کر دیا گیا۔ اور جس خیمے میں وہ تھا جلا دیا گیا۔ تعائشی دعوے دار اپنی جانشینی کا ہوا لیکن عام لوگوں نے اُسکی اطاعت تسلیم نہ کی۔ اور سخت نزاع واقع ہوئی مہدی کے دفن ہونے کے بعد عبد اللہ ام درمان سے مہدی کی فوج اور خزانہ جسے اُس نے فراہم کیا تھا چھوڑ کر چلا گیا۔ اور محل شاہی میں قیام پذیر ہوا اور جو فوج ام درمان میں تھی۔ اُسے مہدی کا خزانہ دینے سے انکار کیا۔ اور وجہ انکار یہ بیان کی۔ کہ میں نے یہ چاہا کہ یہ لوگ کافروں سے متصل جنگ کریں مگر یہ لوگ نہ گئے۔ کچھ دنوں کے بعد قبیلہ بغارا اور شہر والوں میں ایک ہنگامہ واقع ہوا۔ اور کسی قدر فوج بھی انکی مدد کو آئی عبد اللہ یہ قصد کر کے کہ اس ہنگامہ میں چلکر امن قائم کیجئے قرآن ہاتھ میں لئے ہوئے آیا مگر اُسکی کہنی میں ایک تلوار لگی

اللہ قریب المرگ ہو گیا۔ اس حالت میں لوگ اُسے محل میں اُٹھا لائے۔ الغرض
پیروان عبد اللہ نے اپنے مخالفین کو پسپا کر دیا۔ اس وقت خلیفہ کی سلطنت
چار سو میل تک بحر قلزم کے کنارے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور اندرون ملک
میں اسکا علاقہ نیل اور سرحد حبش تک پہنچ گیا تھا۔ اور مغرب کی طرف سہارا
حد فاصل تھا۔ یعنی ایک ہزار میل سے زیادہ وادی نیل مصر کے قبضے سے
نکل گیا۔ ۱۸۹۸ء میں انگلستان کے حکم سے جنرل کچنر ام درمان پر حملہ کرنے کے
لئے ۲۷ ہزار انگلش مصری فوج لیکر مقام آگان میں داخل ہوا۔ جو ام درمان
سے آٹھ میل ہے۔ اور گنبوٹوں نے ام درمان تک گرداوری کر کے تمام بیرونی
تاجوں کو مسمار کر دیا۔ اور تیسرے پہر کو خاص ام درمان پر گولہ اندازی ہوئی
جس مقبرے میں محمد احمد مہدی کی قبر تھی۔ اُسکا گنبد اُڑ گیا۔ شام کو یہ گنبوٹ
آگان کو واپس آئے۔ درویشوں نے اس دن مقابلہ نہیں کیا۔ لیکن جمعہ کے
دن علی الصباح خلیفہ کی تمام فوج جسکی تعداد تخمیناً ۳۵ ہزار تھی۔ ام درمان سے
باہر نکلی۔ اس فوج کی کمان خلیفہ بذات خود کرتا تھا۔ اور نہایت آزادگی سے
حملہ کیا گیا۔ اور کوشش کی۔ کہ دونوں جانب سے انگلش مصری فوج کو گھیر لیں
ہر چند کہ انگلش مصری فوج کی توپوں اور بندوقوں سے باڑھیں چلتی تھیں
اور ہزارہا درویش پرکاہ کی طرح کٹ کٹ کر گر رہے تھے لیکن سخت جنگ کے
بعد اُنکو زک ملی۔ اور بڑی خونریزی کے ساتھ پسپا کئے گئے۔ اور دوپہر تک بالکل
منتشر ہو گئے۔ دو بجے سردار کچنر خلیفہ کا خاص سیاہ نشان چھین کر ام درمان کی
جانب روانہ ہوا۔ اور اڑھائی بجے اُسپر قبضہ کر لیا۔ اور درویش کردفان کی
طرف بھاگ گئے۔ خلیفہ اور اسکے ہمراہی کہ ایک سو تیس آدمی تھے۔ تمام تیز
رفتار سانڈنیوں پر سوار تھے۔ خلیفہ کی فوج جو بھاگ نہ سکی۔ اُس نے سردار
کے سامنے ہتھیار رکھدئے۔ درویشوں کے مقتولوں کی تعداد کا تخمینہ دس ہزار
آٹھ سو ہے۔ اور سولہ ہزار زخمی ہوئے۔ اور تین ہزار سے چار ہزار تک قید

کیے گئے۔ زخمی درویشوں کو موضع والوں نے لوٹنے کی غرض سے قتل کیا۔ اور لشکر والوں نے بھی ایسی لوٹ مار شروع کی۔ سوڈانیوں نے صدہا آدمیوں کو قتل کیا جو راستے میں ملے۔ اور جو درویش پڑے ہوئے ملے اُنکے گولی ماردیگئی۔ یا سنگین سے ہلاک کئے گئے۔ جس وقت انگریزی فوج نے اخیر درویشوں کے حملے کو زک دی۔ اور ام درمان پر بڑھ رہی تھی۔ تو سڑکوں پر بہت سے پناہگزین مع عورتوں اور بچوں کے اپنے اونٹوں اور گدہوں اور خچروں کو جن پر مال لدا ہوا تھا۔ کھینچے لئے جاتے تھے۔ یہ سب خوف زدہ بھاگے جاتے تھے۔ یہانتک کہ گنبوٹوں کے گولہ اندازوں کو اُنپر گولہ اندازی کا حکم دیا گیا۔ اور نہایت غضبناک گولہ اندازی کیگئی اور اُنپر میکسیم توپوں سے بھی گولہ باری کیگئی۔ صدہا بلکہ ہزارہا مارے گئے۔ اور سردار کی خاص اجازت سے مہدی کا مزار کھودا گیا۔ لاش جو معمولی طور پر حنوط کی ہوئی تھی۔ چیر پھاڑ کر ہڈیاں وغیرہ نیل میں پھینکی گئیں۔ سر اور بعض حصے کسی میڈیکل کالج کی نذر کرنے کے واسطے رکھے گئے۔ قبر میں بارود بھر کر اسکو اڑادیا گیا۔ مسٹر برلی نے اپنی کتاب جنگ خرطوم میں لکھا ہے۔ کہ محمد احمد کی مہدیت کی تمام حقیقت کو بالکل مٹا دینے کی غرض سے یہ بات کیگئی۔ مگر عام لوگ لاش کو دیکھکر اسکا یقین نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ ان میں مشہور تھا کہ مہدی آسمان پر چلا گیا ہے۔ اور کچھ عرصے کے بعد واپس آئیگا۔ اگست ۱۸۹۹ء میں انگریزی فوج کے ایک افسر نے شوگا نا گاؤں میں جاکر مہدی کے چوتھے خلیفہ محمد شریف اور مہدی کے دونوں بیٹوں کو بعد جنگ و جدل کے گرفتار کرلیا۔ ۱۷ درویش اس معرکہ میں قتل ہوئے۔ پھر ان تینوں قیدیوں کے بھی گولی ماردیگئی۔ اور لاشیں ندی میں بہادی گئیں۔ اور وہ گاؤں بالکل جلا دیا گیا۔ اور ساٹھ آدمی اتباع و اشیاع مہدی اسیر کئے گئے۔ ماہ نومبر ۱۸۹۹ء میں دشت کردوفان کی ایک جنگ میں عبد اللہ تعائشی پر کرنیل ونگیٹ نے دہاوا کیا۔ جس میں تعائشی مارا گیا۔ اس لڑائی میں نو ہزار آدمیوں نے اطاعت قبول کی جن میں خلیفہ کے نامی

سرداراور امیر شامل تھے۔ یہ سب گرفتار ہو گئے۔ اور بہت سے لوگ مقتول ہوئے عثمان دقنہ جسکی عمر ستر سال کی تھی بنواح ٹوکر واقع شرقی سوڈان کے جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا تھا۔ ایک عرب شیخ کی غداری سے چند مصری سواروں کے ہاتھ اسیر ہو گیا۔

محمد الامین

۱۳۴۳ھ، محمد الامین نامی ایک شخص نے ضلع کردفان کے حصہ جنوبی کوہستان تگالامیں یہ مشہور کیا۔ کہ میں مہدی موعود ہوں۔ یہ خبر سنکر کرنیل ہاہن جو سوڈان کا ڈپٹی گورنر جنرل ہے۔ فی الفور خرطوم سے ۳۰۰ سواروں کو طلب کرکے ایک دخانی جہاز کے ذریعہ سے نیل سفید کی جانب روانہ ہوا۔ ساتھ ہی اسکے العبید کو جو پایہ تخت کردفان کا ہے۔ یہ حکم بھیجا۔ کہ دوسو سیاہ پیدل مع دو میکسم توپوں کے میرے رسالے کے ساتھ آملے۔ یہ پیدل سپاہی اور توپیں دوسو میل کی مسافت طے کرتے ہوئے مقام فاچیشو کے کنارے فروکش ہوئے۔ اور جنوبی مغربی سڑک پر تگالا کی طرف کوچ کرنے لگے اور ایک صحرائے لق و دق کے درمیان سے دوسو میل کی راہ طے کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اور کرنیل ہاہن رود سے خشکی پر اُترا۔ پانچ دن کے بعد یہ خبر معلوم ہوئی۔ کہ فلاں قریے میں وہ مہدی موجود ہے۔ کرنیل نے اُس فوج کے ساتھ تمام شب دھاوا کرکے نور کے تڑکے اُس قریے کو گھیر لیا۔ مہدی کے طرفداروں نے بے تکی گولیاں چلائیں۔ آخرش مہدی نے یہ بات سمجھ لی کہ اپنا بچنا محال ہے۔ اس لئے اُس نے اطاعت اختیار کی۔ کرنیل نے مقامی شیخوں کو لئے ہوئے اس قریے کی طرف پیش قدمی کی۔ مہدی باہر نکل آیا اور اپنے تئیں سپرد کیا۔ اُسکے بشرے اور قیافے سے ثابت ہوا۔ کہ وہ بہت ذکی اور ہوشیار آدمی ہے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ وہ دوبارہ حج کے لئے مکہ معظمہ گیا تھا۔ اور حال ہی میں اسکا وہاں سے مراجعت کرنا ہوا۔ اسکی عمر ۴۰ سال

کی تھی۔ اور ٹونس اسکا وطن تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اس نے بہت سے آدمیوں جمع کیا تھا۔ لیکن اسکے گرفتار ہونے کے ایک دن آگے ہی اسکے اکثر رفیق بھاگ گئے۔ انکو اس بات کے تحقیق کرنیکا موقع نہ ملا۔ کہ آیا محمد الامین سچا مہدی موعود ہے یا دھوکا باز اور مکار رہے۔ اس نے اپنے منصوبوں کی تعمیل نہایت چستی اور چالاکی سے کی۔ اگر اسکو ایک مہینہ کی مہلت حاصل ہوتی۔ اور حکام سوڈان سہل انکاری اور بے پروائی اختیار کرتے۔ تو ملک کردفان کے جنوب کی طرف تمام لوگ اغلباً اسکے تابعدار ہو جاتے سوڈان کے اکثر شیوخ کے خطوط ملے جو اس مہدی کے حالات کی تحقیقات کے باب میں ہیں۔ تاریخ وہی طریقہ اختیار کیا تھا جو پہلے مہدی کا طریق تھا۔ اور اسکی پیروی اختیار کئے ہوئے عمل کر رہا تھا۔ اگر زمانہ اس کو فرصت دیتا تو تھوڑے سے عرصے کے اندر اسکی قوت و طاقت بہت ترقی کر جاتی۔ لیکن یہ بات خدا کو منظور نہ تھی۔ کرنیل ماہن نے اسکو قید کر کے نہایت حفاظت کے ساتھ العبید کو روانہ کیا۔ اور اسپر بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ اور اسکو پھانسی دیگئی اسکا لباس سوڈان کے عربوں کے لباس کی طرح نہ تھا۔ وہ اور اسکے رفیق اپنے منہ پر نقاب ڈالے ہوئے رہتے تھے۔ مہدی کا لباس اکثر ریشمی کپڑوں کا ہوتا تھا جیسا کہ مکہ کے رہنے والے پہنتے ہیں۔ اس شخص کے خاص خاص رفیق بھی اسیر کر کے العبید کو روانہ کئے گئے۔ ٹگالا کے شمالی مشرقی سمت کے باشندے مہدی کے تابعدار ہو گئے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا۔ کہ یہ سچا مہدی موعود ہے۔ ان میں سے چند شخص قید کئے گئے۔ مہدی کے تابعداروں نے گھانس کو زہر آلود کیا تھا۔ اسکے اثر سے بہت سے گھوڑے ہلاک ہو گئے۔

محمدؐ

(۳۵) فاس علاقہ مغرب اقصے میں ایک شخص نے جسکا نام محمدؐ ہے مہدی موعود ہونے کا دعوے کیا ہے۔ بہت سے قبیلے اسکے تابع ہو گئے ہیں چنانچہ قبائل غیاثہ۔ تسوال۔ برانس ہوارہ۔ بنی وارین۔ کمناسہ اور صہناجہ

اس سے بہت کچھ عقیدت رکھتے ہیں۔ اور اسکی صداقت پر ایمان لا چکے ہیں
اور اسکے تابعین اسکو سیدنا کر کے بولتے ہیں جیسا کہ انکی اصطلاح میں بادشاہ
وقت کو بولا جاتا ہے۔ جب وہ ان قبائل کو جو اسکے تابع ہیں۔ بلانا چاہتا ہے
تو اپنے مکان کے قریب ایک بلند پہاڑ پر آگ روشن کرتا ہے۔ جسے دیکھتے ہی
وہ سارے دوڑے چلے آتے ہیں۔ ان قبائل کے سوا اور بھی بہت سے لوگ
اسکے تابع ہو گئے ہیں۔ الحاضرہ نے ۱۹۰۳ء کے آخری سال کے اپنے ایک
پرچے میں اسکا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے۔ جسم دبلا پتلا قد متوسط رنگ گورا
مائل بگندمی داڑھی چھوٹی ہے جس میں چند بال سفید بھی ہیں۔ ایک
آنکھ میں قدرے سفیدی ہے۔ جب کوئی خط یا کتاب پڑھنے لگتا ہے تو اس
آنکھ کو بند کر لیتا ہے۔ اکثر خاموش رہتا ہے۔ کلام جب کرے مسائل شرعی سے
کرتا ہے۔ کسی قدر فقہ بھی جانتا ہے۔ لیکن تاریخ میں بڑا علامہ ہے۔ تین اسکے
خلیفہ ہیں۔ ایک تو بالکل جاہل ہے۔ جسکا نام صالح ہے۔ وہ اس مدعی مہدیت
کا خسر ہے۔ دوسرے کا نام محمد حموش ہے۔ یہ بھی بے علم ہے۔ مگر بڑا زاہد
عابد صاحب اخلاق حمیدہ ہے۔ تیسرے کا نام ابراہیم برنوصی ہے۔ یہ
شخص فقیہ صوفی اور بڑا فاضل اعلے درجہ کا مصنف ہے۔ اسکی بڑی بڑی
تصانیف ملک میں مشہور ہیں۔ دو شخص اسکے مہمان خانے کے مہتمم اور لنگر خانے
کے منتظم ہیں۔ ایک کا نام محمد شرکی اور دوسرے کا نام حمود سنجاری ہے۔

ماء العینین شنقیطی

(۳۷) تازہ ترین اخبارات یورپ نے اسکی نسبت بہت کچھ لکھا ہے
اور اسکو سرزمین مراکش کا موجودہ یا آئندہ مدعی مہدیت قرار دینے کی جد
جہد میں صفحوں کے صفحے رنگ ڈالے ہیں لیکن اس نے نہ تو ابتک بصراحت مہدی
موعود ہونے کا دعوے کیا ہے۔ اور نہ وہ اپنے تئیں امام معصوم بتاتا ہے
تاہم اس نے رازداری اور تقیہ کو اپنا شیوہ بنا کر طریقت صوفیہ کے لباس

میں اپنا اثر محیط کرنا آغاز کیا ہے۔ اور درحقیقت وہ ابھی لوگوں کے دلونکو اپنے دعاوی قبول کرنے کے لئے آمادہ اور مسخر بنا رہا ہے۔ جس شخص کو گذشتہ زمانہ کے مدعیان مہدیت کے حالات و سوانح معلوم ہونگے۔ وہ بآسانی تمام اس شخص کے ظاہری و اطوار دیکھکر حکم لگا سکیگا۔ کہ یہ بھی اہل افریقہ کے دعوے مہدیت کرنیوالوں میں ایک تازہ مدعی مشہور ہونیوالا ہے۔ مسیو چاٹلی سیاح افریقہ نے اپنی کتاب اسلام ان ویسٹرن افریقہ میں ماء العینین کے خاندان کے حالات بتفصیل تمام درج کئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی صحرا میں اسکا گھرانا دو پشتوں سے خاندان اولاد محمد فاضل کے نام سے مشہور ہے۔ اس کنبے کا مورث اعلے محمد فاضل ایک شریف النسل شخص تھا اور اسنے مقام اولاتا سے آکر اس صحرا میں سکونت اختیار رکی تھی۔ محمد فاضل نے مقام بکنتوح کے مشہور طریقۂ صوفیۂ بقاعیہ سے سیدی مختار کبیر کی وفات کے بعد اپنے تعلقات قطع کرکے صحرا میں بود و باش پسند کی۔ اور اپنا جداگانہ شعبہ قائم کرلیا۔ ۱۸۷۷ء میں جس وقت مسیو چاٹلی نے اس ملک کی سیاحت کی۔ بقاعیہ طریقے کی اس جدید شاخ کی دو خانقاہیں۔ اسنے دیکھی تھیں۔ پہلی خانقاہ شہر مراکش میں تھی۔ اور دوسری شہر فاس میں تھی۔ اور محمد فاضل بانی طریقت کی وفات کے بعد اس سلسلے کے بھی چار حصے بن گئے تھے۔ محمد فاضل کے چار بیٹوں میں سے ایک فرزند ماء العینین ہے۔ اس نے دو مرتبہ حج بیت اللہ بھی کیا ہے۔ اور اپنے علم و فضل و زہد و تقوے اور صلاح ظاہری کے باعث ملک مراکش میں بہت کچھ ناموری اور رسوخ پیدا کرلیا ہے۔ ماء العینین کبھی نون کے وادیوں میں اور گاہ مراکو کے جنوبی شہروں میں رہا کرتا ہے۔ اس نے اور اسکے بھائی نے اطراف سینیگال کے صحرائی قبائل کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے اور سینیگال ایک فرانسیسی نوآبادی ہے۔ ماء العینین مولائے حسن حکمران مراکو سے ملا تو اس نے سلطان کے دل و دماغ پر ایسا اثر ڈالا کہ سلطان اسکے بس میں آگیا۔ اور مولائے حسن کے بعد اسکے فرزند مولائے عبد العزیز حکمران سابق مراکو نے بھی ماء العینین کے ساتھ وہی برتاؤ رکھا جو اسکے والد مرحوم نے کیا تھا۔ ہمیشہ جب یہ اسکے دربار میں آتا۔ تو سلطان بیحد تعظیم و تکریم کرتا اور

بہت کچھ زر نقد اسکے نذر کرتا۔ اور دیر تک تنہائی میں باتیں کرتا رہتا۔ ماءالعینین کے پیر مغرب اقصے کے ممالک میں زرد پوش کے نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ وہ معمولی زرد رنگ کے سوتی جبے اور اسی رنگ کے عمامے پہنتے ہیں۔ اور انکے گندم رنگ پر یہ لباس کچھ عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے۔ پھر اسکے ماسوا ان کے ملک میں پانی کی کمیابی ہے۔ اور وہ اکثر تیمم کرتے رہتے ہیں۔ اسلئے اُن کے چہرے عجیب بدہیئت ہو جاتے ہیں۔ ماءالعینین کے مریدوں کا نام تشناقطہ بھی مشہور ہے۔ اور منقیطی کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں۔ اور اپنے شیخ کی جانب منسوب ہونے کے باعث عینیہ کہلاتے ہیں۔ حکومت مخزن ان کے ساتھ ہر طرح کے سلوک کرتی رہتی ہے۔ سامان رسد اور ذخائر جنگ انکو دیتی رہتی ہے اور ان کے شیخ کے لیئے وظائف اور ہدایا ارسال ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے صرف ایک ہی دفعہ بمقام موغادور سلطان سے تیس ہزار دورو نقد وصول کئے ہمارا دورو اسپین کا نقرئی سکہ ہے کے مساوی ہوتا ہے۔ شیخ ماءالعینین سفید اونی لباس پہنتا ہے۔ جو بالکل مغربی وضع کا ہوتا ہے۔ اور جس وقت وہ شہر کی گلیوں یا میدانوں میں گذرتا ہے۔ تو اسکے مرید چاروں طرف حلقے میں لئے ہوئے کلمہ شہادت پڑھتے جاتے ہیں۔ اور انکی تہلیل کا غلغلہ بلند ہو کر سننے والوں پر خاص اثر ڈالتا ہے۔ ماءالعینین کے مرید جو زیادہ تر بربری نسل کے لوگ ہیں۔ اپنے پیر کی تعریف میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں۔ کہ عام اہل مغرب میں ماءالعینین کی نسبت الوہیت کے مدعی ہونے کا چرچا پھیل گیا ہے۔ اور شہر فاس کے علمانے اسے قطب کا لقب دے رکھا ہے۔ خود ماءالعینین اپنی کتابوں میں اپنے جوہر علوی ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ اور بہت کچھ دون کی لیتا ہے حتی کہ اس نے اپنے آپکو بشریت سے بالاتر اور اسرار الہی کا مظہر لکھا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی کتابوں میں شیخ ابی قرہ نامی ایک شخص کو بہت عزت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ اور اُسے علین الاکھفے کا لقب دیتا ہے۔ بہرحال

مغرب کا یہ عالی مرتبہ درویش خاص صفات کا شخص ہے ۔ او راپنے علم و فضل میں بے مثل ہے ۔ اس نے نہ صرف علوم فقہ کلام تصوف اور لغت ہی میں عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں ۔ بلکہ وہ نجوم وغیرہ عقلی علوم میں بھی کئی کتابوں کا مولف ہے ۔ پھر یہ کتابیں بھی معمولی نہیں ۔ بلکہ اتنی ضخیم اور بڑی کہ بعض کتابوں کی بیس بیس جلدیں ہیں ۔ اور وہ طبع ہو کر ملک میں شائع ہو گئی ہیں لیکن اہل یوروپ اسے شعبدہ باز ٹھگ جادوگر اور خدا جانے کیا کیا بتاتے ہیں ۔ اور اسکی بربادی کے درپے بنتے ہیں ۔ مولائے عبدالعزیز سلطان مراکو کے عہد میں پچھلے دنوں جو معاملات برروئے کار آئے ۔ ان میں اس نے بہت بڑا حصہ لینے کی وجہ سے بیحد شہرت پیدا کر لی ۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں اسکا انتقال ہو گیا ۔ اور اخبارات یورپ اسکی نسبت دعوے مہدیت کرنے کی پیشگوئی عرصۂ ظہور میں نہ آسکی ۔

ناامیے سومالی

(۳۷) سومالی عرب کے ایک قبیلے کا نام ہے ۔ وہ سرزمین جو اس قبیلے کے لوگوں سے آباد ہے ۔ ملک سومالی یا ارض سومالی کہلاتی ہے ۔ انگریز اس کو سمالی لینڈ یعنی سومالیوں کی زمین کہتے ہیں ۔ لیکن اس ملک کا اصلی نام سومالی لینڈ نہیں ہے ۔ یہ ولایت افریقہ میں واقع ہے ۔ اس چھوٹے سے قطع زمین پر جو قوم آباد ہیں ۔ انکے پاس گینڈے کی ڈھالیں ہیں ۔ تیرکمان ہیں ۔ اور نیزے ہیں ۔ اس ملک میں ایک شخص نے مہدی موعود ہونے کا دعوے کیا ہے ۔ قاہرہ کے اخبار اللواء مورخہ ۲۸ فروری سنہ ۱۹۰۱ء میں لکھا ہے ۔ کہ سومالی کے جدید مہدی کا نام حاجی محمد بن عبداللہ ہے ۔ اور خاص عرب سمالی الوطن مسلمان ہے جو خاص ایک اسلامی گھرانے سے نکلا ہے ۔ بچپن سے اسے صرف دینی تعلیم ہوتی رہی اور دنیا کا ذرا بھی شائبہ اسپر نہ پڑا ہے ۔ قبل ادعائے مہدیت بہت وقت وہ ممالک حجاز تک ہو آیا ہے ۔ اور وہ فرقہ جابر سلیمان سے ہے ۔ اسکی شہرتیں

برس کی ہے۔ شیخ محمد صالح کا مرید ہے جو کہ ہیں فرقہ محملیہ کے سرغنہ ہیں۔ ملا کا جسم چھریرا ہے اور قد معمولی ہے۔ مال غنیمت اپنے پیروؤں میں تقسیم کر دیتا ہے اور کہتا ہے اسمالیوں کو غیر قوموں کے قبضے سے آزاد کر دونگا۔ اور بطور مہدی کے بھیجا گیا ہوں۔ انگریزوں نے ملا محمد بن عبداللہ کو جب اس نے شائستہ نوجوں پر کنارہ بحر سے اترتے ہی حملہ کیا دیوانہ ملا خطاب دیا۔ اور مدت تک اسکو دیوانہ سمجھتے رہے یعنی ڈھالوں تیر کمانوں اور نیزوں کے بل پر جب اس نے جلدی چلنے والی توپوں اور اعلےٰ درجہ کے بندوق رکھنے والے سپاہیوں پر حملہ کیا۔ تو اسکی دیوانگی میں انگریزوں کو کیونکر شک ہو سکتا تھا۔ مگر جب انگریزوں کی تین چار مہمیں یکے بعد دیگرے ناکام ہوئیں۔ اور ملا کے ہاتھ سے انگریزوں نے سخت تکلیف اٹھائی۔ اور اسپر چڑھائیوں میں صرف تو بہت ہوا۔ مگر پھر بھی ناقص رہیں اور ملا قتل و گرفتاری ہی سے محفوظ نہیں رہا بلکہ اسکی عظمت و شان میں کچھ فرق آنے اور آئندہ اسکے دق نکرنے کی بھی شہادت نہیں ملی تو انگریزوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور اب انہیں معلوم ہوا۔ کہ ملا کو کوئی دماغی مرض ہوتا۔ تو کیونکر اس عمدگی سے مقابلہ کر کے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اسکے بعد ایک نئی خبر اور مشہور ہوئی کہ مہدی سوڈانی کے بعض پیرو یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ مہدی ملا عبداللہ کی صورت میں پھر پیدا ہوا ہے۔ لاکھوں روپئے خرچ کرنے اور صدہا سپاہی میدان جنگ میں ضائع کرنے کے بعد اراکین سلطنت انگلشیہ نے انجام کار فیصلہ کیا ہے۔ کہ ملا کو مطیع کرنے کی کوشش بے سود بلکہ ناقابل عمل ہے۔ اُسے اسکی اپنی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے

سید محمد بن علی ادریسی

(۳۸) ۱۳۲۷ھ میں سید محمد بن علی بن احمد ادریسی شافعی نے تہامہ ملک یمن میں مہدیت کا دعوےٰ کیا۔ مقام عسیر میں پیدا ہوا تھا۔ اور اسی خاندان سے ہے جو کہ یمن میں مشہور اور با اثر ہونے کے علاوہ خود کو اولاد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم بتلاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ ہمارے ہی خاندان میں نبوت کا خاتمہ ہوا ہے
سید ادریسی کا اصلی وطن مراکو بیان کیا جاتا ہے۔ مگر اسکے دادا نے یمن میں بودو
باش اختیار کی تھی اور وہیں سید ادریسی اور اسکے والد پیدا ہوئے تھے سید ادریسی نے ابتدا میں مکہ معظمہ میں دینی
تعلیم پائی۔ اور پھر مصر میں جاکر جامع ازہر میں داخل ہو گیا تحصیل علم کے بعد
کچھ دنوں سوڈان میں رہا۔ اور پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا۔ مگر جب وہاں
دال گلتی نظر نہ آئی۔ تو واپس یمن چلا آیا چونکہ یمن کے لوگ نسبتہً کم علم اور سادی
طبیعت ہیں۔ اسلیئے یہاں خوب کامیابی ہوئی۔ بارہا حج بیت اللہ سے بھی شرف
اندوز ہوا۔ اور اسکے تقدس اور زہد و ورع کا شہرہ عرب و عجم کے گلی کوچوں
میں ہونے لگا۔ اور لوگ جوق جوق اس سے بیعت کرنے لگے۔ اور اس شہرت
کے خیال نے اسے مہدیت کے دعوے پر آمادہ کیا۔ مگر خود سید ادریسی نے اپنے
ایک دوست امین صادق کے نام جو خط لکھا ہے۔ اس میں کہتا ہے کہ ہم مذہب
اہل سنت والجماعت سے ہیں۔ اللہ اور اسکے فرشتوں اور اسکی کتابوں اور
اسکے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور حتی المقدور شریعت مطہرہ کے موافق
عمل کرتے ہیں۔ امر معروف اور نہی عن المنکر بھی بجالاتے ہیں۔ نہ ہم مہدیت کے
دعوے کے مدعی ہیں۔ نہ کشف و غیب کے نہ ہمیں خلافت و ملک کی ضرورت ہے
اسکی چند کرامتیں مشہور ہیں۔ جنہیں دیکھکر یمن کے جاہل بہت متاثر ہوتے
ہیں۔ اور اسے ولی کامل جانتے ہیں۔ مثلاً ایک کرامت یہ ہے۔ کہ جب نیا شخص
مرید ہونے کی غرض سے اسکی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ تو اسکے ہاتھ میں
ایک رسی دیجاتی ہے جسکے پاتے ہی معتقد کے جسم پر لرزہ اور خوف طاری ہو جاتا
ہے۔ اس وقت پیر و مرشد ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ تیرا دل میری طرف سے صاف
نہیں ہے معتقد درد و اضطراب کی وجہ سے چیختا ہے۔ کہ حاشا وکلا میرا دل
آپکی جانب سے بالکل صاف ہے۔ اور آپکی ولایت و کرامت کا صدق دل سے
اقرار کرتا ہوں۔ اس وقت وہ رسی اسکے ہاتھ سے چھٹ جاتی ہے۔ اور اسکے

دل کو قرار حاصل ہوتا ہے۔ پھر وہ اس لوگرفتار کو مرید بنا لیتا ہے۔ کبھی بغداد
تاریک کمرے میں ایک جانب فوج اور سوار جاتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں۔ اس
وقت معتقدین خشوع و خضوع کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہیں۔ مہدی کہتا
ہے کہ یہ فرشتے ہیں۔ کہ ہماری مدد کو آئے ہیں۔ اور انشاء اللہ کفار ترکوں،
پہ فتح حاصل ہوگی عرب کے بڑے بڑے قبائل نے اسکو مہدی تسلیم کرلیا ہے
اور اسکے آگے سر نیاز جھکاتے ہیں یمن کا مشہور فرمان روا ابن محمد جس نے
ترکوں سے جنگ کا اعلان کیا ہے۔ اس کا مرید ہوگیا ہے۔ فی الحال اس کے
مریدین جو اسکے ہمراہ سرفروشی کے لئے تیار ہیں۔ چالیس ہزار بتلائے گئے ہیں
کہتے ہیں۔ کہ اس نے بڑے زور و شور سے اعلان کیا ہے کہ میں لوگوں کو امن و
صلح کا پیغام سنانے اور شریعت محمدی کی متابعت منوانے کے واسطے آیا ہوں
اس جدید مہدی کی سطوت و جبروت کا اثر لوگوں پر اس درجہ ہوا ہے۔ کہ اسکے
احکام پر مطلق چون و چرا نہیں کرتے۔ کچھ دن ہوئے۔ کہ ایک عرب نے آکر اس سے
عرض کیا۔ کہ احمد شریف جو امرائے وقت میں سے ہے میری لڑکی کو بھگا لے گیا
ہے۔ اور اسکو ایک شخص غیر کے ہاتھ فروخت کر ڈالا ہے۔ اس نے فوراً اس
اسیر کو طلب کیا۔ اور استغاثہ اس کے روبرو پیش کرکے کہا۔ کہ تم اپنی صفائی
پیش کرو۔ مگر وہ اسیر چپ رہا۔ اسپر مہدی نے حکم دیا۔ کہ شرع کے مطابق اسکے
ہاتھ قلم کئے جائیں۔ چنانچہ احمد شریف کے ہاتھ تراش دیئے گئے۔ احمد شریف
اس وفد کا ممبر تھا جو اہل یمن کی طرف سے سلطان عبد الحمید خان ثانی کی
خدمت میں گیا تھا۔ سلطان نے اسکو خاص اعزاز عطا کیا تھا
مہدی اس قسم کی سزائیں اور لوگوں کو بھی دے چکا ہے۔ اور ایک بڑا ہوشیار
شخص ہے۔ ابتدا میں مرید کرنے کے بعد کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے بتلا دیا
پھر آہستہ آہستہ حکومت کی جانب سے انہیں بدظن کر دیا۔ اور ٹیکس کی ادائیگی
سے روک دیا۔ بدو عرب کی بادیہ نشین قومیں تو اس قسم کی باتوں کی دلدادہ

ہیں۔ انہیں ٹیکس کا ادا کرنا اور کسی قسم کا مطیع و فرمان بردار رہنا کب گوارا ہے۔ پس سید ادریسی کے اغوا سے وہ پورے باغی بن گئے ہیں۔ ادھر ادریسی نے جھوٹی سچی دلیلیں پیش کر کے ترکوں کو کافر ٹھیرا دیا۔ اور ان پر جہاد کرنا فرض بتا دیا۔ اب کیا تھا معرکہ آرائیاں ہونے لگیں۔ اور طرفین کے ہزارہا آدمی توپ و تفنگ اور تلوار کے گھاٹ اترنے لگے۔

الشریف مختار

(۳۹) ۱۳۲۸ھ کے آخر میں ایک شخص شریف مختار نامی نے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے ہونیکا دعوے دار ہے رسوڈان کے موضع کتات لباب میں مہدی ہونے کا دعوے کیا۔ اور حکام سوڈان کے اختیارات کی مخالفت کی۔ گورنر بربر نے نائب گورنر دامر کو مع ایک دستہ سپاہ کے ایک لفٹنٹ کی ماتحتی میں اس مہدی کو اطاعت قبول کرنے کے لئے ترغیب دینے پر مامور کیا۔ موضع کتات لباب میں پہنچکر نائب گورنر دامر نے ام درمان کے قاضی کو حکم دیا کہ شریف کے پاس جاکر اسکو مہدیت کا خیال ترک کرنے کے لئے ترغیب دے۔ چنانچہ قاضی نے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام رہا۔ اسلئے اُس ضلع کے شیخ کو اس کام کے انجام دینے کے لئے مامور کیا۔ شیخ کے پہنچتے تک مہدی کا جوش بہت بڑھ گیا تھا۔ اور شریف نے نیزے کے ایک وار سے شیخ کو ہلاک کر دیا۔ اور ایک جنگ شروع ہوئی جس میں مقتول شیخ کے دو سو ساتھی سخت مجروح ہوئے۔ اسپر سرکشوں کو ڈرانے کے لئے کمان افسر نے چند خالی فیر بندوق سے کئے۔ لیکن مہدی پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ برعکس اسکے مہدی اور اسکے تین بیٹوں نے سپاہ پر حملہ کر دیا اسلئے مقابلے میں اسپر فیر کئے گئے۔ شریف مجروح ہوا۔ اور اُس کا ایک بیٹا مارا گیا ایک سخت مجروح ہوا۔ اور نائب لفٹنٹ خفیف مجروح ہوا۔ شریف اور اسکے دونوں بیٹوں کو گرفتار کر کے اِتبارہ کے اسپتال میں بھیج دیا گیا۔

تنبیہہ

تاریخ اس بات کو بتا رہی ہے۔ کہ جس ملک میں اسلامی حکومت کی
کمزوری آغاز ہوئی ہے۔ یا رعایا میں تہذیب و شائستگی مفقود ہے۔ وہاں
کوئی نہ کوئی شخص مہدیت کا دعوے کر کے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور مہدی
آخرالزمان کے ظہور کی بشارت جناب سید المرسلین کے جن اقوال میں آئی
ہے۔ انہی احادیث کی سند پر اپنی رکیک تاویلات سے علما کو قائل معقول
بنا کر اپنی مہدیت کا ثبوت دیتا ہے۔ مدعیان مہدیت کے شکار کھیلنے کی
ادٹ زیب ہوتا ہے۔ اور اکثر حالتوں میں وہ طریقت و تصوف کے لباس
میں جلوہ گر ہو کر اپنی کارروائی کا آغاز کرتے ہیں۔ خاصکر افریقہ کا بر اعظم
جو اپنے باشندوں کی وحشت میں مشہور و معروف ہے۔ بہت کم کسی نہ کسی کی
مہدیت کے مدعی سے خالی رہتا ہے۔ اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کی جمعیت
بھی انکے گرد فراہم ہو جاتی ہے۔ مگر جب وہ اس قابل ہوتے ہیں۔ کہ اب
زبانی جمع خرچ سے گذر کر عملی دائرے میں قدم رکھیں۔ تو یکایک پولیٹیکل دنیا
کے کارپرداز انکے سروں پر جا پہنچے۔ اور فوج و لشکر لیجا کر انکا اور انکے دعاوی
کا نہیں۔ بلکہ انکی جماعت کا سر کچل ڈالا۔ اور انہیں پھولنے پھلنے نہ دیا۔ اگرچہ
ان مدعیان مہدیت میں سے کچھ لوگ بڑی شہرت اور عزت حاصل کر لینے میں
کامیاب ہو گئے۔ مگر اکثر بد قسمتی سے گمنامی کے غار میں پڑے رہگئے۔ اور ان کے
حالات ظاہر نہ ہو سکے۔ اور ہر ایک زمانے اور حالت میں اسکے دعویداروں
کے باعث مسلمانوں کو نہایت تکلیفیں پہنچیں جن میں انہیں مادی اور اخلاقی
دونوں حیثیتوں سے نقصان عظیم برداشت کرنا پڑا۔ اور انکی کمر ٹوٹ گئی۔ مہدی
موعود ہونے کی مدعی سب باہم ملتے جلتے اور دین کے پیرائے میں دنیاوی جاہ
و عزت یا نام و شہرت کے طالب پائے گئے۔ جس طرح میجک لینٹرن یعنی جادو کی لالٹین
لنٹرن ایک قسم کی لالٹین ہے، کا تماشا اندھیرے کمرے میں پورے کمال کو پہنچتا

ہے۔ اسی طرح مہدیت محض تاریک زمانے میں اپنا پورا کرشمہ دکھاتی ہے یہی وجہ ہے کہ افریقہ کی سرزمین دعوے مہدیت کا اکھاڑا رہتی ہے۔ جس کے باعث ملک کے باشندے سخت آفتیں جھیلتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون کا قول کہ مدعیان مہدیت کا اصل منشا دور دراز ممالک افریقہ میں ظہور کرنے سے محض حکومتوں کا قائم کرنا تھا۔ حالات مذکورہ بالا سے آئینے کی طرح صاف اور صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن جس وقت سے اہل یوروپ کی نظریں افریقہ کے براعظم پر متوجہ ہوئی ہیں۔ اس وقت سے یہ ملک دعوے مہدیت کی ایسی پرورش نہیں کر سکتا جیسی انیس صدی عیسوی سے قبل کرتا تھا۔ کیونکہ سوڈانی اور دوسرے مہدیوں کا باوجود علم عقل اور حکمت عملی سے کام لینے کے آخر ناکام ہی رہنا۔ اس امید کو توڑ چکا ہے۔ کہ آئندہ یہ سرزمین پھر کسی مہدی موعود کے دعاوی کو اس قدر فروغ دے سکے گی جس قدر پہلے پھلے پھولے تھے۔ اور امید ہے کہ ہزاروں بھولے بھالے مسلمانوں کو ان باطل دعوؤں کی قربانی میں چڑھنا نصیب نہ ہوگا تعجب یہ ہے کہ یورپ میں جہاں دہریت اور بے دینی بڑے زور و شور سے پھیل گئی ہے۔ کوئی مہدی ظہور نہیں فرماتا۔ فقط

اشعار خاتمہ

جس گھڑی کر چکا میں اسکو تمام — نام رکھا مذاہب الاسلام
اسکی تحقیق حال میں کیا کیا — مختلف میں نے کی ہیں صبح و مسا
جتنے حالات اس میں ہیں یکجا — جامع ایسا نہیں کوئی نسخا
یہی اپنی دعا خدا یا ہے — دل و جان کی یہی تمنا ہے
عام لوگ اس سے فائدہ پائیں — علما بھی پسند فرمائیں

دے جگہ دیدۂ مسلماں میں
دل ارباب دین و ایماں میں